UNIVERSAL LIBRARY

OU_226620

UNIVERSAL LIBRARY

DAMAGE BOOK

OUP—880—5-8-74—10,000.

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۲۹۷ Accession No. U 2241

Author م ا

Title انوار الشرفان

This book should be returned on or before the date last marked below.

سلسلۂ اشاعۃ العلوم نمبر ۳۴

إن الدين عند الله الإسلام

از تازہ افاداتِ حضرت حقائق آگاہ و معارف دستگاہ عارف باللہ مولانا مولوی حاجی حافظ

شاہ محمد انوار اللہ خان بہادر معین المہام امور مذہبی ممالک محروسہ سرکار عالی

حصہ ہفتم

باہتمام

جناب مولوی حافظ محمد ولی الدین صاحب مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن

در مطبع مجموعہ پریس واقع مدرسۂ نظامیہ حیدرآباد دکن طبع شد

۱۳۳۲ھ

فہرست مضامین مقاصد الاسلام حصہ ہفتم

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱	تمہید۔	۱۰	مزاج۔
۲	عجائب جسم انسانی کے طبعی حالات	۱۲	نباتات کا حال۔
۳	مسلمانوں کو صنائع الٰہی میں	۱۸	آدمی کی غذا۔
	غور کرنیکی کیوں ضرورت ہوئی	۲۰	غلہ کی حقیقت۔
″	خواب میں ہم کہاں کہاں جاتے ہیں	۲۳	سلاطین کی کیفیات۔
۵	تمام عالم میں کوئی ذرہ ایسا نہیں جو	۲۶	ہر انسان کے خاک سے پیدا ہونیکا ثبوت۔
	صنعتوں سے خالی ہو۔	۲۷	قیامت کے ثبوت پر دلیل۔
۸	طبیعت کا بیان اور اُس کے	۳۰	غذائے انسانی۔
	متعلق اختلاف۔	۳۲	گوشت بھی انسان کی طبعی غذا ہے۔
″	باتفاق حکما طبیعت بے شعور	۳۵	وید آسمانی کتاب نہیں۔
	ہے. مگر اس کے عاقلانہ کام	۳۶	آریہ مذہب فطرت کے خلاف ہے۔
	ہوا کرتے ہیں۔	۳۹	پانی کے چھوٹے قطرے میں کل آدمیوں سے
۹	طبیعت خیر خواہ بدن ہے مگر بیماریوں کو		زیادہ حیوان ہیں۔
	خود ہی دعوت دیکر بلاتی ہے۔	۴۲	ہر روز کروڑوں جانوروں کو آریہ کا قتل کرنا

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۴۳	آدمیوں کا قتل آریوں کے نزدیک دھرم کی بات ہے۔	۶۹	خدائی لشکر۔
۴۴	مہابھارت کی لڑائی	۷۶	سماعت بصارت وغیرہ حیوان کے ذاتیات نہیں۔
۴۶	جانور ہمارے لئے پیدا کئے گئے	۷۷	معدہ متحرک ہے۔
۴۹	فطرتی طور پر انسان کی حفاظت	"	معدے کی حرکت ارادی ہے۔
۵۲	مذہب ارتقا کا رد فطرتی اصول سے	۸۳	تمام اعضاء انسان حیوان ہیں
۵۴	ہونٹوں کا حال۔	۸۴	ہمارے اعضا ہم پر گواہی دیں گے
"	قوت غاذیہ کا مقام	۸۶	ماساریقا۔
۵۷	زبان کا حال۔	۸۹	معدے کے خدام۔
۵۹	عضلات کا حال۔	"	مثانہ اور بول و براز کا حال۔
۶۱	مَرِی کا حال۔	۹۰	غاذیہ کے خدام اور اُن کے کام
۶۲	فم معدے کا حال۔	۹۲	جاذبہ کا کام۔
۶۳	ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے۔	۹۳	ماسکہ۔
۶۴	تجدد و امثال۔	۹۴	ہاضمہ۔
۶۶	طحال کی کارگذاری۔	۹۵	دافعہ۔
۶۸	معدے کی ساخت اور اسکی قوتیں	۹۶	معدے کے حیرت انگیز حالات

صفحہ	مضمون
۹۶	نفس ناطقہ کو اندرونی حال کی خبر نہیں
۹۷	طبیعت اور قوتوں سے یہ کام نہیں ہو سکتے۔
۹۸	مادے میں بھی ان کاموں کی صلاحیت نہیں۔
۱۰۰	اب حکما بھی مادے کا نام نہ لینگے
۱۰۱	جسم انسانی میں نفس کے تصرفات
۱۰۴	وحی کے اقسام۔
۱۰۶	حرارت معدہ۔
۱۰۷	ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے نہیں جلایا۔
"	مردے پر عذاب۔
۱۰۸	فزیولجی میں جو ہضم کا طریقہ بتایا گیا ہے۔
"	معدے میں تیزاب ہے جو چورن کا کام دیتا ہے
۱۱۰	روحانی قوتوں کا اثر بعد موت
۱۱۵	قصۂ سلامان و آبسال۔
۱۱۸	ترقی روحانی۔
۱۱۹	اشارات کے نمط ثامن و تاسع اور عاشر کا ترجمہ۔
"	حسی لذتوں سے باطنی لذتیں بڑھی ہوئی ہیں۔
۱۲۱	عقلی لذتیں حسی لذتوں سے کیوں بڑھی ہوئی ہیں۔
"	لذت کیا چیز ہے۔
۱۲۲	کبھی لذیذ چیزوں سے لذت بھی نہیں ہوتی۔
۱۲۳	کسی چیز کا شوق بغیر ذوق کے نہیں ہوتا
۱۲۴	لذت حاصل ہونے کی وجہ۔
"	عقلی اور حسی لذتوں میں فرق
۱۲۵	حسی لذتوں کو عقلی لذتوں کے ساتھ کوئی نسبت نہیں۔

صفحہ	مضمون
۱۲۵	ایک اعتراض اور اس کا جواب
۱۲۷	تحصیل لذائذ جسمانی باعث الم اخروی ہے۔
۱۲۸	کس چیز سے عذاب دائمی کا استحقاق ہوتا ہے۔
۱۲۹	زیرک نفسوں کے مدارج
"	عارفوں کو دارین میں اعلیٰ درجے کی لذت حاصل ہوتی ہے۔
"	اسباب توجہ و شوق۔
۱۳۰	نفوس ابلہ کا حال۔
"	محبت اور شوق کے معنی
۱۳۱	عشق حقیقی۔
۱۳۲	عشاق مشتاق کا مرتبہ۔
"	نفوس متردده کا درجہ۔
۱۳۳	عارفوں کی اجمالی حالت۔
۱۳۴	زاہد و عابد و عارف کی تعریف
"	زہد عارف و غیر عارف

صفحہ	مضمون
۱۳۴	عبادت عارف و غیر عارف۔
"	ہمت اور قوی کو وہ دنیا سے اعراض کرنیکے عادی بناتے ہیں۔ اور اسکی وجہ
۱۳۵	شریعت کی ضرورت۔
"	انبیا کو معجزوں کی ضرورت کیوں ہوئی
۱۳۶	معرفت الٰہی جزا و سزا۔
۱۳۷	نماز پنجگانہ وغیرہ کی ضرورت۔
"	جنت و دوزخ۔
"	ایمان کی ضرورت۔
۱۳۸	عارف کی خصوصیت اور ابتہاج دائمی
"	لوگوں کو معرفت کی طرف بلانیکی ضرورت
"	عارف کی معرفت اور عبادت محض لوجہ اللہ ہوتی ہے۔
۱۳۹	عارف کے خلوص کا حال ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔
۱۴۰	عارف کی حرکت جو عالم کیطرف ہوتی ہے اسکا سبب

صفحہ	مضمون
۱۴۰	ارادت و مرید۔
۱۴۱	ریاضت کے اغراض۔
۱۴۲	غیر مرتاض آدمی جانوروں سے بھی بدتر ہے۔
۱۴۳	عارف کو عشق مجازی سے کچھ نقصان نہیں۔
〃	تجلیات
۱۴۴	گویا وہ ہر چیز میں حق کو دیکھتے ہیں
〃	وہ اپنی حالت کو چھپاتے ہیں
〃	ربودگی۔
۱۴۵	وہ غائب ہوتے ہیں اور لوگ انکو حاضر سمجھتے ہیں۔
〃	جو حالت چاہتے ہیں ان کو حاصل ہوتی ہے۔
〃	ان کو خبر نہیں کہ کہاں ہیں۔
〃	ما رأیت شیئا الا رأیت اللہ بعدہ معہ و قبلہ
۱۴۶	جب وہ اپنے نفس کو دیکھتے ہیں تو ان کو خوشی ہوتی ہے۔
〃	مشاہدۂ جناب قدس۔
〃	وصول تام۔
〃	مراتب کا باہمی تفاضل۔
۱۴۷	عرفان کی ابتدا اور انتہا۔
〃	مقام جمع۔
〃	عرفان سے غرض۔
۱۴۸	وصول کے بعد کے حالات قابل بیان نہیں۔
〃	عارف ہمیشہ خوش رہتا ہے۔
〃	عارف کے مختلف حالات۔
۱۴۹	عارف کسی کے حال کی تلاش نہیں کرتا۔
〃	عارف شجاع اور سخی ہوتا ہے۔
۱۵۰	عارف کی مختلف حالتیں۔
〃	عارف سب سے غافل ہو جاتا ہے۔

صفحہ	مضمون
۱۵۰	نادان غبی تصوف کے مسائل پر تمسخر کرتے ہیں۔
۱۵۱	نمط عاشر۔
//	ترک غذا۔
۱۵۳	عارف کی مافوق العادت تحریک یا حرکت۔
۱۵۴	عارف کی قوت منجانب اللہ ہوتی ہے۔
//	عارف کا غیب کی خبر دینا
۱۵۶	قوائے نفسانیہ ایک دوسرے کو کھینچتے رہتے ہیں۔
۱۵۷	مشاہدے کے اقسام۔
۱۵۹	حس مشترک میں ہر وقت خیال کی صورتیں نہ آنے کی وجہ۔
۱۶۰	نیند نفس ناطقہ کو بھی افعال سے روک دیتی ہے۔

صفحہ	مضمون
۱۶۱	عجیب وغریب خوابوں کی وجہ۔
//	نفس کی قوت وضعف کے آثار و علامات
۱۶۲	کمی شواغل حسیہ کا اثر۔
//	نفس امور غیبیہ کو جانب اعلی سے کیونکر حاصل کرتا ہے
۱۶۴	قوت متخیلہ سریع الانتقال ہے۔
۱۶۵	خواب کے یاد رہنے اور نہ رہنے کا سبب
//	وحی الہام خواب قابل اور غیر قابل تعبیر
۱۶۶	امور غیبیہ معلوم کرنے کے طریقے۔
۱۶۸	عجائبات کے منکر وہمی ہیں۔
۱۶۹	خوارق عادات۔
۱۷۰	اسرار طبیعت۔
۱۷۱	نفس کا دوسرے ابدان میں تاثیر کرنا
۱۷۲	نفوس میں باہمی امتیاز۔
//	معجزے اور سحر میں فرق۔
۱۷۳	تاثیرات کے اسباب۔
۱۷۶	خوارق کے بیان کرنیکی ضرورت۔
۱۸۰	ناعقلوں کو معجزے اور کرامات بیان کرنیکی ضرورت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

اَمَّا بعد ہم نے مقاصد الاسلام حصۂ سوم میں انسان کا حال لکھنا شروع کیا تھا۔ اور اس میں یہ بات بتائی گئی تھی کہ انسان دو چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے ایک روح۱ دوسرا جسم۲۔ روح اور نفس ناطقہ کی بحث کسیقدر اس میں کی گئی۔ اور اس کے بعد بمناسبت مقام دوسرے مباحث پیش ہوگئے اس لئے انسان کا حال پورا نہو سکا۔ اب ہم انسان کے دوسرے جزو یعنی جسم کا حال کسیقدر

لکھنا چاہتے ہیں وَمَا تَوْفِیقِی اِلَّا بِاللّٰہِ۔

عجائب جسم انسان کے طبی حالات

اگر انصاف سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حکیم علی الاطلاق نے انسان کے جسم میں کیسی کیسی اعجوبہ کاریاں کی ہیں اور جو لوگ اُسکو صلاحیتِ مادّہ پر محمول کرکے اُن تمام صنعتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اُنہوں نے کیسی بے قدری کی۔

بات یہ ہے کہ آدمی کو جس کام سے پوری دلچسپی ہوتی ہے وہ سوائے اُس کے دوسرے کاموں کو فضول سمجھتا ہے اسلئے کہ وہ اُس کی ترقی میں ہارج ہوتے ہیں۔ چنانچہ دیوجینیس جو مشہور اور نامی حکیم ہے جس کے دیکھنے کو سکندر گیا تھا اُسکی عادت تھی کہ ریاضیین پر اعتراض کیا کرتا کہ رصد سے آفتاب و چاند و تاروں کا حال یہ لوگ معلوم کرنا چاہتے ہیں اور اپنے پاؤں کے نیچے کیا چیز ہے اس کی حقیقت نہیں معلوم کرسکتے اور جب کسی حکیم کو علمِ ہیئت و نجوم میں گفتگو کرتے دیکھتا تو کہتا کہ آسمان پر سے آپ کب تشریف لائے اور حکما جب فن موسیقی کی مشاقی کرتے تو اُن سے کہتا کہ آوازوں کی ترتیب اور تطبیق دیتے ہو پہلے اس کی ضرورت ہے کہ اپنے احوال کو عقول کے ساتھ تطبیق دے لو۔ دیکھئے باوجودیکہ یہ فنون کیسے ضروری اور مفید سمجھے جاتے ہیں مگر چونکہ

اس حکیم کو اُن سے دلچسپی نہ تھی اس لئے اُن کی توہین کیا کرتا تھا
کسی بزرگ کا شعر ہے۔ ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند وخم طرۂ یارے گیرند

ان بزرگوار پر عشق کا ایسا غلبہ تھا کہ دنیا کے کل کاموں کو فضول سمجھا اور اپنے احباب کو مشورہ دے رہے ہیں کہ تم بھی کسی کے دام زلف میں گرفتار ہو جاؤ۔

الغرض حکمار کو دنیوی منافع حاصل کرنے کی فکر ہمیشہ رہا کرتی ہے اس لئے ان کو صنائع الٰہی میں فکر کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ دیکھئے جس حکیم نے تلغراف ایجاد کیا۔ جب مادّہ برقی اور اُن ادویہ میں نظر کرتا ہوگا جو اُس مادہ میں تاثیر کرتے ہیں اسوقت اگر اس سے کہا جاتا کہ بھائی دیکھو انسان میں کیسے کیسے عجائب قدرت الٰہی ہیں اس میں غور کرو اسکی کیا حالت ہوتی بجائے اُسکے کہ اُن عجائب میں غور کرے کم سے کم اتنا تو ضرور کرتا اُسکو گھر سے باہر کر کے دروازہ بند کر لیتا یہی وجہ ہوئی کہ حکمار نے بحث مختصر کرنے کی غرض سے کہدیا کہ کل اجسام عالم کے بحسب قابلیت مادّہ بنتے جاتے ہیں اس سے زیادہ سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں یہ کہکر اپنے کاموں میں لگ گئے جن سے سردست لذات جسمانی حاصل ہوتی ہیں مگر مسلمانوں میں جو عقلا رہیں۔ انہوں نے دیکھا کہ

خدائے تعالےٰ نے ہمیں اس غرض سے نہیں پیدا کیا کہ ہم عمر بھر اپنے جسم ہی کو پالتے اور اسی کی لذتیں حاصل کرتے رہیں بلکہ مقصود ہماری پیدائش سے معرفت اور عبادت الٰہی ہے جسکے ہم مامور ہیں اور ہمارے نفوس کو خالق نے ابدی بناکر وعدہ فرمایا کہ اس معرفت اور عبادت کا بدلہ دوسرے عالم میں اس قسم کا دیا جائے گا کہ عیش وراحت اور انواع واقسام کے لذائذ جسمانی وروحانی عطا ہوں گے جو کسی کے حاشیۂ خیال میں نہیں۔ یہ خیال ایمانی اُن پر ایسا مسلط رہتا ہے کہ دنیا سے جس قدر ضروری اغراض متعلق ہیں حاصل کرکے عبادت اور معرفت الٰہی کے بڑھانے والے ذرائع کی طرف مشغول رہتے ہیں کیونکہ جن کو اس بات پر ایمان کامل ہے کہ مرنے کے بعد اُٹھنا اور خدائے تعالےٰ کے روبرو جانا ہے اور اعمال کی جزا وسزا وہاں ملنے والی ہے ان کو جسم کی آسائش کا بہت کم خیال ہوگا اس لئے کہ چند روز میں یہ جسم چھوٹ جانے والا اور نفس ناطقہ باقی رہنے والا ہے جسطرح اس عالم میں بھی دونوں میں مفارقت ہوا کرتی ہے۔

مسلمانوں کو مصنوعات الٰہی میں غور و فکر کرنے کی کیسی ضرورت ہے

دیکھئے خواب میں ہم کہاں کہاں جاتے ہیں اور کیسے کیسے صدمے اُٹھاتے اور نیز لذتیں حاصل کرتے ہیں حالانکہ یہ جسم بستر پر پڑا رہتا ہے

اور خواب میں بلکہ بیدار ہونے کے بعد بھی سمجھتے ہیں کہ وہ سب ہم ہی پر گذرا ہے اور اس کے آثار بھی مرتب ہوتے ہیں چنانچہ اُن کی تعبیروں کا ظہور حکما کے اقوال سے بھی ظاہر ہے اسیطرح مفارقت بعد موت بھی ہوگی اور یہ جسم ہمارا ساتھ نہ دیگا اسیوجہ سے وہ جسم کی ایسی آسائش کو ہرگز پسند نہیں کرتے جس سے اپنی دائمی آسائش میں خلل واقع ہو اور چونکہ نفس ناطقہ کے لئے یہ جسم مرکب بنایا گیا ہے جو ترقیات کے منتہے تک پہونچانے کا ذریعہ ہے اس لئے کہ جتنے اسباب نفس کی ترقیات کے ہیں سب جسم سے متعلق ہیں کیونکہ اس کے کل کام اس عالم میں جوارح سے متعلق ہیں۔ دیکھئے اگر دماغ میں فتور آجائے تو آدمی کسی کام کا نہیں رہتا۔ اسی طرح جو کام دوسرے جوارح سے متعلق ہیں اُن میں خلل آنے سے وہ کام نہیں ہوسکتے۔ اس وجہ سے وہ اس مرکب کو اس قدر آرام نہیں لینے دیتے کہ منزل مقصود یعنی ترقیات سے محروم رہجائیں اس لئے اس مرکب کی ضروری ضروری حاجتوں کو پورا کرکے اور بقدر ضرورت اُسکو آرام دیکر اُس کام میں لگائے رکھتے ہیں جس سے اپنی دائمی آسائشیں متعلق ہیں اور عقل سے وہ کام لیتے رہتے ہیں جو ذریعۂ معرفت

الٰہی ہیں یعنی مصنوعات الٰہی میں اکثر اوقات غور و فکر کرتے رہتے ہیں جس سے معرفت الٰہی میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ کی کنہ ذات کی معرفت تو ممکن ہی نہیں۔ اب معرفت ہو تو صفات ہی کی وجہ سے ہوگی اور معرفت صفات بغیر مصنوعات میں غور و فکر کرنے کے ظاہراً ممکن نہیں دیکھئے اگر کسی جاہل سے کہا جائے کہ خدائے تعالیٰ نے آسمان و زمین وغیرہ بنائے ہیں تو وہ سمجھے گا کہ آخر لوگ گھر وغیرہ بنایا ہی کرتے ہیں اسیطرح خدا نے بھی بنایا ہوگا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس سرسری قیاس سے خدائے تعالیٰ کے ساتھ کوئی تعلق خاص پیدا نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اس کے کوئی عقلمند ہر ایک چیز میں اپنی پوری توجہ اور عقل صرف کرکے دیکھے کہ کس قدر صنعتیں اس میں رکھی گئی ہیں جن کے ادراک میں عقل حیران ہوتی ہے تو وہ بے اختیار کہہ اٹھیگا سبحانہ ما اعظم شانہ اور جس قدر مصنوعات میں غور و تامل کرتا جائے گا یقین بڑھتا جائے گا کہ وہ کام خدا ہی کے ہیں۔ ممکن نہیں کہ ایسی صنعتیں دوسرے سے وجود میں آئیں۔ پھر اس کے بعد دوسرے صفات مثلاً علم۔ حکمت۔ ربوبیت وغیرہ پیش نظر ہوتے جائینگے جن سے یہ معرفت حاصل ہوگی کہ جتنے صفات کمالیہ ہیں سب

خالق عزوجل ہی کے شایاں ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ محبت آلہی پیدا ہوگی۔ دیکھئے ابتداءً مقلد اپنے امام کو ایک عالم سمجھتا ہے مگر جب اُس کے تفصیلی اجتہادوں اور دلائل کی نزاکتوں پر مطلع ہوتا ہے تو اُسکو ایک خاص طور کی محبت اپنے امام سے ہوتی ہے جو جاہل مقلد کو نہیں ہوتی اسی طرح ہر کمال والے کے ساتھ تفصیلی حالات معلوم ہونے پر محبت پیدا ہوتی ہے۔ پھر خدائے تعالےٰ کے کمالات ذاتیہ پر مطلع ہونے کے بعد جو محبت پیدا ہوگی ظاہر ہے کہ سب بے مثل ہوگی کیونکہ کمالات آلہیہ سب بے نظیر ہیں پھر اس محبت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی اطاعت نفس پر آسان ہوگی جیسا کہ محبت کالازمہ ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎ ان المحب لمن یحب یطیع ۔ اور اس اطاعت کا نتیجہ سعادت ابدی ہوگا جس سے سعادت چند روزۂ دنیوی کو کوئی مناسبت نہیں۔ الحاصل مصنوعات آلہیہ میں غور و تدبر کرنا سعادت ابدی کا حاصل کرنا ہے۔

یوں تو تمام عالم میں کوئی ذرہ ایسا نہیں جو صنعتوں سے خالی ہو مگر جو چیز اپنے پاس موجود ہو اُس کو چھوڑ کر دور جانا بیقدر بے ضرورت سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ کام اگر اپنے ہی سے شروع کیا جائے تو انسب ہوگا اور حقتعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ تم اپنے نفسوں ہی میں

کیوں نہیں دیکھ لیتے کما قال تعالیٰ وفی انفسکم افلا تبصرون
اس لئے ہم تھوڑا سا حال جسم انسانی کا یہاں بیان کرتے ہیں۔ مگر ہم
قبل اس کے کہ جسم کا حال بیان کریں تھوڑا سا طبیعت کا تذکرہ
بھی مناسب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ وہ گویا مابین نفس اور جسم کے ایک چیز
ہے جسکو جسم نہیں کہہ سکتے۔ باوجودیکہ طبیعت جسم میں ہے مگر حکماء
حیران ہیں کہ وہ کیا چیز ہے کوئی کہتا ہے وہ اجزائے بدن کا نام ہے
کوئی ہیئت ترکیبیہ کو طبیعت قرار دیتا ہے کوئی صورت نوعیہ کو۔
افلاطون کا قول ہے کہ وہ ایک قوت الٰہیہ ہے جو مصالح بدن کے
لئے مامور ہے غرضکہ انتیس ۲۹ اقوال اس کے متعلق حکماء سے منقول
ہیں۔ جن کو حکیم حاجی مولوی محمود صمدانی صاحب نے اپنے رسالہ
جگر میں بالتفصیل بیان کیا ہے۔ حکما کا اتفاق ہے کہ طبیعت
بے شعور ہے مگر حیرانی یہ ہے کہ وہ اکثر ایسے کام کرتی ہے جیسے
کوئی بڑا مدبر عاقل کیا کرتا ہے۔ مثلاً جب متعدد امراض کے لئے
کوئی مرکب دوا کھلائی جاتی ہے تو سب دوائیں معدہ میں بہ ہیئت
مجموعی جاتی ہیں مگر طبیعت ہر ایک مرض سے متعلق جو دوائی ہوتی
ہی وہ وہیں پہونچا دیتی ہے جہاں وہ مرض ہے خواہ وہ سر میں ہو
یا پاؤں وغیرہ میں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہر ایک

دوا کی خاصیت اور مرض کی نوعیت کو پہچان کر اس مجموعہ ادویہ میں سے ہر ایک دوا کو الگ الگ کر دیا اور تمام اعضا کو اس سے بچا کر ضرورت کے مقام پر پہونچا دیا اگر طبیعت یہ کام نہ کرتی تو ہر دوا کا اثر پہلے معدہ پر پڑتا اُس کے بعد تمام اعضا میں دوا تاثیر کرتی پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کیسی ہی مفید دوا دیجائے مرض بڑھتا جاتا ہے۔ جیسا کہ مولانا ئے روم رح فرماتے ہیں ؎

از قضا سرکنگبیں صفرا فزود روغن بادام خشکی می نمود

پھر طرفہ یہ ہے کہ طبیعت باوجودیکہ خیر خواہ بدن ہے مگر اکثر اوقات بیماریوں کو دعوت دیکر خود ہی بلاتی ہے۔ چنانچہ ایسی چیزوں کے کھانے اور کام کرنے پر مجبور کرتی ہے کہ وہ کرتے ہی خواہ مخواہ بیماری آجائے خصوصاً مرض کی حالت میں ایسے چیزوں کی خواہش کرتی ہے کہ مرض ترقی پذیر بلکہ اور چند امراض بھی اس کے ساتھ جمع ہو جائیں اب اس کو خیر خواہ بدن کہیں یا بدخواہ ان امور پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ طبیعت برائے نام ہے ہوتا وہی ہے جو خدائے تعالیٰ کو منظور ہے اس لحاظ سے اگر ہم طبیعت کو بھی ایک فرشتہ قرار دیں کہ خدائے تعالیٰ کیطرف سے جسم انسانی پر مسلط ہے اور جو کچھ منظور الٰہی ہے بذریعۂ الہامات

مطلع ہوکر وہ کام کرتا ہے تو بے موقع نہو گا کیونکہ فرشتوں کے حال میں حقتعالےٰ فرماتا ہے لا یعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلو ما یومرون یعنی فرشتے خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم اُن کو ہوتا ہے وہ بجالاتے ہیں یہ بات اُس پر پورے طور سے صادق آتی ہے بہرحال طبیعت میں آدمی فکر کرے تو معلوم ہو کہ یہ کیسی عجیب الخلقت چیز ہے۔ اس کے بعد تھوڑا سا مزاج کا بھی حال سُن لیجئے۔

مزاج

نفیسی وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اطبا اور حکما کا اتفاق ہے کہ معدنیات اور نباتات وحیوانات اور انسان میں عناصر اربعہ یعنی آگ، پانی، ہوا، خاک، جمع ہوتے ہیں اور باہم اُن میں کسر وانکسار ہوتا ہے اس کے بعد مزاج بنتا ہے۔

دیکھئے ان میں کیسی منافرت تامہ ہے کہ کسی کے حیز میں دوسرا نہیں ٹھیر سکتا باوجودیکہ ہوا اور پانی کے کرہوں میں نہایت قربت اور اتصال ہے مگر ہوا پانی میں چھوڑدی جائے تو اُس کو چیر پھاڑ کر فوراً نکلجاتی ہے۔ پھر اُن میں کوئی حار ہے تو کوئی بارد کوئی رطب ہے تو کوئی یابس۔ یہ صفات مقتضی ہیں کہ بمصداق الضدان

لا یجتمعان کوئی ایک ان میں سے دوسرے کے ساتھ جمع نہو سکے مگر جس وقت کوئی شخص بنتا ہے خواہ وہ انسان ہو یا حیوان وغیرہ اُن چاروں اضداد کو جو بالطبع ایک دوسرے سے بھاگتے ہیں حق تعالے ایک جگہ جمع کر دیتا ہے جس سے اُن میں ایک انقلاب عظیم اور شورش برپا ہوتی ہے۔ ہر چند وہ سب باہمی خلط ملط اور کشت مشت سے ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ مگر مجال نہیں کہ کوئی دوسری سے بحسب اقتضائے طبع اپنے حیّز کی طرف قدم بڑھا سکیں۔ اور چونکہ حقتعالیٰ کو قدرت نمائی منظور ہے کہ وہ اضداد متنافرہ اس عجائب خانۂ بدن میں جمع رہیں اس لئے اُن میں باوجود اتصال باہمی کے کون وفساد نہیں ہوتا حالانکہ عناصر کا کون وفساد عقل ومشاہدے سے ثابت ہے۔ پھر اس مجموعۂ اضداد پر ایک اعتدالی کیفیت فائض فرماتا ہے جو صاحب مزاج کی نوع کے شایاں ہو۔ مثلاً شیر کے مزاج کا اعتدال خرگوش کے مزاج کا اعتدال نہیں ہو سکتا۔ اگر شیر کی حرارت خرگوش میں آجائے تو عجب نہیں کہ ہلاک ہو جائے۔ پھر ہر ایک نوع کے اشخاص کا مزاج بھی یکساں نہیں۔ کوئی گرم ہے تو کوئی سرد وغیرہ پھر طرفہ یہ کہ ایک شخص کے کل اعضا کا مزاج بھی ایک طور پر نہیں ہڈیوں

اتنی برودت ہے کہ اگر وہ دل میں آجائے تو عجب نہیں کہ اُس کو بلکہ آدمی کو ٹھنڈا کردے۔ پھر وہ مجموعۂ اضداد ہر مقام و ہر حالت میں ایک نئے رنگ میں ظہور کرتا ہے جس عضو کو دیکھئے اُس کا مزاج ہی نرالا ہے۔ اب کہئے کہ کہاں گئی وہ ہر ایک کی خودسری کہ پانی آگ کو ٹھنڈا کردیتا تھا آگ پانی کو بخار بنا کر اُڑا دیتی تھی کہاں گئے وہ صورت نوعیہ کے لوازم جن کا وجود ضروری سمجھا جاتا تھا اب اگر اس لحاظ سے کہ اذا ثبت الشئی ثبت بلوازمہٖ یہ کہا جائے کہ مزاج میں عناصر کی صورت نوعیہ باقی نہیں رہی بلکہ کسر و انکسار میں فنا ہو جاتی ہے تو وہ قابل تسلیم نہیں۔ اس لئے کہ محققین نے تصریح کردی ہے کہ مزاج بننے کے بعد بھی عناصر کی صورت نوعیہ باقی رہتی ہے اور جن حکما نے اس کا انکار کیا اُس کو مشاہدے سے باطل کردیا جیسا کہ نفیسی کی بحث مزاج میں لکھا ہے ویرجع القول حینئذ الی مذہب من یقول ببطلان صور العناصر فی المزاج وحدوث صورۃ اخری وکیفیۃ اخری وھو فاسد لما نشاھد العناصر الاربعۃ باقیۃ علی صورھا اذا قطر المرکب بالقرع والانبیق اور شیخ نے شفا میں اُن لوگوں کی شکایت کی ہے جو بطلان صور نوعیہ کے قائل ہیں جیسا کہ مولانا عبد الحلیم رح نے

حاشیۂ نفیسی میں لکھا ہے قال الشیخ فی الشفاء ان قوماً قد لخرعوا فی قرب زماننا مذہباً غریباً قالوا ان البسائط اذا امتزجت وانفعلت بعضہا من بعض فلا یکون الواحد منہا صورتہ الخاصة بل کل واحد منہا یخلع صورتہ ویلبس صورة واحدة اس سے تو کل اطبائے سابق کا اتفاق صور نوعیہ کے بقا پر ثابت ہے اور مولانائے ممدوح نے اُسی میں لکھا ہے قال بعض شراح القانون اما ان صور العناصر ہل ہی باقیة عند تحقق المزاج ففیہ خلاف والحق انہا باقیة الخ۔ اب وہی صورت نوعیہ موجود ہے مگر دم نہیں مار سکتی۔ دیکھئے قدرت اسے کہتے ہیں کہ کسی کے مقتضائے طبع اور لوازم ذاتی کو چلنے نہ دے جسکو دیکھئے اُس کے آگے سربسجود ہے ہر ایک کی صورت نوعیہ زبان حال سے کہ رہی ہے کہ سوائے امتثال امر کے مجھ سے کچھ بن نہیں پڑتا اگر عقل رہبری کرے تو یہ خدام طبیعت ومزاج یعنی اطبا کے لئے ایک عظیم الشان ہدایت ہے کہ کوئی صورت نوعیہ خواہ عناصر کی ہو یا ادویہ کی بغیر حکم خالق کچھ کام نہیں کر سکتی مقصود یہ ہے کہ جس طرح اُن کے مخدوم نے خودسری کو چھوڑ کر امتثال امر الٰہی اختیار کیا وہ بھی اختیار کرلیں

اور یہ سبق حاصل کریں کہ جس طرح اپنے مخدوم کو بدن کے قید خانے میں محبوس کیا ہے قادر ہے کہ جس قید خانے میں چاہے محبوس کر دے اگر اس پر بھی اپنی تدبیر اور قدرت اور ادویہ کی صورت نوعیہ پر پورا بھروسہ ہو تو سمجھا جائے گا کہ حکمت وبصیرت سے ان کو کوئی حصہ نہیں ملا تعجب کا مقام تو یہ ہے کہ ہر روز توجہ دلانے پر بھی ہم لوگوں کو توجہ نہیں ہوتی۔ دیکھئے جب کسی دوست سے ملاقات ہوتی ہے تو پہلے مزاج کی کیفیت پوچھی جاتی ہے جس کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اُن غریب عناصر کا کیا حال ہے جو اپنے وطن اصلی کو چھوڑ کر آپ کے یہاں دشمنوں کے پہلو میں سکونت پذیر ہیں اس کے جواب میں وہ بآواز بلند کہتے ہیں کہ الحمد للہ ہم سب خیریت سے ہیں پانی کا ہر ایک جزو کہتا ہے کہ آگ میرے پہلو میں ہے مگر ہم دونوں کے بیچ میں ایک ایسا غیر محسوس پردہ پڑا ہوا ہے کہ

مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان

کا مضمون پورا پورا صادق آرہا ہے آگ کی گویا خبر ہی نہیں کہ میں اس کے پہلو میں ہوں ورنہ دم بھر میں اس کی حرارت سے ہوا ہو جاؤں اسیطرح آگ کہتی ہے کہ خدا کا فضل ہے کہ میں امن وامان سے ہوں اگر پانی کا بس چلے تو مجھے طرفۃ العین

میں ٹھنڈا کردے۔ علیٰ ہذا القیاس چاروں ہمزبان ہوکر اپنی صحت و عافیت پر الحمد للہ کہتے ہیں اور اس تقریر کے ضمن میں بزبان حال یہ بھی کہتے ہیں کہ جب تک خدائے تعالےٰ کا فضل ہے آدمی کو کسی سے کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ دشمن کیسا ہی قوی اور اس کے بازو ہی میں کیوں نہ رہتا ہو مگر کچھ نہیں کرسکتا۔

ہاں اس تقریر کے سننے کے لئے توجہ درکار ہے۔ جو ہمہ تن دوسرے دھندوں میں مشغول ہو اس کے سامنے باریک بات تو کیا موٹی بات بھی بیان کی جائے تو سمجھ میں نہ آئے گی۔ خدائے تعالیٰ نے ہم لوگوں کو اس قسم کی باتیں سننے کے کان اور عجائبات قدرت کے دیکھنے کی آنکھیں عنایت فرمائیں۔

تاریخ فلاسفۂ یونان میں شیلون فیلسوف کے حال میں لکھا ہے کہ بقراط نے ایک بار قربانی کی جب دیگ میں گوشت اور سرد پانی ڈالا گیا تو بغیر آگ کے پانی گرم ہونے لگا یہاں تک کہ خوب جوش کھا کر اُبلنے لگا اور بغیر آگ کے گوشت پک گیا اس موقع میں شیلون حکیم بھی موجود تھا یہ دیکھکر سب کو نہایت تعجب ہوا۔ شیلون وہ حکیم ہے جس نے بقراط سے کہا تھا کہ تم شادی نہ کرو اور اگر کروگے تو جو اولاد ہو اسکو قتل کر ڈالو بقراط نے نہ مانا آخر یہ ہوا کہ اُس کا لڑکا بیزسترانت نامی سلطنت

اینٹا کو غصب کیا اور وہاں کے لوگوں کو سخت اذیتیں پہنچائیں

کذا فی التاریخ المذکور۔

دیکھئے سرد پانی کی صورت نوعیہ کا یہ مقتضٰی نہیں کہ کسی چیز کو گرم کر کے پکائے اور بغیر آگ کے اُس میں جوش پیدا ہوجائے مگر حق تعالےٰ کو اُس مجمع حکما میں اپنی قدرت نمائی اور اُن کے عقلوں کو متحیر کرنا منظور تھا۔ الحاصل صورت نوعیہ کے آثار کو روک دینا اور اس کے آثار ظاہر کرنا قدرت الٰہی سے کچھ بعید نہیں۔

اب ہم انسان کا مختصر حال بیان کرنا چاہتے ہیں اور چونکہ اُسکی تخلیق خاک سے ہے اس لئے ہم بھی اسی سے ابتدا کرتے ہیں وما توفیقی الا باللہ۔

تخم نباتات کا حال

الدر اللامع فی النبات ومافیہ من الخواص والمنافع میں لکھا ہے کہ تخم میں تین طبقے ہوتے ہیں جن میں تیسرے طبقہ کا نام سویدا ہے یعنی تخم کا جوہر قلبی اسی میں بچہ رہتا ہے جو نشو و نما پا کر درخت یا بیل ہوتا ہے۔ سویدا میں ایک خلط لطیف و شفاف ہوتا ہے جسکو خلیہ کہتے ہیں جب وہ قابلیت پیدا کرتا ہے تو

جنین ایک نقطے کی ہیئت پر اُس خلط میں تیرتا اور بڑھتا ہے پھر اُس میں

جڑیں پیدا ہوتی ہیں انتہیٰ - علامہ فرید وجدی نے کنز العلوم واللغہ میں لکھا ہے کہ خلیہ ہر نبات کی اصل ہے وہ ایک چھوٹی تھیلی ہوتی ہے اُس کے بڑھنے کا یہ طریقہ ہے کہ جب تخم بویا جاتا ہے اور اُس کے عناصر تحلیل ہو جاتے ہیں تو وہ تھیلی تھوڑا تھوڑا اُسی پانی کو چوسنا شروع کرتی ہے جس کو اس کی تحلیل میں دخل ہے پھر تھوڑا سا حجم اُس کا بڑھکر دو خلیہ بن جاتے ہیں یا دوسری تھیلی اُس کے بازو میں پیدا ہوتی ہے اگرچہ یہ تھیلیاں بکثرت بنتی جاتی ہیں جن سے درخت کی غذا ہوتی ہے مگر دیکھنے میں وہ سب متصل واحد ہیں اور ایک ہی مادہ معلوم ہوتا ہے۔ البتہ کلاں بین سے دیکھی جائیں تو ممتاز ہونگی الدر اللامع میں لکھا ہے کہ اکثر نباتات میں یہ چیزیں ضرور ہوتی ہیں۔ جڑ جس سے درخت کا ثابت رکھنا اور زمین سے غذا کو جذب کرنا مقصود ہے۔ پیڑ، پتے، پھل، پھول وغیرہ اور ان میں بعض اعضا غذا پہنچانے کے لئے موضوع ہیں جن سے بقائے شخصی متعلق ہے اور بعض اعضائے تناسل ہیں جن سے بقائے نوعی متعلق ہے۔ اعضائے تغذیہ پوست، تمدوات نخاعی، مسامات اور کئی قسم کی نلکیاں ہیں جن میں عصارۂ مائیہ یعنی ایک قسم کا نچوڑ جاری رہتا ہے،

پتوں میں مسامات ہوتے ہیں جن سے عصارۂ مائیہ آتا ہے اور ان ہی سے اُن اجزائے ہوائیہ وغیرہ کو باہر کرتے ہیں جن کو تغذیہ میں کوئی دخل نہیں اور بخارات اور رطوبات جو ہوا میں ہوتے ہیں اُن ہی کے ذریعے سے چوستے ہیں۔ پھر اُن کے پھولوں میں عموماً اعضائے تناسل نر و مادہ کے ہوتے ہیں۔ عضو نر عضو مادہ کو سیراب کرتا ہے جس سے حمل ہو کر بچہ پیدا ہوتا ہے یعنی تخم جس سے ہر نوع نبات کی بقا متعلق ہے۔

فن نباتات ایک وسیع علم ہے چنانچہ الدر اللامع تقریباً تین سو ۳۰۰ صفحہ کی کتاب ہے اور اس سے بڑی بڑی کتابیں اس فن کی موجود ہیں اس فن کے دیکھنے سے یہ بات منکشف ہو جاتی ہے کہ نباتات میں بھی قدرت الٰہی کی بے انتہا صنعتیں رکھی ہیں جن میں عقل حیران ہو جائے۔

نباتات کے بیان سے یہاں مقصود یہ ہے کہ انسان کی غذا نباتات سے ہے جس سے اُس کی نشو و نما بلکہ تکون متعلق ہے اس میں شک نہیں کہ غذائے انسانی صرف نباتات ہی نہیں بلکہ حیوان بھی اُس میں شریک ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حیوانات باوجودیکہ بہ نسبت انسان کے ہزاروں حصے زائد ہیں مگر کسی حیوان کا رزق ایسا نہیں کہ اُس کی پیدائش

آدمی کی غذا

میں کسی حیوان کی سعی و تردد کو دخل ہو گھانس سے جن حیوانات کی خوراک ہے کبھی ان کو ضرورت نہیں ہوتی کہ زراعت کرکے حاصل کریں بلکہ ہرسال جنگل کا جنگل چر جاتے ہیں پھر دوسرے سال خدائے تعالیٰ کی قدرت سے وہ خود بخود اگتا ہے بخلاف غلّے کے جو خاص انسان کی خوراک ہے وہ کسی جنگل میں اگتا ہوا نظر نہیں آتا جب تک ہزاروں آدمی مہینوں اُس کی تحصیل میں دن رات محنت شاقہ نہ اُٹھائیں۔ چنانچہ منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار نے جو لکچر زراعت ہند پر دیا ہے اُس میں مذکور ہے کہ ۱۸۸۱ء کی رپورٹ مردم شماری ہند سے ثابت ہے کہ ہندوستان کے اُس حصے کی آبادی جو زیر قلمرو سرکار انگریزی ہے اُنیس ۱۹ کروڑ ہے اُس میں فی صدی نوّے ایسے آدمی ہیں جو کاروبار زراعت سے متعلق ہیں۔ اور سلطنت کے محکمۂ مالگذاری کا ایک بڑا حصہ اسی کی نگرانی کرتا ہے ہر گاؤں میں بارہ خدمتیں اس کام کی مقرر ہیں جن کو ہمارے ملک میں بارہ بلوتے کہتے ہیں۔ بیل اسی کام کے لئے بنائے گئے ہیں جو انسانوں کے ساتھ مانوس ہیں دوسرے حیوانوں کی طرح جنگل میں بھاگ نہیں جاتے پھر جن درختوں سے انسان کی غذا متعلق ہے ہر سال اُس کی زراعت کی ضرورت ہے بخلاف دوسرے درختوں کے

کہ سالہا سال قائم رہتے ہیں غرض کہ ان فطرتی قرائن سے ظاہر ہے کہ انسان کو فطرت نے مجبور کر رکھا ہے کہ وہ غلہ حاصل کرکے اپنی غذا بنائے بلکہ اگر کہا جائے کہ غلہ ہی غذا ہے اور گوشت وغیرہ سالن اور دوسرے منافع کیلئے موضوع ہیں تو بے موقع نہو گا۔ پھر جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اُن کی غذا بھی نباتات ہی ہے اور درندے گو گھانس نہیں کھاتے مگر جن جانوروں کو وہ کھاتے ہیں اُن کی غذا نبات ہی ہے اس لحاظ سے ہر جانور اور انسان کی غذا کا خاتمہ نباتات ہی پر ہو گا۔

غلّے کی حقیقت

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ نباتات خصوصاً غلّے کی حقیقت کیا ہے حکمت قدیمہ میں تو مصرح ہے کہ وہ اجزائے ارضیہ ہیں جس کا مطلب کھلے لفظوں میں یہ ہو گا کہ مٹی نے بحسب قابلیت استعداد محل نباتات کی صورت اختیار کر لی ہے گو نام کا تو وہ غلہ ہے مگر اُس کے کل اجزا اجزائے ارضیہ ہیں۔ البتہ حکمت جدیدہ میں ان کا اجزائے ارضیہ ہونا صاف طور پر نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ تخم میں جو مادہ خلویہ رہتا ہے وہی پانی کی مدد سے بڑھتا جاتا ہے مگر اس کا مطلب اگر یہ سمجھا جائے کہ مادۂ خلویہ جو عصارہ مائیہ بنتا جاتا ہے اُس میں زمینی مادہ ہوتا ہی نہیں بلکہ اصلی مادہ جو خشک تخم میں تھا وہی

بڑھتا جاتا ہے تو لازم آئے گا کہ لطیف پانی بغیر کسی کثیف چیز کے گڈ مڈ ہو جائے۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ برگد کے تخم میں مثلاً جو اصلی مادۂ خلاویہ ہے وہ ایک گھنگچی برابر نہیں اور تمام درخت میں جو خلوی مادّہ موجود رہتا ہے تخمیناً ایک من سے بھی زیادہ ہوگا پھر کیا ممکن ہے کہ ایک گھنگچی برابر مادّہ ایک من پانی کو گڈ مڈ بنا دے اس سے ثابت ہے کہ عصارۂ مائیہ میں وقتاً فوقتاً زمین کے اجزا شامل ہوتے جاتے ہیں پھر عقل اور مشاہدے سے ثابت ہے کہ پانی جزو بدن نہیں بن سکتا اس لئے کہ وہ لطیف اور سیال ہے اور جسم کثیف اور جامد ممکن نہیں کہ لطیفِ سیال کثیفِ جامد کا جزو بن سکے اسی وجہ سے جو پانی پیا جاتا ہے پیشاب اور پسینہ وغیرہ بن کر نکل جاتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ وہ عصارہ جس سے جسم نباتی بڑھتا ہے وہ اجزائے ارضیہ ہیں۔ غرض کہ خلوی مادّہ میں اجزائے ارضیہ ضرور شامل ہوتے ہیں اسی وجہ سے جڑیں زمین میں گڑی رہتی ہیں جن سے درخت اپنی غذا یعنی اجزا ارضیہ اور مائیہ کو جذب کیا کرتا ہے۔ جغرافیۂ طبعیہ میں احمد افندی نے لکھا ہے کہ زمین اُن نباتات کے لئے جو اُس میں پیدا ہوتے ہیں وہ جواہر یعنی مادّے فراہم کرتی رہتی ہے جن سے اُن کی غذا

ہو۔ علم الملاحۃ فی علم الفلاحۃ میں عبد الغنی نابلسی رح
نے لکھا ہے کہ غلّے اور بقول جو زمین سے غذا حاصل کرتے ہیں
اُن میں گیہوں غذا اور دسومت یعنی چکنائی زمین سے زیادہ حاصل
کرتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ جڑیں نہایت باریک ہوتی ہیں اُن میں
یہ صلاحیت نہیں کہ زمین کے اجزا یا گاد کو کھینچ سکیں اسلئے
کہ منافذ اُن ریشوں کے نہایت باریک ہیں تو ہم کہیں گے کہ آدمی
میں ماساریقا بھی ایسے ہی باریک ہیں باوجود اس کے جتنی غذا
معدے میں جاتی ہے کیسی ہی کثیف وثقیل کیوں نہو اُس کا خلاصہ
اُن ماساریقا کی راہ سے جگر میں جاتا ہے۔ ایسے ہی امور تو آدمی کو
حیران کر کے طوعاً وکرہاً یہ کہلواتے ہیں کہ یہ سب خدائے تعالے
کی قدرت نمائیاں ہیں ورنہ ممکن تھا کہ آدمی جو کچھ کھاتا ہے وہ بعینہٖ
تمام جسم میں منتشر ہو کر جس جس مقام کا مادّہ تحلیل ہو گیا ہو وہاں
لگ جاتا جسطرح دیواروں کی ترمیم کی جاتی ہے اور اُس کی بھی
ضرورت نہ تھی پتھر ہی کا جسم بنا دیا جاتا جس کو بدل ما یتحلل کی حاجت
ہی نہ ہوتی آخر پتھر بھی تو خالق ہی نے بنائے ہیں۔

الحاصل حق تعالے کو منظور ہوا کہ درخت کو جسم کثیف بنائے تو اجزائے
ارضیہ کو اُس میں داخل کرنے کی یہ تدبیر فرمائی کہ پہلے پانی اُس میں

ملایا گیا کیونکہ مٹی کے اجزا یبوست کی وجہ سے متفرق رہتے ہیں
اور جب تک اُن میں رطوبت نہ ملے اکھٹے نہیں ہوتے جیسے
دیوار بنانے کے لئے مٹی میں پانی ملایا جاتا ہے تاکہ اُس کے
اجزا متماسک اور ایک دوسرے سے چسپیدہ ہو جائیں پھر جب
دیوار بن جاتی ہے تو پانی اس غرض کو پورا کرکے ہوا ہو جاتا ہے
اور مٹی مستقل قائم ہو جاتی ہے۔ اسیطرح جو مٹی پانی کے ساتھ شریک
ہوکر جڑوں کی راہ سے درخت میں جاتی ہے باقی رہجاتی اور پانی خشک
ہوجاتا ہے جیسا کہ خشک درخت اور غلے میں محسوس ہے مگر مٹی جو پانی
کے ساتھ درخت میں جاتی ہے اس میں صنعت یہ ہے کہ جڑوں کو
خالق نے یہ احساس دیا ہے کہ اُس کیچڑ میں سے ایسا خلاصہ
اور جوہر جذب کریں جو اُن باریک باریک راہوں سے جو جڑوں میں
بنائی گئی ہیں بآسانی جاسکیں اور ایسے کثیف مادّے کو نہ لیں جو سدہ
پیدا کریں۔ اسی مادّے کا نام سُلالہ طین ہے یعنی کیچڑ کا نچوڑ۔ یہ سُلالہ مادۂ
خلویہ کو بڑھا کر پہلے ایک باریک کاڑی کی شکل قبول کرتا ہے جسمیں
سوراخ ہو۔ پھر ریشوں کی شکل قبول کرتا ہے پھر جڑ کی شکل۔
اُس کے بعد پیڑ کی۔ اُس کے بعد شاخوں کی۔ پھر پتوں اور پھل
اور پھول کی شکل قبول کرتا جاتا ہے۔

ان تمام اشکال میں اُسی ایک قسم کے مادے یعنی سُلالہ کا ظہور ہے صرف ہر موقعہ میں خاص خاص تعینوں کے لحاظ سے اُس کا نام بدلتا جاتا ہے کہیں جڑ ہے تو کہیں پیڑ کہیں پتا ہے تو کہیں پھول اور پھل اسلئے کہ جب سے تخم میں تغیرات شروع ہوئے اور درخت کے وجود کی ابتدا ہوئی آخر تک اُسی پانی اور مٹی کا خرچ ہے پھول وغیرہ بننے کے وقت کوئی نئی چیز اُن میں شریک نہیں ہوئی۔ اب دیکھئے کہ پھول کو جس طرح تعین خاص کے لحاظ سے پھول کہنا صحیح ہے اُس کو سُلالہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسلئے کہ آخر اُسی نے اُس تعین خاص کو قبول کیا ہے۔ دونوں میں کسی قسم کی مبائنت یا مغائرت نہیں البتہ یہ خیال ہو سکتا ہے کہ پھول ظاہر ہے اور سُلالہ باطن مگر چونکہ سُلالہ کا ظہور اُس تعین خاص میں ہوا اس لحاظ سے سُلالہ کو ظاہر اور پھول کو مظہر کہیں تو بھی صحیح ہے۔ اس صورت میں کہہ سکتے ہیں کہ وہی سُلالہ ظاہر ہے اور وہی باطن مگر بحسب خصوصیت مقام و موطن اُس کے اشکال مختلف ہیں۔ غرض کہ کامل درخت اُسی سُلالہ کا مظہر اور سلالہ اُس میں ظاہر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہہ سکتے کہ سُلالہ اُس میں حلول کیا ہے یا دونوں میں اتحاد ہے اس لئے کہ حلول و اتحاد تو وہاں ہو کہ دو چیزیں باہم مغائر ہوں

اور یہاں مغائرت کا احتمال تک نہیں۔ ہر چند سُلالہ پھول وغیرہ
تعینات کا عین اور ان سب پر منبسط اور محیط ہے۔ مگر ہر ایک
تعین کا حکم جدا اور آثار مختلف ہیں جس کو دیکھئے ایک نئے
رنگ میں ہے کسی میں بو ہے۔ تو کسی میں رنگ۔ اور کوئی زہر
ہے تو کوئی تریاق۔ کہیں خوشگوار شیرہ ہے تو کہیں عصارۂ
زقومی، کہیں گل ہیں تو کہیں خار۔ غرضکہ یہ سب بوقلمونیاں اُسی سُلالے
کی ہیں مگر وہ اپنی صرافت ذاتیہ میں ان سب عوارض سے معرا ہے
اور یہ سب کرشمے اُنہیں اعیان کے ہیں جن کو سوائے سُلالے کے
وجود ہی نہیں۔ کیونکہ ان سب اعیان سے اگر وہ سُلالہ علیحدہ ہوجائے
تو سب عدم محض رہجائیں گے اس سے ثابت ہے کہ عین
ظہور میں بھی وہ فی نفسہ معدوم ہیں۔ کیونکہ اگر وجود ہے تو نفس
سلالے کا ہے ان کا وجود ایک اعتباری سا ہے۔ البتہ اس لحاظ
سے کہ اُن کے آثار نمایاں اور لوازم مختلف ہیں اُن کو وجود وعدم
کے مابین ایک درجہ دیسکتے ہیں جس کی تعبیر حسب اصطلاح
معقول ثبوت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے اُن کو
اشیاء ثابتہ کہنا صحیح ہوگا۔ غرض کہ سُلالہ جب اُس درجے تک پہنچا
جس کا نام غلہ رکھا جاتا ہے اور اُس کا پانی سوکھ گیا تو اب معوط ہے

مٹی کے اور کوئی چیز باقی نہیں رہی کیونکہ پانی فقط اسی غرض سے شامل کیا گیا تھا کہ مٹی کو اس درجے تک پہنچائے کہ غلہ بنے جیسے دیوار بنانے کی غرض سے مٹی کے ساتھ شریک کیا جاتا ہے اور جب یہ غرض پوری ہوگئی تو اب اُس کی ضرورت نہ رہی الحاصل اس تدبیر سے آدمی کو مٹی کھلائی جاتی ہے جس کا نام غذا ہے

مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

خاک مارا خورد آخر در جزا ۔۔۔ خاک ما خوردیم عمرے در غذا

پھر جب وہ اُس کو کھاتا ہے تو وہ بحسب استعداد تعیینی اور صلاحیت معدے میں کیلوس اور جگر میں کیموس بنکر وہ غذا وہاں خون وغیرہ کی شکل قبول کرتی ہے۔ پھر خون انثیین میں منی اور رحم میں جنین یعنی بچہ بنتا جو اصل میں وہی خاک ہے جو اشکال اور تعینات بدلتے ہوئے یہاں تک پہنچی۔ اب اُس قدرت بالغہ میں غور کیجئے کہ کیسی کیسی تدبیروں سے خاک کو اس درجے تک پہنچادیا کہ وہ انسان بن گئی۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے ومن آیاتہ ان خلقکم من تراب ثم اذا انتم بشر تنتشرون یعنی اُس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ

انسان کے خاک سے پیدا ہونیکا ثبوت

من طین یعنی انسان کو ہم نے مٹی کے خلاصے اور ست سے پیدا کیا دیکھئے کیسے مختصر جملوں میں حق تعالیٰ نے اُس تمام فلسفہ کو بیان فرمادیا جو انسان کی تخلیق سے متعلق ہے یعنی اصل میں اُس کی پیدائش صرف مٹی سے ہے مگر اُس کی تدبیر یہ کی گئی کہ سلالۂ طین سے ابتدا ہوئی پھر قیامت کے ثبوت پر بھی اسی تخلیق انسانی کو دلیل میں پیش فرمایا چنانچہ ارشاد ہے یاایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة وغیر مخلقة لنبین لکم ونقر فی الارحام ما نشاء الی اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ومنکم من یتوفی ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد علم شیئا وتری الارض ھامدة فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بھیج ذلک بان اللہ ھو الحق وانہ یحیی الموتی وانہ علی کل شیء قدیر وان الساعة آتیة لاریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور۔ یعنی لوگو! تم کو مرنے کے بعد جی اُٹھنے میں شک ہو تو اس میں غور کرو کہ ہم نے تم کو مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے، پھر خونِ بستہ

قیامت کے ثبوت پر دلیل

سے، پھر گوشت کے ٹکڑے سے جس کی صورت بنی ہوئی اور
بن بنی ہوئی ہوتی ہے۔ یہ اسواسطے ہم کہتے ہیں تاکہ تم کو اپنی قدرت
دکھائیں اور جس حمل کو ہم چاہتے ہیں ایک مقرر مدت تک پیٹ میں
ٹھیرا رکھتے ہیں۔ پھر تم کو بچہ بنا کر نکال لیتے ہیں۔ پھر پالتے ہیں تاکہ پہنچو
تم جوانی کے روز تک اور تم میں سے کوئی مرجاتا ہے اور کوئی نکمی
عمر تک پہنچ جاتا ہے تاکہ سمجھ کے پیچھے کچھ نہ سمجھنے لگے اور دیکھتے
ہو زمین کو سوکھی اُس پر سبزی کا نام نہیں پھر جب ہم اُس پر پانی برسا دیتے
ہیں تو وہ سبزی سے لہلہانے اور اُبھرنے لگتی ہے اور ہر قسم کی
رونق دار چیزیں اُگاتی ہے یہ سب اس وجہ سے کہ اللہ ہی حق ہے
اور وہی مُردوں کو قیامت کے دن جلائے گا اور وہی سب کچھ
کر سکتا ہے اور قیامت ضرور آنے والی ہے اُس میں کوئی شک
نہیں اور جو لوگ قبروں میں ہیں اللہ اُن کو ضرور جلا کر اُٹھائیگا۔ انتھیٰ۔
اس سے مستفاد ہے کہ ہم لوگ قدرت خدا کو دیکھیں کہ خاک سے غلہ کس طرح
پیدا ہوتا ہے مٹی جس سے درخت پیدا ہوتا ہے نہ وہ پیڑ میں نظر آتی ہے نہ شاخ
نہ پھول وغیرہ میں اور نہ اُن چیزوں پر جمادیت کا اطلاق ہوتا ہے
اُسی مٹی سے اس سلسلہ میں غلہ بنا اب اُس کی یہ حالت ہے کہ اُس میں
نہ سبزی ہے نہ تراوت نہ نباتیت خصوصاً پیسنے اور پکانے کے بعد

تو قوت نامیہ بھی اُس میں نہیں رہتی اس حالت میں وہ جماد محض ہے نباتیت سے اُس کو کوئی تعلق نہیں کیونکہ اُن اجزائے ارضیہ میں نام کو پانی اور حیات نباتی نہیں۔ البتہ اس سیر نباتی سے اُن میں رنگ بو اور دوسرے بعض کیفیات اور خاصیات تو پیدا ہو گئے ہیں جو صرف اعراض ہیں۔ جوہر ذات میں اُن کو کوئی دخل نہیں۔ دیکھئے پانی کو سب جانتے ہیں کہ سرد ہے مگر کبھی گرم بھی ہو جاتا ہے اُس وقت اس کیفیت کے بدلنے سے یہ نہیں کہا جاتا کہ اُس کے پانی ہونے میں فرق آگیا۔ اسی طرح ہوا میں اقسام کے روائح اور خاصیتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں کبھی مفرح جاں افزا ہے تو کبھی وبائے جاں ستاں۔ مگر ان کیفیتوں سے اُس کے ہوا ہونے میں شک نہیں ہو سکتا۔ الحاصل جس کو تھوڑی بھی عقل ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ جس نے مٹی کو چند نباتی انقلابات کے بعد پھر حالت اصلی پر لا یا وہ قادر ہے کہ جسم انسانی کو بھی چند انقلابات کے بعد پھر اسی حالت اصلی پر لائے۔ رہا اُس کا زندہ کرنا جس کا کفار کو نہایت استبعاد ہے۔ چنانچہ اُن کا قول ہے من یحیی العظام وھی رمیم یعنی بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے؟ سو اُس کی بھی تصدیق اسی سے بآسانی ممکن ہے کہ مٹی جو غلہ

بنی تھی وہی جسم انسانی بنی جو زندہ کہلاتا ہے۔ اگرچہ ہر مقام میں اُس کے نام الگ الگ رکھے گئے کہیں کیلوس کہیں کیموس۔ کہیں منی۔ کہیں علقہ۔ کہیں مضغہ وغیرہ مگر دراصل یہ انقلابات ایسے ہیں جیسے آدمی میں لڑکپن، جوانی، بڑھاپا، جس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان حالتوں میں آدمی کی ذات بدلتی جاتی ہے۔ غرض کہ جس طرح خدائے تعالے نے مٹی کو بتدریج جسم انسانی تک پہنچا کر اُس میں جان ڈالدی اور زندہ کیا وہ قادر ہے کہ جسم مردہ کو اپنی قدرت بالغہ سے بتدریج اُس درجے تک پہنچائے کہ پھر جسم انسانی بنے اور خدائے تعالے اُس میں جان ڈال کر پھر زندہ کر دے۔ قدرت خدائے تعالے پر ایمان نہ لانیکا اصل سبب یہی ہے کہ آدمی اپنی ذات اور عالم میں غور نہیں کرتا اگر ذرا بھی غور و تامل کرے تو بڑے بڑے عقدہائے لاینحل باسانی حل ہو سکتے ہیں مگر مصرع۔

طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست

ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

غذائے انسان

غذا! اب غذا کا بھی تھوڑا سا حال سن لیجئے حقتعالے نے جس جاندار کو پیدا کیا اُس کی غذا مقرر کر کے اُس کی طرف

میلان اور رغبت اُس کی طبیعت میں رکھی تاکہ وہ اپنے میلان طبعی سے اُس چیز کو حاصل کر کے اپنے بدن میں پہنچائے جس سے اُس کی جان بچے چونکہ نباتات میں بھی ایک قسم کی جان ہے اسلئے اُس کی غذا سُلالۂ طین مقرر کی گئی جس کی طرف وہ بالطبع مائل ہیں اور اُس کو وقتاً فوقتاً جذب کر کے اپنی غذا بنا لیتے ہیں اور اگر اُن کو وہ غذا حاصل نہو تو مر جاتے ہیں جیسے خشک سالی میں دیکھا جاتا ہے کہ ہزارہا درخت خشک ہو جاتے ہیں اس لئے کہ پانی نہونے سے وہ سلالہ اُن کو نہیں ملتا نباتات کی طرح حیوانات کی غذا بھی مقرر ہیں جن کی طرف ان کا میلان بالطبع ہے۔ اُن میں سے بعض انواع کی غذا مٹی ہے جیسے کیچھو وغیرہ حشرات الارض اور بعضوں کی غذا حیوانات ہیں۔ اس غذائے طبعی کا پتا اُن کے میلان اور تلاش سے چلتا ہے مثلاً درندے باوجودیکہ سبزہ زار میں رہتے ہیں مگر گھانس کی طرف اُن کو بالکل رغبت نہیں گویا وہ جانتے ہی نہیں کہ گھاس بھی کوئی کھانے کی چیز ہے جب اُن کو بھوک لگتی ہے تو کسی جانور کی تلاش میں نکلتے ہیں ورنہ بھوکے رہتے ہیں اسی طرح ہرن وغیرہ باوجودیکہ دوسرے حیوانات ان کے گرد و پیش رہتے ہیں۔ مگر کسی جانور کو کبھی نہ کھائیں گے

گوشت بھی انسان کی طبعی غذا ہے

اگر بکری کے روبرو گوشت اور گھاس ڈالی جائے تو کبھی گوشت کی جانب میں نکرے گی بخلاف درندوں کے غرض کہ ہر ایک کی رغبت سے پتا چلتا ہے کہ فطرۃً وہ اُس کی غذا ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کی رغبت جس طرح نباتات کی طرف ہے گوشت کی طرف بھی ہے۔ اسی وجہ سے ہر ملک وملت کے لوگ شکار کا شوق رکھتے ہیں۔ اگر کسی آدمی کے روبرو روٹی دال اور کباب رکھدیجئے تو وہ یقیناً روٹی کو کباب کے ساتھ کھائے گا بشرطیکہ برہمن نہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی طبعی غذا نباتات اور گوشت دونوں ہیں۔ اسی وجہ سے اُس کے دانتوں میں کوچلیاں بھی ہیں جو گوشت خوار جانوروں میں ہوا کرتی ہیں اور منجانب اللہ یہ اہتمام بھی ہے کہ گائے بکریوں میں بڑی برکت دی گئی ہے۔ دیکھئے کتے بلیاں وغیرہ حیوان کی ایک ایک نوع ہے اور بکریوں کی بھی ایک نوع۔ ان کے بچے ہر حمل میں چھ چھ سات سات ہوتے ہیں اور بکری کے بچے ایک ہی دو ہوا کرتے ہیں علاوہ اسکے لاکھوں بکریاں ہر روز ذبح ہوا کرتی ہیں اور بارہا ان میں وبا بھی آیا کرتی ہے جس سے وہ بکثرت مرتی ہیں مگر یہ کبھی نہیں ہوتا کہ وہ نایاب یا کمیاب ہوگئی ہوں۔

خیل کُتّوں کا کہیں دیکھا نہیں بکریاں دیکھی ہیں صدہا ہر کہیں

بخلاف کُتّے بلیّوں کے کہ کثیر الاولاد ہونے پر بھی اُن کی وہ کثرت نہیں جو بکریوں کی ہے حالانکہ اُن کو نہ کوئی آدمی کھاتا ہے نہ جانور کیونکہ بستیوں میں وہ امن سے رہتی ہیں اگر ان کھلے کھلے قرائن کے دیکھنے پر بھی کہا جائے کہ آدمی کی طبعی غذا میں گوشت شریک نہیں ہے تو صرف ہٹ دھرمی ہے۔

مہاراج دیانند سرستی جی نے سیتارتھ پرکاش کے صفحہ (۳۵۲) میں فرضی حساب کر کے لکھا ہے کہ ایک گائے کی ایک پشت میں چار لاکھ پچہتر ہزار چھ سو (۴۷۵۶۰۰) آدمی اُس کے دودھ سے ایک دفعہ پرورش پاتے ہیں اسی طرح بکری کے دودھ سے پچیس ہزار نو سو بیس (۲۵۹۲۰) آدمیوں کی پرورش ہوتی ہے"

مطلب یہ کہ ایک گائے یا بکری ذبح کی جائے تو اتنے آدمی پرورش سے محروم ہو جائیں گے۔ حساب کی رو سے تو یہ قیاس ہو سکتا ہے مگر انہوں نے یہ خیال نہیں کیا کہ عالم کا کارخانہ چلانا خالق عالم کے ہاتھ ہے وہ ہر چیز بقدر ضرورت پیدا کرتا ہے۔ یہ بات مشاہد ہے کہ ہندوستان میں جتنے کپڑوں کی ضرورت ہوتی ہے کارخانے والے اسی انداز پر بنا بنایا موجود کر دیتے ہیں

الغرض جس طرح ہر قسم کے کپڑے بحسب ضرورت موجود رہتے ہیں
اسی طرح کل اشیا کا حال ہے۔ جب کارخانے والے آدمیونکو
اتنی عقل ہے کہ ہر شخص کے مایحتاج چیزوں کو فراہم کردیں تو کیا
خالق عالم اتنا بھی نہیں جانتا کہ ہر وقت کتنے جانوروں کی ضرورت
ہے اگر بندوں کی ضرورت کو پورا نہ کرے تو وہ خدا ہی کیا ہوا
اُس کو ایشور کہنا چاہیئے جو مادے وغیرہ کا محتاج ہے۔ اگر ان
جانوروں کو ذبح کرنا اُس کے خلاف مرضی ہوتا تو اُن کی پیدائش
ہی کو روکدیتا۔ دیکھئے کوئی بادشاہ اپنے غلام یا نوکر کو گائے بکری
گھوڑے دے اور وہ اُن کو مار ڈالے تو وہ دوبارہ اُس کو ندے گا
پھر بالفرض وہ کئی بار دے اور وہ ہر وقت اُس کو مار ڈالا کرے
تو کیا مارنے کے لئے وہ ہر وقت دیا کرے گا ہرگز نہیں بخلاف
اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر یہ جانور ذبح کئے جاتے ہیں
اُتنی ہی کثرت سے پیدا ہوتے جاتے ہیں تو کیا کسی عقلمند کے
سمجھنے کے لئے یہ کافی نہیں کہ اُن کا کھانا ہی مقصود خالق ہے
جب ہر وقت بقدر ضرورت یہ جانور موجود رہتے ہیں اور اُن کا
دودھ بھی میسر ہوتا ہے تو اب ہمیں حساب کرنے سے کیا غرض
مثل مشہور ہے (آم کھانے سے غرض پیڑ گننے سے کیا مطلب

اس سے ظاہر ہے کہ وید جو ان جانوروں کو ذبح نکرنے کی تعلیم کرتا ہے وہ آسمانی کتاب نہیں کسی آدمی نے اُس کو اپنے خیال کے مطابق بنالیا ہے۔

سیتارتھ پرکاش میں یہ بھی لکھا ہے کہ "جب تک آریوں کے راج میں جانور نہیں مارے جاتے تھے جانوروں کی کثرت ہونے سے کھانے پینے کی چیزیں بافراط ملتی تھیں۔ جب سے غیر ملکوں کے لوگ جانوروں کو مارنے والے آئے تب سے برابر آریہ کا دکھ بڑھتا جاتا ہے کیونکہ جب درخت کی جڑ ہی کاٹ دی جائے تو پھل پھول کہاں سے ہوں۔ گورنمنٹ انگریزی نے ہندوستان کی زراعت میں جس قدر توفیر کی اُس کی نظیر پچھلے راجاؤں مین ہرگز نہیں ملسکتی کیونکہ پیشتر نہ اتنی نہریں تھیں نہ آب پاشی کے ذرائع تو یہ کیونکر کہا جائے گا کہ بغیر پانی کے اس سے زیادہ زراعت ہوتی تھی پھر حکام کو گائے کے گوشت کی جس قدر رغبت ہے وہ بھی ظاہر ہے کہ عمدہ عمدہ کم عمر گائیں تلاش کرکے ذبح کی جاتی ہیں باوجود اس کے جس قدر بیل زراعت کے لئے درکار ہیں ہر وقت موجود رہتے ہیں پھر بنڈیوں میں اتنے لگائے جاتے ہیں اور بوجہ اتنوں پر لادا جاتا ہے کہ اُن کا شمار نہیں۔ اس سے تو یہ ثابت

ہوتا ہے کہ جس قدر گائیں زیادہ ذبح ہوں زراعت زیادہ ہوگی بہرحال یہ ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا کہ ان جانوروں کے ذبح کرنے سے کسی چیز کی پیداواری میں کچھ کمی ہوئی۔ پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ گوشت کھانا خلاف مصلحت ہے۔ بلکہ عقل سے گوشت کھانے کی ضرورت ثابت ہے کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ فطرت انسانی میں گوشت کی رغبت داخل ہے۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ وید کسی آدمی کا بنایا ہوا ہے خدا کا کلام وہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ممکن نہیں کہ خدائے عالم ایسا مذہب مقرر کرے کہ فطرت کے خلاف ہو۔ دیکھئے اس نے آنکھیں دیں تو عام طور پر اجازت بھی دیدی کہ اپنی کل مرغوب چیزوں کو دیکھو مگر اجنبی عورتوں کو مت دیکھو اس لئے کہ اُس میں ہمارا ہی نقصان تھا۔ دیکھئے کہ جوان عورتوں کو دیکھنے سے خواہش نفسانی کو جوش ہوتا ہے۔ پھر جب بے پردگی بھی ہو اور طرفین میں باقتضائے طبیعت میلان پیدا ہوجائے تو اُس عورت کا تمام کنبہ دشمن ہوجائے گا کیونکہ فطرت انسانی میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ اُس کی جورو، بیٹی، ماں، بہن سے کوئی اجنبی مرتکب ہو تو اُسے اتنا غصہ آتا ہے کہ مارنا مرنا آسان ہوجاتا ہے اس لئے اس بدنظری کا ضروریہ نتیجہ ہوگا کہ وہ مارا جائے گا۔ غرض کہ

آریہ کا مذہب فطرت کے برخلاف ہے

خاص خاص مصلحتوں کے لحاظ سے صرف چند چیزوں کا دیکھنا ممنوع ہوگیا اور باقی کل چیزوں کے دیکھنے کی اجازت ہے اسی طرح کان دئے تو سننے کی بھی عام اجازت دی اور چند چیزوں کے سننے کی ممانعت کردی جیسے غیبت وغیرہ جن سے جھگڑے وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے تمدن میں فرق آتا ہے اور ہاتھ پاؤں دئے تو سب کاموں کی اجازت بھی دی مگر ظلم وغیرہ سے روک دیا تاکہ تمدن پر بُرا اثر نہ پڑے۔ اور شہوت دی تو نکاح کی اجازت بھی دی کہ ایک نہیں چار کرو مگر بحسب ضرورت وعدل۔ اسیطرح گوشت کو طبعی غذا مقرر فرمایا تو اُس کے کھانے کی بھی اجازت دی اور چند جانوروں کے کھانے سے منع فرمایا۔ جن سے امراض جسمانی یا روحانی پیدا ہوتے ہیں غرضکہ جتنے امور طبیعت اور فطرت انسانی میں رکھے گئے ہیں اُن میں سے کسی کو اس طرح نہیں روکا کہ اُس کے پورا کرنے کا ارمان دل ہی دل میں رہ جائے۔ اگرچہ بعض امور کی مصلحتیں ہمیں معلوم نہیں ہیں تو بھی یہ ثابت ہوگیا کہ ہمارے خالق نے ہم میں خواہشیں پیدا کرکے ہماری کل خواہشیں پوری کرنے کے سامان عالم میں مہیّا کردئے ہیں تو ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ ان چند چیزوں کی ممانعت

میں بھی ہماری ہی مصلحتیں ہیں گو ان مصلحتوں پر پوری پوری اطلاع ہمیں نہو۔ اور اگر بالفرض کوئی مصلحت نہ بھی ہو تو ہمیں یہ خیال کرنا چاہئے کہ اس سے ہماری آزمائش مقصود ہے کہ خدا کے حکم کو مانتے ہیں یا نہیں؟ دیکھئے آدم علیہ السلام کو تمام جنت کے میوے کھانیکی اجازت تھی صرف گیہوں سے منع فرمایا تھا جس سے صرف آزمائش مقصود تھی اور جب وہ اُس سے نہ رُک سکے تو عتاب ہوا اور یہ کوئی خلاف عقل بات نہیں۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ اگر کسی کے ہاں کوئی مہمان ہو اور میزبان کہدے کہ جتنے میوے باغ میں ہیں سب شوق سے کھائیے مگر فلاں میوے کو ہاتھ نہ لگائیے تو کیا مہمان کو یہ حق ہوگا کہ خواہ مخواہ اس کو بھی کھائے اور ناجائز تصرف کرے پھر اگر خالق عالم نے چند چیزوں سے ممانعت کی تو کیا کسی کو حق ہے کہ خواہ مخواہ اُس کی مخالفت کرکے اُن چیزوں کو بھی استعمال میں لائے اور یہ کہے کہ منع کرنے میں کوئی مصلحت نہ تھی۔ ہمنے فرض کیا کہ کوئی وجہ معقول نہ سہی کیا خالق کو امتحان کا حق نہیں کہ جس سے مخالف اور فرمان بردار کو ممتاز کرے۔ البتہ یہ روکنا اور منع کرنا اُس وقت بے موقع اور خلاف عقل سمجھا جائے گا کہ خواہش دیکر اُس کو پورا کرنے سے بالکل روک دے۔ مثلاً اگر یہ

حکم ہوتا کہ آنکھوں سے دنیا میں کسی چیز کو نہ دیکھو تو بے موقع ہوتا غرضکہ
ان تمام قرائن کو دیکھنے کے بعد عقل یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اگر خالق کو
منظور ہوتا کہ انسان بالکل گوشت نہ کھائے تو اُس کی غذائے طبعی
اُس کو نہ بناتا اور مثل اور جانوروں کے اُس کی بھی غذائے طبعی
صرف نباتات ہوتیں ؛ اگر خدا کو جانداروں کی اتنی پرداخت ہے
کہ کوئی مارا نہ جائے تو درندوں کو پیدا ہی نہ کرتا اور اگر یہ منظور ہے
کہ صرف انسان اُن پر رحم کرے تو انسان کو پانی سے بھی روکدیتا
کیونکہ خالق نے تو پانی میں بھی بے انتہا حیوان پیدا کئے ہیں جو
کلاں بینوں سے نظر آتے ہیں - ابراہیم حورانی نے کتاب
آیات بیّنات جس میں کتب حکمت جدیدہ سے زمین و آسمان کے
عجائب کا انتخاب کیا ہے اور یہ کتاب بیروت میں چھپ گئی ہے
اُس میں لکھا ہے کہ کلاں بینوں اور مکرومیٹر سے (جو باریک
اجسام کی مقدار معلوم کرنے کا آلہ ہے) دریافت ہوا ہے کہ
ایک چھوٹے قطرے میں اتنے حیوانات ہوتے ہیں کہ تمام
روئے زمین پر اُتنے آدمی نہیں اُن میں توالد و تناسل برابر
جاری ہے اور نادر یہ ہے کہ باوجود اس کثرت کے نہ اُن کا
ازدحام معلوم ہوتا ہے اور نہ کوئی کسی سے ٹکر کھاتا ہے حالانکہ

حرکت اُن کی نہایت سریع ہے۔ یہ بات واضح رہے کہ پانی کے
جانوروں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے ایک قطرے
میں پچاس ہزار بھی لکھا ہے۔ مگر اس اختلاف کا منشا یہ ہے کہ
کلاں بینیں ایک قوت کی نہیں ہوا کرتیں۔ کم قوت میں صرف بڑے بڑے
جانور نظر آجاتے ہیں اور جو اعلیٰ درجے کی ہوتی ہیں اُن میں چھوٹے
چھوٹے بھی نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اُسی میں لکھا ہے کہ جو
کلاں بینیں اس وقت ہیں جن سے وہ جانور صاف اور بڑے نظر
آتے ہیں اُن میں ایسے بھی بہت نظر آتے ہیں جن کی جسامت
سرِسوزن کے برابر محسوس ہوتی ہے اگر ان کلاں بینوں سے زیادہ
قوت والی کلاں بین ہو تو معلوم نہیں کہ اور کتنے محسوس ہوں گے
اگرچہ کلاں بینوں کے ایجاد سے پہلے وہ جانور نظر نہیں آتے
تھے مگر خالق تو اُن کو جانتا تھا اور یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ کلاں بینوں
کے ساتھ وہ پیدا ہوئے۔ اس کو بھی جانے دیجئے۔ اب تو مشاہدے
سے ثابت ہوگیا کہ کروڑوں بلکہ اَن گِنت جانوروں کو ہم دن بھر میں
پانی کے ساتھ ہضم کر لیتے ہیں چونکہ تعلیم ویَد کے لحاظ سے جانوروں
پر رحم کرنے کی ضرورت ہے تو وید پر عمل کرنے والوں کو اب
درست نہیں کہ پانی کو ہاتھ لگائیں اور نہاتے وقت اُن بیگناہوں کو

اپنے پیروں سے کچل ڈالیں پھر ان صاحبوں کا چلنا پھرنا بھی درست نہیں کیونکہ ہزاروں جاندار کیڑے مکوڑے چیونٹیاں زمین پر چلتی پھرتی ہیں اور دم لینا بھی جائز نہ ہوگا اس لئے کہ حکمت جدیدہ میں ثابت ہے کہ ہوا میں ہزارہا جاندار رہتے ہیں۔ غرض کہ ان تمام قرائن سے صاف ظاہر ہے کہ وید خدا کا کلام نہیں۔ اس مقام میں کہا جاتا ہے کہ ہوا اور پانی کے کیڑے ہمیں نظر نہیں آتے اس لئے ان کے مرنے سے ہماری بے رحمی ثابت نہیں ہوتی مگر عقلا سمجھ سکتے ہیں کہ یہ جواب کس قدر صواب سے دور ہے دیکھئے کلاں بینوں سے ان کا وجود اور حرکات و سکنات محسوس ہیں جن کا انکار نہیں ہوسکتا اور مشاہدے سے ثابت ہے کہ پانی کے جانور آگ میں زندہ نہیں رہ سکتے تو یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ جب پانی گرم کیا جاتا ہے یا غلے کے ساتھ شریک کر کے پکایا جاتا ہے تو جتنے جاندار اس میں رہتے ہیں سب مرجاتے ہیں۔ اس کا تجربہ یوں ہوسکتا ہے کہ زندہ مچھلی کو پانی میں ڈال کر جوش دیجئے اور دیکھ لیجئے کہ اس کی کیا حالت ہوتی ہے اور کیسی تڑپ تڑپ کر جان دیتی ہے۔ ادنیٰ توجہ سے یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ جو پانی اُن جانداروں کے حق میں آبِ حیات تھا وہی آفتِ جاں ہو رہا ہے اس میں آگ کی گرمی

جب سرایت کرتی ہوگی تو وہ کیسے بدحواس ہوتے ہوں گے مچھلیوں کا
حال دیکھا جاتا ہے کہ جب دھوپ سے تالاب کا پانی گرم ہوجاتا ہے
تو جان بچانے کے لئے تہ کی کیچڑ میں پناہ لیتے ہیں مگر ان ننھے
ننھے جانوروں کو پناہ نہیں ملتی اگر مچھلیوں کی طرح نیچے جائیں تو برتن
کا تلا آگ بنا ہوا ہے اور اوپر جائیں تو دشمن جانی ہوا ہر طرف محیط
ہے غرض بدحواس حیران و پریشان پھر کر آخر اسی پانی میں جل بھن کر
کباب ہو جاتے ہیں اب جن صاحبوں کو رحم دلی کا دعوے ہے۔
ان سے پوچھا جائے کہ فقط گائے بکری ہی واجب الرحم ہیں
یا کل جاندار اگر بمقتضائے رحم دلی کل جانداروں کو واجب الرحم سمجھیں تو
ان غریب بیچاروں کا اپیل کیوں نہیں سنا جاتا؟ اور کروڑوں جانیں ہر روز
اس بیرحمی سے کیوں لی جاتی ہیں اور اگر بڑے بڑے ہی جانور
واجب الرحم ہیں تو ان غریبوں نے کیا قصور کیا کہ قابل رحم نہیں سمجھے
جاتے پیاری جان تو سب کی برابر ہے جب تک لاعلمی تھی مضائقہ
نہ تھا اب تو علمی روشنی کا زمانہ آگیا اور روز روشن کی طرح وہ سب
پیش نظر ہو گئے اب تجاہل کر کے خودغرضی سے کروڑوں جانوروں کو
جان بوجھ کر قتل کرتے رہنا کس درجے کا پاپ ہے ہم لوگ تو یہ کہہ کر
چھوٹ جائیں گے کہ ہماری طبعی اور فطرتی غذا میں گوشت پانی داخل

ہر روز کروڑوں جانوروں کو بیدردی سے قتل کرنا

سے ہے اس لیئے ہم نے اُن چیزوں کا استعمال کیا جو مخالف فطرت انسانی نہیں۔ مگر جو لوگ خلاف فطرت انسانی رحم دلی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اس بیرحمی کا کیا جواب دیں گے؟ اگر یہ کہیں مذبوح جانوروں کو تڑپتے دیکھنا بیرحمی ہے تو البتہ یہ کسی حد تک درست ہے۔ مگر یہ کس نے کہا کہ جانوروں کو اپنے ہاتھ سے ذبح کیا کریں اس کے لئے تو قصاب مقرر ہیں اگر بے رحم وہ ہیں تو ہوا کریں گوشت کھانے میں بیرحمی کہاں سے آگئی۔ ہاں اتنا تو ہوگا کہ گوشت کو دیکھکر چند روز اُن جانوروں کے تڑپنے کا خیال آجائے گا مگر یہ خیال بیرحمی ہو تو پانی اور کھانے کو دیکھکر بھی اُن کروڑوں جانداروں کی تڑپ تڑپ کر جان دینے کا خیال آنا اور اس سے بیرحمی ثابت ہونا ضرور ہے اور اگر عادت کی وجہ سے یہ خیال نہیں آتا تو بُری عادت کو ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے جو پڑھے لکھے پنڈت علوم جدیدہ سے واقف ہیں اُن کو ضرور ہے کہ اپنی قوم کے جاہلوں میں اعلان دیدیں کہ ہر شخص اس پاپ سے بچتا رہے۔ مگر ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ان کروڑوں جانوروں کو ہر روز قتل کرنے سے کبھی وہ باز نہ آئیں گے۔ پھر طرفہ یہ ہے کہ ان صاحبوں کو اگر رحم آتا ہے تو گائے بکری ہی پر آتا ہے۔ آدمیوں کے قتل کرنے کو وہ دھرم کی بات سمجھتے ہیں اور اُس کی ترغیب دیتے

ہیں۔ دیکھئے وید کی تعلیم میں یہ بھی داخل ہے کہ آدمیوں کا قتل کرنا دھرم کی بات ہے۔ چنانچہ برہم چاری جی تہذیب الاسلام کے صفحہ (۶۷) میں لکھتے ہیں جس کو حکیم بابو رام گوپال صاحب نے ذوالفقار حیدری میں نقل کیا ہے کہ "مہابھارت کی تواریخ میں سب سے بڑا مہابھارت کا سنگرام ہوا ہے۔ یہ سنگرام دھرم جدھ تھا۔ یعنی دھرم کی لڑائی تھی"۔

ذوالفقار حیدری میں اس لڑائی کا واقعہ مفصل لکھا ہے ماحصل اس کا یہ ہے کہ راجہ پانڈو کے پانچ فرزند تھے اور راجہ دھرتراسٹ کے سو فرزند ان میں جنگ ہوئی۔ دونوں طرف سے سیکڑوں راجہ امداد کو جمع ہوئے۔ اور دونوں طرف اتنی سپاہ اُس وقت موجود تھی کہ اُس کی گنتی نہیں ہو سکتی۔ آخر کشت وخون کے بعد ایک راجہ دھرتراسٹ کے سوا۔ اس کا خاندان تہ تیغ ہوا اور راجہ پانڈو کے فرزندوں کو فتح ہوئی اور راج پایا۔

اب غور کیجئے کہ یہ مذہبی لڑائی تھی تو خدا کے حکم سے ہوئی ہوگی جو قابل اعتراض نہیں اور اس میں جو بے انتہا سپاہ تھی تو اُس میں ہزاروں لاکھوں قتل ہوئے ہوں گے جس کے بعد خاندان کے مقتول ہونے کی نوبت آئی اور قتل کرنے والے دیکھتے ہوں گے کہ مقتول تڑپ تڑپ کر جان دے رہے ہیں اور مہاراج سری کرشن جی بھی اُس جنگ میں شریک تھے اور بچشم خود

دیکھ رہے تھے کہ دونوں طرف آدمی تڑپ تڑپ کر جان دے رہے ہیں مگر اُن پر کچھ بھی رحم نہ کیا مقتضائے رحم تو یہ تھا کہ دونوں میں صلح کرا دیتے۔ مگر بجائے اس کے اور فتنہ پردازیاں کیں اور اُسی کتاب میں عبارت رگ وید نقل کیا ہے کہ سنگرام یعنی جنگ اور مہادھن یعنی دولت عظیم مترادف ہیں جس کا مطلب یہ کہ بغیر جنگ کے اعلیٰ عزت اور بڑی دولت حاصل نہیں ہو سکتی اس سے ظاہر ہے کہ وید آدمیوں کو قتل کرنے کی تعلیم کرتا ہے کیونکہ ہر شخص عزت اور دولت کا طالب ہے جب اُس کو وید نے یہ تدبیر بتائی کہ خوب جنگ کرو جب کثرت سے آدمی مارے جائیں گے تو بڑی دولت حاصل ہوگی تو کیا اُس کا جی ایسی دولت حاصل کرنے کو نہ چاہے گا؟ اگر بے بسی سے نہ ہو سکے تو دل میں کشت و خون کی آرزو تو ضرور کریگا۔

اس کے سوا اور بہت سی ترغیبیں جنگ کی نذر انتقار حیدری ہیں بحوالہ صفحہ و سطر ویدوں سے نقل کیا ہے۔ اب غور کیجئے کہ جن کے مذہب میں یہ داخل ہو کہ توحید کی اشاعت کے لئے نہیں تہذیب پھیلانے کے لئے نہیں۔ صرف دھن دولت کمانے کی غرض سے آدمیوں کو قتل کیا کریں تو کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے کہ اُن

مذہب والوں کے دلوں میں رحم کا کچھ اثر ہو گا؟ اگر وہ لوگ گائے بکری کے قتل کو مذہبی طور پر بے رحمی کہیں تو اُن کا مذہب کیا آسانی سمجھا جائیگا اور کیا اُن کو رحم دل کہا جائے گا؟ ہرگز نہیں بلکہ ہر عاقل یہی سمجھے گا کہ ایک دو آنے کی مرغی کی جو اُن کو قدر ہے آدمی کی نہیں حالانکہ آدمی کو معزز و مکرم بھی سمجھتے ہیں۔ خیر یہ اُن کا مذہب ہے ہمیں کچھ اُس سے سروکار نہیں۔

اصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کو جو اپنا خلیفہ قرار دیا اور اُس کی آمد آمد کے پہلے ہی سے اقسام کی نعمتیں مہیا کیں۔ چنانچہ ارشاد ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا یعنی جتنی چیزیں زمین میں ہیں سب تمہارے لئے ہم نے پیدا کیں۔ کسی کو غذا بنایا اور کسی کو دوا کسی کو زیب و زینت کیلئے کسی کو سواری اور باربرداری کی غرض سے پیدا کیا اور ارشاد ہے والانعام خلقها لکم فیها دفء ومنافع ومنها تاکلون ولکم فیها جمال حین تریحون وحین تسرحون وتحمل اثقالکم الی بلد لم تکونوا بالغیه الا بشق الانفس ان ربکم لرءوف رحیم والخیل والبغال والحمیر لترکبوها وزینة ویخلق ما لا تعلمون یعنی اور اُسی نے چارپایوں کو پیدا کیا جن کی کھال اور

اور تمہارے لئے پیدا کیا

اُون میں تم لوگوں کی جڑاول[1] اور گرمی ہے اور بہت فائدے ہیں اور
اُن میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور جب شام کے وقت ان کو
چراکر واپس لے آتے ہو اور جب صبح کو جنگل چرانے لیجاتے ہو تو
اُن کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے اور جن شہروں تک تم
بغیر جاں کاہی کے نہیں پہنچ سکتے چارپائے وہاں تک تمہارے بوجھ اٹھاکر لیجاتے
ہیں تمہارا پروردگار تم پر شفقت رکھتا اور مہربان ہے اور اُسی نے
گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ تم اُن سے سواری لو
اور سواری کے علاوہ یہ چیزیں موجب زیب وزینت بھی ہیں اور
بہت سی چیزیں پیدا کرتا ہے جس کو تم نہیں جانتے ہو۔
دیکھئے خدا تعالےٰ کی کیسی شفقت و مہربانی ہے کہ ہمیں بھوک اور
گوشت کی رغبت دی تو چرندوں اور پرندوں کے گوشت میں اقسام
کی لذتیں رکھیں ورنہ ممکن نہ تھا کہ ہم اُس طرف توجہ کرتے اور ہمارے
پوست میں سردی کی برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں تو اُن کے
پوست اور بال ہمارے لباس کے لئے مقرر فرمائے اور ہمیں فکر
معیشت وغیرہ کی وجہ سے سفر کی ضرورت دی تو سواری اور باربرداری
کے لئے مختلف انواع کے جانور پیدا کئے اور زراعت کی طرف
محتاج کیا تو بیل وغیرہ کو ہمارا مسخر کیا جن کی فطرت میں ان کاموں کی

[1] جڑاول - اسم مؤنث - گرم کپڑے یا پوشاک سرما ۱۲ محمد وزیر عفی عنہ -

صلاحیت رکھی گئی ہے۔ اسی وجہ سے جس ملک میں یہ جانور پیدا
ہوتے ہیں وہاں کے لوگ انہیں سے یہ سب کام لیتے ہیں۔
حالانکہ بظاہر سراسر ظلم ہے کہ جاندار پر بے رحمی سے بوجھ لادا جائے
اور اُن پر سوار ہوں اور اُن کو ہل میں جوتا جائے۔ پھر اگر انہوں نے
ذرا بھی تساہل کیا یا تھک گئے تو اُن کو اتنے کوڑے لگائے جاتے
ہیں اور وہ تعزیر دی جاتی ہے کہ کوئی اعلیٰ درجے کا مجرم بھی اُس کا
مستحق نہ ہو۔ بیل جب ہل میں جوتے جاتے ہیں اور تھک جانیکی
وجہ سے اُن پر مار پڑتی ہے تو بیچارے بے زبان اپنی زبان حال
سے کہتے ہیں کہ اس مصیبت روزانہ سے تو ایک بار ذبح کر ڈالنا بھی
ہزار درجے بہتر ہے مگر ان بے زبانوں پر کون رحم کرے۔ رحم تو
جب آئے کہ خلاف فطرت کوئی کام اُن سے لیا جائے جب وہ اس
کام ہی کے لئے بنائے گئے ہیں تو وہ باوجود اس ظلم و ستم کے
مثل اور جانوروں کے جنگل میں بھاگ نہیں جاتے بلکہ اُن کو جنگل میں چھوڑ بھی
دیں تو سیدھے گھر کو چلے آتے ہیں اور باوجودیکہ قوت میں انسان
سے بہت زیادہ ہیں مگر کبھی اُس سے گاؤزوریاں نہیں کرتے
اور مسلح بھی ہیں یعنی سینگ دار مگر اس کے مقابلے میں کبھی ہتھیار نہیں
اُٹھاتے حالانکہ اُن کی مادہ یعنی گائے جب بگڑتی ہے تو

اُس کا مقابلہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔ باوجود اس قوت وشوکت کے کس چیز نے
انہیں اِس ظلم کے سہنے پر مجبور کیا؟ اسی فطرت نے جو خدائے تعالےٰ
نے اُن میں رکھی ہے! اگر اُن میں افتخار کا مادّہ ہوتا تو وہ حیوان جو انسانوں
کے کام میں آتے ہیں ضرور تمام حیوانات پر فخر کرتے کہ ہم اشرف المخلوقات
کے کام آرہے ہیں کیونکہ ہر چیز کا کمال وہی ہے کہ اپنے اقتضائے
فطرت کو عمدگی سے انجام دے۔ جس طرح ان جانوروں کو حق تعالےٰ
نے فطرۃً انسان کا مسخر کیا۔ اسی طرح اور جانوروں کو بھی مسخر فرمایا۔ دیکھئے
ہاتھی جیسا جانور کس قدر فرماں بردار ہے کہ کتنا ہی بوجھ لادئے چیخے گا
فریاد کرے گا۔ مگر یہ نہ ہوگا کہ غصے سے کام لے ورنہ ادنیٰ حرکت میں
آدمی کا کام تمام کرڈالے۔ اسی طرح کُتّے، بلّیاں ہمارے گھروں کی
حفاظت کے لئے مامور اور مجبور ہیں چونکہ بدمعاشوں اور چوروں اور
درندوں سے بیرونی حفاظت کی سخت ضرورت تھی اس لئے کتوں کو
آلات جارحہ بھی دئے اور اُن کی آواز بلند وپرزور بنائی گئی کہ سوتوں کو
جگادے حالانکہ اس قد وقامت کے کسی جانور کی اتنی بلند اور مہیب آواز
نہیں۔ رات میں ہم فراغت سے سوتے رہتے ہیں اور وہ رات بھر
گشت میں مشغول ہیں جہاں کسی اجنبی کو دیکھا ہر طرف سے اُس پر ٹوٹ پڑے
اور اتنا شوروغل مچایا کہ خواہ مخواہ محلے والے بیدار ہوجائیں اور اس سے

بھی کام نہ چلا تو اُس کو زخمی کر ڈالتے ہیں اور باوجود ان آلات جارحہ اور قوت
کے کہ قوی آدمی بھی اُن سے مقابل نہیں ہوسکتا۔ دن کو بازیچۂ اطفال
بنے رہتے ہیں۔ چار پانچ برس کے لڑکے اُن کا ناک میں دم کر دیتے
ہیں۔ کوئی کان پکڑتا ہے تو کوئی دُم۔ مگر دم نہیں مار سکتے اور معلوم نہیں
کہ حدبندی اُن کی کس حساب سے ہے کہ جہاں تک جس کی حد مقرر ہے
وہیں تک وہ اتفاق سے رہتے اور کھیل کود کر اُس میں دل بہلا لیتے
ہیں اور ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور جہاں اپنی حد سے کسی نے
تجاوز کیا تو آفت آگئی سب ملکر اس کو ایسی سزا دیتے ہیں کہ اپنی حد کو
چھوڑنے کا پھر کبھی خیال نہ کرے۔ اس حکیمانہ قانون اور عاقلانہ پابندی
کا یہ اثر ہے کہ کوئی محلہ اُن محافظوں سے کبھی خالی نہیں رہتا پھر وہ صرف
حفاظت ہی نہیں کرتے بلکہ جنگلی جانوروں کے شکار میں بھی آدمیوں کو
مدد دینا اُن کا فرض منصبی ہے۔ اب دیکھئے کہ ان کی فطرت بھی گواہی
دیرہی ہے کہ آدمی جانوروں کو شوق سے شکار کریں اور اُن کا گوشت
کھائیں۔

یہ تو بیرونی حفاظت تھی اب مکان کی اندرونی حفاظت کو بھی دیکھئے
کہ بلیاں رات بھر گھر میں پھرتی رہتی ہیں اور بچھو وغیرہ حشرات الارض سے
حتی الامکان حفاظت کرتی ہیں۔ باوجودیکہ بچھو کا زہر اُن میں بھی سرایت

کرتا ہے مگر کسی تدبیر سے اپنے آپ کو اس سے بچا لیتی ہیں اور قتل کر کے کھا جاتی ہیں۔ پھر کتوں کی خوراک کا انتظام بھی خاص طور پر کرنے کی ضرورت نہیں۔ باسی سڑی ہوئی غذائیں پھینک دی جاتی ہیں وہ اُس کو شوق سے کھاتے ہیں اور اُن کا ہاضمہ ایسا قوی بنایا گیا ہے کہ سخت سخت ہڈیاں جن کا پھینک دینا ضروری ہے وہ اُن کی طبعی غذا ہے اس سے بھی صاف ظاہر ہے کہ خالق کو منظور ہے کہ آدمی گوشت کھائیں اور ہڈیاں اُن کو کھلائیں۔ پھر خاک روبوں کا کام بھی فطرۃً انہیں سے متعلق ہے کہ غلاظت کو وہ نہایت رغبت سے کھا لیتے ہیں۔ اور بلیوں کی غذائے طبعی چھیچڑے ہیں جن کو گوشت سے علحدہ کر کے پھینک دینے کی ضرورت ہے۔

ان فطرتی اسباب پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ خالق کو منظور ہے کہ انسان تو خود گوشت کھائے اور اُس کے ناخوردنی اجزا اپنے گھروں کے اندرونی اور بیرونی قدرتی ملازموں کو کھلائے۔

اب یہاں قابل غور یہ بات ہے کہ آدمی کس قدر معظم و محترم ہے کہ انواع و اقسام کے جانوروں کو خالق نے اُس کے خدام بنائے۔ ایک لشکر اُن کے گھروں کے بیرونی حفاظت پر مامور ہے تو دوسرا لشکر گھروں کے اندر حفاظت کر رہا ہے۔ ہزاروں سواری کے لئے مامور ہیں تو لاکھوں

بار برداری اور کشت کاری وغیرہ ضروریات کے پورا کرنے پر مجبور۔ پھر اُس کی ضیافت کیلئے عمدہ عمدہ غذائیں، فواکہ۔ وحوش وطیور کے لذیذ اور پر منافع اقسام کے گوشت پیش کئے جارہے ہیں کسی بزرگ نے کیا خوب کہا ہے ؎

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف با مید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

کیا اس قدر اہتمام اور تزک اور شان وشوکت کسی جانور کی دنیا میں کسی نے دیکھی ہے؟ کیا سوائے حکیم مختار کے مادۂ بے شعور سے اس قسم کی رعایتیں ممکن ہیں؟ کہ کسی کی فطرت کو خیال کر کے دوسروں کو اُس کا خادم اور مسخر بنائے۔

مذہب ارتقا کا رد فطرت انسانی سے

اب ڈارون صاحب کے مذہب ارتقا کو بھی دیکھ لیجئے کہ انسان کو ترقی یافتہ بندر کہتے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کیلئے وہ تسلیم کرلیا جائے تو اس سے فطرت کا بدلنا لازم آئیگا اس لئے کہ جس بندر نے ابتدا میں ترقی کی تھی اُس کے پہلے اُن فطرتی مسخر جانوروں کی فطرت میں یہ بات نہ تھی کہ وہ کبھی بندر کے مسخر ہوں۔ اب بھی دیکھ لیجئے کہ کتنے بندروں کے کیسے دشمن ہیں کہ کسی بستی کی زمین پر اُن کو اُترنے نہیں دیتے اور وہ اُن سے بھاگے بھاگے پھرتے اور جھاڑوں پر پناہ لیتے ہیں۔ پھر جب بندر نے ترقی کی تو یک بیک کیونکر اُن کی فطرت کی کایا پلٹ ہوگئی اور فطرت سابقہ بالکل

بدل گئی فطرت کو مستقل ماننے والے تو ہرگز اس کے قائل نہیں ہو سکتے
غرضکہ اس سے ثابت ہو گیا کہ جب سے انسان موجود ہے یہ جانور بھی اسی
فطرت پر ہیں جو اب ہمارے پیش نظر ہے اور اس سے یہ بھی ثابت
ہو گیا کہ انسان اشرف المخلوقات ہے کیونکہ کسی مخلوق کے لئے یہ قدرتی
اہتمام اور شان و شوکت حاصل نہیں۔

بہرحال یہی غذا جو نباتات یا گوشت ہے انسان میں جا کر جسم انسانی بننے
والی ہے اگرچہ یہ ممکن تھا کہ مثل حیوانوں کے گوشت اور غلہ کچا کھا لیا جاتا
مگر چونکہ انسان ممتاز اور نازک طبع بنایا گیا ہے اس لئے اس کی فطرت
میں داخل کیا گیا کہ وہ انہیں چیزوں کو خوشگوار اور زیادہ لذیذ بنا کر کھائے۔
چنانچہ اقسام کی لذت دار اور خوشبو کی چیزیں جو مناسب طبع ہوتی ہیں
اُن میں شریک کر کے ایک پر تکلف لذیذ کھانا پکا کر تیار کیا جاتا ہے جو
کسی حیوان کو نصیب نہیں۔ گویا یہ من جانب اللہ ضیافت ہے جس کا
اہتمام قدرتی طور پر کیا گیا اگرچہ یہ اہتمام ہم ہی اپنے ہاتھوں سے
کرتے ہیں مگر بمصداق وعلم الانسان مالم یعلم وہ سب
بتعلیم الٰہی ہے۔ چیزوں کے پکانے کا ایسا طریقہ دکھلایا گیا کہ معدے کو
ہضم کرنے میں سہولت ہو اور ایک قسم کا طبخ و نضج باہر ہی ہو جائے
اب یہ غذا بیرونی مطبخ سے اندرونی مطبخ یعنی معدے میں جاتی ہے

ہونٹوں کا حال

اس کا راستہ مُنہ بنایا گیا جب غذا وہاں آتی ہے تو دروازہ (ہونٹ) کھولدیا جاتا ہے پھر وہ اندر داخل ہوتے ہی بند کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ باہر نہ نکلجائے۔ یہ دروازہ کھلتے ہی ایک عظیم الشان بارگاہ پیش ہوجاتی ہے۔ جس میں جلیل القدر عہدہ دار (عضلات) اپنے اپنے اجلاس میں کارگذار اور خدام با احتشام (دانت) دو طرفہ صف باندھے ہوئے بر سرِ کار ہیں۔ ایک طرف نفس ناطقہ کا دارالانشا رکھلا ہوا ہے جہاں نامہ و پیام مرتب ہو کر قابل نفاذ ہوتے ہیں جس کا میر منشی زبان ہے جو تیس ۳۰ چالیس ۴۰ منشیوں کی مدد سے مضمون مافی الضمیر مرتب کیا کرتا ہے۔ کیونکہ جب تک زبان مخارج حروف سے مدد نہ لے کوئی بات نہیں بن سکتی۔ ایک طرف چشمہائے خوشگوار جاری ہیں۔

قوت غاذیہ کا مقام

یہ مقام ایک وسیع ملک کا دارالسلطنت ہے کیونکہ کوئی عضو انسانی ایسا نہیں جو محتاج غذا نہو۔ جسم انسانی کے ہر رگ و ریشے کا رزق یہیں سے تقسیم ہوتا ہے۔ یہ سلطنت غاذیہ کے ہاتھ ہے جس کا مستقر منہ ہے معلم ثانی ابونصر فارابی رحمہ نے (کتاب آرائے اہل المدینۃ الفاضلہ) میں لکھا ہے کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو سب سے پہلے اُس میں قوت غاذیہ پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد قوت حسیہ۔ اس کے بعد قوت شوقیہ۔ اُس کے بعد قوت متخیلہ وغیرہ۔ اُس کے بعد قوت ناطقہ

پیدا ہوتی ہے جس سے آدمی عقل کی باتیں سمجھتا ہے۔ پھر قوت غاذیہ دو قسم پر ہے۔ ایک رئیس دوسرے اُس کے رواضع اور خدام یعنی اُس کے خدام اور وظیفہ یاب۔
رئیس کا مستقر منہ ہے انتہیٰ ملخصاً۔
شیخ نے قانون میں جو لکھا ہے اُس سے مستفاد ہے کہ اکثر فلاسفہ اور اطبا خصوصاً جالینوس کا مذہب ہے کہ قوت غاذیہ وغیرہ قوائے طبعیہ جن سے بقائے شخص متعلق ہے۔ اُن کا مسکن کبد یعنی جگر ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ فلاسفہ میں ایک بڑے شخص یعنی ارسطاطالیس کی رائے ہے کہ مبدا اُن قوتوں کا قلب ہے اس قول کو نقل کر کے اپنی رائے ظاہر کی ہے کہ طبیب کو چاہیے کہ مسکن اُس کا جگر ہی کو قرار دے۔
غرضکہ قوت غاذیہ کے مستقر میں اختلاف ہے مگر غور سے دیکھا جائے تو منشا اس اختلاف کا صرف اعتبارات اور لحاظات ہیں اور یہ اختلاف ایسا ہے جیسے شیخ نے طبعیات کتاب تجارب میں قوائے نفسانیہ کو ذکر کر کے لکھا ہے کہ اُن کے بعد قوائے حیوانیہ ہیں۔ جن میں پہلے مولدہ ہے پھر نامیہ پھر غاذیہ۔ حالانکہ معلم ثانی نے غاذیہ کو مقدم رکھا ہے۔ بہر حال معلم ثانی نے قوت غاذیہ کا مستقر جو دہن قرار دیا ہے

اس کی وجہ یہ ہے کہ غذا جب کالبد انسانی میں داخل ہوتی ہے تو اُس وقت سے غاذیہ کا کام شروع ہو جاتا ہے اس لئے ابتدائی اجلاس اُس کا یہیں ہونا چاہیئے۔ پھر جب غذا جگر میں جاکر اس قابل ہو جائے کہ اعضا کی خوراک بن سکے تو وہاں بھی اُس کے اجلاس کی ضرورت ہے جس کا لحاظ شیخ وغیرہ نے کیا ہے۔ اور ارسطاطالیس نے جو قلب کو اُس کا مستقر قرار دیا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ فیلسوف متالہ تھا اور اللہ والوں کی نظر عالی ہوا کرتی ہے کہ حتی الامکان کثرت سے وحدت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ کی اس عبارت قانون سے مستفاد ہے۔ لکن الطبیب لیس علیہ من حیث هو طبیب ان یعرف الحق من هذین الامرین بل ذالک علی الفیلسوف المتالہ اوالطبعی انتهٰی۔

فاضل آملی نے اُس کی شرح میں لکھا ہے اما الفیلسوف فلانہ یبحث عن حقائق الاشیاء واثباتها سیما المجردات فیلزم علیہ اثبات النفس واقامة البرهان علی انها واحدة ولا یجوز تکثرها ولا ترکیبها وحینئذٍ یکون رئیسا واحدا وما یتعلق بہ اولا وهو الروح کذالک۔

ہونٹوں میں چار عضلے ہیں جس سے اُس کا بند کرنا اور کھولنا متعلق ہے

نفس ناطقہ کو خبر بھی نہیں کہ یہ کام کون کرتا ہے مگر وہ چاروں اپنی خدمت مفوضہ میں ایسے سرگرم ہیں کہ فقط اُس کے ارادے کے منتظر رہتے ہیں اِدھر ارادہ ہوا اور اُدھر تعمیل ہوگئی - اور بعض حالتوں میں مثلاً نیند اور بیہوشی میں تو خود ہی بحسب ضرورت اپنی خدمت بجالاتے ہیں - ہونٹوں میں اگرچہ بیماریاں (تشقق - تقشر - جفاف - بواسیر - آماس - بثور - اور قروح وغیرہ) پیدا ہوں تو لقمے کا اندر داخل کرنا ہی مشکل ہو جائے - مگر خدا کا فضل ہے کہ یہ بیماریاں شاذ و نادر کسی کو ہوتی ہیں اور اکثر صحیح رہتے ہیں مگر اس نعمت کی کسی کو قدر نہیں -

جب غذا اندر جاتی ہے تو وہاں ایک دربان مقرر ہے وہ جانچ لیتا ہے کہ وہ غذا ایش کرنے کے قابل ہے یا نہیں اگر نہو تو اُس کو واپس کر دیتا ہے وہ دربان زبان ہے جس کو ناگوار اور خوشگوار اشیاء کا مذاق حاصل ہے جس سے ضرر یا نفع کا ادراک متعلق ہے - زبان دراصل ایک مضغہ گوشت ہے اور گوشت میں یہ صلاحیت نہیں کہ خوشگوار اور ناگوار ذائقے کا احساس کرے - اس لئے اُس میں اعصاب کے ریشے بچھا دئے گئے - پھر اعصاب بھی تمام جسم میں مفروش ہیں اُن کو سوائے گرمی اور سردی اور سختی اور نرمی کے ذائقے کا احساس نہیں اس لئے ان اعصاب میں خاص طور پر تلخ اور شیریں اور تیز

اور پھیکا اور ترش وغیرہ ذائقوں کا احساس خالق عزوجل نے عطا فرمایا جس سے ظاہر ہے کہ زبان کو ذائقوں کے احساس میں کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ وہ صرف عطائے الٰہی ہے جس کا شکر ہر انسان پر واجب ہے مگر افسوس ہے کہ ہم لوگ ان لذتوں کے حاصل کرنے میں کچھ ایسے مستغرق ہیں کہ اس عطیہ کا خیال تک نہیں آتا جو لوگ فساد ذوق ۔ ضفدع ۔ شقاق ۔ جفاف ۔ حرقت ۔ تقشر ۔ بثور قلاع ۔ اکلہ وغیرہ بیماریوں میں جو زبان سے متعلق ہیں مبتلا ہیں ان کو اس نعمت کی قدر ہے۔

پھر زبان کے ساتھ شامہ بھی رفیق بنایا گیا کہ متعفن اور بدبودار چیز و نکو اندر جانے سے روک دیتا ہے کیونکہ وہ انسانی نظافت کے منافی ہیں جس کی قوت شامہ میں فساد آجاتا ہے۔ اُس کے حق میں اعلیٰ درجے کی خوشبودار اور پرلے درجے کی متعفن غذائیں ایکساں ہیں پھر جب ان دونوں کی جانچ میں غذا موافق طبع ثابت ہوجاتی ہے تو بتیس خدام جو زبان کی اطاعت میں قائم ہیں اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ کوئی اُس کو کتر کے ٹکڑے کر دیتا ہے کوئی اُنکے اجزا کو متفرق کر دیتا ہے۔ کوئی پیس کر باریک بنا دیتا ہے اور زبان بحسب ضرورت ہر ایک حصے کو ہر ایک کے پاس پہنچاتی ہے۔ اس طرح

کہ کبھی پتلی نوک دار ہو جاتی ہے اور کبھی عریض۔ اور کبھی خم ہو کر۔ غرض جس طرح بن پڑے اپنی خدمت کو انجام دیتی ہے۔ در اصل زبان ایک مضغۂ گوشت ہے۔ اُس میں یہ قابلیت کہاں کہ عاقلانہ حرکات کر کے ایسی نمایاں کارگذاری کرے۔ مگر خالق عز و جل نے اُس میں نو عضلے بنائے ہیں۔ جن کا کام زبان کو حرکت دینا ہے۔

عضلے کی ساخت رباط۔ عصب۔ گوشت۔ اور وتر سے ہے رباطات سخت ڈوریاں ہیں جو خاص خاص مقاموں کے جوڑوں کو کس کر مضبوط کرتی ہیں اور بعض اعضا کو سہارا دیتی ہیں۔

اعصاب حواس خمسہ میں حس اور دوسرے اعضا میں حس و حرکت انہی سے متعلق ہے۔

اوتار یعنی نسیں، عصب اور رباط سے مرکب ہیں جن سے اعضا کا سمٹنا اور کشادہ ہونا متعلق ہے۔

غرض کہ رباطات و اوتار وغیرہ کو جب تک کوئی نہ کھینچے یہ مضغۂ گوشت حرکت نہیں کر سکتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی حاکم بالادست بحسب ضرورت اُن عضلات کو ہر وقت کھینچکر اور حرکت دیکر یہ سب کام لیتا ہے اگر کسی عضلے میں فرق آجائے تو جو کام اُس سے متعلق ہے سب معطل ہو جائیں۔ اور اگر دانتوں میں درد یا بیماری پیدا ہو جائے تو اُن کے

سب کام بند ہو جائیں۔
پھر لقمے کو چابتے وقت نرم اور نگلنے کے قابل بنانے میں پانی کی ضرورت تھی تو حکیم علی الاطلاق نے زبان ہی کے نیچے کئی چشمے میٹھے پانی کے جاری کر دیے جن سے بقدر ضرورت وقتاً فوقتاً خود بخود پانی پہنچتا رہتا ہے۔
پھر جب لقمہ حلق سے معدے میں جانے کے قابل ہو جاتا ہے تو قوت دافعہ جو زبان کے آخری حصے میں ہے اُس کو حلق کی جانب ڈھکیل دیتی ہے اور اندرونی قوت جاذبہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے مگر یہ اُسی وقت ہوگا کہ حلق میں خناق وغیرہ بیماریاں نہوں وگرنہ دافعہ اور جاذبہ دونوں اپنی خدمت سے دست بردار ہو جاتی ہیں۔
حلق میں دو راستے ہیں ایک کھانا پانی جانے کا جس کو مری کہتے ہیں۔ اور دوسرا ہوا جانے کا جس کو قصبۃ الریہ کہتے ہیں۔ اس مقام میں بھی ایک دربان کھڑا ہے جس کا نام لہاۃ یعنی کوا ہے اس کا کام یہ ہے کہ لقمے کو ہوا کے راستے سے نہ جانے دے اگر وہ غفلت کر جائے اور قوت دافعہ کے دباؤ سے اس کے تھوڑے سے اجزا بھی ہوا کے راستے میں چلے جائیں تو ٹھسکا لگتا ہے اور اسقدر بیقراری ہوتی ہے کہ بعضے دم گھٹکر مرجاتے ہیں۔ دیکھئے اس کی

غفلت سے جو چیز باعث بقائے شخصی و نوعی ہے وہی باعث ہلاکت ہوجاتی ہے اگر کوّے میں ورم آجائے یا استرخا ہوجائے تو لقمے کی راہ میں آڑا پڑکر اُس کو اندر جانے نہیں دیتا۔

مری ایک مدوّر نالی ہے جس کی ابتدا زبان کی جڑ سے اور انتہا معدے پر ہوتی ہے یہ آدردہ اور شرائین اور اعصاب حس وحرکت اور گوشت اور جھلّی سے مرکب ہے۔ یہاں دو عضلے ہیں جن کا کام یہ ہے کہ لقمہ اور پانی کو جلدی سے نیچے اُتار دیتے ہیں۔ اس طرح کہ سمٹ کر مری کے میدان کو تنگ کر دیتے ہیں جس سے لقمہ اور پانی وہاں ٹھیر نہیں سکتا جھلّی جو اُس میں لگائی گئی ہے اُس کی ابتدا مُنہ سے ہے اور معدہ اور آنتوں تک پہنچ گئی ہے مگر چونکہ خام غذا جس میں روٹی وغیرہ کے ٹکڑے بھی ہوتے ہیں اُس میں سے گذرتی ہے اس لئے وہ جھلّی اُس مقام میں سخت کردی گئی تاکہ کشاکشی قوت دافعہ وجاذبہ سے پھٹ نہ جائے۔ یہ جھلّی مری کے اندر ہے اس کے ریشے لمبے ہیں اور ان ہی میں قوت جاذبہ ہے اور دوسری جھلّی باہر ہے۔ اس سے قوت دافعہ متعلق ہے۔ جیسا ان دونوں جھلیوں کے ریشے اپنا فعل کرتے ہیں یعنی باہر والے لقمے کو ڈھکیلتے جاتے ہیں اور اندر والے کھینچتے جاتے ہیں۔ تو جب کہیں لقمہ معدے تک پہنچتا ہے۔ غرض کہ دونوں جھلیوں کے

ریشے ہاتھوں ہاتھ لقمے کو لیجا کر معدے کے تفویض کر دیتے ہیں۔ مگر چونکہ لقمہ حلق کے نیچے اُترتے ہی غائب ہو جاتا ہے خبر نہیں ہو سکتی کہ کہاں تک پہنچا اسلئے اعصاب جن سے حس متعلق ہے اُس میں لگائے گئے تاکہ ہر وقت معلوم ہوتا رہے کہ وہ مہمان نووارد کہاں تک پہنچا۔

اگر مری میں بثور یا ورم وغیرہ آفتیں پیدا ہو جائیں تو سخت آفت کا سامنا ہے۔ خدا ہی اپنا فضل فرماتا ہے کہ اُس لقمے کو آفتوں سے بچا کر سیدھی راہ سے معدے تک پہنچا دیتا ہے۔

اس مری کے نیچے کا حصّہ فم معدہ ہے یعنی معدے کا مُنہ جسطرح لقمہ بیرونی اصلاحوں کے بعد یعنی کوٹ۔ پیس کر پکا کر مُنہ میں داخل کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اندرونی اصلاحوں کے بعد یعنی چبا کر نرم اور کسی قدر رقیق کر کے معدے کے مُنہ میں دیا جاتا ہے جب وہ معدے میں پہنچتا ہے تو پھر معدہ اُس کی تحقیق کر لیتا ہے۔ اگر اس جانچ میں مفید ثابت ہو تو اُس کو پکا کر قابل غذا بناتا ہے ورنہ واپس کر دیتا ہے۔ یعنی قے ہو جاتی ہے۔ دیکھئے آدمی جس طرح بھوک کے وقت اپنے مُنہ سے غذا مانگتا ہے۔ اسی طرح معدہ بھی منہ فم معدے سے مانگتا ہے۔ مگر بات بات میں فرق ہے۔ کوئی بات ایسی ہوتی ہے کہ لوگ اُس کو سن سکتے ہیں اور بعض باتوں کو

فم معدہ

کوئی نہیں سن سکتا۔ معدے کا کلام بھی ایسا ہی ہے کہ کانوں سے نہیں سنا جاتا مگر سمجھ میں آجاتا ہے کہ وہ کھانا مانگ رہا ہے اگر اُس کو انشا ر میں داخل کیجئے تو بھی صحیح ہے کہ اُس کا امتثال امر ہر طرح کیا جاتا ہے اور اگر اخبار کہئیے تو بھی صحیح ہے اسلئے کہ بھوک کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ غرض کہ معدے کے مُنہ سے جو کلام نکلتا ہے وہ عام فہم نہیں وہی اُس کو سمجھتا ہے جس کو اُس کا وجدان دیا گیا ہے۔ اسی پر قیاس کیجئے کہ حق تعالےٰ جو فرماتا ہے وان من شئی الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم یعنی کوئی چیز ایسی نہیں جو خدائے تعالیٰ کی تسبیح اور حمد نہ کرتی ہو۔ لیکن ہم اُس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے انتھی۔ وہ بھی اسی قسم کی بات ہے جو عام فہم نہیں۔ مگر جن کو وجدان صحیح دیا گیا ہے وہ ہر چیز کی تسبیح کو سمجھ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وجدان وجدان میں فرق ہے کسی کے موٹی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔ اور کوئی اشارے اور قرینے سے سمجھ لیتا ہے۔ اگر خدائے تعالیٰ وجدان صحیح عنایت فرمائے تو آدمی بہت کچھ سمجھ سکتا ہے جو خاص قدرت وغیرہ صفات آلٰہی سے متعلق ہے۔ معدے کو غذا مانگنے کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ آدمی کے جسم میں سر سے پاؤں تک آگ بھری ہوئی ہے

تجدد امثال

جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب معلوم ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ آگ کا کام تحلیل کرنا ہے۔ اس لئے آناً فاناً وہ جسم کو تحلیل کردیتی ہے۔ پھر اگر اجزائے تحلیل شدہ کا بدل اُن کی جگہ قائم نہ ہو تو تھوڑے عرصے میں پورا جسم تحلیل اور فنا ہو جائے گا۔ اس لئے مقتضائے حکمت بالغہ یہی تھا کہ آناً فاناً بدل ما یتحلل بھی پہنچتا رہے۔ اور تجدد امثال کا سلسلہ تا بقائے جسم منقطع نہ ہو۔ جس طرح ہم چراغ کی لو میں مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی حالت پر نظر آتی ہے اور اسکے مقدار جسم اور قد و قامت میں فرق نہیں آتا مگر اس میں شک نہیں کہ جو اجزا رتیل کے مشتعل ہو کر صورت ناریہ کو قبول کر لیتے ہیں عرصۂ قلیل میں وہ صورت ناریہ سے بھی نکل جاتے ہیں۔ اور اُن کی جگہ جاذبۂ آتش سے دوسرے اجزا تیل کے قائم ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ دیر تک جاری رہتا ہے۔ آخر جب سب اجزا رتیل کے اُس میں صرف ہو جاتے ہیں تو وہ لو فنا ہو جاتی ہے۔ اگر تجدد امثال اُس میں نہ ہو تو وہ شعلہ فوراً فنا ہو جائے اور اگر اجزا ر ناریہ آناً فاناً فنا نہ ہوتے جائیں تو شعلہ اتنا اونچا ہو کہ چھت کو جلا دے۔ اس سے ثابت ہے کہ آناً فاناً اجزائے ناریہ فنا بھی ہوتے جاتے ہیں اور ان کے امثال ان کی جگہ موجود بھی ہوتے جاتے ہیں گویہ فنا اور تجدد

محسوس نہیں اور دیکھنے میں شعلہ کی صورت شخصیہ ایک طور پر محسوس ہوتی ہے۔ مگر عقل جزماً حکم کرتی ہے کہ ہر آن میں اُس صورت شخصیہ میں فنا اور بقا برابر جاری ہے اسی طرح آدمی گو ہر آن میں فنا ہوتا ہے۔ مگر تجدد امثال کی وجہ سے اُس کی صورت مشخصہ میں تفاوت محسوس نہیں ہوتا۔

رسالۂ علم فیزیولوجی جو ڈاکٹر ہکسلی صاحب کی تصنیف ہے جس کا ترجمہ رحیم خاں صاحب بہادر آنریری سرجن نے کیا ہے اُس میں لکھا ہے کہ موت دو قسم پر ہے۔ ایک لوکل۔ دوسری جنرل۔ قسم اول کی موت ہر لحہ اور جسم کے قریب کل حصوں میں ہوتی رہتی ہے۔ بعض ریشے جسم کے ایسے ہیں کہ جب وہ مرجاتے ہیں تو اُن کی جگہ اور ریشے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اپے ڈرمس۔ اور اپے تھےلیم اور عصب اور کس بک ٹیو ٹیشو اور استخواں اور عضلات۔ انتہی۔ دیکھئے تحقیقات جدیدہ سے بھی کالبد انسانی میں ہر آن فنا و بقا اور تجدد امثال ثابت ہے۔

غرض کہ جسم انسانی میں بدل ما یتحلل کا سلسلہ جاری رہنے کیلئے یہ ضرور تھا کہ معدہ جب خالی ہو جائے تو دوسری غذا پکانے کیلئے اُس کو دی جائے۔ مگر یہ کیونکر معلوم ہو کہ وہ غذائے سابق کے

پکانے سے فارغ ہوگیا۔ کیونکہ حواس خمسہ سے کسی حاسہ کی اُس
تک رسائی نہیں اسلئے یہ تدبیر کی گئی کہ اُس کے پہلو میں اُسکے
متصل بلکہ چسپاں طحال یعنی تلی لگادی گئی اور اُس سے ایک نالی
جگر تک اور دوسری فم معدہ تک لگادی گئی۔ جب جگر میں اخلاط
اربعہ تیار ہوجاتے ہیں تو وہ اُن میں سے صرف سودا کو بقدر ضرورت
اُس نالی کے ذریعے سے لیکر آمادہ رکھتا ہے اور جب دیکھتا ہے
کہ معدہ ہضم غذا سے فارغ ہوگیا تو فوراً اُس سودا کو فم معدہ
کی طرف روانہ کردیتا ہے۔ چونکہ سودا ترش اور عفص یعنی کسیلا ہے
اور فم معدے کی ساخت عصبی ہے جس سے عموماً حس متعلق
ہے اُس میں ایک قسم کی خراش اور بدکیفیتی پیدا ہوتی ہے
جس سے آدمی کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اب غذا پہنچانے کی ضرورت
ہوئی۔ اسی کیفیت کو بھوک کہتے ہیں اگرچہ کہ بھوک کے احساس
کیلئے فم معدے کا عصبی ہونا کافی تھا۔ کیونکہ جن اعضا کو حس دیا گیا
ہے اُس کیلئے صرف عصب اُن میں لگایا گیا۔ مگر چونکہ بدل مایتحلل
پہنچانے کی ضرورت پیش از بیش تھی اور ممکن تھا کہ اُس احساس کے
بعد بھی آدمی اغماض کرجاتا اور بیچارے بے زبان اعضا بھوک کے
مارے مرجاتے اس لئے اضطراری حالت پیدا کرنے کی غرض سے

غذا کا پہنچانا ضروری

اُس عصب پر ایک ایسے تیزاب ڈالنے کی ضرورت تھی کہ آدمی بیقرار ہو کر اُس اذیت کو کسی طرح دفع کرے - اور معدے کی فریاد اور واویلا بے سود ثابت نہو - اور چونکہ سودا کثیف چیز ہے اس لئے اُس کے اجزا جلدی سے متفرق بھی نہیں ہوتے اسلئے بھوک کی اذیت اس قدر محسوس ہوتی ہے کہ آدمی مضطر ہو جاتا ہے - یہاں تک کہ کچھ نہ ملے تو مردار کھانیکی اجازت ہو جاتی ہے -

اس سے ظاہر ہے کہ طحال ایک قسم کا داروغہ ہے جس کا صرف یہی کام ہے کہ کارگذاران مطبخ کو بیکار نہ رہنے دے جہاں وہ فارغ ہوگئے تو اُس نے فوراً تار دیدیا اس مطبخ کے لئے ایسا ہی بیدار مغز باخبر اور کارگزار داروغہ درکار تھا ورنہ تمام اعضا میں واویلا مچ جاتا اور خبر بھی نہوتی جس کا انجام یہ ہوتا کہ بجائے لوکل موت کے جنرل موت کا اُن پر قبضہ ہو جاتا -

فم معدے میں اگر خشکی پیدا ہو جائے یا کوئی غیر طبعی مادہ آجائے تو اُس کو دفع کرنے کے لئے بیقرار ہو کر حرکت کرنے لگتا ہے - جس سے ہچکی پیدا ہوتی ہے - اُس وقت نہ کھانا سوجھتا ہے نہ پانی - کیسی ہی لذیذ غذائیں سامنے رکھی ہوں سب بیکار ہیں -

معدے کی ساخت اور اس کی قوتیں

معدے کی شکل مستدیر بنائی گئی تاکہ غذا کی اُس میں خوب گنجائش ہو اُس کے دو پرت ہیں۔ اندر کا پرت عصبانی ہے جس کے سیلفے یعنی ریشے دراز دراز ہیں۔ ان ہی میں قوت جاذبہ ہے جس کے ذریعے سے کھانا۔ پانی جذب کرتا ہے۔ بعض اُن میں ترچھے بنائے گئے ہیں۔ اس غرض سے کہ غذا کو روک رکھیں۔ ان میں قوت ماسکہ ہے اگر قوت ماسکہ نہ ہو تو غذا بغیر ہضم کے نیچے اُتر جائے۔ غرض کہ یہ دو قسم کے خدام ہیں۔ بعض ہاتھوں ہاتھ غذا کو لاکر دوسروں کے تفویض کرتے جاتے ہیں اور وہ اُس کو لئے ہوئے آگ میں کھڑے رہتے ہیں۔ اُس وقت تک کہ وہ پورے طور سے پک جائے۔ ان کے خیال کرنے سے دوزخ کے فرشتے پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ کہ وہ بھی اسی طرح اپنا کام آگ میں انجام دیتے رہینگے دوسرا بیرونی پرت لحمانی ہے۔ اس میں چوڑے چوڑے ریشے ہیں۔ جب معدہ اپنے کام سے فارغ ہو کر جوہر غذا کو جگر کے حوالے کر دیتا ہے اور فضلہ باقی رہ جاتا ہے۔ تو قوت دافعہ اُن سے کام لیتی ہے۔ اور وہ اُس کو ایسا دابتے ہیں جیسا چمڑے کے تھیلے کو ہاتھوں سے داب کر اُس کے اندر کی چیز کو کسی سوراخ کی راہ سے باہر نکال دیتے ہیں۔ چنانچہ جس قدر فضلہ معدے میں

قابل اخراج ہو۔ اُن کے دابنے سے امعا کی طرف نکل پڑتا ہے اگر یہ فضلہ اندر رہ جائے تو اول دوسری غذا کو جگہ نہ ملے۔ پھر تھوڑی دیر میں وہ متعفن ہو کر تمام جسم میں اقسام کے فساد پھیلا کر اُس کو تباہ کر ڈالے غرض کہ ان دونوں پرتوں میں مقامی خدام اپنی ذات سے ان خدمات کو انجام دیتے ہیں۔ اُس میں آدمی کے ارادے کو کچھ دخل نہیں بلکہ خبر تک نہیں ہوتی کہ کس نے کیا کام کیا۔ اگر اعضا کی تشریح نہ دیکھی جائے اور عقل سے اُن کاموں کی ضرورت ثابت نہو تو معلوم بھی نہ ہوگا کہ ریشوں کا وجود بھی ہے یا نہیں۔ غرض کہ ایسے ایسے کارنمایاں جن کو عقلا بھی نہیں کرسکتے۔ وہ لیفے صرف بحکم خالق انجام دیتے ہیں۔ اور نفس ناطقہ کو اُن پر کسی قسم کی حکومت نہیں۔ یہ ہے خدا کا لشکر جس کی طرف اس آیۂ کریمہ میں اشارہ ہے وما یعلم جنود ربك الا ھو یعنی تمہارے رب کے لشکر کو سوائے اُس کے کوئی نہیں جانتا۔ اس قسم کے ہزارہا لشکر ہیں جن کو نہ کوئی دیکھتا ہے نہ وہ کسی کے حاشیۂ خیال میں آتے ہیں حق تعالے نے لشکر فرعون کی نسبت فرمایا فنبذناھم فی الیم یعنی ہم نے پھینکدیا اُن کو دریا میں" ظاہراً کوئی ہاتھ وہاں برآمد ہوا نہ اُن کو اُٹھا کر دریا میں ڈالتے ہوئے کسی نے دیکھا۔ مگر اندرونی ایک لشکر اُن پر مسلط تھا کہ دریا میں اُن کو پھینک رہا تھا۔ وہ لشکر کیا تھا صرف اُن کے خیال

کہ چلو موسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرلیں۔ اور اگر اُن کا تعقب نہ کریں تو فرعون سخت سزا دے گا وغیرہ۔ غرض ان خیالات سے اُن کو دریا میں کشاں کشاں ڈالدیا۔ اُس پھینکنے کی حقیقت اس مثال سے معلوم ہوسکتی ہے کہ جب کسی پتھر یا آدمی کو پھینکتے ہیں تو پھینکنے والے کی قوت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ اُن کی حرکت طبعی اور ارادی پر پھینکنے والے کی قوت غالب ہوتی ہے گویا وہ اپنی قوت سے اُن پر ایک ایسی قوت مسلط کردیتا ہے کہ جہاں تک اُن پر اُس قوت وغیرہ کا اثر ہے اُن کی قوت اُس کی مقاومت اور مدافعت نہیں کرسکتی اور بمجبوری اُسی کے منقاد ہونا پڑتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی ہوا کہ ایک قسم کی قوت خیالی اُن پر مسلط کردی گئی جس کے دباؤ اور زور سے وہ قعر دریا تک پہنچ گئے۔ دیکھنے کو تو وہ خیالی لشکر تھا مگر وہ سب اُس کے ایسے مقہور بنے ہوئے تھے کہ افتاں وخیزاں اُن کو قعر دریا تک جانا پڑا جس طرح پھینکی ہوئی چیز جاتی ہے۔

رود موسیٰ کے واقعہ کو سب لوگ جانتے ہیں کہ کیسا قیامت خیز تھا موسیٰ ندی ایک معمولی نالہ ہے۔ بقول شخصے اگر اہل حیدرآباد جمع ہوکر پیشاب کریں تو اُس سے بڑا نالہ بہادیں گے مگر اُس روز اُس کی حالت یہ بات دکھارہی تھی کہ جوش قہاریت ایسا ہوا کرتا ہے

ہزاروں آدمی جن میں کسی کا بیٹا کسی کا باپ۔ کسی کا بھائی اور جورو خاوند بھی جا رہے تھے۔ اور خویش و اقارب کی یہ حالت تھی کہ حسرت بھری نگاہوں سے اُن کو دیکھ رہے ہیں۔ کسی کی مجال نہیں کہ اُن کی دستگیری کر سکے بہت سے لوگ مستحکم عمارتوں کی چھتوں اور بڑے بڑے درختوں پر اس خیال سے چڑھ گئے تھے کہ وہاں پناہ ملیگی مگر اُن کی نکبت کہنا چاہیئے کہ وہ عمارتیں بھی منہدم ہو گئیں اور درخت جڑ سے اُکھڑ گئے۔ پھر جن کو بچانا منظور الٰہی ہوا تو اُن کا بچنا اس سے زیادہ اُن کا بچنا حیرت انگیز ہے۔ اُس سیلاب بلا میں جس نے تین گز عرض کی مستحکم فصیل کو توڑ ڈالا۔ پتھروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ بعضوں کا یہ حال تھا کہ کبھی غوطا کھا کر تہ تک پہنچ جاتے اور کبھی اوپر نکل آتے اسی حالت میں لکڑیوں کی طرح کوسوں بہتے گئے اور کئی روز کے بعد زندہ صحیح و سالم اپنے گھروں کو آئے جن کا نشان بھی باقی نہیں تھا بعضوں کا حال سنا گیا کہ اُسی حالت سے سمندر تک جا کر واپس آئے۔ املی کے درخت جو نہایت مضبوط ہوتے ہیں وہ اُکھڑ کر بہے جاتے تھے۔ اور ایک پپیا کا درخت جو نہایت بودا ہوتا ہے اسی سیلاب بلا میں ثابت قدم تھا اور دو شخص اُس پر بیٹھے ہوئے مضبوط عمارتوں اور مستحکم درختوں کے بہنے کا تماشا دیکھ رہے تھے

شہر کی بدر رو سے دو شخص زندہ برآمد ہوئے۔ جہاں بھالوں پانی تھا غرض ایسے ایسے نادر واقعات اس موقع میں دیکھے اور سنے گئے کہ ہمارے زمانے کے عقلا اُن کی تصدیق ہرگز نہ کریں گے کیونکہ قدرت آلہی میں اُن کے عقلوں کی رسائی ممکن نہیں۔ اُن حضرات نے اس واقعۂ طغیانی کو اتفاقیات میں شریک کر لیا جس کا کوئی اثر اُن کے دل پر نہیں۔ مگر اہل ایمان سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے اتفاقیات کے اسباب کچھ اور ہی ہوا کرتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ عالم میں جو چیز وجود میں آتی ہے وہ از خود موجود نہیں ہو سکتی اُس کو خالق عز و جل وجود بخشتا ہے۔ اور اُسی خالق عز اسمہ نے یہ خبر دی ہے قولہ تعالیٰ واذا اردنا ان نهلك قرية امرنا مترفيها ففسقوا فيها فحق عليها القول فدمرناها تدميرا جس کا حاصل یہ ہے کہ جس قریہ میں فسق و فجور کثرت سے ہوتا ہے وہ تباہ کیا جاتا ہے۔ اس قسم کے واقعات سے اہل ایمان کے دلوں پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ وہ رو رو کر قہر آلہی سے پناہ مانگتے ہیں۔ اور گناہوں سے توبہ کر کے خدائے تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر میں ہو جاتے ہیں اور بڑا خوف اُن کو یہ ہوتا ہے کہ کہیں اُن لوگوں میں شامل نہ ہو جائیں جن کی خبر خدائے تعالیٰ نے دی ہے۔ قولہ تعالیٰ اولا یرون انهم یفتنون فی کل عام

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ۔
یعنی کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہر سال ایک دو بار وہ آزمائے جاتے ہیں۔ مگر پھر بھی نہ وہ توبہ کرتے ہیں نہ عبرت حاصل کرتے ہیں۔ الحاصل جتنی بلائیں نازل ہوتی ہیں مثلاً شدت بارش۔ اولے۔ برف۔ کوہ آتش فشاں۔ زلزلے۔ وبا۔ طاعون۔ بیماریاں وغیرہ امور جو باعث ہلاک وضرر ہیں سب خدا کے لشکر ہیں جن کا مقابلہ کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی نہیں کرسکتی۔ معدہ چونکہ مہتمم باورچیخانہ ہے کہ جہاں کل اعضا کی غذا تیار ہوتی ہے ضرور تھا کہ اس کو اعلیٰ درجے کی حس ہو۔ جس سے مضر اور مصلح کو پہچان کر قابل تغذیہ بنائے۔ اسلئے اس میں عصب بچھایا گیا جس سے حس متعلق ہے۔ اب اُسکی یہ کیفیت ہے کہ آدمی عقلمند دیکھ سمجھ کر جن چیزونکو اُسکے پاس اس غرض سے بھیجتا ہے کہ اُن کو قابل تغذیہ بنائے۔ بسا اوقات اسپر رد وجرح کرکے بہت ساری چیزونکو واپس کردیتا ہے جو بذریعۂ قے آدمی کے سامنے آجاتی ہیں جس کو دیکھ کر آدمی اپنی حماقت یا غفلت پر نادم ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ ان امور میں آدمی کی عقل سے بھی اُس کی سمجھ بڑی ہوئی ہے۔ یہ درست ہے کہ اس قسم کے حرکات اُس کے فطری اور طبعی ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ نافع کی طرف توجہ اور میل کرنا اور مضر چیزوں سے احتراز کرنا سمجھ سے متعلق ہے۔ جو حیوان میں ہوا کرتی ہے۔ پتھر اگر

اُوپر سے چھوڑا جائے تو طبعی حرکت سے بخط مستقیم نیچے جائے گا۔ مگر یہ نہو گا کہ اپنی مضر چیز سے احتراز کرکے پہلو تہی کرے۔ بلکہ پتھر اُس کی راہ میں آجائے تو اُس سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ حرکت طبعی میں مضر چیزوں سے احتراز نہیں ہو سکتا پھر جب معدے کا مضر چیزوں سے احتراز کرنا اور مفید چیزوں کی طرف مائل ہونا ثابت ہو گیا تو اب اُس کی حرکت کو حرکت طبعی کہنا کیونکر صحیح ہو گا۔ اب یہاں یہ بھی قابل توجہ ہے کہ باوجودیکہ جلب نفع اور دفع ضرر میں وہ اس قدر ہوشیار ہے کہ عقلمندوں پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔ مگر کبھی ایسا بیوقوف بن جاتا ہے کہ ایسی مضر چیزوں کو بھی ہضم کر جاتا ہے جو یقیناً باعث ہلاکت ہیں۔ چنانچہ آدمی اکثر اُس کی بدولت ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب قضائے الٰہی جاری ہوتی ہے تو جس طرح آدمی کی عقل چھین لی جاتی ہے۔ معدے کی ہوشیاری بھی زائل کر دی جاتی ہے اور ہوتا وہی ہے جو خدائے تعالےٰ چاہتا ہے۔ یفعل اللہ مایشاء ویحکم مایرید۔

معدے میں شرائین بھی ہیں۔ شریان اُس رگ جہندہ کو کہتے ہیں جو مثل عصب ظاہراً نرم اور ٹوٹنے میں سخت ہوتی ہے اُس کے اندر روح بھری رہتی ہے اور تھوڑا سا خون بھی ہوتا ہے۔ شرائین روح

پہنچانے کی نالیاں ہیں۔ چونکہ معدہ کو حیات ضروری تھی کیونکہ مردہ
سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے شرائین اُس میں روح پہنچا کر اسکو
زندہ رکھتی ہیں۔ اس تقریر سے معدہ کا حساس اور زندہ ہونا ثابت
ہے اور اُس کے جوہر اور جسم نامی ہونے میں تو کلام ہی نہیں۔ اگر
کہا جائے کہ سماعت و بصارت وغیرہ اُس میں نہیں ہیں۔ اسلئے
اُس کو حساس نہیں کہہ سکتے تو ہم کہیں گے کہ حساس باوجودیکہ حیوان
کا ذاتی ہے مگر ضرور نہیں کہ وہ سمیع و بصیر وغیرہ بھی ہو۔ دیکھئے
بعض بچے مادرزاد اندھے۔ بہرے اور اخشم بھی پیدا ہوتے ہیں۔
اگر کہا جائے کہ کبھی قوت مصورہ کے قصور سے ایسے امور ظہور میں
آتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ اسی سے ثابت ہے کہ یہ امور حیوان کے
ذاتی نہیں کیونکہ ذاتی کی یہ شان نہیں کہ قوت مصورہ اُسکو چاہے رکھے
چاہے نکالدے۔ دیکھئے ممکن نہیں کہ قوت مصورہ حیوان کی جوہریت
یا جسمیت یا نمو میں خلل انداز ہو۔ بخلاف سماعت وغیرہ کے کہ
اکثر حیوانات میں وہ مفقود ہیں۔ تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہے کہ
محار یعنی گھونگا جس کے اقسام کثرت سے ہیں جو دریاؤں
اور سمندروں میں پائے جاتے ہیں۔ اُن میں سماعت اور بصارت
نہیں ہوتی۔ علم الدین میں لکھا ہے کہ اس جانور کو نہ سر ہوتا ہے

نہ سماعت نہ بصارت۔ صرف اس میں گوشت ہوتا ہے اور اُس کی حفاظت کیلئے ایک سخت مثل ہڈی کے خول ہوتا ہے اور لکھا ہے

کہ عالم البحار عالم کبیر وعددہ کثیر حتے قیل انہ اکثر المملکۃ الحیوانیۃ عددا یعنی یہ کیڑے اس کثرت سے ہیں کہ تمام حیوانات سے شمار میں زیادہ ہوں گے۔ اور لکھا ہے کہ ہر ایک میں اعضائے تناسل نر و مادہ کے ہوتے ہیں۔ اپنی اولاد کا وہی باپ ہے اور وہی ماں۔ اور یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ وہ تخمیناً تیس لاکھ انڈے دیتا ہے اور وہ ایسے چھوٹے ہوتے ہیں کہ بغیر کلاں بین کے نظر نہیں آتے۔ تفسیر کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ بعض حیوانات کو صرف قوت لامسہ ہے۔ اور باقی چاروں حواس مفقود ہیں اور بعض حیوانات کو مُنہ نہیں ہوتا بلکہ مسامات کے ذریعے سے ہوا لیتے ہیں اور بعضوں میں خون کے اوعیہ یعنی ظروف نہیں ہوتے۔ فاضل وجدی نے کنز العلوم واللغۃ میں لکھا ہے کہ بعض حیوانات عدم حرکت ارادیہ میں نباتات کے مشابہ ہیں اور بعض نباتات کے ایسے مشابہ ہوتے ہیں کہ اُن کا امتیاز مشکل سے ہوتا ہے۔ غرض کہ جب تمام حیوانات میں زیادہ وہ حیوانات ہیں جن میں نہ قوت سامعہ ہے نہ باصرہ وغیرہ تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہوگا کہ سماعت وبصارت وغیرہ حواس حیوان کے ذاتی

حاشیہ: یعنی بصارت وغیرہ حیوان کے ذاتیات نہیں

ہیں۔ البتہ مطلق حس حیوان کے لئے ضروری ہے اور چونکہ حس عموماً عصب سے متعلق ہے اور وہ معدے میں موجود ہے اس لئے اُس کے حساس ہونے میں کوئی شک نہیں۔ پھر روح حیوانی جس پر حیوان ہونے کا مدار ہے وہ بھی اُس میں موجود ہے اور اُس کے متحرک ہونے میں بھی کلام نہیں۔ اس لئے کہ جس چیز کو وہ نافع سمجھتا ہے اور دوست رکھتا ہے اُسی کو جذب کرتا ہے۔ دیکھئے بھوک کے وقت اُس کی کیسی حالت ہوتی ہے۔ کہ اگر آدمی اُلٹا بھی لٹکایا جائے تو معدہ لقمے کو اوپر کی جانب کھینچ کر لے لیتا ہے۔ حالانکہ اس وقت لقمے کے ثقل طبعی کا مقتضا یہ تھا کہ مُنہ کی جانب آجاتا اور چونکہ میٹھا اُس کو نہایت مرغوب ہے اس لئے اُس کو خوب جذب کرتا ہے اسی وجہ سے میٹھا قے کے آخر میں نکلتا ہے خواہ اول کھایا جائے یا آخر میں۔ پھر قے اور براز سے ظاہر ہے کہ وہ اپنی مضر چیز کو دفع بھی کرتا ہے۔ اس سے معدے کی حرکت بالارادہ بھی ثابت ہوگئی۔ کیونکہ جلب نفع اور دفع ضرر کی غرض سے حرکت کرنا بھی اگر بالارادہ نہ ہو تو یہ کہنا پڑے گا کہ جتنے حیوان جلب نفع اور دفع ضرر کے لئے حرکت کرتے ہیں وہ حرکت طبعی ہے۔ جس سے یہ لازم آئیگا کہ کسی حیوان میں حرکت ارادی ہی نہیں ہے۔ حالانکہ وہ خلاف بداہت عقل ہے

معدہ حیوان ہے

معدے کی حرکت ارادی ہے

اور معدے کی حرکت ارادی ہونے کو اطبا نے بھی تسلیم کر لیا ہے چنانچہ فاضل آملی نے شرح قانون میں تصریح کی ہے کما قال ولان جذب الکبد طبعی فوجب ان یکثر مداخلہ لیقوم بعضہا مقام بعض ان عرض لبعضہا سدۃ او کان ما یاتیہ عدیم الغذاء او فاسدا بخلاف المعدۃ فان جذبہا ارادی ومع الارادۃ یمکن الانتقال الی غیرہ۔ دراصل حرکت ارادی اور طبعی میں فرق کرنا بغیر وجدان کے ممکن نہیں اس لئے کہ دیکھنے میں دونوں ایکساں معلوم ہوتے ہیں۔ دیکھئے باولی میں کودتے ہوئے صدہا آدمی نظر آتے ہیں۔ اُن میں بعض بغیر ارادے کے گر بھی جاتے ہیں اور دیکھنے والوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کس کی حرکت بالارادہ ہے اور کس کی حرکت طبعی بلاارادہ۔ ہاں اُنہیں کا وجدان گواہی دیتا ہے کہ حرکت بالارادہ ہے یا بغیر ارادہ۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ معدے کے ارادے کا وجدان ہمیں حاصل ہے یا نہیں۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ معدے کے خود حرکات کا وجدان نہیں جو جذب و دفع میں کرتا ہے۔ کیونکہ حلق سے لقمہ اترنے کے وقت صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ لقمہ نیچے کی جانب گیا۔ اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حرکت دافعہ سے وہ نیچے گیا یا معدے کی جاذبہ سے۔ اسی وجہ سے ڈاکٹری میں معدے کا

جاذبہ ثابت نہیں۔ اور یونانیوں کو جاذبہ معدے پر دلائل قائم کرنیکی ضرورت ہوئی۔ اسی طرح سوائے شورش دل کی قے کے وقت یہ نہیں معلوم ہوتا کہ معدہ حرکت کر کے غذا کو دفع کر رہا ہے۔ اور غذا کو امعا کی طرف دفع کرنے کا تو احساس ہی نہیں ہوتا۔ پھر جب معدے کی اصل حرکت ہی کا وجدان نہیں تو اُس کے بالارادہ یا بلا ارادہ ہونیکا وجدان کیونکر ہوسکے۔ بات یہ ہے کہ معدہ ایک مستقل حیوان ہے جسکی صورت۔ شکل۔ وضع۔ ترکیب افعال۔ حرکات جداگانہ ہیں۔ اگرچہ وہ ہمارے جسم کے اندر ہے۔ مگر چونکہ وہ ایک مستقل حیوان ہے اسلئے ضرور نہیں کہ اُس کے تمام حالات پر ہمیں اطلاع ہو جیسے پیٹ کے کیڑے بھی ہم ہی میں رہیں مگر ان کے متحرک بالارادہ ہونے کا ہمیں وجدان نہیں۔ اسی طرح معدے کے ارادے کا ہمیں وجدان نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہر حیوان کا وجدان جدا ہے۔ دوسرے کو اُس کے وجدان پر اطلاع نہیں ہوسکتی۔ اب اور سنئے کہ رحم جب مشتاق نطفہ ہوتا ہے تو جماع کے وقت حرکت اور میلان کرتا ہے۔ چنانچہ حاجی حکیم مولوی محمود صمدانی صاحب نے اپنے رسالۂ جگر میں لکھا ہے کہ جب عورت کو مقاربت کا زیادہ شوق ہو تو رحم کو منی کے جذب کرنے کا بڑا ہی شوق ہوتا ہے۔ چنانچہ مشاہدۂ حسی اور عام تجربہ ہے

کہ اندرونی جانب رحم میں بوقت مقاربت ایک خاص قسم کا امتصاصی اثر
محسوس ہوتا ہے الخ۔ اور اسفار اربعہ میں صدرالدین شیرازیؒ
نے لکھا ہے وکذا حال الرحم فی جذب المنی بل الاحلیل
عند خلوہ عن فضول و شدۃ اشتیاق المرأۃ الی الوقاع
ولذالک ان قوماً من الفلاسفۃ سموا الرحم حیوانًا
مشتاقاً الی المنی وذالک لشدۃ جذبہ اھ۔ حاصل
اس کا یہ ہے کہ چونکہ رحم کمال درجے کا مشتاق منی ہوتا ہے اس لئے
فلاسفہ کی ایک قوم نے اُس کو حیوان کہا ہے۔ اور رسالہ تشریح اور
افعال اعضا میں ڈاکٹر غلام حسین صاحب نے لکھا ہے کہ چونکہ رحم کو
منی کے کھینچنے کا شوق طبعی ہے۔ اس لئے مجامعت کے وقت
عنق الرحم یعنی فرج کی طرف مائل ہو جاتا ہے انتہیٰ۔ جب حرکت
ارادی اور شوق وغیرہ لوازم حیوانیت رحم میں پائے گئے تو فلاسفہ کی
ایک جماعت قائل ہو گئی کہ وہ حیوان ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے
ہیں کہ معدہ وغیرہ بھی غذا کی طرف حرکت کرتے ہیں۔ اور مائل ہوتے
ہیں۔ البتہ فرق اس قدر ہے کہ رحم جب دیکھتا ہے کہ اپنا مطلوب دور
ہے۔ اور اُس کو پہنچانے والا قاصر اور کوتہ دست ہے تو سبقت کر کے
کسی قدر آگے بڑھ جاتا ہے اور اُس کو قدم بڑھانے کے لئے راستہ

بھی مل جاتا ہے۔ بخلاف معدے کے کہ اُس کا مطلوب خود افتان وخیزاں
اُس تک پہنچ جاتا ہے۔ اور فاضل آملی نے توشرح قانون شیخ میں
یہ بھی لکھا ہے کہ معدہ جب غذائے لذیذ کو دیکھتا ہے تو اوپر کی جانب
چڑھ آتا ہے اور اس جلدی سے لقمے کو کھینچنے لگتا ہے کہ اُس کے
چبانے کی بھی مہلت نہیں لینے دیتا کما قال انا نری ان المعدۃ
عند تناول الغذاء اللذیذ یصعد الی فوق ویجذبہ بسرعۃ
حتی یعسر مضغہ اب کہئیے کہ علم شوق رغبت اور ارادے
میں جو لوازم حیوانی ہیں جب معدہ اور رحم میں موجود ہیں تو اب ان کی
حیوانیت میں کون سی کسر رہ گئی۔ غرض کہ رحم اور معدے پر حیوان کی
تعریف یعنی جوہر جسم نامی حساس متحرک بالارادہ پورے طور سے
صادق آتی ہے۔

اسی طرح زبان پر بھی حیوان کی تعریف صادق آتی ہے۔ اور اُس کا
متحرک بالارادہ ہونا یوں ثابت ہوگا کہ نیند اور بیہوشی کی حالت میں
اگر کسی کے مُنہ میں شہد مثلاً ڈالا جائے تو وہ مزہ لیتی ہوئی حرکت کرکے
اُسکو معدے کی جانب روانہ کرتی ہے۔ حالانکہ اُس وقت نفس کو نہ شعور
ہے نہ ارادہ۔ مقتضائے حکمت بالغہ یہی تھا کہ ان حیوانات اندرونی
کو خاص خاص قسم کا شعور عنایت ہو اس لئے کہ اغراض ہر ایک کے

مختلف ہیں۔ زبان کا ایک فرض منصبی انسان کو غذا پہنچانا ہے اور چونکہ غذائیں بے انتہا ہیں اس لئے اُس کو یہ شعور دیا گیا کہ بذریعۂ ذائقہ مضر اور مفید چیزوں کا احساس کرکے جو اشیا رجسم انسانی میں داخل کرنے کے لائق ہیں اُن کو داخل کرے۔ جس سے بقائے شخصی ہو اور بقائے نوعی کے لئے صرف ایک ہی چیز تھی اس لئے وہاں ذائقے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر چونکہ کسی قدر فاصلہ پر مادّہ بقائے نوعی کو پہنچانے کی ضرورت تھی جو ممکن نہ تھا کہ بغیر مساس اعضائے تناسل زوجین کے وہ وہاں تک پہنچ سکے۔ اسلئے وہاں لامسہ میں ایک خاص قسم کا مذاق رکھا گیا جس کا لطف بیان سے خارج ہے۔ بچے اور عنین اُس کو نہ کسی حاسہ سے معلوم کرسکتے ہیں نہ عقل و فراست سے اگر اُن کے رُوبرو اُس کا حال بیان کیا جائے تو دل لگی سمجھیں گے اور اگر زیادہ عقل ہو تو قیاس کرکے یہ کہیں گے کہ اُنگلی یا ہاتھ کسی تنگ سوراخ میں ڈالا جائے تو ممکن نہیں کہ لذت حاصل ہو بلکہ سخت مصیبت محسوس ہوتی ہے۔ اور اگر اُن سے کہا جائے کہ جس طرح دوسرے اعضا کے خلاف ہیں زبان کو ایک خاص قسم کی حس یعنی ذائقہ دیا گیا ہے۔ اسی طرح وہاں بھی ایک خاص قسم کا التذاذ ہے تو اگر انصاف کرکے ساکت بھی ہو جائیں تو تعجب نہیں کہ لذت

جماع میں کسی عمدہ حلوے کے ذائقے کا خیال کریں گے۔ بہرحال بالغ النظر کے نزدیک جس طرح اُن کا انکار قابل قبول نہیں۔ اسی طرح اُن کا اقرار بھی قابل اعتبار نہیں۔ یہی حال ہے تمام وجدانیات کا مثلاً مذاق علمی جن کو حاصل ہوتا ہے اُن کو تحصیل علم میں مصائب کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور جاہل اُن کو احمق بناتے ہیں کہ اقسام کی لذتیں چھوڑ کر یہ لوگ مصیبتیں اٹھاتے ہیں۔ اسی طرح جن کو وجدان صحیح ہوتا ہے عمدہ اشعار سننے سے اُن پر بیخودی طاری ہوتی ہے جس سے گریہ وزاری میں اُن کو لطف آتا ہے اور جن کو اُس کا مذاق نہیں وہ اُن کی حالت پر مضحکہ اُڑاتے ہیں۔ غرض کہ جہل بُری بلا ہے اسی سے اقسام کے فساد برپا ہوتے ہیں۔ اگر حقائق امور پر آدمی غور کرے اور اُس کو وجدان صحیح حاصل ہو اور ہر چیز کی حالت کو دیکھکر اُس سے سبق حاصل کرتا رہے تو تہذیب اخلاق میں پوری کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔

الغرض کہ جب یہ ثابت ہوا کہ تمام اعضا حیوان ہیں اور جس طرح گائے بکری۔ گھوڑے۔ کتے۔ بلیاں وغیرہ حیوانات اپنے اپنے فرائض منصبی اور خدمات بیرونی میں مشغول ہیں۔ ویسے ہی یہ حیوانات اندرونی یعنی اعضائے جسم انسانی خدمات اندرونی میں مشغول ہیں اور اپنے فرائض

تمام اعضا انسان حیوان ہیں

منصبی سے متعلق ادراکات میں انسان سے بھی بڑھے ہوئے ہیں تو معلوم ہوا کہ جس طرح حیواناتِ بیرونی ہماری خدمت گذاری کیلئے متعلق ہیں۔ اسی طرح یہ حیواناتِ اندرونی بھی متعلق و مامور ہیں۔ اگر ہم صرف اپنی لذتیں حاصل کرنے کی غرض سے خلاف حکم آلہی اُن سے کام لیں تو وہ یہاں فرماں برداری تو ضرور کریں گے۔ کیونکہ وہ اُن کا کام ہے۔ مگر جس روز خدائے تعالیٰ ہم سے سوال کریگا کہ تم نے اُن سے ناجائز امور میں مدد لی تھی یا نہیں۔ اور ہم اُس کا انکار کریں تو اُن سے سوال ہوگا کہ فلاں کام میں تم سے اُس نے مدد لی تھی یا نہیں اور وہ اصل واقعے کی خبر ضرور دیں گے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ قولہ تعالیٰ و یوم یحشر اعداء اللہ الی النار فھم یوزعون حتی اذا ما جاؤھا شھد علیھم سمعھم و ابصارھم و جلودھم بما کانوا یعملون وقالوا لجلودھم لم شھدتم علینا قالوا انطقنا اللہ الذی انطق کل شئ و ھو خلقکم اول مرۃ و الیہ ترجعون ○ وما کنتم تستترون ان یشھد علیکم سمعکم ولا ابصارکم ولا جلودکم ولکن ظننتم ان اللہ لا یعلم کثیرا مما کنتم تعملون و ذالکم

اعضا کی گواہی

ظنّکم الذی ظننتم بربکم اردٰکم فاصبحتم من الخاسرین
یعنی جس دن دشمنانِ خدا دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔ پھر اُن کی
مثلین للینگی۔ یہاں تک کہ جب سب دوزخ پر آکر جمع ہوں گے تو
گواہی دینگے اُن پر اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں اور اُن کے پوست
جو کچھ وہ کرتے تھے اور کہیں گے وہ اپنے گوشت پوست سے کہ تم نے
ہمارے خلاف کیوں گواہی دی۔ وہ جواب دیں گے کہ جس نے ہر چیز
کو گویا کیا۔ ہم کو بھی گویا کیا اور اُس نے تم کو اول بار پیدا کیا تھا۔ اور اب
تم لوگ اُسی کی طرف لوٹا کر لائے جارہے ہو اور گناہ کرتے وقت
تم پردہ داری بھی کرتے تھے تو اس خیال سے نہیں کہ تمہارے کان اور
تمہاری آنکھیں اور تمہارے پوست تمہارے خلاف گواہی دینے کھڑے ہوجائینگے
بلکہ تم کو تو یہ خیال تھا کہ تمہارے بہت سے عملوں سے خدا بھی واقف
نہیں۔ اور یہ بدگمانی تمہاری جو تمنے اپنے پروردگار کے حق میں کی تھی اسی
بدگمانی نے تم کو ہلاک کیا اور ہوگئے تم زیاں کاروں میں انتہیٰ۔
اس سے ظاہر ہے کہ یہ سب خدائی لشکر جو چند روز کے لئے ہماری خدمت
میں دیا گیا ہے جیسے شاہی چوبدار کسی کے متعلق ہوتے ہیں۔ مگر جب
بادشاہ اُس کا حال اُن سے دریافت کرتا ہے تو وہ پورا پورا بیان کر دیتے
ہیں۔ یا یوں کہئے کہ یہ خفیہ پولیس ہمارے ساتھ لگا دی گئی ہے جو دیکھنے کو تو

تابع ہے مگر اُس کو مقرر کرنے والے نے مخبری کے لئے مقرر کیا ہے
ایسے موقع میں عقلمند وہی سمجھا جائے گا جو اس خفیہ پولیس کے روبرو
کسی جرم کا مرتکب نہو۔ دستور ہے کہ خفیہ پولیس جس کے ساتھ لگا دی
جاتی ہے۔ اُس کو خبر نہیں دی جاتی کہ فلاں شخص پولیس والا ہے برخلاف
اس کے خدائے تعالےٰ نے کمال رحمت سے ہم پر اُن کو ظاہر
کر دیا تاکہ ہم اُن سے خبردار رہیں۔ اگر اُس پر بھی ہم اُن کے روبرو
مرتکب جرائم ہوں تو ہم سے زیادہ کون بے وقوف ہوگا!
معدے میں اور وہ بھی ہیں یہ رگیں ساکن ہیں اور سب جگر سے
نکلتی ہیں۔ مگر ان کی ابتدا دو بڑی وریدوں سے ہوتی ہے۔ ایک
اسکے مُقعّر یعنی اندرونی حصے میں سے نکلتی ہے۔ جس کا کام یہ ہے
کہ غذا کو معدے سے جذب کرے اسی کا نام باب الکبد ہے
اس لئے کہ اسی دروازے سے غذا پکنے کے لئے جگر میں
جاتی ہے۔ یہ ورید خاص معدے سے غذا کو نہیں لیتی بلکہ معدے
کے آخری حصے میں اور تمام امعا میں باریک باریک رگیں لگی
ہوئی ہیں جن کا نام ماساریقا ہے۔ اُن کا کام یہی ہے کہ جو ہر
لطیف کیلوس کو لیکر باب الکبد میں پہنچا دیں۔ اگر یہ رگیں بڑی بڑی
ہوتیں تو کیلوس کے وہ اجزا بھی اُن میں چلے جاتے جس میں

ماساریقا

غذا بننے کی صلاحیت نہیں۔ اور اُن سے جگر اور تمام اعضا کو ضرر عظیم پہنچتا۔ اس سے اس کی وجہ بھی معلوم ہوگئی کہ معدے میں غذا جانے کا ایک ہی راستہ مقرر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اس بارگاہ تک ہر کثیف و لطیف کی رسائی ہے۔ اس موطن میں اچھے بُرے کا کوئی امتیاز نہیں۔ یہاں سے انتخاب اور امتیاز شروع ہوتا ہے اور یہاں سے ترقی کرنے کے مختلف طریقے مقرر کئے گئے اور سب میں یہ لحاظ رکھا گیا کہ کوئی کثیف ترقی نہ کرنے پائے۔ چنانچہ باب الکبد پر جتنے کارگذار متعلق ہیں سب چُن چُن کر لطیف لطیف اجزا کو وہاں تک پہنچاتے ہیں اگرچہ بعض اطبا کا خیال ہے کہ ماساریقا کل امعا کے ساتھ متصل نہیں۔ مگر شیخ نے قانون میں تصریح کی ہے کہ وہ کل امعا کے ساتھ متصل ہیں۔ اور دوسری ورید جگر کی جانب محدب سے نکلی ہے جس کو اجوف کہتے ہیں۔ اس کا کام یہ ہے کہ تمام اعضا کو غذا پہنچاتی پھرے۔ چنانچہ معدے میں بھی وریدیں ہیں جن کے ذریعے سے اُس کو غذا پہنچتی ہے۔

فم معدے کے ذریعے سے جس غذا کو معدہ نہایت شوق سے جذب کرتا ہے وہ اُس کی غذا نہیں۔ اس لئے کہ وہ خام ہے جس کو کئی بار پکنے کی ضرورت ہے۔ پھر جو وہ شوق سے اُس غذا کو

جذب کرتا ہے وہ شوق فقط کارگذاری اور خدمت مفوضہ کے انجام دینے کا ہے۔ یہی حال تمام اعضا کا ہے۔ اُن کی جبلت میں یہ بات داخل کردی گئی کہ نہایت شوق اور جانفشانی سے اپنے فرائض منصبی کو انجام دیں ورنہ اگر وہ کام نہ کریں تو اُن کو کون پوچھنے والا ہے۔ نفس ناطقہ جو مدبر بدن ہے اُس کو تو خبر ہی نہیں کہ کون کہاں کارگذار ہے۔ بات یہ ہے کہ ان کو اپنے پروردگار سے ایک تعلق خاص ہے۔ جس کی وجہ سے وہ تسبیح اور حمد کرتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیہ شریفہ سے ظاہر ہے وان من شئی الا یسبح بحمدہ یعنی دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اپنے پروردگار کی تسبیح اور شکرگذاری میں مشغول نہو۔ اسی تعلق خاص کی وجہ سے جس کام کے لئے وہ پیدا کئے گئے ہیں اُس کے انجام دینے میں سرمو کوتاہی نہیں کرتے۔ گویا ان کا یہ کام کرنا بھی ایک قسم کی عملی شکرگذاری ہے۔ بخلاف انسان کے کہ خیال تک نہیں کہ میں کس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ پھر جب وہ فرائض منصبی میں مشغول ہیں تو اُن کی روزی بھی غیب سے اُن کو گھر بیٹھے پہنچ جاتی ہے جس کی انکو خبر بھی نہیں کہ وہ کہاں سے آئی۔ اور کس نے اُس کو پیسا اور کس نے پکایا۔

معدے کی خدمت میں آٹھ عضلے ہیں جو ہر وقت اپنے کاموں میں مشغول اور مستعد رہتے ہیں۔ اگر آدمی سو بھی جائے تو وہ بے فکر اور بیکار نہیں رہتے۔ بلکہ اور زیادہ مستعدی سے کام کرتے ہیں۔ اُن میں بعضوں کے لیف طول میں واقع ہیں۔ اور بعضوں کے عرض میں اور بعضوں کے مورب یعنی ترچھے ان میں سے بعض غذا کو جذب کرتے ہیں اور بعض اُس کو ہاضمہ کے روبرو پیش کئے رہتے ہیں۔ تاکہ اُس کو خوب پکائے۔ اور بعضوں سے پیشاب۔ پائخانہ اور جنین کو نکالنا متعلق ہے۔ اسلئے کہ مثانہ کا مُنہ اُوپر کی جانب رکھا گیا ہے۔ اس غرض سے کہ جو مستعمل پانی پھینک دینے کے لائق ہو اُس حوض میں جمع کرکے ایکبار سوراخ یعنی پیشاب کی راہ سے نکال دیا جائے اگر اُس کا مُنہ نیچے کی جانب ہوتا تو ہر وقت تقاطر رہتا پھر جب اس کو خالی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو عضلہ اُس کو داب کر اُبال دیتا ہے یہی پیشاب ہے۔

اسی طرح غذا کے فضلے نکالنے میں آنتوں کو نچوڑنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ بعض آنتیں ایسی ہیں کہ اُن کے لفافے تہ بتہ کثرت سے ہیں جب تک اُس کو کوئی قوت سے نہ نکالے وہ فضلہ نہیں نکل سکتا۔ خصوصاً اُس حالت میں کہ جب ماساریقا جو باریک

باریک رگیں ہیں۔ رطوبات غذائیہ کو اُس سے جذب کر کے اُس کو خشک بنا دیتی ہیں۔ اور حرارت احشا سے اُس میں اور بھی خشکی آجاتی ہے اور قوت سے اُن آنتوں کو کوئی نہ دابے تو ممکن نہیں کہ وہ خشک فضلہ اُس سے نکل سکے۔ اسلئے وہ عضلے اس قوت سے اُسے دابتے ہیں کہ وہ فضلہ یعنی براز نکل پڑتا ہے۔

اسی طرح ولادت کے وقت جب تک مخرج کو قوت سے کوئی کشادہ نکرے۔ بچے کا باہر آنا مشکل ہے۔ یہ عضلات اس کام کو بھی انجام دیتے ہیں۔ غرض کہ معدے کے جتنے ضروری کام ہیں اس عملے سے متعلق ہیں۔

چونکہ کارگذاران مملکت جسم انسانی ہر وقت اپنے اپنے کام میں ایسے مشغول ہیں کہ اُن کو اپنے کھانے پینے کی بھی فکر نہیں۔ اس وجہ سے ضرور تھا کہ بغیر تردد و کوشش کے اُن کو رزق پہنچا کرے اس لئے خدمتِ میر سامانی غاذیہ کے تفویض ہوئی اور مستقر اُس کا جگر بنایا گیا۔ جہاں اس ملک کے باشندوں کے مزاج اور حالت کے مناسب غذائیں تیار ہوتی ہیں اور اُس کی خدمت میں چار افسر دئے گئے جاذبہ ماسکہ۔ ہاضمہ اور دافعہ۔ ہر چند ان افسروں کی حکومت تمام مملکت جسمانی میں ہے۔ لیکن ہر ایک مقام میں وہ خاص خاص طور پر حکمرانی

کرتے ہیں۔ معدے میں جس کو اس مملکت کا ایک صوبہ کہنا چاہئیے
جاذبہ کا کام یہ ہے کہ جن اشیا کو غذا بنانے کے لئے نفس ناطقہ
اس مملکت میں بھیجتا ہے۔ ہنوز وہ حلق سے نیچے نہیں اترتی کہ
جاذبہ اپنا کام شروع کردیتا ہے۔ اور چونکہ یہ اشیا کثیف ہیں اور
مختلف قسم کے ٹکڑے اُس میں شامل ہوتے ہیں گو چبانے سے
کسی قدر باریک ہوجائیں۔ مگر پھر بھی بہت کچھ کثیف کثیف ٹکڑے
اُن میں رہ جاتے ہیں۔ اس لئے اُس کی ماتحتی میں لمبے لمبے لیف
عضلات کے دئے گئے۔ تاکہ اُن کے ذریعے سے اُن ٹکڑوں کو کھینچے
اور ماسکہ کی ماتحتی میں مورب لیف دئے گئے۔ جن کے سہارے
وہ اُس کثیف غذا کو ہاضمہ کے روبرو پیش کئے رہتا ہے۔ اور
جب تک ہاضمہ اپنا پورا کام نہیں کرلیتا وہ اُس کو چھوڑتا نہیں۔
ہاضمہ دیکھتا ہے کہ اُس میں کون کون سے اجزا ہیں جن کو
باشندگان ملک جسمانی اپنی قوت بنا سکیں۔ اُن اجزا کو اس تدبیر
سے علحدہ کرتا ہے کہ پہلے غذا اور پانی کو خلط ملط کرکے کشک کی صورت
پر بنا دیتا ہے اگر پانی کی کمی ہو تو فوراً طلب کرلیتا ہے۔ چنانچہ
تشنگی اُسی کا اثر ہے جس سے آدمی مجبور ہوکر پانی پیٹ میں پہنچا دیتا
ہے۔ پھر اُس کشک سے لطیف اور رقیق اجزا کو علحدہ کرکے اُن میں

ایسا امتزاج دیتا ہے کہ باریک باریک رگوں کی راہ سے جگہ میں جاسکیں چنانچہ جگر اُس کو کھینچ لیتا ہے۔ پھر اُس فضلے کو جو باشندگان ملک کے مرغوب طبائع نہیں اس قابل بناتا ہے کہ آسانی سے نکلجائے اور اس کام کے لئے دافعہ کے حوالے کر دیتا ہے۔ پھر دافعہ ان عضلات سے جو اُس کی اطاعت میں دئے گئے ہیں کام لیکر فضلات کو باہر نکال دیتا ہے۔ جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔
شیخ نے قانون میں لکھا ہے کہ ان چاروں قوتوں کی خدمت میں چاروں کیفیتیں یعنی حرارت۔ برودت۔ رطوبت اور یبوست دی گئی ہیں جو اُن کی ماتحتی میں کام کرتی ہیں۔

جاذبہ:- اس کی خدمت میں حرارت و یبوست ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حرارت غریزی جو فیضان نفس کے وقت فائض ہوئی ہے۔ اور بعضوں کے نزدیک اجزائے ناریہ۔ بہرحال حرارت جس قسم کی ہو جاذبہ کو مدد دیتی ہے۔ اسلئے کہ وہ غذا کی طرف حرکت کرتا ہے اور اُس کو جذب کرتا ہے۔ اگر اُس کے ساتھ حرارت نہو تو حرکت دشوار ہو جائے۔ اور چونکہ اُس کی کارگذاری کی اکثر مدت تحریک لیف ہی میں صرف ہوتی ہے۔ اسلئے اُس کو حرارت کی نہایت ضرورت ہے۔ پھر اگرچہ جوہر روح جو حامل قوت جاذبہ ہے اُس میں

یا اُس کے آلے میں رطوبت ہو تو استرخاء ہو جائے جس کی وجہ سے مقصود کی طرف حرکت کرنا ممکن نہو اسلئے یبوست آکر ان دونو نکو اس قابل بنا دیتی ہے کہ اُن کو حرکت پر پوری قدرت حاصل ہو کیونکہ صلابت اور تمکین یبوست سے متعلق ہے۔ اور نیز جاذبہ جب آلہ یعنی لیف کو قبض کرتا ہے۔ جس میں اُس کے اجزا تھوڑی دیر ساکن رہتے ہیں۔ اُس وقت بھی یبوست کی ضرورت ہے غرضکہ حرارت اور یبوست جاذبہ کی سب ضرورتوں کو پوری کرتی ہیں جس سے وہ غذا کو لاکر ماسکہ کے تفویض کر دیتا ہے۔

ماسکہ: الیاف موربہ جو معدے میں ساکن ہیں اُن کو حرکت دینے کی ضرورت ہے۔ اس لئے حرارت کی ضرورت ہوئی۔ چنانچہ اُن لیفوں کو وہ حرکت دیتا ہے پھر برودت آکر لیف کو اُس ہئیت پر روک دیتی ہے۔ جس میں امساک کی صلاحیت ہو۔ پھر یبوست آکر اُسی حالت پر اُس کو سخت کر دیتی ہے تاکہ اچھی طرح وہ غذا کو تھامے رہے اور رطوبت کو آنے نہیں دیتی تاکہ لیفیں نرم نہو جائیں جس سے غذا کے وزن کو سنبھال نہ سکیں۔ اور ہاضمہ کے روبرو اسکے پیش کرنے میں قصور ہو۔ حرارت اور برودت جو ماسکہ کی خدمت کرتی ہیں وہ تھوڑی دیر کے لئے ہے۔ بخلاف یبوست کے کہ جب تک ہاضمہ

اپنا کام کرتا ہے یعنی اُس وقت تک کہ فضلہ غذا کو دافعہ کے حوالے کردے۔ یبوست ماسکہ کی خدمت میں مشغول رہتی ہے۔ جس سے وہ غذا کو اُس کے روبرو پیش کئے رہتا ہے۔ غرض کہ حرارت برودت اور یبوست نہایت اتفاق اور ایک دلی سے اس مقام میں اپنی خدمتیں بجالاکر ماسکہ کو قابل تحسین بنادیتی ہیں۔ اور حرارت وبرودت میں باوجودیکہ ذاتی مخالفت وعداوت ہے۔ مگر وہ اس مقام میں اُس کو کام میں نہیں لاتیں۔

ہاضمہ۔ جاذبہ جو غذا معدے میں لاتا ہے۔ اُس میں گوشت روٹی وغیرہ کے ٹکڑے موجود رہتے ہیں۔ جن کو ریزہ ریزہ کرنیکی ضرورت ہے۔ اس لئے ہاضمہ ہر ایک جز کی جانب حرکت کرکے اُس کو پاش پاش کردیتا ہے۔ پھر یہ بھی ضرور ہے کہ اُن ریزوں کو جمع کرکے اُن میں ایک ایسی کیفیت پیدا کردے جو سب مل کر ایک چیز ہو جائیں۔ یعنی کشک کی صورت اُن میں پیدا ہو جائے غرض کہ ہاضمہ کو دو حرکتوں کی ضرورت تھی۔ ایک حرکت فی المکان دوسری حرکت فی الکیف۔ اور ظاہر ہے کہ حرکت بغیر حرارت کے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے حرارت اُس کو اُن دونوں حرکتوں میں پوری پوری مدد دیتی ہے۔ پھر اگر اُس غذا میں یبوست آجائے

تو ہاضمے کی سب محنت اکارت ہو جائے۔ کیونکہ یبوست شکل بدلنے نہیں دیتی۔ اسلئے رطوبت اُس کی خدمت میں رہکر غذائے موجودہ کو بآسانی کشک کی صورت میں لاتی ہے۔ کیونکہ جس چیز میں رطوبت ہوتی ہے وہ آسانی سے ہر شکل کو قبول کرتی ہے۔ الحاصل ہاضمہ حرارت اور رطوبت کی مدد سے غذا کو ایسی شکل پر لاتا ہے کہ اُس کا سلالہ جگر میں بذریعۂ اوردہ اور ماساریقا جاسکے۔ اور جو فضلہ رہجاتا ہے ہاضمہ اُس کو دافعہ کے حوالے کر دیتا ہے۔

واضح رہے کہ ماساریقا کا اس سلالے کو جذب کرنا بعینہ ایسا ہے جیسے نباتات کے ریشے سلالۂ طین کو جذب کرتے ہیں۔

دافعہ:۔ چونکہ فضلے کو دفع کرنے کے لئے حرکت کی ضرورت ہے اس لئے حرارت اُس کی مدد کرتی ہے۔ پھر دفع کرنے کے وقت تھوڑی ضرورت کثیف کرنے کی بھی ہے۔ تاکہ کثیف فضلے کو نچوڑ کر دفع کر دے۔ اور اس تکثیف میں برودت کام نہیں دیسکتی۔ اسلئے کہ اگر اس موقع میں برودت آجائے تو لیف ٹھنڈا ہو کر دفع کرنے سے عاجز ہو جائے گا۔ اس لئے اس تکثیف میں یبوست کی ضرورت ہوئی۔ غرض کہ حرارت اور یبوست مل کر قوت دافعہ کا کام بنا دیتی ہیں۔ جس سے معدہ پاک وصاف ہو کر دوسری

غذا کو لینے کا مستعد ہو جائے۔ یہ ماحصل قانون اور اُس کے شروح کا ہے۔

اب غور کیجئے کہ یہ موزوں اور عاقلانہ حرکات معدے کے کیا خود بخود ہو سکتے ہیں؟ ہاں پہلے تو اُس آتش خانے میں برودت کا گذر ہی دشوار۔ پھر اگر وہ کسی طرح وہاں آبھی جائے تو سب کاروبار درہم و برہم ہو جانا چاہیئے۔ اس نازک حالت میں حرارت و برودت و رطوبت و یبوست موقع موقع سے پہنچانا اور ہر ایک کو اس کا پابند کر دینا کہ اپنے مقام اور کام سے تجاوز نہ کرے کس قدر حیرت انگیز ہے اگر دافعہ کی کارگذاری کے وقت جاذبہ بھی حرکت کرنے لگے یا ماسکہ خود سری کرے تو باہمی نزاع سے غذا معدے میں پڑی رہے۔ اسی طرح جاذبہ کے کام کے وقت دافعہ اپنا کام کرنے لگے تو غذا مری ہی میں اٹکی رہے۔ غرض کہ یہ سب کام اگر انہیں بے شعور قوتوں کے حوالے ہوں اور سب آزادانہ کام کریں تو معدے کی حالت اُس ملک کی سی ہو جائے۔ جہاں کوئی حاکم نہو اور رعایا خود سر ہو کیا ایسا ملک آباد رہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اب اگر اس خیال سے کہ نفس ناطقہ مدبر بدن ہے اُس کی نگرانی تصور کی جائے تو ہر شخص کا نفس ناطقہ گواہی دیگا کہ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ یہ سب کام جسم کے

معدے کا طبعی کاروبار

اندر ہو رہے ہیں۔ البتہ غذا کا تقاضا تو معلوم ہوتا ہے۔ پھر جب غذا
پہنچا دی جاتی ہے تو صرف اُس کا فضلہ نکلتے وقت احساس ہو جاتا
ہے۔ اور درمیانی کوئی حالت کچھ نہیں معلوم ہوتی۔ اسی وجہ سے
ہزاروں حکمائے یونان نے جو رائیں قائم کی تھیں اُس کے خلاف
میں ہزاروں ڈاکٹر رائیں قائم کر رہے ہیں۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ یونانیوں
کے نزدیک ثابت ہے کہ غذا لیفوں میں رُکی رہتی ہے۔ اور
ڈاکٹروں کے نزدیک غذا معدے میں لڑکنیاں کھاتی رہتی ہے اگر
نفس ناطقہ کو ان اندرونی حالتوں کا علم ہوتا تو کوئی شخص کسی مسئلے
میں اختلاف نکرتا جیسے حواس خمسہ سے جو علوم حاصل ہوتے ہیں
اُن میں کسی کو اختلاف نہیں ہوتا۔ غرض کہ جتنے اندرونی کام بیان
کئے جاتے ہیں صرف تخمینات و قیاسات ہیں جیسے آسمان اور
زمین کے قیاسی حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ جن کا وجدانی
علم نفس ناطقہ کو نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اُن قوتوں کی نگرانی طبیعت
سے متعلق سمجھی جائے تو بیچاری ایک طبیعت کدھر کدھر بھیجیگی
اگر صرف حرارت وغیرہ کیفیات کا فراہم کر دینا ہوتا تو ممکن تھا۔ مگر
وہاں تو ہر ایک سے وہ کام لیتے ہیں۔ جو دوسرے کے مخالف ہیں
پھر طرفہ یہ کہ خود طبیعت کو شعور نہیں۔ جیسا کہ حکماء کے تصریحات سے

ثابت ہے۔ اور قطع نظر اس کے طبیعت کوئی کام اپنے اختیار سے
کرتی بھی نہیں۔ بلکہ ہر کام میں وہ کسی کی مسخر ہوا کرتی ہے۔ جیسا کہ شیخ نے
الٰہیات شفا کے نویں مقالہ کی دوسری فصل میں لکھا ہے۔

لان الطبیعۃ لیست تفعل باختیار بل علی سبیل تسخیر

پھر قوتوں کو بھی شعور نہیں تو بتائیے کہ وہ اُن بے شعور خدام سے
ایسی خطرناک حالت میں کیونکر کام لے سکیں۔ اور ان تمام بیوقوفوں کی
رائے سے جو کارخانہ چلے اُس کی کیا حالت ہونی چاہیئے۔ کسی
شاعر نے کہا ہے ع خوب گذرے گی جو مل بیٹھینگے دیوانے دو
یہ شاعر تو دو ہی دیوانوں کے مل بیٹھنے پر لطف اُٹھا رہا ہے اگر
دس پانچ اس قسم کے اکٹھے ہو کر کوئی کام کرنے لگیں تو کس قدر
مضحکہ خیز لطف ہونا چاہیئے۔ مگر سبحان اللہ ان تمام بے شعوروں
سے وہ حیرت انگیز کام لئے جا رہے ہیں کہ ساری دنیا کے
عقلا جمع ہو کر کرنا چاہیں تو بھی ہرگز نہیں کر سکتے بلکہ اُن کے غوامض اور
حقیقت کا سمجھنا ہی مشکل ہو رہا ہے۔ اور اگر یہ عاقلانہ کام مادی کی
طرف منسوب کر دیئے جائیں اور کہا جائے کہ معدے وغیرہ کے
مادہ میں صلاحیت و استعداد ہے جس کی وجہ سے یہ کام ظہور
میں آرہے ہیں تو ہم کہیں گے کہ معدے کا مادہ تو وہی ہے جو

مادوں میں بھی ان کاموں کی صلاحیت نہیں

نباتات وغیرہ سے بنا ہے اور اگر مادہ قریبہ لیا جائے تو وہ منی ہے بہر حال جو مادہ لیا جائے وہ ایک قسم کا ہوگا جس کے کسی جزو میں وہ بات نہیں جو دوسرے میں نہو۔ پھر قوت مصورہ نے جن اجزائے منویہ کو معدے کے لئے معین کیا ان میں ان تمام عاقلانہ حرکات کی خصوصیت کہاں سے آگئی اور اگر قوت مصورہ نے یہ خصوصیتیں دیں تو جو امور اُن قویٰ سے ظہور میں آرہے ہیں خود قوت مصورہ کے حاشیۂ خیال میں نہیں کیونکہ وہ بے شعور محض ہے تو کہئے کہ وہ جن امور کو جانتی تک نہیں اُن کی استعداد اُس نے کیونکر دیدی۔ بہرحال نہ معدے کے مادے میں یہ ذاتی صلاحیت ہے جو ایسے عاقلانہ حرکات کا منشا بنے نہ طبیعت کو اُن سے تعلق ہے نہ قوتوں میں اُن کی صلاحیت۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے بلکہ واقع میں یہی ہے کہ خالق عزوجل نے ہر ایک چیز کو ایک ایک کام کے لئے پیدا فرماکر اُس کو اُس کام کی ہدایت کی جس کی تعمیل میں وہ ہمیشہ مصروف ہے کما قال اللہ تعالےٰ واعطی کل شئ خلقہ ثم ھدیٰ مگر یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ ہر چیز اب خود مختار اور خدائے تعالےٰ کے اختیار سے خارج ہوگئی۔ بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ جس طرح آدمی کو

خدائے تعالیٰ نے عقل دیکر ہدایت کی کہ ہر کام میں غور و فکر کر
اور باوجود اس کے جب کوئی کام خلاف عقل کرانا منظور ہوتا ہے
تو عقل چھین لی جاتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ اپنے اقتضا کے مطابق
وہ کام نہیں کرسکتی۔ اسی طرح جب منظور الٰہی ہوتا ہے کہ کوئی کام
ان قوتوں کے مقتضیٰ کے خلاف لے تو ہر عضو سے وہ قوتیں
چھین لی جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے بسا اوقات بعض بعض قوتیں
کام نہیں دیتیں اور آخر میں تو سب قوتیں جواب ہی دیدیتی ہیں۔
واضح رہے کہ جب تک دوسرے عالم کا پتا نہیں لگا تھا حکمائے
مادیین نے تمام کارخانۂ عالم کو مادے ہی میں محدود اور منحصر کر رکھا
تھا۔ کیونکہ اس سے مافوق قوت کا وجود ان کے خیال میں آتا ہی
نہ تھا۔ مگر اب بفضلہ تعالیٰ حکما نے اپنے مشاہدات سے
ثابت کردیا کہ عالم مادیات کے اوپر بھی ایک عالم ہے جو اس عالم
سے نہایت لطیف اور پرزور ہے۔ چنانچہ ہم مقاصد الاسلام
کے کسی حصے میں یہ ثابت کرچکے ہیں۔ اب جیسی جیسی توسیع
اس عالم کی ان کے خیالات میں ہوتی جائے گی نئے نئے
اصول قائم کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اور جو بے شعور مادے کے
ہاتھ میں انتظام عالم دے رکھا تھا خود نادم ہوکر اس سے رجوع

کر جائیں گے اور انشاء اللہ تعالےٰ یہ ماننا پڑے گا کہ عالم کا پیدا کرنیوالا سب سے بڑا علیم حکیم قادر ہے۔ بغیر اسکے ارادے اور قدرت کے کوئی کام وجود میں نہیں آسکتا۔ اُسی کی حکمت و تدبیر سے تمام عالم اور عالم انسانی میں قدرت کی عجوبہ کاریاں جلوہ گر ہیں۔ اور نفس ناطقہ اور طبیعت اور قویٰ اور کیفیات سب اُس کے اشارات اور اندرونی حکموں پر کام کرتے ہیں۔

دیکھئے ہمارے تصرف میں جس قدر عالم انسانی ہے اُسی میں ہم کسطرح تصرف کرتے ہیں جس عضو کو حرکت دینا چاہتے ہیں۔ فوراً وہ حرکت کرتا ہے۔ ہم جدھر چاہتے ہیں۔ دیکھتے ہیں سنتے ہیں ہاتھوں وغیرہ سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ ان اعضا کا حرکت کرنا بہت سے عضلات وغیرہ کی حرکتوں پر موقوف ہے مگر ہمارے تعلقات کا سلسلہ کچھ ایسا وسیع ہے کہ جس عضو کو ہم حرکت دینا چاہتے ہیں۔ ادھر ہمارا ارادہ ہوا اُدھر پورا سلسلہ متحرک ہوگیا۔ جس کو اس عضو کی حرکت میں دخل ہے۔ اگر چیونٹیاں اور وہ چھوٹے چھوٹے حیوان جو پانی کے ایک چھوٹے قطرے میں کل روئے زمین کے آدمیوں کی تعداد میں بستے ہیں۔ ہماری حرکات و سکنات میں فکر کرسکیں تو حیران ہو جائیں گے کہ اتنا بڑا کالبد انسانی جو اُن سے لاکھوں بلکہ کروڑوں

حصے بڑا اور اُس کا طول و عرض اُن کے احاطۂ نظر بلکہ ادراک سے خارج ہے۔ اُس میں نفس ناطقہ کیونکر تصرف کرتا ہوگا۔ پھر تصرف بھی کیسا کہ وقت واحد میں تمام اعضا سے کام لے حالانکہ اُن میں اتنی بعید بعید مسافتیں ہیں کہ خیال بھی ان کو طے نہیں کر سکتا۔ یہ خیال اُن کا بے موقع بھی نہیں۔ اس لئے کہ ان کے نفوس تو اُسی حد اور مسافت میں تصرف کرتے ہیں جس قدر اُنکے کالبد میں انہیں محسوس ہے اُن کو نفس ناطقہ کی حالت کیا معلوم اللہ جل

ہر آں کرمیکہ در سنگ نہانست زمین و آسمانِ او ہمانست

مگر ہم دیکھتے ہیں کو جس کو وہ مسافت بعیدہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے یعنی نفس ناطقہ کے نزدیک وہ مسافت ہی نہیں۔ جس عضو کو ہم حرکت دینا چاہتے ہیں اُس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایک خاص قسم کی توجہ کرکے گویا اُس کو یہ حکم دیتے ہیں کہ فلاں کام کر تو وہ اُس کو فوراً انجام دیتا ہے۔

یہ کلام بھی اُسی قسم کا ہے جو فم معدے سے نکلا تھا جس میں نہ حرف ہے نہ صوت۔ بلکہ ہم میں اور اس عضو میں جو ایک تعلق خاص ہے اُس کے ذریعے سے وہ کلام اُس تک پہنچ جاتا ہے۔ ہر چند ظاہراً اس کو کلام کہنا مجازاً ہوگا مگر غور اور وجدان سے کام لیا جائے تو

اُس کو حقیقۃً کلام کہنا بھی بے موقع نہوگا دیکھئے جب ہم ہاتھ کو
مثلاً حرکت دیتے ہیں تو ہم کو اس وقت میں ایک خاص قسم کا
خیال اور توجہ ہوتی ہے جس کو ارادہ کہتے ہیں اُس سے ہاتھ
ہل جاتا ہے اب غور کیجئے کہ اُس خیال اور توجہ کا محل تو سر ہے
یا دل بظاہر ہاتھ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ جس میں اُس کا اثر
ظاہر ہو رہا ہے۔ اگر اندرونی تعلق خاص نہو تو ممکن نہیں کہ وہ حرکت کرے
باوجود اس تعلق کے اگر کہا جائے کہ ہاتھ کو اندرونی حکم نہیں پہنچا تو ہم
کہیں گے کہ پھر اُس کو حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے
ثابت ہے کہ اندرونی حکم عضو کو ضرور پہنچتا ہے گو اُس کی حقیقت ہمیں
معلوم نہو۔ مگر چونکہ عرف میں حکم اُس کو کہتے ہیں کہ کسی دوسرے کو خاص
قسم کے الفاظ پہنچائے جائیں۔ اس لئے اس کو حکم کہنے میں تامل
ہوتا ہے۔ مگر یہ دیکھنا چاہیے کہ حکم کی حقیقت یہاں صادق آتی ہے
یا نہیں۔ جب یہ ثابت ہے کہ ہمارے اعضا ہمارے تصرف میں
دئے گئے ہیں اور ہم اپنی مرضی کے مطابق اُن سے کام لیتے
ہیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ ہم آمر اور وہ مامور ہیں پھر آمر جب تک
کسی کام کا امر نکرے مامور وہ کام نہیں کر سکتا۔ اس لئے امر کی
ضرورت ہے۔ پھر آمر کا امر مامور تک پہنچنا بھی ضرور ہے تاکہ وہ مطلع ہو کر

اس امر کو بجا لائے اس سے ثابت ہے کہ ہم اندرونی حکم اعضا پر نافذ کرتے ہیں۔ اور اُس کی خبر بھی اُن کو ہو جاتی ہے۔ اسی کو ہم نے کلام اندرونی کہا تھا۔ جو حرف وصوت سے مجرد ہے۔ اب اگر وہ اصطلاحی کلام نہ بھی ہو تو کسی دوسری قسم کا اُس کو کلام کہنا چاہیئے۔ بہر حال حقیقت کلام سے وہ خارج نہیں ہو سکتا۔ غرض کہ جب ہم چاہتے ہیں کہ اپنے اعضا کو حرکت دیں تو ہم اندرونی حکم اُن پر نافذ کرتے ہیں کہ فلاں کام کرو اور چونکہ وہ ہمارے تصرف میں ہیں۔ اس لئے اس سے وہ سرتابی نہیں کر سکتے۔ اسی پر قیاس کیجئے کہ جس طرح ہمارے تصرف میں ہمارا عالم انسانی ہے۔ جس کو چھوٹے چھوٹے حیوانات مذکورہ نہیں معلوم کر سکتے۔ اسی طرح عالم خدائی خدائے تعالے کے تصرف میں ہے۔ جس کو ہم میں سے بعض کوتاہ بین ادراک نہیں کر سکتے۔ پھر جسطرح ہم اپنے اعضا پر تعلق خاص کی وجہ سے حکم نافذ کرتے ہیں کہ فلاں کام کرو۔ اسی طرح حق تعالیٰ تمام عالم کے اشیاء پر جو من جمیع الوجوہ اُس کے تصرف میں ہیں اندرونی حکم نافذ فرماتا ہے کہ فلاں کام کرو جس سے وہ سرتابی نہیں کر سکتیں۔ جیسے ہمارے اعضا ہمارے احکام سے سرتابی نہیں کر سکتے

اسی کا نام وہ وحی ہے جو آیۂ شریفہ واوحی ربک الی النحل

وحی کے اقسام

وغیرہ آیات میں مذکور ہے اور یہی امرالٰہی ہے جو اعضا اور قوتوں اور کیفیتوں پر ہر وقت نافذ ہوتا ہے اور اُس کے امتثال میں وہ سب سرگرم ہیں۔ پھر جب تک چاہتا ہے ان قوتوں وغیرہ سے کام لیتا ہے اور جب چاہتا ہے ان کو معطل الوجود بنا دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے آدمی بیمار رہتا ہے بلکہ مرجاتا ہے۔ اسی طرح تمام عالم کے اسباب کا حال ہے کہ جب تک چاہتا ہے اُس وحی کے ذریعے اُن سے کام لیتا ہے اور جب چاہتا ہے اُن کو معطل الوجود کردیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم میں اقسام کے تغیرات معمولی اور غیر معمولی ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ اُس کو فنا کردیگا یفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید وقولہ تعالیٰ کل یوم هو فی شأن یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ انبیا علیہم السلام پر جو وحی آتی تھی وہ بھی اسی قسم کی تھی۔ ہرگز نہیں۔ اُس وحی کا طریقہ ہی دوسرا تھا۔ اُس میں جبریل علیہ السلام کی وساطت تھی۔ اُس وحی کا وجدان سوائے انبیا علیہم السلام کے دوسروں کو نہیں۔ جس طرح ہمارے بہت سارے وجدانی امور ایسے ہیں جو دوسرے حیوانات کو اُن کا وجدان نصیب نہیں۔ کوئی عاقل یہ نہیں کہہ سکتا کہ سب کے وجدان ایک ہی قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ دیکھ لیجئے مبصرات میں مادرزاد

نابینا کا وجدان بینا شخص کے وجدان سے کے مطابق کبھی نہیں ہو سکتا۔
تقریر سابق سے معدے کی حرارت کا حال معلوم ہوا کہ بعض کے نزدیک
وہ حرارت غریزی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اجزائے ناریہ ہیں۔ بہرحال
حکمائے سابقہ کے نزدیک معدے کے فعل میں حرارت کو بڑا ہی
دخل ہے کیوں نہو معدے میں جو چیز پکتی ہے وہ ایسی گل جاتی ہے
کہ آگ سے پکی ہوئی چیز بھی ویسی نہیں گلتی۔ دیکھئے گوشت جس قدر
گلایا جائیگا اسیقدر اُس کا جوہر الگ ہو جائے گا۔ مگر اُس کی وہ صورت اور
اور ریشے ضرور باقی رہیں گے۔ بخلاف اس کے معدہ اُسکو ایسا گلاتا
ہے کہ اُس کی صورت کا بھی پتا نہیں ملتا جیسا کہ براز سے ظاہر ہے کہ
گوشت وغیرہ اشیا جو کھائے جاتے ہیں یہ نہیں ممتاز ہوتا کہ کس چیز
کا کونسا فضلہ ہے سب کی صورت نوعیہ بدل کر ایک صورت ہو جاتی ہے یہ
کس بلا کی حرارت اُس میں ہوگی کہ گوشت تو کیا ریت کنکر بھی ایسے گل جاتے
ہیں کہ اُن میں سختی باقی نہیں رہتی جیسا کہ پیخال سے اُن پرندوں کے
ظاہر ہے جن کی غذا کنکر وغیرہ ہے۔ اب غور کیجئے کہ باوجودیکہ اتنی
حرارت معدے میں ہے مگر اُس کو ذرا بھی احساس اُس کا نہیں۔
حالانکہ احساس کرنے والے اعصاب اُس میں موجود ہیں۔ اگر کہا جائے
کہ معدے میں اس آگ سے جلنے کی صلاحیت نہیں تو ہم کہیں گے کہ

حرارت معدہ

آگ ایسی بلائے بے درماں ہے کہ معدہ تو کیا آدمی کو جلا کر کباب بلکہ خاک سیاہ بنا دیتی ہے اس موقع میں بھی کہنا پڑے گا کہ خاص اس آگ میں معدے کو جلانے کی صلاحیت نہیں۔ بلکہ صرف غذا کو پکانے اور گلانے کی اُس کو صلاحیت دی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ آگ تو ہے مگر عجیب الخلقت ہے کہ کسی کو جلاتی ہے اور کسی کو نہیں جلاتی اب غور کیجئے کہ جس خالق نے اُس آگ کو معدے کے جلانے سے روک دیا اگر ابراہیم علیہ السلام کے جلانے سے اس آگ کو روک دیا تو کون چیز مانع ہے۔ پھر جب قرائن اور مشاہدہ آثار سے ثابت ہے کہ معدہ نہیں گلتا اور اُس میں جو غذا رہتی ہے اُس پر وہ آگ اپنا پورا اثر کرتی ہے تو اب یہ بات بھی قابل استبعاد نہ رہی کہ گنہگار مردے پر عذاب کی آگ کا اثر نمایاں نہو اور وہ شخص جلے جس کا قالب۔ جسم مردہ ہے۔ اگر کہا جائے کہ عادت کی وجہ سے معدے کو احساس نہیں ہوتا تو ہمیں بھی اُس میں کلام نہیں۔ مگر وہ بھی خدا ہی کا فضل ہے ورنہ عادت ہوتے ہوتے تک آگ جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے پھر اُس آگ سے تحلیل شدہ اجزا کے قائم مقام دوسرے اجزا ابھی تو پیدا ہوتے ہیں جن کو ہنوز عادت نہیں ہوئی چاہیے تھا کہ اُنہیں کو احساس ہو۔ بہر حال خدا کا فضل ہے کہ معدے میں ہضم کے لئے

آگ بھر کے اُس کو جلنے سے محفوظ رکھتا ہے۔

فزیولوجی میں ہضم طعام کا سبب

فن فزیولجی میں ہضم طعام کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ معدے میں ایک نازک بلغمی غشا یعنی جھلی بطور استر چسپاں ہے۔ اور اس کی سطح پر بے انتہا غدود ہوتے ہیں جن میں بعضوں کی ساخت سادی اور بعضوں کی پیچیدہ ہوتی ہے۔ ان پیچیدہ غددوں کا نام پپٹک گلانڈ ہے۔ معدے میں جب غذا داخل ہوتی ہے تو عموماً ان غددوں سے اور خصوصاً دوسری قسم کے غددوں سے ایک رطوبت نکلتی ہے جس کو گسٹرک جوس کہتے ہیں اس میں حل کئے ہوئے نمکین اجزا اور نمک کا ترش تیزاب ہوتا ہے جب غذا معدے میں داخل ہوتی ہے تو اُس کے سکڑنے اور پھیلنے سے وہ غذا معدے میں ادھر اُدھر لڑکتی پڑکتی پھرتی ہے۔ جس سے غذا میں گسٹرک جوس خوب سرایت کرجاتا ہے۔ اور غذا ہضم ہوجاتی ہے۔ دیکھئے کس قدر ہضم کا اہتمام قدرتی طور پر ہے کہ بے انتہا خدام (یعنی غدود) چورن لئے کھڑے ہیں۔ اگر اُس قسم کا تیزاب باہر سے معدے میں پہنچایا جائے تو عجب نہیں کہ زبان حلق اور مری اور تمام معدے کو ضرر پہنچے اسلئے کہ ایسا تیزاب جو گوشت اور پتھر کو گلا کر پاش پاش کردے وہی عضو اُس کا متحمل ہوسکتا ہے جسکو قدرت نے اُس کے تحمل کی

معدے میں تیزاب سے زبان وغیرہ کا نہ جلنا

استعداد اور صلاحیت دیکر اُس کا ظرف بنایا ہے دیکھئے یہی معدہ تھا کہ جب کوئی غذا اُس میں پہنچتی تھی تو مثل اور اشیار کے اُس کو گلا دیتا اور گسٹرک جوس۔ کے اثر سے محفوظ تھا اب وہی معدہ ہے یعنی او جھ کہ مثل اور غذاؤں کے معدے میں گل رہا ہے اس سے ظاہر ہے کہ جب تک خدائے تعالے کو اس سے کام لینا منظور تھا اس تیزاب سے اُس کو محفوظ رکھا اور جب اُس کو غذا بنایا تو اُسی تیزاب سے اُسے گلا دیا۔ جس کو مدتوں اپنی گود میں پرورش کیا تھا۔ اور لکھا ہے کہ گسٹرک جوس کا اثر مشاہدے سے بآسانی دریافت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک ٹکڑا بلغمی غشا کے اُس حصے کا جس میں پیپٹک گلانڈ موجود ہوں لیکر ایک ترش کئے ہوئے پانی میں چھوڑ دیں جس میں گوشت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے یا جوش کئے ہوئے بیضے کی سفیدی یا غلہ وغیرہ ہو اور اس مرکب کو سو درجے کی حرارت میں رکھیں تو چند گھنٹوں کے بعد انڈے کی سفیدی بشرطیکہ بہت زیادہ نہو حل ہو جائے گی اور گوشت مثل حلوے کے بن جائے گا اور تجربے سے ثابت ہے کہ جب کسی زندہ جانور کے معدے میں غذا داخل ہوتی ہے تو بعینہٖ اسی ترکیب سے وہ ہضم ہوتی ہے انتہی مطلب یہ کہ جس طرح زندے کا معدہ گوشت وغیرہ کو گلا دیتا ہے مردے کا

روحانی قوتوں کا اثر بعد موت

معدہ بھی گلا دیتا ہے اگر اُس تیزاب کی تکمیل تھوڑے سے ترش پانی اور حرارت سے کی جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ بعد موت بھی بعض قوتیں باقی رہتی ہیں جن کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ اب کہئے کہ جسم کثیف کا جب یہ حال ہو تو روحانی قوتوں کا اثر محسوس ہونا کونسی بڑی بات ہے۔ اسی وجہ سے اولیاء اللہ جس طرح زندگی کی حالت میں تصرف کرتے ہیں بعد موت بھی اُن کی قوت تصرف باقی رہتی ہے۔ بلکہ روحانیت اُن حضرات کی بہ نسبت زندگی کے اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسلئے کہ جو تجرد اُن کو اُس وقت حاصل ہوتا ہے تعلق جسمانی کے وقت نہیں ہوتا۔

الحاصل خواہ حرارت کی وجہ سے ہو یا تیزاب سے غذا معدے میں ہضم ہوتی ہے۔ یہ غذا کا پہلا ہضم ہے اس ہضم میں غلہ وغیرہ اپنی صورت نوعیہ پر باقی نہیں رہتا بلکہ جس طرح زمین کا جوہر پانی کے ساتھ شریک ہوکر نبات اور غلّے کی شکل میں آیا تھا۔ یہاں غلہ وغیرہ کا جوہر دوسری شکل قبول کرتا ہے۔ جس کو غذا کا سلالہ کہنا چاہئے اور جس طرح مٹی کا سلالہ نباتات کے باریک باریک ریشوں کے ذریعے سے اُن میں چڑ گیا تھا یہ سلالہ بھی باریک باریک ماساریقا کے ریشوں کے ذریعے سے جگر میں ترقی کرتا ہے۔

قدرت بالغہ سے کہتے ہیں کہ کثیف مٹی کو لطیف بنا کر ایسی ترقی دی کہ روح نباتی کو قبول کرنے کے لائق ہی جس سے ایک خاص قسم کی زندگی اُسے عطا ہوئی۔ پھر جب اس درجے سے بھی اُسکو ترقی دے کر حدود حیوانی میں پہنچانا منظور ہوا تو سیر نباتی میں جو کثافتیں اُس میں آگئی تھیں ان کو دور کر کے گویا ان کی روح کھینچ لی اور اس قابل بنایا کہ ان حیوانات میں جگہ ملے جو اشرف المخلوقات کے قوام بدن ہیں۔

ہر چند اس سیر نباتی اور کیلوسی میں اقسام کے صدمے اُسے سہنے پڑے اور وقتاً فوقتاً پامال حوادث ہوتی رہی۔ کیونکہ صورت خاص چھوڑنی کوئی آسان بات نہیں۔ مگر آخر کار مٹی ٹھکانے لگی۔

اہل بصیرت کو اس سے سبق حاصل کرنا چاہئیے کہ جب تک جسم مصائب کے شکنجے میں نہ کھینچا جائے جسمانی کثافتیں دور نہیں ہو سکتیں اور جب تک جسمانی کثافتیں دور نہوں روحانی ترقی ممکن نہیں۔ پھر قابل تحسین وہی ہے جو نہایت سرعت سے تعلقات جسمانی کو ترک کر دے۔ دیکھئے کیلوس میں جو لطیف اجزا کثافت جسمانی کے پابند رہکر ترک تعلق نہیں کرتے وہ اُس بدررو کی راہ سے جس کا نام لینا اور سننا بھی لطیف اور پاکیزہ طبیعتوں کو ناگوار ہے نکال کر کسی مذبلے میں ڈالدئے جاتے ہیں۔ اور جو ترک تعلق میں دیر کرتے

ہیں۔ وہ اس حالت تک پہنچ جاتے ہیں کہ عفونت اور نجاست کی سرایت کرنے سے اُن میں حالت اصلی باقی نہیں رہتی۔ مگر اس حالت میں بھی اگر بمقتضائے لطافت ذاتی رجوع کرکے ترک تعلق کر دیں تو جب بھی کسی قدر توقع ہے۔ چنانچہ ابھی معلوم ہوا کہ ماساریقا وہاں سے بھی بعضوں کو ترقی دینے کے لئے لے جاتے ہیں اور جو اس مقام میں بھی ترک تعلق نہ کیا اور اُنہی جسمانی کثافتوں میں پڑا رہا تو ایسوں کو سوائے سنڈاس اور بدر رو کے کوئی جگہ نہیں۔ اب اسی پر قیاس کیجئے کہ جس طرح کیلوس میں کثیف کے ساتھ تعلق خاص رکھنے کی وجہ سے لطیف کا یہ حشر ہوا کہ اُسکو بدر رو اور سنڈاس میں جگہ ملی۔ اسی طرح روح انسانی ہر چند لطیف ہے مگر اس دار فانی سے نکلنے تک تعلق جسمانی ہی میں پھنسی رہے تو اُس کی بھی لطافت اور روحانیت کسی کام پر نہ آئے گی۔ اور اُس کا مقام اسفل السافلین ہی میں ہوگا۔

وہ جسمانی تعلقات کیا ہیں یہی جسمانی لذتیں جن کو آدمی ہمیشہ جائز ناجائز طور پر حاصل کرتا رہتا ہے اور خدائے تعالیٰ نے جن امور سے منع فرمایا ہے اُس کی کچھ پروا نہیں کرتا۔ غرضکہ عقلمند وہی ہے جو زندگی میں کچھ کرے۔ اور جہاں تک ممکن ہو خدائے تعالیٰ کی طرف جلد رجوع کرے۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے السابقون السابقون

اولئك هم المقربون۔

وقوله تعالیٰ وسارعوا الی مغفرة من ربكم وجنة

عرضها السموات والارض اعدت للمتقين۔ یعنی جلدی کرو خدا تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کی طرف یعنی جلدی سے توبہ کرکے مستحق مغفرت اور جنت ہوجاؤ جو نہایت کشادہ اور متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اور ارشاد ہے ففروا الی اللہ یعنی دوڑو خدا کی طرف۔

شاید یہاں بعض طبائع پر یہ تقریر ناگوار ہوگی اور کہا جائے گا کہ کجا کیلوس اور کجا روحانی ترقی۔ اس مقام میں یہ تقریر سراسر فضول ہے۔ ہم بھی اسکو قبول کرتے ہیں۔ لیکن یہ معذرت پیش کرتے ہیں کہ طبیعتوں کے مذاق مختلف ہوتے ہیں۔ بعض مذاق ایسے بھی ہیں کہ ہر چیز سے عبرت حاصل کیا کرتے ہیں۔ ہم نے اس تقریر میں انہیں لوگوں کی ضیافت طبع کو ملحوظ رکھا ہرچند اس مذاق والے بہت کم ہوتے ہیں مگر ہمارے دین میں یہی حضرات اعلیٰ درجے کے لوگ سمجھے جاتے ہیں جن کا لحاظ ہم پر ضروری تھا۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے جہاں عبرت حاصل کرنے کا حکم فرمایا ہے اُن لوگوں کو مخاطب فرمایا جو اہل بصیرت ہیں کما قال تعالیٰ فاعتبروا یا اولی الابصار اس سے ظاہر ہے کہ عبرت حاصل کرنے والے اہل بصیرت ہوا کرتے ہیں۔ ہر کس و ناکس میں اس کی صلاحیت نہیں۔ **شعر**

نگویند از سر بازیچہ حرفی کزاں پندے نگیرد صاحب ہوش

کسی بزرگ کا حال لکھا ہے کہ وہ بازار میں جا رہے تھے۔ خیار فروش نے حسب عادت پکار کر کہا الخیار بعشرۃ یعنی ایک کھیرا ایک پیسے کو یہ سنتے ہی وہ بیہوش ہو گئے۔ کسی نے اس کا سبب اُن سے دریافت کیا کہا مجھپر صدمہ اس بات کا ہوا کہ جب خیار یعنی اچھوں کی یہ بے قدری ہو کہ ایک ایک پیسے کو ہو جائیں تو شرار یعنی بروں کو کون پوچھے۔ ان حضرات کو ہمیشہ خدا ہی کا خیال لگا رہتا ہے جس سے اُن کی طمانیت ہوتی رہتی ہے جیسا کہ حق تعالے فرماتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یعنی خدا کی یاد سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے۔ بخلاف اُن کے ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جن کی خبر خدائے تعالے نے دی ہے قولہ تعالے واذا ذکر اللہ وحدہ اشمأزت قلوب الذین لا یومنون بالآخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون یعنی جب خدا کا ذکر ہوتا ہے تو بے ایمانوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور جب اوروں کا ذکر ہوتا ہے تو خوش ہوتے ہیں۔

شیخ نے جب سلامان و آبسال کا قصہ سنا تو اسکو قلمبند کر کے ایسے نتائج نکالے جو خاصہ سلوک اور تقرب الی اللہ کا طریقہ ہے۔ چنانچہ اشارات میں اُسکی طرف یہ اشارہ کیا ہے واذا قرع سمعك

فیما یقرعہ ویسرد علیک فیما تسمعہ قصۃ سلامان وآبسال فاعلم ان سلامان مثل ضرب لک وان ابسالا مثل ضرب لدرجتک فی العرفان ان کنت من اھلہ ثم حل الرمز ان اطقت یعنی ان قصوں میں جو تم سنا کرتے ہو اگر سلامان اور آبسال کا قصہ سنو تو یہ سمجھو کہ تم سلامان ہو اور آبسال تمہارے عرفان کا درجہ ہے اگر تم اُس کے اہل ہو اگر ہوسکے تو اُس کے دوسرے رموز کو بھی حل کرلو۔

محقق طوسی نے قصۂ سلامان و آبسال مؤلفۂ شیخ کو مختصر طور پر شرح اشارات میں ذکر کیا ہے۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ زمانۂ سابق میں دو حقیقی بھائی تھے بڑے کا نام سلامان جو بادشاہ تھا۔ اور چھوٹے کا نام آبسال جس کو بڑے بھائی نے پرورش کیا تھا یہ بہت خوبصورت عاقل متادب عالم پارسا اور شجاع تھا۔ سلامان کی عورت اس پر عاشق ہوئی اور اپنے شوہر سے درخواست کی کہ اسکو اپنے گھر میں رکھو تاکہ اُس کی صحبت سے تمہاری اولاد ادب سیکھے۔ اُس نے آبسال سے اپنے گھر میں رہنے کو کہا۔ اس نے جواب دیا کہ عورتوں کے ساتھ میں مخالطت نہیں کرسکتا۔ کہا میری عورت تمہارے حق میں ماں کی جگہ ہے۔ غرض مجبور ہو کر مان لیا۔ چند روز اُس کی بھاوج نہایت اخلاق و مدارات سے

قصہ سلامان و آبسال

پیش آئی آخر ایک روز اُس کو تنہا پاکر اپنے عشق کا اظہار کیا اور حرکت ناشائستہ کی خواستگار ہوئی مگر وہ بالکل ملتفت نہوا آخر مایوس ہو کر اپنے شوہر سے کہا کہ میری بہن کا نکاح اپنے بھائی سے کرا دو اور بہن سے معاہدہ کر لیا کہ اس شرط پر نکاح کراتی ہوں کہ وہ ہم دونوں میں مشترک رہے۔ چنانچہ نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد آبسال سے کہا کہ میری بہن باکرہ اور نہایت شرمگین ہے دن میں اُس کے پاس نجانا اور جب تک اُس سے اُنست نہو بات نکرنا پھر شب زفاف دلہن کی جگہ آپ جا کر سو رہی۔ جب آبسال بچھونے پر گیا تو وہ نہ رہ سکی اور فوراً سینہ سے سینہ ملا ہی دیا۔ آبسال نے سوچا کہ باکرہ اس قسم کی پیشقدمی نہیں کر سکتی اس میں راز کیا ہے یہ خیال کر ہی رہا تھا کہ بجلی چمکی جس کی روشنی سے اپنی بھاوج کو پہچان لیا اور فوراً باہر نکل آکر یہ عزم کر لیا کہ اب یہاں رہنا مناسب نہیں اور اپنے بھائی سے کہا کہ کچھ فوج میرے ہمراہ کر دیجیے تو میں ایک ملک فتح کرتا ہوں۔ چنانچہ فوج لیکر تمام روئے زمین کے شہروں کو فتح کر ڈالا۔ اور کل ممالک مفتوحہ کو اپنے بھائی کے قبضۂ تصرف میں دیدیا جب گھر آیا تو پھر بھی اُس بھاوج نے وہی درخواست کی اور وہ انکار ہی کرتا رہا۔ اس وقت بھاوج اُس کی دشمن ہو گئی۔ اتفاقاً اُنہی دنوں غنیم نے چڑھائی کی اور سلامان نے مقابلے میں اُسے بھیجا

بھاورج نے سرداران لشکر کو بہت سا روپیہ دیکر اس بات پر آمادہ کیا کہ عین معرکے میں اس سے علیحدہ ہوجائیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جس سے دشمن کو فتح ہوئی اور آبسال سخت زخمی ہوکر بے ہوش گر پڑا۔ لوگ اُس کو مردہ سمجھکر وہیں چھوڑ گئے۔ خدا کی قدرت اُس کے دودھ پلانے کے لئے ایک جانور مقرر ہوا جو ہر روز اُس کو دودھ پلا جاتا تھا۔ چند روز کے بعد جب صحت پاکر اپنے بھائی کے پاس آیا تو اس وقت دشمنوں کا محاصرہ تھا اور وہ نہایت ذلت کی حالت میں اپنے بھائی کو یاد کر رہا تھا۔ آبسال لشکر اپنی ماتحتی میں لیکر غنیم سے ایسا مقابلہ کیا کہ اُس کا لشکر پریشان ہوگیا اور بادشاہ کو قید کرلیا۔ بھاورج نے دیکھا کہ یہ وار بھی خالی گیا تو باورچی اور خانساماں کو بہت سا روپیہ دیکر اس بات پر آمادہ کیا کہ اُس کو زہر پلادیں۔ چنانچہ اُنہوں نے زہر دیکر اُس کا کام تمام کر ڈالا سلامان کو چونکہ اپنے بھائی کے ساتھ نہایت محبت تھی اُس کے غم میں سلطنت ترک کر کے عزلت اختیار کی اور عبادت الٰہی میں مشغول ہوا خداتعالے نے اُس پر وحی کی کہ اُس عورت اور باورچی اور خانساماں کو بھی زہر پلادیا جائے چنانچہ وہ تینوں ہلاک کردئے گئے۔ محقق طوسی نے اس قصّے کو نفس ناطقہ اور عقل نظری اور عقل مستفاد اور قوت بدنیہ اور عملیہ اور غضبیہ اور شہویہ وغیرہ پر منطبق کیا ہے جس کا بیان موجب تطویل ہے

ہمارا مقصود یہاں اسیقدر ہے کہ عقلا ایسے فرضی قصوں سے بھی نتائج حاصل کرتے ہیں چہ جائیکہ خدائے تعالے کی حکمتوں سے جن میں بے انتہا منافع بھرے ہوئے ہیں۔ دیکھئے یہی ہوا، پانی، بجلی وغیرہ چیزیں ہیں کہ ہزارہا سال سے لوگ اُن سے فوائد حاصل کرتے رہے باوجود ان فوائد و منافع کے اُن کے فوائد کی ترقی روزافزوں ہو رہی ہے کیا اُن سے صرف دنیاوی منافع ہی مقصود ہونگے؟ اور خالق کی طرف توجہ دلانا اُن سے مقصود نہوگا؟ قرآن پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ زمین اور آسمان وغیرہ مخلوقات کو ذکر کرکے جابجا یہی ارشاد فرماتا ہے۔ ان فی ذلک لآیات لاولی الالباب وقولہ تعالے ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون وغیرہ۔

چونکہ یہاں ترقی روحانی کا ذکر آگیا ہے اسلئے تھوڑا سا حال اُس کا بھی سُن لیا جاے تو بے موقع نہوگا اگرچہ ہمارے زمانے کے لحاظ سے اس کا ذکر فضول ہے۔ مگر چونکہ عقلا کا مقولہ ہے علم شئی بہ از جہل شئی۔ اس لحاظ سے اس کے مطالعہ میں تھوڑی سی تضیع اوقات بھی ہوجاے تو مضائقہ نہ سمجھیں۔ اس سے کم سے کم اتنا تو ہوگا کہ جو حکماء اعلیٰ درجے کے عقلا تسلیم کئے گئے ہیں اُن کا حال معلوم ہوجائے گا کہ اس باب میں اُن کا کیا خیال تھا۔ یوں تو شیخ بوعلی سینا رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب

ترقی روحانی

شفا اور کتاب النجاۃ میں بھی اس باب میں تفصیلی بحث کی ہے مگر ہم صرف اشارات کے نمط ثامن[8] اور تاسع[9] اور عاشر[10] کا ترجمہ مختصر طور پر لکھتے ہیں۔

لکھا ہے کہ عوام الناس کا خیال ہے کہ جو لذتیں حسی ہیں وہی قوی ہیں اور اُن کے سوا کل لذتیں ضعیف ہیں۔ اُن سے کہا جائے کہ تم جن لذتوں کو اعلیٰ درجے کی سمجھتے ہو وہ یہی ہے عمدہ غذائیں جماع اور اسی قسم کی اور جسمانی لذتیں جو جسم سے متعلق ہیں۔ ان کے ساتھ دوسری لذتوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ تم جانتے ہو کہ جس کو کسی کام میں غلبہ ہوا کرتا ہے گو وہ کام خسیس ہی کیوں نہ ہو جیسے شطرنج بازی وغیرہ۔ اُس کو ان کاموں میں ایسی لذت ہوتی ہے کہ اگر اسکے روبرو کھانا وغیرہ پیش کیا جائے تو وہ اس طرف توجہ نہیں کرتا۔ حالانکہ ان کاموں میں کوئی جسمانی لذت نہیں بلکہ صرف ایک احتمالی غلبے کے خیال کی وہ لذت اسکو حاصل ہے کہ کل لذتیں اُس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ اسی طرح جن کو جاہ و ریاست مطلوب ہوتی ہے وہ عورتوں کو اور تمام لذتوں کو ترک کر کے اُس کے حاصل کرنے میں اقسام کی مصیبتیں اُٹھاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ باطنی لذت جو ریاست میں ان کو حاصل ہونے والی ہے وہ غذاؤں اور جماع وغیرہ کی لذتوں سے بڑھی ہوئی ہے۔ اسی طرح جوانمرد

[8–10] [illegible]

خطرناک معرکوں میں اپنی جان کو معرض ہلاکت میں ڈالتے ہیں صرف اس خیال سے کہ نیکنامی حاصل ہو۔ پھر یہ بھی خیال نہیں کہ وہ زندگی میں حاصل ہو بلکہ بعد موت بھی ہو تو کافی سمجھتے ہیں۔ اب کہیئے کہ ان لوگوں نے عیش و عشرت و راحت عمدہ لباس عمدہ غذائیں اور مہ جبینوں کو چھوڑ کر بھوک پیاس اور اقسام کی مصیبتوں کو جو گوارا کیا اور وہ بھی ایسی حالت میں کہ ہر وقت موت کا سامنا ہے کیا ان کو اس کام میں لذت نہیں۔ آدمی جو کام کرتا ہے اسکو کچھ نہ کچھ لذت اس میں ضرور ہوتی ہے گو وہ خیالی کیوں نہو۔ چنانچہ ان لوگوں کو فقط ایک خیالی لذت کا احساس ان تمام مصیبتوں کے اٹھانے پر مجبور کر رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ باطنی لذتوں کے مقابلے میں حسّی لذتیں کوئی چیز نہیں۔ پھر اس قسم کی لذتیں فقط آدمیوں ہی کو نہیں بلکہ جانوروں کو بھی ہوتی ہیں۔ دیکھئے شکاری کتا باوجود بھوک کے شکار کا گوشت کھا نہیں لیتا۔ بلکہ اپنے آقا کا انتظار کرتا ہے۔ حالانکہ بھوک کی حالت میں اس تازے گوشت کی لذت سے زیادہ اس کے حق میں کوئی چیز لذیذ نہیں ہو سکتی۔ مگر اس لذت کو صرف اس خیال سے وہ ترک کر دیتا ہے کہ اپنے مالک کے اکرام کا مستحق ہو جائے اسی طرح دودھ پلانے والے جانور اپنی جان سے زیادہ اپنے بچوں کو دوست رکھتے ہیں۔ اور ان کی حفاظت میں ایسی کوشش

کرتے ہیں کہ اپنی ہلاکت کا بھی خوف نہیں۔ یہ سب مشقتیں صرف اس باطنی خیالی لذت سے گوارا کرتے ہیں۔ کہ بچہ سلامت رہے۔ جب جانوروں کا یہ حال ہو کہ باوجود عقل نہ ہونے کے باطنی لذتوں کو حسی لذتوں پر فوقیت دیتے ہیں تو عقلی لذتوں کا کیا حال ہونا چاہیئے۔

باطنی لذتیں حسی لذتوں سے بڑھی ہوئی ہیں

عقلی لذتیں حسی لذتوں سے اس وجہ سے بڑھی ہوئی ہیں کہ لذت ادراک سے متعلق ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عقلی ادراک حیوانی ادراک سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔ اب اگر کوئی کہے کہ ہماری حالت ایسی ہو جائے کہ نہ ہم کھائیں نہ پئیں اور نہ نکاح کریں تو وہ سعادت ہی کیا ہوئی تو عقل اسکے جواب میں یہ واجب کرتی ہے کہ ایسے خیال والے آدمی کو تھوڑی دیر حیرت کی نظر سے دیکھا کریں۔ اور بہت ہو تو اس سے یہ کہا جائے کہ اے مسکین شاید ملائکہ اور اُن کے مافوق عالم والوں کو جانوروں سے زیادہ لذت اور بہجت نہ ہوگی۔ بلکہ انصاف سے دیکھا جائے تو فی اُن کی لذتوں جانوروں کی لذتوں کو مناسبت ہی کیا۔ غرض کہ کوئی عاقل اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ باطنی لذتیں حسی لذتوں سے بڑھی ہوئی ہیں۔

لذت و الم کا بیان

اصل یہ ہے کہ مدرک کے نزدیک جو خیر و کمال ہو اس کے ادراک اور حصول کا نام لذت ہے۔ اور جو چیز اُس کے نزدیک آفت و شر ہے اُس کے ادراک اور حصول کا نام الم ہے۔ مگر خیر اور شر ایک طور پر

نہیں کسی کے نزدیک ایک چیز خیر ہے - اور دوسرے کے نزدیک دوسری چیز۔ مثلاً شہوت کے نزدیک عمدہ عمدہ غذائیں۔ ملائم لباس وغیرہ خیر ہے۔ اور غضب کے نزدیک غلبہ خیر ہے۔ اور عقل کے مختلف حالات ہیں کبھی حق خیر ہے اور کبھی جمیل۔ اور کبھی یہ کہ لوگ اپنی مدح اور شکرگذاری اور بزرگی کریں۔ غرض کہ ذوی العقول کی ہمتیں اس باب میں مختلف ہوتی ہیں۔

آدمی کی فطرت میں یہ استعداد اور صلاحیت رکھی گئی ہے کہ فضائل حاصل کرے۔ جو اسکے حق میں خیر ہیں۔ اور اسکو عارضی طور پر یہ استعداد بھی دی گئی ہے کہ رذائل حاصل کرے گو اُن کو بھی وہ خیر ہی سمجھتا ہے مگر کمال اُس کا یہی ہے کہ ذاتی اور فطری استعداد کے موافق اُس کا قصد ہو اور لذت اُسی کام میں ہو کہ وہ کمال خیری ہو - اور اُس کا ادراک بھی اُس کو ہو مقابل یہ کہ جسکو یہ خبر ہی نہو کہ ذاتی استعداد ہماری تحصیل فضائل ہے اُسکو تحصیل فضائل میں لذت بھی نہوگی۔ دیکھئے حلوا وغیرہ لذیذ چیزیں کبھی پیش ہوتی ہیں۔ مگر آدمی اُس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ خواہ اس وجہ سے کہ اُس کے معدے میں کوئی علت پیدا ہوگئی ہو یا پیٹ بھرا ہوا ہو ایسے موقع میں اس کی بے التفاتی اور بے قدری سے یہ ثابت نہوگا کہ وہ لذیذ چیزیں بے قدری کے قابل

فضائل لذیذ چیزیں ہیں رذائل سے لذت کبھی نہیں ہوتا

ہیں بلکہ یہ موانع رفع ہوجائیں تو خود وہ شخص اُن چیزوں کی طرف رغبت کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص فضائل کی بے قدری کرے اور اسکو اُنکی تحصیل میں لذت نہو تو اُس سے وہ بے قدری کے قابل نہیں ہوسکتے بلکہ یہ سمجھا جائیگا کہ اُسکی طبیعت میں فساد واقع ہوگیا ہے جو محتاج اصلاح ہے۔ یہی حال اَلَم کا ہے کہ بسا اوقات الم دینے والے اسباب موجود ہوتے ہیں۔ اور آدمی کو اُن کا احساس نہیں ہوتا۔ موت کے قریب بعض بیماروں کا حال دیکھا جاتا ہے کہ اُن کی قوت مدرکہ باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح بیہوشی کی حالت میں۔ پھر جب قوت مدرکہ اصلی حالت پر آجاتی ہے یا بیہوشی زائل ہوجاتی ہے تو برابر درد والم ہونے لگتا ہے۔ مطلب یہ کہ لذت ہی کی خصوصیت نہیں کہ قابل التذاذ سے حاصل نہو بلکہ الم میں بھی یہی بات ہوتی ہے۔ الحاصل فضائل میں لذت کسی کو حاصل نہو تو اُس کی حالت اُن لوگوں کی سی سمجھی جائے گی جن کی قوت مدرکہ زائل ہوگئی ہو۔

شوق کسی چیز کا بغیر ذوق کے نہیں ہوتا

کوئی چیز کیسی ہی لذیذ ہو جب تک اُس کا ذوق حاصل نہو اسکے حاصل کرنے کا شوق نہیں ہوتا دیکھ لیجئے مادر زاد عنین گو جماع کی لذت کا حال سنا ہو۔ مگر چونکہ اُسکو ذوق نہیں۔ اسلئے اُس کا شوق بھی اسے نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح بدپرہیزی کے بُرے نتائج جب تک کوئی نہ چکھے پرہیز کرنا اُس پر نہایت شاق ہوتا ہے۔ غرض کہ نہ بغیر ذوق کے

تحصیل فضائل کا شوق ہوتا ہے نہ بغیر مصیبتیں بھگتنے کے رذائل سے آدمی احتراز کرتا ہے۔ حاصل یہ کہ جنکو تحصیل فضائل کا شوق نہو وہ معذور ہیں۔

لذت ہے کمال کا ادراک

جس چیز سے کوئی لذت حاصل ہوتی ہے اُس کا مدرک اُس کو اپنے حق میں بہتر اور سبب کمال سمجھتا ہے۔ مثلاً عمدہ غذا ذائقے کے حق میں خیر اور سبب کمال ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کمالات اور اُن کے ادراک متفاوت ہیں شہوت کا کمال یہ ہے کہ جس عضو میں وہ ہو اُس میں ایک قسم کی حلاوت حاصل ہو۔ مثلاً زبان کو شیرینی سے حلاوت اور شامہ کو خوشبو سے ایک قسم کا لطف اور جسم کو نرم لباس سے راحت حاصل ہوتی ہے۔ اسی پر تمام جسمانی لذتوں کو قیاس کر لیجئے کہ اُن کا کمال اُن کی مناسب چیزوں سے انہیں حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح عقل کا بھی ایک کمال ہے جو ان تمام ان کمالات حسیہ سے جدا ہے کیونکہ وہ سب حواس سے متعلق ہیں جو جانوروں میں بھی پائے جاتے ہیں عقل کا ذاتی کمال یہ ہے کہ خدائتعالے کی تجلیات جو اُس کے مناسب حال ہوں اُس میں جلوہ گر ہوں۔

عقلی اور حسی لذتوں میں فرق

اسکے بعد مجردات اور روحانیات اور اجرام سماویہ متمثل ہوں یہ عقلی کمال ہے۔ اب دونوں کمالوں میں فرق بھی دیکھ لیجئے کہ کمالات حسیہ میں کسی چیز کی کُنہ نہیں معلوم ہو سکتی۔ مثلاً کسی چیز کو دیکھیں تو

صرف اُسکی سطح کا ادراک ہوگا حقیقت اُسکی بصارت سے کبھی معلوم نہو گی عمدہ غذا کھائیں تو
صرف وہی کیفیت معلوم ہوگی جو ذائقے سے متعلق ہے۔ باقی کیفیات اور اجزا اور حقیقت سے
کوئی تعلق نہیں۔ بخلاف عقل کے کہ ہر چیز کے تمام اجزا اور اُن کی ماہیت
کا پورا پورا ادراک کرتی ہے۔ اب اگر محسوسات اور معقولات کا خیال کیا جائے
تو دونوں میں کوئی نسبت نہیں۔ اسلئے کہ محسوسات چند اجناس میں محصور
اور محدود ہیں۔ بخلاف معقولات کے کہ ان کا شمار ہی نہیں ہو سکتا۔

غرض نہ کیفیت کے اعتبار سے دونوں برابر ہو سکتے ہیں نہ کمیت کے اعتبار
سے۔ اب کہیئے کہ حسّی لذتوں کو عقلی لذتوں کے ساتھ کچھ بھی مناسبت ہے؟
یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ہر لذت کی نسبت دوسری لذت کی طرف ایسی ہوگی
جو اُن چیزوں میں ہے جن سے لذت حاصل کیجاتی ہے۔ مثلاً
عقل کو تجلیات آلہیہ سے لذت ہوتی ہے۔ اور حس کو غذا وغیرہ سے تو جو
نسبت تجلیات آلہیہ کو غذا وغیرہ سے ہے وہی نسبت لذت تجلیات اور
لذت غذا میں ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے
تو دونوں لذتوں میں بھی وہی فرق ہوگا اور یہی فرق دونوں لذتوں کے
ادراک میں ہوگا۔ یعنی تجلیات آلہیہ کا ادراک کچھ ایسا دلربا ہوگا کہ کیفیت
غذا کے ادراک کو اُس سے کچھ نسبت نہو گی۔ اگر کوئی کہے کہ جتنی لذتیں
ہیں اپنے کمالات کی مشتاق ہیں۔ اور اُن کے اضداد سے اُن کو ایذا

ہوتی ہے مثلاً بصارت نور کی مشتاق ہوتی ہے اور ظلمت سے اُس کو ایذا پہنچتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ادراکات عقلیہ نفس کے کمالات نہیں ورنہ وہ اُن کی طرف مشتاق ہوتا اور جہل سے اُسکو اذیت ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صحت باوجودیکہ اعلیٰ درجے کی نعمت ہے مگر جس قدر حلوہ لذیذ معلوم ہوتا ہے صحت نہیں معلوم ہوتی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ صحت فی نفسہ کمال اور لذیذ نہیں۔ بات یہ ہے کہ استمرار کی وجہ سے اُس طرف توجہ نہیں ہوتی پھر تم نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ بعض بیمار حلوے کو بجائے اسکے کہ خواہش کریں مکروہ سمجھتے ہیں۔ کیا اُن کے مکروہ سمجھنے سے وہ فی نفسہ قابل کراہت ہوسکتا ہے ہرگز نہیں ہ بلکہ یہ سمجھا جائے گا کہ اُس کی طبیعت میں کچھ علت اور فساد آگیا ہے اور یہ بھی ابھی معلوم ہوا کہ کسی چیز کا ذوق نہ ہونے کی وجہ سے شوق نہیں ہوتا۔ بہرحال جب نفس ناطقہ ہمیشہ مشاغل بدنیہ میں مشغول ہے تو اپنے ذاتی کمالات کی بھی اُسکو خبر نہیں۔ اور نہ ان کا کبھی اُسے ذوق حاصل ہوا۔ اسلئے نہ اُن کمالات کا وہ مشتاق ہوتا ہے نہ جہل سے اُس کو ایذا ہوتی ہے ایسا اپنا ہی قصور ہے۔ اُسکو ان جسمیں لذتوں سے جدا کرکے علمی لذتوں کی طرف متوجہ کرائے تو معلوم ہوگا کہ کس طرح اُس کو تحصیل کمالات کا شوق ہوتا ہے۔

تحصیل لذائذ جسمانی باعث الم اخروی ہے

یہ بات یاد رہے کہ جس قدر نفس کو اس عالم کے تلذذات جسمانیہ حاصل کرنے میں لذت حاصل ہوتی ہے۔ اُس سے زیادہ بعد موت اُسکو الم حاصل ہوتا رہے گا۔ اسلئے کہ جس قدر اُس کا وقت ایک ایک لذت جسمانی حاصل کرنے میں صرف ہوتا گیا اُس میں اپنے ذاتی کمالات حاصل نہ کرسکا۔ اور جب کل اوقات اُس کے انہیں لذائذ خسیسہ میں تلف ہوگئے اور تکمیل کا زمانہ جاتا رہا۔ اس وجہ سے کہ اعضا وجوارح جو اُسکو دئے گئے تھے اُس سے مقصود یہی تھا کہ اُن سے کام لیکر اپنی تکمیل کرے اور نکرسکا۔ پھر جس قدر جسمانی خسیس تلذذات زندگی میں اُس نے حاصل کئے تھے اُن کا اثر اُن میں ضرور رہے گا۔ کیونکہ جو ہئیت نفس کو ان حاصل شدہ امور کے تاثیرات سے حاصل ہوئی تھی وہ زائل نہوگی دنیا میں تو مشاغل جسمانی کی وجہ سے اپنے کمالات اور رذائل کے دیکھنے کی اُسے نوبت نہیں آئی تھی۔ مگر مفارقت بدن کے بعد جب سب مشاغل سے فراغت ہوجائے گی اور اپنی ردی ہیئتوں پر اُس کی نظر پڑیگی اور ذاتی کمالات سے اپنے آپ کو عاری پائے گا تو اُس وقت سخت الم ہوگا۔ کیونکہ فوت کمال پر الم کا ہونا لازم ہے۔ تاریکی میں بیٹھکر دیکھ لیجئے کہ کس قدر بیقراری اور الم ہوتا ہے۔ اُس کی وجہ یہی ہے کہ بصارت کا کمال جو محسوسات کو دیکھنا تھا فوت ہوگیا۔ اب غور کیجئے کہ فوت کمال پر نفس کو

جو الم ہوگا وہ حسّی نہیں بلکہ عقلی اور روحانی ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح عقلی لذت حسّی لذت سے بدرجہا بڑھی ہوئی ہے۔ جس کا حال ابھی معلوم ہوا عقلی الم بھی حسّی الم سے بدرجہا زیادہ ہوگا۔ اس سے ثابت ہے کہ اُس الم کی اذیت آگ میں جلنے سے بھی زیادہ ہوگی۔ حاصل یہ کہ لذائذ جسمانیہ میں مستغرق رہنا ابدالآباد کے آلام میں مبتلا ہونے کا باعث ہے۔

کیا چیز سے عذاب دائمی کا استحقاق ہوتا ہے

پھر یہ بات بھی معلوم کرنا چاہیئے کہ نفس کو جو کمال بعد مفارقت بدن حاصل ہونے والا ہے اُس کی استعداد میں نقصان ڈالنے والی جو صفت رذیلہ ہو وہ باعث عذاب دائمی ہے۔ اور اُس سے نفس کا جو نقصان ہوا اُس کا تدارک اور جبر نقصان کرنے والی کوئی چیز نہیں وہ نفس کی قوت نظری ہے جس سے عقائد باطلہ راسخ ہوگئے ہوں۔ اسکے سوا جو عارضی نقصان نفس کے ہوں۔ خواہ بُرے اعتقادات کی وجہ سے جو راسخ نہ ہوئے ہوں۔ مثلاً عوام اور مقلدین کے اعتقادیا عملی نقصان ہوں یا اخلاق رذیلہ سے اُس میں نقصان آگیا ہو۔ غرض کہ ان صفات رذیلہ کا جبر نقصان ہوسکتا ہے۔ یعنی اُن سے عذاب دائمی کا استحقاق نہ ہوگا۔

نفس زیرک کو رذائل سے اذیت ابلہ کو نہیں

یہ بات بھی معلوم کرنا چاہیئے کہ رذائل سے اُسی نفس زیرک کو اذیت پہنچیگی جسکو کمال نفسانی پر اطلاع ہو جو باعث اشتیاق وتحصیل ہے۔ بخلاف نفس ابلہ کے کہ اُس کو نہ اُس کمال کی خبر ہے نہ اُس کی طرف شوق۔

زیرک نفسوں کے مدارج مختلف ہیں۔ ایک وہ کہ جنہوں نے کمالات نفسانیہ کو جان بوجھ کر ان کے اضداد کو حاصل کرنے کی کوشش کی ہو یہ لوگ جاحدین اور سب سے بدتر ہیں۔ دوسرے وہ کہ ایسے کاموں میں لگ گئے کہ جن کی وجہ سے وہ کمالات حاصل نکرسکے یہ معرضین ہیں۔ تیسرے وہ کہ جنہوں نے کمالات اور علوم کے حاصل کرنے میں سستی کی ہو یہ مہمل ہیں۔ غرض کہ ان تمام زیرکوں سے حمقا اچھے رہیں گے۔

عارفین جن میں قوت نظری اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے جب جسمانی مشغلوں سے بے تعلق ہوتے ہیں تو اُن کو عالم قدس کے ساتھ خصوصیت پیدا ہوتی ہے۔ اور کمال اعلیٰ کا ان میں نقش ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اعلیٰ درجے کی لذت انہیں حاصل ہوتی ہے جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ یہ التذاذ مفارقت بدن پر منحصر نہیں۔ بلکہ جو لوگ زندگی میں شواغل جسمانیہ سے مُنہ پھیر کر تامل جبروت میں مستغرق ہوتے ہیں اُن کو بھی اس لذت سے بہرۂ کافی حاصل ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ لوگ ہر چیز سے بے پروا ہوتے ہیں۔

نفوس سلیمہ جو اپنی فطرت پر ہوتے ہیں اور زمینی امور باوجود مباشرت کے اُن کو اپنی طرف نہیں کھینچتے۔ جب روحانی ذکر اور مفارقت کے حالات سنتے ہیں تو ایک حالت شوقیہ اُن میں پیدا ہوتی ہے۔ جس کا

سبب وہ خود نہیں جانتے اور ایک ایسا وجدِ قوی لذت اور فرحت کے ساتھ اُن پر طاری ہوتا ہے کہ اس سے وہ متحیر اور بے ہوش ہو جاتے ہیں۔ اصل منشا اُس کا روحانی مناسبت ہے۔ جس کا تجربہ بخوبی ہو گیا ہے۔ اُس عالم کی طرف متوجہ کرنے والے جو اسباب ہیں اُن میں یہی ایک باعث سب سے عمدہ اور افضل ہے۔ اس حالت والے شخص کی تسکین بغیر وصال کے نہیں ہوسکتی۔ بعضوں کو اُس عالم کی طرف توجہ کرنے کا باعث یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ اپنی تعریف و توصیف کریں۔ اور بعضوں کو کسی مرتبہ اور درجے کی رغبت ہوتی ہے۔ مگر ان لوگوں کا شوق اُسی وقت تک رہے گا کہ وہ مقصود حاصل ہو جائے۔ اُس کے بعد شوق زائل ہو جائے گا۔

نفوس ابلہ کو اس عالم میں تجرد حاصل ہو تو بعد موت اُن کو ایک خاص قسم کی سعادت تو حاصل ہوگی۔ مگر چونکہ اُن کو کمال کا شوق ہی نہیں۔ اسلئے وہ غالباً جسم سے مستغنی نہونگے خواہ وہ جسم سماوی ہو یا اُس کے مشابہ اُسی کی مدد سے اُن کو وہ تخیلات حاصل ہونگے جن کے لئے وہ موضوع ہوگا اور شاید کہ انجام کار اُن کو نفوس عارفین کی سی استعداد بھی حاصل ہو جائے۔

یہ بات جاننا چاہیئے کہ ہر خیر موثر ہے اور وقتاً فوقتاً جو اُس کی تاثیر دل میں ہوتی رہتی ہے۔ اُس کے ادراک کو محبت کہتے ہیں۔ محبت کے ساتھ شوق بھی پایا جائے گا۔ یعنی نفس کی حرکت اُس چیز کی طرف جو خیال میں

متمثل نہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مشتاق کو ایک چیز حاصل ہے اور ایک چیز فائت اور مفقود۔ پھر محبت حد سے زیادہ ہو جائے تو اُسی کا نام عشق ہے مگر دراصل عشق حقیقی ایک چیز ہی دوسری ہے۔ وہ اُس ابتہاج کا نام ہے جو کسی ذات کے تصور سے ہوتا ہے اور شوق اُس حرکت کا نام ہے جو اُس ابتہاج کے پورا کرنے کے لئے ہو۔ چونکہ اول بذاتہ یعنی باری تعالیٰ کو ادراک اپنے ذاتی کمالات کا جو طبیعت امکان اور عدم سے بری ہیں سب سے زیادہ ہے۔ اس لئے اُس کو سب سے زیادہ اُن کمالات سے ابتہاج ہے۔ چونکہ وہ اپنے آپ سے غائب نہیں اور نہ اُسکو کوئی چیز مشغول کر سکتی ہے۔ اس لئے وہ خود عاشق لذاتہ اور اور دوسروں کا بھی وہ معشوق ہے۔

پھر ابتہاج کا دوسرا درجہ جواہر عقلیہ قدسیہ یعنی عقول کو حاصل ہے کیونکہ اُن کو معرفت الٰہی میں کمال ہے۔ اس وجہ سے اُن کو کامل ابتہاج ان کمالات سے اور اپنے ذاتی کمالات سے حاصل ہے۔ ابتہاج کے ان دونوں درجوں میں عشق کا اطلاق ہوتا ہے اور شوق صادق نہیں آتا اس وجہ سے کہ موجود کامل کے تصور سے جو ابتہاج ہوتا ہے وہ عشق ہے جو وہاں موجود ہے۔ اور شوق میں خیالی لذت کے ساتھ معشوق کے غائب عن الحس ہونے کا اَلم بھی لگا ہوا ہے۔ اور وہاں چونکہ کوئی

حالت منتظرہ نہیں ہے۔ اسلئے شوق نہیں پایا جاتا۔

عشاق مشتاق کا درجہ

ان دونوں مرتبوں کے بعد اُن عشاق کا مرتبہ ہے جو مشتاق ہیں عشاق ہونے کی وجہ سے وہ من وجہٍ فائز المرام اور لذتوں میں ہیں اور مشتاق ہونے کی وجہ سے اُن کو اذیت بھی ہے۔ لیکن چونکہ اذیت معشوق کی جہت سے ہے۔ اسلئے اس ایذا میں بھی اُن کو ایک قسم کا لطف اور لذت حاصل ہوتی ہے۔ اگرچہ اجتماع ان متضادہ صفتونکا ظاہراً قرین قیاس نہیں مگر امور محسوسہ میں بھی اسکی مثالیں مل سکتی ہیں۔ دیکھئے کھجلانے میں خارش والے کو ایذا تو ہوتی ہے مگر ایک قسم کی لذت بھی ہے۔ اور گُدگُدیوں کی اذیت میں بھی لذت ہے جس کی وجہ سے آدمی ہنستا ہے۔ پھر اس شوق میں جو حرکت ہوتی ہے اگر وہ ٹھکانے لگ جائے تو طلب باقی نہ رہے گی اور لذت ہی لذت رہجائیگی مگر نفوس بشریہ جو دنیا میں اعلیٰ درجے کی حالت کو پہنچتے ہیں۔ اُن کی عمدہ یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ عاشق و مشتاق ہوتے ہیں یعنی شوق کا تعلق اُن سے علٰحدہ نہیں ہوتا۔ البتہ آخرت میں وہ علاقہ منقطع ہوسکتا ہے

نفوس متردّدہ کا درجہ

اُن کے بعد ان نفوس بشریہ کا درجہ ہے جو جہت ربوبیت اور سفالت میں متردد ہیں۔ یعنی کبھی خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں اور کبھی جسمانی لذتوں کی طرف ان میں بحسب غلبۂ حالات مدارج بکثرت پائے جائینگے

ان کے بعد اُن نفوس کا درجہ ہے جو عالم طبیعت منحوسہ میں مستغرق ہیں اور سر اُٹھا کر ربوبیت کی طرف نظر بھی نہیں کرتے۔ یہ اسفل درجے کے نفوس ہیں۔ اگر تم تمام امور میں غور کروگے تو معلوم ہوگا کہ تمامی نفوس اور قوائے جسمانیہ کے لئے خاص خاص قسم کے کمالات ہیں۔ جن کا اُنہیں عشق ارادی[۱] یا طبعی ہے۔ اور جب اُن کمالات سے وہ جدا ہوتے ہیں تو اُن کا شوق طبعی یا ارادی انہیں ہوتا ہے۔ جس کا منشا عنایت آلٰہی ہے" انتہیٰ۔

عارفوں کی اجمالی حالت

یہ اشارات کے نمط ثامن کا ماحصل تھا۔ اسکے بعد نمط تاسع ہے۔ امام فخرالدین رازی رح نے شرح اشارات کے اس مقام میں لکھا ہے کہ اس باب میں وہ مضامین عالیہ ہیں کہ تمام کتاب یعنی اشارات میں اُن سے بہتر نہیں۔ علوم صوفیہ کو اس میں اس عمدگی سے مرتب کیا ہے کہ نہ پیشتر کسی نے کیا نہ بعد۔ یہ شیخ ہی کا حصہ تھا۔

عارفوں کے وہ مقامات اور مدارج ہیں جن میں اوروں کو دخل نہیں۔ اُن کی زندگی اوروں کی سی نہیں وہ ابدان کی چادروں میں تو ہیں مگر عالم قدس کی جانب اُنہوں نے اُن چادروں کو اُتار کر تجرد اختیار کر لیا ہے۔ اُن کے مخفی راز جو مشاہدات عالم روحانی سے متعلق ہیں جس سے اُنکو

[۱] محقق طوسی نے لکھا ہے کہ شیخ کا ایک لطیف رسالہ ہے جس میں اس نے بیان کیا ہے کہ عشق جمیع کائنات میں سرایت کئے ہوئے ہے ۱۲۔ محمد وزیر مصحح اول۔

ابتہاج حاصل ہے اُنکی کسی کو خبر نہیں ہو سکتی۔ جو آثار و کمال اُن سے ظاہر ہوتے ہیں خواہ از قسم ارشادات ہوں یا خوارق عادات نادان لوگ بے سمجھی سے انکا انکار کر جاتے ہیں اور جو واقف ہیں وہ انکو وقعت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

زاہد۔ عابد۔ عارف

زاہد اُسے کہتے ہیں جو متاع دنیا اور اُس کی لذتوں سے مُنہ پھیرتا ہے اور عابد اُسے کہتے ہیں جو نماز روزہ وغیرہ عبادات پر مواظبت کرتا ہے اور عارف وہ ہے جو اپنی فکر سے عالم قدس جبروت کی طرف مُنہ کرے اور ہمیشہ اپنے سر اور باطن میں نور حق سے روشنی لیتا رہے۔ یہ تینوں امور ایک دوسرے کے ساتھ مرکب بھی ہوتے ہیں۔

زہد عارف و غیر عارف

زہد غیر عارف کے نزدیک ایک قسم کا معاملہ ہے گویا وہ متاع دنیا کو دیکر متاع آخرت خرید کرتا ہے۔ اور عارف کا مقصود اُس سے یہ ہوتا ہے کہ کوئی چیز اُس کے سر کو حق کی جانب سے اپنی طرف متوجہ نکرے۔

عبادت عارف و غیر عارف

اور عبادت غیر عارف کے نزدیک ایک قسم کا معاملہ ہے گویا وہ دنیا میں اُجرت پر کوئی کام کرتا ہے جس کی اُجرت آخرت میں لیگا۔ یعنی اجر و ثواب۔ اور عارف کے نزدیک یہ ہے کہ اپنی ہمتوں کو جو ارادہ اور شہوانی اور غضبانی وغیرہ عزمات کے مبادی ہیں۔ اور اپنے قوائے وہمیہ و خیالیہ کو اس بات کے عادی بنائے کہ عالم جسمانی جو دار غرور اور دھوکے کا مقام ہے اُس کی طرف توجہ نکر کے حق کی جانب متوجہ رہیں۔ یہ عادت اس

ہمت اور قوی کو دو دنیا سے ہٹا کر عالم قدس کی طرف متوجہ رکھنے کا عادی بنانا عارف کا کام ہے اور اسکی وجہ

غرض سے کرائی جاتی ہے کہ جب تجلیات حق ہونے لگیں اور سترِ لطیف متوجہ ہو تو قوائے شہوانی وغیرہ منازعت کرکے اس عالم کی طرف اُس کو نہ پھیریں بلکہ اُن کو ملکہ ہو جائے کہ جب ذات حق کی طرف توجہ ہو تو ستر کی مشایعت کریں۔ جس سے مشاہدۂ نورِ حق میں کسی قسم کی مزاحمت کسی قوت و ارادے وغیرہ سے نہو۔ بلکہ ہمہ تن سب سلک قدس میں منسلک ہو جائیں۔

بیان ضرورت تمدن

آدمی اپنی ذات سے اپنے سب کام نہیں کرسکتا۔ جب تک دوسرے اُس کے ہمجنس اُسکو مدد دیں۔ اسلئے تمدن[۱] یعنی اجتماع کی ضرورت ہوئی۔ پھر اس اجتماع میں ہر شخص کی خواہشیں تفرقہ انداز ہیں۔ اسلئے کہ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ جسطرح ہوسکے اپنی بھلائی ہو۔ پھر ایک چیز سے کئی شخصوں کی غرضیں متعلق ہوں تو ضرور جھگڑا ہوگا۔ اور اگر ایک ہی شخص اُس سے منفعت حاصل کرلے تو دوسرے محروم رہجائیں گے جس سے اُن کی قوت غضبیہ مشتعل ہوگی اور فساد کی نوبت آئے گی۔ بہرحال اجتماع ضرور باعث خصومت و فساد ہوگا۔ اس وجہ سے شریعت کی ضرورت ہوئی جس میں قوانین عدل و انصاف ہوں۔

بیان ضرورت شریعت و ضرورت انبیا

پھر ضرور ہے کہ شارع یعنی واضع قوانین سب میں ممتاز شخص ہو جسکو لوگ مستحق اطاعت سمجھیں۔ کیونکہ ان قوانین پر عمل کرنے والے مختلف

[۱] یہ بحث تمدن کے حال میں ہم بتفصیل لکھ چکے ہیں ۱۲ منہ

طبیعتوں کے لوگ ہوتے ہیں۔ اُن قواعد کی پابندی کو وہ ہرگز ضروری نہ سمجھینگے۔ خصوصاً اُس حالت میں کہ اُن کے خلاف مرضی ہو۔ غرض کہ اُن قوانین کا اثر اُن پر اُس وقت تک نہیں ہوسکتا کہ شارع یعنی نبیؐ کو مستحق اطاعت نہ سمجھیں۔ اور نیز یہ ثابت ہوجائے کہ اُن کی اطاعت ہم پر ضروری ہے۔ اسی لئے اُن کو معجزات دیئے گئے۔ جن سے لوگوں پر یہ بات ثابت ہوگئی کہ بیشک خدائے تعالےٰ کی طرف سے وہ مامور ہیں ورنہ ممکن نہیں کہ اس قسم کے خوارق عادات بغیر حکم خالق کے کوئی ظاہر کرسکے اس سے علاوہ اثبات نبوت کے خالق کے وجود اور قدرت کا بھی یقین ہوگیا۔ غرض کہ معجزات سے بہت سے امور طے ہوجاتے ہیں اور قوانین شریعت کی پابندی ہر نفس قبول کرلیتا ہے۔ کیونکہ جب اُن خوارق عادات سے اُس کو یقین ہوگیا کہ یہ اُس خالق عز اسمہ کے مقرر کئے ہوئے قواعد ہیں جو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو یہ سمجھ جائے گا کہ اُن کے خلاف عمل کرنا خالق کے غضب کا باعث ہوگا۔

ضرورت الٰہی و جزا و سزا

پھر عوام الناس اور ضعیف العقل لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو مخالفت شریعت کی اُنہیں کچھ پروا نہیں ہوتی۔ اور ایسے کام کرجاتے ہیں کہ جن سے عدل میں خلل واقع ہو اور تمدن میں رخنہ اندازی اسلئے یہ ضرور ہوا کہ شریعت کے موافق عمل کرنے والوں کو عمدہ جزا ملے

اور مخالفت کرنے والوں کو سزا جس سے معلوم ہو جائے کہ جس نے شریعت کو مقرر کیا ہے وہی جزا دینے والا ہے۔ اسی وجہ سے شریعت میں معرفت الٰہی واجب ہے۔

پھر چونکہ آدمی اپنے جسمانی مشاغل میں اکثر لگا رہتا ہے اور وہی خیالات ترقی پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اس لئے حکمت تھا کہ معرفت الٰہی جس قدر حاصل ہوئی ہو زائل اور نسیاً منسیاً ہو جائے۔ اسی وجہ سے ہر روز پانچ وقت عبادت مقرر کی گئی تاکہ اُس وقت یہ سب یاد آ جائے کہ ہمارا ایک خالق ہے۔ جس نے ہم پر عبادت مقرر کی۔ اور اس کے سوا بہت سے

جنت و دوزخ

چیزوں کا حکم فرمایا اور بہت سی چیزوں سے منع کیا۔ اگر ہم اس کا حکم نہ مانیں تو مرنے کے بعد سزا دی جائے گی اور دوزخ میں ڈالے جائینگے اور اگر فرمانبردار رہیں تو جنت کے مستحق ہونگے۔

ضرورت ایمان

اس سے ثابت ہے کہ نبیؐ کی دعوت پہلے یہ ہوتی ہے کہ لوگ ایک قدرت والے خبیر خالق کے وجود کی تصدیق کریں۔ اُس کے بعد ایمان لائیں کہ خدائے تعالےٰ نے ان کو اپنی طرف سے بھیجا ہے جو کچھ انہوں نے خدا کی طرف سے پہنچایا سب سچ ہے۔ اور یقین کریں کہ شریعت پر عمل کرنے سے جنت کے اور مخالفت کرنے سے دوزخ کے مستحق ہونگے۔ اُس کے بعد جو عبادتیں مقرر کی گئیں ہیں وہ بجا لائیں تاکہ

ہر وقت خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات پیش نظر ہوجائے جس سے عدل قائم ہوگا اور دنیا میں بیشمار منافع حاصل ہوں گے اور آخرت میں اجر جزیل حاصل ہوگا۔

عارف کی خصوصیت اور ابتہاج دائمی اور عجائب کا انکشاف اور ان کی اصلاح میں کوشش

پھر عارفین کو علاوہ ان منافع دنیوی و اُخروی کے کمال حقیقی اور ابتہاج دائمی کی خصوصیت حاصل ہوتی ہے جسکی طرف اُن کی توجہ لگی ہوئی ہے اور وہ عجائب اُن پر منکشف ہوتے ہیں جن سے عقل حیران ہو۔ اب دیکھئے کہ یہ کیسی حکمت اور کیسی رحمت اور نعمت ہے۔ مقتضائے عقل یہ ہے کہ لوگوں کو اس طرف بلائیں۔ اور خود بھی ان امور پر استقامت رکھیں۔

عارف کی معرفت اور عبادت محض لوجہ اللہ ہوتی ہے

عارف کا ارادہ ہمیشہ حق تعالےٰ کی ذات سے متعلق ہوتا ہے۔ کسی بات کا لگاؤ اُس میں نہیں ہوتا نہ اسکے عرفان پر کسی چیز کو اختیار کرتا ہے نہ اُس کی عبادت پر یعنی اگر دنیا ومافیہا پیش کر کے اُس سے کہا جائے کہ عرفان اور عبادت کو چھوڑکر ان چیزوں کو اختیار کرے تو ہرگز قبول نہ کرے گا۔ پھر اس عرفان وعبادت سے بھی سوائے ذات حق کے کوئی چیز اُسکو مطلوب نہیں۔ وہ حق تعالےٰ کو مستحق عبادت سمجھکر عبادت کرتا ہے۔ اپنی لذت اور نجات وغیرہ کو اُس میں دخل نہیں دیتا۔ وہ جانتا ہے کہ عبادت ایک شریف نسبت ہے جو بندے کو خالق کے ساتھ متعلق اور مربوط کردیتی ہے وہ جنت کی رغبت یا دوزخ کے خوف سے

عبادت نہیں کرتا کیونکہ اُس کے خیال میں یہ بات متمکن ہوتی ہے کہ جو چیز داعی عبادت ہوگی خواہ اسمیں اپنی آسائش ہو یا اور کچھ وہی غایت اور مطلوب ہو گی۔ اور خدائے تعالےٰ واسطہ اُس مطلوب کا ٹھیرے گا جس سے لازم آتا ہے کہ معاذ اللہ وہی مطلوب معبود ہو جائے۔ غرضکہ عارف کو معرفت اور عبادت میں اسدرجے کا خلوص ہوتا ہے کہ ہر کس و ناکس کا وجدان اُس کی تصدیق نہیں کرسکتا۔

جو لوگ معرفت اور عبادت میں حق تعالےٰ کو اپنی راحت اور نجات کا واسطہ بناتے ہیں۔ یعنی عبادت سے اُن کا صرف وہی مقصود ہوتا ہے وہ بیچارے ایک طرح سے قابل رحم ہیں۔ اسلئے کہ انہوں نے اُس ابتہاج کو جو ذات الٰہی سے متعلق ہے چکّھا ہی نہیں وہ اس عالم سے جب جاتے ہیں تو انہیں ناقص لذتوں کو ساتھ لیجاتے ہیں اور نہیں کے شیدائی بنے رہتے ہیں۔ اُن کو خبر ہی نہیں کہ ان لذتوں کے سوا اور بھی لذتیں ہیں اُن کی نسبت عارفوں کے ساتھ ایسی ہے جیسے لڑکوں کی نسبت تجربہ کار عقلا کے ساتھ ہوتی ہے۔ لڑکے جب عقلا کو دیکھتے ہیں کہ ایسے کاموں میں مشغول ہیں جن سے ان کو کچھ تعلق اور آگاہی نہیں اور عقلا اُن کے کھیلوں کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ تو اُن لڑکوں کو تعجب ہوتا ہے۔ اسی طرح نقص نے جن لوگوں کی نگاہوں کو مطالعہ بہجت

حق سے پست کر دیا اور ان جھوٹی لذتوں پر اُن کا ہاتھ گرتا ہے۔ اور اپنی طبیعتوں پر جبر کر کے دنیا میں اُن لذتوں کو ترک کرتے ہیں۔ اس غرض سے کہ اُس عالم میں اُن سے زیادہ وہ لذتیں حاصل کریں اور خدا تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت سے بھی اُن کی یہی غرض ہوتی ہے کہ آخرت میں نہایت عمدہ کھانے اور خوشگوار مشروبات اور خوبصورت عورتوں میں عیش و عشرت کریں۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو دنیا اور آخرت میں اُن کے پیش نظر یہی شکم اور فرج کی لذتیں ہیں۔ بخلاف اُن کے جو لوگ ہدایت قدس سے منور ہوتے ہیں۔ ان کو حق تعالیٰ کی ذات سے بہجت اور اعلیٰ درجے کی لذت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہر وقت اُسی کی طرف اُن کی توجہ لگی رہتی ہے۔ وہ ان بیچاروں پر رحم کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ حسب وعدۂ آلٰہی سب اُن کو ملیگا۔ مگر یہ خصوصیت اور لطف و ابتہاج کہاں۔

عارف کی حرکت جو عالم قدس کی طرف ہوتی ہے اسکا سبب　　ارادت و مرید

عارف کی پہلی حرکت جو عالم قدس کی طرف ہوتی ہے اُسکو ارادہ کہتے ہیں۔ اسکا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب اُسکے نزدیک خواہ دلیل سے یا تقلیدی ایمان سے ثابت ہو جاتا ہے کہ اصل سعادت یہ ہے کہ آدمی ماسوی اللہ سے اعراض کر کے خدا کی طرف توجہ کرے تو اُسکے دل میں رغبت پیدا ہوتی ہے کہ خدا و رسول کے کلام سے جو ترقی مدارج کے لئے عُروۃ الوُثقٰے ہے مدد لیکر اُس طرف کا قصد کرے یہی رغبت اور شوق اُسکی حرکت کا

تینوں اغراض

باعث ہوتا ہے۔ چنانچہ سر اُس کا عالم قدس کی طرف متحرک ہوتا ہے۔
اس غرض سے کہ روح اتصال حاصل کرے۔ جب تک وہ اس درجے
میں ہے اُسکو مرید کہتے ہیں۔

اُس کے بعد اُس کو ریاضت کی طرف احتیاج ہوتی ہے۔ جس سے
تین غرضیں متعلق ہیں۔ پہلی[۱] غرض یہ ہے کہ ماسوی اللہ کو اپنے مقصود کے
رستے سے ہٹا دے۔ دوسری[۲] نفس امارہ کو نفس مطمئنہ کا فرمانبردار کرے
تاکہ قوائے تخیل و وہم کو مناسبات سفلیہ سے پھیر کر امر قدسی کے مناسب
توہمات کی طرف اُن کو کھینچے۔ تیسری[۳] یہ کہ سر لطیف ہو جائے۔ تاکہ ہر
وقت تنبہ اور آگہی ہوا کرے۔

پہلی غرض کو زہد حقیقی سے مدد ملتی ہے۔ کیونکہ جب کوئی چیز ہی نہ رہے
تو رستہ صاف[ف۱] ہے۔

دوسری[۲] غرض کو ان امور سے تائید ملتی ہے۔ عبادت[۱] جو فکر کے ہمراہ ہو۔
سماع[۲] خوش الحان جو نفس کی قوتوں سے کام لیکر عمدہ کلام کو قبولیت تک
پہنچا[ف۲] دے۔

ف۱ تعجب نہیں کہ حدیث شریف اماطۃ الاذی عن الطریق
مین اسی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم ۱۲ محمد وزیر مصحح اول۔

ف۲ جسطرح لذیذ بدرقہ خلاف طبع دوا کو قابل قبولیت بناتا ہے ۱۲ وزیر عفی عنہ۔

نمبر۲ نفس کلام وعظ کسی ذکی شخص کا جس کی عبارت بلیغ ہو اور اُسکے ساتھ نغمہ لطیف ہو۔ اور کلام بھی پُر اثر ہو۔

نمبر۳ تیسری غرض پر تائید دینے والی فکر لطیف اور عشق عفیف ہے کیونکہ شمائل معشوق مجازی معشوق حقیقی کی طرف رہبری کرتے ہیں۔ بشرطیکہ اُس میں شہوت کا غلبہ نہو۔

غیر مرتاض آدمی جانوروں سے بھی بدتر ہے

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ آدمی جانوروں کو ایسے مرتاض بناتا ہے کہ وہ اپنی خواہشوں کو ترک کرکے اپنے فرائض اور آقا کی خواہشوں کے تابع ہو جاتے ہیں۔ چیتے۔ باز۔ بہری۔ شکاری کُتّے وغیرہ جانوروں کو سب جانتے ہیں کہ کس قدر مہذب اور عاقلانہ حرکات کرتے ہیں۔ جو اُن کی شان درندگی سے کچھ مناسبت نہیں۔ پھر جو قوتیں اُن حیوانوں میں ہیں۔ آدمی میں بھی وہی قوتیں ہیں۔ مگر اُن کے ساتھ عقل بھی اُسکو دی گئی ہے۔ جس سے جانوروں میں ممتاز اور سب کا فرمانروا ٹھیرا۔ پھر جو قوت حیوانیہ انسان میں مبدا ر تمام ادراکات اور افعال حیوانیہ کا ہے۔ اگر عقل کے تابع نہو اور حیوانی قوتیں مثلاً غضب، شہوت وغیرہ اُس کو جس طرح نچائیں وہ اُنہیں کے اشاروں پر عقل کو بالائے طاق رکھکر ناچا کرے تو ایسے آدمی کو وہ جانور کہنا چاہئیے جو غیر مرتاض اور خودسر ہے۔ اب غور کرنا چاہئیے کہ اگر آدمی ریاضت کرکے حیوانی قوتوں کو عقل کے تابع نہ بنائے۔ اور انہیں کا مسخر بنا رہے تو

اُسکو آدمی سمجھنے کی ضرورت ہی کیا۔ ہم نے مانا کہ عقل کی وجہ سے وہ بڑا ہی فیلسوف زمان ہے۔ مگر جب حرکات اُس کی ان جانوروں کی سی ہوں جو غیر مہذب اور وحشی منش ہیں تو کم سے کم یہ ضرور سمجھا جائے گا کہ اُس نے اپنی آدمیت کو حیوانیت کے حوالے کر دیا۔ اگر بجائے اسکے کہ وہ اپنی حیوانیت کو مسخر بناتا جس طرح آدمی حیوانوں کو مسخر کرتے ہیں خود حیوانیت کا مسخر بنگیا اور مسخر بھی کیسا کہ حیوانی صفات اُس کی قوت عاقلہ سے ایسے رذیل رذیل کام لیتے ہیں کہ جن کا دیکھنا اور سننا بھی عقلاء پر شاق گذرتا ہے۔ جو لوگ اپنے قوائے حیوانیہ کو مرتاض کر کے اپنی قوت عاقلہ کے تابع نہیں بناتے۔ عقلاً اُن سے وہ جانور بہتر سمجھے جاتے ہیں جو دوسرے کی قوت عاقلہ کے تابع ہو کر مہذب ہو جاتے ہیں۔

عارف کو عشق مجازی سے کچھ نقصان نہیں

غرض کہ عارف جب اپنے قوائے حیوانیہ کو مرتاض کرتا ہے۔ اور زہد حقیقی کی وجہ سے قوائے شہوانیہ میں وہ غلبہ ہی نہیں رہتا جو عقل کو مجبور کر سکے۔ اس لئے ممکن نہیں کہ عشق مجازی یا سماع خوش الحان اُسکو ناجائز حرکات پر مجبور کرے۔

تجلیات

پھر جب ارادت اور ریاضت کسی حد تک پہنچتی ہے تو عالم قدس سے نورانی تجلیات شروع ہوتی ہیں۔ اس طور پر کہ جیسے بجلی چمک گئی اور اُس سے اس قدر لطف آتا ہے کہ ربودگی ہو جاتی ہے۔ اُسکو وہ حضرات وقت کہتے ہیں

اُس وقت ایک وجد کی حالت پیدا ہوتی ہے پھر اُس حالت کے زائل ہونے پر غم طاری ہوتا ہے۔ اس کے بعد جس قدر ریاضت زیادہ ہوتی ہے یہ حالتیں پے در پے اُس پر طاری ہوتی رہتی ہیں۔ پھر اُس حالت میں ترقی ہوتی ہے۔ اور جلد جلد تجلیات بغیر ریاضت کے بھی ہونے لگتی ہیں۔ یہاں تک کہ جس چیز کو وہ دیکھتے ہیں۔ جناب قدس کی طرف توجہ ہو جاتی ہے۔ اور کوئی بات وہاں کی یاد آنے پر بیہوش ہو جاتے ہیں۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ ہر چیز میں حق کو دیکھتے ہیں۔

گویا وہ ہر چیز میں حق کو دیکھتے ہیں

اس حد تک اُس پر واردات اور تجلیات کا غلبہ رہتا ہے اور سکون اور قرار اُسکو نہیں رہتا جس سے دیکھنے والوں کو بھی اُس کی حالت کی کچھ خبر ہو جاتی ہے۔ اُس کے بعد جب ریاضت کا غلبہ ہوتا ہے اور اسیقدر عادت ہو جاتی ہے تو وہ خود داری کر کے اُس حالت کو چھپا سکتا ہے۔ جسکی خبر دیکھنے والوں کو نہیں ہوتی۔

وہ اپنی حالت کو چھپاتے ہیں

پھر ریاضت اُسکو اس درجے تک پہنچا دیتی ہے کہ اُس کا وقت ہمہ تن تسکین ہو جاتا ہے۔ اور ربودگیوں سے اُسے الفت ہوتی ہے۔ اور وہ تجلیاں بمنزلۂ شہاب روشن کے ہو جاتی ہیں۔ اور مقامی معرفتیں پیدا ہوتی ہیں جو ثابت رہتی ہیں۔ اور یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ وہ ایک استمراری صحبت ہے جس میں اُسکو بہجت حاصل ہوتی ہے۔ پھر جب اُس حالت

ربودگی

سے پھرتا ہے تو نہایت حسرت اور افسوس کرتا ہوا پھرتا ہے۔

شاید کہ اس حد تک اُس پر اندرونی حالتوں کا اثر ظاہر ہوتا ہو۔ مگر جب ان معارفوں میں اُسکو بخوبی دستگاہ ہوجاتی ہے تو اُس کی اندرونی حالت بہت کم ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ دیکھنے والے اُسکو حاضر سمجھتے ہیں اور وہ غائب ہوتا ہے۔ اُسکو مقیم سمجھتے ہیں اور وہ سفر میں ہوتا ہے۔

شاید اس حد تک اُسکو وہ معارف کبھی کبھی حاصل ہوتے ہوں۔ مگر بتدریج یہ حالت بھی ہوجاتی ہے کہ جب چاہتا ہے وہ بات اُسے حاصل ہونے لگتی ہے۔

پھر اس رتبے سے وہ آگے بڑھتا ہے وہاں اُسکو مشیت اور خواہش کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو گو اس کا خیال اعتبار کی طرف نہو۔ مگر ایک دوسری چیز اُس کے پیش نظر ہوجاتی ہے اور ہر چیز میں اُسکو اس عالم زور و باطل سے عالم حق کی طرف ترقی ہونے لگتی ہے۔ اس کا قرار اُس عالم میں ہوتا ہے۔ اور یہاں اُسکو غافل لوگ گھیرے رہتے ہیں۔ اور اُن کو خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی شرح میں لکھا ہے کہ محققین اصحاب طریقت کا قول ہے ما رأیت شیئا الا و رأیت اللہ بعدہ۔

پھر جب ترقی ہوئی تو کہا ما رأینا شیئا الا و رأینا اللہ معہ

وہ غائب ہوتے ہیں اور لوگ اُنکو حاضر سمجھتے ہیں

جو حالت چاہتے ہیں اُنکو حاصل ہوجاتی ہے

اُنکو خبر نہیں کہ کہاں ہیں

ما رأیت شیئا الا رأیت اللہ بعدہ و معہ و قبلہ

پھر جب اُس سے بھی ترقی ہوئی تو کہا ما رأینا شیئاً الا و رأینا اللّٰہ

قولہ پھر جب اس درجے سے بھی ترقی ہوتی ہے تو سوائے اللہ کے کچھ دیکھتا ہی نہیں۔ انتہی۔

پھر جب ریاضت ختم ہوجاتی ہے اور عارف اپنی مقصود کو پہنچ جاتا ہے تو اُسکا سِرّ گویا ایک جِلا دار آئینہ ہوتا ہے جس پر اُدھر کی لذتوں کا فیضان اور بارش ہوتی رہتی ہے تو اُس وقت اپنے نفس سے وہ نہایت خوش ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اثر حق اُس میں نمایاں ہے کبھی وہ اپنے نفس کیطرف دیکھتا ہے اور کبھی حق کی طرف۔

اُس کے بعد وہ اپنے نفس سے بھی غائب ہوجاتا ہے اور صرف جناب قدس ہی کا اُسکو مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور اگر نفس پر نگاہ پڑ بھی گئی اور اُسکا خیال آ بھی گیا تو اس لحاظ سے کہ وہ حق تعالےٰ کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ نفس کی زینت پر اُسکی نظر ہو جیسے اس سے سابق کے درجے میں اُسکو ایک تردّدی حالت تھی کہ کبھی نفس کی زینت پر نظر پڑتی تھی اور کبھی حق پر۔ غرض کہ اس مقام میں وصول تام ہوجاتا ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ وصول کے سابق کے مدارج گو اپنے اپنے موقع میں اعلیٰ درجے کے ہوں مگر بہ نسبت وصول کے ناقص ہی ہوں گے۔ دیکھئے زہد میں جو ہر چیز سے علٰحدگی حاصل کی جاتی ہے وہ خود ایک قسم کی مشغولی اُن

عارف جو اپنے نفس اور حق کو دیکھتا ہے

مشاہدہ جناب قدس

وصول تام

مراتب سابق کا بہ نسبت وصول ناقص

اشیا کے ساتھ ہے۔ اور نفس کو مرتاض بنانا ایک قسم کی عاجزی ہے کہ وہ بھی اس قابل سمجھا جارہا ہے کہ اطاعت نکریگا۔ جس سے ہم عاجز ہو جائینگے اور اپنی ذات کی زینت اگرچہ کہ حق تعالےٰ ہی کی وجہ سے حاصل ہوئی ہو اُس سے خوش ہونا گمراہی ہے۔ ان تمام خرابیوں سے رہائی اسی میں ہے کہ ہمہ تن حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

عرفان کی ابتدا از تفرق

عرفان کی ابتدا تفرق سے ہے یعنی جو چیز عارف کو حق کی طرف سے پھیرے اُس سے علٰحدگی۔ پھر نفض یعنی دامن جھٹک دینا اُس غبار سے جو خاطر کو مکدر کر دے اور حق تعالےٰ کے ساتھ جو صفائی حاصل ہے اُس میں تفرقہ انداز ہو۔

پھر ترک یعنی ہر قسم کی لذتوں کو چھوڑ دینا۔ پھر رفض یعنی اپنے نفس کی طرف بھی التفات نکرنا۔

تشریح

پھر جب عرفان اس سے بھی دور بڑھجاتا ہے تو وہ جمع کا مقام ہے۔ یعنی تمام صفات حق مرید صادق کی ذات میں جمع[۱] ہو جاتے ہیں۔

پھر انتہا عرفان کی واحد کی طرف ہوتی ہے۔ اُسکے بعد وقوف ہے۔

عرفان برائے عرفان

جو شخص عرفان کو عرفان ہی کے لئے اختیار کیا ہو تاکہ معلوم کرے کہ عرفان کیا چیز ہے تو وہ دو کا قائل ہو گیا۔ اور جس نے عرفان کو اس درجے میں

---

۱ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کنت سمعہ وبصرہ الخ۔

رکھا کہ گویا اسکو پایا ہی نہیں۔ بلکہ معروف یعنی حق تعالیٰ کو پایا سو یہ شخص البتہ بحر وصول میں غوطہ زن ہے۔

وصول کے بعد کے حالات قابل بیان نہیں

پھر وصول کے بعد جو مدارج ہیں وہ بھی ماقبل کے مدارج سے کم نہیں مگر ہم اختصار کے لحاظ سے انکو ترک کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس مقام کی باتوں کو سمجھانے والی کوئی عبارت ہو سکتی ہے نہ گفتگو اور نہ ان کا کشف ممکن ہے۔ البتہ کچھ خیال کر لیسکتے ہیں۔ اگر اُن مدارج کو معلوم کرنا منظور ہو تو بتدریج ترقی کرے یہانتک کہ اہل مشاہدات اور اُن لوگوں سے ہو جائے جو واصلین حق ہیں جو آثار کے سننے پر کفایت نہیں کرتے۔

عارف ہمیشہ خوش رہتا ہے

عارف ہمیشہ ہشاش وبشاش اور شادان و فرحاں رہتا ہے۔ کیونکہ وہ ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ بلکہ ہر چیز کے ساتھ فرحاں ہے۔ اسلئے کہ ہر چیز میں وہ حق کو دیکھتا ہے۔ جس طرح وہ بزرگوں کی بزرگی کرتا ہے تواضع کی راہ سے چھوٹوں کی بھی تعظیم کرتا ہے۔ اور عقلمند اور بیوقوفوں کے ساتھ اُس کا انبساطی معاملہ ایک ہی قسم کا ہوتا ہے۔ کیونکہ اُسکے نزدیک سب ایک وجہ سے برابر ہیں۔

عارف کے مختلف حالات

عارف کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ایک حالت یہ کہ دوسرے شواغل تو در کنار کسی کی آہٹ سننے کا بھی متحمل نہیں ہو سکتا۔ جب نفس کی طرف سے کوئی حجاب واقع ہوا ہو یا سِر کو کسی طرف حرکت ہو گئی ہو۔ اور چاہتا ہے

کہ اُسکو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ کرے تو اس موقع میں ادنیٰ حرکت بھی اُسکے لئے مضر ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے جب وصول الی الحق ہو جائے تو اُس وقت اُسکو حق تعالیٰ کے ساتھ اس قسم کی مشغولی ہوتی ہے کہ کسی چیز کی طرف توجہ ہوتی ہی نہیں اور اگر ہو بھی گئی تو مضر نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ ماسوی اللہ میں بھی وہ مشاہدۂ حق کر سکتا ہے۔ اور ایک حالت یہ ہے کہ خلعتِ کرامت سے مشرف ہو کر جب رجوع الی الخلق کرتا ہے تو اُس وقت جو بہجت اور فرحت اُسکو ہوتی ہے شاید ہی کسی کو ہوتی ہو۔

عارف کسی کے حال کا تجسس نہیں کرتا

عارف کسی کے حال کی تلاش اور تجسس نہیں کرتا اور نہ کسی بری بات کے دیکھنے سے اُسکو غصہ آتا ہے۔ اسلئے کہ اُس کی نظر اُس سرِ الٰہی پر ہوتی ہے جو قضا و قدر میں ہے۔ جب وہ امر بالمعروف کرتا ہے تو نہایت نرمی سے خیر خواہانہ طور پر کرتا ہے نہ اُس میں سختی ہوتی ہے نہ عار دلانا اور جب کوئی معروف اور عمدہ چیز بہت بڑی ہو تو وہ غیرت کی راہ سے نہیں چاہتا کہ کسی نا اہل کو میسر ہو جو اُسکے حق میں باعث ضرر ہو۔

عارف شجاع اور دلیر ہوتا ہے

عارف شجاع و دلیر ہوتا ہے کیونکہ اُسکو موت کا کچھ خوف ہی نہیں اور جواد ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مال کو ایک حقیر اور باطل چیز سمجھتا ہے جو محبت کے قابل نہیں۔ اگر کوئی قصور کرے تو وہ معاف کر دیتا ہے۔ کیونکہ کسی بشر کی لغزش کو وہ قابل مواخذہ نہیں سمجھتا۔ وہ کینوں کو بھول جاتا ہے

کیونکہ یاد الٰہی سب چیزوں کو بھلا دیتی ہے۔

عارفوں کی مختلف حالتیں

عارفوں کی حالتیں مختلف ہوتی ہیں۔ لباس فاخرہ اور ترفہ اور مبتذل حالت اُن کے نزدیک یکساں ہے بلکہ اکثر ردی حالت ہی کو پسند کرتے ہیں۔ اور کبھی زینت اور لباس فاخرہ بھی اختیار کرتے ہیں۔ اور کبھی عطر و خوشبو کا استعمال بھی کرتے ہیں اور ہر چیز میں نفاست کو دوست رکھتے ہیں۔ اور کبھی ایسی حالت میں رہتے ہیں کہ لوگوں کو کراہت ہو غرض کہ ان کو ظاہری حالت سے کوئی تعلق نہیں جس طرح اسباب و دواعی اُن کے باطن میں خطور کرتے ہیں۔ اُسیکے مطابق وہ اپنی ظاہری حالت رکھتے ہیں۔

عارف سب سے غافل ہوجاتا ہے

عارف جب عالم قدس سے متصل ہوتا ہے تو اُسکو تمام چیزوں سے غفلت ہو جاتی ہے۔ یہانتک کہ غیر مکلف لوگوں کے حکم میں ہو جاتا ہے کیونکہ تکلیف شرعی آدمی کو اُسی حالت میں ہے جس میں وہ تکلیف کو سمجھتا ہے یا گناہ کرتا ہے۔

نادان اور غبی تصوف کے مسائل پر تمسخر کرتے ہیں

بارگاہ الٰہی ایسی نہیں کہ ہر شخص کا وہاں گذر ہو یا ہر شخص اُسپر مطلع ہو سکے اسی وجہ سے اس فن کے مسائل پر نادان اور غبی لوگ تمسخر کرتے ہیں۔ اور محصلین اُس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

آدمی کو لازم ہے کہ اگر کوئی بات اُس کی سمجھ میں نہ آئے تو اپنے نفس کو

متہم کرے کہ شاید ہمیں اُس سے مناسبت نہیں اور یہ خیال کرے کہ ہر شخص پر وہی چیز آسان ہوتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

یہ نمط تاسع کا ماحصل تھا۔ اسکے بعد نمط عاشر میں اولیاء اللہ سے جو عجائب وغرائب امور صادر ہوتے ہیں اُنکا ذکر کیا ہے۔ اس کا ماحصل بھی بمناسبت مقام ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

لکھا ہے کہ اگر تمہیں خبر پہنچے کہ کوئی عارف اپنی معمولی مختصر قُوت کو بھی اتنی مدت چھوڑ دیا جس کا ترک کرنا عادتاً خلاف عقل ہے تو اُس کی تصدیق کر لو۔ اور یہ سمجھو کہ امور طبعیہ میں بھی اس قسم کی بات ہوا کرتی ہے۔ دیکھئے جب طبیعت مواد فاسدہ کو ہضم کرنے کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور مواد محمودہ کو حرکت دینے کی نوبت نہیں آتی تو وہ اکثر محفوظ رہتے ہیں۔ اور بہت کم تحلیل ہوتے ہیں جس سے ایک مدت تک بدل ما یتحلل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسیوجہ سے بعض بیمار اتنی مدت تک غذا نہیں کھاتے کہ اُس کے دسویں حصے میں آدمی غذا نہ کھائے تو ہلاک ہو جائے۔ اس سے ثابت ہے کہ صرف غذا کھانے پر آدمی کی زندگی موقوف نہیں۔ اسلئے ممکن ہے کہ عارف کی زندگی کے اسباب غذا نہ ملنے کی حالت میں کچھ اور ہی ہوں۔

یہ بات نمط ثالث میں ثابت ہو چکی ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ہیئآت نفس میں اولاً واقع ہوتی ہے۔ اُس کے بعد قوائے بدنیہ پر اُس کا

نزول ہوتا ہے۔ جیسا کہ اُس کا عکس بھی ہوتا ہے کہ قوائے بدنیہ کی ہیئات نفس تک صعود کر جاتی ہے۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ جب نفس پر خوف شدید طاری ہوتا ہے تو شہوت ساقط ہو جاتی ہے۔ اور ہضم میں فساد آجاتا ہے اور قوائے طبعیہ کے افعال خلل پذیر ہو جاتے ہیں۔

جب نفس مطمئنہ قوائے بدنیہ کو مرتاض کرتا ہے تو جن کاموں میں وہ مصروف ہو جاتا ہے اُس کے ساتھ وہ قوتیں بھی کھچ جاتی ہیں۔ اور جس قدر نفس کا جذب شدید ہو انکا انجذاب بھی اُسی درجے کا ہوگا جس کی وجہ سے قوائے بدنیہ اپنے کاموں سے بیکار ہو جائیں گے۔ اور نفس نباتی کی طرف جو افعال منسوب ہیں وہ رُکے رہینگے۔ رہا بدل مایتحلل سو جس قدر مرض کی حالت میں تحلل ہوتا ہے۔ یہاں اُس سے بھی کم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کہ مرض حارہ میں گو طبیعت کا تصرف نہ سہی مگر حرارت غریبہ کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تحلیل ضرور ہوگی اور وہ یہاں مفقود ہے۔

اور دوسرے یہ کہ مرض کا وجود جب جسم میں ہوتا ہے تو وہ جتنی قوتیں جسمانی ہیں سب کو ضعیف بلکہ ساقط کر دیتا ہے۔ اور اُس کا وجود یہاں نہیں۔ غرض کہ عارف میں نہ سوئے مزاج حار ہے جو باعث ضرورت بدل مایتحلل ہو نہ قوی کو ضعیف کرنے والا کوئی مرض ہے۔ پھر علاوہ اسکے حرکات بدن سے اُس کو سکون بھی حاصل ہے تو ظاہر ہے کہ عارف بیمار سے زیادہ مدت تک

غذا کو ترک کر سکتا ہے۔ اور قوت بھی اُس میں باقی رہ سکتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ عارف کا ایک مدت دراز تک بھوکا رہنا مذہبِ طبیعت کے بھی خلاف نہیں۔

عارف کی مافوق العادۃ تحریک یا حرکت

اگر تم سے کوئی کہے کہ عارف نے کوئی کام یا تحریک یا حرکت ایسی کی جو اوروں سے نہ ہو سکے تو بالکل اُس کا انکار مت کرو۔ کیونکہ مذہبِ طبیعت میں بھی اُس کا سبب مل سکتا ہے۔ دیکھئے آدمی جب اپنی حالت اعتدالی میں ہوتا ہے تو اُسکی ایک محدود قوت ہوتی ہے۔ جس سے وہ معمولی کام کیا کرتا ہے۔ پھر جب اُس کے نفس کو ایک خاص قسم کی ہیئات عارض ہوتی ہے تو اُس کی قوت اتنی کمزور ہو جاتی ہے کہ اعتدالی حالت میں جو کام کرتی تھی اب اس کا دسواں حصہ نہیں کر سکتی۔ جیسے خوف وغم کی حالت میں مشاہد ہے۔ اور کبھی نفس کو ایسی ہیئات عارض ہوتی ہے کہ اپنی معمولی قوت سے کئی حصے زیادہ کام کرتا ہے۔ جیسے غصہ یا مناقشہ وتعلی کی حالت میں یا معتدل نشے کے وقت یا طرب انگیز فرحت کی حالت میں۔

غرضکہ قوت خاص خاص حالتوں میں کم وزائد ہوا کرتی ہے۔ پھر اگر عارف کو نشاطی حالت جو کمال فرحت کے وقت ہوتی ہے عارض ہوا ور اُسکو قوتیں ایک قہری غلبے کی قوت دیں یا عزت کی وہ کیفیت حاصل ہو جو مناقشے کے وقت ہوتی ہے اور قوی حمیت کی وجہ سے مشتعل ہوں

عارف کی قوت من جانب اللہ ہوتی ہے

تو یہ حالت اُس حالت سے جو غضب یا طرب کے وقت ہوتی ہے بڑھ جائیگی کیوں نہو اس کا ظہور تو خاص حق کی جانب سے[۵۱] ہے جو قوتوں کا پیدا کرنے والا اور اصل رحمت ہے۔

عارف کا غیب کی خبر دینا

اگر تم سے کوئی کہے کہ کسی عارف نے غیب کی خبر دی تھی اور وہ صحیح ثابت ہوئی تو اُس کا انکار مت کرو۔ اسلئے کہ مذہب طبیعت میں بھی اس کے اسباب پائے جاتے ہیں۔ جن پر تجربہ اور قیاس گواہی دے رہا ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اذکیا کی ایک جماعت نے کوشش کی کہ غیب کی باتوں پر مطلع ہو۔ مگر باوجود کمال عقل اور سلامت حواس اور ذکاوت طبع اور قوت افکار اور جودت انظار کے وہ مطلع نہو سکی۔ اور اُن میں سے ایک مرد بیکار ساضعیف القوت شخص جس کی حرکت اور ارادہ بھی زائل ہو گیا ہو۔ وہ اُن غیب کی باتوں پر مطلع ہو گیا تو کوئی اُسکو باور نکریگا۔ مگر تجربہ گواہی دے رہا ہے کہ ایسا ہی شخص یعنی نائم جبکی میت کی سی حالت ہے خواب میں غیب پر مطلع ہو جاتا ہے۔ جس پر ہر شخص کا ذاتی تجربہ اور متواتر اخبار گواہی دے کر ہر انسان کو اُسکی تصدیق کرا رہے ہیں۔ یہ بات اور ہے کہ کوئی فاسد مزاج جسکے قوائے تخئیل و ذکر

۵۱ محقق طوسی نے یہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ خیبر کا دروازہ میں نے جسمانی قوت سے نہیں اُکھاڑا۔ بلکہ وہ ربانی قوت تھی انتہی۔ ۱۲ محمد وزیر مصحح اول مجلس اشاعۃ العلوم۔

نائم اور بیکار ہو گئے ہوں وہ اُسکی تصدیق نہ کرے۔ مگر ایسوں کی بات اعتبار کے قابل بھی نہیں۔ پھر جب حالت نوم میں اطلاع امور غیبیہ پر ممکن ہو تو بیداری میں اُسکو محال بنانے والی کون چیز ہے بلکہ بیداری میں بطریق اولیٰ ہونی چاہیئے۔ رہے موانع سو اُن کا ارتفاع ممکن ہے جسکا حال پیشتر معلوم ہو چکا ہے۔

پیشتر یہ بات معلوم ہو چکی کہ جزئیات عالم عنصری عقول مفارقہ میں کلی طور پر منقوش ہیں۔ یعنی جزئیات عالم کا اُن کو علم بطور کلی حاصل ہے اور یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اجسام سماویہ میں نفوس منطبع ہیں جو جزئیات کا ادراک کرتے ہیں۔ اور اُن کی جزئی رائے سے ارادات جزئیہ صادر ہوتے ہیں۔ پھر اُن ارادات جزئیہ سے جو حرکات افلاک کے ہوتے ہیں اُنسے عالم عنصری میں امور جزئیہ صادر ہوتے ہیں۔ جو لوازم حرکات ہیں۔ ان لوازم کے تصور سے نفوس فلکیہ کو کوئی مانع نہیں۔ مطلب یہ کہ نفوس منطبعۂ فلکیہ کو اُن امور جزئیہ کا تصور حاصل ہے جو حرکات افلاک سے وجود میں آتے ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ علوم جزئیہ عالم عقول اور نفوس سماویہ میں منقوش ہیں۔ پھر حکمت متعالیہ میں جو کشفی اور ذوقی طور سے راسخین فی الحکمت پر منکشف ہے ثابت ہے کہ عقول مفارقہ افلاک کیلئے مثل مبادی ہیں۔ اُن کے بعد افلاک میں بھی نفوس ناطقہ ہیں۔ مگر یہ نفوس

اُن کے مادّے میں منطبع نہیں جیسے مشائین قائل ہیں۔ بلکہ اُن کو افلاک کے ساتھ ایک خاص علاقہ ہے جس طرح ہمارے نفوس کو ہمارے ابدان کے ساتھ ہے۔ اُس علاقے کی وجہ سے اُن کو کسی قسم کا کمال حاصل ہوتا ہے۔ اگر یہ رائے حق ہو تو اجسام سماویہ میں ایک بات کی زیادتی ہوگی۔ کہ کلیات و جزئیات دونوں اُنہیں نفوس میں منطبع ہوں گے۔ اور جس طرح نفوس انسانیہ میں اجتماع رائے کلی اور جزئی سے نتائج نکلتے ہیں۔ نفوس فلکیہ بھی نتائج نکالنے پر قادر ہونگے بخلاف رائے مشائین کے کہ اُن کے ہاں صرف جزئیات نفوس افلاک میں منطبع ہوتے ہیں۔

الحاصل اس تقریر سے ثابت ہے کہ جزئیات عالم عقولی میں ہیئات کلیہ پر منقوش ہیں اور عالم نفسانی میں۔ ہیئات جزئیہ پر یا بحسب مذہب ثانی دونوں نقش اس میں موجود ہیں۔ جب یہ ثابت ہوا کہ اُس عالم میں تمام جزئیات منقوش ہیں۔ تو جائز ہے کہ تمہارا نفس بحسب استعداد اور زوال حائل اُس عالم کے نقش سے منتقش ہو جائے اس لئے عارف اگر غیب پر مطلع ہونے کا دعوے کرے تو اُس کا انکار مت کرو۔ قوائے نفسانیہ ایک دوسرے کو کھینچتے رہتے ہیں۔ دیکھئے جب غصے کو جوش ہوتا ہے تو شہوت سے بے التفاتی ہو جاتی ہے اور

قوائے نفسانیہ باہم ایک دوسرے کو کھینچتے رہتے ہیں

جب شہوت کا غلبہ ہوتا ہے تو غصے سے لگاؤ نہیں رہتا۔ اور جب حس باطن اپنے کام میں پورے طور پر مشغول ہوتی ہے تو حس ظاہر سے غفلت ہو جاتی ہے چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ اُس وقت نہ کوئی بات سنی جاتی ہے نہ کوئی چیز نظر آتی ہے۔ اور جب حس باطن حس ظاہر کی طرف منجذب ہوتی ہے تو عقل اپنے آلہ یعنی فکر کو گم کر دیتی ہے۔ اور جب نفس حس ظاہر کی طرف مشغول ہوتا ہے اور فکر کو اُسکے کاموں میں لگاتا ہے تو ایک دوسری چیز عارض ہوتی ہے کہ وہ خاص اپنے افعال سے بھی علحدہ ہو جاتا ہے۔ اور جب پورے طور سے حس باطن کو اپنے تصرف میں لاتا ہے تو حواس ظاہری تحیر اور ضعیف ہو جاتے ہیں۔ اور جو چیزیں ان کے نزدیک قابل شمار ہیں اُن کو بھی نفس تک نہیں پہنچا سکتے

حاصل یہ کہ عارف کا نفس جب علویات کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو تمام حواس اپنے اپنے کاموں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اُسکو ایسی یکسوئی ہو جاتی ہے کہ سوائے مقصود کے کسی چیز سے تعلق نہیں رہتا۔

حس مشترک بمنزلۂ لوح کے ہے جس چیز کا اُس میں نقش ہو جائے وہ نقش مشاہدے کے حکم میں ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ جس محسوس کا نقش اُس میں ہوتا ہے وہ چیز حس سے غائب ہو جاتی ہے۔ مگر اُس کی صورت تھوڑی دیر حس مشترک میں باقی رہتی ہے۔ اس زمانے میں اُس صورت مشہودہ کو ہم متوہم نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اُس کا محسوس ہونا مشاہدے کے حکم میں ہے۔

مناسبت کے اقسام

بارش کے قطرے کو خیال کرلو کہ خط مستقیم دکھائی دیتا ہے۔ اور شعلہ جوالہ جسکو نقطہ کہنا چاہیے پورا دائرہ محسوس ہوتا ہے۔ کیا اُس خط مستقیم اور اُس محیط دائرے کو جو محسوس ہورہے ہیں مشاہدے کا حکم نہ دیا جائیگا۔ غرضکہ صورت جب لوح حس مشترک میں متمثل ہوتی ہے تو وہ مشاہد ہے۔ خواہ ابتدائی حال میں ہو۔ جس وقت محسوس خارجی سے اُس میں مرتسم ہوتی ہے یا جب تک محسوس خارجی آنکھوں کے روبرو ہے وہ بھی باقی رہے یا محسوس کے غائب ہونیکے بعد بھی وہ اس میں ثابت رہے یا ایسے طور پر اُس میں آنا ممکن ہو جو محسوس کا وجود اُس کے روبرو ہوا ہی نہو ان سب صورتوں میں اُسکو مشاہد کہنے میں کلام نہیں۔ یعنی یہ ضرور نہیں کہ اُسی صورت کو مشاہد کہیں جو حواس کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہو۔

یہ بات ثابت ہے کہ کبھی بعض بیمار اور جن کے مزاج پر مرۃ السودا غالب ہو ایسی صورتیں مشاہدہ کرتے ہیں کہ جن کے محسوس اور ظاہر و حاضر ہونے میں اُن کو شک نہیں ہوتا۔ ان صورتوں کو محسوس خارجی کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہوتی۔ اور نہ حواس کے ذریعے سے وہ حس مشترک میں جاتی ہیں۔ باوجود اسکے اُنکا انتقاش حس مشترک میں ہوتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اُس کا کوئی سبب باطنی ضرور ہوگا۔ مثلاً قوت متخیلہ کا تصرف جو خیال میں صورتیں بنالی ہین۔ یا کوئی دوسرا سبب ہو جو اُس سبب باطنی میں تاثیر کرتا ہو۔ اور کبھی حس مشترک میں وہ صورتیں بھی منقش ہوتی ہیں جو

جو معدن تخیل اور توہم میں جولانی کرتی رہتی ہیں جیسے حس مشترک میں جو صورتیں خارج سے آتی ہیں۔ وہ خیال اور وہم میں منتقش ہوتی ہیں۔ اور اس کی مثال تقریباً ایسی ہے جیسے متقابل آئینوں میں ہوتا ہے۔ غرض کہ حس مشترک میں ایسی صورتیں بھی آتی ہیں جنکو محسوسات خارجیہ سے کوئی نسبت نہیں اور نہ وہ حواس کے ذریعے سے آتی ہیں۔

یہ بات معلوم رہے کہ یہاں اس سے کوئی بحث نہیں کہ ایسی صورتیں خلاف واقع ہوں گی۔ کیونکہ وہ بحث دوسری ہے۔ یہاں مقصود صرف اسیقدر ہے کہ حس مشترک میں یہ بھی صلاحیت ہے کہ اُن صورتوں کا مشاہدہ کرلے جو بذریعۂ حواس حس میں نہ آئی ہوں۔

حس مشترک میں بعض صورتیں بغیر واسطۂ حواس کے آتی ہیں

اب رہی یہ بات کہ حس مشترک میں خزانۂ خیال کی صورتیں ہر وقت مرتسم نہیں ہوتیں۔ سو اُس کی وجہ یہ ہے کہ حواس خمسہ محسوسات خارجیہ کا نقش لوح حس مشترک میں ہر وقت کرتے رہتے ہیں۔ اور اس درجے اُسکو انہوں نے اپنے قبضے میں کر رکھا ہے کہ نقش اندرونی اس پر جمنے پاتا ہی نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ عقل تخیل کو اکثر اپنے کاموں میں لگا رکھتی ہے۔ کیونکہ آخر عقل کا یہ بھی کام ہے کہ غیر محسوسات میں بھی غور و تامل کرے۔ پھر جب تک وہ عقل کے کام میں لگے رہتا ہے اسکو اتنی فرصت نہیں ملتی کہ خزانۂ خیال کی صورتوں میں سے کسی دو

صورتوں کو باہم ملا کر یا اُن کی تحلیل وغیرہ کر کے لوح حس مشترک پر اُسکا نقش جما دے۔ کیونکہ اس کی حرکت ضعیف اور تابع ہے۔ البتہ حس مشترک کو منتقش کرنے والے حواس جب ساکن ہو جائیں۔ اور ایک ہی شاغل باقی رہے جو عقل اُسکو کام میں لگائے رہتی ہے تو ممکن ہے کہ عقل کبھی عاجز ہو کر اُسکو مجبور نہ کر سکے۔ اور تخیل حس مشترک پر مسلط ہو جائے اور صور باطنیہ کا مشاہدہ کرائے۔

نیند نفس ناطقہ کو بھی افعال سے روک دیتی ہے

نوم حواس کو اُن کے افعال سے قطعاً روک دیتی ہے۔ اور کبھی نفس ناطقہ کو بھی اسکے افعال سے روک دیتی ہے۔ اسلئے کہ نفس ناطقہ اگر اپنے کاموں میں مشغول رہے تو طبیعت اپنے کاموں سے کسی قدر رُک جائے۔ بلکہ کل قوتوں کے کاموں میں فرق آجائے جو دلائل سے ثابت ہو چکا ہے حالانکہ ہضم کے لئے ضرور ہے کہ طبیعت نہایت سرگرمی سے غذا میں تصرف کرے اور اُس کے لئے ضرور ہے کہ تمام حرکات سے راحت وسکون حاصل ہو۔ اسلئے بحسب ضوابط طبعی نفس ناطقہ نیند کے ساتھ ہی طبیعت کی جانب متوجہ ہو کر اپنے ذاتی کاموں کو ترک کر دیتا ہے۔ کیونکہ تدبیر بدن بھی اُس کا فرض منصبی ہے جو اُس کے جبلت میں داخل ہے پھر نیند کو مرض کے ساتھ زیادہ تر مشابہت ہے جسکی وجہ سے نفس کو اپنے افعال ترک کرنے کی زیادہ تر ضرورت ہے۔ غرضکہ حالت نوم میں

مشاہدۂ عجائب بوقت فراغت نفس از تدبیر بدن

جب نفس ناطقہ طبیعت کی جانب متوجہ ہو جائے۔ اور قوائے متخیلۂ باطنیہ کو نفس کے کاموں سے فراغت حاصل ہو اور ادھر لوح حس مشترک بھی سادہ ہو جائے تو وہ اپنے کام یعنی ترکیب و تحلیل وغیرہ صور خیالیہ میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے نقش اُس پر جماتے ہیں۔ جس سے عجائب و غرائب صورتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

نفس کی قوت و ضعف کے آثار ادراکات

جب اعضائے رئیسہ پر کوئی مرض غالب ہوتا ہے تو نفس اُس طرف پورے طور سے منجذب و متوجہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ قوت متخیلہ کو ضبط نہیں کر سکتا۔ اسلئے متخیلہ صور خیالیہ کو حس مشترک میں منتقش کر دیتا ہے۔ اور جس قدر نفس قوی ہوگا قوتوں کی کشاکشی اُس میں کم تاثیر کرے گی۔ اور دونوں جانب یعنی عقلی اور بدنی کو اچھی طرح مضبوط اور مستحکم رکھیگا۔ اور جس قدر ضعیف ہوگا قوتوں کی تاثیر اُس میں زیادہ ہوگی اور دونوں جانبوں کے ضبط میں فتور واقع ہوگا۔ اور نیز جس قدر وہ قوی ہوگا محسوسات کے مشاغل میں کم مشغول ہوگا اور جس قدر اس جانب کم مشغولی ہوگی اُسیقدر دوسری جانب اُس کا اشتغال زیادہ ہوگا۔ پھر جب اُس میں اعلیٰ درجے کی قوت ہوگی تو یہ بات بھی اُس میں اعلیٰ درجے پر پائی جائے گی۔ پھر جب مرتاض بھی ہوگا تو جو امور ریاضت کے مخالف ہیں اُن سے بچیگا اور جو امور مناسب ریاضت ہیں اُن میں اُس کا تصرف قوی تر ہوگا۔

کمی مشاغل حسیہ کا اثر

جب شواغل حسیہ کم ہوجاتے ہیں۔ اور بہت ہی تھوڑے مشاغل باقی رہتے ہیں تو نفس کو فرصت ملتی ہے جس میں عالم قدس کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہاں امور غیبیہ اُس پر منتقش ہوتے ہیں۔ اُنکا اثر جب تخیل پر پڑتا ہے تو وہ اُن امور کلیہ کو بحسب مناسبت صور جزئیہ کے پیرائے میں لاکر حس مشترک میں اُن کو مرتسم کردیتا ہے۔ یہ بات حالت نوم میں ہوگی۔ اسوجہ سے کہ حواس اس وقت معطل ہوجاتے ہیں۔ یا حالت مرض میں۔ اسلئے کہ حواس بھی اُس میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ اور تخیل بھی ضعیف ہوجاتا ہے اسلئے کہ کچھ تو مرض کی وجہ سے اس میں ضعف آجاتا ہے اور کچھ اس وجہ سے کہ کثرت حرکت فکریہ کے باعث وسط دماغ کی روح جو اُس کا آلہ ہے تحلیل ہوتی ہے۔ غرضکہ جب وہ ضعیف اور سست ہوجاتا ہے تو نفس کو فراغت حاصل ہوتی ہے۔ اور جانب اعلیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

نفس امور غیبیہ کو جانب اعلیٰ سے بغیر فکر حاصل ہوتا ہے

پھر جب اُس میں کوئی سانحۂ غیبی نمودار ہوتا ہے تو تخیل اُس طرف توجہ کرتا ہے۔ اسلئے کہ اس عرصے میں جو اُسکو آرام مل گیا۔ اُس کی تھکاوٹ جاتی رہی اور چونکہ واردات غیبیہ غرائب امور ہوا کرتے ہیں۔ اور امور غریبہ کی طرف اُسکو بالطبع رغبت ہے۔ اسلئے اُس طرف توجہ کرنا اُس پر گراں نہیں ہوتا۔ اور قطع نظر اُسکے نفس کا وہ معاون بنایا گیا ہے۔ اُسکو حق ہے کہ ایسے موقع میں اُس سے مدد لے۔ بہرحال جب وہ اُن واردات غیبیہ کو قبول

کرلیتا ہے اور نوم یا مرض میں تمام شواغل اُس سے دور ہو جاتے ہیں تو اُنکی صورتوں کو لوح حس مشترک میں منتقش کر دیتا ہے جسطرح نیند کی حالت میں نفس عالم عقول سے متصل ہوکر وہاں کے عجائب لاتا ہے۔ جن کی صورتوں کو متخیلہ مرکب کرکے حس مشترک میں قائم کر دیتا ہے۔ اسی طرح جو نفوس قوی ہوتے ہیں۔ اور دونوں جانب یعنی جانب قدس و جسمانی کی طرف توجہ کرنے کی اُن میں وسعت ہوتی ہے تو بیداری کی حالت میں بھی وہ جانب قدس کی طرف عروج کرکے وہاں کے عجائب و غرائب کا ادراک کرتے ہیں۔ پھر جس طرح بیمار اور ممرورین (یعنی مرۃ السوداء جن پر غالب ہوتا ہے) امور عجیبہ کو محسوس پاتے ہیں۔ عرفا بھی اُن کا مشاہدہ کرتے ہیں بلکہ اُن سے بھی زیادہ اُن کو مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اُن کے نفوس قوی ہیں۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ اُن امور غیبیہ کا اثر ذکر پر پڑتا ہے اور اُس میں خون جمتا ہے۔ اور کبھی وہ اثر خیال پر غالب ہوکر اُسکو نہایت درجہ منور کر دیتا ہے۔ پھر خیال حس مشترک کو جبراً اپنی طرف مائل کرکے اُس میں پورا نقش جما دیتا ہے اور چونکہ نفس نہایت قوت سے اُسکی مدد کرتا ہے اسلئے حس مشترک پر کسی کا اثر نہیں پڑ سکتا۔ اور جس قسم کے امور غیبیہ ہوں خواہ از قسم مبصرات ہوں یا مسموعات وغیرہ سب اُن کو مشاہد ہو جاتے ہیں۔ گویا وہ تجلیات آلہی کو دیکھتے ہیں اور کلام آلہی کو سنتے ہیں

اور کبھی اعلیٰ درجے کی زینت اُنکو حاصل ہوتی ہے۔

قوت متخیلہ سریع الانتقال ہے

قوت متخیلہ کی جبلت میں داخل ہے کہ جو ہیئات ادراکی یا ہیئات مزاجی اُس کے قریب ہو اُس کی حکایت کرتی ہے۔ اور کیسی ہی ناآشنا چیز ہو اُس کی کچھ نہ کچھ صورت بنا لیتی ہے۔ وہ نہایت سریع التنقل ہے۔ کسی چیز کے خیال کرتے ہی دوسری چیز کی طرف حرکت کر جاتی ہے۔ خواہ وہ اُس کے مشابہ ہو یا ضد اگرچہ ہمیں معلوم نہیں کہ وہ مشابہ اور ضد کی طرف کیوں حرکت کرتی ہے۔ اور اسباب تخصیص کیا ہیں۔ مگر واقع میں کوئی نہ کوئی جزئی سبب اُس کا ضرور ہوگا۔

اگر اس قوت کی جبلت میں سرعت انتقال نہوتی تو کوئی چیز ایسی نہ تھی جس سے ہمیں انتقالات فکریہ جیسے تلاش حد اوسط وغیرہ ہیں۔ اور نیز بھولے ہوئے امور کے یاد کرنے اور دوسرے مصالح میں مدد مل سکتی۔ اس قوت کا یہ حال ہے کہ ہر نئی چیز اُسکو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ جب تک اُسکو کوئی ضبط نکرے۔ اُسکو ضبط کرنے والی دو چیزیں ہیں۔ ایک نفس کی قوت جو اُس نئی چیز کے مقابل ہو جائے۔ دوسری اُس صورت منتقشہ کا کمال ظہور وانجلا۔ جس سے اُسکو تردد باقی نہ رہے۔ اور اُس کے مشاہدے میں ایسی لگی رہے کہ دوسری چیز کی طرف اُس کی نظر ہی نہ پڑے جیسے اصحاب رائے میں دیکھا جاتا ہے کہ جب کوئی مہم رائے سوچی جاتی ہے تو دوسری

طرف توجہ نہیں ہوتی - چنانچہ حواس میں بھی یہی بات دیکھی جاتی ہے -

اثر روحانی جو خواب و بیداری میں نفس پر ظاہر ہوتا ہے کبھی بہت ضعیف ہوتا ہے کہ نہ خیال کو حرکت دیتا ہے نہ وہ یاد رہتا ہے - اور کبھی اُس سے قوی ہوتا ہے جس سے خیال کو تو حرکت ہوتی ہے - مگر پورے طور پر یاد نہیں رہتا - جب تک کئی بار خیال کو اُس طرف حرکت نہ ہو - اور کبھی نہایت قوی ہوتا ہے جس سے نفس کو نہایت دلچسپی ہوتی ہے - اور اسکی صورت خیال میں جلی طور پر مرتسم ہوتی ہے - اور کبھی نفس اُس کی مدد کرتا ہے - جس سے وہ صورت ذکر میں بھی اچھی طرح مرتسم ہوتی ہے اور انتقالات سے اُس میں تشویش نہیں ہوتی - یہ بات فقط آثار روحانی ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ بیداری کی حالت میں جب تم فکر کرتے ہو تو بسا اوقات فکر ذکر میں منضبط ہوتی ہے - اور ذہن اُس سے منتقل نہیں ہوتا - اور کبھی ذہن اُس سے منتقل ہو جاتا ہے - اور وہ بات بھول جاتی ہے اور کبھی یاد بھی آجاتی ہے -

جو اثر روحانی ذکر میں خوب مضبوط ہو وہ بیداری میں ہو یا خواب میں الہام ہوگا یا خالص وحی یا وہ خواب جو تاویل یا تعبیر کا محتاج نہیں - اور جو باطل ہو جائے - اور صرف محکیات باقی رہ جائیں تو وہ تاویل یا تعبیر کا محتاج ہوگا پھر وہ بحسب اشخاص اور اوقات اور عادات

مختلف ہوں گے - وحی ہو تو تاویل کی ضرورت ہو گی - اور خواب ہو تو محتاج تعبیر ہو گا -

امور غیبیہ معلوم کرنے کے طریقے

بعض طبائع ایسے افعال سے مدد لیتے ہیں جن سے حس کو حیرت اور خیال کو توقف ہوتا ہے - کیونکہ تحیر اور حس کی کمزوری سے وہ قوت جو غیب کو حاصل کرنا چاہتی ہے اُس کے لینے پر مستعد ہوتی ہے اور وہم غرض خاص کی طرف متوجہ ہوتا ہے - اور اُسکو خاص طور پر قبول کر لیتا ہے - ترک کی ایک قوم کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ کسی بات کو معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اپنے کاہن کے پاس جاتے ہیں وہ اُس غرض کو پوری کرنے کے لئے اس شدت سے دوڑتا ہے کہ ہانپتے ہانپتے بیہوشی کے قریب اُس کی حالت پہنچ جاتی ہے - پھر جو کچھ اُس کے خیال میں آتا ہے وہ کہنے لگتا ہے - اور وہ لوگ جو کچھ سنتے ہیں اسکو ضبط کرتے جاتے ہیں - یہانتک کہ اپنی غرض اُن باتوں سے نکال لیتے ہیں - اور بعض یہ کرتے ہیں کہ پہلو دار بلور یا کانچ کو آفتاب کی شعاع کے مقابلے میں حرکت دیتے ہیں جس سے آنکھوں کو چکا چوند ہو جب وہ اُسکو تامل و غور سے دیکھتا ہے تو اُس پر ایک مدہوشی کی کیفیت طاری ہوتی ہے اُس وقت وہ غیب کی باتیں کہنے لگتا ہے اور بعض انگوٹھے پر تیل ملکر اُسپر کاجل لگا دیتے ہیں جس سے وہ نہایت سیاہ

اور براق ہو جاتا ہے پھر اُسکو چراغ یا اور کسی روشنی کے مقابل کر کے
اُس میں خوب غور کرتے ہیں اور بعض بلوری چمکتے ہوئے جام میں پانی
بھر کر آفتاب کے مقابل رکھ کر اُس میں غور کرتے ہیں۔ غرض کہ جن حیرت
انگیز امور میں حس مشغول ہو جائے اور خیال حیرت میں پڑ جائے
تو نفس کو فرصت مل جاتی ہے۔ اور اپنی مناسبت سے عالم فوقانی کی
طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ تدابیر جو مذکور ہوئے اکثر انکا اثر بھولے بھالوں
اور لڑکوں پر ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ امور ظنی ہیں۔ لیکن ان کا امکان اور
تجربوں سے وقوع ثابت ہے۔

آدمی کی سعادت اس میں ہے کہ بصیرت حاصل کرنے کی غرض سے
ان امور کا خود تجربہ کرے۔ یا دوسروں میں پے درپے مشاہدہ کرے
تاکہ تجربے سے ایسے امور کا وجود اور صحت ثابت ہو جو عجیب و غریب
ہیں۔ اور اُن کے اسباب معلوم کرنے کی فکر ہو۔ پھر اگر اسباب معلوم ہو جائیں
تو اس سے کیا بہتر۔ اس سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ نفس کو
اطمینان حاصل ہوگا۔ اور وہم جو عقل کی مخالفت کرتا ہے وہ خاضع اور
فرمان بردار ہو جائیگا۔

ہم نے اس باب میں جس قدر جزئیات کا مشاہدہ کیا ہے اور اعتمادی لوگوں
سے سنا ہے اگر بیان کریں تو کلام طویل ہو جائے گا۔ پھر اُس سے

فائدہ ہی کیا جو شخص اصل ہی کو نہ مانے اُس کی تفصیل کی تصدیق نہ کرنا اسپر آسان ہے۔

عجائبات کا منکر وہمی ہے

شیخ کی اس تقریر سے مستفاد ہے کہ عجائبات کا جو لوگ انکار کرتے ہیں وہ گرفتار وہم ہیں عقل سے کام نہیں لیتے۔ بات یہ ہے کہ شیخ کی سی عقل کسی کو ہو تو دنیا کے عجائب و غرائب کو دیکھ کر جن کا وجود ثابت ہو اپنے وسیع معلومات سے مدد لے کر اُن کے اسباب مشخص کرسکتا ہے اور جس کے معلومات ہی کم ہوں وہ بیچارہ کیا کرسکے۔ اُس کا حال اُس کیڑے کا سا ہے جو عمر بھر کسی لکڑی میں بود و باش رکھے۔ اگر اُسکو زمین و آسمان کا حال سنایا جائے تو بغیر انکار کے اور کیا کرسکیگا۔ جاہلوں کی عادت ہے کہ جب کوئی نئی بات سنتے ہیں جو اُن کی سمجھ میں نہیں آتی تو فوراً اس کا انکار کردیتے ہیں۔ اگر تصدیق نہ کرکے فقط امکان ہی کا درجہ اُسے دیں تو بہت سے جھگڑے طے ہوجائیں۔ بخلاف اس کے زور اس پر دیتے ہیں کہ اُس کا امکان بھی ثابت نہو سکے پھر جب ایک طرف سے وقوع کا دعوی ہو اور دوسری طرف سے عدم امکان کا تو جس قدر جھگڑے اور تضیع اوقات ہوگی ظاہر ہے۔ اگر جاہلوں کا یہ حال ہو تو مضائقہ نہیں حیرت یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے بعض عقلا نے بھی یہی طریقہ اختیار کرلیا ہے۔ اسی بنا پر معجزات۔ کرامات۔ خوارق عادات۔

جنون - ملائکہ وغیرہ کا انکار ہی کر دیتے ہیں - اگرچہ اُن کی جانب سے یہ عذر ہو سکتا ہے کہ ہم میں اس قدر علم وعقل نہیں کہ مثل شیخ وغیرہ کے ان امور کی تصدیق کر کے اُن کے اسباب مشخص کر سکیں - اس لئے آسانی اسی میں ہے کہ کسی بات کو تسلیم ہی نکریں - مگر نتیجہ اس کا بُرا ہے - اگر مسلمان شخص اُن کا طریقہ اختیار کرے تو بے ایمان ہو جائے - اور دوسرے مذہب والا ہو تو اُسکو ذلیل ہونا پڑے - دیکھئے جنون کا کس شد ومد سے انکار ہوا تھا کہ اُس میں رسالے لکھے گئے - مگر تحقیقات جدیدہ سے اُن کا وجود ثابت ہو گیا - اب حکما اُن کا انکار کرنے والوں کو دقیانوسی خیال اور پرانے فیشن والے کہہ کر ذلیل وخوار کر رہے ہیں - اسیطرح مسمریزم نے اُن لوگوں کو نیچا دکھایا جن کے نزدیک آدمی بھی ایک جانور تھا جس کی روح مرتے ہی فنا ہو جاتی ہے - اور اُن لوگوں کو بھی ہٹ دھرم ثابت کر دیا جو کہتے ہیں کہ کسی کو غیب کی باتوں پر اطلاع ہوتی ہی نہیں - اس کا حال ہم نے مقاصد الاسلام حصۂ دوم کے عنوان درایت میں اچھی طرح ثابت کر دیا ہے - اسکے بعد شیخ نے عرفا کے خوارق عادات کا ذکر کیا چنانچہ لکھا ہے

اگر تمہیں یہ خبر پہنچے کہ کسی عارف نے قحط سالی میں دعا کی اور پانی برس گیا یا کسی بیمار کی شفا چاہی - اور وہ اچھا ہو گیا - یا کسی قوم کے حق میں بد دعا کی اور وہ زمین میں دھس گئی - یا زلزلہ ہوا - یا اور کسی وجہ سے وہ ہلاک

ہو گئی یا کہیں وبا یا طوفان وغیرہ مہلکات اُن عارفوں کی دعاؤں سے دفع ہو گئے۔ یا شیر وغیرہ درندے اُن کے منقاد و فرمان بردار ہو گئے۔ یا پرندے اُن کو دیکھ کر نہیں اُڑے اور اس قسم کے امور جو صراحۃً ممتنع الوجود نہیں تو توقف کرو اور اُن کے انکار میں جلدی مت کرو اسلئے کہ اسرار طبیعہ میں بھی اس قسم کی چیزوں کے اسباب پائے جاتے ہیں۔ جن کا تھوڑا سا حال ہم بیان کرتے ہیں۔

یہ بات پیشتر ثابت کی گئی ہے کہ نفس ناطقہ بدن میں منطبع نہیں۔ بلکہ وہ قائم بالذات اور بدن سے بالکل مبائن ہے۔ اور تعلق اُس کا بدن کے ساتھ صرف تعلق تدبیر و تصرف ہے۔ باوجود اسکے نفس میں جو چیزیں متمکن ہوتی ہیں۔ جیسے اعتقادات راسخہ اور اسکے توابع یعنی ظنون اور توہمات بلکہ خوف و فرحت وغیرہ ان کا اثر برابر جسم پر پڑتا ہے دیکھئے کوئی ایسی لکڑی زمین پر رکھی ہو جس پر آدمی چل سکے تو اُس پر چلنے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ پھر اُسی لکڑی کو بلندی پر رکھ دیں اور اُسپر آدمی چلے تو گر پڑیگا۔ اب کہئے کہ اُسکو گرانے والی کونسی چیز ہے۔ صرف وہم ہے۔ جس کا وجود نفس میں ہے۔ اسی طرح جب نفس کے احوال میں تغیر واقع ہوتا ہے۔ مثلاً حزن۔ خوف۔ فرحت عارض ہوتی ہے تو چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے۔ اور بحسب مدارج کیفیات مذکورہ کی

یہانتک نوبت پہنچتی ہے کہ صحیح بیمار اور بیمار صحیح ہوجاتے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ جب نفس ایک بدن میں تاثیر کرتا ہے تو کیا عجب ہے کہ دوسرے اجسام میں بھی تاثیر کرے کیونکہ جس بدن میں وہ ہمیشہ تاثیر کرتا ہے آخر اُس سے بھی مباینت ہی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اس قسم کے نفوس معمولی نہوں گے بلکہ ایسے قوی ہونگے کہ دوسرے اجسام میں بھی تاثیر کرسکیں۔ اور جس طرح اپنے متعلق بدن میں ایک کیفیت مزاجی پیدا کرکے اثر کرتے ہیں۔ اسیطرح دوسرے اجسام میں بھی ایسے ہی کیفیات پیدا کردیتے ہیں۔ جو خاص خاص افعال کے مبادی ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو وہ نفوس فی نفسہ قوی ہوتے ہیں۔ اُسپر انہوں نے ریاضتیں کرکے جب اپنے قوائے بدنیہ یعنی شہوت وغضب وغیرہ کو مقہور کیا تو انکو ان قوتوں پر غلبہ حاصل کرنے کا ملکہ ہوگیا۔ اس وجہ سے دوسرے ابدان کی قوتوں کو مغلوب کرنا بھی آسان ہوجاتا ہے۔ غرضکہ قوت ذاتی اور اکتسابی سے اُنکا یہ حال ہوتا ہے کہ جسطرح عموماً نفوس ایک جسم کے مدبر ہوتے ہیں۔ وہ اکثر اجسام عالم کے مدبر ہوجاتے ہیں۔

نفوس باوجودیکہ ماہیت میں سب یکساں ہیں۔ مگر سب کو یہ قوت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اُسکا ایک سبب یہ ہے کہ وہ باعتبار تشخصات کے

ممتاز ہیں۔ اور یہ تشخص اُسکا اصلی مزاج کی وجہ سے ہوتا ہے جو ابدان میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ مزاج ہر شخص کا جدا ہے۔ کوئی قریب باعتدال ہے اور کوئی اُس سے دور اس اختلاف امزجہ سے نفوس کی ہیئتوں میں ضرور فرق آئیگا۔ پھر جسطرح امزجہ تشخصات نفوس کی علتیں ہیں۔ اسیطرح نفوس شخصیہ کے احوال وصفات کی بھی علتیں ہیں۔ غرض کہ خاصیت مذکورہ یعنی دوسرے ابدان میں تصرف کرنا اصلی مزاج کی وجہ سے ہو گی۔ اور کبھی مزاج طاری غیر مکتسب کی وجہ سے ہو گی اور کبھی کسب واجتہاد اور ریاضت اور تزکیۂ نفس کی وجہ سے ہو گی اور یہ بات اولیاء اللہ ابرار کے نفوس میں ہوتی ہے۔ جو شدت روشنی اور ذکاوت کی وجہ سے مثل مجردات کے ہو جاتے ہیں۔

جب نفوس کی جبلت میں یہ قوت ہوتی ہے۔ اگر وہ خیّر اور رشید اور فی نفسہ مزکی ہوں تو وہ یا انبیا ہوں گے جن سے معجزات صادر ہوتے ہیں۔ یا اولیا جن سے کرامات صادر ہوتے ہیں۔ پھر اُس پر تزکیہ بھی ہو تو مقتضائے جبلت سے اس امر میں اور بھی زیادتی ہو جاتی ہے۔ اور اعلیٰ درجے کو پہنچ جاتے ہیں۔ اور اگر وہ شریر ہوں اور شر کے کام اُن سے لئے جائیں تو وہ ساحر خبیث ہیں۔ اور وہ اس درجے کی تاثیر کو نہیں پہنچ سکتے جو انبیا اور اولیا کے نفوس کو حاصل ہے۔ بعض لوگو

معجزے سے امور کو مؤثر جاننا

دیکھنے میں یہ اثر ہوتا ہے کہ جس شخص کو وہ خاص قسم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں تو وہ بیمار اور ضعیف ہو جاتا ہے۔ اُس کا سبب سوائے اس کے کچھ اور نہیں کہ اُن کے نفس میں ایک ایسی حالت ہوتی ہے جو بالخاصیت دوسرے شخص میں اثر کرتی ہے۔ یہی بات ساحر کے نفس میں بھی ہوتی ہے۔ ان امور کو وہی لوگ مستبعد سمجھتے ہیں جنہوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ دوسرے جسم میں وہی چیز اثر کریگی جو اُس سے ملے جیسے آگ کسی چیز کو جلاتی ہے یا کوئی اپنا جزو بھیجے جیسے مقناطیسی حرکت کہ اُس سے باریک باریک خیوط اور خطوط نکل کر لوہے کو لپٹ جاتے ہیں۔ اور وہ کھنچ جاتا ہے یا اپنی کیفیت کو بھیجے جیسے آتش کہ دیگ کے واسطے سے اپنا اثر بھیجکر غذا کو پکاتی ہے۔ پھر ان شروط کی بنا پر نظر بد میں کوئی کہتا ہے کہ نظر لگانے والے کے دل سے ہوائے نفسانی نکل کر مثل تیر کے لگ جاتی ہے۔ اور کوئی دوسری توجیہات رکیکہ بیان کرتے ہیں۔ مگر ہم نے جو لکھا ہے اُس میں غور کریں تو معلوم ہو کہ تاثیر کے لئے جو جسمانی شرائط لگائے جاتے ہیں وہ ساقط الاعتبار ہیں۔

امور غیبیہ اور خوارق عادات جو عالم طبیعت میں ظاہر ہوتے ہیں اُسکے تین مبادی اور اسباب ہیں ایک ہیئات نفسانیہ جسکو ہم نے بیان کیا۔ دوسرا خواص اجسام عنصریہ جیسے جذب مقناطیس جو خاص قوت سے

لوہے کو کھینچتا ہے۔ تیسرے قوائے سماویہ کہ اُن میں اور اُن اجسام ارضیہ کی مزاجوں میں جو ہیئات وضعیہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ مناسبت ہے۔ یا نفوس سماویہ اور اُن قوائے نفوس ارضیہ میں جو مخصوص باحوال فلکیہ فعلیہ یا انفعالیہ ہیں۔ مناسبت ہو۔ ان مناسبتوں کی وجہ سے آثار غریبہ حادث ہوتے ہیں۔ سحر بلکہ معجزات وکرامات بھی قسم اول میں داخل ہیں۔ اور نیرنجات قسم ثانی میں۔ اور طلسمات قسم ثالث میں داخل ہیں۔

بعض ظاہر بین فلاسفہ اور وہ لوگ جن کو حقائق علوم میں مہارت نہیں انکی عادت ہے کہ معجزات وکرامات بلکہ جو چیز خلاف عادت مالوف ہو اُس کا انکار کرتے ہیں جس سے اُن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ عام لوگوں سے ممتاز ہو جائیں اور یہ ظاہر کریں کہ ہم عوام الناس کی طرح ہر بات کی تصدیق نہیں کرتے۔ مگر یہ اُن کی حماقت ہے۔ اسلئے کہ جس چیز کا امتناع برہان سے ثابت نہ ہو اس کا انکار کرنا اس حماقت سے کم نہیں۔ جو عوام بغیر برہان کے خوارق کا اعتراف کرتے ہیں۔ اس لئے تمہیں ضرور ہے کہ ایسے امور میں توقف کیا کریں اور جب تک کوئی برہان امتناع پر قائم نہو اُسکو حیز امکان میں داخل رکھیں اور یہ سمجھ رکھیں کہ طبیعت میں عجائب وغرائب موجود ہیں اور قوائے عالیہ فاعلہ اور قوائے سافلہ منفعلہ کے اجتماع سے عجیب عجیب امور غریبہ صادر ہوا کرتے ہیں

یہ اشارات کا مضمون بلکہ تقریباً ہر فقرے کا ترجمہ ہے۔ اس میں آپ نے

دیکھ لیا کہ کس محققانہ انداز سے ہر قسم کے خوارق عادات کو شیخ نے ثابت کیا
کیوں نہو اول تو طبیعت خداداد اُس پر جمیع فنون حکمیہ میں تبحر اور ہر قسم کے
مضامین مستحضر اور یہ بھی پیش نظر کہ تحقیق حق میں کوتاہی نہو۔ اور طبیعت میں
کسی قسم کی ہٹ دھرمی نہیں جیسا کہ اس زمانے میں دیکھا جاتا ہے کہ
جو بات معلوم نہو اسکو خواہ مخواہ حیز امکان سے خارج ہی کر دیا۔ گو جہل کرب
کا الزام عائد ہو۔ غرضکہ اُس احتیاط اور تحقیق کا یہ اثر ہوا کہ آج اُن کے
اتباع کو حکمت جدیدہ کے مشاہدات سے شرمندگی اُٹھانی نہیں پڑی
بلکہ کمال افتخار کا موقع حاصل ہوا کہ ایک مدبر و تجربہ کار قوم نے ایک
مدت کی تحقیق و تفتیش کے بعد جو علم اب حاصل کیا ہے انہوں نے اپنی عقل و
فراست سے اسکو پہلے ہی معلوم کر لیا تھا۔

الحاصل اہل حکمت قدیمہ کے عقول نے معجزات اور خوارق عادات کو
مطابق عقل تسلیم کر لیا۔ اور حکمت جدیدہ نے روز افزوں مشاہدات سے
ثابت کر دکھایا کہ خوارق عادات ہر قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ اور یورپ و
امریکہ میں بیس[۲۰] رسالے ماہوار و ہفتہ وار خاص خوارق عادات سے متعلق
شایع ہوتے ہیں۔ جن میں نئے نئے مشاہدات اور خوارق لکھے جاتے
ہیں۔ اب کہیئے کہ قرآن و حدیث میں جو خوارق عادات مذکور ہیں اُن پر
دقیانوسی خیالات کے بورئے ڈالنے اور تاویلات کر کے اُن کو معدوم

خوارق عادات کے بیان کی ضرورت

سمجھنے کی کیا ضرورت بلکہ اب ضرورت اس کی ہے کہ حیرت انگیز معجزات وکرامات عام جلسوں اور مجمعوں میں بیان کیا کریں جس سے دو فائدے متصور ہیں ایک اہل اسلام کے عقائد میں اپنے دین کی حقانیت راسخ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت زیادہ ہوگی جو باعث نجات وفلاح دارین ہے۔ اور نیز اکابر اسلام اور اولیائے کرام کے ساتھ محبت پیدا ہوگی جنکے برکات وفیوض بے انتہا ہیں۔ دوسرے یہ کہ اور مذہب والوں کو اسلام کے ساتھ محبت اور رغبت پیدا ہوگی۔ ہرچند یہ فائدہ لازمی نہیں اسلئے کہ اصل معجزے کو دیکھنے والے بہت سارے کفار مشرف باسلام نہیں ہوئے تو سننے سے کیا توقع مگر ہدایت ایک امر غیبی ہے جسکے لئے منجانب اللہ شرح صدر ہوا کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام اُس شرح صدر کے لئے ظاہر اسباب میں صرف ایک حیلہ چاہیئے خواہ مشاہدہ ہو یا سماعت کسی بزرگ کا قول ہے۔ **شعر**

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کین دولت از گفتار خیزد

چنانچہ علی احمد جرجاوی مصری ایڈیٹر اخبار الارشاد نے سفرنامۂ جاپان میں لکھا ہے کہ میکاڈو شاہ جاپان نے تحقیق مذہب حق کے لئے تمام دول یورپ سے درخواست کی کہ اپنے مذہب کے

علما کو روانہ کریں۔ چنانچہ فرانس۔ انگلستان۔ اٹلی۔ امریکہ۔ جرمن۔ اور ترک کے ڈیلی گیٹ جمع ہوئے اور ماہ مارچ ۱۹۰۶ء میں کانفرنس کا جلسہ منعقد ہوا جسکے پریسیڈنٹ (صدر انجمن) خود شاہ میکاڈو تھے۔ دولت عثمانیہ کا ایک ڈیلی گیٹ کھڑا ہوا منجملہ اور تقریروں کے اُن معجزات کو بیان کیا جو قرآن میں مذکور ہیں۔ اور جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وقوع میں آئے امریکن ڈیلی گیٹ نے معجزات کو تسلیم نہ کر کے اُن میں تاویلیں کیں۔ مگر عثمانی ڈیلی گیٹ نے اُس کے جوابات اس عمدگی سے دئے کہ اہل جاپان محظوظ ہوئے چنانچہ اسلامی ڈیلی گیٹ کے قابل قدر لیکچر کی عام و خاص ہر ایک سوسائٹی میں دھوم اور اُن کی تقریر کا عام چرچا تھا۔ لکھا ہے کہ اس جلسے کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ پانچ مہینے بھی نہیں گذرنے پائے کہ اُن لوگوں کے ہاتھ پر قریب بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ جاپانیوں کے مشرف باسلام ہوئے۔ اور اُس کے نصف سے زیادہ یعنی چھ ہزار ۶۰۰۰ ہم لوگوں کے ہاتھوں پر تیس ۳۰ دن کے اندر داخل اسلام ہوئے۔

الغرض معجزات کو ماننے کی صلاحیت عقل میں نہ ہوتی تو عقلائے جاپان ان امور کے سننے پر دین اسلام کو ہرگز قبول نکرتے۔ غیرت کا مقام ہے کہ اسلام سے بیگانے تو معجزات کو سن کر ایمان لائیں۔ اور اس زمانہ میں موروثی مسلمان معجزات کا انکار کر کے مسلمانوں سے علیحدہ ہو جائیں۔

سید صاحب تہذیب الاخلاق مطبوعہ کلکتہ صفحہ (۳۱) میں لکھتے ہیں۔

انسان کے دین اور دنیا اور تمدن اور معاشرت کی حالت کو کرامت اور معجزے پر یقین یا اعتقاد رکھنے سے زیادہ خراب کرنے والی کوئی چیز نہیں انتہی

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ خدائے تعالے نے پہلے ہی سے اس قسم کے خیالوں کی بیخ کنی کردی جس پر دلیل یہ ہے کہ اپنے کلام پاک میں انبیا علیہم السلام کے معجزے اور اولیا کے کرامات بکرات ومرات بیان کئے جس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ قرآن شریف تیئیس سال میں نازل ہوا۔ جب کبھی ضرورت ہوتی آیات واحکام وقصص وغیرہ نازل ہوتے۔ اسیطرح تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد بحسب ضرورت کسی نہ کسی نبی کا معجزہ بیان ہوجاتا۔ اور کبھی بیان شدہ معجزے پھر یاد دلائے جاتے تھے تاکہ اہل اسلام کے ایمان کی تجدید ہوجائے۔ اور کفار پر وقتاً فوقتاً حجت قائم ہوتی رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کبھی اس امر کا ملال ہوتا تھا کہ باوجودیکہ تبلیغ رسالت میں اس قدر محنت شاقہ اٹھائی جاتی ہے اور معجزے دکھائے جاتے ہیں۔ اس پر بھی اکثر کفار ایمان نہیں لاتے تو حق تعالے نے حضرت کی تسلی کیلئے سورۂ ہود نازل فرمائی جس میں بہت سے انبیا کے حالات

اور اُن کے معجزے اور اُن کی قوموں کی مخالفتیں مذکور ہیں چنانچہ اس
سورت کے آخر میں ارشاد ہے وکلا نقص علیك من انباء الرسل
ما نثبت به فوادك وجاءك فی هذه الحق وموعظة و ذکری
للمومنین وقل للذین لا یومنون اعملوا علیٰ مکانتکم انی عامل
وانتظروا انا منتظرون ترجمہ اور سب بیان کرتے ہیں ہم تم سے
پیغمبروں کے احوال جس سے تسلی دیں تمہارے دل کو اور آئی تمکو
اس میں حق بات اور نصیحت اور یاد دہی ایمان والوں کو اور کہہ دو اُن لوگوں کو
جو یقین نہیں کرتے کام کئے جاؤ اپنی جگہ ہم بھی کام کرتے ہیں۔ اور منتظر
رہو ہم بھی منتظر رہتے ہیں انتہیٰ۔
اگرچہ انبیا علیہم السلام کے تمام حالات بیان کرنے سے حضرت کی
تسلی اس وجہ سے ہوئی کہ باوجود تبلیغ رسالت اور معجزے دکھانے کے
کافروں کا ایمان نہ لانا کوئی نئی بات نہیں ہمیشہ ایسا ہی ہوا کیا مگر حق تعالےٰ
کو یہ بھی منظور تھا کہ انبیائے سابق کی حقانیت بھی معلوم کراوے جس کا ثبوت
معجزات سے ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی بات وجاءك فی هذه الحق سے
مستفاد ہے اسکے بعد ارشاد ہے وذکری للمؤمنین یعنی
مسلمانوں کے لئے یاد دہی ہے۔ اس یاد دہانی پر غور کیجئے کہ معجزات کا ذکر
قرآن میں کس قدر کثرت سے وارد ہوا ہے اگر وہ آیتیں جن میں معجزات و کرامات

کا ذکر ہے شمار کئے جائیں تو معلوم ہو گا کہ ہر سال میں دس پانچ بار خدائے تعالیٰ نے اُن کا ذکر فرمایا تاکہ مسلمانوں پر منکشف اور مبرہن ہو جائے کہ خدائے تعالیٰ کو معجزات کے باب میں نہایت اہتمام مقصود ہے۔ ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز اقسام کے معجزات دکھا رہے ہیں۔ اُدھر حق تعالےٰ انبیائے سابق کے معجزوں کو بار بار ذکر فرما رہا ہے۔ پھر جو لوگ معجزات وغیرہ حالات انبیا پر ایمان نہیں لاتے اُن کو دہمکی دی گئی کہ تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں۔ قریب میں معلوم ہو جائے گا کہ حق پر کون ہے۔

الحاصل خدائے تعالےٰ نے معجزوں اور کرامتوں پر ایمان لانے اور اُن کو پیش نظر رکھنے کی ضرورت ثابت کی اور سید صاحب کہتے ہیں کہ معجزوں اور کرامات پر ایمان لانے سے بدتر کوئی چیز نہیں۔ یوں تو مقتضائے زمانے کے لحاظ سے اگر وہ صاف کہ دیتے کہ قرآن پر ایمان لانے سے بدتر کوئی چیز نہیں تو بھی اُن کو کون مانع تھا۔ مگر سچے مسلمانوں کو یہ دیکھنا چاہئیے کہ اُنکے کلام کو خدائے تعالیٰ کے کلام پاک کے مقابلے میں کیا وقعت ہے۔

افسوس ہے کہ بعض لوگ باوجود دعوائے اسلام کے سید صاحب ہی کے کلام پر ایمان لا رہے ہیں۔ اور طرفہ یہ کہ بعض اہل اسلام اگرچہ اُن کے ہم خیال نہیں مگر اُن کا بھی یہی خیال ہے کہ معجزوں اور کرامات کا وعظ میں تذکرہ کرنا فضول ہے۔ واعظ کو چاہئیے کہ ہمیشہ احکام آلہی بیان کرے۔ ان حضرات نے اسپر

واعظوں کو معجزے اور کرامات بیان کرنے کی ضرورت

غور نہیں کیا کہ ایمان جب تک مستحکم نہو کوئی عمل قابل اعتبار نہیں بلکہ عمل کا وجود بھی نہیں ہوسکتا۔ سودخواروں وغیرہ کی مجلسوں میں ہزار طرح سے بیان کیجیے کہ سود حرام ہے اور فلاں کام ممنوع ہے۔ مگر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ بخلاف اسکے جب ایمان مستحکم ہو تو خود بخود عمل کرنے پر آدمی مجبور ہو جاتا ہے۔ میری دانست میں ایسے لوگ بہت کم ہوں گے جنکو حرام چیزوں کی حرمت کا علم نہو۔ مگر عمل ندارد۔ ایسے موقع میں واعظوں کا فرض ہے کہ پہلے ایمان کو قوی کرنے کی فکر کریں۔ اور اس کی تدبیر یہی ہے کہ بزرگان دین کے حالات بیان کئے جائیں۔ تاکہ اُن کے کمالات کے مقابلے میں اپنے نقص پر نظر پڑے۔ اور دلوں میں ولولے پیدا ہوں۔ اور بفحوائے آیہ شریفہ

وکلا نقص علیك من انباء الرسل ما نثبت به فؤادك

دل میں کیفیت ثبات پیدا ہو۔ کیونکہ آدمی اپنے بزرگوں کی اولوالعزمیاں اور فضائل بسمع قبول سنتا ہے۔ اور ان میں جن کو زیادہ عالی مرتبت اور اقران میں ممتاز پاتا ہے اُن سے زیادہ محبت ہوتی ہے اُن کے سے اخلاق و اوصاف حاصل کرنے کی فکر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب وغیرہ میں جب کسی قبیلے کو اُبھارنے کی ضرورت ہوتی تو خطبا۔ شعرا۔ اور لیکچرار۔ ان کے آباؤ اجداد کی اولوالعزمیاں اور کارنامے بیان کرتے جس سے قبیلے کا قبیلہ آمادۂ جنگ ہوکر داد شجاعت دیتا۔ اسی وجہ سے وہ اپنے بزرگوں کے حالات سن کر

اُن کے قدم بقدم چلنے پر آمادہ ہو جاتے۔ اور جان کی بھی پروا نکرتے۔ کیونکہ محبت کا مقتضا یہی ہے کہ آدمی پر اپنے محبوب کی پیروی آسان ہوتی ہے اسی طرح اگر واعظین بزرگان اسلام کی اولوالعزمیاں اور کرامات مسلمانوں کے ذہن نشین کیا کریں۔ اور اُن کے اخلاق و عادات جو اُن کی ترقی مدارج اور کرامات کے باعث تھے بیان کیا کریں تو بحسب اقتضائے فطرت خود بخود اُن کو اُن اخلاق و عادات پر کاربند ہونے کی رغبت پیدا ہوگی۔ کم سے کم اس کا اثر اتنا تو ضرور ہوگا کہ اپنے افعال رذیلہ اور ضعف ایمان پر نادم ہونگے اور یہ ندامت بھی کچھ کم نہیں۔ بلکہ وہی اصل توبہ یا مقدمۂ توبہ ہے۔ الحاصل مسلمانوں کے حق میں معجزے اور کرامات کے ذکر سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ اب ہم قرآن شریف کا اتباع کر کے چند معجزات وکرامات کا بیان آئندہ کسی رسالے میں لکھینگے نئی روشنی والے حضرات ہمیں معاف فرمائیں۔ بلکہ ہم امید کرتے ہیں کہ وہ بھی اب شوق سے اُسکو ملاحظہ فرمائینگے۔ کیونکہ قدیم اور جدید دونوں قسم کے حکمانے فیصلہ کردیا ہے کہ خوارق عادات کو جو لوگ نہیں مانتے وہ احمق اور دقیانوسی خیال کے لوگ ہیں۔ جس کو ہم نے مقاصد الاسلام حصۂ دوم میں بہ تفصیل بیان کیا ہے۔

اب رہی وہ علت جو سید صاحب بیان کرتے ہیں کہ معجزے اور کرامات ماننے والے ساحروں وغیرہ کے دام میں آجاتے ہیں۔ چنانچہ کئی بدمعاشوں نے

مسلمانونکو دھوکا دیکر ایک ایک فرقہ قائم کرلیا۔ سو ایک حد تک یہ بات درست ہے۔ اس لئے کہ آدمی کو دین کے معاملے میں نہایت احتیاط کرنی چاہیئے چنانچہ اسی بنا پر مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست — پس بہر دستے نباید داد دست

مگر اس سے بھی بے دینوں کا سد باب نہیں ہو سکتا اسلئے کہ سب آدمیوں کی عقل ایکساں نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہے کہ جس کی عقل زائد ہوگی کم عقلوں کو وہ اپنا مسخر اور تابع بنا لیگا۔ جیسا کہ پولس صاحب نے عقلی طریقے سے قوم پر ثابت کر دیا کہ جتنی روشن چیزیں ہیں سب مشرق کی طرف سے نکلتی ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ مشرق منبع انوار ہے۔ اسلئے چاہیئے کہ وہی قبلہ قرار دیا جائے۔ اور سب کی عقلوں نے اُسکو مان لے کر اپنے سابق قبلے کو ترک کر دیا۔ اسی طرح اور کئی اصول دین کے مسائل میں عقلی دلائل قائم کر کے مذہب عیسویت کو تباہ کر دیا۔ جس کا حال ہم نے افادۃ الافہام میں لکھا ہے۔

حال ہی کا ذکر ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بھی یہی ثابت کیا کہ معجزے کوئی چیز نہیں۔ جسطرح سید صاحب کہتے ہیں۔ مگر عقل کی قوت سے ہزاروں مسلمانوں کو دین سے پھیر کر ایک نیا فرقہ قادیانی قائم کر لیا اسیطرح سر سید صاحب نے ایک نیچریہ جدید فرقہ قائم کر لیا۔ اور دلیل میں یہ کہا کہ خدا خود نیچری ہے۔ چنانچہ تہذیب الاخلاق مورخہ ۱۲۹۶ھ ہجری میں لکھتے

ہیں کہ خدا نہ ہندو ہے نہ عرفی مسلمان نہ مقلد۔ نہ لامذہب نہ یہودی نہ عیسائی

وہ تو پکا چھٹا ہوا نیچری ہے وہ خود اپنے کو نیچری کہتا ہے۔ پھر اگر ہم بھی

نیچری ہیں تو اس سے زیادہ کیا فخر ہے انتہیٰ۔

غرض کہ حمقا خواہ معجزوں اور کرامتوں کو مانیں یا نہ مانیں۔ ہر حالت میں اُن کی مٹی پلید ہے۔ اُن کا حال جانوروں کا سا ہے۔ کما قال اللہ تعالےٰ

اولئک کالانعام جس کا ہاتھ پڑا اُن پر سوار ہوگیا۔ اور وہ اُس کے مسخر بنگئے۔ بہرحال خدائے تعالےٰ کے کلام کے مقابلے میں سید صاحب کی مصلحت اندیشی اس قابل نہیں کہ کوئی مسلمان اُسکی طرف توجہ کرے۔

وما علینا الا البلاغ

اب ہم چاہتے ہیں کہ اس مقام پر اس حصے کو ختم کردیں۔ اگر خدا چاہا تو آئندہ بمقتضائے ضرورت دوسرے اسلامی اہم معاملات پر بحث کرینگے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ وَآخِرُ دَعْوٰنَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى وَسَلَّمَ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ فقط

بالخیر

بفضلہ ۳ جمادی الاخریٰ ۱۳۳۲ھ روز پنجشنبہ باتمام رسید۔ ۱۲ محمد وزیر مصحح اول

صحت نامہ مقاصد الاسلام حصہ ہفتم

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۴۲	۳	لیتے ہیں	لیتی ہیں	۸	۷۲	۱	بدروسے	بدر روسے
۲	۴۷	۹	جس کو	جن کو	۹	"	۴	ان کے عقلوں	ان کی عقلوں
۳	۵۵	۱۵	پہلے	پہلی	۱۰	۱۰۰	۹	مادیں	مادیین
۴	۵۹	۱۶	متعلق ہے	متعلق ہیں	۱۱	۱۱۲	۱	نجاست کی	نجاست کے
۵	۶۳	۱۰	ہم	تم	۱۲	۱۱۹	۶	وہ یہی ہے	وہ یہی ہیں
۶	۶۶	۱۳	حس دیا گیا	حس دی گئی	۱۳	۱۳۱	۱	متمثل نہیں	متمثل ہرگز ہیں متمثل نہیں
۷	۶۸	۹	بوے	پورے	۱۴	۱۶۳	۱۲	خون جمتا ہے	خوب جمتا ہے

سلسلہ اشاعۃ العلوم نمبر ۵۸

اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاِسلَامُ

ازتازہ افادات حقائق آگاہ معارف دستگاہ عارف باللہ مولانا مولوی حاجی حافظ حضرت محمد انوار اللہ خان بہادر معین المہام امور مذہبی ممالک محروسہ سرکار عالی الموسوم بہ

حصہ ہشتم

مقاصد الاسلام

باہتمام

ابو الدرجات مولانا مولوی حافظ محمد ولی الدین صاحب فاروقی الامام مہتمم اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن

در مطبع قانونی پریس حیدرآباد دکن طبع شد

۱۳۳۴ھ

دفعہ اول | قیمت | ایک ہزار جلد

فہرست مضامین مقاصد الاسلام حصہ ہشتم

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تفسیر (قل)	۱	ضرورت ترغیب وترہیب	۳۵
دریافت اصل ہر شی	۴	جنت اور دوزخ سے انکار کا منشا	۳۷
ضرورت ترک لوازم بشریت		بحث السابار	۴۱
برائے ترقی	۷	عدم امکان ہمسری مخلوق با خالق	//
تفسیر اعوذ۔	۱۷	عالم عبارت	//
انسان کے ساتھ شیطان کی دشمنی	۲۰	کلام نفسی	۴۳
پناہ میں آنے کا طریقہ	۲۱	کلام لفظی	۴۴
اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم		مثال اعیان ثابتہ	//
کی پناہ میں آیا۔	۲۲	وجود محسوس نہیں	۴۵
واعظین کو شیطان کے مکائد بیان		مرشد کے کام	۵۵
کرنے کی ضرورت	۲۴	سلطنت اسما حسنیٰ	۵۷
وعید کے پروا نکرنے کی قباحت	۲۵	ربوبیت	۵۸
چند احادیث وعید	۲۶	ربوبیت انسان سے متعلق	۶۱
اصلاح تمدن	۳۲	غذائے آنحضرت ؐ	۶۳

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
شکر مخلوق	۶۹	معنی عبودیت	۱۱۸
استقامت	۷۰	تفسیر وسواس	۱۲۰
کوئی چیز فی نفسہ بری نہیں	۷۵	تصرف شیطان در نفس	۱۲۱
جواب اہل تناسخ	۸۰	خوف الٰہی	۱۲۷
تفسیر لفظ الناس	۸۴	لذت گناہ	۱۳۷
تصغیر اسماء	؍؍	اعلیٰ درجہ کا شکر	۱۳۸
تفسیر ملک	۸۷	فرق خلق و فعال و ارتکاب افعال	؍؍
سلطنت نفس ناطقہ	؍؍	بری چیز کی تخلیق بری نہیں	۱۴۲
بروقت تعجب کیفیت کا پیدا ہونا	۹۸	برائی کسی چیز کی ذات میں نہیں	؍؍
تفسیر لفظ (اللہ)	۱۰۵	سید الاستغفار کے معنی	۱۴۳
خدا تعالیٰ کی پناہ	۱۰۶	تفسیر لفظ خناس	۱۴۴
الوہیت عامہ	۱۰۷	شیطان سے ڈرنا چاہیے	؍؍
تفسیر لفظ (شر)	۱۰۸	نفس وسوسہ کوئی بری چیز نہیں	۱۴۷
اسباب	۱۱۱	توبہ	۱۵۴
عداوت شیطان	۱۱۴	توبہ اور بیعت	۱۶۰
مکائد شیطان	۱۱۶	اثر بیعت	۱۶۲

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عدم ضرورت عبادات	۱۶۳	سرقہ جسم انسانی	۱۹۰
موصول صلہ	۱۶۸	اولیاء کا وقت واحد میں متعدد مقامات میں رہنا۔	۱۹۳
مراقبہ	۱۷۰	پل صراط کا باریک اور ایک ادمی سونا	۲۰۰
اثر افعال بر نفس	۱۷۳	عادت وخلاف عادت	۲۰۱
گناہ میں دو جہتیں ہیں	۱۷۴	درازی عمر جن	۲۰۵
توبہ سے حق العباد معاف نہیں ہوتا	۱۷۵	تاثیر اسماء وغیرہ در جن	۲۰۷
صدر	۱۷۷	غوث الثقلین رضی اللہ کی سلطنت	۲۱۳
حقیقت ہر ایک چیز	//	خیال منفصل	۲۲۱
جسم انسانی انسان کا غلاف ہے	//	کرامات اولیاء اللہ	//
سماع موتیٰ	۱۷۸	مسئلہ وحدۃ الوجود	۲۵۴
قبر میں مردہ کو اٹھا کر اس سے سوال	۱۸۹	مسئلہ خلق افعال	۲۶۷
ایمان واحسان میں اسلام کی ضرورت	۱۸۴	برقی روشنی	۲۸۵
تفسیر الجنۃ	۱۸۵		
پیدائش جن	۱۸۶		

——(پ)——

صحتنامہ مقاصد الاسلام

حصہ ہشتم

صحتنامہ مقاصد الاسلام حصہ ہشتم

غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر
ماتیلفظ	مایتلفظ	۴۲	۱۷	فرماتے	فرماتے ہیں	۱۴۴	۱۵
ہوالذی	ان اللہ	۵۴	۱۶	قسم	قسم کا	۲۲۹	۹
عبادی	عبدی	۶۰	۵	شخص	شخص ہوسے	۲۲۷	۱۲
نے	×	۶۹	۲	غرض نے	غرض سے	۲۲۹	۶
شاہدہ	مشاہدہ	〃	۱۰	لڑنے کی	لڑکی	۲۳۰	۶
تنہا	انتہا	۷۷	۱۱	ھکت	بھگت	۲۴۱	۱۶
ان کی	اس کا	۸۳	۱۴	حس	حسن	۲۴۴	۵
غنی	الغنی	۱۰۶	۵	حسن نے اون سے	حسن نے اون کو	〃	۱۲
ایسا	ایسے	۱۱۷	۱۷	سرسے پاون کو	سرسے پاوں تک	۲۶۵	۱
انقادا	انقاد	۱۲۶	۹	اورکات	ادراکات	۲۶۸	۱۱
الی	انی	۱۳۰	۴	مذکورد	مذکورہ	۲۶۱	۵
〃	〃	〃	۹	وجود	وجود	〃	۸
روح	روح اللہ	۱۳۵	۵				
جب کہ	جیسا کہ	۱۴۲	۱۳				

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی

سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اَمَّا بَعْد سورۂ ناس سے متعلق چند اشارات و مضامین ہدیۂ طلبا کئے جاتے ہیں۔ اگر غور و فکر سے اس کو دیکھیں تو غالباً اس امر کی صلاحیت پیدا ہوگی کہ تعمق نظر سے مضامین پیدا کرسکیں۔

قُل

علمائے صرف نے تصریح کی ہے کہ قُلْ اجوف ہے۔ اور اجوف اُسے

کہتے ہیں جس کے جوف یعنی بیچ میں حرفِ علّت ہو یہاں یہ پریشانی ہوتی ہے کہ قُل کے کل دو حرف ہیں۔ پہلا قاف اور دوسرا لام۔ اس میں جوف ہی نہیں تو جوف میں حرفِ علّت کیسا۔ اگر بدوؤں سے کہا جائے کہ قُل کے اندر تیسرا حرف بھی ہے اور وہ حرفِ علّت ہے تو باوجودیکہ وہ عرب ہیں۔ مگر بادیہ کے رہنے والے ہیں اس کو ہرگز قبول نہ کریں گے۔ اور یہی کہیں گے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد سے قُل کے دو ہی حرف سُنتے آئے ہیں۔ یہ تیسرا حرف کہاں سے آگیا۔ اگر ان کے مقابل میں صرفی دلائل قائم کئے جائیں تو وہ سب کا ایک ہی جواب دیں گے کہ قَدْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلٰی هٰذَا وَإِنَّا عَلٰی آثَارِهِمْ مُقْتَدُوْنَ۔ یعنی ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو اسی پر پایا ہے اور ہم اُنہی کی پیروی کریں گے۔ پھر اگر کچھ زیادہ کہا جائے تو چونکہ بادیہ کے رہنے والے یعنی جنگلی ہیں ضرور لڑائی ہو جائے گی۔ غرضکہ وہ کبھی نہ مانیں گے کہ قُل کے باطن میں بھی کوئی حرف ہے۔ بات یہ ہے کہ سُنتے سُنتے اور دیکھتے دیکھتے آدمی کی نظر محسوسات پر ایسی جم جاتی ہے کہ باطن پر پڑتی ہی نہیں اگر آدمی کو موت نہ ہوتی تو کبھی خیال نہ آتا کہ جان بھی کوئی چیز ہے۔ جب آدمی دیکھتا ہے کہ باتیں کرتے کرتے یکبارگی ایسی حالت اُس پر طاری ہوگئی کہ دیکھنا۔ سُننا۔ چلنا۔ پھرنا۔ بات کرنا۔ موقوف ہوگیا اور اس قابل ہوگیا کہ زمین میں چھپا دیا جائے تو اُس وقت یہ خیال ہوتا ہے کہ کوئی چیز اس میں ایسی ضرور تھی جس کے نکل جانے سے یہ سب باتیں جاتی رہیں۔ اور جب تک وہ چیز اس میں

تھی یہ کارخانہ انسانیت کا قائم تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ظاہری انسانیت کا مدار ایک باطنی چیز پر تھا۔ پھر اس باطنی چیز کا نام کسی نے روح رکھا کسی نے جان وغیرہ۔ ہر قوم کے عقلا جن کی نظر آثار سے ترقی کر کے موثر تک پہنچی انہوں نے اس باطنی چیز تک نظر بڑھا کر کچھ نہ کچھ اس کا نام رکھ ہی لیا ورنہ جو لوگ بہائم سیرت تھے ان کو تو اس کی بھی خبر نہیں ہوتی کہ کسی چیز کے آنے سے آدمی زندہ اور اس کے جانے مردہ ہو جاتا ہے۔ ان کو اس تشخیص کی مصیبت اٹھانے سے کیا تعلق ان کو تو جانوروں کی طرح کھانا پینا ملگیا تو عید ہوگئی اور نہ ملا تو اس کی تلاش کی فکر ہے۔

غرضکہ لفظ قُلْ کو اجوف کہنا اور اس کے اندر ایک حرف علت کا ماننا سمجھ میں نہیں آتا تھا مگر جو عقلا تھے انہوں نے دیکھا کہ قُلْ کے معنی کہہ کے ہیں جو امر کا صیغہ ہے اس میں بھی قاف اور لام ہے اور قَالَ یَقُولُ قَائِلٌ وغیرہ میں بھی یہی قاف ولام ہیں مگر ان کے ساتھ کوئی دوسرے حروف بھی ہیں تو ان کی عقل نے گواہی دی کہ قُلْ میں بھی کوئی حرف ضرور تھا جو کسی وجہ سے حذف ہو گیا۔ اب انہوں نے غور کیا کہ قَالَ میں (الف) ہے اور قِیْلَ میں (ی) اور قَوْلٌ میں (واؤ) ان میں سے کونسا حرف اس میں ہوگا پہلے اصل کو تلاش کرنے کی ضرورت ہوئی۔ دیکھا کہ ماضی کے معنی کہا اور اسم فاعل کے معنی کہنے والا اور اسی طرح ہر صیغہ کے معنی میں کہنے کے معنی کے ساتھ کوئی اور زیادتی بھی ہے۔ اس سے معلوم کیا کہ کہنا جس کے معنی ہیں وہی اصل ہے یعنی قول

اسی کو مصدر اور سب کا اصل قرار دیا اس وجہ سے کہ ایک ایک اعتبار سے اُس کے نام بدلتے گئے وہی قول خاص خاص وضع کے لحاظ سے ماضی۔ مضارع امر۔ نہی۔ اسم فاعل۔ اسم مفعول۔ صفت مشبّہ۔ ظرف۔ اسم تفضیل وغیرہ بنتا گیا جس سے معلوم ہوا کہ مصدر ایک ایسی چیز ہے کہ سب میں دائر وسائر ہے۔ چونکہ مصدر میں واو تھی اس وجہ سے یقینی طور پر حکم لگا دیا کہ قَالَ میں بظاہر الف ہے مگر در اصل وہ بھی واو تھا۔ کسی وجہ سے وہ واو اس مقام خاص میں بشکل الف نمایاں ہوئی۔ اور قِیْلَ میں اگرچہ (ی) ہے مگر وہ بھی واو ہی تھی جو کسی وجہ سے بشکل (ی) نمایاں ہوئی۔ جاہل جہاں قَالَ میں الف اور قِیْلَ میں (ی) دیکھتا ہے۔ عالم وہاں قَوْلٌ کی واو خیال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ظاہراً کچھ بھی ہو مگر باطن میں واو ہے۔

ہر چیز کی اصل دریافت کرنی ایک مشکل کام ہے۔ جب تک خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نہ ہو کوئی اصل تک نہیں پہنچ سکتا۔ دیکھئے عالم کی اصل یعنی موجد مقرر کرنے میں کیسے کیسے عقلا حیران ہیں کوئی کہتا ہے اصل کچھ بھی نہیں یہ سب یوں ہی بخت و اتفاق سے کام چل رہا ہے کوئی کہتا ہے کہ مادہ اصل ہے جس کے انقلابات سے یہ صورتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ مگر جن کو خدائے تعالیٰ نے ہدایت کی وہ جانتے ہیں کہ یہ سب مخلوق ہیں جب تک کوئی مستقل وجود نہ ہو جس میں تمام صفات کمالیہ موجود ہوں۔ مثلاً علم قدرت

ارادہ وغیرہ کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی۔

مصدر کو آپ جانتے ہیں کہ ظرف ہے یعنی ہمارے مصدر افعال اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مصدر یعنی قول کے اندر کل مشتقات یعنی قَالَ یَقُوْلُ وغیرہ بھرے ہوئے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ قَوْلٌ ہی سے ان تمام افعال کا صدور رہوا اور باوجودیکہ قَالَ یَقُوْلُ قَائِلٌ وغیرہ کے اشکال باہم ممتاز ہیں ان سب کا صدور مصدر سے ہے جیسے کُل افعال کا صدور روح سے ہوتا ہے اگر روح نہ ہو تو چلنا ہو نہ پھرنا نہ دیکھنا نہ سننا اس سے ظاہر ہے کہ کل افعال کا مصدر روح ہے یعنی جتنے افعال کی شکلیں ہمارے اعضائے ظاہری سے دیکھی جاتی ہیں مثلاً چلنے کے وقت ہمارے جسم میں ایک ایسی ہیئت پیدا ہوتی ہے جو بیٹھنے کے وقت نہیں ہوتی۔ ان سب کا مصدر وہی روح ہے پھر روح بھی آخر ایک مخلوق چیز ہے جب تک اس کا مصدر نہ ہو عالم شہادت میں اس کا ظہور ممکن نہیں۔ کیونکہ بغیر مصدر کے کسی چیز کا صدور و ظہور نہیں ہوسکتا۔

غرضکہ جس طرح عقلاء لفظ قُل سے اس کے مصدر تک پہنچ گئے اسی طرح مخلوقات کو دیکھکر خالق تک پہنچ گئے اور جس طرح قُل کے باطنی واؤ کو یقینی طور پر مان لیا یہاں تک کہ اگر اس کے وجود پر قسم کھانے کو کہا جائے تو تعجب نہیں کہ عالم قسم کھا کر کہے کہ بیشک حرف علت یعنی واؤ قُل میں ضرور ہے اور قُل مُعتَل ہے۔ اسی طرح عقلمند قسم کھا کر کہیگا کہ خدائے تعالے جسکو علت العلل بھی

ایک اعتبار سے کہہ سکتے ہیں موجود ہے گو نظروں سے غائب ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ قَوْلٌ سے قُلْ کس طرح بنا سو پہلے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ زمانۂ ماضی بہ نسبت حال و استقبال کے مقدم ہے اور مصدر بھی تمام مشتقات پر مقدم ہے۔ اس مناسبت سے ضرور تھا کہ فعل ماضی مصدر سے صادرِ اوّل ہو۔ ہرچند مصدر میں کوئی زمانہ نہیں بلکہ اُس کو جو نسبت ماضی کے ساتھ ہے وہی حال و استقبال کے ساتھ بھی ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ تقدّم کی وجہ سے ماضی کو جو اُس کے ساتھ نسبت ہے وہ مضارع کو نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خاص نسبت خالق عزّ و جلّ کے ساتھ ہے دوسرے کو نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ آپ صادرِ اوّل ہیں جو اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے۔ اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَکُلُّ شَیْءٍ مِنْ نُوْرِیْ۔

حدیث انا من نور اللہ

اسی اصل مصدر سے پہلا صادر فعل ماضی ہے جس میں کچھ زیادتی ہو کر مضارع بنا۔ غرضکہ قَالَ سے مضارع یَقُوْلُ بنا اور مضارع سے قُلْ امر۔ اس لئے کہ امر میں بھی وہی زمانۂ حال اور استقبال ہے۔ شاید تدقیق نظر سے یہاں پر یہ خیال کیا جائیگا کہ جس زمانے میں حکم کیا جاتا ہے اُس وقت فعل وجود میں نہیں آ سکتا بلکہ اُس کے بعد مخاطب اُس کام کو وجود میں لاتا ہے۔ اس لئے امر میں زمانۂ حال نہیں ہو سکتا سو اس کو یوں دفع کرنا چاہیے کہ یہ خارجی سبب ہے کیونکہ جب تک امر کا صیغہ ختم نہ ہولے مخاطب امتثال نہیں کر سکتا۔ مگر اس کو وضع میں

کوئی دخل نہیں۔ بسا وقت متکلّم کو یہ منظور ہوتا ہے کہ فوراً وہ کام کیا جائے اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ قصد متکلّم کے لحاظ سے وہ زمانہ حال ہی سمجھا جائے گا گویا متکلّم اُس کو یہ کہہ رہا ہے کہ یہ کام ابھی کر۔ غرضکہ مضارع اور امر میں مناسبت ہونے کی وجہ سے امر مضارع سے بنایا گیا۔ اس طور پر کہ پہلے علامت مضارع حذف کی گئی کیونکہ اب وہ امر بننے والا ہے۔ اگر پہلے لوازم و خصوصیات باقی رہیں تو کوئی چیز نہیں بن سکتی۔ اسی وجہ سے اگر کوئی شخص کمال حاصل کرنا چاہے تو اُس کو ضرور ہوگا کہ اپنی حالت سابقہ کے لوازم و آثار کو دور کر دے مثلاً طالب علم اگر عالم بننا چاہے تو جتنے لوازم و آثار جہالت کے ہیں۔ جیسے تضئیع اوقات۔ سُستی۔ کاہلی۔ خود پسندی وغیرہ جب تک ترک نہ کر دے عالم نہیں بن سکتا۔ جس طرح تَقُوْلُ کا (ت) جو لوازم مضارع سے ہے۔ جب تک دور نہ کیا جائے وہ امر نہیں بن سکتا۔ اسی پر ہر قسم کے ترقیات کو قیاس کر لیجئے مثلاً جب تک لوازم و رسوم بشریت فنا نہ ہوں مَلَکیت میں گذر ممکن نہیں۔

الغرض تَقُوْلُ کا (ت) امر بنانے کے لئے حذف کیا گیا ہے۔ اب رہگیا قُوْلُ مگر یہ خیال نہ کیا جائے کہ اب وہ مصدر بن گیا اس لئے کہ فرع اپنی اصل نہیں بن سکتی اور قطع نظر اُس کے اس قول کا تو پڑھنا ہی ممکن نہیں۔ کیونکہ ابتدا بالسکون محال ہے۔ اس پر کھلی دلیل یہ ہے کہ جب تک ہم عدم میں تھے ساکن تھے کسی قسم کی حرکت ہم میں نہ تھی۔ پھر جب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ہم وجود میں آئیں

تو کنؔ کا ارشاد ہوا جس سے ہم میں ابتدا اگر کسی قسم کی حرکت پیدا ہوتی پھر پیاپے حرکات شروع ہوگئے کہ آج عاقہ بائل مضغہ وغیرہ یہاں تک کہ پورے انسان بن گئے اگر وہ ابتدائی حرکت نہ ہوتی اور سکون ہی سکون ہوتا تو ہم اس درجہ تک کبھی نہ پہنچ سکتے۔

الغرض ابتدا بسکون ہونے کی وجہ سے صیغۂ امر کا وجود ممکن نہ تھا اس لئے کہ اس کے پہلے ایک متحرک حرف لانے کی ضرورت ہوی اور وہ حرف ایسا تجویز کیا گیا کہ عالم حروف یعنی منہ میں سب سے پہلے اس کا وجود ہو جو حلق کے انتہائی حصے سے نکلتا ہے۔ جس طرح ابتدا بسکون محال ہونے کی وجہ سے ممکن نہ تھا کہ قُولُ ظہور میں آئے۔ اسی طرح عالم جو سکون عدم میں تھا بوجہ سکون ممکن نہ تھا کہ موجود ہوسکے۔ اس لئے پہلے اُسی عالم میں سے ایک مقدس ذات کو متحرک فرمایا یعنی ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک کو جس کو تمام عالم پر ایسا تقدم ہے جیسے ہمزہ کو عالم حروف پر اگر ہمزہ قُولُ کے پہلے نہ لایا جاتا تو قُولُ کا عالم حروف میں ظہور محال تھا اسی طرح اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک متحرک نہ ہوتا تو عالم کا ظہور محال تھا جیسا کہ حدیث شریف لولاک لما خلقت الافلاک میں ظاہر ہے۔ اور جس طرح ہمزہ کی کوئی شکل نہیں جیسا کہ کتب صرف میں مصرح ہے کہ کبھی بشکل واؤ لکھا جاتا ہے اور کبھی بشکل یا وغیرہ اسی طرح اُس مقدس نور کی کوئی شکل نہیں جیسا کہ اس حدیث شریف سے

مستفاد ہے اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَکُلُّ شَیْئٍ مِنْ نُوْرِیْ - غرضکہ اس متحرک ہمزہ نے گویا صیغۂ امر کو وجود بخشا جس طرح اُس مقدّس نور نے عالم امکان کو - بہرحال اب وہ لفظ اُقْوُلُ بنا - مگر چونکہ واوُ خود دو ضمّوں سے بنتی ہے اس لئے ضمّہ اس پر ثقیل تھا ماقبل کو نقل کرکے دیا گیا اب وہ اُقُوْلُ ہوا - چونکہ متکلم کو حکم کرنے کے وقت یہ جلدی ہوتی ہے کہ مخاطب اس کام کو جلد بجالائے اس جلدی کا یہ اثر ہے کہ وہ اتنا بھی گوارا نہیں کرتا کہ صیغۂ امر کے آخر میں حرکت باقی رہے کیونکہ حرکات زبر - زیر - پیش ہیں اور یہ بھی چھوٹے حروف ہیں اس لئے کہ دو زبر کا الف اور دو پیش کی واوُ اور دو زیر کی یا ہوتی ہے - متکلم کا مقصود امر وقت یہی ہوتا ہے کہ جہانتک ہوسکے کلمہ مختصر ہو جائے - اور آپ ساکت اور ساکن ہو کر مخاطب کو متحرک کردے - اس لئے آخر کلمہ کی حرکت کو اور جو حروف کہ حرکت کے امتداد سے پیدا ہوتے ہیں یعنی الف اور واوُ اور یا کو دور کرکے کلام کو جلد ختم کردیتا ہے - جب وضعِ امر سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ امر کے وقت متکلم کا یہ مقصود ہوتا ہے کہ امتثال امر میں دیر نہ ہو - تو جو عُقلا ہیں امتثال امر میں بہت جلد مصروف ہوجاتے ہیں - خصوصاً اُن لوگوں کے امتثال امر میں جن کے حکم کو قابل امتثال سمجھتے ہیں - اسی وجہ سے عملہ میں جو لوگ عقلمند ہوتے ہیں وہ اپنے حاکم بالادست کا امر ہوتے ہی فوراً اُس کی تعمیل کرتے ہیں اور حکّام کی نظروں میں بھی ایسے ہی لوگ باوقعت اور قابل ترقّی ہوتے ہیں -

جب حکام مجازی کے احکام بجالانے کا یہ حال ہو تو اَحْکَمُ الْحَاکِمِین کے حکموں کی تعمیل میں کس قدر جلدی کرنی چاہیئے۔ اور جو لوگ اُن احکام کو عمدگی اور سرگرمی سے بجالاتے ہیں اُن کے مدارج کی ترقی کس درجہ ہوتی ہوگی۔

الحاصل اس ضرورت سے امر کے آخر میں سُکون آگیا اب اُقْوُلْ بنا۔ دو ساکن ایک جگہہ جمع ہوئے۔ ایک ساکن حذف کیا گیا کیونکہ دو ساکنوں کے ملنے سے کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اگر ایک ساکن ہو اور دوسرا متحرک ہو تو متحرک کے طفیل میں ساکن بھی کچھ کرلے گا جس طرح نابینا دیکھنے والے کے طفیل میں منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے اور اگر دونوں اندھے اور راستہ سے ناواقف ہوں تو کبھی نہیں پہنچ سکتے

آپ جانتے ہیں کہ عدم میں جتنی چیزیں ہیں خواہ وہ ذوات ہوں یا افعال ان کو کسی قسم کی حرکت نہیں۔ سب کے سب عدم آباد میں ساکن ہیں جو خدائے تعالیٰ کی پیش نظر ہیں جب تک اُن کو قادرِ مطلق کُنْ کہکر حرکت نہ دے کبھی حرکت اُن کو نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حق تعالےٰ جو خالق عالم ہے اُس نے خبر دی ہے کہ جب کسی چیز کو ہم پیدا کرنا چاہتے ہیں تو اُس کو کُنْ کہدیتے ہیں اور وہ وجود میں آجاتی ہے کما قال تعالیٰ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنَاہُ اَنْ نَقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ہے اس سے ظاہر ہے کہ عدم سے وجود میں لانے کی تحریک قدرت سے ہوتی ہے۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ بندے کی قدرت خود بالذات موجود نہیں اس لئے کہ خود بندہ ہر حال میں خالق کا محتاج ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰہِ تو ہُس کی

حرکت بغیر تحریکِ خالق کے کیونکر ہو سکے۔ غرضکہ بندے کی قدرت بھی ساکن ہے اور معدومات بھی ساکن اس لئے عقلا ایک ساکن کو یعنی بندے کی قدرت کو حذف کر دیتے ہیں کیونکہ التقائے ساکنین سے کوئی چیز وجود میں نہیں آسکتی اور بندے کو صرف کاسب اور خدائے تعالیٰ کو خالق افعال سمجھتے ہیں۔ غرضکہ التقائے ساکنین سے واؤ گر گئی اور اُقْلُ ہوا چونکہ قاف متحرک ہو چکا تھا اس لئے اب ہمزہ کی ضرورت نہ رہی اور وہ بھی حذف کر دیا گیا اور قُل باقی رہ گیا۔

اگرچہ یہ تقریر بظاہر دل لگی سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ صرفی مباحث میں الٰہیات و اخلاقی مسائل کی جوڑ لگا دی گئی ہے مگر اہل بصیرت جانتے ہیں کہ ہمارے دین میں ایسے امور کی تعلیم دی گئی ہے چنانچہ اس آیۂ شریفہ سے مستفاد ہے فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ دیکھئے کل عقلمندوں اور اہل بصیرت کو عبرت حاصل کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ جن کی نظر اُصولِ لغت پر ہے وہ جانتے ہیں کہ جس لفظ میں (ع ب ر) ہو اس میں عُبور اور تجاوز کے معنی ضرور ہونگے۔ دیکھئے معبرہ گذر کو کہتے ہیں جہاں آدمی ٹھیر نہیں سکتا اور عُبور کے معنی اُس پار اُتر جانے کے ہیں۔ اسی طرح عرب کا نام بھی عرب اس وجہ سے رکھا گیا کہ وہ ایک جگہہ مقیم نہیں رہتے تھے اسی طرح کل تقالیب میں تجاوز کے معنی ہیں۔ اب اعتبار کی حقیقت پر غور کیجئے کہ وہ کیا چیز ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ قرآن شریف میں قارون۔ فرعون۔ ہامان۔ شداد۔ نمرود۔ بنی اسرائیل وغیرہ اشخاص واقوام کے

بہت سے قِصّے مذکور ہیں اور یہ بھی ہر عاقل جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی شان نہیں کہ گذشتہ لوگوں کے قِصّے کہانیاں بیان کرے بلکہ کلامِ الٰہی کی شان یہ ہے کہ جو بات ہو اس میں بندوں کی ہدایت اور بہبودی دارین رکھّی ہو۔ اس سے یہ ماننا پڑے گا کہ جتنے قِصّے قرآن شریف میں مذکور ہیں سب سے مقصود یہی ہے کہ اس قسم کے کام اگر ہم بھی کریں تو ہمارا انجام وہی ہوگا جو اُن کا ہوا ہے اس سمجھ کا نام عبرت ہے۔ پس اس سے یہی ثابت ہوا کہ جو واقعہ سنا جائے اُس سے عُبور کرکے دوسری طرف نظر ڈالی جائے اور ایک نیا مضمون پیدا کیا جائے مثلاً قارون کے قِصّے سے یہ عبرت ہونی چاہیئے کہ جو شخص مال کے ساتھ اتنی محبّت رکھے اور دین کے کاموں میں اُس کو صرف نہ کرے تو اُس کا انجام ہلاکت اور عذاب ہے غالباً ایسے لوگ بھی ہونگے کہ تمام قرآن کے قِصّے پڑھتے اور بار بار واعظوں سے سُنتے اور کتابوں میں دیکھتے ہونگے مگر حاتم طائی وغیرہ کے فرضی قِصّوں سے زیادہ دلچسپی اس میں اُن کو نہیں ہوتی ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے قِصّے اور فرضی قِصّے صرف دلچسپی کے لحاظ سے سُنے جاتے ہیں اگر قارون کا قِصّہ مثلاً عبرت کی نظر سے سنا جائے تو ممکن نہیں کہ اہلِ ایمان کو مال کے ساتھ ایسا تعلق رہے کہ دینی امور میں نہ صرف کریں۔ اسی طرح فرعون وغیرہ کے قِصّوں سے اگر عبرت حاصل کی جائے تو آدمی متّقی ہو جائے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

آنچہ در فرعون بُود آں در تو ہست	لیک اژدرہات محبوسِ تو ہست
اے دریغ آں جملہ احوال تو ہست	تو براں فرعون بر خواہیش بست
آنچہ گفتم جملگی احوالِ تست	خود نہ گفتم صد یکے زانہا درست
گر ز تو گویند وحشت زایدت	ور ز دیگر آں فسانہ آیدت

حاصل یہ کہ صفاتِ فرعون وغیرہ آدمی میں موجود ہیں آدمی کو چاہیئے کہ ان سے پرہیز کرے ورنہ انہیں سزاؤں کا مستحق ہوگا جو ان لوگوں کو دی گئی تھیں۔ ایک بزرگ راستہ سے جارہے تھے سُنا کہ ککڑی بیچنے والا کہہ رہا ہے اَلْخِیَارُ بِعُشْرَۃٍ یعنی ککڑی ایک پیسہ کو یہ سنتے ہی اُنکی حالت متغیّر ہوئی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ بیہوش ہوکر گر پڑے دیر کے بعد جب ہوش آیا اور لوگوں کو دیکھا کہ بیہوشی کی وجہ تلاش کر رہے ہیں فرمایا کہ جب اُس شخص سے میں نے سُنا کہ باآواز بلند برسرِ بازار کہہ رہا ہے کہ خیار ایک پیسہ کو تو میرے خیال میں یہ بات جمی کہ خیار یعنی اچھے لوگوں کی جب یہ حالت ہو تو شرار کو کون پوچھے اپنی اعمال کا نقشہ میرے پیش نظر ہو گیا جس سے میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکا اور بے ہوشی طاری ہوگئی۔ دیکھئے اَلْخِیَارُ بِعُشْرَۃٍ سے وہ حضرت عبور کر کے کہاں پہنچ گئے۔ حالانکہ دونوں میں سوائے لفظی مناسبت کے کوئی معنوی مناسبت نہیں۔ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

نہ گویند از سرِ بازیچہ حرفے
کزاں پندے نہ گیرد صاحب ہوش

لطائف اشرفی میں لکھا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ نے ایک روز ناقوس کی آواز سنی لوگوں سے پوچھا کیا جانتے ہو کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ لوگوں نے عرض کی نہیں۔ فرمایا یہ کہتا ہے سُبْحَانَ اللہِ حَقًّا حَقًّا اِنَّ الْمَوْلٰی یَبْقٰی۔

یہ بات تو معلوم ہوئی کہ قَوْل مصدر ہے اسی سے تمام صیغے بنتے ہیں۔ مگر یہ نہیں معلوم ہوا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ مصدر کے ساتھ ایک خاص نسبت متعلق ہو جاتی ہے جس سے خاص معنی پیدا ہوتے ہیں جو نام کے بدلنے کے باعث ہوتے ہیں مثلاً قَوْل کے معنی (کہنا) ہیں اس کے ساتھ یہ نسبت لگی کہ کہنا زمانہ گذشتہ میں واقع ہوا۔ اس کا نام ماضی ہوا اور اُس کے لئے صورت بھی ایک خاص قسم کی پیدا ہوئی یعنی قَالَ۔ غرضکہ قَالَ وہی قَوْل ہے جس کے ساتھ نسبتِ مذکورہ ہے اور اُسی قَوْل میں جب یہ نسبت ملحوظ ہوئی کہ حال و استقبال میں اس کا وقوع ہے تو اُس کا نام مضارع ہوا اور صورت یَقُوْلُ بنی جس کا مطلب یہ ہوا کہ یَقُوْلُ صرف قَوْل ہے مگر نسبت مذکورہ کے لحاظ سے۔ علیٰ ہذا القیاس قَائِلٌ میں بھی وہی قَوْل ہے جس کے ساتھ یہ نسبت ملحوظ ہے کہ قَوْل کو کسی شخص کے ساتھ خاص قسم کی نسبت ہے کہ قَوْل اس میں پایا جا رہا ہے جس سے معنی مَنْ لَہُ الْقَوْلُ کے صادق آتے ہیں۔ بہر حال جتنے مشتقات ہیں سب میں وہی قَوْل دائر اور سار ہے۔ گو صورتیں جُدی جُدی ہیں۔ اب اگر کہیے کہ قَوْل کا ظہور قَالَ یَقُوْلُ وغیرہ میں ہوا اور وہ مصدر کے مظاہر ہیں تو بے موقع

نہ ہوگا کیونکہ آخر مصدر رہی ہیں وہ تمام نسبتیں ملحوظ ہیں جو یہ تمام صورتیں پیدا کرہی ہیں اب اگر ان نسبتوں کو دیکھئے تو نہ قول کی ذات میں داخل ہیں نہ مشتقات کی ذاتوں میں کیونکہ نسبت غیر مستقل چیز ہے جو منتسبین کے درمیان ہوتی ہے حالانکہ مشتقات مستقل صیغے ہیں۔ مگر ہوا یہ کہ نسبت غیر مستقلہ نے ان کی مستقل صورتیں بنادی اسی قسم کی تقریر کلیات میں بھی ہوسکتی ہے۔ مثلاً حیوان فی حدِ ذاتہٖ ایک ہے اس میں کسی قسم کی کثرت نہیں۔ کیونکہ معنی سے صاف ظاہر ہے کہ جب اس کا اطلاق ہوگا ایک ہی شخص پر ہوگا اگر دو پر اطلاق ہو تو حیوانان اور کثیر پر ہو تو حیوانات کہیں گے۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ حیوان کے ساتھ جو فصول لگتے ہیں وہ اس کے اوصاف ہیں یا کوئی مستقل چیزیں ہیں۔ یہ ہرگز سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ مستقل چیزیں ہیں بلکہ ظاہر ہے کہ نطق مثلاً ایک صفت ہے جس طرح علم وغیرہ اسی طرح ہندی رومی وغیرہ بھی صفات ہیں۔ غرضکہ کوئی صفت داخلِ نفسِ شئے نہیں ہوسکتی۔ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ نطق و سمع و علم وغیرہ صفات ہیں تو کیا وجہ کہ نطق تو انسان کی ذات میں داخل ہو اور علم وغیرہ اُس سے خارج رہیں۔

بہر حال حیوان ایک چیز ہے اس کے ساتھ کبھی نطق کا لحاظ ہوتا ہے۔ کبھی دوسرے صفات کا اور جس صفت کا لحاظ ہوگا ایک نام اُس پر آجائے گا۔ مثلاً نطق کا لحاظ ہوگا تو اُس کو آدمی کہیں گے۔ اور اس صفت کا مدار ایک نسبت پر ہوگا۔ مثلاً علم ایک خاص نسبت ہے جو عالِم و معلوم کے درمیان ہے جس کی

وجہ سے ایک کو عالم اور دوسرے کو معلوم کہتے ہیں۔ اسی طرح حیوان اور نُطق میں ایک خاص نسبت ہے جس کی وجہ سے اُس کو ناطق کہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے سے جانور۔ لکڑی۔ پتھر بات کرتے تھے یہی نسبت اُن میں پائی گئی اس لئے اُن پر بھی ناطق کا اطلاق ہوا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گو نُطق صفت ہے مگر اُسی وقت تک کہ آدمی بات کرتا ہے اور جب بات کرنا موقوف کرکے کسی کی بات سُننے لگا تو اُس کو سامع کہیں گے علیٰ ہذا القیاس دوسرے صفات۔ اب وقت واحد میں صرف اس لحاظ سے کہ کسی وقت اس نے بات کی تھی یا سُنی تھی اُس کو ناطق اور سامع کہنا مجازاً ہوگا حقیقۃً ناطق اُسی وقت سمجھا جائے گا کہ جب بات کر رہا ہو۔ کلام اِس میں تھا کہ قول واحدِ شخصی ہے جو قَالَ یَقُوۡلُ قَائِلٌ وغیرہ میں ظہور کر رہا ہے مگر یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ جس طرح پانی کوزے وغیرہ میں ہوتا ہے اُسی طرح قول ماضی وغیرہ میں ہے۔ اس لئے کہ کوزہ مستقل چیز ہے اور پانی بھی مستقل ہے۔ ایسی صورت کو حلول کہتے ہیں۔ اور یہاں یہ بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ قول کی ان صورتوں میں فقط ہیئت بدل رہی ہے جیسا کہ ضحک کی وجہ سے انسان کی ہیئت بدل جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کو ضاحک کہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ انسان ضاحک میں حلول کر گیا ہے جب یہ معلوم ہوا کہ قول بذاتہٖ موجود اور بلا تغیّر و تبدل سب میں دائر و سائر ہے

کیونکہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ قول کا ظہور جب تک قال میں ہے یقول میں نہیں بلکہ یقیناً کہا جاتا ہے کہ ہر وقت پورے قول کا ظہور قال یقول وغیرہ کل مشتقات میں یکساں ہے تو اس موقع میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ الکل فی الکل یعنی کل قول سب مشتقات میں ہے۔ البتہ ہر ایک مظہر کی خصوصیت جدا گانہ ہے مثلاً قائل کہ سب زمانوں سے آزاد ہے۔ مگر ایسی ذات کا محتاج ہے جس میں قول پایا جائے اور قال یقول زمانوں کے ساتھ مقید ہیں۔ علی ہذا القیاس کل مشتقات کسی نہ کسی چیز کے محتاج ہیں اور قول باوجود ان سب میں دائر و سائر ہونے کے کل احتیاجوں سے بری ہے اور باوجودیکہ کل مشتقات میں نازل ہے مگر کسی کا محتاج نہیں۔ بخلاف ان مشتقات کے کہ وہ ہر وقت اس کے محتاج ہیں کیونکہ جب تک قول کا وجود اُن میں نہ ہو کسی کا وجود نہیں ہو سکتا۔

اَعُوذُ

(اَعُوذُ) یعنی پناہ مانگتا ہوں میں۔ پناہ جو کسی سے چاہی جاتی ہے اُس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کوئی ایسی چیز مضر اس کے پیش نظر ہو جاتی ہے جس کی مقاومت نہیں کر سکتا اور اپنے میں یہ قوت نہیں پاتا کہ اُس کا مقابلہ کر سکے اس لئے کسی ایسے شخص کو تلاش کرتا ہے جو اُس کا مقابلہ کر کے اُس کے شر اور آفت سے بچا سکے جس چیز سے خوف ہوتا ہے۔ اُس کو

(مُعوّذ منہ) کہتے ہیں - اور بچانے والے کو (مُعوّذ بہ) اس آیہ شریفہ میں (مُعوّذ منہ) شیطان کا شر ہے - اور مُعوّذ بہ خدائے تعالےٰ۔

خدائے تعالیٰ نے اس سورہ میں تعلیم دی کہ شیطان کے شر سے ہمارے پاس پناہ لو - کیونکہ ہم پرورش کرنے والے بھی ہیں اور بادشاہ بھی ہیں اور معبود بھی ان صفات کے بیان فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کی وسوسہ اندازی کے مواقع یہی اوصاف ہیں۔

پہلے ربوبیت الٰہی سے متعلق وسوسے ڈالتا ہے اور حتی الامکان یہ کوشش کرتا ہے کہ خدائے تعالےٰ کی ربوبیت ذہن نشین نہ ہونے پائے کیونکہ آدمی بلکہ جانور کی بھی طبیعت کا یہ مقتضا ہے کہ اپنی پرورش کرنے والے کے ساتھ دل سے محبت رکھتا ہے اور اُس کی ربوبیت کو مانتا ہے اور اُس کی کسی بات کو نہیں ٹالتا۔ دیکھ لیجئے جو لوگ دس بارہ روپیہ ماہوار پاتے ہیں وہ اپنی سردار کی بات پر جان تک دیدیتے ہیں۔ شیطان کو بڑی فکر اس امر کی رہتی ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ خدائے تعالےٰ اصلی رب اور پرورش کرنے والا ہے تو اُس سے کمال درجہ کی محبت ہوجائیگی اور جو کچھ اس کے ارشادات ہیں سب مان لئے جائیں گے۔

خصوصاً پنجوقتہ نماز اور روزے اور حج وزکوۃ وغیرہ ضروریات دین کے لوگ پابند ہوجائیں گے۔ اور جتنی بُری باتیں ہیں سب چھوڑ دیں گے

جس سے فضل الٰہی کے مستحق ہو جائیں گے اور اُس کا مقصود جو اولاد آدم علیہ السلام کو تباہ کرنا ہے فوت ہو جائے گا۔ اس لئے عموماً مسلمانوں کے خیال کو بھی حق تعالےٰ کی طرف رجوع ہونے نہیں دیتا۔ بلکہ جب کوئی حاجت اور ضرورت پیش ہوتی ہے اُس وقت یہ سمجھاتا ہے کہ فلاں کے پاس چلو اور فلاں سے مدد لو اور فلاں قسم کا کام کرو۔ غرضکہ ایک ایسا سلسلہ قائم کر دیتا ہے کہ نوبت ہی نہیں آتی کہ خدائے تعالیٰ کی ربوبیت پیش نظر ہو۔ پھر اگر حاجت روائی ہو گئی تو اُن کو اسباب کامیابی قرار دیتا ہے اور یہ سلسلہ اس کے خیال کو کچھ ایسا پابند بناتا ہے کہ گویا پابہ زنجیر ہو کر اُسی قیدخانہ میں وہ پڑا رہتا ہے اور اگر ربوبیت الٰہی کا کبھی خیال آ بھی گیا تو وہ ایسا ہوتا ہے جیسے بے ضرورت بہت سارے خیال ہمیشہ آتے رہتے ہیں۔ اور اُن کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کی ہدایت کے لئے ارشاد ہوا کہ جب لوگوں کی ربوبیت تمہارے پیش نظر ہو جائے اور شیطان کا افسوں تم پر اثر کر جائے تو رَبُّ النَّاس کی پناہ میں آجاؤ اور یہ سمجھ لو کہ اصل ربوبیت مقیدہ خدائے تعالیٰ ہی کی ربوبیت ہے۔ جب ربوبیت مطلقہ کے میدان میں قدم بڑھاؤ گے تو تمہیں شیطان کے شر سے جس نے تمہیں قیدی بنا رکھا ہے پناہ مل جائیگی مگر مشکل یہ ہے کہ پناہ لینے کی ضرورت ہی ہر شخص کو محسوس نہیں ہوتی۔

کیونکہ لڑکپن سے عادت ہو گئی ہے کہ اسباب ہی پر آدمی کی نظر پڑتی ہے

ضرورت تو اُن لوگوں کو محسوس ہوتی ہے جو خدائے تعالےٰ کے کلام پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ شیطان ہمارا جانی دشمن ہے اس کی عداوت کا حال خدائے تعالیٰ نے اپنے سچے کلام میں جابجا بیان فرمادیا کہیں ارشاد ہے اِنَّ الشَّیطَانَ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ یعنی یقیناً شیطان تمہارے لئے کھلا دشمن ہے۔

دشمنی شیطان

اور کہیں ارشاد ہے کہ شیطان آدمی کو کافر بنا کر کہتا ہے کہ میں تجھ سے بری ہوں اور خدا سے ڈرتا ہوں کما قال تعالےٰ کَمَثَلِ الشَّیْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ الحاصل جب آدمی خدا و رسول کے ارشادوں سے بےپروائی کرکے جس طرح عمل کرنے کا حق ہے نہ کرے اور اپنی خواہش کے مطابق باغوائے شیطانی کام کیا کرے تو شیطان کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور گناہ کراتے کراتے کفر تک نوبت پہنچادیتا ہے۔ کیونکہ خواہشات نفسانی کے مقابلہ میں کلام الٰہی کی وقعت ہی نہ ہو تو پھر کون سی چیز ہوگی جو کفر سے اس کو بچاسکے ممکن ہے کہ مثل اور خواہشوں کے اس کا بھی مرتکب ہو جائے۔ بخلاف اس کے ہر بات میں جب خدا و رسول کے کلام پر عمل کرنے کا خیال ہو تو کفر سے بہت کچھ احتیاط کرسکتا ہے۔ اور اگر معاذاللہ شیطان کو کافر بنانے کا موقع مل گیا تو اُس نے بازی جیت لی اور بارگاہ الٰہی سے مطرود

بیان معنے تعوذ

ومردود کرکے ابدالآباد کے لئے اُس کو دوزخ کا مستحق بنادیا حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ شیطان آدمی سے کبھی بے فکر نہیں ہوسکتا جب تک اُس کو کافر نہ بنالے۔ اب غور کیجئے کہ شیطان آدمی کا کیسا دشمن ہے اور کس طرح تاک میں لگا ہوا ہے۔ ایسے دشمن سے بچنے کی کس قدر ضرورت ہے جب ہمیں معلوم ہے کہ اس کا تسلط دل پر ہے جس طرح چاہتا ہے بُرے خیالات دل میں پیدا کرتا ہے۔ اگر دور ہی سے کچھ کہہ دیتا تو ممکن تھا کہ اُس کی بات کی طرف توجہ نہ کرتے مگر وہ تو ہمارے دل تک گھس جاتا ہے اور وہاں جاکر ایسی باتیں ہمارے دل میں ڈالتا ہے کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ اُس نے کہا یا ہمارے دل نے غرض کہ اُس سے بچنا ہمارے اختیار سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے جب تک ہم خدائے تعالے کی پناہ میں نہ ہوجائیں۔ ممکن نہیں کہ اُس کے دام سے ہمیں رہائی ہو اسی وجہ سے تعلیم فرمائی گئی کہ شیطان کے مکروں سے اگر بچنا ہو تو ہماری پناہ میں آجاؤ۔ پھر جو شخص خدا کی پناہ میں آجائے تو ممکن نہیں کہ شیطان تو کیا تمام عالم اُس کو ضرر پہنچا سکے۔ مگر یہ یاد رہے کہ پناہ میں آجانا بھی آسان نہیں۔ صرف کہہ دینا اس کے لئے کافی نہیں ہوسکتا۔ دیکھئے آدمی کسی کی پناہ میں اُسی وقت آتا ہے کہ جب اُس کو یقین ہو کہ موذی ضرر رسان کے مقابلہ کی طاقت اپنے میں نہیں ہے۔ پھر جس کی پناہ میں وہ جاتا ہے اُس کی نسبت یقین ہوتا ہے کہ وہ اُس کے ضرر سے ضرور بچائے گا۔ اور اُس کے

ساتھ یہ بھی ہوتا ہے جس کی پناہ میں جاتا ہے اُس کو لازم پکڑتا ہے اور اُس سے علیحدہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اس سے علیحدہ ہو جاؤں گا تو ضرور دشمن غالب ہو جائیگا۔ یہ بات ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے خود (عوذ) کے لفظ سے نکلتی ہے کیونکہ (عوذ) کے معنی میں چمٹنا داخل ہے۔ جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے اطیب اللحم عوذہ۔ یعنی عمدہ گوشت وہی جو ہڈی کو لگا ہوا ہو چونکہ (عوذ) اور تعوّذ کا مادہ ایک ہی ہے اس سے ظاہر ہے کہ تعوّذ میں بھی معنی چمٹنے اور لازم پکڑنے کے ہوں گے۔ امام منذری رحہ نے ترغیب وترہیب میں ابن ماجہ سے نقل کی کہ تمیم داری رض کہتے ہیں کہ ایک روز ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک اونٹ دوڑتا ہوا آکر حضرت کے پاس کھڑا ہو گیا۔ حضرت نے فرمایا اے اونٹ بے فکر رہ۔ اگر تو سچا ہے تو تیرا صدق تیرے کام آئے گا۔ اور جھوٹا ہے تو اس کا وبال تجھ پر ہے۔ اور فرمایا مع ان اللہ قد امن عائذنا ولیس بخائب لائذنا۔ یعنی اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ جو ہم سے پناہ لیتا ہی اللہ تعالے اُسے امن دیتا ہے۔ اور ہم کو پشت وپناہ بنانے والا بے نصیب نہیں ہوتا۔ ہم نے عرض کی یا رسول اللہ اونٹ کیا کہتا ہے فرمایا۔ اس کے مالک اُس کو ذبح کر کے اُس کا گوشت کھانا چاہتے ہیں اس واسطے اس نے بھاگ کر تمہارے نبی سے پناہ لی۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ وہ لوگ دوڑتے ہوئے

اونٹ کا حضرت کی پناہ میں آنا

آپہنچے۔ جب اونٹ نے اُنہیں دیکھا حضرت کے سرِ مبارک کے قریب ہوکر پناہ میں آگیا۔ اور اُن لوگوں نے کہا یارسول اللہ یہ ہمارا اونٹ ہے تین روز سے بھاگا ہوا ہے۔ جو اس وقت آپ کے روبرو ملا حضرت نے فرمایا وہ تمہاری شکایت کرتا ہے۔ اُنہوں نے کہا یارسول اللہ کیا شکایت ہے۔ فرمایا یہ کہتا ہے کہ کئی سال تمہارے امن میں وہ پرورش پایا۔ موسم گرما میں تم اُس پہ سامان لاد کر اُن مواقع میں جاتے تھے جہاں گھانس ہوتی ہے۔ اور موسمِ سرما میں گرم مقامات میں جاتے تھے۔ جب وہ بڑھاپے کے قریب پہنچا تو تم نے اس سے اولادلی۔ اور بہت سے اونٹ تمہارے پاس ہوگئے۔ اور جب تروتازہ اور سرسبز سال آیا تو تم نے قصد کیا کہ اُس کو ذبح کرکے اُس کا گوشت کھالیں۔ اُنہوں نے عرض کی کہ یہ سب درست ہے یارسول اللہ صلعم۔ حضرت نے فرمایا یہ مملوک صالح کی جزا نہیں ہوسکتی۔ اُنہوں نے عرض کی۔ اب ہم اُس کو نہ بیچیں گے نہ ذبح کرینگے۔ حضرت نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو۔ اُس نے تم سے فریاد کی۔ اور تم نے اُس کی فریاد رسی نہیں کی۔ مجھے اُس پر رحم کرنے کا استحقاق تم سے زیادہ ہے۔ خدائے تعالےٰ نے رحمت کو منافقوں کے دلوں سے نکالدی۔ اور مسلمانوں کے دلوں میں اُسکو جگہ دی ہے۔ پھر حضرت نے اُن کو سو درہم دیکر وہ اونٹ اُن سے خرید لیا۔ اور اُس سے فرمایا اے اونٹ چلا جا۔ تجھے اللہ کے واسطے ہم نے آزاد کردیا انتہی ملخصاً۔

دیکھئے پناہ لینے کا طریقہ ہے۔ جب اونٹ نے دیکھا کہ جان کی خیر نہیں اور بغیر کسی زبردست پناہ کے مالکوں کے ہاتھ سے نجات نہیں مل سکتی تو ایسی زبردست پناہ میں آگیا جو دونوں عالم میں پشت وپناہ ہیں۔ اور چونکہ صدق دل سے اُس نے پناہ لی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اُسے اپنی پناہ میں لے کر نجات دلوادی۔

حاصل یہ ہے کہ شیطان جب تک ایسا دشمن نہ مانا جائے کہ ہم اُس کے مقابلہ سے عاجز ہیں۔ خدائے تعالے کی پناہ میں جانے کی ضرورت نہ سمجھی جائے گی۔ ہمارے زمانے کے بعض واعظین حضرات پہلے تو شیطان کا نام ہی نہیں لیتے اگر لیتے ہیں تو ایسے مواقع کے ضمن میں کہ شیطان کے وہاں پر جلتے تھے۔ مثلاً بزرگان دین کے حکایات کے ضمن میں کہ شیطان کو اُنہوں نے ذلیل وخوار کردیا تھا اور ایسے حکایات اور واقعات بیان کئے جاتے ہیں کہ شیطان بالکل بے وقعت ہو جاتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والے بالکل بے خوف ہو جاتے ہیں۔ اور قرآن شریف میں جس قدر اُس سے ڈرایا گیا ہے سب بے سود ہوتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ رحمت الٰہی بہت وسیع ہے اور شفاعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی گنہگاران امت کے لئے ضرور ہوگی مگر یہ کیونکر یقین ہو کہ پہلے ہی شفاعت میں ہم ضرور شریک ہونگے یہ مشتبہ ہوگیا تو ہر ایمان والے کو یہ فکر لگی رہنی چاہئیے کہ معلوم نہیں کہ ہم کس زمرہ میں ہونگے اور حتی المقدور ظلم اور مخالفتِ خدا ورسول سے بچنا عقلاً ضرور ہوگا

شیطان کے کید بیان کرنے کی ضرورت

کیونکہ سوائے انبیا علیہم السلام کے کوئی معصوم نہیں اور حقوق اللہ سے زیادہ اُن کو حقوق الناس کا خوف رہتا ہے کہ کہیں ہم پر کسی آدمی کا حق باقی نہ رہ جائے جس کا مواخذہ قیامت میں ہو۔ کیونکہ قیامت میں جب حساب و کتاب ہوگا تو حقدار کا حق اس طرح دلایا جائے گا کہ جس پر اُس کا حق ہو اس کی نیکیاں حقدار کو دلائی جائیں گی اور اگر نیکیاں کافی نہ ہوں تو حقدار کے گناہ اس کے اعمال میں بھرتی کئے جائیں گے جس سے اس کی سبکدوشی ہو۔ اگر کتب احادیث دیکھی جائیں تو معلوم ہوگا کہ ایک ایک گناہ سے متعلق کیسے کیسے عذاب بیان فرمائے ہیں۔

اب غور کیا جائے کہ جب حضرت نے ہمیشہ بُرے کاموں سے منع اور ان کے مرتکبوں کے لئے خاص خاص قسم کے عذاب بیان فرمائے تو کیا نعوذ باللہ حضرت کا یہ فعل عبث ہو سکتا ہے۔ اگر فرض کیا جائے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مجلس میں لوگوں سے فرمایا ہو کہ فلاں کام کرنے والے کو اس قسم کا عذاب ہوگا اور کوئی شخص اُن لوگوں سے کہتا کہ مسلمانوں کو کچھ عذاب نہ ہوگا یہ صرف دھمکی اور ڈرانے کے لئے فرماتے ہیں اور اُس کی اطلاع حضرت کو ہو جاتی تو کیا حضرت اُس شخص سے راضی رہتے؟ عقل تو یہ ہرگز قبول نہیں کرتی کہ جس کام کا حضرت صلعم بہ نفس نفیس اہتمام فرمادیں اور کوئی شخص اُس کے خلاف میں گفتگو کرے وہ خلاف مرضی نہ ہو۔ جب ہم جانتے ہیں کہ اب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے امتیوں کے کاموں کی اطلاع ہوتی ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس

وعید کی حدیثوں سے انکار کی قباحت

قسم کی گفتگو کہ گناہ کرنے سے مسلمانوں کو کچھ ضرر نہ ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرضی ضرور ہوتی ہے۔ اور علاوہ اس کے اُس کا بُرا اثر تمدن پڑتا ہے کہ مسلمان جو جی چاہے کریں اُن کو سب معاف ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی غرض سے مبعوث ہوئے تھے کہ دنیا میں امن وامان قائم کرکے اس کو مزرعۃ الآخرہ بنائیں۔ اور امن وامان بغیر اصلاح تمدن کے ممکن نہیں۔

چند احادیث ترغیب

اب ہم چند حدیثیں بطور مشتے نمونہ نقل کرتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوگا کہ خدا ورسول کو عبادات اور اصلاح تمدن میں کس قدر اہتمام ہے۔

ترغیب وترہیب میں امام منذری رحنے کتب صحاح وغیرہ سے روایات ذیل کو نقل کئے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ شرک وکفر میں فقط نماز کا فرق ہے یعنی اگر نماز ترک کردی جائے تو آدمی مشرک اور کافر ہوجاتا ہے بلکہ یہ بھی صاف فرمایا کہ جو شخص قصداً نماز ترک کرے وہ کافر ہوگیا۔ اور فرمایا کہ چار چیزوں کو خدائے تعالے نے اسلام میں فرض کیا ہے رمضان کے روزے۔ حج۔ زکوٰۃ۔ نماز۔ اگر کوئی شخص ان میں سے تین کو بھی ادا کرے کچھ فائدہ نہیں جب تک چاروں کو بجا نہ لائے۔

اور فرمایا جو شخص نماز کی محافظت نہ کرے یعنی ہر نماز کو وقت پر ادا نہ کرے وہ قیامت کے روز قارون۔ فرعون۔ ہامان اور ابی ابن خلف کے ساتھ ہوگا یعنی بجائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمرہ میں اُس کا حشر ہو

کفار کے ساتھ اُس کا حشر ہوگا۔

اور فرمایا کہ جس شخص کے پاس سونا اور چاندی ہو اور وہ اُس کی زکوٰۃ نہ دے تو قیامت کے روز اُس کی تختیاں بنائی جائیں گی اور اُن کو دوزخ کی آگ میں گرم کر کے اُن سے اُس کی پیشانی اور بازو اور پیٹ کو داغ دیتے جائیں گے۔ جب وہ ٹھنڈے ہونے لگیں گے تو پھر گرم کرتے جائیں گے۔ یہ عذاب دن بھر ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہے۔ اُس کے بعد دوزخی ہو تو دوزخ میں ڈال دیا جائیگا۔ اور جنتی ہو تو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اور فرمایا کہ جو گوشت اور خون مالِ حرام کے کھانے سے پیدا ہو وہ جنت میں نہ جائیگا بلکہ نارِ جہنم کا وہ مستحق ہے۔

اور فرمایا جو شخص قسم کھا کر کچھ مال حاصل کرے یا کسی کا حق تلف کرے تو دوزخ اُس کے لئے واجب ہوگی۔

اور فرمایا۔ چار قسم کے لوگ، ایسے ہیں جن کو اللہ تعالےٰ جنت میں نہ داخل کریگا اور نہ اُس کی کوئی نعمت اُن کو چکھلائے گا (۱) شرابی (۲) ربوا یعنی سود کھانے والا (۳) ماں باپ کا نافرمان اور فرمایا کسی مسلمان کی بے عزتی کرنی ربوا سے بڑھکر گناہ ہے۔ اور فرمایا جس حاکم کا جور اور بے انصافی اُس کے عدل پر غالب ہو اُس کا مقام دوزخ ہے۔

اور فرمایا کہ جسکو کوئی کام مسلمانوں سے متعلق تفویض کیا جائے اور وہ اُن میں

عدل اور انصاف نہ کرے حق تعالیٰ اُس کو دوزخ میں اوندھا ڈالے گا۔

اور فرمایا کہ رشوت دینے والا اور لینے والا اور جو رشوت پہنچانے میں واسطہ ہو ان سب پر خدا کی لعنت ہے یعنی آخرت میں رحمت الٰہی سے دور رہیں۔

اور فرمایا کہ رشوت دینے اور لینے والے دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔

اور فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے۔ صحابہ نے عرض کی ہم تو اُسی کو مفلس سمجھتے ہیں جس کے پاس روپیہ اور متاع نہ ہو۔

فرمایا۔ میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں ایسی حالت سے اُٹھے کہ اُس کے اعمال میں نماز روزہ اور زکوٰۃ سب کچھ موجود ہیں مگر اسکی حالت دنیا میں تھی کہ کسی کو گالی دی۔ کسی کا مال کھا گیا۔ کسی کو مارا۔ کسی کا خون بہایا وہاں سب اہل حقوق آئیں گے اور ہر ایک کو اُس کی نیکیاں دی جائیں گی اور کل حقوق کی ادائی سے پہلے اگر اُس کی نیکیاں ختم ہو جائیں تو اہل حقوق کے گناہ اُس پر ڈالے جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ دوزخ میں ڈالا جائیگا۔

مطلب یہ کہ کوئی نیک کام اُس کے کام نہ آئے گا۔

اور فرمایا جو شخص کسی ظالم کے ساتھ اُس کی مدد کی غرض سے چلے اور وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے یعنی حق پر نہیں ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

اور فرمایا جو شخص بادشاہ کو ایسی بات سے راضی کرے جس میں خدائے تعالیٰ کی ناخوشی ہو وہ اللہ کے دین سے نکل گیا۔

اور فرمایا جو شخص مسلمان کے ضرر پر ایسی گواہی دے جو اُس کے لائق نہیں تو چاہیئے کہ وہ اپنا گھر دوزخ میں بنالے انتہیٰ -

مطلب یہ کہ کوئی الزام ناحق مسلمان کے ذمہ لگانے والا گویا اپنے اختیار سے دوزخ میں جگہ لے لیتا ہے -

اور فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینے والا میدان حشر میں قبل اس کے کہ اپنے مقام سے ہٹے حق تعالےٰ اُس کے لئے دوزخ واجب کر دیگا - اور وہ دوزخ میں ڈال دیا جائے گا -

اور فرمایا جو شخص کسی مقدمہ کو جانتا ہے اور گواہی کے لئے بُلانے پر بھی واقعہ کو چھپا دے اور گواہی نہ دے اُس کی بھی وہی سزا ہوگی جو جھوٹی گواہی کی سزا ہے

اور فرمایا کہ خدائے تعالےٰ نے شراب سے متعلق دس شخصوں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے (۱) نچوڑنے والا (۲) جس نے اُس کی فرمائش کی (۳) پینے والا (۴) لانے والا (۵) جس کے واسطے وہ لائی گئی (۶) ساقی (۷) بیچنے والا (۸) اُس کی قیمت لینے والا (۹) خریدنے والا (۱۰) جس کیلئے وہ خریدی گئی -

اور فرمایا شرابی کو مرنے کے بعد نہر غوطہ سے پلایا جائے گا - صحابہ نے عرض کی نہر غوطہ کیا چیز ہے - فرمایا دوزخ میں زنا کار عورتوں کے فرجوں سے رطوبتیں بہینگی جس کی بدبو سے تمام دوزخیوں کو اذیت پہنچے گی وہ رطوبتیں

شرابیوں کو پلائی جائیں گی۔

اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ پر حق ہے کہ شرابی کو نہر خبال سے پلائے صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ صلعم نہر خبال کیا چیز ہے۔ فرمایا۔ دوزخیوں کی پیپ وغیرہ آلائش بہنے کی جگہ۔

اور فرمایا زنا کرنے والوں کے چہرے آگ سے ایسے جلتے رہیں گے جیسی مشعلیں۔

اور فرمایا زنا کرنے والا بت پرست کے جیسا ہے۔ انتہیٰ۔

بتوں کو پوجنے والوں کی جو سزائیں ہیں محتاج بیان نہیں۔

اور فرمایا۔ لوگوں کو دھوکے دینے والے اور احسان جتانے والے اور بخیل جنت میں داخل نہ ہونگے۔

اور فرمایا بندہ حسن خلق کی وجہ سے آخرت کے بڑے درجوں اور بلند مقاموں تک پہنچتا ہے۔

اور بدخلقی کی وجہ سے اُس درجہ تک پہنچ جاتا ہے جو دوزخ میں سب سے نیچے ہے۔

اور فرمایا بدخلقی سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔

اور فرمایا۔ دو شخص تین روز سے زیادہ ترک ملاقات کریں اور بات چیت موقوف کریں اور اسی حالت پر مرجائیں تو وہ دوزخ میں داخل ہونگے۔ ایکبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

جنت البقیع

جنت البقیع کو تشریف لے گئے جو مدینۂ طیبہ میں مسلمانوں کا مقبرہ ہے۔ اور ایک مقام پر کھڑے ہو گئے جہاں دو قبریں نئی بنی تھیں۔ اور پوچھا کیا فلاں فلاں شخصوں کو تم نے ان قبروں میں دفن کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ حضرت نے فرمایا فلاں شخص بٹھلایا گیا ہے۔ اور خدا کی قسم اُس پر اس قدر مار پڑی کہ اُس کا ہر عضو ٹوٹ گیا۔ اور اس کی قبر میں آگ بھر گئی ہے اور اُس نے اس زور سے چیخا کہ سوائے انس و جن کے سب نے سُنا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ اُن کا کیا گناہ تھا۔ فرمایا ایک شخص لوگوں کی غیبت کرتا تھا۔ اور دوسرا پیشاب سے آپ اپنے کو بچاتا نہ تھا۔ لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ کب تک اُن پر عذاب ہوتا رہے گا۔ فرمایا اس کا حال سوائے خدا کے کسی کو نہیں معلوم۔

اور فرمایا جو شخص لوگوں کو ہنسانے کی غرض سے ایسی بات کہے جو مرضی الٰہی کے خلاف اور باعث غضب ہو تو خدائے تعالےٰ اُس سے کبھی راضی نہ ہوگا جب تک اُس کو دوزخ میں نہ ڈالے۔

اور فرمایا۔ حسد نیکیوں کو ایسا کھا جاتا ہے جیسے آگ گھاس کو۔

اور فرمایا۔ جو شخص سخت گو متکبر ہے وہ دوزخی ہے۔

اور فرمایا دوزخ میں یہ لوگ داخل ہونگے (۱) حاکم جو لوگوں پر مسلط ہو گیا ہو یعنی زبردستی اور ظلم کرتا ہو (۲) وہ مالدار جو مال سے متعلق حقوق اللہ کو ادا نہیں کرتا (۳) فخر کرنے والا فقیر۔

اور فرمایا۔ جس کے دل میں رائی برابر تکبر ہو اُس کو خدائے تعالےٰ دوزخ میں ڈالے گا۔

اور فرمایا۔ ایماندار میں اور دوسری خصلتیں ہونگی مگر خیانت اور جھوٹ نہیں ہو سکتیں

اور فرمایا جھوٹ منہ کو کالا کرنے والا ہے۔ اور چغلی باعثِ عذاب قبر ہے۔

اور فرمایا۔ جس میں امانت داری نہیں اُس میں ایمان نہیں۔ اور جس کو عہد و اقرار کی پابندی نہیں اُس کو دین نہیں۔

یہ تمام وعیدیں مسلمانوں سے متعلق ہیں۔ کیونکہ نماز۔ روزہ وغیرہ فروع ہیں۔ اور جب تک خدا اور رسول پر ایمان نہ لائے اُس سے یہ احکام متعلق نہیں ہوتے اب اگر یہ خیال کیا جائے کہ کوئی مسلمان دوزخ میں نہ جائے گا خواہ کتنے ہی گناہ کرے تو قرآن وحدیث کی تکذیب لازم آتی ہے۔ عقل بھی ہرگز یہ گوارا نہیں کرتی کہ کوئی مسلمان کسی مسلمان کا مال زبردستی سے لے لے اور اُس کی عورت بچوں پر قابض ہو جائے اور اقسام کی ایذائیں اُن کو دے۔ اور اُن کی بے حرمتی کرے باوجود اس کے اُس عالم میں کوئی سزا اُس کو نہ ہو۔ حکماء نے اصلاحِ تمدن کیلئے تناسخ کا مسئلہ نکالا کہ جو شخص بُرے کام کرے۔ مرنے کے بعد کسی ایسے جانور کے قالب میں اس کی روح جائے گی۔ جو نہایت ذلیل ہو۔ اُن کا مقصود اس سے یہی تھا کہ آدمی اس خوف کے مارے بُرے کام کا مرتکب نہ ہو۔ یہ اُن کی تراشی ہوئی بات تھی۔ مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ کروڑہا آدمی اس خیال سے کہ مرنے کے بعد کسی بُرے

اصلاحِ تمدن

جہنم میں نہ جائیں بُرے کاموں سے بچنے لگے۔ خالق عالم نے کارخانۂ عالم کی بنیاد ہی ایسی ڈالی کہ اگر آدمی ذرا بھی اُس میں غور و فکر کرے تو بُرے کاموں کو چھوڑ دے۔ چنانچہ دو عالم پیدا کئے ایک دارالعمل۔ دوسرا دارالجزا۔ جہاں جنت و دوزخ ہیں۔

دارالعمل میں جیسے کام کریں گے دارالجزا میں ویسا بدلا ملے گا۔ اور پیغمبروں کو بھیجکر معلوم کروادیا کہ اچھے کام یہ ہیں اور بُرے کام یہ۔ اور قرآن شریف میں جگہ جگہ خبر دی کہ بُرے کاموں کی جزا اُس عالم میں دوزخ ہے۔

اب اگر یہ باور کرایا جائے کہ مسلمان جو چاہیں کریں وہ دوزخ میں نہ جائینگے بلکہ بمصداق اس کے

نصیب ماست بہشت ایخدا شناس برو کہ مستحق کرامت گناہ گارانند

عابدوں اور زاہدوں سے بھی جنت میں اس کے مرتبے بڑھے ہوئے رہینگے۔ تو مسلمانوں کا تمدن ہندوؤں کے تمدن سے بدرجہا گھٹا ہوا ہیگا کیونکہ مسلمانوں کے پیشوا یعنی واعظین نے ان کو اپنے کاموں کی جزا و سزا سے بے فکر بنادیا تو اب ان کو کیا ضرورت کہ نفس کی مخالفت کرکے دنیوی نعمتوں اور عیش و عشرت سے محروم رہیں۔ جب موقع ملیگا ناجائز ذرائع سے لوگوں کا مال حاصل کریں گے اور شہوت و نفسانی خواہشوں کو پورے کرنے میں ذرا بھی تامل نہ کرینگے۔ اب کہئے کہ ایسے مسلمانوں سے تمدن

کو نفع پہنچے گا یا نقصان۔ پھر غیر اقوام کے مقابلہ میں جو کہا جاتا ہے کہ اسلام اعلیٰ درجہ کا حامی تمدن ہے تو اگر وہ ایسے مسلمانوں کو پیش کر دیں کہ جن کے ناشائستہ افعال سے تمدن خراب ہو رہا ہے تو ان کا کیا جواب۔ اگر کہا جائے کہ یہ اُن کی ذاتی خرابیوں کا اثر ہے۔ ہمارا دین اُن کو ایسے امور کی ہدایت نہیں کرتا تو وہ واعظین کو پیش کر دیں گے کہ اُن کی ہدایتوں کا یہ اثر ہو رہا ہے کہ لوگ بے باک ہو رہے ہیں۔ ان کو یقین دلایا جاتا ہے کہ کیسے ہی کیسے بُرے کام کریں جنت کے اعلیٰ مقامات کے مستحق ہیں۔ وہ ضرور کہیں گے کہ اگر دین میں یہ بات داخل نہیں تو یہ پیشوایان دین پھر کہاں سے ایسی باتیں بیان کرتے ہیں جس سے تمدن تباہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ معاذ اللہ ہمارا دین اسلام کامل نہیں۔ یہ سب خرابیاں اسی وجہ سے ہیں کہ واعظین قرآن و حدیث کے کل مضامین کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ قرآن شریف کو جہاں دیکھئے یہی ثابت ہوگا کہ وعدہ اور وعید برابر ہو رہے ہیں۔ جس آیت سے امید بڑھتی ہے تو اُس کے ساتھ ہی دوسری آیت سے خوف پیدا ہوتا ہے۔ احادیث میں دیکھئے تو اُن میں بھی یہی طریقہ مرعی ہے۔ الحاصل جب تک ہمارے واعظین جو پیشوایان قوم ہیں جس طرح آیات و احادیث رجا کے بیان کرتے ہیں خوف پیدا کرنے والے آیات واحادیث نہ بیان کریں تو مسلمانوں کے تمدن کی اصلاح ہرگز نہیں ہو سکتی۔

ان حضرات کو اس آیت شریفہ میں غور کرنا چاہئیے۔ جو حق تعالیٰ فرماتا ہے

واتقوا اللہ حق تقاتہ - یعنی خدائے تعالےٰ سے ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے ہر پڑھا لکھا آدمی جانتا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا مذہب بین الخوف والرجاء ہے نہ اس میں افراط ہے کہ گنہگار قطعی دوزخی اور ہمیشہ دوزخ میں رہے گا جیسے خوارج کہتے ہیں اور نہ یہ ہے کہ مسلمان کو گناہوں کی کچھ سزا نہ ہوگی۔ جیسا کہ مرجیہ کہتے ہیں مسلمانوں کو خوف اس وجہ سے لگا رہتا ہے کہ کسی آیت و حدیث میں یہ وارد نہیں ہے کہ کل امت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالکلیہ دوزخ سے نجات دلا دیں گے اور کوئی دوزخ میں نہ جائے گا۔ بلکہ یہ وارد ہے کہ بہت سے مسلمان بغیر اطلاع آپ کے دوزخ میں ڈال دیے جائیں گے۔ اور مدتوں اسی میں پڑے رہیں گے۔ پھر جب آپ کو اطلاع ہوگی تو آپ دوزخ پر تشریف فرما ہوکر ان کو اس میں سے نکال لیں گے۔ اب یہ کیونکر یقین ہو کہ پہلی ہی شفاعت میں ہم ضرور شریک ہوں گے۔ جب یہ اشتباہ ہوگیا تو ہر ایمان والے کو یہ فکر لگی رہنی چاہیے کہ معلوم نہیں ہم کس زمرہ میں ہوں گے۔

آج کل کے بعض مہذب مسلمان جب اس قسم کے احادیث کو سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ اوہام پرستی ہے کہ جنت اور دوزخ کے خیال سے عبادت کی جائے۔ اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ عقلاً بالطبع اچھے کام کرتے ہیں۔ اور برے کاموں سے احتراز کرتے ہیں تو یہ درست ہے۔ مگر سب آدمی یکساں اور اس خیال کے نہیں ہوسکتے۔ شاید ہزار میں ایک آدمی ایسا بلند خیال ہوگا۔ باقی اپنے

شہوات اور خواہشیں پوری کرنے میں اس کا خیال ہی نہیں کرتے کہ کونسا کام مقتضائے عقل ہے اور کونسا خلاف عقل۔ انہیں لوگوں سے تمدن خراب ہوتا ہے۔ چونکہ ان لوگوں کی ہمت نفسانی خواہشوں کے پوری کرنے اور جسمانی لذات حاصل کرنے کی طرف مصروف ہے۔ اس لئے ان کو وعدہ دیا گیا کہ جتنی خواہشیں تمہاری تھیں جنت میں ایسے طور پر پوری ہونگی کہ وہ تمہارے خیال میں بھی نہیں ہے۔ بشرطیکہ جن کاموں کا حکم کیا گیا ہے وہ بجا لائیں اور برے کاموں سے احتراز کریں اور اگر اُس کے خلاف کروگے تو دوزخ میں ڈالے جاؤگے جہاں ایسے اقسام کے عذاب ہیں کہ دنیا میں ان کا خیال تک نہیں آسکتا۔ جن لوگونکو خدائے تعالےٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا ایمان ہے اور کلام الٰہی اور احادیث نبوی کو سچا جانتے ہیں وہ یقین کرکے ایسے کام کرتے ہیں جن سے جنت کا استحقاق پیدا ہوتا ہے اور جو یقین نہیں کرتے وہ دوزخ کے مستحق ہوتے ہیں۔ غرض کہ یہ ترغیب وتخویف ایسے ہی لوگوں کے واسطے ہے اور عالی فطرتوں کے لئے اُس کی ضرورت نہیں۔ دیکھئے بادشاہی ملازمین میں بعض لوگ اس فطرت کے ہوتے ہیں کہ حسب مرضی شاہی سب کاموں کو انجام دیتے ہیں جس کی وجہ سے اُنہیں تقرب حاصل ہوتا ہے۔ مگر ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں بخلاف اُس کے بہت سے ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کو اضافۂ ماہوار وغیرہ کے ترغیب دینے کی اور اُن کے تخویف کے لئے قید خانہ بنانے کی

ضرورت ہوتی ہے جہاں اقسام کے عذاب دئے جاتے ہیں۔ اسی پر خدائی سلطنت کا خیال کیا جائے۔

اہل تہذیب جدیدہ اگرچہ اعلیٰ درجے کی بات کہتے ہیں کہ اعمال حسنہ وسیئہ کے لئے خوف ورجا اس قسم کی نہونی چاہئیے بلکہ جو کام ہو خلوص سے خاص خدائے تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہو چنانچہ اکثر اولیاء اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ اولیاء اللہ جنت ودوزخ کے قائل ہیں۔ بخلاف اس کے ان حضرات کا اندرونی منشا کچھ اور ہی ہے اکثر حکما کا یہی مسلک ہے کہ جنت ودوزخ کوئی چیز نہیں صرف روحانی لذائذ جو روحانیت کی تکمیل سے حاصل ہوتے ہیں ان کا نام جنت اور روحانی تکالیف کا نام دوزخ ہے جو روحانی کمالات حاصل نہ کرنے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔

منشاء انکار جنت و دوزخ

حکما کی غرض یہی معلوم ہوتی ہے کہ زمین ایک بڑی مستحکم چیز ہے جب ایک بار بن گئی تو اُس کو خراب کرکے دوسرا عالم قائم کرنا ایک مشکل کام ہے۔ اس لئے اُنہوں نے مناسب سمجھا کہ دنیا کا کارخانہ یوں ہی چلنے دینا چاہئیے کہ ہمیشہ لوگ پیدا ہوتے رہیں اور آخرت کا کارخانہ علحدہ قائم کرنے کی ضرورت نہیں صرف روح جہاں رہے وہیں اُس کے لئے آسائش یا تکلیف رہے جسکو انبیا جنت ودوزخ سے تعبیر کرتے ہیں اُنہوں نے دیکھا کہ جب عالم کا کارخانہ ایک مدت سے جاری ہے اور کوئی ایسا شخص اُنہیں نہ ملا کہ اُس کے روبرو

تخلیق عالم ہوئی ہو۔ اس لئے اُنہوں نے یہ خیال کیا کہ عالم قدیم ہے۔ اور یہ بھی تجویز کرلی کہ وہ کبھی فنا نہ ہوگا۔ یہ صرف اُن کا قیاس ہے۔ اور چونکہ وہ قیاس غائب علی الشاہد ہے اس لئے عقلاً جائز نہیں ہوسکتا اور جتنے دلائل قائم کئے گئے ہیں اُن میں کوئی دلیل ایسی نہیں جس کو عقل سلیم قبول کرسکے کیونکہ یہ مسئلہ نظری ہے جس میں نظر و فکر کی ضرورت ہے۔ اور یہ بات قابل تسلیم ہے کہ جب تک نظریات کی انتہا کسی بدیہی پر نہ ہو دلیل مفید نہیں ہوسکتی۔ اب یہاں کونسی چیز ایسی بدیہی نکل سکے گی جس کے ذریعہ سے ہم قِدم عالم تک پہنچ سکیں۔ غرض کہ عقل سے عالم کے قِدم اور ابد کی راہ طے کرنی محالات سے ہے بخلاف اُس کے جب ہم نے عقل کی رہبری سے مان لیا کہ عالم کا پیدا کرنے والا ایک ہے۔ جس نے ہماری ہدایت کے لئے نبی بھیجا اور اس پر قرآن نازل کیا اور اسی میں فرمایا کہ ہم نے اپنی قدرت سے آسمان و زمین پیدا کئے تو اب ہمیں اس میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ آسمان و زمین حادث ہیں۔ اور ان کو خدائے تعالے نے اپنے ارادہ سے جب چاہا بنایا۔ حکما نے عالم کو بڑی وقعت دے رکھی ہے یہانتک کہ کہتے ہیں جب سے خدا ہے عالم بھی اس کے ساتھ ہے بلکہ بعض نے تو کہا کہ خدا کی بھی ضرورت نہیں عالم خود بخود پیدا ہوگیا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب نگاہ پڑتی ہے تو عالم ہی پر پڑتی ہے اور خدائے تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ لوگ اس کو دیکھ سکیں۔ اور جس قدر اُس کی قدرتیں ظاہر

ہوئی ہیں

ہوتی ہیں اشیاء عالم میں ہوتی ہیں۔ اس لئے خالق تک نظر پہنچنے کی ظاہراً کوئی صورت نہ تھی۔ البتہ بعض حکما جن کو اعلیٰ درجے کی عقل دی گئی تھی ان کی عقلوں نے رسائی کی اور سمجھ گئے کہ نہ عالم خود بخود بن سکتا ہے نہ اپنے میں خوبیاں اپنے آپ سے پیدا کر سکتا ہے بلکہ پیدا کرنے والا اور تمام کا کام چلانے والا کوئی اور ہی ہے پھر ان کو بھی بعض امور میں غلطیاں ہوئیں کیونکہ عقل کہاں تک چل سکے اس کے حد امکان میں اسی قدر ہے کہ تخمین سے کام لے۔ اور ظاہر ہے کہ تخمین کوئی اعتبار کے قابل چیز نہیں۔ غرض کہ حکمانے عالم کو جس قدر وقعت دے رکھی ہے وہ صحیح نہیں۔ کیونکہ وہ مخلوق ہے اور ممکن نہیں کہ مخلوق خالق سے برابری اور ہمسری کا دعوےٰ کر سکے۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ ہم مکان یا اور کوئی چیز بناتے ہیں تو باوجودیکہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اُس کے خالق ہیں۔ کیونکہ مکان کے لئے مثلاً لکڑی چونا پتھر وغیرہ اشیا جب تک پہلے سے موجود نہ ہوں ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ ان سب کا خالق خدائے تعالےٰ ہے۔ ہمارا کام صرف اس قدر ہے کہ اُن اشیاء کو خاص طور پر ایک جگہ جمع کر دیں۔ جس پر مکان کا اطلاق ہو سکے۔ اب دیکھئے کہ باوجود خالق نہ ہونے کے اُن اشیاء کا ہمارے روبرو کیا حال ہے جس طرح چاہتے ہیں لکڑی اور پتھر کو تراشتے ہیں۔ اور جہاں چاہتے ہیں ان کو لگاتے ہیں۔ کسی کو سرتابی کی مجال نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ مثلاً ایک پتھر کو ہم پائخانہ میں لگانا چاہیں۔ اور وہ انکار کرے۔ اب دیکھئے کہ باوجودیکہ یہ اشیاء موجود

اور ہمارے ہمسر ہیں۔ اس وجہ سے کہ جس طرح خدائے تعالے نے ہمیں پیدا کیا انہیں بھی پیدا کیا۔ مگر چونکہ ہم کو اُن پر ایک قسم کا تسلط دیا گیا ہے۔ وہ ہم سے سرتابی نہیں کر سکتے۔ اور ہماری قدرت سے مکان وجود میں آجاتا ہے۔ اسی پر غور کیجئے کہ مخلوق کو خالق کے ساتھ کسی قسم کی ہمسری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ بالذات موجود ہے۔ اور یہ معدوم۔ جب خالق کسی شئے کو عدم سے وجود میں لانا چاہتا ہے تو وہ شئے اُس کے روبرو اس سے بھی زیادہ ذلیل اور منقاد ہے جو ہمارے روبرو مکان کے اجزا ہوتے ہیں۔ صرف خدائے تعالے کا ارادہ ہونے کی دیر ہے۔ جہاں کسی چیز کے پیدا کرنے سے ارادہ متعلق ہوا تو پھر ممکن نہیں کہ وہ چیز وجود میں نہ آئے یا آنے میں تاخیر کرے۔ کیونکہ اگر کسی چیز کے بننے میں تاخیر ہوتی ہے تو وہ بنانے والے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بنانے والا ذی اثر اور باقدرت ہو تو وہ چیز بہت جلد تیار ہوگی۔ مثلاً معمولی مقدرت والا جس مکان کو ایک مہینے میں بنا سکتا ہے تو مقدرت والا اگر چاہے تو دو تین روز میں بنا لیگا۔ مخلوق اگر کسی چیز کو بنائے تو خواہ مخواہ دیر ہوگی۔ کیونکہ آلات واسباب فراہم کرنے میں ضرور دیر ہوتی ہے۔ بخلاف اس کے اگر خالق عزوجل جب کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو وہاں نہ آلات کی ضرورت ہوتی ہے نہ اسباب کی بلکہ فقط موجود ہو جا کہدینا کافی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے انما قولنا لشیٔ اذا اردناہ ان نقول لہ کن فیکون۔ اب غور کیجئے کہ مخلوق کس قدر خالق سے

روبرو ذلیل اور منقاد ہے۔ کہ صرف کن کہدینے سے وجود میں آجاتی ہے جب ہر چیز کا یہی حال ہے جن کا مجموعہ عالم ہے تو ظاہر ہے کہ عالم خدائے تعالےٰ کے روبرو نہایت ذلیل اور منقاد ہے۔ اور اس کی ہستی ہی کیا کہ خدائے تعالےٰ کی ہمسری کا دعوے کر سکے۔ غرض کہ عقلاً یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ عالم کو خدائے تعالےٰ کے مقابلہ میں کوئی قدرت نہیں۔ بلکہ نہایت ذلیل حالت میں ہے۔ صرف ایک لفظ کے کہنے سے وجود میں آسکتا ہے اور ایک لفظ کے کہنے سے فنا ہو سکتا ہے۔ جب یہ بات قابل تسلیم ہے تو کہنا پڑے گا کہ خدائے تعالےٰ نے جس طرح اپنے ارادہ اور اختیار سے عالم کو موجود کیا اسی طرح اس کو اپنے ارادہ اور اختیار سے فنا بھی کر سکتا ہے۔ جس کی خبر قرآن شریف میں دی ہے۔ اس کے بعد یہ خیال کرنا کہ زمین و آسمان ہمیشہ باقی اور روحانی دنیا کے لئے کوئی ٹھکانے یعنی جنت و دوزخ کی ضرورت نہیں یہ قرآن شریف کی تکذیب کرنی ہے۔

ب

(ب) یہ حرف جار ہے اور وہ جس پر داخل ہوتا ہے اس کو مجرور کہتے ہیں جار لغت میں کھینچنے والے کو کہتے ہیں اور مجرور وہ جو کھینچا جائے۔ جار مجرور کا تعلق کسی فعل سے یا صیغہ صفت سے ہوتا ہے۔ اگر ظاہر کوئی فعل یا صیغہ صفت نہ ہو تو اس کو مقدر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے (زید فی الدار) میں ثبت

یا ثابتٌ فی الدار سمجھا جاتا ہے۔ جب تک جار مجرور کا تعلق فعل یا صیغہ صفت سے نہ ہو عبارت درست نہیں ہو سکتی۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ عبارت کا ایک عالم ہی جدا اور مستقل ہے۔ جس میں بے انتہا افراد موجود ہوئے اور ہوتے جاتے ہیں اس عالم کا تعلق فہم و ادراک اور سامعہ سے ہے اور بواسطہ نقوش باصرہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ باقی دوسرے حواس کو اس عالم میں رسائی نہیں یہ عالم عبارت دراصل جلوہ گاہِ عالم معنیٰ ہے یعنی معنے تنزل کر کے عالم عبارت میں آجاتا ہے۔ پھر اس عالم میں اس کے مختلف اشکال ہوتے ہیں۔ ایک شکل کو دوسری شکل سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ مثلاً جب آدمی چاہتا ہے کہ کوئی اُسے پانی پلائے تو کسی کو مخاطب کر کے ہندی ہو تو یہ کہے گا کہ (مجھے پانی پلاؤ) اور عرب ہو تو (اسقنی الماء) اور فارسی ہو تو (مرا آب بنوشاں) کہے گا۔ علیٰ ہذا القیاس ہر ملک کا آدمی اپنی زبان میں اس مضمون کو ادا کرے گا۔ اگرچہ بحسب اختلاف السنہ صدہا قسم کی عبارتیں اس مضمون کی بنائی جائینگی۔ جس کو اس زبان کے جاننے والوں کے سوا کوئی دوسرا نہ جانے گا۔ مگر دل میں سب کے ایک ہی قسم کی بات ہوگی۔ یہاں شاید یہ خیال پیدا ہو گا کہ ہندی کے دل میں بھی ہندی الفاظ ہونگے۔ مگر یہ صحیح نہیں اس لئے کہ جانور کے دل میں بھی یہ بات موجود ہوتی ہے جیسا کہ آثار اور قرائن سے ثابت ہے حالانکہ اس کے دل میں کسی لفظ کا وجود نہیں ہے کیونکہ لفظ (ما یتلفظ بہ الانسان) کو کہتے ہیں اس کے سوا

یہ امر بھی قابل تسلیم ہے کہ جب کوئی شخص اعتراض کرتا ہے تو بسا وقت اس کا جواب سوجھ جاتا ہے اور بمجرد اُس کے خطور کے آدمی پر آثار بشاشت نمایاں ہوتے ہیں اور فوراً مقابل کو کلام سے روک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا جواب میرے خیال میں آگیا۔ جس وقت اس جواب کا خطور ہوتا ہے اُس وقت کو اگر آدمی غور سے دیکھے تو ایک آن سے زیادہ نہ پائے گا۔ اُس آنی کلام کو کلام نفسی کہتے ہیں۔ اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ گویا ایک بجلی ہے کہ کوند گئی اور جس مقام میں کوندی اُس کو منور کر دیا وہ کلام نفسی جو آنی ہوتا ہے جب بیان کیا جاتا ہے تو بہت دیر تک اُس کی تقریر کی جاتی ہے۔ اب کہئے کہ اُس آن میں جو جواب کا خطور ہوا یہ سب الفاظ جو دیر تک بیان کئے جاتے ہیں کہاں ہیں۔

الحاصل اگر غور کیا جائے تو یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ دل میں جو مضمون آتا ہے اس کو الفاظ کی شکل نہیں ہوتی وہ ایک اجمالی کیفیت ہے مگر چونکہ اسی کو مفصل بیان کرتے ہیں اس وجہ سے بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی ہندی ہو تو اردو الفاظ اس کے دل میں ہونگے۔ اور کوئی عرب ہو تو عربی حالانکہ یہ صحیح نہیں کیونکہ جب جانوروں کے دل میں بھی باتیں ہوتی ہیں اور الفاظ مفقود ہیں تو معلوم ہوا کہ الفاظ کا وہاں دخل نہیں ہے۔ مگر اس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ کوئی چیز وہاں ضرور ہے جس کو عبارت میں لاتے ہیں اسی کو کلام نفسی کہتے ہیں۔ اب اُس کلام نفسی پر غور کیجئے کہ جس طرح عوارض جسمانی سے معرا و منزہ ہے نہ اس میں

حروف ہیں۔ جن کے بنانے میں زبان و حلق و دہان ولب کے استعمال کی ضرورت ہو اور اُن کی تقدیم و تاخیر ہو سکے۔ نہ صوت ہے جس میں ہوا کی طرف احتیاج ہووے اُس حالت تنزیہی سے وہ کلام نفسی تنزل کرکے فضائے دہن میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ حلق سے لے کر ہونٹوں تک اس کی دارالسلطنت ہے اس کے تولد کی یہ کیفیت ہے کہ زبان ایک ایک جگہ لگتی جاتی ہے اور ایک ایک حصہ اس کا وجود میں آتا جاتا ہے اور بعض حصوں کو حلق اور لب وغیرہ بناتے ہیں۔

اب یہاں ایک لطف خاص قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ زبان اکثر حرکت کرتی رہتی ہے اور ان تمام مقامات پر لگتی بھی ہے۔ مگر کوئی حرف وجود میں نہیں آتا۔ جب تک حلق کے اندر سے ہوا خاص طور پر باہر نہ آئے جس سے آواز کا وجود ہو۔ غرضکہ آواز جو در اصل ہوا ہے جب حلق سے باہر آتی ہے اس وقت ان تمام حرکات زبان وغیرہ سے آواز میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے جس سے کلام کا وجود ہوتا ہے۔ سمجھنے کے قابل یہ بات ہے کہ زبان تمام حرفوں کے مخارج پر لگنے اور حلق وغیرہ کے حرکت کرنے سے بھی حروف پیدا نہیں ہوتے بلکہ ہوائے خاص یعنی آواز کے وجود سے ان سب کا ظہور ہو جاتا ہے۔ یہ بعینہ ایسا ہے جیسے اعیان ثابتہ اپنے مقام میں یعنی عدم میں رہتے ہیں اور وجود کے معیت کے ساتھ ہی ان کا ظہور ہو جاتا ہے۔ دیکھئے عالم حروف ایک محسوس عالم ہے۔ جس میں ہر ایک حرف دوسرے حروف سے مشخص اور ممتاز ہے ان حروف کا

کلام لفظی

مثال اعیان ثابتہ

جو ظہور ہو رہا ہے صرف آواز کی بدولت ہے اگر آواز نہ ہو اور زبان وغیرہ تمام حروف کے اعیان کو ثابت کر دیں تو بھی وہ سب معدوم ہی رہینگے۔ اس لئے کہ عالم محسوسات میں اگر ان کا وجود ہی نہ ہوا تو کسی کو خبر بھی نہ ہوگی کہ ان کا ثبوت بھی ہے یا نہیں۔ البتہ نفس ناطقہ نے جب زبان وغیرہ کی حرکت سے ان کو فی نفسہ ممتاز بنا دیا تو وہ جانتا ہے کہ کہاں کہاں کس کا تعین ہے۔ پھر جب اُن کو وجود دینا منظور ہوتا ہے تو زبان وغیرہ کو حرکت دیتا ہے جو بمنزلہ کلمۂ "کن" کے ہے اور وہ آواز کی معیت سے وجود میں آجاتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ حروف کے اعیان ثابتہ اپنے مقام سے علحدہ نہیں ہوتے کیونکہ لام مثلاً جس مقام میں بنتا ہے نہ وہ مقام منہ سے باہر آیا نہ وہ کیفیت جو زبان کے اتصال مقامی سے پیدا ہوئی۔ البتہ اُس عین ثابتہ کا ظہور عالم محسوسات میں ہو جاتا ہے اور لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ لام مثلاً عالم محسوسات میں پیدا ہو گیا حالانکہ وہ وہیں ہے جہاں اس کا ثبوت تھا۔ مگر ہوا یہ کہ آواز نے ان حروف کو عالم محسوسات میں ظاہر کر دیا۔ یہاں لطف خاص یہ ہے کہ آواز اور حروف سنے جاتے ہیں اور اصل ہوا کو کوئی سنتا ہی نہیں بلکہ وہ غیر محسوس ہے حالانکہ مدار آواز کا اسی پر ہے کیونکہ آواز ہوائے مکیّفہ کا نام ہے۔ یہی حال عالم کا ہے کہ کیفیات وجود محسوس ہیں مگر وجود محسوس نہیں۔ ہوا کا استعمال کہ کس موقع پر کتنی نکالی جائے جس سے صرف خود آپ ہی سنے یا نزدیک والا یا دور والا سن سکے ایک عجیب کام ہے اسکا

وجود محسوس نہیں

طریقہ کوئی حکیم بتا نہیں سکتا۔ بلکہ الہامی ذریعہ سے خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔
پھر زبان کی اعجوبہ کاریاں بھی قابل دید ہیں کہ اس سرعت کے ساتھ وہ حرف بناتی
ہے کہ اس کو دیکھکر آدمی حیران ہو جاتا ہے۔ تیس چالیس مقامات پر فوراً گذر
کرکے بات کا بنانا اسی کا کام ہے اگرچہ وہ ایک مضغۂ گوشت ہے مگر نفس ناطقہ
کی تحریک سے بہت آسانی سے اپنا کام انجام دیتی ہے اور نفس ناطقہ کی کارگزاری
بھی اس وقت قابل دید ہے کہ ایک ایک حرف پر زبان کے عضلات و اوتار
وغیرہ کو کبھی کھینچ کر اور کبھی چھوڑ کر اور کبھی زبان کو پہن کرکے اور کبھی دراز کرکے
اس سرعت سے کام لیتا ہے کہ عقل حیران ہو جاتی ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ
صرف زبان ہی کی طرف اُس کی توجہ ہو بلکہ ادھر یہ کارخانہ جاری ہے اور اُدھر
مضامین سوچتا رہتا ہے کہ کس مضمون پر کس عبارت کا لباس پہنایا جائے۔
یا یوں کہئیے کہ ادھر کلام کے اعضا بناتا جاتا ہے اور ادھر اس میں جان پھونکتا
جاتا ہے۔ کیونکہ الفاظ میں معنیٰ بمنزلہ جان کے ہیں۔ بہرحال یہ دونوں کام
ایک ہی وقت میں نفس ناطقہ کرتا ہے اور اُس کے ساتھ حلق سے ہوا کو
بھی نکالتا جاتا ہے۔ تاکہ جو حروف منہ میں بن رہے ہیں اس میں لپٹ کر منہ سے
باہر جائیں اور جو مقصود ہے پورا کریں۔ یہاں بھی ایک عجیب تماشا ہے کہ
جو ہوا حلق کے باریک سوراخ سے نکلتی ہے اس کے ساتھ کلام منہ کے باہر
نکلتا ہے اور نکلتے ہی اتنی ہوا پر اپنا تسلط کر لیتا ہے جو ایک وسیع میدان

میں بھری ہوتی ہے۔ اگر دس ہزار آدمی بھی اس میدان میں ہوں تو بھی حسب قوتِ آواز کانوں میں وہ کلام چلا جاتا ہے ہر چند وہ ہوا جس میں کلام رہتا ہے سب کے جسم سے لگی ہوئی ہے۔ مگر جسم کے کسی حصہ کو خبر نہیں ہوتی کہ اُس ہوا میں کلام ہے اگر خبر ہوتی ہے تو صرف کان کے آخری حصہ کو حالانکہ اس میں کوئی ایسی چیز نہیں جو جسم کے کسی حصہ میں نہ ہو اگر عصب سے سماعت کا کام متعلق ہے تو وہ بھی تمام جسم میں مفروش ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام اعصاب میں سے اُس عصب سے جو کان میں مفروش ہے سماعت کو متعلق فرما دیا ہے جس سے کلام کی پوری حالتوں پر اس کو اطلاع ہو جاتی ہے۔ اور دوسرے کل اعضاء اس سے بے خبر ہیں کیونکہ ان کو اُس عالم سے تعلق ہی نہیں۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ایک عالم ہی مستقل ہے۔ ابتداءً بات دل میں پیدا ہوتی ہے پھر منہ میں آکر ایک نئی شکل قبول کرتی ہے۔ پھر ہوا کے ذریعہ سے باہر نکلتی ہے اور ایک حد معیّن تک سننے والوں کے کانوں میں پہنچتی ہے اور وہاں سے اُن کے دل میں اُترتی ہے۔ ابتدا سے انتہا تک اندرونی تعلقات اور مناسبتیں باہمی کچھ ایسی ہیں کہ اُن کے ادراک سے عقل قاصر ہے کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عصب یعنی پٹھ سنتا ہے یا سننے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کو کان بھی ہیں اور کان میں پٹھے بھی ہیں۔ مگر سماعت مفقود۔ اور زبان بھی ہے اور حرکت بھی کرتی ہے۔ مگر بات کے بنانے کی

صلاحیت ندارد۔ عقلا رسنے بات کو مقید کرنے کا آلہ تو بنا لیا ہے مگر اب تک
کوئی ایسا آلہ تیار نہ ہو سکا کہ اپنے دل کی بات اس کے ذریعہ سے بیان کریں
حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ حلق سے ہوا نکلتی ہے اور چند کھٹکوں سے حروف تیار
ہوتے ہیں۔ اور ہوا کے ذریعہ سے وہ کان تک پہنچتے ہیں۔ ہوا موجود ہے
اور ربڑ کی زبان بھی بنا سکتے ہیں اور ہوا کو متوج دینے کی تدابیر بھی معلوم ہیں مگر
یہ نہیں ہو سکتا کہ منہ کی شکل بنا کر اُس سے بات کر لیں اگر ایسا آلہ نکالا جائے
تو گنگوں کو بہت بڑا فائدہ ہو۔ ایسے کام لینے کی تدابیر امریکہ وغیرہ میں اقسام کی
کی جا رہی ہیں مگر اتنا سہل کام اب تک نہ ہو سکا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حرف
وصوت وسماعت کا عالم ہی جدا ہے جس کے اسرار پر اب تک کسی کو اطلاع
نہیں۔ اس عالم میں آواز بھی ایک چیز ہے جو حلق سے نکالی جاتی ہے اس کی
کیفیت یہ ہے کہ جب چاہتے ہیں کہ سوائے شخص قریب کے کوئی نہ سنے تو اس کو
پست کر سکتے ہیں اور جب اوروں کو بھی سنانا منظور ہوتا ہے تو بلند کرتے
ہیں۔ پھر اس میں بھی مدارج ہیں سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کو سنا سکتے ہیں اب
آواز کو پست و بلند کرنے والوں سے پوچھا جائے کہ کس تدبیر سے آواز پست و
بلند کی جاتی ہے تو کوئی بتا نہ سکے گا۔ حکما یہ کہہ تو دیں گے کہ عضلات وغیرہ
کو خاص خاص قسم کی حرکت دی جاتی ہے مگر حرکت دینے کی تدبیر کوئی نہ بتا سکیگا
حالانکہ جاہل جس کو یہ بھی معلوم نہیں کہ حلق میں کوئی عضلہ بھی ہوتا ہے وہ بھی

بڑی

اپنی آواز کو پست و بلند کرتا ہے۔ اب کہیے کہ اُس کو یہ تدبیر جو عمل میں لاتا ہے کس نے بتائی نفس ناطقہ تو کیا اس کے فرشتے کو بھی معلوم نہیں کہ کس تدبیر سے عضلات و اعصاب کو حرکت دیتے ہیں بلکہ یہ بھی خبر نہیں کہ عضلات کا وہاں وجود بھی ہے یا یوں ہی کہا جاتا ہے۔ اگر کہا جائے کہ طبیعت یہ کام کرتی ہے تو ہم کہیں گے کہ طبیعت نفس ناطقہ کے ماتحت کام کرتی ہے جب نفس ناطقہ ہی کو معلوم نہیں تو بے شعور طبیعت کو کیونکر معلوم ہوا۔ عقلاء کا دستور ہے کہ جس سررشتہ کے انتظام کے لئے عملہ مقرر کرتے ہیں تو پہلے ایسے افسر اعلیٰ کی تلاش کرتے ہیں کہ اس سررشتہ کے تمام کاموں کا ماہر ہو اور اُس کے ماتحت کے افسر اس سے کم درجہ کے ہوتے ہیں جب حق تعالیٰ نے نفس ناطقہ کو اس سررشتہ کالبدِ انسانی کا افسر اعلیٰ مقرر فرمایا تو اس کا علم اس کے ماتحتوں کے علم سے زیادہ ہونا چاہئے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ نفس ناطقہ کو اس کا علم ہی نہیں کیونکہ ہماری جس قدر ادراکات ہیں وہ سب ہمارے نفس ناطقہ ہی کے ادراکات ہیں اگر ہمارا نفس ناطقہ جانتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں جب اس تدبیر کو ہم نہیں جانتے تو ہم یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا نفس ناطقہ بھی نہیں جانتا اور جب نفس ناطقہ ہی نہیں جانتا تو طبیعت بھی نہیں جانتی۔ کیونکہ خود حکماء کو اعتراف ہے کہ طبیعت بے شعور محض ہے اس سے معلوم ہوا کہ عالم کلام کے کارخانے کو خدائے تعالیٰ نے صرف اپنے ہی تصرف میں رکھا ہے جب چاہتا ہے بات کرا دیتا ہے مگر

چونکہ عادت ہوگئی کہ ہم جب ارادہ کرتے ہیں تو بات کرلیتے ہیں اس وجہ سے خیال تک نہیں آتا کہ خدائے تعالےٰ کو بھی اس کارخانے میں دخل ہے یا نہیں یہ ہر شخص جانتا ہے کہ آدمی جب کسی ایسے کام کا ارادہ کرتا ہے جن میں آلات کے استعمال کی ضرورت ہو تو پہلے ان آلات کے استعمال کا طریقہ سیکھتا ہے اور جب تک وہ معلوم نہ ہو کام ہرگز نہیں کرسکتا۔ بخلاف اس کے بات کرنے کا ارادہ جب کرتا ہے تو بغیر اس کے کہ آلات یعنی عضلات وغیرہ کے استعمال کرنے کا طریقہ معلوم ہو بات کرلیتا ہے۔ اب کہئے کہ کیا صرف ارادہ بات کرنے کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔ میری رائے میں عقل کی رو سے تو ہرگز کافی نہیں ہوسکتا کیونکہ جب معلوم ہوگیا کہ نفس ناطقہ اور طبیعت طریقۂ استعمال آلات کو جانتے ہی نہیں تو یہ کہنا پڑے گا کہ ارادہ تو ہم کرتے ہیں مگر اُس کام کا وجود کسی اور کے ارادہ سے ہوتا ہے یعنی خالق عالم اُس فعل کو وجود میں لاتا ہے اسی پر ہمارے تمام افعال کو قیاس کرلیجئے اسی وجہ سے اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے کہ خالق افعال خدا تعالےٰ ہے اور کلام آلٰہی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے واللہ خلقکم وما تعملون الحاصل جو بات کہ دل میں پوشیدہ تھی جس کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ جب اس کو عالم شہود میں لانا منظور ہوا تو ہوا کے ساتھ وہ مخلوط کی گئی کیونکہ عالم محسوسات بہ نسبت عالم معنی کے کثیف ہے۔ اب اُس نے اپنے مقام سے اس قدر تنزل کیا کہ ہزارہا آدمی اُس کو

مشاہدہ

مشاہدہ کرنے لگے اور محسوسات میں داخل ہو گئی - مگر اب بھی اُس کا مشاہدہ ایک مخصوص طور پر ہے کہ صرف کانوں کو خبر ہے آنکھ وغیرہ اعضاء کو کچھ خبر ہی نہیں کہ اُس کا وجود بھی عالم میں ہے یا نہیں کیونکہ کلام کی تجلی مختص کانوں کے ساتھ ہے اور کان بھی سب نہیں بلکہ وہی جن کو ان کا احساس دیا گیا ہے - اب دیکھئے کہ کلام ظاہر بھی ہے اور باطن بھی ظاہر سماعت پر اور باطن اوروں پر - مگر یہاں یہ قیاس نہ کیا جائے کہ حق تعالیٰ کا ظہور و بطون بھی ایسا ہی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات ایسی نہیں کہ کوئی اُن کے مشابہ ہو سکے - حق تعالیٰ فرماتا ہے لیس کمثلہ شیٔ کلام باطن سے تھوڑی دیر کے لئے ظہور کر کے کانوں کی راہ سے پھر باطن میں چلا جاتا ہے اور جس طرح ابتداء میں کلام نفسی تھا - اب بھی سامع کا کلام نفسی بن جاتا ہے اور حروف و صوت سب باہر رہ جاتے ہیں بلکہ فنا ہو جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حروف و صوت کی تدبیر صرف اسی غرض سے کی گئی تھی کہ دل کی بات دل میں پہنچ جائے ہم نے اوپر جو کہا تھا کہ کلام نفسی حروف و صوت سے منزہ ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ مثلاً (پانی پلاؤ) کسی کو کہا جاتا ہے تو اس وقت صرف یہ ہوتا ہے کہ پانی کی صورت ذہن میں آتی ہے اور (پلاؤ) کی اگرچہ یہ بات بظاہر سمجھ میں نہ آئے گی کہ پلاؤ امر کا صیغہ ہے اس کی کیا صورت ہو گی - مگر جس وقت یہ کلام کیا جاتا ہے - اُس وقت نفس ناطقہ میں یہ بات ضرور ہوتی ہے - کہ

پلانے کی طلب و خواہش سامع سے ہوتی ہے جس کو عبارت میں لایا جائے تو لفظ (پلاؤ) یا بنوشان وغیرہ بنایا جائے گا۔ جس طرح اشیاء خارجیہ کی صورتیں ذہن میں ہوتی ہیں ایسے ہی افعال وغیرہ کی صورتیں بھی ہوتی ہیں دیکھئے پلایا اور پلاؤ کے معنی ہر شخص سمجھتا ہے کہ جدا جدا ہیں اگر اس میں ہر ایک کے معنی علحدہ نہ ہوں تو ان کے لئے علحدہ علحدہ الفاظ کیوں قرار دئے جاتے ہیں۔ بہر حال اُن الفاظ کے معنی کا تصور ہر شخص کو ضرور ہوتا ہے۔ اور جب اُن کی کوئی صورت ہی نہ ہو تو تصور کیونکر ہو سکے۔ غرضکہ پانی کی اور پلاؤ کی صورت پہلے ذہن میں آتی ہے اس طور پر کہ جملہ انشائیہ بنتا ہے اگر مخاطب اس خطاب کو سمجھ سکتا تو حرف و صوت سے کلام بنانے کی ضرورت نہ ہوتی اور مقصود پورا ہو جاتا۔ اگر فرض کیا جائے کہ دو صاحب کشف قلوب کسی مقام میں ہوں تو ان کو کلام لفظی بنانے کی کوئی ضرورت نہ ہو گی۔ اندر ہی اندر دونوں کی باتیں اور مخاطبہ ہوتا جائے گا جیسا کہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے ؎

دو کس را کہ باشد بہم جان و ہوش
حکایت کنانند وایشاں خموش

غرضکہ جو صورت کلام دل میں ہوتی ہے اس کو دوسرے کے ذہن میں منتقل کرنے کی غرض سے الفاظ بنائے جاتے ہیں گو وہ صورتِ کلام نفسی صورتِ الفاظ میں جلوہ گر ہوتی ہے و بسواری ہوا کانوں کے ذریعہ سے دوسروں کے دل میں

جاتی ہے

جاتی ہے اگر کسی میں یہ قوت ہو کہ اپنے کلام نفسی کو دوسرے کا کلام بنا سکے تو اُس کو حروف و صوت کی کوئی ضرورت نہیں چنانچہ کسی بزرگ کے حال میں لکھا ہے کہ وہ خود وعظ نہیں کہتے تھے۔ مگر جب اُن سے اصرار کیا گیا تو اُنہوں نے ایک جاہل کو منبر پر بٹھا دیا اور آپ اس کی طرف متوجہ ہو گئے اُس نے ایسا فصیح و بلیغ پُر اثر وعظ کہا کہ لوگ حیران ہو گئے بعدِ وعظ جب اُس سے پوچھا گیا تو وہ ان مضامین سے بالکل نا آشنا تھا۔ انبیا علیہم السلام پر جو وحی آتی تھی اس کا بھی یہی حال تھا کہ بذریعۂ فرشتہ اُن پر کلام نفسی آلہی کا القا ہوتا تھا۔ جس کا ظہور کلام لفظی کے صورت میں عمل میں آتا یہی وجہ ہے کہ کلام اللہ شریف کو جنابت کی حالت میں پڑھنا جائز نہیں اور اُس کے بعد صورت مکتوبی میں اس کا تنزل ہوا اسی وجہ سے بغیر طہارت کے اُس کو ہاتھ لگانا درست نہیں۔ اسی طرح جس صورت میں اس کا تنزل ہو واجب التعظیم ہے۔ اسی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ فونوگراف کی تختیوں میں جو خطوط ہوں جن سے قرآن کی آواز نکلتی ہے تو ان کو بھی بغیر طہارت کے ہاتھ لگانا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ انہی خطوط پر آلہ سے آواز نکلنے کا مدار ہے جس سے ظاہر ہے کہ اُن خطوط میں وہ موجود ہے۔

کلام اُس میں تھا کہ عالم عبارت جلوہ گاہ عالم معنی ہے سو اُس کا حال کسی قدر معلوم ہو گیا۔ اب یہ معلوم کرنا چاہئیے کہ عبارت میں جار کی ضرورت کیوں ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی اسم فعل یا شبہ فعل سے مربوط نہ ہو تو جار اکر

اس کو مربوط اور متعلق کر دیتا ہے مثلاً صلی زیدٌ فی الدار میں اگر فی نہ لایا جائے
اور صلی زید الدار کہیں تو بالکل غیر مربوط ہو جاتا ہے۔ اس لئے
فی لایا گیا تاکہ دار کو کھینچکر صلی کی طرف لے جائے اور جو اُس کو اُس فعل سے
بالکل اجنبیت ہے دور کرکے خاص طور پر اُس سے متعلق کر دے اس عبارت
کو دیکھئے صلی زید یوم الجمعۃ وقت الظہر سنۃ فلاں قائماً
مع احبابہ مع خضوع وخشوع فی الدار۔ باوجودیکہ دار صلی سے
کتنی دور ہے اور ممکن ہے کہ اور قیود وعبارت بڑھاکر اس سے بھی زیادہ
دور کر دیں مگر جار اس کو اس قدر نزدیک کر دیتا ہے کہ جتنے موانع اور حواجب
ہیں اُن میں سے کوئی اس کے تعلق کو قطع نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مرشد کامل جو
جار الی اللہ ہے یعنی خدائے تعالےٰ کی طرف مرید کو کشاں کشاں لے جاتا ہے
اور مرید اُس طرف کھینچ جاتا ہے۔ جس پر لفظ مجرور پورے طور پر صادق آتا ہے
اور مرید کو ایسی قربت حاصل ہوتی ہے کہ درمیانی اسباب و وسائط اُس کی
نظروں سے ساقط ہو جاتے ہیں اور باوجود بُعد کے تعلق قلبی اُس کا ایسا
ہوتا ہے کہ معنیً نزدیک ہو جاتا ہے۔ ضروری اور پہلا کام مرشد کا یہ ہوتا ہے
کہ افعال آلہیہ و صفات آلہیہ سے اُس کو متعلق اور مربوط کر دے تاکہ جملہ
افعال و حرکات و سکنات عالم کو افعال آلہی سمجھے۔ ارشاد ہے وھوالذی
یمسك السمٰوٰت والارض ان تزولا ولئن زالتا ان

امسکھما

امسکہما من احد من بعدہ خدائے تعالےٰ ہی نے زمین اور آسمان کو گرنے سے روک رکھا ہے اور اگر وہ گر پڑیں تو خدا کے سوا اُن کو کون روک سکتا ہے یہ تو سکنات سے متعلق فعل الٰہی ہے اور حرکات کا تعلق اس سے ظاہر ہے کہ لاتتحرک ذرۃ الا باذن اللہ مقصود یہ ہے کہ مرید جملہ حرکات وسکنات کو خدائے تعالےٰ کے افعال یا آثارِ افعال سمجھے۔ جب یہ امر مرید کے نصب العین ہوا اور اُس کا مشاہدہ ہونے لگے تو دل جمعی ہو جائے گی اور وہ پریشانی جو ہم لوگوں کو ہوتی ہے کہ فلاں شخص ہمارا دشمن ہے۔ مبادا کہیں ضرر نہ پہنچا دے۔ جس سے بچنے کی تدابیر میں وقت ضائع ہوتا ہے اور اُس میں خدائے تعالےٰ سے جو بے تعلقی ہوتی ہے اور اقسام کی مصیبتیں اور پریشان فکریں ہوتی ہیں وہ سب دور ہو جائینگی اور باطمینان خاطر یادِ الٰہی میں مشغول ہوگا اسی طرح دوستوں کو راضی کرنے اور ان کی آؤ بھگت میں باقتضائے بشریت جو وقت صرف ہوتا ہے اور تعلق قلبی اُن سے منافع حاصل کرنے میں لگا رہتا ہے جس کی وجہ سے حق تعالےٰ سے بے تعلقی ہو جاتی ہے وہ دفع ہو جاتی ہے اس وقت نافع وضار وہ حق تعالیٰ ہی کو سمجھتا ہے اگر خوف ہے تو اسی سے ہے اور امید ہے تو اُسی سے۔ اسی طرح جتنے کام دنیا میں ہوتے ہیں سب کا دار ومدار اُسی پر اور سب کا خالق اسی کو سمجھتا ہے جس سے یک در گیر محکم گیر کا مضمون اس پر صادق آجاتا ہے اُسی کو توحید افعالی کہتے ہیں۔

غرضکہ پیر مرید کو کھینچکر توحید کی طرف لے جاتا ہے مگراس کو اوائل میں بڑی بڑی سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں کیونکہ لڑکپن سے مشاہدہ ہو رہا ہے کہ دوست نفع پہنچاتا ہے اور دشمن ضرر اور نافع اور ضار چیزیں ممتاز ہیں جن کا ہر وقت ایک ساں اثر ہوتا ہے۔ مثلاً زہر جو کوئی کھائے اُس کو ضرر ہوگا خواہ کچھ بھی اعتقاد رکھے اسی طرح پانی سے ضرور تشنگی رفع ہوتی ہے۔ طبیعت اس دوامی مشاہدہ کی عادی ہوگئی ہے کہ ہر اثر کو اس چیز کی طرف منسوب کرے جس کا بحسب تجربہ ومشاہدہ اثر ثابت ہوتا ہے۔ اب اس طبعی امر کو چھوڑ کر ہر بات میں خدا تعالےٰ کو موثر سمجھنا کوئی معمولی بات نہیں یوں تو ہر عامی شخص بھی یہی کہدیتا ہے کہ خدا ہی سب کچھ کرتا ہے اور یہ خدا کے کام ہیں مگر کہنے کہنے میں فرق ہے ایک کہنا وہ ہے کہ اس کا تعلق صرف زبان سے ہوتا ہے جہاں دل لگی ہیں اور باتیں ہوتی ہیں اُن میں ایسی باتیں بھی کہدی جاتی ہیں اور ایک کہنا یہ ہے کہ اُس کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور یہ اُس وقت ہوتا ہے کہ ہر فعل میں بے تکلف مشاہدۂ توحید افعالی رہے یہاں تک کہ اُس پر آثار مرتب ہونے لگیں اور یہ کوئی محال بات نہیں۔ کیونکہ خدائے تعالےٰ کسی کی محنت کو رائیگاں نہیں فرماتا اور ارشاد ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینّھم سبلنا۔ یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں اور مشقت اُٹھاتے ہیں ان کو ہم اپنے راستے دکھا دیتے ہیں۔

سلطنت اسمائی

ہر چند آخر میں یہ بات ہوتی ہے مگر وہ طفیل پیر ہی کا ہے جو اس درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ الحاصل پیر جار ہوا اور مرید مجرور اور ان دونوں کا تعلق فعل الٰہی سے ہے اور کبھی جار مجرور کا تعلق صیغۂ صفت سے ہوتا ہے جیسے سمیعٌ بصیرٌ قادرٌ وغیرہ۔ یہ تعلق اس طرح ہوتا ہے کہ تمام عالم میں اسمار حسنے کی سلطنت ہے۔ مثلاً رب کی سلطنت اس طرح ہے کہ کوئی شئے ربوبیت الٰہیہ سے خارج نہیں ہو سکتی کما قال تعالیٰ (رب العالمین) اسی طرح رحمٰن کی عام سلطنت ہے جیسا کہ ارشاد ہے الرحمٰن علی العرش استوی چونکہ عرش تمام عالم پر محیط ہے رحمٰن بھی محیط ہے جہاں کسی کو نفع یا ضرر پہنچے وہاں نافع یا ضار کی سلطنت ہوگی ہدایت اور ضلالت میں ہادی اور مضل کی سلطنت ہوگی جب تک ہادی کی سلطنت کسی پر رہے ممکن نہیں کہ کوئی اس کو گمراہ کر سکے۔

علیٰ ہذا القیاس جو نافع کی سلطنت میں ہو ممکن نہیں کہ کوئی اس کو ضرر پہنچا سکے۔ جب پیر مرید کو صیغۂ صفت سے متعلق کرتا ہے تو بحسب تقریر بالا اس کا تعلق صفات الٰہیہ سے ہوتا ہے اور توحید صفاتی اس پر منکشف ہوتی ہے اس طور سے کہ جب کسی میں کسی ایسی صفت کا ظہور ہو جو متعلق بذات الٰہی ہے جیسے سمیع بصیر وغیرہ تو اس کو صفت الٰہیہ کا مظہر سمجھتا ہے غرضکہ پیر جار ہے اور مرید مجرور یہ دونوں فعل الٰہی یا صیغہ صفت سے یعنی اسمار الٰہیہ سے

متعلق ہوتے ہیں جس سے توحید افعالی اور توحید صفاتی نصب العین رہتی ہے اس کے بعد توحید ذاتی ہے مگر عموماً اس سے تعلق ہونا مشکل ہے کیونکہ ذات الٰہی کو عالم سے کوئی تعلق نہیں چنانچہ ارشاد ہے ان اللہ غنی عن العالمین اور قطع نظر اس کے اس کا ثبوت یوں ہو سکتا ہے کہ عالم کا ذرہ ذرہ خدائے تعالیٰ کا محتاج ہے مگر اس کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ احتیاج کیسی ہے پہلے پہل ہر چیز خدائے تعالیٰ کی طرف اس وجہ سے محتاج ہے کہ اُس کو وجود میں لائے ادنےٰ تامل سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ یہ احتیاج نفس ذات کی طرف نہیں بلکہ خالق کی طرف ہے جو اسم الٰہی ہے جس میں صفت خالقیت معتبر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر شئے اپنی بقا میں محتاج ہے سو یہ احتیاج بھی نفس ذات کی طرف نہیں بلکہ حافظ کی طرف ہے جو صیغۂ صفت ہے علیٰ ہذا القیاس کل احتیاجیں صفات یا افعال سے متعلق ہیں۔ اسی وجہ سے جار مجرور کا تعلق فعل سے ہوتا ہے یا شبہ فعل سے یعنی فعل الٰہی سے یا صفت الٰہیہ سے۔

ربّ

(ربّ) یہ لفظ مضاف ہے اس کا اصل ربب تھا دو حرف ایک جنس کے جمع ہوئے۔ پہلے کو ساکن کرکے دوسرے میں ادغام کیا گیا ربّ ہوا۔ یعنی پہلا با دوسرے میں چھپ گیا۔ شان ربوبیت خالق کا مقتضیٰ یہی تھا کہ خود

ظاہر نہ ہو۔ اور مربوب یعنی جس کی پرورش مقصود ہے اس کو ظاہر کر دے دیکھئے جب کسی کو رزق دیا جاتا ہے تو اس کے آثار چہرہ سے نمایاں ہوتے ہیں۔ اور تمام قوتیں اور جسم گواہی دیتا ہے کہ روزی مل گئی مگر یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس نے دی۔ یوں تو خدا اور رسول کے ارشاد سے معلوم ہو گیا کہ رزق دینے والا وہی خدائے تعالیٰ ہے مگر وجدانی طور پر یہ بات معلوم نہیں ہوتی۔ اسی وجہ سے جب نگاہ پڑتی ہے تو اپنے ہی پر پڑتی ہے کہ ہم نے اپنے قوت بازو سے رزق حاصل کیا یا کسی غلہ سے حاصل ہوا یا کسی آدمی نے دے دیا۔ غرضکہ خدائے تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کو اس طرح چھپایا کہ کسی کو معلوم ہی نہ ہو۔ جس طرح لفظ رب میں پہلا (با) چھپا ہوا ہے اُس کی صورت محسوس ہے نہ علامت۔ یہانتک کہ اس کا نقطہ بھی نظر نہیں آتا اور نمایاں ہے سو وہی ایک دوسرا ب ہے مگر لفظ رب اشارتاً کہہ رہا ہے کہ اگر بائے اول نہ ہوتا تو یہ قوت اور شدت جو مدغم فیہ میں محسوس ہے وجود ہی میں نہ آتی۔ ہر چند پہلا با بالکل چھپا ہوا ہے۔ مگر جو عقلا ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ درباطن اسی کی حرکت معنوی کا ظہور ہے جس طرح تمام عالم کی حرکت اور قوت گواہی دے رہی ہے کہ بغیر رب العالمین کی ربوبیت کے مجال نہیں کہ کوئی حرکت کر سکے۔ لغت میں رب کے معنی مالک مُدبّر مربی ولی اور نعمت دینے والے کے

ہیں مثلاً رب المال مالک مال کو کہتے ہیں اور فیستقی ربہ خمراً میں رب کے معنی سردار کے ہیں اور حدیث شریف میں ہے

اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ میں رب کے معنی زیادہ کرنے والے اور تمام کرنے والے کے ہیں۔ اور ایک قراءت میں یہ آیہ شریفہ یوں پڑھی گئی ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی

وادخلی جنتی یعنی قیامت کے روز روح کو حکم ہوگا کہ اپنے صاحب یعنی قالب کی طرف رضامندی کے ساتھ رجوع کر اور میرے بندوں میں داخل ہوکر میرے جنت میں چلی جا۔ یہاں رب کے معنی صاحب کے ہیں۔

قبیلۂ ثقیف نے ایک بڑے پتھر کا بت بنالیا تھا جس کا نام لات ہے اور اُس کو الربّہ بھی کہتے تھے اسی طرح نجران میں مذحج اور بنی الحارث نے ایک گھر کعبہ کے مقابلے میں بنایا تھا اُس کو وہ دار ربہ کہتے تھے یہاں ربہ کے معنی بڑے اور ضخیم کے ہیں یہ گھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے توڑا گیا۔

اور ربوبیت اور ربابت کے ایک معنی ہیں یعنی پرورش اور ربانی عابد اور عارف باللہ شخص کو کہتے ہیں اور ربابت کے معنی ملکت کے بھی ہیں نسبت کے وقت ربوبی کہتے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ علم ربوبی اور جب مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو الف و نون زیادہ

کر کے ربانی کہتے ہیں۔

یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ خدائے تعالےٰ رب العالمین ہے یعنی تمام عالموں کا پرورش کرنے والا ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ کل عوالم کتنے ہیں اور ان کے پرورش کے طریقے کیسے ہیں۔ باوجودیکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آفتاب وغیرہ نجوم روزانہ اپنے کاموں میں مشغول ہیں۔ اور یہ جانتے ہیں کہ جب تک اُن کی پرورش خاص طور پر نہ ہو وہ کام نہیں کرسکتے۔ مگر یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان کی پرورش کس طریقے سے ہوتی ہے۔ کیونکہ پرورش کے طریقے مختلف ہیں۔ چنانچہ جب ہم اپنے نزدیک کی چیزوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہر نوع کی پرورش کا طریقہ ہی جدا پاتے ہیں۔ مثلاً نباتات کی پرورش صرف مٹی اور پانی سے ہے اور حیوانات کی پرورش نباتات اور پانی وغیرہ سے اور انسان کی پرورش کا طریقہ ہی جدا ہے۔ چونکہ انسان کی پرورش کا ذکر اس مقام میں آگیا۔ اس لئے اجمالی طور پر اس کا کچھ ذکر کیا جاتا ہے یہ بات معلوم ہے کہ آدمی کی زندگی کا مدار چار خلطوں پر ہے بلغم۔ خون۔ صفرا۔ سودا۔ ان سب میں خون نہایت لطیف چیز ہے۔ چنانچہ بعضے حکیموں کے نزدیک تو خون ہی آدمی کی جان ہے۔ اور اکثر کا قول ہے۔ کہ خون سے روح حیوانی بنتی ہے۔ بہرحال خون مادہ حیات ہے مگر اس میں کسی قسم کا فساد آجاتا ہے تو وہی سم قاتل بن جاتا ہے۔ عورتوں کی

انسان کے متعلق ذرائع

طبیعت میں یہ بات رکھی گئی ہے کہ کل خون اُن کا جزو بدن نہیں ہوتا بلکہ ہر مہینے کسی قدر معمول میں خارج ہو جاتا ہے۔ اگر وہ خارج نہ ہو تو اقسام کے امراض پیدا ہوتے ہیں جو باعث ہلاکت ہیں۔ اب دیکھئے کہ یہی خون جس کا دفع ہونا ضروری تھا۔ حمل ہوتے ہی وہ جمع ہونے لگتا ہے اور غالباً بچے کا جسم اسی سے بنتا ہے۔ پھر جب اس میں جان بھرتی ہے تو وہی خون ناف کے ذریعہ سے اس کے جسم میں سرایت کر کے اس کا جزو بدن بنتا ہے اگر یہی خون ماں کے اعضاء میں سرایت کرنے لگے تو نوبت بہلاکت پہنچ جائے۔ اور بچہ باوجودیکہ نہایت نازک اور ضعیف القویٰ ہے مگر اسی مادہ سمی کو نوشجان کر کے اُس زاویۂ تیرہ و تار میں اپنے پروردگار کا شکر جان و دل سے بجا لاتا ہے۔ اگر اس مقام میں اس کے روبرو بریانی مزعفر رکھا جائے تو ہرگز اس کے طرف رخ نہ کرے گا بلکہ وہ اس کے حق میں سم قاتل ہے جس سے معلوم ہوا کہ بچے کی غذا ماں کے حق میں سم قاتل ہے اور ماں کی غذا بچے کے حق میں سم قاتل ہے۔

ایک مدت معینہ تک کھانا پانی دوا غذا جو کچھ کہئے وہی ایک شئے ہے جو اُس کی ماں کے حق میں زہر ہلاہل سے کم نہیں۔ چونکہ وہ ایک ایسے مقام میں ہے کہ جہاں نہ نباتات کا وجود ہے نہ حیوانات وغیرہ کا اور نہ وہ اپنے قوت بازو سے کسب معاش کر سکتا ہے اس لئے ربوبیت الٰہی نے اس کے

لئے یہ تدبیر کی کہ بغیر ہاتھ پاؤں اور منہ ہلانے کے ناف کے ذریعہ سے خود بخود اُس کو غذا پہنچتی رہے جس کی نہ اس کو خبر ہے نہ اُس کے ماں باپ کو جب ہمیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ ربوبیت کسی خاص طریقہ کی پابند نہیں مقام تنگ و تاریک میں جہاں انسان کا دسترس نہ ہو وہاں روزی فراہم کردے زہر سے غذا کا کام اور ناف سے منہ کا کام لے تو بڑی ہٹ دھرمی کی بات ہو گی کہ خدائے تعالیٰ کی قدرت انہیں امور میں منحصر اور محدود کردی جائے جو عادت میں جاری ہیں۔

یہاں ایک لطیف بات قابل توجہ ہے وہ یہ کہ احادیث سے ثابت ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس عالم میں تشریف فرما ہوئے تو آپ کا نال کٹا ہوا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کی غذا ایام حمل میں وہ نہ تھی جو ہر فرد بشر کی ہوا کرتی ہے۔ یعنی خون حیض کیونکہ اس کے پہنچانے کا ذریعہ ہی منقطع کر دیا گیا تھا اگرچہ اس مقام میں وہ خون نہ شرعاً نجس ہے نہ عقلاً مگر عالم تخیل میں تو اس سے کراہت ضرور ہوتی ہے اس لئے حق تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں یہ بھی گوارا نہیں فرمایا اور وقت ولادت باسعادت یہ بات سب پر منکشف کرا دی گئی کہ اُس عالم میں آپ کی غذا بھی کچھ اور تھی پھر اس عالم میں بھی اصلی غذا آپ کی کچھ اور ہی تھی جس کا حال خود اپنی زبان فیض ترجمان سے فرماتے ہیں

کہ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ فَیُطْعِمُنِیْ وَیُسْقِیْنِیْ یعنی میں رات کو اپنے اپنے پروردگار کے یہاں رہتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے ظاہر بین اس طعام وشراب کی حقیقت کیا جانیں۔ اگر فقط لاعلمی ہو تو مضائقہ نہیں۔ کیونکہ آدمی بہت سارے چیزوں کو نہیں جانتا۔ جس کا سب کو اعتراف ہے مگر قابل افسوس یہ بات ہے کہ بعض لوگ اپنی لاعلمی کو اس بات پر دلیل بناتے ہیں۔ کہ اُس کی کچھ اصل ہی نہیں۔ اُن سے یہ پوچھا جائے کہ ہم ہی تھے کہ ایک سمّی مادے کو مدتوں ہضم کرتے رہے۔ اور اب نہیں کر سکتے ہم میں کون سی چیز کم ہو گئی جس سے اُس کے ہضم کرنے کی قوت باقی نہ رہی ہمارے اصلی اعضا جو اُس وقت ضعیف تھے اب قوی ہو گئے۔ تمام قویٰ تو میں کمال پیدا ہو گیا۔ اس سے تو یہ لازم آتا ہے کہ قوت ہاضمہ اچھی طرح اُس کو ہضم کر سکے۔ میں دعوے سے کہتا ہوں کہ اس کی کوئی ایسی وجہ نہ بتلا سکیں گے جو تشفی بخش ہو۔ پھر جب اس غیر معمولی غذا کو مان گئے تو اور غیر معمولی غذاؤں کو ماننے میں کیا نقصان ہو گا

الغرض ایک مدت تک ربوبیت کا ظہور اس طرح ہوتا رہا جس کا حال ابھی بیان کیا گیا۔ اس کے بعد جب ہم اُس نہاں خانہ بطون سے جلوہ گاہ ظہور میں برآمد ہوئے تو شان ربوبیت دوسرا رنگ لائی وہی خون جو ہمارے اُس مسکن میں ابر کی طرح ہمیں سیراب کرتا تھا۔ اب نیچے سے اوپر کی جانب

۲۰/۶/۱۹۹۰

چڑھایا گیا اور اُن حوضوں میں پہنچا جو مدتوں سے سوکھے پڑے تھے وہاں اُس نے ایسی صورت بدلی کہ پہلی صورت کا نام ونشان تک باقی نہ رہا اُس کا قوام نہایت لطیف اور رنگ نہایت براق ذائقہ نہایت شیریں اور نہایت خوشگوار ہو گیا۔ اور اُن حوضوں میں فوارے لگا دئے گئے یہ سامان ربوبیت ہمارے یہاں آنے سے پہلے ہی کر دیا گیا۔ مگر اب وہ عالم کہاں جس میں بغیر مانگے اور بغیر ہاتھ پاؤں ہلانے کے رزق خود ہمارے پاس آتا بلکہ خود بخود ہمارے جسم میں چلا جاتا تھا۔ اب تو ہوا ہی پلٹ گئی اور بغیر کوشش کئے اُس کا ہم تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ دیکھا کہ وہ نہ ہم تک آتا ہے نہ ہم اُس تک جا سکتے ہیں۔ اپنی بے بسی پر بے اختیار رو دیا ؎ لمؤلفہ۔

زمانے تک رہا رونا عدم کے چھوٹ جانے پر

فرو ہوتا گیا پھر رنج وغم آہستہ آہستہ

اُدھر شان ربوبیت نے ماں میں شفقت پیدا کر دی کیسی حالت میں ہو رونے کی آواز پر اُس کے کان لگے ہوئے ہیں جہاں بچہ رویا بے قرار ہو کر خوان نعمت لے کر دوڑی۔ اب زحمت ہے تو اس قدر ہے کہ اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر اپنی غذا حاصل کرلیں۔

یہ طریقہ اُس زمانے تک رہا کہ ثقیل غذا کو بذریعہ آلات یعنی دانت سے

پیس کر کھائیں۔ اُس کے بعد جب دانت دئے گئے تو اب ربوبیت کا طریقہ دوسرا مقرر کیا گیا۔ اور ہر قسم کی ثقیل اور کثیف غذائیں کھانے لگے۔ یہ تو ایک عام بات تھی اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو ہر عضو کی ربوبیت اور پرورش کا طریقہ ہی علیحدہ ہے۔

دیکھئے اس ایک غذا سے جو کھائی جاتی ہے مختلف مقاموں میں مختلف چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔ سب میں نہایت نرم گوشت ہڈی نہایت سخت مثل پتھر کے پٹھے ایسے مضبوط کہ جن کا ٹوٹنا مشکل جس عضو کی طبیعت دیکھئے جدا کوئی نہایت گرم ہے تو کوئی نہایت سرد۔ کسی کا رنگ سرخ۔ کسی کا سفید وسیاہ وغیرہ۔ غرضکہ اس چھوٹے سے جسم میں اتنے کارخانے قائم ہوئے جو تمام عالم میں ہیں اور ہر ایک کا رزق اسی ایک غذا سے حاصل ہوتا ہے اور سب اپنا اپنا رزق حاصل کر کے رب العالمین کی شکر گذاری میں مشغول رہتے ہیں۔ جس طرح ہمیں خبر نہیں ہوتی کہ ہر ایک کا رزق کس طرح پہنچا ان کا شکر کرنے کا حال بھی ہمیں معلوم نہیں ہو سکتا۔ اُن کے رزق پہنچانے میں اگر ہمارے فعل کو دخل ہے تو اس قدر کہ ہم اس کو اپنی قوت سے حلق کے نیچے اتار دیتے ہیں۔ پھر نہیں معلوم کہ اس اندھیری کوٹھری میں کیا کیا ہوتا ہے۔ دراصل حلق سے نیچے پہنچانا بھی ہمارے اختیار میں نہیں وہ بھی ربوبیت ہی سے متعلق ہے۔ دیکھئے اگر ایک پٹھے میں بھی فرق آجائے تو

لنُکا

منہ کا کھلنا دشوار ہے۔ غرضکہ ربوبیت الٰہی کے کرشمے بے حد وبے حساب
ہیں عالم تو ایک بڑی چیز ہے صرف ہم اپنے آپ ہی کو دیکھیں تو عمر تمام ہوجائے
اور اُس کا علم ہنوز ناتمام رہے۔

آدمی کا ذاتی مقتضےٰ ہے کہ جس شخص سے اپنی پرورش متعلق ہوتی ہے
اس کا نہایت ممنون احسان ہوکر سرگرمی سے اُس کی خدمت و اطاعت میں
مشغول ہوتا ہے۔ دیکھئے ایک مہینے کے بعد جو شخص ماہوار دیتا ہے اُس کی
خدمت و اطاعت روزانہ ایک مہینے تک کرنی مشکل نہیں ہوتی۔ ذاتی کاروبار
چھوڑکر آدمی خوشی سے اُس کے کاروبار میں مشغول ہوتا ہے اور اُس کا خیال
بھی نہیں ہوتا کہ ہم اُس پر کوئی احسان کر رہے ہیں۔ بلکہ اُسی کا احسان مانتے
ہیں جس نے نوکر رکھا چنانچہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

پھر اگر غور سے دیکھا جائے تو نوکری وغیرہ ملنی بھی ربوبیت ہی کا اثر ہے
اس لئے کہ ابھی معلوم ہوا کہ ربوبیت ہر وقت باقتضائے حال بدلتی گئی جب
وہ زمانہ آگیا کہ اپنی قوت بازو پر گھمنڈ اور لوگوں کے دینے لینے پر بھروسہ
ہے تو اُس وقت کا اقتضا یہی تھا کہ خواہ اطاعت کرو یا نہ کرو اور خالقیت
کا اعتراف کرو یا نہ کرو ربوبیت اور پرورشی میں فرق نہیں آسکتا۔ کیونکہ

جس مدت تک اس عالم میں رکھنا ہے اُس وقت تک روزی دینے کی ضرورت ہے جس طرح سلاطین قیدیوں کو بھی روٹی دیتے ہیں۔ گو کیسا ہی سخت مجرم اور باغی ہو ہاں اتنا فرق ہے کہ سلاطین نے دار الجزا قید خانہ کو بنایا ہے۔ اس لئے وہ روزی دینے میں بھی سزا کا لحاظ رکھتے ہیں۔ بعضے کم مقدار اور ادنیٰ درجہ کی غذا دیتے ہیں۔ اور حق تعالےٰ نے چونکہ دار المکافات اور جزا اور سزا دوسرے عالم میں رکھا ہے اس لئے ان کی روزی پر یہاں کچھ اثر نہیں ڈالا گیا بلکہ مجرموں کو بے جرموں سے زیادہ اور عمدہ غذائیں اور آسائشیں یہاں دی جاتی ہیں کیونکہ اس کی رحمت گوارا نہیں کر سکتی کہ ایک جرم کی سزا اس عالم میں بھی ہو اور اُس عالم میں بھی۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے الدنیا جنۃ الکافرین اور حق تعالےٰ فرماتا ہے نملی لھم ان کیدی متین یعنی ہم ان کو مہلت دیتے ہیں چونکہ لوگوں کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اس لئے ان کی نظر اس پر پڑتی ہی نہیں کہ جب سے ہم ماں کے رحم میں آئے ابتک ہر آن وہر لحظہ کیسی کیسی پرورشیاں ہوئیں اسی وجہ سے رزاق حقیقی سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور اسی کو آقا اور رزاق سمجھتے ہیں جو کوئی کچھ دیدیتا ہے۔ بخلاف ان کے جن کی عقلیں سلیم ہوتی ہیں ان کی نظر ہر ایک موقع کی ربوبیت پر پڑتی ہے اور سمجھ جاتے ہیں کہ اس موقع میں بھی ربوبیت کا ظہور خاص طور پر ہو رہا ہے۔ اس لئے وہ تمام وسائط میں ربوبیت الٰہی کو

مدنظر رکھتے ہیں ہر وقت شکر آلہی بجالاتے ہیں اور چونکہ ان وسائط کی شکرگزاری
کا بھی حکم ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرماتے ہیں من لم یشکر
الناس لم یشکر اللہ یعنی لوگوں کی شکرگذاری بھی ضروری ہے اس لئے
محض امتثال امر کے لحاظ سے اپنے محسن کے بھی شکرگذار رہتے ہیں۔ اور حق تعالے
فرماتا ہے وقل رب ارحمہما کما ربیانی صغیرا یعنی اے میرے
رب جس طرح میرے ماں باپ نے مجھے پرورش کی تو ان پر رحم کر۔ دیکھئے
اس آیۂ شریفہ میں تعلیم ہے کہ ماں باپ کی ربوبیت بھی مانی جائے اور خالق کی
ربوبیت بھی۔ کیونکہ لفظ ربیانی سے ان کی ربوبیت اور ربی سے خالق کی ربوبیت
ثابت ہے کیونکہ اصل ربوبیت خالق عزوجل کی ہے۔ اس لئے اس کی شکرگذاری
اور عبادت فرض ہے۔ حق تعالے فرماتا ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ
ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون اولئک
اصحاب الجنۃ خالدین فیھا جزاءً بما کانوا یعملون۔ یعنی جن
لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر استقامت کی تو نہ ان کو کوئی
خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے وہی لوگ جنت والے ہیں جو ہمیشہ اس میں
رہینگے یہ نتیجہ اُن اعمال کا ہے جو وہ کرتے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ صرف
خدا کو رب کہدینا کافی نہیں بلکہ اس پر استقامت بھی ضرور ہے اور جب تک
وہ شاہدہ اور ایسے اعمال صادر نہ ہوں جو شکرگذاری پر دلیل ہیں استقامت

صادق نہیں آسکتی۔ اسی وجہ سے اس آیہ شریفہ میں جنت جزائے اعمال قرار دی گئی ہے۔ جو شکر گذاری پر دال ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملائکۃ ان لا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون نحن اولیاؤکم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ ولکم فیہا ما تشتہی انفسکم ولکم فیہا ما تدعون نزلاً من غفور رحیم۔ یعنی جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے ان پر فرشتے نازل ہوں گے اور یہ کہیں گے کہ اب نہ تم ڈرو اور نہ غمگین ہو اور خوش ہو جاؤ اس جنت سے جسکا تم وعدہ دئے جاتے تھے ہم تمہارے دوست ہیں دنیا اور آخرۃ میں اب اس میں تمہارے لئے وہ چیزیں ہیں جن کی خواہش تمہارے نفس کریں اور اس میں تمہارے لئے مہمانی ہے بخشنے والے اور رحم کرنے والے کی جانب سے۔

ان آیات شریفہ میں اُن لوگوں کے مدارج بیان کئے گئے جو ربنا اللہ کہکر اس پر استقامت کرتے ہیں۔ دیکھئے کس درجہ کا تقرب حاصل ہے کہ قیامت میں جب غضب الٰہی جوش میں ہوگا اور ہر طرف سے نفسی نفسی کی صدائیں بلند ہونگی۔ ان حضرات کے پاس فرشتے آئیں گے اور کہیں گے کہ تمہیں آج کچھ خوف نہیں اور ہرگز غمگین نہ ہو تمہاری سب خواہشیں پوری ہونگی اور

خدا کے مہماں ہوں گے۔

یوں تو اللہ تعالےٰ کو رب کہنے والے سب مسلمان بلکہ کفار بھی ہیں۔ مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی مسلمان کو قیامت میں کچھ غم اور خوف نہ ہو گا ہرگز نہیں کیونکہ اس روز خوف وغم ہونا نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے صرف اہل استقامت کے حق میں لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون وارد ہے۔ کہ ایسے خوف وغم کے روز وہ بے خوف وبے غم رہینگے جب خوف وغم نہ ہونا اولیاء اللہ کا خاصہ ٹھیرا اور ربنا اللہ کہکر استقامت کرنے والوں کو بھی خوف وغم نہ ہو گا تو معلوم ہوا کہ یہ حضرات اولیاء اللہ ہی ہیں اس صورت میں یہ کہنا پڑے گا کہ ان کا ربنا اللہ کہنا معمولی طور پر نہیں بلکہ ان کو مشاہدۂ ربوبیت ہمیشہ رہتا ہے۔ پھر ان میں دو فریق ہیں ایک وہ کہ وسائط کی ربوبیت میں خالق کی ربوبیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور ایک وہ کہ خالق ہی کی ربوبیت ان کے پیش نظر رہتی ہے۔ اور وسائط ان کے نظروں سے بالکل ساقط ہو جاتے ہیں اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ کسی میدان میں شمع رکھی ہو اور صبح صادق طلوع کرے تو ابتداء میں تو شمع کی روشنی نمایاں رہے گی مگر جوں جوں صبح کی روشنی بڑھتی جائے گی شمع کی روشنی دھیمی ہوتی جائے گی یہاں تک کہ جب آفتاب طلوع ہو جائے اس وقت شمع کی روشنی بالکل محسوس نہ ہو گی۔ اسی طرح جوں جوں ربوبیت الٰہیہ کا

مشاہدہ بڑھتا جاتا ہے وسائط کی ربوبیت مضمحل ہوتی جاتی ہے اور جب وہ مشاہدہ کمال درجہ کو پہنچ جائے توکسی کی ربوبیت کا خیال بھی نہ آئے گا اور جس طرح روز میثاق الست بربکم کے جواب میں خالص ربوبیت الہیہ کا مشاہدہ تھا۔ ان حضرات کو ہر وقت وہی مشاہدہ رہتا ہے پھر ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہونگے بعضے سمجھتے ہونگے کہ گو ربوبیت کے وسائط مضمحل ہیں مگر فی الواقع موجود ہیں اور بعضوں کا یہ خیال ہوگا کہ ربوبیت کے وسائط برائے نام ہیں جیسے ہاتھ سے کسی کو مارتے ہیں تو مار ہاتھ کی طرف منسوب کی جاتی ہے حالانکہ مارنے والا دراصل نفس ناطقہ ہے بہر حال ربنا اللہ کہنے والی ایک جماعت مسلمانوں میں ایسی ہونی چاہیئے کہ عملاً یہ ثابت کر دکھائے کہ ان کے نزدیک اللہ کے سوائے کوئی پرورش کرنے والا ہی نہیں۔ چنانچہ بزرگان دین کے اقوال واحوال سے ظاہر ہے کہ نہ انہوں نے کسی سے کچھ مانگا نہ اور کوئی تدبیر کی بلکہ توکل پر ان کی گذران رہی یہ ان کا ذاتی خیال نہیں۔ بلکہ تعلیم الہی بھی اسی قسم کی انہیں ہوی کیونکہ مدار مدارج عالیہ کا ربنا اللہ کہنے پر رکھا گیا ہے۔ اہل مذاق جانتے ہیں کہ ربنا اللہ سے توحید ربوبیت مقصود ہے ورنہ اللہ ربنا ہوتا اسی وجہ سے رب الناس ارشاد ہوا جس سے ظاہر ہے کہ کل آدمیوں کی پرورش اسی سے متعلق ہے۔

OSMANIA UNIVERSITY

الفقیر

الف لام

(اَلْ) (الف) وہ حرف ہے جس کو عالم حروف یعنی حروف تہجی میں صدارت حاصل ہے۔ جتنے حروف ہیں سوائے ہمزہ کے سب کے نام کی ابتدا میں تلفظ اسی حرف کا ہوتا ہے جس کا نام ہے جیسے لام کہ اُس کے شروع میں لام ہے۔ بخلاف الف کے کہ اس کے نام کی ابتدا میں الف نہیں بلکہ ہمزہ ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ جس طرح تمام عالم حروف میں اسم ذات مسمیٰ پر دلیل ہے الف میں وہ بات نہیں جیسے اسم الٰہی ذات الٰہی پر دلیل نہیں ہے۔ اگر لفظ اللہ عجم میں ناواقفوں کے روبرو کہا جائے تو کسی کا خیال اُس کے مسمیٰ کی طرف منتقل نہ ہوگا۔ چونکہ ہمزہ نے الف کے نام سے خاص تعلق پیدا کیا اس وجہ سے اس میں بھی خاصیت پیدا ہوگئی کہ ہمزہ کا نام بھی اپنے مسمیٰ پر دلیل نہیں۔ ذات الف جب تہاں خانۂ بطون سے دارالسلطنت عالم حروف یعنی دہن میں جلوہ گر ہوتا ہے تو زبان۔ لب۔ حلق۔ جن کو مخارج سے حروف کے نکالنے میں دخل ہے وہ کل مخارج حروف سے بے تعلق اور علیحدہ ہو جاتے ہیں تاکہ کہیں کوئی حرف نکل نہ پڑے۔ غرضکہ جس وقت الف برآمد ہوتا ہے کل اعیان ثابتہ حروف کے زاویۂ خمول میں رہتے ہیں

اور الف اُن سب کے مقامات پر مسلط ہوتا ہے۔ اُس وقت جدھر دیکھئے
الف ہی الف ہے۔ اہل اعتبار سمجھ سکتے ہیں کہ الف کو جو اس قدر
تسلط حاصل ہے وہ بدولت سکون ہے۔ اسی وجہ سے جو خاص بندگان الٰہی
ہیں وہ اپنے خالق کے روبرو ایسے بے حس و حرکت ہوتے ہیں کہ کسی بات
میں دم نہیں مارتے نہ ان کو اپنے نفع سے غرض ہوتی ہے نہ نقصان
سے کام وہ ایسے ہو جاتے ہیں جیسے میت غسّال کے ہاتھ میں۔
حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کن
کالمیت فی ید الغسال جب سکون ان کا اس حد تک پہنچ جاتا ہے
تو ان کو عالم میں تصرف دیا جاتا ہے۔
الف مکتوبی کو باوجود اس کے کہ عالم حروف میں صدارت حاصل ہے
مگر اس کو کسی کے ساتھ پیوستگی نہیں۔ دیکھئے وہ کسی کے ساتھ نہیں ملتا۔
یہ بات اور ہے کہ کوئی اوپر سے آکر اس کے ساتھ مل جائے۔ مگر وہ اپنی طرف
سے کسی سے نہ ملیگا۔ یہی حالت اہل تجرد کی ہوتی ہے کہ اُن کو اپنی ذات
سے کسی کے ساتھ دل بستگی نہیں ہوتی۔ اگر بامر الٰہی کسی کو اُن کے ساتھ تعلق
ہو جائے تو وہ اُس کو گوارا کر لیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ للّٰہی تعلق اور محبت
اہل اللہ کے ساتھ ان کو ہوتی ہے۔
اہل تجرد کو الف کے ساتھ نہایت خصوصیت ہوتی ہے۔ چنانچہ کسی بزرگ نے

فرمایا ہے ؎

نیست بر لوحِ دلم جز الفِ قامت یار
چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

الف مکتوبی کو ایک اور خصوصیت اور فضیلت حاصل ہے کہ جس طرح عالم حروف میں اس کو صدارت حاصل ہے۔ عالم اعداد میں بھی اسی کو صدارت حاصل ہے۔ اس کا مدلول جو ایک ہے ہرچند عالم اعداد کی ابتدا اسی سے ہے۔ مگر سلسلۂ اعداد میں وہ شریک نہیں۔ کیونکہ عدد بنانا اس کا کام ہے اور ظاہر ہے کہ جو چیز بنائی جائے بنانے والا اس سے خارج ہوگا۔

دیکھئے ایک جب تک اپنی وحدت ذاتی پر ہے اس میں کسی قسم کا تعدد نہیں پھر جب اس ایک کے ساتھ دوسرا ایک ملا دو ہوئے۔ اس دو کو بنانے والا وہی ایک ہے جو ایک پر زیادہ ہونے سے دو بن گئے۔ پھر دو پر وہی ایک زیادہ ہوا تین ہو گئے۔ اس تین کو بھی اسی ایک نے بنایا۔ علیٰ ہذا القیاس ہر عدد کے وجود میں ایک کو دخل ہے۔ کیونکہ اگر ایک اس سے ہٹ جائے تو وہ فنا ہو جائے گا۔ یہ امر مسلم ہے کہ عالم اعداد ایک ایسا عالم ہے کہ اس کی انتہا ہی نہیں۔ کیونکہ عدد کا سلسلہ غیر متناہی ہے۔ اور ہر ایک عدد اپنے تشخص و ذات میں مستقل اور دوسرے سے ممتاز ہے۔ اگر کوئی چار کو پانچ

کہے تو دیوانہ سمجھا جائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ عالم اعداد میں غیر متناہی اشخاص ہیں اور وہ ایک سب کے ساتھ ہے۔ مگر کسی کا عین نہیں۔ بلکہ سب کو وجود دینے والا ہے۔ اب اُس ایک کے تجرد کو دیکھئے کہ باوجود سب کے ساتھ ہونے کے کوئی عدد یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ایک میں ہوں۔ پھر لطف خاص یہ ہے کہ جدھر دیکھئے ایک ہی ایک ہے۔ اور اسی کا ظہور ہے۔

دو عددوں کو جو آپس میں ضرب دیا جاتا ہے جس سے کثرت پیدا ہوتی ہے اس میں بھی یہی راز ہے کہ ایک جتنے منازل و مراتب طے کرتا ہے ان کا مجموع حاصل ضرب ہوتا ہے۔ مثلاً ۴ کو ۵ میں ضرب دیں تو ۴ مضروب اور ۵ مضروب فیہ ہونگے۔ اگر اصلی شکل پر لکھیں تو یوں لکھے جائیں گے (۱۱۱۱ × ۱۱۱۱۱) اور اُن کے ضرب دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اُن چاروں میں سے ایک ایک کو ان پانچوں پر لگائینگے۔ اس طرح کہ پہلا ایک اُن پانچوں پر لگایا جائے گا تو ۵ حاصل ہوں گے جو اس کے ہر ایک کے ساتھ متعلق ہونے کی گنتی ہے۔ اسی طرح جب دوسرا لگایا جائے گا تو اور ۵ حاصل ہوں گے۔ یہاں تک کہ چاروں کو لگانے سے ۵ کے چار مجموعہ حاصل ہوں گے۔ جو ۲۰ بیس ہوتے ہیں۔ ہر چند ظاہرا چاروں میں سے ہر ایک پانچ کے مجموعہ میں چلا اور پانچ منازل طے کئے

مگر جب غور سے دیکھا جائے تو چاروں میں ہر ایک کی حقیقت ایک ہی ہے اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ایک(۱) نے بیس(۲۰) منازل طے کئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ چار جو ایک مرتبۂ عددی ہے بحیثیت مجموعی مضروب نہیں ہے بلکہ مضروب اُس میں سے ایک ہی ایک(۱) ہے۔ کیونکہ ضرب کرنے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ چار کو پانچ پر ماریں تو وہ ٹوٹ کر ان کے بیس ٹکڑے ہوجائینگے۔ بلکہ مثال مذکور میں ۴ × ۵ چار کی ہر ایک اکائی کو پانچ کی ہر ایک اکائی کے ساتھ ملایا جائے یعنی ضرب دیا جائے تو ہر اکائی کے ضرب میں کچھ بھی نہ بڑھا کیونکہ ایک کو ایک میں ضرب دینے سے ایک ہی حاصل ہوتا ہے۔ مگر یہ کہنا صحیح ہوگا کہ پانچ اکائیاں حاصل ہوئیں۔ علیٰ ہذا القیاس چار بار ضرب دینے سے بیس(۲۰) اکائیاں حاصل ہوں گی۔ اور بیس کی ہیئت مجموعی پیدا ہوگی۔ اب غور کیجئے کہ عالم عدد میں کثرت کو دیکھئے تو کچھ انتہا ہی نہیں اور وحدت کو دیکھئے تو ہر طرف ایک ہی ایک(۱) ہے۔ کہیں اس کے ذاتی تشخص میں فرق نہیں۔ جو لوگ بالغ النظر ہیں ان کی نظر عالم میں بھی اُسی ایک پر جا پڑتی ہے جو تمام عالم اور ہر شئے کو بنانے والا ہے۔ اُسی کی بدولت ان کو تقرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ کیوں نہ ہو جب ہمیشہ ان کو کثرت عالم میں خیال اُسی ذات وحدہٗ لاشریک لہ کا ہو تو اس سے زیادہ اور کیا تقرب ہوسکتا ہے وہ ہر چیز کو دیکھتے ہیں مگر التفات اور توجہ

اُن کی صرف اُسی ذات پاک کی طرف ہوتی ہے ۔ جیسا کہ اس مثال سے واضح ہے ۔ کوئی عمدہ کسی فن کی خوشخط کتاب کسی مجلس میں پیش ہو جہاں عالم خوشنویس تاجر وغیرہ موجود ہوں اُس کو سب دیکھیں گے ۔ مگر ہر ایک کی نظر جدا ہوگی ۔ مثلاً عالم ماہر فن کی نظر اُس کتاب کے مضمون کی طرف ہوگی اور خوشنویس کی نظر خط پر اور تاجر کی نظر قیمت پر ۔ حالانکہ ایک ہی چیز کو متعدد لوگ دیکھ رہے ہیں مگر ہر ایک کی نظر جس امر پر ہے دوسرا اس سے غافل ہے اگر ماہر فن سے پوچھا جائے کہ اس کے خط میں کوئی سقم تھا یا اعلیٰ درجے کا باقاعدہ تھا تو کچھ بتا نہ سکیگا ۔ اسی طرح خوشنویس سے پوچھا جائے کہ اس کتاب کا کیا مضمون تھا تو کچھ نہ بتا سکیگا ۔ اسی طرح اہل اللہ کی نظر ہر چیز میں علی حسب مراتب خدائے تعالےٰ کی صنعت اور صفات وغیرہ پر پڑتی ہے ۔ جس سے وہ ہمیشہ مشاہدۂ صفات الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں ۔

الحاصل اعداد کے سلسلہ میں ہر ایک درجہ عدد کا ممتاز ہے مثلاً دو بہ نسبت تین کے ممتاز ہے کوئی دو کو تین نہیں کہہ سکتا ۔ اور لوازم بھی ہر ایک درجے کے جداگانہ ہیں ۔ مثلاً دو زوج ہے اور تین فرد ہے ۔ اور مربع دو کا چار ہوگا اور تین کا نو ہوگا ۔ اسی طرح جذر و مجذور وغیرہ میں حسب تعین خاص امتیاز ہوگا ۔ جس سے ظاہر ہے کہ کوئی عدد دوسرے کا عین نہیں ۔ باوجودیکہ ہر مرتبہ میں ظہور اسی ایک کا ہے گویا جتنے مراتب ہیں

اسی ایک کے تعینات خاصہ ہیں جیسے وجود مطلق ایک ہے اور وجودات خاصہ
جو مطلق کے تعینات ہیں - اگر خاص خاص تعینات سے قطع نظر کر لیا جائے
تو وہی وجود مطلق رہجائے گا - کیونکہ مقید مطلق کا مظہر ہوتا ہے اور مقید
کی ایک عین ثابت ہوتی ہے جس کو وجود نہیں کہہ سکتے اسی طرح ہر عدد
کی ایک عین ثابتہ بھی ہوگی - جس کو عدد نہیں کہہ سکتے - بالغ النظر ۲ کو
دو اکائیاں سمجھیگا - اور ہر ایک (۱) معدود کو مستقل ایک (۱) کہے گا - اور یہ خیال
نہ کرے گا کہ جب دو (۲) مستقل ایک عدد ہے تو ہر ایک (۱) ایک کا آدھا ہے بلکہ
یہ خیال کرے گا کہ محسوس ایک (۱) ایک ہے اور اُس کو دو (۲) کہنا اعتباری ہے
علیٰ ہذا القیاس کل مراتب اعداد کا یہی حال سمجھا جائے - اب دیکھئے غیر متناہی
سلسلہ میں جدھر دیکھئے حقیقۃً ایک (۱) ہی ایک ہے اور جتنے اعداد ہیں سب اعتباری
ہیں - الف کو عالم حروف میں جو صدارت ہے وہاں وہ کسی سے نہیں ملتا کیونکہ
وہ عالم اشکال ہے اور عالم اعداد میں بھی صدارت اسی کو ہے - مگر سب کے
ساتھ اُسے الفت ہے کیونکہ وہ کل اعداد کا بنانے والا ہے اور ظاہر ہے
کہ بنانے والے کو اپنے مصنوعات سے الفت ہوا کرتی ہے - دیکھئے عالم
کی ہر چیز خواہ اچھی ہو یا بری اُس کے ساتھ جب تک مشیت - ارادہ
اور قدرت متعلق نہ ہو وجود میں نہیں آسکتی - اس درجہ میں کسی چیز کو
بری نہیں کہہ سکتے کیونکہ جس طرح صفات موصوفہ اچھی چیز کے ساتھ متعلق

ہوتے ہیں بُری کے ساتھ بھی متعلق ہوتے ہیں۔ احسن کل شیٔ خلقہ ثم ھدیٰ۔ الحاصل نفس تخلیق میں بُرائی کا کوئی شائبہ نہیں بلکہ حسن وقبح اضافی امور ہیں۔ ایک ہی چیز کسی کے حق میں اچھی ہوتی ہے اور کسی کے حق میں بُری۔

اہل تناسخ جو کہتے ہیں کہ آدمی اچھے کام کرے تو اس کی روح برہمن اور گائی کے جسم میں جائے گی اور بُرے کام کرے تو بُرے جانوروں کے جسد میں یہاں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اچھا یا بُرا کس اعتبار سے کہا جائے اگر کتّے کو بُرا کہیں تو وہ ہمارے حق میں بُرا ہے کتے اس کو بُرا نہیں سمجھتے۔ علیٰ ہٰذا القیاس جس جانور کو دیکھئے وہ اپنی حالت میں مست ہے کبھی اس کو خیال بھی نہ آتا ہوگا کہ میں آدمی یا دوسرا جانور ہو جاؤں۔ دیکھئے جانور آدمی کے نزدیک آنا بھی گوارا نہیں کرتے جب تک ان کی خوشامد نہ کی جائے۔ اور ان کے تمام حوائج پورے نہ کئے جائیں۔ پھر برہمن جو بموجب اصولِ تناسخ ترقی یافتہ جانور ہیں ان کو خبر بھی نہیں کہ ہم کس قسم کے جانور تھے۔

بہت سے برہمن اپنے سے کم درجہ لوگوں کے پاس بجائے باورچیوں کے نوکر ہوتے ہیں اور افلاس میں رہتے ہیں وہ اپنے دل میں ضرور کہتے ہونگے کہ ایسی ترقی سے تو جانور ہی رہنا بھلا تھا نہ نوکری کی فکر ہوتی نہ جورو بچوں کو پالنے کی مصیبت۔ اس سے ظاہر ہے کہ حکمائے تناسخ کی بنیاد جس غرض سے ڈالی تھی کہ لوگ بُرے کاموں سے احتراز کریں۔ اس خیال سے کہ اگر

جواب اہل تناسخ

برے کام کریں گے تو برے جنم لیں گے وہ اس قابل نہیں کہ کوئی عقلمند اس کا قائل ہوسکے۔ غرضکہ موجود ہونے کے اعتبار سے کوئی چیز بری نہیں ہوسکتی کیونکہ شر محض عدم ہے۔ اور نفس وجود خیر محض ہے۔ البتہ صفات وحالات کے اعتبار سے برائی آتی ہے مگر وہ بھی عام نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض کی نسبت وہ چیز بری ہوتی ہے اور بعض کی نسبت اچھی مثلاً نجاست انسان کے حق میں بری ہے اور اسی کو گائی وغیرہ اس رغبت سے کھاتے ہیں کہ جیسے انسان حلوائے بے دودھ کو کھاتا ہے۔ ایک ہی چیز کسی کے حق میں زہر ہے۔ اور کسی کے حق میں تریاق۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی موجود چیز شر محض اور ہر طرح سے بری نہیں ہوسکتی۔ ورنہ خالق عز وجل اسے پیدا ہی نہ فرماتا۔ غرضکہ ایک جو اعداد بنانے والا ہے جس طرح اس کو کل اعداد کے ساتھ الفت ومعیت ہے اسی طرح خالق عالم کو اپنے مصنوعات کے ساتھ بحیثیت خالقیت محبت اور تعلق خاص اور معیت ہے۔ اسی وجہ سے ربوبیت الٰہی عام ہے خواہ مومن ہو یا کافر سب کو رزق دیتا ہے۔ سابق میں معلوم ہوا کہ الف بالذات تمام عالم حروف پر محیط ہے اور اس عالم کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کو اس اعتبار سے تعلق خاص اس کے ساتھ نہ ہو مگر اس میں لام کو جو خصوصیت ہو وہ کسی کو نہیں۔ کیونکہ اس کے دل میں الف ہے جس طرح الف کے دل میں لام ہے۔ اس خصوصیت کے لحاظ سے جب الف ولام

سے ملتے ہیں تو اقسام کے لطائف وظرائف پیدا ہوتے ہیں۔ مثلاً (لا) میں لام باوجودیکہ مقدم ہے۔ مگر کتابت میں الف ہی مقدم ہے۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کیا ہو کہ گویا لام نے بکمال محبت سے الف کی عظمت کو پیش نظر رکھ کر اپنی صدارت اس کو دیدی یہ مقتضٰے دلی محبت کا ہے بخلاف اس کے آج کل دیکھا جاتا ہے کہ دوستوں میں کیسی ہی خصوصیت باہمی ہو مگر جہاں تک کوئی بات خلاف مرضی ہوئی کہ لام کاف بکنے لگے۔ الف لام کی اس ترکیب سے گویا ایک مقراض تیار ہوئی جس سے اہل ایمان ماسوی اللہ کے تعلقات کو قطع کردیتے ہیں اور لا الٰہ الا اللہ میں ایسے مستغرق ہوجاتے ہیں کہ ماسوی اللہ کی بالکل نفی ہوجاتی ہے۔ لمولفہ۔

اگر خواہی پیوند با کبریا
بمقراض لا قطع کن ماسوا

الف لام کے ساتھ جب ملتا ہے تو ان دونوں کے ملنے سے عجیب عجیب حالات پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی تو اسم جنس پر داخل ہوکر اس کو ایک معین شخص بنا دیتے ہیں کبھی افراد و اشخاص سے کوئی تعلق نہیں صرف جنس یا ماہیت کے معنی میں اس کو خاص کردیتے ہیں۔ اور کبھی تمام افراد کے معنی اس میں پیدا کردیتے ہیں۔ جیسا کہ علم معانی میں مصرح ہے۔ یہ قوت تصرف ان کی زبان حال سے کہہ رہی ہے کہ جب دو شخصوں میں

اتحاد قلبی ہے تو وہ بہت کچھ تصرفات کرسکتے ہیں ؎

دو دل یک شود بشکند کوہ را

پراگندگی آرد انبوہ را

دیکھئے مسلمانوں کی جب تک یہ حالت تھی کہ ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ قلبی محبت تھی اُن کا بڑھتا قدم کبھی پیچھے نہ ہٹا اور جب سے یہ صفت جاتی رہی ہٹتا قدم آگے نہ بڑھا۔

غرض کہ الف لام کے اتحاد قلبی سے اگر کوئی سبق حاصل کرے تو فلاح دارین حاصل کرسکتا ہے۔ لام کو الف کے ساتھ جو اتحاد قلبی ہے اُس کا یہ اثر ہوا کہ باوجودیکہ حروف تہجی میں لام الف سے بہت دور واقع ہے۔ لیکن اُس کی محبت قلبی نے الف کے ساتھ اُس کو ملادیا اور ان دونوں سے وہ کارنمایاں وقوع میں آئے کہ تمام حروف تہجی اگر ملیں تو بھی اس قسم کا ایک کام نہیں کرسکتے۔ اسی پر قیاس کیجئے کہ جس بندہ کے دل میں خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت قلبی ہوا ور ہمیشہ ان کا خیال ان سے وابستہ رہے تو اُس کے فیوض و برکات اعلیٰ درجے کے ہوں گے۔ اسی وجہ سے جب بندہ ترقی کرتا ہے تو حق تعالیٰ اُس سے وہ کام لیتا ہے جو خاصّہ جناب کبریا ہے یعنی خوارق عادات اُس سے صادر ہونے لگتے ہیں۔

ناس

(ناس) جمع ہے۔ اور اس کا واحد انسان ہے۔ انسان کی اصل انسیانٌ بروزن افعلانٌ تھی۔ اور بعض کے نزدیک فعلیانٌ ہے۔ چونکہ اصل میں (یا) تھی۔ اسی وجہ سے انسان کی تصغیر بالاتفاق اُنیسیانٌ ہے۔

عرب اسم کی تصغیر کیا کرتے ہیں جس کے معنی چھوٹے کے ہوتے ہیں مثلاً رجل کی تصغیر رجیل ہے۔ جس کے معنی چھوٹے مرد کے ہیں۔ یہ قاعدہ صرف میں مسلم ہے کہ تصغیر کے وقت محذوفہ حروف اصلی لوٹ آتے ہیں چنانچہ ارضٌ کی تصغیر اریضۃٌ ہے جس میں تائے محذوفہ تصغیر کے وقت لایا گیا۔

یہاں یہ بات خیال میں آتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی تصغیر یا تحقیر کرے اُس کی دل شکنی ہوتی ہے۔ اس لئے اُس کے صلہ میں یہ فیضان ہوتا ہے کہ اُس کے نقص کو دفع کر کے اُس کی تکمیل کی جاتی ہے۔ جس طرح تصغیر کے وقت کلمہ کی تکمیل ہوتی ہے۔

دیکھئے انسان اصل میں انسیان تھا جب کثرت سے لوگ اس کا ذکر کرنے لگے اور شہرۂ آفاق ہوا تو اس میں یہ تعلّی پیدا ہوئی کہ ہم بھی

ایسے ہیں کہ ہر طرف ہمارے چرچے ہوتے رہتے ہیں۔ بس یہی اُس کے نقص کا باعث ہوا۔ یعنی کثرت استعمال کی وجہ سے ایک جز ویعنی یا دور کرکے انسان بنادیا گیا۔ پھر جب اس کی تصغیر وتحقیر ہوئی اور تکبّر ٹوٹا تو اُس کی تکمیل کردی گئی۔ اور جو نقص تکبر کی وجہ سے پیدا ہوا تھا اس تصغیر کی وجہ سے دور ہوگیا۔ اسی وجہ سے اولیاء اللہ جس قدر اپنی ذاتی ذلت ہو اس سے خوش ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ادہم علیہ الرحمہ کے حال میں لکھا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ ایک بار میرا گذر کسی مجمع پر ہوا چند اوباش وہاں دل لگی کررہے تھے مجھے دیکھتے ہی ایک شخص ان میں سے میری ڈاڑھی پکڑ کر ادھر اودھر گھمانے لگا۔ چونکہ مجھ پر اس وقت فاقہ کی حالت تھی جب وہ ڈاڑھی کو جھٹکا دیتا میں گر جاتا۔ پھر وہ مجھے اُٹھاتا اور اُس پر تمام مجمع کے لوگ قہقہے لگاتے۔ آپ فرماتے ہیں جیسے مجھ پر اس تحقیر وتذلیل سے خوشی ہوئی کبھی نہیں ہوئی تھی۔

اصل وجہ اس کی یہی ہے کہ آدمی کے نفس میں ایک قسم کا عجب وتکبر ہوتا ہے۔ اُس کو اپنی تحقیر ہرگز گوارا نہیں ہوتی۔ جب ان حضرات کی تحقیر ہوتی ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ اب نفس کا کفر ٹوٹا اور یہی ان کی تکمیل کا باعث ہوتا ہے اور حدیث شریف میں جو وارد ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا عند منکسرۃ القلوب یہ بھی اس کی

سلطانی ہے یہاں دول خارجیہ کے اخبار و کیفیات پیش ہوا کرتی ہیں دول خارجیہ سے مراد دوسرے اشخاص و اشیاء ہیں۔ کیونکہ ہر فرد انسان وغیرہ میں ایک خاص سلطنت ہے جس کا حال بیان کیا جاتا ہے۔ باصرہ کا کام ہے کہ دول خارجیہ کے نقشے اور فوٹو پیش کر دیا کرے تاکہ سلطنت کو صدمہ پہنچانے والی چیزوں سے حفاظت اور مفید چیزوں کے حاصل کرنے کی فکر کی جائے دیکھئے جب بصارت عرض کرتی ہے کہ کوئی درندہ یا گزندہ وغیرہ حملہ کرنے کو ہے تو اس سے حفاظت کا سامان کیا جاتا ہے اور مفید سلطنت کوئی چیز ہو مثلاً عمدہ غذا وغیرہ کے متعلق عرض کر دے تو اُس کو سلطنت میں پہنچانے کی تدبیر کی جاتی ہے۔ یہ گویا عرض بیگی یا اڈی کانگ ہے ڈاکخانے کی خدمت سامعہ سے متعلق ہے جو دور دور کی خبریں پہنچاتا رہتا ہے۔ مثلاً فلاں مقام میں طاعون وغیرہ ہے جو مضر سلطنت ہیں اور فلاں مقام میں مفید سلطنت چیزیں ملتی ہیں۔

حس مشترک میں باصرہ جتنے فوٹو پیش کرتا ہے اُن سب کا محافظ دفتر خیال ہے جس کو مصورہ کہتے ہیں۔ یہ اس غرض سے محفوظ رکھے جاتے ہیں کہ وقتاً فوقتاً ان سے ضرورتیں متعلق ہوتی ہیں۔ اگر یہ دفتر درہم برہم ہو جائے تو ریاست میں اندھیر ہو جائے۔

سرحدی واقعہ نگار لامسہ ہے اس لئے کہ آدمی کا پوست سرحد کالبد انسانی ہے

اور اس

اور اس میں قوت لامسہ رکھی گئی ہے جب اس سرحد میں کوئی نیا واقعہ پیش آیا مثلاً کانٹا چبھ گیا یا کسی گزندے نے کاٹا فوراً بذریعۂ تار برقی بارگاہ حس مشترک میں اس نے خبر کر دی۔

پولٹیکل امور وہم سے متعلق ہیں اس کا کام یہ ہے کہ باصرہ جن صورتوں کو پیش کرتا ہے ان میں وہ غور و فکر کرکے معانی پیدا کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ شیر اور گھوڑے میں معنوی فرق کس قسم کا ہے۔ چنانچہ شیر سے عداوت اور ضرر رسانی کے معنی نکالتا ہے اور گھوڑے سے نفع رسانی کے۔ اس کی کارگذاری کے مثلیں جو تیار ہوتی ہیں اس کی محافظت حافظہ کرتا ہے جس کا نام متذکرہ بھی ہے جب کبھی باصرہ مکرر کوئی صورت پیش کرتا ہے جس کی ضرر رسانی اور عداوت مثلاً وہم نے تشخیص کی تھی متخیلہ اُس کا پہلا فوٹو جو خیال میں رکھا تھا نکالتا ہے۔ اُس وقت حافظہ نے اُس صورت سے اگر عداوت کے معنی استخراج کئے تھے تو وہ پیش کر دیتا ہے جس سے عقل حکم کرتی ہے کہ اس شخص سے حفاظت کی جائے اور اگر دوستی کا مضمون حافظہ نے پیش کیا تو محکمۂ وزارت سے اس کے ساتھ ملنے اور محبت رکھنے کا حکم نافذ ہوتا ہے۔

انتظام کلی متخیلہ سے متعلق ہے جس کو متفکرہ بھی کہتے ہیں وہ امور متعلقہ کو ترتیب دے کر نتیجہ نکالتا ہے مثلاً جب کسی زہری جانور کی صورت باصرہ

پیش کرے اور واہمہ اُس کا موذی ہونا ثابت کردے تو متخیلہ یہ راے پیش کرتا ہے کہ یہ موذی ہے اور جو موذی ہو اُس کو مارنا چاہئیے - چونکہ مقاصد مختلف ہوتے ہیں - اس لئے کبھی متخیلہ کو خزانۂ خیال کی صورتوں ہیں گھٹانے بڑھانے کی ضرورت ہوتی ہے - مثلاً سانپ کی صورت کی تفصیل کرکے فقط اس کا دانت لے لیتا ہے اور یہ حکم لگا دیتا ہے کہ وہی مہلک ہے اور مہلک دور کردیا جائے تو پھر اس سے ضرر رسانی کا اندیشہ نہیں اور زیادتی کی مثال یہ ہے حضرت شیخ سعدی رح فرماتے ہیں ؎

گربۂ مسکین اگر پر داشتے
تخم کنجشک از جہاں برداشتے

یہاں بلی کی صورت میں پر لگا دئے اور پردار بلی بنائی گئی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ باصرہ کسی کا فوٹو پیش کرتا ہے اور واہمہ اس کے حرکات سکنات سے محبت کے معنی استخراج کرتا ہے اُس وقت متخیلہ اس فکر میں ہوتا ہے کہ اس سے پہلے بھی کبھی ملاقات ہوی تھی یا نہیں - چنانچہ خیال میں جو صورتیں جمع ہیں اُن میں تلاش کرتا ہے کہ اُس وقت اُس کے افعال کس قسم کے تھے کیونکہ افعال کا خزانہ بھی حافظہ ہی ہے اگر حافظہ نے اُن کو تلف نہ کردیا ہو تو وہ پیش نظر ہو جاتے ہیں اور اگر اُسی صورت سے واہمہ نے محبت کے معنی نکالے تھے تو فی الجملہ متخیلہ

کو اطمینان ہوتا ہے ورنہ اُس سے احتیاط کرنے کی ضرورت بتلاتا ہے۔ چنانچہ کسی کا شعر ہے ؎

برتواضع ہائے دشمن تکیہ کردن ابلہیست
پائے بوس سیل از پا افگند دیوار را

باصرہ وغیرہ کی خبر رسانی کے بعد متخیلہ کی تحقیق میں جب یہ ثابت ہوتا ہے کہ کوئی موذی سلطنت کو ضرر پہنچانے پر آمادہ ہے اُس وقت محکمۂ حربی پر جس کا افسر قوت غضبیہ ہے حکم جاری کرتا ہے کہ انتظام کیا جائے وہ شجاعت کو جو خاص دشمن کی سرکوبی کے لئے مقرر ہے حکم دیتا ہے وہ پہلے تخویف کی غرض سے آنکھوں اور چہرہ کو ہیبت ناک اور آواز کو دہشت انگیز بنا کر اُس کے مقابلے میں پیش کرتا ہے اور ارادے اور قدرت کو حکم دیتا ہے کہ فوراً قوائے محرکہ کو حکم دیں کہ اوتار و عضلات وغیرہ کو اعضا پر مسلط کرکے دشمن پر ان کا حملہ کرادیں۔ چنانچہ وہ مقابلہ کرکے دشمن پر فتح پاتے ہیں۔ اور کبھی جبن جس سے صیغۂ مصالح اندیشی اور امن قائم رکھنا متعلق ہے۔ یہ رائے پیش کرتا ہے کہ اس وقت بھاگ جانا مناسب ہے اور بمجرد منظوری جس طریقے سے غصہ فوج کو دشمن کے مقابلے میں لایا تھا اسی طریقہ سے بھاگنے کا کام اُس سے لیتا ہے۔

یہ چند امور جو بیان کئے گئے وہ وزارت خارجیہ سے متعلق تھے۔ ان کے

سوا اور بہت سے کام اُس صیغے سے متعلق ہیں۔

اب وزارت داخلیہ کا بھی تھوڑا سا حال سماعت فرمائیے۔ نفس ناطقہ کا دوسرا وزیر قوت شہویہ ہے جس سے اس سلطنت کے اندرونی کام متعلق ہیں۔

اس سلطنت میں بہت سے اضلاع و تعلقات ہیں مثلاً معدہ جگر دل۔ دماغ۔ گوشت۔ پوست۔ عضلے۔ گردے۔ ہڈی۔ اور جھلیاں وغیرہ ہر ایک کی طبیعت خاص قسم کی ہے۔ اور وہاں کا وہی مقامی افسر اور تعلقدار ہے۔ کسی ضلع میں کوئی مخالفت پیدا ہو جائے تو وہ وہاں سے اُس کو دفع کر دیتا ہے۔ مثلاً معدے میں کوئی ایسی چیز آجائے جو مضر ہو تو مقامی افسر یعنی طبیعت فوراً قے یا اسہال کے ذریعہ سے اس کو نکال دیتی ہے۔ صیغۂ توالد بھی اسی سے متعلق ہے اور جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ شہوت یعنی خواہش کے رو برو پیش کرتی ہے اور وہ اُس کا انتظام کر دیتی ہے۔ مثلاً پانی کی ضرورت ہو تو اُس کی خواہش یعنی پیاس نفس ناطقہ کے حکم سے پانی وہاں پہنچا دیتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس غذا اور مقویات اور ادویہ جوارشیں وغیرہ حسب ضرورت ہر مقام میں پہنچاتی رہتی ہیں۔

اس سلطنت میں بہت سے محکمے قائم ہیں جن میں سے چند یہاں لکھے

جاتے ہیں۔

محکمۂ تفتیش ۔ اس کا کام یہ ہے کہ کسی مفسد کو اندر قدم نہ رکھنے دے۔ اس کے افسر ذائقہ اور شامّہ ہیں یہ جانچ کر انہی کو اجازت دیتے ہیں جو سلطنت کے حق میں مفید ہوں۔ صیغۂ طبابت بھی انہی سے متعلق ہے کہ مفید اشیاء کو اندر روانہ کریں۔ لیکن قوت عاقلہ کا حکم ہو تو اپنے خلاف مرضی اشیاء مثلاً دوائے تلخ اور کریہ کو بھی جانے دیتے ہیں۔

محکمۂ افزائش و توفیر۔ نامیہ سے متعلق ہے جو ضرورت سے زیادہ غذا فراہم کرتا ہے۔

محکمۂ فراہمی اشیاء مایحتاج۔ جاذبہ سے متعلق ہے جس طرح ایام قحط میں ایک مستقل عہدہ دار رعایا کی غذا فراہم کرنے کے لئے مقرر کیا جاتا ہے اس سلطنت میں جاذبہ مقرر ہے چونکہ برس کے بارہ مہینے اس سلطنت میں قحط رہتا ہے۔ اس لئے ہر ضلع میں یہاں خاص طور کا جاذبہ مقرر ہے جو اِدہر اُدہر سے غذا فراہم کرتا رہتا ہے۔

چونکہ غذا کی آمد و شد نلکیوں کے ذریعہ سے ہے اس لحاظ سے سررشتۂ ریلوے سے بھی اُس کا تعلق ہے جس طرح کہ سررشتۂ آب پاشی سے بھی ہے اور اُن کا افسر جاذبہ ہو گا۔

جب جاذبہ ہر ایک کی روزی فراہم کر دیتا ہے تو قوت غاذیہ جو قسمت ارزاق پر مامور ہے۔ ہر ایک کو اس کی حیثیت اور ضرورت کے لحاظ سے روزی تقسیم کرتی ہے۔

محکمۂ آب پاشی بھی اسی سے متعلق ہے کیونکہ جب تک غذا سیال نہ ہو ہر عضو میں جا نہیں سکتی اس لئے پانی کی ضرورت ہے۔

قوت ماسکہ خزانہ دار ہے۔ جو ہر ضلع و مقام میں آمدنی کی حفاظت کرتی ہے

تعمیرات عامہ - ہاضمہ سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ جو مقامات بوسیدہ اور تحلیل ہو جاتے ہیں ہاضمہ وقتاً فوقتاً بدلِ ما یتحلل پہنچا کر تعمیر کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر عضو کا ہاضمہ جدا ہے۔

صیغۂ کیمسٹری بھی اسی سے متعلق ہے۔ چونکہ غذا میں دو قسم کے اجزا ہوتے ہیں۔ بعضوں میں جزو بدن ہونے کی صلاحیت ہے اور بعضوں میں نہیں ہاضمہ غذا کی تحلیل کرتا ہے۔ ابتداءً یہ کیمسٹری معدہ میں ہوتی ہے کیلوس کے لطیف اور عمدہ اجزا علیحدہ کر کے جگر کی طرف بھیجتا ہے اور کثیف آنتوں کی راہ سے نکال دئے جاتے ہیں۔ پھر جگر میں تحلیل ہوتی ہے۔ لطیف اجزا بلغم۔ خون۔ صفرا اور سودا بنتے ہیں اور فضلہ مثانہ کی راہ سے نکال دیا جاتا ہے۔ پھر ان میں سے جو خون دل میں جاتا ہے وہاں لطیف اجزا روح حیوانی بنتے ہیں اور فضلات ناک

کان ۔ آنکھیں ۔ اور مسامات کی راہ سے نکال دیے جاتے ہیں ۔ اور جو خون اعضا میں جاتا ہے وہاں قابل اجزا اعضا کے بننے میں صرف کیے جاتے ہیں اور باقی سے منی ناخن اور بال وغیرہ بنتے ہیں ۔

محکمۂ صفائی ۔ قوت دافعہ سے متعلق ہے جو ہر مقام کی نالیوں اور موریوں وغیرہ کے میل کچیل اور فضلات دفع کرکے پاک وصاف کردیتے ہیں اور ناظم جنگلات بھی وہی ہے اس لئے کہ ہضم رابع کے فضلات سے بالوں کی جھاڑیوں کو بڑھانا بھی اسی کا کام ہے ۔

محکمۂ افزائش نسل کے افسر مولدہ اور مصورہ ہیں ۔ ان کے سوا اور بہت سے محکمے اس سلطنت میں قائم ہیں جو بیان کیے گئے اُن کو مشتے نمونہ از خروارے سمجھنا چاہیے ۔ اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو ایک وسیع سلطنت پیش نظر ہو جائیگی ۔ دیکھئے فلسفہ جدیدہ باوجود اس کے کہ انسان کے حصے علحدہ علحدہ کرکے ہر حصہ کے معلومات میں روزافزوں ترقیاں کر رہا ہے مگر خود اس کے اعتراف سے ثابت ہے کہ ہنوز روز اوّل ہے ۔

غرضکہ اس وسیع سلطنت کا بادشاہ نفس ناطقہ ہے اور کیسے کیسے متضاد اقوام اس میں سکونت پذیر ہیں ۔ مثلاً آب آتش باد خاک شجاعت ۔ حلم ۔ تکبر ۔ تواضع ۔ حسد ۔ خیر خواہی ۔ محبت ۔ عداوت رقیق ۔ غلیظ ۔ سخت ۔ نرم ۔ سرد ۔ گرم ۔ جاذبہ ۔ دافعہ وغیرہ

مگر کوئی کسی پر تعدی نہیں کرسکتا۔ سب اس بادشاہ کے مطیع اور فرماں بردار اور اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہیں۔

چونکہ انسان تمام مخلوقات میں اشرف واقع ہوا ہے۔ اس لئے ایسے اسباب حق تعالے نے قائم کئے کہ خواہ مخواہ اُس کو تمدن قائم کرنے کی ضرورت ہوئی اور ہر ملک والے اس بات پر مجبور ہوئے کہ اپنے ہی ہم جنس بادشاہ کی اطاعت کریں۔ اور اُس کو ایسے ذرائع دئے گئے کہ سب رعایا اُس کے محتاج ہوں۔

چونکہ آدمی کی نظر صورت پر پڑتی ہے اور بذریعۂ وہم اس کے اوصاف معلوم کرتا ہے اس لئے جو شخص بادشاہ کو دیکھتا ہے وہ یہی سمجھتا ہے کہ وہ لوگوں کا بادشاہ ہے۔ اور کسی کا محتاج نہیں اور جو لوگ کامل العقل ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بادشاہ حقیقی کوئی اور ہی ہے۔ کیونکہ یہ بادشاہ ظاہری بات بات میں اپنے خالق کا محتاج ہے جس طرح اُنہوں نے اپنے مملکت ذاتی میں اپنے نفس ناطقہ کو بن دیکھے بادشاہ مان لیا۔ اسی طرح خالق عزوجل کو بھی ملک الناس مان لیا اور جس طرح اپنے اعضا، وقویٰ کی حرکات کے نسبت یقین کرلیا کہ بغیر ارادہ نفس ناطقہ کے کوئی ان سے حرکت صادر نہیں ہوسکتی اسی طرح عقل سے یقین کرلیا کہ عالم میں کوئی حرکت بغیر ارادے

بادشاہ حقیقی کے صادر نہیں ہوسکتی۔ لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ
یہ ہیں معنی ملک الناس کے۔
نفس ناطقہ کی سلطنت اور بادشاہوں کی سلطنت میں یہ فرق ضرور ہے کہ اُن کے حکم نافذ ہونے میں بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ یہانتک کہ رعب قائم رکھنے کے لئے عدول حکمی کرنے والوں کو پھانسی تک دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس پر بھی کوئی حکم ان کا اس سرعت سے نافذ نہیں ہوسکتا جو نفس ناطقہ کا حکم نافذ ہوتا ہے۔
دیکھئے جب کوئی موذی اور مفسد سلطنت کی اطلاع باصرہ دیتا ہے تو پہلے متعلقہ دفتروں میں تلاش ہوتی ہے کہ اس قسم کے مفسدہ پرداز کی عرض و معروض کبھی ہوی تھی یا نہیں۔ اگر نہیں ہوی تھی تو وہم فوراً جانچ کر عرض کر دیتا ہے کہ مفسد ہے یا نہیں۔ اور مثلیں برآمد ہوں تو متخیلہ فوراً قطعی رائے پیش کر دیتا ہے کہ وہ مثلاً قابل قتل ہے اور یہ مثل بھی ان مثلوں کے ساتھ دفتر میں رکھی جاتی ہے۔ پھر فوجی افسروں کو حکم نافذ ہوتا ہے چنانچہ وہ قتل کیا جاتا ہے۔
دیکھئے اتنے کام اس سرعت سے ہوتے ہیں کہ اُدھر مچھر مثلاً نظر پڑا اور ادھر اُس پر جوتا پڑا ابتدائی کارروائی سے نفاذ حکم بلکہ تعمیل حکم یعنی قتل تک ایک سکنڈ کا عرصہ بھی نہیں گذرتا اسی طرح کسی تعجب خیز

بات پر نفس مطلع ہوتا ہے تو اندرونی ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے ساتھ ہی عضلات وغیرہ اپنے اپنے کاموں پر مستعد ہو جاتے ہیں۔ اُدھر تنفس میں ایک غیر معمولی جوشش پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آواز بلند ہوتی ہے اور جلد جلد حرکت کرنے لگتی ہے ادھر اوتار وغیرہ مقامی عملہ ہونٹوں پر مسلط ہو کر ان کو دانتوں پر سے ہٹا دیتا ہے۔ چہرہ پر ایسی چیزیں فراہم کر دی جاتی ہیں جو آثار بشاشت ہیں جن سے دیکھنے والوں پر بھی خوشی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور باہمی انست پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر باطن میں غم یا غصہ آ جائے۔ کارگذاران مقامی آثار بشاشت سے چہرہ کو فوراً پاک و صاف کر کے آنکھوں میں ایک قسم کا انقلاب پیدا کر دیتے ہیں یہاں تک کہ کبھی آنسو جاری ہو جاتے ہیں جو کمال غم کی علامت ہے اس قسم کے اور بہت سے حرکات اعضا سے صادر کراتے ہیں۔ بلکہ بسا وقت ایسے حرکات صادر کرا دیتے ہیں جن سے حیثیت عرفیہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

تعجب اس میں شک نہیں کہ یہ انقلاب بے سبب نہیں ہوتا نفس میں تعجب کے وقت مثلاً کوئی کیفیت ضرور پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ تعجب ہے کیا چیز۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کمال درجے کی خوشی سے بھی آدمی

ہنستا ہے۔ یہاں تک کہ بعضے شادی مرگ ہو جاتے ہیں کہ ہنستے ہنستے مرجاتے ہیں۔ جیسا کہ مشہور ہے۔ اور گدگدیاں کرنے سے بھی آدمی بے اختیار ہنستا ہے۔ اور کبھی کسی کی دل شکنی اور رنج اور مصیبت پر بھی ہنستا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ایک بار نماز جماعت سے ہو رہی تھی جس کے امام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ایک نابینا کمال شوق سے جماعت میں شریک ہونے کو آرہے تھے۔ اتفاقاً گڑھے میں گر پڑے اس پر بعض بے اختیار ہنس پڑے جس کی سزا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگوں کی نماز بھی ٹوٹی اور وضو بھی ٹوٹا۔ دیکھئے یہ نابینا بزرگ کس شوق و ذوق سے جماعت میں شریک ہونے کو آرہے ہوں گے اور جوں جوں صف کے قریب ہوتے ہونگے کس قدر ان کو خوشی ہوتی ہو گی اور شکر کرتے ہوں گے کہ الحمد للہ محنت ٹھیک ہو گئی اب کوئی دم میں اس جماعت سراپا رحمت میں شریک ہو جاتے ہیں جس کے امام خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تقرب الٰہی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ رحمت اور صلوٰۃ و سلام حق تعالےٰ کی طرف سے اس جماعت پر پیہم نازل ہو رہے ہیں۔ فرشتے ہر طرف صف باندھے ہوئے دعاگوئی میں مشغول ہیں۔ حق تعالےٰ خاص طور پر اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اس جماعت کی طرف متوجہ ہے

اور ہر شخص کو معراج حاصل ہے۔ جس سے اظہار راز و نیاز کا پورا موقع مل رہا ہے۔ ایسے وقت جب وہ بزرگ نابینا گر کر اُس دولت سے محروم ہوگئے ہوں گے تو ان کے حسرت بھرے دل کا کیا حال ہوگا اگر آٹھ آٹھ آنسو اس پر روئیں تو سزاوار ہے۔ یہ تو ان کی حالت اُدھر اتقیا کی جماعت جن کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اُن پر اس گرنے اور محرومی کا اثر یہ ہو رہا ہے کہ بے اختیار ہنس پڑے۔ صحابہ کا اُس وقت ہنسنا معلوم نہیں کس مصلحت سے تھا۔ اور خدا جانے اُس وقت کس قسم کے معارف ان کے دلوں پر متجلی تھے۔ جن سے فرحت و بشاشت ہوئی اور بے اختیار ہنس پڑے۔ بارہا دیکھا گیا کہ ہنسی ہنسی میں رو دیتے ہیں اور روتے روتے ہنس دیتے ہیں۔ اسرار خالقیت کا انکشاف ہر کس و ناکس پر نہیں ہو سکتا۔ للشعر۔

بگوشِ گل چہ سخن گفتۂ کہ خندان است

بہ عندلیب چہ فرمودۂ کہ گریان است

ہر چند ان حضرات کی ہنسی کو ہم اپنی ہنسی پر قیاس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر۔ مگر چونکہ حکم شریعت عام ہوتا ہے اس میں خصوصیات باطنی کا لحاظ نہیں ہوتا اس لئے اس سزا میں وہ حضرات بھی شامل کر دئے گئے۔ دیکھئے صاف ارشاد ہے من تشبہ بقوم فھو منھم

یعنی

یعنی جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے یعنی اُس کے باطن کا لحاظ نہیں۔

الحاصل ضحک اور غضب وغیرہ سے یہ ثابت ہے کہ نفس ناطقہ جو حکم کرتا ہے اُس کی تعمیل ایسی فوراً ہوتی ہے کہ حکم اور تعمیل میں گویا زمانہ فاصل ہی نہیں۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ نفس ناطقہ کی حکومت اس کی سلطنت میں اس درجہ کیوں نافذ ہے کہ اس سے سرتابی کوئی نہیں کر سکتا۔ اور سلاطین کی حکومت میں یہ بات نہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ نفس ناطقہ کو خاص قسم کا تعلق اس کی سلطنت سے دیا گیا ہے چنانچہ اس کی مفارقت سے تمام سلطنت درہم وبرہم ہو جاتی ہے یعنی جسم فنا ہو جاتا ہے اور یہ تعلق سلاطین کو ملک کے ساتھ نہیں۔

اب غور کیجئے کہ اس عطائی اور عارضی تعلق سے نفس کو یہ بات حاصل ہے کہ اس کا کوئی حکم اس کے ملک میں رد نہیں ہو سکتا تو خالق عالم جس کے ساتھ تمام عالم کو ایسا ذاتی تعلق ہے کہ ہر آن وہ اس کا محتاج بنا ہوا ہے صحابہ کے مذکورہ واقعات کو دیکھئے کہ ان پر جب نفس ناطقہ کے پیادے مسلط ہوئے اور وہ انقلاب پیدا کر دیا جو ابھی مذکور ہوا تو اُن پر کس قدر شاق گذرا ہوگا۔ اور اُس کے رفع کرنے میں کیا کچھ کوششیں نہ کی ہونگی

مگر کچھ نہ چلی انجام کار نفس ناطقہ ہی کا حکم چل گیا۔ اور قہقہ کی آواز کو باہر نکال کر چھوڑا یہاں تک کہ ہنسی کا پورا نقشہ قائم کر دیا معلوم نہیں اس وقت ہنسانے والی قوت کیوں مسلط ہو گئی تھی۔ اگر کسی کا نقصان اور دل شکنی ہنسی کے اسباب میں سے ہے تو چاہیئے کہ اپنا پیارا لڑکا اور واجب التعظیم بزرگ گر پڑیں تو بھی ہنسی آنی چاہیئے حالانکہ نہیں آتی۔

احمق کے حرکات دیکھنے سے بھی ہنسی آتی ہے۔ مگر اپنے کسی معزز دوست سے دیکھے جائیں تو بجائے ہنسی کے رنج ہوتا ہے اور شرم آتی ہے۔ غرضکہ تعجب جو باعث ضحک ہے اس کو معین کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے خصوصاً اس وجہ سے کہ جس بات پر ایک شخص ہنستا ہے دوسرا نہیں ہنستا۔ بلکہ ہم ہی جس بات پر ایک وقت ہنستے ہیں دوسرے وقت نہیں ہنستے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی شئے کو ہنسانے اور رلانے میں دخل نہیں بلکہ وہ خدا ہی کا کام ہے جب چاہتا ہے ہنساتا ہے اور جب چاہتا ہے رلاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ قولہ تعالیٰ ھو الذی اضحک وابکیٰ یعنی وہی خدا ہنساتا ہے اور رلاتا ہے جب ہنسانا چاہتا ہے تو نفس میں ایسی کیفیت پیدا کر دیتا ہے کہ آدمی ہنس دے اور جب رلانا چاہتا ہے تو کوئی بات ایسی پیدا کر دیتا ہے کہ آدمی بے اختیار رو دے یہاں تک کہ ہنسنے کے

قابل بات میں بھی کبھی رولانے کی خاصیت دی جاتی ہے۔ عقل سے اس کا واقعی سبب ہرگز نہیں معلوم ہوتا جس سے تصدیق آیۂ موصوفہ کی ہوسکے کہ خدائے تعالے ہی ہنساتا اور رُلاتا ہے اور بظاہر جو اسباب قائم ہوتے ہیں ان کا مستبب وہی ہے۔

اس قسم کے امور اکثر نفس ناطقہ کی ساخت ہی میں داخل ہوتے ہیں۔ چنانچہ تاریخ حکمائے یونان میں لکھا ہے کہ دیمو قراطیس جو بڑا نامی حکیم ہے وہ بہت ہنستا تھا یہاں تک کہ جس طرح خوشی کی حالت میں ہنستا۔ غم کی حالت میں بھی ہنستا تھا۔ اس کے خیر خواہوں نے دیکھا کہ یہ بالکل غیر معمولی بات ہے۔ اس کو جنون پر محمول کیا اور شہر بدیرہ جس میں وہ رہتا تھا وہاں کے لوگوں نے اس کے علاج کے لئے بقراط کو بلایا چنانچہ وہ جنون کی دوائیں ہمراہ لایا پہلے اس نے دودھ پیش کیا دیمو قراطیس نے غور سے اس دودھ کو دیکھ کر کہا کہ یہ ایسی بکری کا دودھ ہے جس کا رنگ سیاہ ہے اور وہ باکرہ بھی ہے فی الواقع اس کی بات صحیح نکلی بقراط اسکی فراست سے متعجب ہوا اور کئی روز وہاں رہکر مسائل حکمیہ کی تحقیق کی اور اس کی غیر معمولی حکمت سے متعجب ہوکر کہا کہ اس شہر کے لوگ اس قابل ہیں کہ ان کے جنون کا علاج کیا جائے نہ یہ حکیم۔

غرضکہ فاعل مختار نے جس کو جیسا چاہا پیدا کیا کسی کو کثیر الضحک کسی کو

کثیر البکا رپھر جس کو جب چاہتا ہے ہنساتا ہے اس کی مصلحت وہی جانے اس کا حکم عالم میں کیونکر رد ہو سکے اسی وجہ سے انبیا علیہم السلام دعا کیا کرتے تھے کہ آلہی قوم کو ہدایت دے اور راہ راست پر لا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کفار کے دل خدا ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ اور حکم ایمان جب ان کے ذریعہ سے کفار کو پہنچتا ہے وہ ایسا ہے جیسے نفس ناطقہ کا حکم اعضا پر بذریعۂ کلام وزبان پہنچے کہ حرکت کرو اگر صبح سے شام تک ہاتھ کو حرکت کرنے کے لئے زبان سے کہا جائے تو ممکن نہیں حرکت کر سکے جب تک کہ نفس ناطقہ کا اندرونی حکم اس کو نہ پہنچے۔ اسی طرح خدائے تعالے کا امر تکوینی جو باطن میں صادر ہوتا ہے وہ ہرگز رد نہیں ہو سکتا۔

اب رہی یہ بات کہ بغیر امر تکوینی کے مقصود حاصل نہیں ہوتا تو انبیاء کی ضرورت ہی کیا۔ اس سوال کا حق کسی کو نہیں ہے۔ خالق مختار ہے جو چاہے کرے بندے کا کام اطاعت ہے اگر وہ ہو سکے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ آثار کچھ اچھے ہیں۔ اور امید بخشائش ہے ورنہ آثار ٹھیک نہیں جب قیامت میں آنکھیں کھل جائیں گی۔ اُس وقت خدا کی حجت قائم ہو جائیگی کیونکہ وہ ملک الناس ہے اپنی سلطنت میں جو چاہے کرے اس سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

دیکھئے نفس ناطقہ داڑھی کو بلکہ کسی مصلحت سے ہاتھ پاؤں کو کٹوا دیتا ہے

اور کوئی پوچھ نہیں سکتا کہ میرا کیا قصور تھا۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا جس طرح اُس کی مصلحت مقتضی ہوتی ہے عمل میں لاتا ہے۔

اِلٰہ

(اِلٰہ) کے معنی معبود کے ہیں مگر اس کے ماخذ میں اختلاف ہے۔ بعضوں کا قول ہے کہ وَلَہَ سے ماخوذ ہے اور وَلَہَ اس حرکت کو کہتے ہیں جو آدمی کسی مصیبت اور آفت کے وقت گھبرا کر اپنے مربی اور حامی کی طرف رجوع کرتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے وله الطفل الیٰ امه یعنی بچہ گھبرا کر اپنے ماں کی طرف لپکا۔ اس صورت میں الٰہ کی اصل ولاہ ہوئی۔ اور جس طرح وِشاح میں واو الف سے بدلی گئی۔ یہاں بھی بدلی گئی اور معنی یہ ہوئے کہ الٰہ وہ ذات ہے کہ جس کی طرف کل آفتوں میں لوگ گھبرا کر رجوع کریں اور بعض کہتے ہیں کہ الٰہ اپنے اصل پر ہے جس کا وزن فعال و معنی مفعول ہے۔ جیسے امام اس شخص کو کہتے ہیں جس کی اقتدا کی جائے۔ الوہت اور الوہیت کے معنی عبادت کے ہیں۔ اس صورت میں الٰہ بمعنی معبود ہوا۔ ہر چند بہت سے لوگ خدائے تعالیٰ کے سوا غیروں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔ اور گھبراہٹ کے

بابِ نہم، (۳)

وقت اوروں کی طرف بھی متوجہ ہوتے ہیں مگر خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب آدمیوں کے الٰہ ہم ہیں تو اس سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ باعتبار واقع کے ارشاد ہے۔ کیونکہ عالم میں کوئی ایسا نہیں جو معبود یا ہر حال میں پناہ دینے والا بن سکے۔ جس کو دیکھئے خود محتاج ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے اللہ غنی وانتم الفقراء پھر اگر کسی کو پناہ ملی تو دراصل وہ خدا ہی کی پناہ ہوگی۔ ہرچند غیر سے پناہ لینے والا اپنے اعتقاد کے نظر سے گنہگار ہوگا مگر دراصل وہ خدا ہی کی پناہ میں ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے اُس کو اس عالم میں باقی رکھنے کا ارادہ فرمادیا اس وقت تک تمام آفات مہلکہ سے بچانا ایک لازمی امر ہے۔ اگر بالفرض خدائے تعالیٰ اس کو پناہ نہ دے اور اُس کا دشمن اس کو ہلاک کردے تو خلاف مشیت و تقدیر ہوگا۔ اس صورت میں الٰہ الناس ہونا ہر طرح خدائے تعالیٰ ہی کو مسلم ہوا گو کسی دوسرے سے پناہ لے البتہ خدا کو چھوڑ کر دوسرے کی پناہ لے اور حمایت میں جائے اور اس کو مستقل سمجھے تو حسب خیال کافر یا گنہگار ہوگا۔ اور دوسرے کی پناہ یا حمایت کو خدا ہی کی پناہ اور حمایت سمجھے تو اس عقیدہ کی وجہ سے کوئی الزام اس پر عائد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہاں توحید الوہیت مقصود ہے جیسے رب الناس میں توحید ربوبیت مقصود تھی اس طرح جس کی عبادت کی جاتی ہے

خدا تعالیٰ کی پناہ

دراصل

در اصل وہ خدا ہی کی عبادت ہوگی۔
کیونکہ سوائے خدائے تعالےٰ کے اور کوئی معبود ہو ہی نہیں سکتا مگر جس نے اپنی دانست میں غیر اللہ کو قابل عبادت سمجھا اور اللہ الناس جو نفر قطعی ہے اس کی مخالفت کی تو ضرور مستحق عذاب ہوگا۔ اس صورت میں الوہیت ایک ہی ذات میں منحصر ہوگی اور لا الٰہ غیرک کے معنی صادق آگئے یعنی کوئی الہ بحیثیت الوہیت غیر نہیں۔ کیونکہ سوائے خدائے تعالےٰ کے کسی کی عبادت نہیں ہوسکتی۔ البتہ باعتبار ذات کے غیر ہے کیونکہ وہ خالق قدیم ہے اور یہ مخلوق حادث دونوں کیونکر ایک ہوسکیں۔ ہر چند ہر عابد خدا کی عبادت کرتا ہے مگر مشرکوں کے خیال میں یہ نہیں ہوتا کہ ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنی میں نے جن و انس کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں اور اسی وجہ سے مشرک اور وہ لوگ جو اس عالم میں خدا کی عبادت نہیں کرتے دوسرے عالم میں دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ کیونکہ قید خانہ کی خاصیت ہی کہ وہاں خدا یاد آتا ہے۔ چنانچہ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

جملہ رندان چونکہ در زندان روند
متقی و زاہد و حق خوان شوند

چونکہ اصل عبادت یادِ الٰہی ہے وہ دوزخ میں ہوا کرے گی اور خدا کو جب بصدق دل خوب پکاریں گے اور جو لوگ اس عالم میں عبادت کر چکے وہ اُس عالم میں عبادت سے معاف کئے جائیں گے۔ کیونکہ جنت دارِ تکلیف نہیں ہے۔ حق تعالے ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اس عالم میں عبادت کی تکلیف اُٹھا کر اُس عالم میں فارغ البال ہو جائیں۔

شر

(شر) ضد خیر ہے اس آیۂ شریفہ میں شیطان وسوسہ انداز کی شر سے پناہ مانگنے کا حکم ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ پناہ مانگنے کے قابل شیطان کا شر ہے نہ شیطان۔ کیونکہ فی نفسہ اُس سے ہمیں کوئی تعلق نہیں اگر ہمیں وہ شر نہ پہنچائے تو مثل اور اشیائے عالم کے وہ بھی ایک شئے ہو گا جس سے نہ بھلائی کی امید نہ بُرائی کا خوف اس میں شک نہیں کہ کسی کو شر یا خیر پہنچانا کسی کی قدرت میں نہیں جب تک خدائے تعالیٰ نہ چاہے کوئی شر پہنچا سکتا ہے نہ خیر۔ دیکھئے ہر آدمی کے کس قدر دشمن ہیں پہلے سب سے بڑا دشمن اسی کا نفس ہے جیسا کہ ارشاد ہے اعدیٰ عدوك نفسك التی بین جنبیك کیونکہ تمام شر و فساد کا مبدا نفس ہی ہے۔ اس لئے کہ جتنی نفسانی خواہشیں

ہیں سب اسی میں ہیں۔ اگر ان خواہشوں کو آدمی پوری کرنا چاہے تو خسر الدنیا والاٰخرۃ ہو جائے مثلاً جب خواہش نفسانی کے جوش کے وقت کسی خوبصورت عورت سے ملوث ہو جائے تو ظاہر ہے کہ دنیا ہی میں کیسی کیسی مصیبتیں بھگتنی پڑینگی اور آخرت میں کیا حشر ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس کل نفسانی خواہشوں کا بھی یہی حال ہے۔ قید خانے جتنے بھرے ہوئے آپ دیکھتے ہو سب نفس ہی کے کرتوت سے ہیں جس کو آپ پریشان مصیبت زدہ پاؤگے اصلی سبب اُس کا نفس ہی کی کارسازی ہوگی۔ غرضکہ سب سے بڑا دشمن ہماری ہی ذات میں ہے جس سے ہم بھاگ نہیں سکتے۔ پھر ہماری اہل و اولاد جن کو ہم سب سے زیادہ دوست سمجھتے ہیں۔ وہ بھی ہمارے دشمن ہیں حق تعالےٰ فرماتا ہے اولادکم عدولکم یعنی تمہاری اولاد تمہاری دشمن ہے۔ اُس کے بعد اہل قرابت ہیں چنانچہ کسی بزرگ کا قول ہے الاقارب کالعقارب ان کے بعد دوسرے لوگ علیٰ حسب مراتب ہیں۔ یہ تو ہمجنسوں کا حال تھا اس کے بعد جنات و شیاطین بھی ہمارے دشمن ہیں جن کو ہم نہیں دیکھتے اور وہ ہمیشہ ہمارے گرد و پیش رہتے ہیں اور ہم پر مسلط ہو سکتے ہیں۔ پھر حیوانات میں اگر دیکھتے ہیں تو بے انتہا موذی جانور ہیں جن کا شمار نہیں۔ ان کے سوا بیماریاں سب بے انتہا ہیں۔ اگر شفا خانوں میں چندروز

جا کر دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ کیسی کیسی آفتوں میں لوگ بتلا ہیں ان سب بیماریوں کے اسباب وہی اخلاط ہیں جو ہم میں موجود ہیں ان کی کمی وزیادتی اور انحراف انہی غذاؤں سے ہوتا ہے جو ہم ہر روز کھاتے ہیں۔

غرض ان تمام اسباب شر پر نظر ڈالی جائے تو ہر وقت کسی نہ کسی مصیبت اور آفت میں بتلا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بے انتہا دشمنوں میں سے اگر ایک دو بھی ہر روز مسلط ہوتے رہیں تو ممکن نہیں کہ آدمی آسائش سے بسر کر سکے۔ مگر جب تک حق تعالیٰ کو منظور ہو تا ہی کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ الحاصل خیر و شر کا پہنچانا خاص خدائے تعالےٰ کا کام ہے اسی وجہ سے جن حضرات کو اس امر کا مشاہدہ رہتا ہے وہ وسائط کو نظروں سے ساقط کر دیتے ہیں اور کسی چیز کی برائی اور بھلائی پر ان کی نظر بھی نہیں پڑتی۔ ہمیشہ ان کو صفات الٰہیہ میں استغراق رہتا ہے۔ ان کی نظروں میں سانپ اور لکڑی یکساں رہتی ہے۔ دونوں کو اس بات میں برابر سمجھتے ہیں کہ بغیر مشیت وارادۂ الٰہی کے وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اگرچہ اس صفات کے حضرات بہت اعلیٰ درجے کے ہیں اور ہمیشہ ان کو قرب الٰہی حاصل ہے۔ مگر ان سے بڑے ہوئے وہ عارفین ہیں کہ جس طرح خدائے تعالےٰ نے عالم میں اسباب مقرر کیے ہیں

ان کو وہ بیکار نہیں سمجھتے۔ مضر چیز کو مضر اور مفید کو مفید جانتے ہیں خدائے تعالیٰ نے جس کی طرف بُرائی منسوب کی اُس کو بُری سمجھتے ہیں اور اس سے احتراز کرتے ہیں۔ مگر مؤثر اور فاعل مطلق حق تعالیٰ ہی کو جانتے ہیں وہ اسباب کے قائل ہیں۔ مگر ان کو مستقل نہیں سمجھتے یوں تو ہر مسلمان کا دعوےٰ ہے کہ یہی میرا عقیدہ ہے۔ مگر غور کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ یہ دعوے کہاں تک صحیح ہے ہمیشہ دیکھنے اور سننے اور تجربوں سے اسباب کی اس قدر تاثیر ذہن میں متمکن ہے کہ خدائے تعالیٰ کا خیال بھی نہیں آتا اور اگر کہنے سننے سے آبھی گیا تو وہ دیرپا نہیں عاقل وہی ہے کہ اس خیال کو پختہ کرے اور اعتقاداً اور عملاً فرمان الٰہی بجالائے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

اور تمام دشمنوں پر اس کو غلبہ حاصل ہوگا۔

یہ ہر شخص جانتا ہے کہ کہنے سننے کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ جب عارضی سننے کا یہ اثر ہو تو ابتدائے نشو و نما سے جو باتیں ہر وقت سنی جاتی ہیں اور صرف سننا ہی نہیں بلکہ ذاتی مشاہدے بھی اس کے ساتھ ہوں تو ان کا کس قدر اثر ہونا چاہیے۔ دیکھئے کہ قبل اس کے کہ آدمی ہوش سنبھالے یہ دیکھتا ہے

کہ ماں کی آغوشِ تربیت میں پرورش پارہا ہے نہ کوئی اس حالت میں اسکا مونس ہے نہ مددگار اس وقت اُس کا یہی خیال ہوتا ہے کہ تمام عالم میں اگر کوئی اپنا مربی اور پرورش کرنے والا ہے تو وہی ایک ماں ہے۔ اس سے آگے اس کی نظر نہیں بڑھ سکتی جب اس کو کوئی حاجت ہوتی ہے تو ماں ہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ غرضکہ اس وقت اُس کی ماں اُس کے حق میں ہر مرض کی دوا ہے۔ پھر جب ہوش سنبھالتا ہے تو دیکھتا ہے کہ ماں بات بات میں باپ کی محتاج ہے۔ جب تک وہ کچھ نہ دے کچھ نہیں کرسکتی اُس وقت باپ کی وقعت اُس کی نظر میں پیدا ہوتی ہے۔ اور جوں جوں باپ کی طرف سے اُس کی پرورش کے سامان ہوتے جاتے ہیں اور اُس کا ادراک بڑھتا جاتا ہے سمجھتا ہے کہ اپنی پرورش کا مدار باپ پر ہے۔ اس وجہ سے اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ اس وقت جس قدر اُس کی نظروں میں باپ کی وقعت ہوتی ہے کسی دوسرے کی نہیں ہوتی اور باپ سے بہتر کسی کو نہیں سمجھتا اس کے بعد جب شعور آتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اپنا باپ اور سب کنبے والے بلکہ سب شہر اور ملک کے لوگ بادشاہ کے محتاج اور فرماں بردار ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہی ملک میں تصرف کرتا ہے اور اہل ملک کے خوف ورجا اسی سے متعلق ہے تو بادشاہ کی عظمت و وقعت ایسی ذہن نشین ہوتی ہے کہ کسی دوسرے کی

نہیں ہوتی پھر جس قدر عقل کامل ہوتی جاتی ہے۔ بادشاہ کی اطاعت فرمان برداری کو ضروری سمجھتا ہے۔ غرضکہ مخلوق ہی کی طرف ہر وقت نظر اُس کی لگی رہتی ہے جس سے خدائے تعالےٰ کی طرف متوجہ ہونے کا اُس کو موقع ہی نہیں ملتا۔ اگرچہ کہ اس عرصہ میں واعظوں اور اساتذہ سے سنتا ہے کہ تمام عالم کا خالق خدائے تعالےٰ ہے۔ اور دیکھتا بھی ہے کہ ہر قوم اور ملت کے لوگ اپنے اپنے طریقوں پر خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ اور عقل سے بھی معلوم کرسکتا ہے کہ زمین اور آسمان وغیرہ کا پیدا کرنا کسی آدمی کا کام نہیں۔ اس لئے اس کا کوئی خالق ضرور ہے جو سب کی حاجتوں کی اشیاء کو غیب سے فراہم کرتا ہے۔ مگر چونکہ خدائے تعالےٰ اور اُس کے تصرف مخفی طور پر ہیں اور ابتدائے پیدائش سے جب اُس کی نظر پڑی تو لوگوں ہی کے تصرفات اور حاجت روائیوں پر پڑی اس لئے اس کا یہ خیال پختہ نہیں ہوتا کہ عالم میں کل تصرفات خدائے تعالیٰ ہی کے جاری ہیں۔ اگرچہ یہ ممکن تھا کہ جب حق تعالےٰ کو خالق عالم سمجھا اور ہر قوم کے لوگوں کو اُس کی عبادت کرتے پایا! تو جس طرح بادشاہ کی وقعت سب سے زیادہ اُس کے ذہن نشین ہوئی تھی۔ حق تعالیٰ کی وقعت اس سے زیادہ ہوتی۔ مگر شیطان اُس کو وہاں جمنے نہیں دیتا۔ اس وجہ سے کہ عزازیل کو پہلے ظاہراً تقرب الٰہی حاصل تھا جب آدم علیہ السلام کو خلعت خلافت عطا ہوئی۔ اور تمام ملائک سے

ان کی تعظیم و توقیر اور سجدے کرائے گئے۔ اس کو بھی سجدے کا حکم ہوا
مگر کثرت عبادت کے گھمنڈ پر انکار کیا۔ اور تقرب الٰہی سے دور پھینکا گیا۔
جس کی وجہ سے اس کا نام شیطان ٹھیرا۔ کیونکہ شیطان کے معنی لغت میں
دور کے ہیں۔ غرضکہ اُس وقت سے آدم علیہ السلام کا جانی دشمن ہو گیا
اور اُن کی وجہ سے ان کی اولاد کا بھی دشمن ہوا۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے
ان الشیطان لکم عدو مبین پہلے وہ آدم علیہ السلام کے
سر ہوا یہاں تک کہ اُن کو جنت سے زمین پر لا کر چھوڑا۔ ان کے بعد اُن کی
اولاد کو خدا کی راہ سے بھٹکانے کا بیڑا اُٹھایا اور قسم کھالی کہ گو یہ خلیفہ زادے
ہیں۔ مگر اُن کو بھی خدا کے راستہ سے ایسا بھٹکا دوں گا کہ اُس راستہ
میں قدم نہ رکھنے پائیں۔ چنانچہ حق تعالےٰ اُس کا قول نقل فرمایا ہے۔
فبعزتک لاغوینھم اجمعین اور دل میں یہ بات ٹھان لی
کہ جس طرح ہو سکے دشمن اور اُس کے خاندان کو اگر تباہ نہ کر دوں تو میں جن
نہیں اور عرض کیا کہ مجھ ستم رسیدہ پر اتنا فضل فرما کہ جب تک ان کی اولاد
روئے زمین پر رہے مجھے بھی رہنے کی اجازت ہو تاکہ میں بھی اپنی سوزش
دل کو ٹھنڈی کروں۔ چونکہ خدائے تعالےٰ رب العالمین ہے سب کی سنتا
ہے خصوصاً شکستہ دلوں کی۔ اس بارگاہ میں بہت کچھ چل جاتی ہے ارشاد
ہوا کہ ہم نے مہلت منظور کی۔ اُس کے بعد درخواست کی کہ اُن کے گرفتار

کرنے کو چند دام بھی عنایت ہوں تو موجب کرم ہے۔ جیسا کہ مولانائے رومؒ فرماتے ہیں ؎

گفت ابلیس لعین دادار را — دام زفتے خواہم ایں اشکار را
زر و سیم و گلۂ اسپش نمود — کہ بدیں تانی خلائق را ربود
گفت شاباش و نشد زیں شادکام — لیک افزوں بایدم زیں دام دام
پس زر و گوہر ز معدن ہائے خوش — کرد آں پس ماندہ را حق پیشکش
گیر ایں دام دگر را اے لعیں — گو بیفزوں دہ مرا نعم المعیں
چرب شیریں و شرابات ثمیں — دادش و صد جامۂ ابریشمیں
گفت یارب بیش ازیں خواہم مدد — تا بہ بندم شان بحبل من مسد

غرض اس قسم کے بہت سے اسباب ضلالت دے گئے جس کی تصدیق اس آیۂ شریفہ سے ہوتی ہے قولہ تعالیٰ کلا نمد ھولاء وھو لاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا یعنی ہم ہر ایک کو مدد دیتے ہیں اور ان کو بھی اور تمہارے رب کی عطا سے کوئی محروم نہیں۔ اور ارشاد ہوا کہ جس طرح تجھ سے ہو سکے اپنی ذات سے اور اپنے لشکر کی مدد سے اطمینان کے ساتھ اپنے دل کے حوصلے پورے کر کما قال تعالیٰ واجلب علیھم بخیلک ورجلک بلکہ اُن کے دلوں پر بھی تجھے تصرف عنایت کرتے ہیں۔ تو ان کی نظر میں

بچا کر اندر رہی اندر مخالفانہ مشورے دیا کر مگر یہ یاد رکھنا کہ جو خاص ہمارے بندے ہیں ان پر تیرا غلبہ ہرگز نہ ہو سکے گا۔ غرضکہ خدا سے پروانگی مل گئی اب کیا تھا نہایت بے باکی اور اطمینان سے ایک مستقل سلطنت اپنی قائم کر لی۔ اور اُن ذرائع کی تلاش میں مصروف ہوا جن سے لوگ خدا سے دور ہو کر لقب شیطان کے مستحق ہوں۔ دیکھا کہ ہر شخص بقائے شخصی اور بقائے نوعی کا دلدادہ ہے اور یہی چاہتا ہے کہ آپ اور اپنی نوع باقی رہے بس یہیں اس نے اپنا تھانہ جمایا اور ہر ایک کو یہ مشورہ دینے لگا کہ تمہاری پرورش بھی ماں باپ سے متعلق تھی۔ اس کے بعد دوسرے اسباب و ذرائع سے متعلق ہوئی۔ جن کو تم خوب جانتے ہو۔ اور یہ ایسے ذاتی تجربے ہیں اور بقائے نوعی سلاطین سے متعلق ہے کیونکہ اگر وہ نہ ہو تو تمدن درہم اور برہم ہو جائے اور درندے اور درندہ خو لوگ تمہیں پھاڑ کھائیں اور بعض اولڈ فیشن کے لوگ جو خدا کا خیال کرتے ہیں سو اول تو خدا کو کس نے دیکھا اور اگر ہو بھی تو خدا جانے کہاں ہے۔ نیو فیشن والوں کے عقل کا مقتضیٰ تو یہ نہیں کہ ایسے موہوم خیالات پر آدمی بھروسہ کرے اور اپنے ذاتی تجربوں پر اعتماد نہ کرے ہر بات میں خدا کو پکارے اور اس کی عبادت میں اپنا وقت ضائع کرے۔

تھانۂ شیطان

ہر چند خدائے تعالےٰ اس کے مقابلے کے لئے انبیا کو بھیجا کہ اپنے بھائی

اولاد

اولاد آدم علیہ السلام کو اس کے مکر و فریب پر مطلع کر کے خدائے تعالےٰ اسی
اُن کو قریب کر دیں۔ اُنھوں نے بہتیرا سمجھایا کہ بھائیو خدائے تعالےٰ ہی رب العالمین
اور سب کا پرورش کرنے والا ہے اور وہی تمام جہان کا بادشاہ ہے۔ اور
بادشاہ بھی کیسا مالک الملک یؤتی الملک من یشاء۔ یعنی جس کو چاہے
بادشاہ بنادے۔ ظاہرا اُنھوں نے بہت کچھ سمجھایا مگر ان کی کچھ نہ چلی کیونکہ
وہ اندر ہی اندر دلوں میں یہ وسوسے ڈالتا جاتا ہے کہ دیکھو اگر تم ان لوگوں کی
بات مان لوگے اور دنیا کے کاروبار چھوڑ کے خدا کی طرف متوجہ ہو جاؤگے
تو سر دست تمہیں فقر و فاقہ کی مصیبت بھگتنی پڑے گی۔ چنانچہ حق تعالیٰ
فرماتا ہے الشیطان یعدکم الفقر اس کا مطلب یہ ہے
کہ شیطان فقر سے متعلق وسوسے ڈالتا ہے اور گویا وعدہ کرتا ہے کہ
جہاں تم نے انبیا کی سنی فقیری تم پر آگئی اور بادشاہ اور تمہارے آقا جب
تمہیں دیکھیں گے کہ تم خدا کی طرف متوجہ ہو تو یہی کہیں گے کہ یہ ہمارے
کام کے نہیں اور کوئی عہدہ تمہیں نہ ملیگا۔ غرضکہ ان کو پیٹ کے دھندوں
اور جاہ طلبی میں ایسا مصروف کر دیتا ہے کہ خدا کا خیال بھی کبھی نہ آنے
پائے۔ پیغمبروں نے ہزار طرح سے سمجھایا اور خدا کا کلام پڑھ پڑھ کر
سنایا تو بھی ان (وسوسوں) کے مقابلے میں کچھ اثر نہ ہوا۔ وسوسے
جو فی الحقیقت شیطان ان کو مشورے دیتا ہے ان کے سامنے وہ ایسا

متذلل اور فرماں بردار ہو جاتے ہیں۔ کہ شیطان کے ان حکموں سے ذرا بھی سرتابی نہیں کر سکتے یہی معنی عبودیت کے ہیں۔ اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ جو شخص خدا کی نہ مان کر شیطان کی مانیں تو کیا وہ عبداللہ سمجھا جائے گا؟ برخلاف ان کے جو خاص خدا کے بندے ہیں ان پر شیطان کا افسون نہیں چل سکتا وہ جانتے ہیں کہ خدا ہی پرورش کرنے والا ہے۔ اگر غذا کی وجہ سے طاقت آتی ہے تو اس میں طاقت دینے والا بھی خدا ہی ہے اور اگر کوئی پرورش کرتا ہے تو اُس کو متوجہ کرنے والا بھی خدا ہی ہے اور اگر بادشاہ کی طرف سے تمدن قائم ہے تو وہ ظلی طور پر حاکم ہے اصل مالک الملک وہی خدائے تعالےٰ ہے۔ غرضکہ وہ وساوس شیطانی پر لاحول پڑھکر ان کو دور کر دیتے ہیں وہ خدا ہی کو معبود اور قابل اطاعت سمجھتے ہیں۔ خدا کے مقابلے میں شیطان کی اطاعت کو کفر جانتے ہیں ہر حال میں ان کی توجہ خدا ہی کی طرف ہوتی ہے۔ اور ہر وقت تقرب الٰہی ان کو حاصل رہتا ہے۔ اور شیطان جتنا اُن کو اس بارگاہ سے دور کرنا چاہتا ہے وہ نزدیک ہوتے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہی ہے کہ اُنہوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ خدائے تعالےٰ ہی سب آدمیوں کا بلکہ کل عالم کا رب اور مالک ہے۔ یہی مستحکم اعتقاد ان کا ایک محکم قلعہ ہے جس کے اندر جانے کا راستہ ہی شیطان کو نہیں مل سکتا۔

مہال

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ من شر الوسواس الخناس ارشاد ہوا یعنی وسوسہ انداز خناس کے شر سے پناہ مانگو یہ نہیں ارشاد ہوا کہ اُس کے وسوسہ کے شر سے پناہ مانگو۔ اس سے ظاہر ہے کہ سوائے وسوسہ اندازی کے اور بھی اُس کے شر ہیں۔ اس لئے اس کی کل شرارتوں سے پناہ مانگنی چاہیئے۔ مثلاً ایک شرارت اُس کی یہ ہے کہ کسی دوسرے کو ورغلا کر کوئی حرکت اس سے ایسی صادر کرا دیتا ہے کہ خواہ مخواہ آدمی کو غصہ آجائے۔ اور غصہ کی حالت میں ایسے کام اس سے کرا دیتا ہے کہ دنیا و آخرت میں ذلت اور خرابی کے باعث ہوتے ہیں۔ چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ احباب کے مجمعوں میں کمال خوشی سے باہم گفت و شنید ہوتی ہے۔ ہنسی ہنسی میں کوئی نہ کوئی صاحب کمال صفائی سے ایسی بات کہدیتے ہیں کہ مخاطب کو ناگوار ہو۔ مگر اہل مجمع اُس سے لطف اُٹھاتے ہیں۔ اس بات کا اثر یہانتک ہوتا ہے کہ سب و شتم بلکہ قتال و جدال تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ دراصل یہ شرارت اسی وسوسہ اندازکی ہے کہ دوستی کے پیرایہ میں دوسرے سے وہ بات کہلوائی اور ادھر غصہ کی حالت میں اپنا کام کرلیا۔ غالباً یہی وجہ ہوگی جو صحیح حدیث میں وارد ہے جس کو منذری رحمہ نے کتاب الترغیب والترہیب میں نقل کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لا یبلغ العبد صریح الایمان حتی یدع المزاح والکذب
یعنی خالص ایمان تک آدمی نہیں پہنچ سکتا - جب تک مزاح یعنی ٹھٹھہ دل لگی اور جھوٹ کو نہ چھوڑ دے انتہی -

الوسواس

(الوسواس) اس لفظ کے معنی وسوسہ انداز کے - لئے جاتے ہیں - در اصل وسواس بالفتح اسم ہے - اور بالکسر مصدر وسوسہ خفی آواز کو کہتے ہیں جو ہوا کی سُنی جاتی ہے - اور زیور کی آواز کو بھی کہتے ہیں - ہرچند وسوسہ دل میں ہوتا ہے جہاں کسی قسم کی آواز کا وجود نہیں - مگر چونکہ وسوسہ میں باتیں ہوا کرتی ہیں اور باتوں کا تعلق آواز سے ہے اس لئے دل کی باتوں کو وسوسہ کا اطلاق کیا گیا ہے جس کے معنی خفی آواز کے ہیں اور وسوسے چونکہ پلٹ پلٹ کر دل میں آتے جاتے ہیں - اس لئے لفظ وسواس میں بھی تکرار ہوئی تاکہ تکرار لفظی تکرار معنوی پر دلالت کرے - اکثر استعمال اس لفظ کا بُری باتوں میں ہوتا ہے جو دل میں آتی ہیں - چنانچہ وسوسۂ شیطانی کہا جاتا ہے - چونکہ شیطان ہمیشہ وسوسے ڈالتا رہتا ہے اور کوئی دم ایسا نہیں گذرتا جس میں وہ وسوسہ نہ ڈالے - یا اُس کی فکر میں نہ ہو - اس وجہ سے اُس پر وسواس کا اطلاق فرمایا گیا - جیسے زیدٌ عدلٌ

کہا جاتا ہے۔ یعنی وسوسے ڈالتے ڈالتے وہ ہمہ تن وسوسہ ہی بن گیا چونکہ شیاطین کی تخلیق اسی واسطے ہے کہ اسباب شقاوت و ضلالت قائم کیا کریں۔ اسی لئے وہ کبھی اس کام سے تھکتے نہیں۔ جس طرح فرشتوں کی تخلیق عبادت کے واسطے ہے جس کی وجہ سے وہ تھکتے نہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف سے ثابت ہے۔

اب کہئے کہ وسوسہ انداز جو پیچھے پڑ گیا اور سوائے اس کے اُسے کوئی دوسرا کام ہی نہیں اُس کے شر سے بچنا کیسا مشکل کام ہے۔ نفس میں جتنے صفات رکھے گئے ہیں مثلاً شجاعت۔ جُبن۔ سخاوت۔ بخل
صبر۔ بے صبری۔ حیا۔ بے حیائی۔ قناعت۔ حرص۔ تکبر۔
تواضع۔ رحم۔ جور و جفا وغیرہ۔

ان سب کے استعمال کے طریقے ایسے بتلاتا ہے کہ ذمیمہ تو ذمیمہ اخلاق حمیدہ بھی ذمیمہ ہو جاتے ہیں۔ مثلاً صفت سخاوت کسی میں ہو تو ایسے مصرف پیش کر دیتا ہے کہ مال تلف ہو جائے اور بجائے نام آوری کے بدنامی اور بجائے ثواب کے عذاب حاصل ہو۔ مثلاً عیاشی وغیرہ اور اگر ایسے کاموں سے نفرت ہو تو خیال نام آوری اور ریا سمعہ عجب وغیرہ پیش کر دیتا ہے۔ جس سے سوائے اتلاف مال کے آخرت میں کچھ فائدہ نہ ہو۔

چونکہ نفس میں قوائے شہوانیہ وغضبیہ موجود ہیں۔ اس لئے وہ چاہتا ہے کہ اپنی کل خواہشیں پوری کرے اور جتنی خواہشیں ہیں سب کو پوری کرنے کی اجازت بھی حق تعالیٰ نے دی ہے۔
مثلاً عورت کی خواہش ہو تو نکاح کی اجازت ہے۔ اسی طرح کل خواہشوں کا حال ہے۔ مگر شیطان جو آدمی کا دشمن ہے وہ نہیں چاہتا کہ حلال طریقہ سے خواہشیں پوری ہوں جس کی وجہ سے آدمی مستحق ثواب ہی ہو جائے بلکہ وہ مشورت دیتا ہے کہ ناجائز طریقہ سے پوری کی جائیں تاکہ بجائے اس کے کہ مستحق ثواب ہو۔ نافرمانی کے جرم میں مستحق عذاب بنا دے شیطان جس طرح بت پرستی پر لگاتا ہے ہوا پرستی پر بھی لگاتا ہے جو بت پرستی سے بھی بدتر ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ما تحت ظل سماء من الٰہ یعبد من دون اللہ اعظم عند اللہ من ھوی متبع کذا فی کنز العمال یعنی فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آسمان کے نیچے اللہ تعالےٰ کے سوا جس معبود کی عبادت ہوتی ہے ان میں ہوائے متبع سے بدتر کوئی نہیں۔ ہوائے متبع کا مطلب یہ ہے کہ خدا و رسول کے خلاف حکم بھی کوئی خواہش ہو تو آدمی اُسی کا متبع رہے۔ اور حکم شرعی کا کچھ خیال نہ کرے۔ ہوا پرستی۔ بت پرستی سے بدتر ہونے کی یہی وجہ ہے کہ بت پرستی بھی ہوا پرستی کا ایک شعبہ ہے۔

جب حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ہوا پرستی بت پرستی سے بدتر ہے تو مسلمانوں کو اپنی خواہشوں کے پورا کرنے میں کس قدر احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔

غرض کہ شیطان بذریعہ ہوائے نفسانی آدمی کو تباہ کر کے اپنی خواہشیں پوری کرتا ہے۔

اگر وساوس شیطانی نہ ہوں تو آدمی نہ دنیا کی پریشانی میں پڑے نہ آخرت میں مصیبت بھگتے۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ شیطان ہمارا جانی دشمن ہے جیسا کہ خدائے تعالےٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کی عداوت اور اُس کی مکاریاں ظاہر کر کے مسلمانوں کو ہدایت فرمادی ہے کہ اس سے احتراز کرو اور اُس کا کہا نہ مانو اور اس کے کہنے کا طریقہ بھی معلوم کرا دیا کہ دل میں جو بیہودہ خیالات آتے ہیں وہ وساوس شیطانی ہیں تو اب آدمی کو لازم ہے کہ علم کے ذریعہ سے معلوم کرے۔

کنز العمال میں یہ حدیث وارد ہے کہ عن الاشعث بن قیس رض

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشکرکم عند اللہ اشکرکم للناس یعنی فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑا شکر گذار اللہ کا تم میں وہی شخص ہے جو لوگوں کا شکر زیادہ کرے۔ مطلب یہ کہ اپنے محسن کا شکر کرنا گویا خدائے تعالےٰ کا شکر کرنا ہے۔ اگر محسن کا شکر زیادہ کروگے

تو زیادہ شکر باری تعالےٰ کا ہو جاوے گا۔ کیونکہ محسن صرف واسطہ ہے جس کے ذریعہ سے خدائے تعالےٰ کی نعمت پہنچی ہے اگر وسائط بالکلیہ ساقط کردی جائیں تو خدائے تعالےٰ نے جو عالم اسباب میں مصلحتیں رکھی ہیں وہ فوت ہو جائینگی اور اُن کا فوت ہونا خدائے تعالےٰ کو منظور نہیں

اسی وجہ سے حدیث شریف میں وارد ہے۔ کما فی کنز العمال۔ عن ابن

عباس رضہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من انعم

علیٰ اخیہ نعمۃ فلم یشکرھا فدعا علیہ یستجیب لہ یعنی جو شخص اپنے مسلمان بھائی کو کوئی نعمت عطا کرے اور وہ اس کا شکریہ نہ کرے اور محسن اس کی ناشکری کی وجہ سے اُس کے حق میں بد دعا کرے تو خدائے تعالےٰ اس کی بد دعا کو قبول فرما لیتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ احسان کا شکر نہ کرنا محسن کے دل کو دُکھانا ہے۔ اس دل آزاری کی سزا یہ مقرر ہوی کہ وہ جو کچھ بارگاہ کبریائی میں اس کی نسبت عرض کریگا وہ قبول ہو جائے گی اس سے ظاہر ہے کہ ہر چند انعام وعطا حق تعالےٰ کی جانب سے ہے مگر جن وسائط و ذرایع سے وہ نعمت حاصل ہوتی ہے وہ بھی قابل اعتبار نہیں۔ اگر وسائط نہ ہوں تو انتظام عالم درہم وبرہم ہو جائے گا۔ جس کا جی چاہے گا کسی پر ظلم کرکے کہدیگا کہ میں نے کیا کیا وہ تو خدائے تعالےٰ کا فعل تھا اور ہر شخص بحسب اقتضائے شہوات نفسانیہ

کرتا ہوتا

گناہوں کا مرتکب ہو کر کہے گا کہ میں بری الذمہ ہوں جو چاہا خدا نے کیا یہ درست ہے کہ بغیر مشیتِ الٰہی کوئی کام نہیں ہوتا مگر بُرا کام کرنے کے وقت آدمی کا مقصود صرف یہی ہوتا ہے کہ اپنی خواہش پوری کرے جس سے تلذذ خلاف امر الٰہی نفس کو حاصل ہو۔ اس مقصود کو پورا کرنے کے بعد اگر یہ چاہے کہ خدائے تعالےٰ پر الزام لگا کر آپ بری الذمہ ہو جائے۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ بُرا کام تو تم نے کیا اس میں فعل الٰہی کو کیا دخل؟ تو اس کا یہی جواب دیگا کہ یہ تو قرآن شریف سے ثابت ہے تو ہم کہیں گے کہ جس طرح قرآن شریف سے وہ ثابت ہے یہ بھی ثابت ہے کہ بُرے کاموں سے خدائے تعالےٰ نے منع فرمایا ہے اور اُس کی سزا مقرر فرمائی ہے۔ اگر قرآن شریف اس قابل ہے کہ اُس پر ایمان لایا جائے تو اس کے کل احکام پر ایمان لانا چاہیے۔ اس کے کیا معنی کہ اپنے مطلب کی آیتوں پر ایمان لاکر استدلال میں پیش کریں اور جن کا اثر نفسانی خواہشوں پر پڑتا ہے۔ اس کو نظر انداز کردیں اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سوائے آیات مشیت الٰہی کے دوسری آیات پر ایمان ہی نہیں جو شخص بعض آیات پر ایمان لائے اور بعض آیات پر ایمان نہ لائے تو اس کے شان میں حق تعالےٰ فرماتا ہے۔

افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذٰلك منکم الا خزی فی الحیوٰۃ الدنیا ویوم القیامۃ

یردون الیٰ اشد العذاب یعنی کیا تم بعض آیات پر ایمان لاتے ہوا ور بعض کو نہیں مانتے تو ایسے لوگوں کی جزا یہی ہے کہ دنیا میں رسوا ہوں اور آخرت میں سخت عذاب میں ڈالے جائیں۔

الحاصل ایمان کا مقتضیٰ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے سب پر ایمان لائے اور یہ نہ کہیں کہ یہ بات فلاں آیت کے خلاف ہے بلکہ ایسے موقع میں یہ خیال کریں کہ ہر بات خدائے تعالیٰ کی قابل تسلیم ہے اگر اس کی حقیقت تمہیں معلوم نہ ہو تو ہمیں اس کی تحقیق کی ضرورت نہیں ہمارا کام بقدر استطاعت عمل کرنا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے

المؤمن کالجمل الانف حیثما انقید انقاد ۱۱ وکما قال صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مسلمان کی مثل اُس اونٹ کی سی ہے جس کے نکیل لگی ہوئی ہو اس کا حال یہی ہے کہ جدھر کھینچیں ادھر مطیع ومنقاد و فرمان بردار ہو کر چلا جاتا ہے۔ اگر یہ بات حاصل نہ ہو تو سمجھا جائے گا کہ وہ سرکش ہے پھر خدائے تعالیٰ کے مقابلے میں کس کی سرکشی چل سکتی ہے۔ الغرض مسئلۂ تقدیر ومشیت پیش کر کے گناہوں پہ جرأت کرنا مسلمان کا کام نہیں۔ مروی ہے کہ شیطان نے بارگاہ کبریائی میں عرض کی کہ مجھ سے جو معصیت ہوئی وہ بحسب تقدیر تھی تو پھر یہ لعنت کیوں کی گئی ارشاد ہوا کہ تو نے جس وقت نافرمانی کی کیا جانتا تھا کہ وہ تقدیر میں ہے کہا نہیں ارشاد ہوا

کہ اسی کی سزا ہے جو تو ملعون ہوا۔

فی الحقیقت جس وقت اُس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اس وقت حسد اور تکبر اس پہ اس قدر غالب تھا کہ تقدیر کا خیال بھی اس کو نہ آیا ہوگا۔ ورنہ صاف کہدیتا کہ الٰہی تو نے میری تقدیر میں مخالفت لکھی ہے اس لئے میں سجدہ نہیں کرتا بلکہ بجائے اس کے اس نے یہ کہا کہ میں ہرگز سجدہ نہ کرونگا۔ کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا جو لطیف ہے اور ان کو مٹی سے جو کثیف ہے اور لطیف کا کثیف کے روبرو سر جھکانا عقلاً خلاف وضع ہے۔

غرضکہ اپنی وضع داری اس وقت اس کے پیش نظر تھی۔ اسی طرح ہر گناہ کے وقت ایک خیال متمکن رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے آدمی مرتکب گناہ ہوتا ہے۔ اور بعد گناہ اگر تقدیر اور مشیت وغیرہ کے مسئلہ میں استدلال کرے تو وہی جواب ہوگا۔ جو شیطان کو دیا گیا تھا۔

حق تعالےٰ فرماتا ہے کہ انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنی خدائے تعالےٰ سے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علما ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جہلا کو خدائے تعالےٰ کا کچھ خوف نہیں۔ اس آیۂ شریفہ کی تصدیق کے بعد یہ یقین ہوتا ہے کہ جو لوگ تمامی درسی کتابیں پڑھ کر علما مشہور ہوتے ہیں اگر ان کو خوف خدا نہ ہو تو ان کو علما کہنا بے موقع ہوگا

کیونکہ کتابیں پڑھنا اور ہے اور علم کچھ اور چیز ہے۔ یورپ میں اکثر یہود و نصاریٰ علوم عربیہ میں ماہر ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے فاضل کہلاتے ہیں۔ مگر دین کی راہ سے ان کو علما نہیں کہہ سکتے۔ اسی طرح اہل اسلام بھی اگر تحصیل کرلیں اور ان میں خوف خدا نہ ہو تو اس آیۂ شریفہ کی رو سے انکو عالم کہنا درست نہ ہوگا۔ دراصل علم اس کیفیت قلبیہ کا نام ہے جو ظن سے متجاوز ہوکر حدِّ یقین میں داخل ہوگئی ہو۔

اب یہاں یہ دیکھنا چاہیئے کہ دین میں کونسی چیزوں کا علم معتبر ہے اور اس علم کا معلوم کیا ہے۔ کیونکہ عالم میں بے انتہا چیزیں ہیں جن کا علم دین کے لحاظ سے ضرور نہیں۔

تمام آیات واحادیث سے ثابت ہے کہ آدمی کو خدائے تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے احکام واخبار کا علم ضروری ہے۔ یعنی جس طرح خدائے تعالےٰ نے خبر دی ہے اس کا یقین کرلے اور کیفیت یقین حاصل ہو تو وہ علم ہوگا۔

جب آدمی اس بات کو جان لیگا کہ خدائے تعالےٰ کے صفات میں قہاریت بھی ایک صفت ہے اور اسی صفت کا یہ اثر ہے کہ حق تعالیٰ نے برُے کاموں سے منع فرمایا۔ اور جو لوگ ان کے مرتکب ہوں ان کے لئے دوسرے عالم میں ایک بڑا قیدخانہ تیار کیا جس میں ہر قسم کی اذیتیں ہیں

تو اس علم کے بعد اس سے گناہ اول تو صادر ہی نہ ہوگا اور اگر ہو گیا تو وہ توبہ کرلے گا۔

غرضکہ اس علم کے بعد اس کو خوف الٰہی ضرور ہوگا اور جس کو یہ علم ہی نہ ہو تو اُس کو خوف بھی نہ ہوگا۔

الحاصل جب کسی کو صفت قہاریت اور اُس کے آثار کا علم ہوگا ممکن نہیں کہ وہ بے خوف ہو البتہ مدارج علم متفاوت ہوتے ہیں۔ اس لئے خوف کے مدارج بھی متفاوت ہوں گے جس کو کمال درجہ کا علم و یقین ہوگا اُس کو خوف بھی اُسی درجہ کا ہوگا۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انا اخشٰکم للہ یعنی میں تم سب سے زیادہ خدائے تعالےٰ سے خوف و خشیت رکھتا ہوں۔

شفار قاضی عیاض میں یہ روایت ہے کہ عبد اللہ بن سخیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اُس وقت آپ نماز ادا فرما رہے تھے۔ آپ کے سینۂ مبارک سے ایسی آواز سنائی دیتی تھی جیسے دیگ کے جوش کی آواز ہوتی ہے۔

مطلب یہ کہ آپ گریہ کو ضبط فرماتے تھے مگر اندرونی اثر اس کا ظاہر ہو ہی جاتا تھا۔

شفار میں ترمذی سے یہ روایت نقل کیا ہے کہ عن ابی ذر رضؓ قال

رسول اللہ علیہ وسلم واللہ لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا وما تلذذتم بالنساء علی الفروش ولخرجتم الی الصعدات تجارون الی اللہ لوددت انی شجرۃ تعضد یعنی ابوذر رضؓ کہتے ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو میں جانتا ہوں اگر تم لوگ جانتے تو بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے اور بستروں پر عورتوں سے لذت حاصل نہ کرتے اور خدا کی طرف فریاد و فغاں کرتے ہوئے راستوں کی طرف نکل جاتے مجھے آرزو آتی ہے کہ کاش میں ایک درخت ہوتا جو جڑ سے اکھاڑ دیا جاتا چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نہایت ارفع ہے۔ اس لئے آخری جملہ یعنی لوددت انی شجرۃ تعضد کو محدثین نے ابوذرؓ کا کلام قرار دیا ہے۔ ممکن ہے کہ فی الواقع یہی بات ہو مگر ظاہرا بلحاظ سیاق حدیث شریف ہی کا جزو معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس سے معلوم ہو کہ وہ ابوذرؓ کا کلام ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہو تو بھی چنداں بعید نہیں اس لئے کہ حالت خوف جب دل پر طاری ہوتی ہے تو بیخودانہ ایسی باتیں نکل جاتی ہیں اور اس میں کوئی کسر شان بھی نہیں۔ کیونکہ جب دوسری قسم کی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس وقت اسی کے اقتضا کے موافق کلام صادر ہوتے ہیں۔

اہل تصوف جن پر بحسب مقامات حالات طاری ہوتے رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جب کسی مقام سے متعلق کوئی حالت طاری ہوتی ہے اس وقت کیسی بے احتیاطی ہوجاتی ہے یہی بے اختیاری اس حالت کے مناسب کلام پر مجبور کرتی ہے دوسرے احادیث کثرت سے وارد ہیں جس سے حضرت کی اصلی شان کا پتہ چلتا ہے کہ نہ وہ کسی نبی کو حاصل ہے نہ کسی فرشتہ کو اور اس حدیث میں گو ظاہر بینوں کی نظر میں کسر شان معلوم ہوتی ہے ۔ مگر اس میں بھی حضرت کی رفعت شان معلوم ہوتی ہے ۔ کیونکہ مقام خوف بھی ایک اعلیٰ درجہ کا مقام ہے اور اس کا انتہائی درجہ عدم ہے جس کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے ۔ بہرحال مقام خوف کے آثار ولوازم اسی قسم کے ہوتے ہیں اور اسی پر منحصر نہیں ہر مقام کی بات جدا ہوتی ہے ۔

جنگ بدر میں جب کفار کثرت سے باساز وسامان جنگ میں صف آرا ہوئے ۔ اور صحابہ تھوڑے اور بے سامانی کی حالت میں یہ دیکھکر اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک حالت طاری تھی بار بار عرض کرتے تھے کہ الٰہی اگر ان مسلمانوں پر مشرک غالب ہوجائیں اور اس چھوٹی جماعتِ اہل ایمان کو تو ہلاک کردیگا تو روے زمین پر تیری عبادت موقوف ہوجائے گی یا اللہ مجھے رسوا مت فرمایا اللہ مجھہ سے جو تو نے وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کر حضرت ابتک کی طرف متوجہ ہوکر ہاتھ اٹھا اٹھا کر بار بار اس قسم کی دعائیں

فرماتے تھے یہاں تک کہ چادر مبارک دوش مبارک پر سے گر گئی۔ ابوبکرؓ نے چادر دوش مبارک پر اُڑھاکر کہا یا رسول اللہ بس کیجئے امید ہے کہ قریب میں حق تعالے اپنا وعدہ پورا فرمائیگا۔ کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ صدیق اکبر رضہ کا ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یقین سے بڑھا ہوا تھا۔ اور معاذ اللہ حضرت کو یقین نہ تھا جس کی وجہ سے اس قسم کی دعائیں کرنے کی ضرورت ہوئی! ہرگز نہیں۔ کجا یقین صدیق اکبرؓ اور کجا یقین سید المرسلین وباعثِ ایجاد کون ومکاں۔ مگر بات یہ ہے کہ بڑوں کی بات بھی بڑی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت مشاہدۂ ذات کبریائی تھا جو تمام عالم سے غنی ہے کما قال تعالے واللہ غنی عن العالمین وہاں مسلمان تو کیا سارا عالم تباہ ہو جائے تو کچھ پرواہ نہیں اسی ذات پاک کا نام ہادی بھی ہے اور مضل بھی اسی مقام میں ارشاد ہے کہ اگر سارا عالم جنت میں چلا جائے تو کچھ پرواہ نہیں اور دوزخ میں جائے تو بھی کچھ پرواہ نہیں۔ بہر حال بارگاہ ربانی میں نہ جمال کو ترجیح ہے نہ جلال کو چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظہر شان جمالی تھے۔ اس وجہ سے آپ کو کمال درجہ کی تشویش تھی کہ کہیں شان جلالی کا ظہور نہ ہو جائے اور یہ تشویش یہاں تک بڑھی کہ گویا بیخودی کی حالت طاری کردی۔

سیرۃ نبویہ میں شیخ دحلان رحمہ نے علما کا قول نقل کیا ہے کہ صدیق اکبرؓ

مقام رجا میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام خوف میں بہر حال جس حالت کا پورا وجود ہوتا ہے۔ دوسرے کل خیالات مضمحل ہو جاتے ہیں

حق تعالیٰ فرماتا ہے حتی اذا استائیس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جاءھم نصرنا یعنی یہاں تک (ڈھیل دی تھی) کہ رسول بھی نا امید ہو چکے تھے اور خیال کرنے لگے تھے کہ اُن سے غلط وعدے کئے گئے تھے تب اُن کے پاس ہماری مدد پہنچی۔

اس میں شک نہیں ہے کہ انبیا کو جو یقین اپنی نبوت کا اور وعدہ ہائے الٰہی کے پورے ہونے کا ہوتا ہے۔ وہ ایسا نہیں ہوتا کہ کسی وجہ سے زائل ہو سکے مگر جب امداد ہی میں بہت تاخیر ہوی اور یہانتک نوبت پہنچی کہ شدہ شدہ یاس کی حالت طاری ہو گئی تو اُس وقت بمقتضائے بشریت یہ خیال پیدا ہوا کہ وعدہائے امداد جھوٹے تو نہ تھے جو کسی واسطہ نے اپنی جانب سے کہدیا۔

حالت یاس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ایسے خیالات پیدا ہوں کیونکہ جو حالت آدمی پر غالب ہوتی ہے اس کے آثار کا ظہور میں آنا ضروری ہے دیکھے کسی قسم کی حالت کا جب غلبہ ہو جاتا ہے تو آدمی خودکشی کر لیتا ہے حالانکہ مقتضائے فطرت انسانی ہے کہ اپنی جان بچانے کی تدبیریں کرے مگر غلبۂ حال اس مقتضائے فطرت پر بھی غالب آجاتا ہے۔ شرع شریف نے

بھی اس حالت کی رعایت رکھی ہے - چنانچہ حالت اضطرار میں مردار درست ہو جاتا ہے - مگر اسی حد تک کہ وہ حالت ہو اسی وجہ سے چند لقموں کے بعد جب وہ حالت باقی نہ رہے تو مردار جو ضرورتاً حلال ہو گیا تھا پھر مردار ہو جائیگا یہیں سے قیاس ہو سکتا ہے کہ بزرگان دین پر جب سماع وغیرہ میں بھی حالت وجد طاری ہوتی ہے تو بعض کلمات و حرکات ان سے ایسے صادر ہوتے ہیں جو شرعاً و عقلاً ناجائز ہوتے ہیں - مگر چونکہ وہ بھی حالت ہوتی ہے اس لئے وہ معذور سمجھے جاتے ہیں -

الحاصل جب الہیات کسی حالت کے جمع ہو جائیں تو وہ حالت ضرور پیدا ہو جائے گی - مثلاً خبر متواتر اور قرائن سے ثابت ہو جائے کہ فلاں مقام میں شیر ہے اور شیر کا مقابلہ بھی ہو جائے تو حالت خوف ضروری طاری ہوگی ہاں یہ بات اور ہے کہ جو ان مرد شخص ہو اور اس کو اپنے اسلحہ اور قوت ذاتی پر گھمنڈ ہو کہ شیر کو مار لونگا تو اس کو خوف نہ ہو گا - اور جب یہ خیال ہو گا اُس کے مقابلہ میں سر بر نہ ہو سکیگا تو ضرور خوف کرے گا -

اب کہیئے کہ کون ایسا ہو سکتا ہے کہ اپنی ذاتی قوت اور طاقت پر اسکو اس درجہ گھمنڈ ہو کہ خدائے تعالےٰ کے مقابلہ میں سر بر ہو سکے - اسی وجہ سے تمام انبیاء اور اولیاء جب خدائے تعالےٰ کی صفت قہاریت پر نظر ڈالتے ہیں تو بے اختیار ان پر حالت خوف طاری ہو جاتی ہے - کیونکہ

ان کا ایمان اس پر کامل ہوتا ہے۔ پھر جب صفات کمالیہ ان کے پیش نظر ہو جاتے ہیں تو رجار کی کیفیت ان پر طاری ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے علما نے تصریح کی ہے کہ الایمان بین الخوف والرجاء

دراصل کلام الٰہی بھی اسی کی تعلیم فرماتا ہے چنانچہ ارشاد ہے انہ لایایئس من روح اللہ الا القوم الکافرون یعنی خدائے تعالےٰ کی رحمت سے ناامید ہونے والے سوائے کافروں کے اور کوئی نہیں۔

اس سے ظاہر ہے کہ خدائے تعالےٰ کی رحمت کی امید رکھنا ضروری ہے اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے۔

فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون یعنی خدائے تعالےٰ کے مکر سے بے فکر ہو جانے والے نقصان اٹھانے والوں کے سوا اور کوئی نہیں جس سے ظاہر ہے کہ مکر الٰہی سے خوف رکھنا ضروری ہے۔ کنز العمال میں روایت ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من زعم انہ فی الجنۃ فھو فی النار یعنی جو شخص کہے کہ میں جنتی ہوں تو سمجھ جاؤ کہ وہ دوزخی ہے وجہ اس کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس کا ایمان آیہ شریف فلا یامن مکر اللہ پر نہیں ہے اور جس کا ایمان پورے قرآن شریف پر نہ ہو۔ اس کا دوزخی ہونا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے افتؤمنون ببعض

الکتاب و تکفرون ببعض فما جزاء من یفعل ذالک منکم الاخزی فی الحیوۃ الدنیا و یوم القیمۃ یردون الی اشد العذاب۔ یعنی تھوڑی آیتوں پر ایمان لاتے ہو اور تھوڑی پر نہیں ایمان لاتے۔ ایسے لوگوں کی جزا یہی ہے کہ دنیا میں رسوا ہوں اور قیامت میں سخت عذاب میں ڈالے جائیں۔

اب اگر اس پر بھی کوئی کسی قسم کا خیال پیش نظر رکھکر یہ سمجھ بیٹھے کہ میں جنتی ہوں جس کا لازمہ یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ نے جس کاموں سے کرنے کا حکم فرمایا ہے وہ نہ کریگا اور جس کاموں کے کرنے سے منع فرمایا ہے وہ کیا کریگا تو اس پر یہ آیت صادق آجائے گی افمن اتخذ الٰھہ ھواہ واضلہ اللہ علی علم جس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنی خواہش کو معبود بنالیا اور خدائے تعالےٰ نے باوجود اس کے علم کے اس کو گمراہ کر دیا خواہش کو معبود بنانے کی یہی صورت ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ارشاد پر عمل نہ کرکے اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے پھر ایسے شخص کا ٹھکانا حسب اصول عقلیہ و شرعیہ دوزخ ہی نہ ہو تو کیا ہو۔

الحاصل خواہشات نفسانی کے مطابق تصرفات کرتا ہے۔

غرضکہ جس طرح خواہشات نفسانی میں اپنا تصرف کرتا ہے۔ اسی طرح تمام اخلاق حمیدہ و ذمیمہ میں اسی قسم کے تصرف کرتا ہے جس کا حال

کتب اخلاق میں مصرح ہے - احیاء العلوم کی کتاب الغرور یا اُس کا ترجمہ مذاق العارفین دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ کیسے کیسے شیطان کے دھوکے ہیں جن میں وسوسوں کے ذریعہ سے کامیاب ہوتا ہے - اسی طرح جسمانی لذتوں سے متعلق وسوسے ڈالتا ہے - اور آنکھ - کان - ناک - منہ ہاتھ - پاؤں - وغیرہ سے بری کام کراکر چھوڑتا ہے - اگر اس بیان کی تفصیل لکھی جائے تو ایک بڑی کتاب ہو جائے گی - مگر بمصداق العاقل تکفیه الاشارة کے یہ اجمال بھی کافی ہو سکتا ہے - بشرطیکہ ہر ایک امر میں غور و فکر سے کام لیا جائے - غرضکہ وساوس شیطانی بے انتہا ہیں - بغیر خدائے تعالیٰ کی پناہ کے ممکن نہیں کہ آدمی اُس کے شر سے بچ سکے - جو لوگ پناہ میں پوری طور سے آکر شیطان کی وسوسہ اندازی اور مکر و تزویر سے بمقتضائے بشریت گناہ کے مرتکب ہو بھی جاتے تو ان کو گناہ کچھ ضرر نہیں دیتا - کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ گناہ سے جو لذت حاصل ہوئی وہ ایک نعمت الٰہی تھی - جس کی تخلیق میں سوائے خدائے تعالےٰ کے کسی کو دخل نہیں - اگر بجائے لذت کے اُس میں مصیبت ہوتی تو ممکن نہیں کہ اُس کا ارتکاب ہو سکتا - دیکھئے کیسے ہی لذیذ کھانے مہیا ہوں - مثلاً اگر منہ میں چھالے پڑ جائیں تو بجائے لذت اُن کے کھانے میں اذیت ہوتی ہے - علی ہذا القیاس ہر ایک عضو جس میں

جس کو لذت کا احساس ہوتا ہے اُس میں کوئی آفت آجائے تو جس کام سے التذاذ ہوتا ہے وہی کام اُس کے حق میں عذاب ہو جاتا ہے۔ غرضکہ لذت دینا خدائے تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

اعلیٰ درجہ کا شکر

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل کی کہ اے موسیٰ تم میرا ایسا شکر کرو جو شکر کرنے کا حق ہے۔ اُنہوں نے عرض کی یا اللہ کس کو یہ طاقت ہے کہ ایسا شکر ادا کر سکے۔ ارشاد ہوا اے موسیٰ جب تم سمجھ لوگے کہ نعمت میری طرف سے ہے تو یہی اعلیٰ درجہ کا شکر ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ جائز نہیں کہ گناہ کرکے آدمی اللہ تعالیٰ کا شکر کرے۔ مگر یہ اعتقاد رکھنا بھی ضرور تھا کہ جتنے افعال بندے سے صادر ہوتے ہیں سب کا خالق خدائے تعالیٰ ہے۔ بخلاف اس کے اگر یہ اعتقاد کرے کہ شیطان اس فعل کا خالق ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ شیطانی فعل تھا تو یہ اعتقاد حدِ کفر کو پہنچ جائے گا۔ پھر اس اعتقاد کے موافق جب اُس فعل میں خدائے تعالیٰ کے خالق ہونے کا خیال کیا جائے تو بحسب شرع شریف اُس پر کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ اُس کے ساتھ یہ اعتقاد بھی ہو کہ اس فعل سے خدائے تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اور اُس کا مرتکب مستحق عقاب ہے۔ کیونکہ خلق افعال۔ اور ارتکاب افعال میں بیّن فرق ہے۔ اس کا تعلق خدائے تعالیٰ سے ہے۔ اور

فرق خلق افعال و ارتکاب افعال

اس کا تعلق

اُس کا تعلق بندے سے۔ اُس کا حسن اس وجہ سے ہے کہ وہ فعل خاص خدائے تعالےٰ کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اور قبح اس وجہ سے کہ خدائے تعالےٰ نے اُس کے ارتکاب سے منع فرمایا ہے۔ خدائے تعالےٰ نے جس چیز کو پیدا کیا خواہ وہ اچھی سمجھی جائے یا بُری۔ اُس کا پیدا کرنا بُرا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس چیز کو خدائے تعالےٰ نے پیدا کیا وہ بری نہیں ہو سکتی کیونکہ برائی اور بھلائی باعتبار آثار و لوازم کے ہوا کرتی ہے۔ نفس شئے کو اُس سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے کہ یہ امور اُس کی ذات سے خارج ہیں۔ دیکھئے آگ مثلاً جو خدائے تعالےٰ کی مخلوق ہے اُس کو نہ بری کہنے کی ضرورت ہے نہ اچھے کہنے کی بلکہ صرف وہ آگ ہے۔ اُس کے بعد اگر وہ کسی کو جلا دے تو وہ ضرور کہے گا کہ کیا ہی بُری چیز ہے۔ اور اگر کھانا پکا دے تو اعلےٰ درجے کی نعمت سمجھے گا۔ اسی پر تمام چیزوں کو قیاس کر لیجئے۔ سانپ اس وجہ سے بُرا سمجھا جاتا ہے کہ آدمی اُس کے زہر سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ جذامی کو کاٹے تو اُس کو صحت ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں جذامی اُس کا عاشق ہو گا۔ اور تلاش کر کے اُس سے ملنا چاہے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کوئی چیز فی حد ذاتہ بُری نہیں۔ بلکہ موجود ہونے کی حیثیت سے اچھی ہے۔ اگر کوئی بُری چیز ہے تو عدم ہے۔ یہ اشیاء کا حال تھا۔ اسی طرح افعال کا حال بھی ہے کہ موجود

ہونے کی حیثیت سے کل افعال اچھے ہیں۔ اور نیز اس وجہ سے کہ خاص خدائے تعالےٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ جس کی حکمت کا یہ مقتضےٰ نہیں ہوسکتا کہ دیدہ و دانستہ بُری چیز کو پیدا کرے۔ غرضکہ فعل بھی فی نفسہ ایک موجود چیز ہے۔ جس کی بُرائی یا بھلائی باعتبار آثار ولوازم کے ہوگی جتنے بُرے کام ہیں چونکہ اُن کے لوازم برے ہیں۔ اس وجہ سے وہ بُرے ہیں۔ ورنہ اُن کو بُرے کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بسا وقت اچھے کام بھی کسی وجہ سے بُرے ہوجاتے ہیں۔ اور بُرے کام اچھے۔ مثلاً کثرت عبادت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ مگر ریا وغیرہ کی وجہ سے وہ بری ہوجاتی ہے ؎

کلیدِ درِ دوزخ است آں نماز
کہ از بہر مردم گذاری دراز

لیجئے نماز جو باعث دخولِ جنت ہے وہ دوزخ کی کنجی ہوی جارہی ہے حضرت عمرؓ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادے سے نکلے تھے۔ اُن کا اس ارادے سے راہ طے کرنا کیسا فعل تھا۔ نبی کے قتل سے بدتر کوئی فعل نہیں ہوسکتا۔ مگر جب اُس فعل کے ذریعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچکر مشرف باسلام ہوئے تو ایسے فعل کو جو ابدالآباد تک فضیلت کا باعث ہو اگر تمام اعمال حسنہ سے اچھا کہا جائے تو

بے موقع نہ ہوگا۔ دیکھئے یہ ایک ہی فعل ہے۔ یعنی چل کر راہ طے کرنا ایک اعتبار سے بدترین افعال تھا۔ اور ایک اعتبار سے بہترین افعال ہوا۔ غرضکہ نفسِ فعل نہ برا ہے نہ اچھا۔ بلکہ باعتبارِ وجود کے اُس کو اچھا بھی کہہ سکتے ہیں۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ افعال میں برائی اور بھلائی بحسبِ اعتبارات ہے تو اس اعتبار سے کہ آدمی کو جس فعل میں تلذذ ہوا اُسے نعمت کہنے میں کوئی تامل نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ شرعاً ممنوع ہونے کی وجہ سے اُس کا نتیجہ بُرا ہوگا۔ اس اعتبار سے اُس کو بُرا کہنا بھی ضرور ہے۔ مگر ارتکاب کے وقت اُس میں وہ بُرائی موجود نہیں جو آئندہ جزا کے وقت ہونے والی ہی اس لحاظ سے یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ فعل تو تلذذ کی وجہ سے نعمت تھا مگر اُس کی جزا بری ہے۔ جس سے اذیت حاصل ہوگی۔ جس کا مطلب یہی ہوا کہ فعل فی نفسہ اچھا۔ بلکہ ایک نعمت تھی۔ جو مستوجبِ شکر ہے۔ اگر مدارج میں خلط نہ کیا جائے تو نفس فعل قابل شکر ہے۔ اور اس کی جزا قابل اجتناب۔ جو لوگ پناہ الٰہی میں آجاتے ہیں اگر اُن سے کوئی گناہ صادر ہوجاتا ہے تو اس لحاظ سے کہ نعمت ہے شکر الٰہی دل سے بجا لاتے ہیں۔ اور اُس کے ساتھ ہی یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ بے شک ہم سے گناہ صادر ہوا۔ جس کا

انجام برا ہے۔ اور اس کے شر سے پناہ مانگتے ہیں۔ چنانچہ یہی بات سید الاستغفار سے ظاہر ہے جس کے یہ الفاظ صحیح احادیث میں وارد ہیں۔ اللّٰھُمَّ انت ربی لا الٰہ الا انت خلقتنی و انا عبدک و انا علیٰ عھدک ووعدک ما استطعت اعوذبک من شر ما صنعت ابوءُ لک بنعمتک علیّ وابوءُ بذنبی فاغفرلی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت یعنی یا اللہ تو میرا رب ہے کوئی معبود تیرے سوا نہیں۔ تو نے مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں۔ اور میں تیرے عہد اور وعدہ پر قائم ہوں جہانتک مجھ سے ہو سکتا ہے۔ جو برا کام میں نے کیا اس کے شر سے میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں اقرار کرتا ہوں کہ مجھ پر تیری نعمت ہے اور اپنے گناہ کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ تو خدایا مجھے بخشدے۔ کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا انتہیٰ۔

سید الاستغفار کے معنی

دیکھئے نعمت کا اقرار کرنا اعلیٰ درجہ کا شکر ہے۔ جب کہ حدیث شریف سے ابھی معلوم ہوا۔ اور اس موقع میں سوا اس تلذذِ گناہ کے اور کونسی نعمت تھی۔ پھر اس کے ساتھ ہی گناہ کا اقرار بھی ہو گیا۔ اور اس کے شر سے پناہ بھی مانگی گئی۔ یہ بات معلوم ہے کہ آدمی کا نفس ہمیشہ اپنی خواہشوں کو پوری کرنے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ خواہ

جائز طریقہ سے ہو یا ناجائز اور شیطان ناجائز طریقوں سے پورے کرنے کی تدبیریں بتاتا ہے۔ جب اس قسم کی بات آدمی کو معلوم ہو جاتی ہے تو شیطان کو گناہوں پر جرأت دلانے کا موقع مل جاتا ہے۔ کہ جب وہ خدائے تعالے کی طرف سے نعمت ہے تو نہایت شکرگذاری سے اُس کو حاصل کرنا چاہیئے۔ اس قسم کے دھوکہ میں وہی شخص آجاتا ہے جس کا ایمان ضعیف ہو۔ یا برائے نام مسلمانوں میں شریک ہے۔ کامل الایمان ایسے وسوسوں پر لاحول پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ یقیناً جانتا ہے کہ خدائے تعالے گناہوں سے ناراض ہے اور اُن کی سزائیں مقرر کی ہیں اسی وجہ سے گناہ اتفاقاً صادر ہو جائے تو نہایت عجز و الحاح سے بارگاہ کبریائی میں عرض کرتا ہے کہ الٰہی میں اقرار کرتا ہوں کہ گناہ مجھ سے صادر ہو گیا۔ اب تیرے سوا کوئی اُس کو بخشنے والا نہیں اُس کے شر سے میں تیری پناہ میں آتا ہوں اُس کو بخشدے۔ اگر ایسا نہ کرے تو گناہوں کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے اور دل سیاہ اور زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ چنانچہ کنز العمال میں روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ دھبہ ہو جاتا ہے اگر اُس کو اس نے چھوڑ دیا اور استغفار اور توبہ کی تو دل کی صیقل ہو جاتی ہے۔ اور اگر پھر کیا تو وہ دھبہ بڑھ جاتا ہے اور اُس کے دل کو گھیر لیتا ہے۔ اسی کا نام ران ہے جسکو

خدائے تعالےٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔

اَلْخَنَّاس

(اَلْخَنَّاس) ہٹنے اور چھپنے والا۔ خناس

احادیث میں وارد ہے کہ شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل پر رکھکر وسوسے ڈالتا ہے۔ اور جب وہ خدائے تعالےٰ کا ذکر کرنے لگتا ہے تو وہ ہٹ جاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ جس دل میں یاد آلہی ہو شیطان کا اُس پر تسلط نہیں ہوسکتا۔ اسی وجہ سے اولیاء اللہ گناہوں سے محفوظ ہیں۔ اور انبیاء معصوم کیونکہ اُن حضرات کے دل میں ہروقت یاد آلہی رہتی ہے یہاں تک کہ دنیوی کاموں میں بھی اُن کو غفلت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہم نے مقاصد الاسلام کے کسی حصّہ میں اُس کو تفصیل بیان کیا ہے کہ ہر کام میں ایک خاص قسم کا وہ ذکر کیا کرتے ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ لوگو ڈرتے رہو۔ اور شیطان سے بچو۔ کیونکہ وہ تم کو آزماتا ہے کہ تم میں کون شخص عمل میں اچھا ہے۔ انتہی۔

شیطان سے ڈرتے رہو

مقصود

مقصود اس سے یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے شیطان سے فرمایا ہے کہ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان - یعنی میرے خاص بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا جب وہ وسوسے ڈالنے کا موقع نہیں پاتا یا وسوسے ڈالتا ہے مگر اُس کی کچھ چلتی نہیں تو سمجھ جاتا ہے کہ یہ اُنہیں لوگوں میں ہیں جن پر اپنا تسلط نہیں اُس وقت دوسری تدابیر میں مصروف ہوتا ہے چنانچہ حضرت غوث الثقلین رح کے حال میں لکھا ہے کہ آپ نے اوائل میں بڑے بڑے مجاہدے فرمائے - ایک رات ذکر الٰہی میں مشغول تھے کہ یکبارگی آسمان پر روشنی نمایاں ہوی جس سے آفاق روشن ہوگئے آپ متحیر ہوکر ادھر اودھر دیکھنے لگے غیب سے آواز آئی کہ اے عبد القادر تم نے بہت عبادت کی - اُس کے معاوضہ میں ہم تمہیں یہ بدلا دیتے ہیں کہ جن چیزوں کو اوروں پر حرام کیا ہے تم پر حلال کر دیا یہ سنتے ہی آپ نے لاحول پڑھی - اس کے ساتھ ہی وہ روشنی مبدل بتاریکی ہوگئی اور آواز آئی کہ اے عبد القادر میں نے بہت سے لوگوں کو جو اس درجہ پر پہنچے تھے گمراہ کر دیا - مگر آپ علم کی وجہ سے بچ گئے - یہ ایک بیرونی تدبیر تھی - غرضکہ شیطان بیرونی اور اندرونی تدابیر ہمیشہ کرتا اور موقع بے موقع آزماتا رہتا ہے - اور آخری آزمائش اُس کی موت کے قریب ہوتی ہے جس میں پورا کافر بنانے کی فکر کرتا ہے - چنانچہ حق تعالےٰ

فرماتا ہے اذ قال الشّیطان للانسان اکفر فلما کفر قال انی بریٓئ منك انی اخاف اللّٰہ رب العالمین یعنی جب کہتا ہے کہ شیطان انسان کو کہ کافر ہو جا۔ اگر وہ کافر ہو گیا تو کہتا ہے میں تجھ سے بری ہوں۔ میں خدائے رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔

اٰکام المرجان فی احکام الجان میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب مسلمان شیطان کے فتنوں سے بچکر حالت ایمانی پر مرتا ہے تو شیطان کو نہایت غم ہوتا ہے۔ اور اس طرح روتا ہے کہ کوئی گھر والوں کے مرنے پر بھی ایسا نہیں روتا۔ اور اُسی میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل رح نے موت کے قریب لا بعد لا بعد کہا جب انہیں افاقہ ہوا تو ان کے فرزند صالح نے پوچھا کہ آپنے لا بعد لا بعد جو فرمایا وہ کیا بات تھی۔ فرمایا کہ شیطان نے میرے سر کے پاس آکر مجھ سے کہا کہ اے احمد میں کچھ پوچھتا ہوں۔ فتویٰ دیجئے۔ میں نے لا بعد لا بعد کہا یعنی اس وقت نہیں بعد دیکھا جائے گا۔ معلوم نہیں کہ کس قسم کا سوال اُس نے سوچ رکھا تھا۔ جس سے ایسے جلیل القدر امام کے ایمان کو سلب کرنے کی فکر تھی۔ اور اسی میں ابوداؤد کی حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے اعوذ بك ان یتخبّطنی الشیطان عند الموت یعنی یا اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ

موت کے قریب شیطان مجھے مخبوط بنا دے انتہیٰ۔

اگرچہ یہ دعا امت کی تعلیم کے واسطے تھی۔ مگر اس سے صاف ظاہر ہے کہ شیطان موت کے قریب اپنا پورا زور لگاتا ہے۔ اور اسی میں صالح بن احمد ابن حنبل سے ایک روایت منقول ہے کہ جب فرشتے مسلمان کی روح آسمان پر لے جاتے ہیں تو وہاں کے فرشتے تعجب کرکے کہتے ہیں کہ اس شخص نے شیطان کے ہاتھ سے کس طرح نجات پائی۔

ابن جوزی رحہ نے تعجب کی وجہ لکھی ہے کہ شیطان کے فتنے کثرت سے ہیں۔ اور دل کے پاس اُس کا مقام ہے۔ اور وہ ایسے ہی چیزوں کی طرف لے جاتا ہے جو آدمی کی خواہش کے مطابق ہوں اور نفسانی خواہشیں ایسی بلا ہیں کہ ہاروت و ماروت۔ جو فرشتے تھے جب خواہشیں انہیں دی گئیں تو وہ اپنے کو بچا نہ سکے تو انسان کس طرح اپنے آپ کو مکر شیطان سے بچا سکتا ہے۔ ان امور کے لحاظ سے فرشتے تعجب کرتے ہیں کہ کس طرح اس نے اپنے آپ کو شیطان سے بچایا ہوگا۔ انتہیٰ۔

اب غور کیجئے کہ ایمان دار کو شیطان کے فتنوں سے کس قدر ڈرنا اور ہمیشہ پناہ مانگنا چاہیئے۔

یہاں یہ بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ شیطان کی صرف وسوسہ اندازی سے کوئی نقصان نہیں۔ اس لئے کہ وہ شیطان کا فعل ہے۔ اُس کی جزا وہی

بھگتے گا۔ صرف اُس وسوسے کے دل میں پیدا ہونے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ دل نجس یا خراب ہوگیا۔ کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ کوئی چیز اپنی ذات سے بُری نہیں۔ اگر فرض کیا جائے کہ عمر بھر بُرا وسوسہ دل میں رہے۔ اور آدمی اُس کو اچھا یا بُرا نہ سمجھے تو اُس سے کوئی نقصان نہیں۔ ہاں اگر اُس بُرے وسوسے کو اچھا سمجھے تو یہ سمجھنا جو اس کا فعل ہے قابل مؤاخذہ ہوگا۔ اور بُرا سمجھے تو وہ قابل تحسین ہوگا۔ چنانچہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کی شکایت کی کہ بعض وقت بُرے خطرات دل میں آتے ہیں جن کا بیان ناگوار ہوتا ہے۔ فرمایا کیا تم ان کو بُرے سمجھتے ہو۔ عرض کیا جی ہاں فرمایا یہی تو ایمان ہے۔ انتہیٰ۔

اس کی وجہ ظاہر ہے کہ اگر ایمان نہ ہوتا تو اس کو بُرا کیوں سمجھتا۔ بے ایمان تو بُرے خطروں کو پرورش کرکے اُن سے کام لیتا ہے۔ غرضکہ نفس خطرہ اور وسوسہ بُرا نہیں۔ اس وقت تک کہ برے وسوسے کو اچھا نہ سمجھے۔ یا اس پر عمل نہ کرے۔ جب وسوسۂ شیطانی دل میں پیدا ہو۔ اور آدمی یہ خیال کرے کہ اس کا خالق خدائے تعالےٰ ہے اس میں میرے فعل کو کوئی دخل نہیں کیونکہ ہر اختیاری کام میں پہلے اُس کا علم اور ارادہ ضرور ہوا کرتا ہے۔ اور اس خطرے کے وقت نہ اُس کا علم اور ادراک تھا نہ اُس کی جانب ارادہ مبذول ہوا۔ جس سے ظاہر ہے کہ ہمارے فعل کو اُس میں کوئی دخل نہیں تو

یہی خیال باعث تقرب الٰہی ہوگا۔ کیونکہ جب تک اس خیال میں وہ مصروف ہے خدائے تعالےٰ کا ذکر اور مشاہدہ صفات الٰہیہ ہے اور بمصداق حدیث شریف انا جلیس من ذکرنی کے حق تعالیٰ کے ساتھ اُسکو مجالست حاصل ہے۔ اور بمصداق آیۂ شریفہ فاذکرونی اذکرکم وہ اس درجہ میں ہے کہ خدائے تعالےٰ اُس کا ذکر فرما رہا ہے۔ دیکھئے وہ وسوسۂ شیطانی کس قدر باعث تقرب الٰہی ہوگیا۔ مگر یہ بات ہر شخص کو حاصل ہونا مشکل ہے۔ ہم لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ جہاں شیطان نے وسوسہ ڈال کر بُرے کام کی طرف توجہ دلائی اُس کام کی طرف متوجہ ہوگئے۔ اور نفس ناطقہ کو اپنی خواہش پوری کرنے کی فکر ہوگئی۔ اگر کوئی مانع نہ ہو تو اس کو پوری کر بھی لیا۔ جس طرح دیوانوں کا حال ہوتا ہے کہ جب اُن کے دل میں کسی کو مارنے کا وسوسہ اور خیال مثلاً آجاتا ہے تو بلا تامل مار دیتے ہیں۔ بخلاف عقلا کے کہ وہ اس خیال میں غور و تامل کرتے ہیں پھر جس قدر عقل زیادہ ہوگی۔ غور و فکر زیادہ ہوگی۔ اعلیٰ درجے کا عاقل وہ سمجھا جائیگا کہ اس امر پر غور کرے کہ وہ خیال کیوں پیدا ہوا۔ اور اس کا منشا کیا ہے۔ اور اُس کے موافق عمل کیا جائے تو اس سے کس قسم کی خرابیاں پیدا ہونگی۔ غرضکہ جو عقلا ہیں وہ سب سے پہلے یہ خیال کرتے ہیں کہ اس خیال کا پیدا کرنے والا کون ہے؟ جب اُن کو ایمانی نظر

سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے خدائے تعالےٰ کے کوئی اُس کا خالق نہیں تو اُس کے نتائج پر غور کرتے ہیں کہ آیا وہ فعل جس سے وسوسہ متعلق ہے باعث خوشنودی الٰہی ہے یا باعث غضب۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ باعث خوشنودی الٰہی ہے تو فوراً اس وسوسہ کے مطابق کام کر لیتے ہیں۔ اور اس وسوسہ کو اس حدیث شریف کے موافق اچھا سمجھتے ہیں جو تفسیر درمنثور میں مروی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے اللھم اعمر قلبی من وسواس ذکرک واطرد عنی وسواس الشیطان۔ یعنی یا اللہ میرے دل کو تیری ذکر کے وسواس سے آباد رکھ۔ اور شیطان کے وسواس مجھ سے دور کر۔ اور اگر یہ معلوم ہو کہ وہ وسوسہ باعث غضب الٰہی ہے تو خشیت اور خشوع اُن پر طاری ہوتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ صفت اضلال کا ظہور ہو رہا ہے اور واسطہ اس میں شیطان ہے۔ کیونکہ ہدایت کرنا اور گمراہ کرنا دونوں خدائے تعالےٰ ہی کے کام ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نہ مجھے ہدایت میں دخل ہے نہ شیطان کو گمراہی میں۔ یعنی دونوں خدا ہی کے کام ہیں چنانچہ قرآن شریف میں وارد ہے یضل من یشاء ویھدی من یشاء یعنی جسکو وہ چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔ اور ارشاد ہے ومن یضلل فلا ھادی لہ جب یہ خیال متمکن ہوتا ہے کہ اب خدائے تعالےٰ

گمراہ کرنا چاہتا ہے تو کمال عجز و انکسار سے وہ دعائیں اور عرض و معروض شروع کرتے ہیں۔ جس کی تعلیم حق تعالے نے دی ہے۔ مثلاً ربنا لا تزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب۔ یعنی اے رب ہمارے دلوں میں کجی نہ ڈال بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت کرکے اسلام کی سیدھی راہ دکھلا دی اس کے سوا اور دعائیں جن کی تعلیم دی گئی ہے کمال تضرع وزاری سے کرنے لگتے ہیں۔ جس سے رحمت الٰہی جوش میں آکر اُس وسوسہ کو بے اثر کر دیتی ہے اور شیطان حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہتا ہے کہ کرنا کیا چاہا تھا اور ہوگیا کیا۔ اور اگر بمقتضائے بشریت گناہ صادر ہوگیا تو اُن کو حزن وندامت ہوتی ہے اور توبہ کرتے ہیں یعنی خدائے تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ کہ الٰہی گناہ صادر تو ہوگیا اور اس کی سزا کا مستحق بھی ہوں۔ مگر اپنے فضل سے تو معاف فرما دے تو تیری عام رحمت سے کچھ بعید نہیں۔ تو غفار ہے۔ ستار ہے۔

کنز العمال میں یہ روایت ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بندہ گناہ کرتا ہے۔ پھر جب وہ گناہ اُسے یاد آئے اور اس فعل پر غم ہو تو خدا تعالےٰ اُس کے دل کو دیکھتا ہے اُس کی حالت غم کو دیکھ کر وہ گناہ معاف فرما دیتا ہے غرضکہ صدق دل سے وہ خدائے تعالےٰ کی بارگاہ میں التجا کرکے گناہ کو

معاف کرا لیتے ہیں اور وہ اُس شخص کے مثل ہو جاتا ہے جس نے کیا ہی نہیں جیسا کہ صحیح حدیث شریف میں وارد ہے۔ التائب من الذنب کمن لاذنب لہ

ترغیب وترہیب میں بخاری اور مسلم وغیرہ سے منذری رح نے نقل کیا ہے کہ فرمایا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو خدائے تعالےٰ کو اُس مسافر سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جو اپنا کھانا پانی وغیرہ حوائج اونٹ پر رکھکر جارہا ہو۔ کسی جنگل میں اونٹ سے اترکر سورہا جب بیدار ہوا تو دیکھا کہ اونٹ غائب ہے۔ اُس کی تلاش میں نکلا۔ اور بہت پریشان ادھر اُدھر پھرا۔ مگر کہیں اُس کا پتہ نہ پایا۔ جب دھوپ سخت ہوئی۔ اور بھوک اور پیاس غالب اور موت آنکھوں میں پھر گئی تو کہا کہ چلو اسی مقام پر جاکر مر جائیں۔ جہاں سے اونٹ چلا گیا۔ اور اس مقام میں آکر سو رہا۔ جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ اونٹ کھڑا ہے اور توشہ پانی وغیرہ محفوظ ہے۔ یہ دیکھ کر مارے خوشی کے کہنے لگا یا اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ کمال خوشی میں یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ کیا کہہ رہا ہے انتہی۔

اب غور کیجئے کہ اُس حالت مایوسی میں کس قدر خوشی ہونی چاہیے۔ اُس کا صحیح اندازہ آرام سے گھر میں بیٹھنے والے نہیں کرسکتے۔ مگر اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ خوشی کا کوئی درجہ نہ ہوگا۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں کہ جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو حق تعالےٰ کو اُس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جو شخص مذکور کو ہوئی۔ یہ شان ارحم الراحمین کی ہے کہ توبہ کا نفع تو بندہ کو ہو۔ اور ابد الآباد بے انتہا نعمتوں میں خوش رہے۔ اور خوشی خدائے تعالےٰ کو ہو۔

اسی کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ جو کنز العمال میں ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھا کر فرمایا لو لم تذنبوا لذھب اللّٰہ بکم" الحدیث" جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدائے تعالےٰ تم کو فنا کر کے ایک ایسی قوم پیدا کرتا جو وہ گناہ کرتی اور خدائے تعالےٰ سے مغفرت مانگتی۔ اور وہ اُس کو بخش دیتا۔ انتہی۔

اس سے مقصود یہ نہیں کہ آدمی گناہ کیا کرے۔ بلکہ بات یہ ہے کہ صحابہؓ سے جب کبھی گناہ سرزد ہوتا تو مارے خوف کے زندگی اُن پر وبال ہو جاتی تھی اس کی تصدیق ماعزؓ کے واقعہ سے ہوتی ہے۔ جو کتب احادیث میں مذکور ہے کہ اُن سے زنا وقوع میں آیا۔ ساتھ ہی وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ اور عرض کی یا رسول اللہ میں نے زنا کیا۔ مجھ پر حد جاری فرمائیے حضرت نے بہت کچھ اغماض فرمایا اور ٹالا۔ مگر وہ نہ مانے۔ چنانچہ رجم کا حکم دیا گیا۔ جس سے وہ شہید ہو گئے۔

جب صحابہ کو گناہ سے اس درجہ خوف تھا کہ زندگی اُن پر وبال ہو جاتی تھی

توان کی تسکین کے لئے ارشاد ہوا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو خدائے تعالےٰ ایسی قوم کو پیدا کرتا جو گناہ کرتی اور توبہ کرتی مقصود یہ کہ اگر گناہ ہو جائے تو توبہ کرلینا کافی ہے۔

الحاصل حدیث موصوف سے یہ ثابت ہے کہ خدائے تعالےٰ کو یہ امر نہایت مرغوب ہے کہ گناہگار توبہ کرے اور وہ اُس کو بخشدے۔ چونکہ حق تعالےٰ ارحم الراحمین ہے اور صفت رحمت اُس میں بڑی ہوی ہے۔ اور مغفرت رحمت کا ایک شعبہ ہے۔ اس لئے توبہ کو نہایت دوست رکھتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ ان اللہ یحب التوابین تاکہ توبہ کے بعد مغفرت فرماوے۔ اور توبہ بغیر گناہ کے نہیں ہوسکتی تھی اس لئے یہ اہتمام ہوا کہ ایک اغوا دینے والا پیدا کیا گیا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ جو کنز العمال میں مذکور ہے۔ کہ اگر خدائے تعالےٰ کو یہ منظور ہوتا کہ کوئی اُس کی معصیت نہ کرے تو ابلیس کو نہ پیدا کرتا۔ انتہیٰ جب توبہ سے خدائے تعالےٰ کو نہایت خوشی ہوتی ہے۔ تو ہر مسلمان کو چاہئے کہ توبہ کرے۔ کنز العمال میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے لوگو توبہ کرو۔ خدا کی قسم میں ہر روز سو بار توبہ کیا کرتا ہوں۔ انتہیٰ۔

اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو توبہ کی کوئی ضرورت

نہ تھی۔ کیونکہ آپ سے کوئی گناہ صادر نہیں ہوا۔ مگر باوجود اس کے آپ توبہ
کرتے تھے۔ اس وجہ سے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین
یعنی نیک لوگوں کے حسنات مقربین کے گناہ ہیں کیونکہ مقربین کے
شان کے گناہ بھی ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ہمیں وہ نصیب ہو جائیں تو
ہماری نجات ہو جائے۔ بہر حال حضرت کا توبہ کرنا ثابت ہے۔ تو اب
مشائخین اور پیروں کو کس قدر توبہ کی ضرورت ہو گی۔ یہاں تو علانیہ وہ
گناہ ہیں جس کو ظاہر شریعت نے گناہ قرار دیا ہے۔ یوں تو ہر بندہ کا فرض
ہے کہ اپنے خالق کو خوش کرے۔ مگر جن لوگوں کو محبت الٰہی کا دعوے ہے
اور زمرۂ اہل اسلام میں اسی خصوصیت سے سر برآوردہ سمجھے جاتے ہیں
جس کی وجہ سے لوگ ان کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں وہ بہ نسبت مریدین کے
زیادہ اس امر کے مستحق ہیں کہ گناہوں سے توبہ کر کے اپنے محبوب کو خوش
کریں۔ اگر یہی حضرات ایسے کاموں میں مبتلا ہوں جن کو خدائے تعالےٰ
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ قرار دیا اور صاف ارشاد ہوا کہ ایسے
کام کرنے والوں سے خدائے تعالیٰ ناخوش ہے تو کہئے کہ کس قدر بے موقع
ہو گا۔ اور مریدین کو بھی ضرور ہے کہ خدائے تعالےٰ کو قبل سلوک خوش کریں
چنانچہ قوت القلوب وغیرہ کتب تصوف میں لکھا ہے کہ پیر کو
چاہیئے کہ مرید کو پہلے توبہ کرنے کا حکم کرے۔ مگر یہ یاد رہے کہ زبان سے

توبہ توبہ یا اتوب الی اللہ کہدینا کافی نہیں۔ بلکہ بزرگان دین کے نزدیک یہ خود گناہ ہے۔ جیسا کہ قوت القلوب جو حضرات صوفیہ کے نزدیک معتبر کتاب ہے اور بزرگان دین نے اُس کے مطالعہ کی تاکید فرمایا کرتے تھے اس میں لکھا ہے کہ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ جب میں استغفر اللہ زبان سے کہتا ہوں اور دل میں ندامت نہیں ہوتی تو اُس سے استغفار کرتا ہوں۔ اور خدائے تعالےٰ سے مغفرت مانگتا ہوں اور لکھا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ زبان سے استغفار کرنا بغیر اس کے کہ دل میں ندامت ہو جھوٹوں کی توبہ ہے۔ اور رابعہ بصریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ ہمارا استغفار کرنا خود دوسرے استغفار کا محتاج ہے اسی طرح توبہ اس کی محتاج ہے کہ اُس سے توبہ کی جائے انتہیٰ۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہ غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں کہ توبہ ہر شخص کے لئے فرض عین ہے کوئی بشر اُس سے مستغنی نہیں۔ کیونکہ وہ جوارح اور اعضا کے معصیتوں سے بچ نہیں سکتا اور اگر اس سے بچ گیا تو دل کے گناہوں کے ارادہ سے بچ نہیں سکتا۔ اور اگر اُس سے بچ گیا تو شیطان جو دل میں مختلف خطرے ڈالتا ہے جن کی وجہ سے ذکر الٰہی سے غافل ہو جائے بچ نہیں سکتا۔ اور اگر اُس سے بھی بچ جائے تو غفلت اور علم صفات وافعال الٰہی کے حاصل کرنے میں

قصور اور کوتاہی کرنے سے بچ نہیں سکتا۔ یہ تمام مومنین کے احوال اور مقامات ہیں۔ جن کے لئے طاعات اور گناہ۔ اور حدود اور شروط مقرر ہیں حفاظت ان کی طاعت ہے۔ اور ان کا چھوڑ دینا اور ان سے غفلت کرنا گناہ ہے۔ بہرحال ہر شخص کو ہر حالت میں توبہ کی ضرورت ہے مگر مقامات متفاوت ہیں۔ عوام کی توبہ گناہوں سے ہوگی اور خواص کی توبہ غفلت سے ہے۔ اور خاص الخاص کی توبہ ماسوی اللہ کے طرف مائل ہونے سے۔ انتہیٰ۔

اور فرمایا کہ توبہ ایسی ہونی چاہئیے کہ پھر معصیت کی جانب پلٹنے کا خیال کرے نہ اور کسی گناہ کا خیال کرے بلکہ گناہوں کو خالص اللہ کے لئے چھوڑ دے۔ تاکہ خاتمہ اچھا ہو۔

اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ ایماندار اپنے گناہ کو مثل پہاڑ کے سمجھتا ہے جو اُس کے سر پر معلق ہو۔ وہ ڈرتا ہے اس سے کہ کہیں مجھ پر گر نہ جائے اور منافق گناہ کو ایسا سمجھتا ہے جیسے مکھی ناک پر بیٹھی اور اُس کو اڑا دیا انتہیٰ۔

اب غور کیجئے کہ جب حضرت پیر دستگیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ گناہوں سے اس قدر خوف دلاتے ہیں اور توبہ کی ضرورت بیان فرماتے ہیں تو ہم مریدوں کو اُس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہئیے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من لا یستغفر لا یغفر اللہ له ومن لا یتوب لا یتوب اللہ علیہ یعنی جو شخص خدا سے مغفرت نہ مانگے خدا اُس کو نہیں بخشتا۔ اور جو شخص توبہ نہ کرے خدا اسکی طرف توجہ برحمت نہیں کرتا یہ روایت کنز العمال میں ہے۔

بہرحال جتنے بزرگان دین ہیں سب نے اپنے مریدوں کو بھی تعلیم و تلقین و وصیت کی کہ گناہوں سے توبہ کیا کریں۔ کیوں نہ ہو حق تعالے کا ارشاد ہے فتوبوا الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون یعنی اے ایمان والو تم سب کے سب توبہ کرو۔ اور اللہ کے طرف رجوع ہو اور ارشاد ہے توبوا الی اللہ توبة نصوحا عسٰی ربکم ان یکفر عنکم سیئاتکم یعنی اے مسلمانو خالص توبہ کرو خدائے تعالے تمہارے گناہوں کو بخش دیگا۔

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ ذکر و شغل نوافل میں داخل ہیں۔ اور گناہوں سے توبہ کرنا فرض ہے۔ کیونکہ بار بار خدائے تعالے نے اسکا حکم فرمایا ہے۔ اور ظاہر ہے فرض کو چھوڑ کر نوافل کا ادا کرنا مفید نہیں ہوسکتا کیونکہ نوافل کو ترک کرنے سے مواخذہ نہیں۔ اور فرض کو ترک کرنے پر سوال اور مواخذہ ہوگا۔

فوائد الفواد کی مجلس ہفتم ماہ رجب سنہ ۷۱۰ھ میں لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی

قدس سرہ نے فرمایا کہ توبہ تین قسم پر ہے۔ حال۔ ماضی۔ مستقبل۔ حال وہ ہی کہ جو گناہ کیا ہے۔ اُس سے نادم اور پشیمان ہو۔ ماضی وہ ہے کہ مخالفوں کو خوش کرے۔ اگر کسی سے دس درہم مثلاً غصب کیا ہو اور اُس سے توبہ کرنے کے خیال سے توبہ توبہ کہے تو یہ توبہ توبہ نہ ہوگی۔ توبہ وہ ہے کہ درہم اُس کو واپس کرکے اُس کو خوش کرے اور اگر وہ کسی کو بد کہا ہو اس کی معذرت کرکے اُس کو خوش کرے۔ اور اگر وہ شخص مرگیا ہو تو جتنے بار اُس کی برائی بیان کی ہے اُس کی تعریف کرے۔ اور اگر شراب سے توبہ کرنا چاہے تو عمدہ شربتیں اور ٹھنڈا پانی کثرت سے پلائے۔ مقصود یہ ہے کہ توبہ کے وقت معذرت ہر معصیت کی اسی کے مناسب ہونی چاہیئے توبہ کی تیسری قسم جو مستقبل ہے وہ یہ ہے کہ نیت کرے کہ آئندہ اوس قسم کا گناہ نہ کروں گا اس کے بعد فرمایا کہ میں جب شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں بیعت کی غرض سے حاضر ہوا تو چند بار فرمایا کہ اپنے خصموں کو راضی کرنا چاہیئے جب اس میں بہت غلو فرمایا تو مجھے یاد آگیا کہ میرے ذمہ بیس جیتل واجب الادا ہیں اور ایک شخص سے میں نے کتاب عاریت لی تھی۔ وہ گم ہوگئی میں سمجھ گیا کہ حضرت کشف سے یہ بیان فرما رہے ہیں۔ میں نے یہ خیال کرلیا کہ جب دہلی جاؤنگا تو ان کو خوش کرونگا۔ جب اجودھن سے دہلی آیا اُس وقت میری معیشت بہت کم تھی۔ کبھی پانچ جیتل میرے پاس جمع

ہوے اور کبھی زیادہ - ایک بار دس جیتل جمع ہو گئے تو اُس بزاز کے مکان پر گیا جس سے کپڑا لیا تھا - جن کی قیمت بیس جیتل میرے ذمہ تھی اور اُس سے کہا کہ بیس جیتل تمہارے میرے ذمہ ہیں - مجھے ایک دفعہ میسر نہ آئے - یہ دس جیتل جو لایا ہوں ان کو لے لو - اور باقی بھی انشاء اللہ دے دونگا جب اُس نے یہ بات سنی - کہا کہ ہاں تم مسلمان کے پاس سے آتے ہو اور وہ لے لیا - اور کہا کہ باقی دس جیتل تمہیں معاف کر دیا - اس کے بعد اُس شخص کے پاس میں گیا - جس سے کتاب لی تھی اُس سے کہا کہ جو کتاب آپ سے میں نے لی تھی وہ گم ہو گئی - اب کہیں سے اُس کی نقل لے کر آپ کو پہنچا دونگا - اُس نے یہ سنکر کہا کہ ہاں جہاں سے تم آئے ہو اُس کا ثمرہ یہی ہونا چاہیے - اُس کے بعد کہا کہ میں نے وہ کتاب آپ کو بخش دی انتہی -

اور فوائد الفواد کی مجلس ۱۲ ذیقعدہ ۷۱۸ھ میں مذکور ہے کہ جو شخص شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتا ہے اور بعیت کرتا ہے تو وہ خدائے تعالے کے ساتھ عہد و پیمان ہے - چاہیے کہ اُس پر ثابت رہے - اور اگر اس سے پریشانی ہوتی ہے تو اپنی حالت پر ہی رہے شیخ کا ہاتھ پکڑنے کی کیا ضرورت؟ اُس کے بعد فرمایا کہ میں جب شیخ الاسلام فرید الدین قدس سرہ العزیز کی خدمت میں پہنچا - اور بعیت سے مشرف ہوا تو واپسی کے وقت راستہ میں مجھے شدت سے پیاس لگی - ہوا نہایت گرم تھی - اور پانی دور تھا - اسی

فوائد الفواد

عالم میں

حالت میں چلا جارہا تھا کہ ایک شخص نظر آیا جس کو میں پہچانتا تھا اُس کے پاس جاکر کہا کہ میں پیاسا ہوں کیا یہاں پانی مل سکتا ہے اُس نے تیا کسے مل کر کہا اس برتن کو لیجئے۔ اور پی جیئے۔ میں نے دیکھا کہ اُس میں شراب یا بنگ ہے میں نے اُس کے پینے سے انکار کیا۔ اُس نے کہا کہ اس مقام میں دور دور تک کہیں پانی نہیں ہے۔ اور آگے بھی پانی نہیں۔ اگر یہ تم نہ پیوگے تو ہلاک ہوجاؤگے۔ میں نے کہا خیر یہی ہوگا کہ میں مرجاؤنگا جو کچھ ہونا ہے ہورہیگا۔ مگر میں یہ نہیں پی سکتا۔ اس لئے کہ میں نے شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے۔ اور اقرار کیا ہے کہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔ یہ کہکر دونا سے چلا۔ اور تھوڑی دور پر پانی مل گیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ خواجہ حمید سوالی جب خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز سے بیعت کرکے اپنے گھر آئے تو قدیم دوست آشنا جمع ہوئے اور کہا کہ چلئے ذوق حاصل کریں۔ خواجہ حمید نے کہا کہ میں نے اپنا ازار بند ایسا مضبوط باندھا ہے کہ قیامت میں بھی حوران بہشت پر نہ کھولونگا انتہی۔

اور اسی کی مجلس (۲۰) جمادی الاول میں لکھا ہے کہ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ایک مطربہ قمر نام نہایت حسن وجمال میں شہرۂ آفاق تھی۔ آخر عمر میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے ہاتھ پر بیعت کرکے زیارت کعبہ کے لئے گئی۔ جب واپسی میں ہمدان کو پہنچی تو والی ہمدان نے اس کی

خبر سنکر اُس کو بلوایا اُس نے کہا کہ میں اس کام سے توبہ کر چکی ہوں۔ والی نے اُس کا عذر قبول نہ کیا۔ آخر وہ عورت عاجز ہو کر شیخ یوسف ہمدانی کے خدمت میں گئی۔ اور واقعہ بیان کیا۔ شیخ نے فرمایا۔ آج رات کو میں تمہارے معاملہ میں مشغول ہونگا اور کل جواب دونگا۔ صبح ہی وہ عورت شیخ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئی۔ شیخ نے فرمایا کہ ابھی تمہارے خانۂ تقدیر میں ایک معصیت باقی ہے عورت عاجز ہو گئی۔ اور ملازمین والی اسے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اور ایک چنگ لاکر اس کو دیا۔ اُس نے چنگ کو درست کر کے گانا شروع کیا چند اشعار پڑھے تھے۔ کہ سب پر حالت طاری ہوی۔ اور بادشاہ ہمدان نے سب سے پہلے توبہ کی انتہیٰ۔

اب غور کیجئے کہ بیعت کا کس قدر اثر ہوتا تھا کہ مرجانا قبول مگر خلاف شرع بنگ وغیرہ پینا ناگوار۔ اسی وجہ سے ان حضرات کی بیعت پر ثمرات مرتب ہوتے تھے۔ حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ تو محبوب ہونے والے تھے بلکہ ازلی محبوب تھے۔ ان کی ہمت اگر بلند تھی تو چنداں تعجب کی بات نہیں اس کسبی کا حال آپ نے دیکھ لیا کہ بیعت کے بعد پھر گناہ کا کبھی ارادہ نہ کیا اسی علو ہمت اور بیعت پر قائم رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر گناہ بھی کیا تو اُس گناہ کے طفیل میں بادشاہ اور اُس کے مصاحبین کو توبہ کرا کے چھوڑا۔

نفحات الانس میں مولانا جامی رحمہ نے حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند رح کے حال میں لکھا ہے کہ آپ نے مریدین کو فرمایا کہ اپنے نفس کو متہم بنا رکھو جو شخص بعنایت الٰہی اپنے نفس کی بدی کو پہچانے اور اُس کے مکر و کید کو جانے اُس پر یہ کام یعنی نفس کو متہم سمجھنا آسان ہے۔ سالکان طریقت ایسے بہت گذرے ہیں کہ دوسرے کے گناہ کو اپنے ذمہ لے کر اُس کا بار اُٹھایا کرتے تھے۔

اور فرمایا کہ ہمارا طریقہ متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مضبوط پکڑنا اور صحابہ کے آثار کا اقتدا کرنا ہے۔ اسی طریقے میں تھوڑے عمل سے زیادہ فتوح ہوتی ہے انتہیٰ۔

عدم ضرورت عبادات

ہمارے زمانے کے بعض حضرات صاف کہتے ہیں کہ ہمیں نماز روزہ وغیرہ عبادات کی ضرورت نہیں۔ ہم نے ترک وجود کر دیا ہے۔ اور اسپر اس شعر سے استدلال کرتے ہیں ؎

نمازِ عاشقاں ترکِ وجود است
نمازِ زاہداں سجدہ سجود است

اور مریدین بھی اپنے پیر کے مسلک پر مرفوع القلم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر فی الحقیقت مرفوع القلم ہیں۔ یعنی عقل و ادراک جاتا رہا ہے اور اچھے برے میں تمیز باقی نہیں جس طرح مجذوبوں کا حال ہے

تو اُن کا مرفوع القلم ہونا درست ہے۔ اور اگر یہ حالت نہیں ہے چنانچہ اس سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے دعوے پر دلائل قائم کرتے ہیں تو وہ عند اللہ مرفوع القلم نہیں ہو سکتے۔ دیکھئے حضرت منصور حلاج رح باوجودیکہ انا الحق کہتے تھے۔ اور ان کو قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ چنانچہ آخر بفتوائے جنید بغدادی رح وغیرہ اکابر صوفیہ و علماء اسی قول کی وجہ سے وہ دار پر چڑھائے گئے۔ مگر عبادت کو انہوں نے کبھی ترک نہ کیا۔

نفحات الانس میں لکھا ہے کہ باوجود دعوے انا الحق کے ہر شبانہ روز وہ ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ جس صبح وہ قتل ہوئے اس رات میں پانچ سو رکعت نماز اُنہوں نے پڑھی تھی۔

تنبیہ المغترین میں امام شعرانی رح نے لکھا ہے کہ صوفیہ کے اخلاق میں سے کثرت توبہ اور استغفار بھی ہے۔ کیونکہ وہ اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ اپنے افعال گناہ سے سالم نہیں رہ سکتے۔ کم سے کم خشوع اور مراقبہ میں نقص ہو ہی جاتا ہے سلف صالح اسی طریقہ پر تھے۔ ہمارے زمانے میں بعض صوفیہ اس کے خلاف میں ہیں۔ یہاں تک کہ بعض صوفیہ سے یہ کہتے سنا ہے کہ ہم وہ قوم ہیں کہ بحمد اللہ ہم پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ میں نے کہا کیونکر۔ کہا۔ اس وجہ سے کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہی فاعل ہے۔ نہ ہم۔ میں نے کہا۔ جب تو تم پر توبہ اور استغفار

واجب ہے۔ کیونکہ تم نے جمیع ارکان شریعت کو منہدم اور حدود شرعیہ کو باطل کر دیا۔ قسم ہے اللہ کی۔ اگر مجھے حکومت ہوتی تو تم جیسے لوگوں کی گردنیں مارتا۔ کیونکہ کل انبیا اور جمیع اکابر دین جانتے تھے کہ وہی خالق افعال ہے اور باوجود اس کے اتنا روتے تھے کہ اُن کے آنسووں سے گھانس اوگتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کیا تمہاری بیماری اور دوا کی خبر نہ دوں۔ تمہاری بیماری گناہ ہیں۔ اور دوا استغفار انتہی ملخصاً دیکھئے امام شعرانی رح اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ اور تمام صوفیہ سلف کے حال سے خبر دے رہے ہیں۔ کہ سب استغفار اور توبہ کیا کرتے تھے تو ہم لوگوں کو گناہ سے احتراز کرنے اور اس سے توبہ کرنے کی کس قدر ضرورت ہے۔

نفحات الانس میں شیخ ابوالحسن شاذلی رح کے حال میں لکھا ہے ان کا بیان ہے کہ میں نے غار میں قیام کیا۔ اور وصول الی اللہ طلب کر کے دل میں کہتا تھا کہ کل فتح ہو جائے گی۔ یکایک ایک شخص آیا۔ میں نے پوچھا تم کون ہو۔ کہا عبدالملک۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اولیاء اللہ سے ہیں۔ میں نے کہا آپ کا کیا حال ہے۔ کہا آپکا کیا حال۔ آپ کا کیا حال۔ آپکا کیا حال۔ اُس شخص کا کیا حال ہوگا کہ کہتا ہے کہ کل فتح ہو جائے۔ اور پرسوں فتح ہو جائے۔ نہ ولایت ہے نہ فلاح۔ اے شخص خدائے تعالے کی

عبادت خاص خدائے تعالےٰ کے لئے کیوں نہیں کرتا۔ میں اُس وقت سمجھ گیا کہ یہ بزرگ خاص تعلیم کے لئے بھیجے گئے ہیں۔ میں نے اُسی وقت توبہ کی اور استغفار کیا۔ اُس کے بعد فتح باب بھی ہو گیا۔ انتہیٰ۔

دیکھئے ان حضرات کو خطرات اور خیالات پر توبہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے کھلے کھلے گناہ جن کے خلاف مرضی الٰہی ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا۔ اُن گناہوں سے توبہ نہ کی جائے تو کہئیے کہ فتح باب جو پیری مریدی سے مقصود ہے کیونکر ہو سکے۔

اخبار الاخیار میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ نے حضرت خواجہ بزرگ معین الدین چشتی قدس سرہ العزیز کے حال میں آپ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ شقاوت کی علامت یہ ہے کہ آدمی معصیت کرے اور امید رکھے کہ میں مقبول ہونگا۔ انتہیٰ۔

یہ ارشاد خاص اہل طریقت سے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ مقبولیت کی گفتگو اسی طبقہ میں ہوتی ہے۔ اور ہونا بھی چاہئیے۔ اس لئے کہ یہ حضرات دنیا کے دھندے چھوڑ کر خدائے تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ یعنی ذکر و شغل وغیرہ میں اکثر اوقات مشغول رہتے ہیں اس کے بعد ضرور یہ امید پیدا ہوتی ہے کہ اپنی محنت و جانفشانی رائگاں نہ جائے گی۔ اور ہم مقبول بارگاہ کبریائی ہوں گے۔ ان

حضرات کو حضرت خواجہ بزرگ رح فرماتے ہیں کہ یہ علامت شقاوت ہے
مقبول تو وہی لوگ ہوتے ہیں جو کوئی کام خلاف مرضی آلہی نہیں کرتے
اور اگر بمقتضائے بشریت کر لیا تو اُس کے معذرت اور توبہ کرتے ہیں۔
بخلاف اس کے خلاف مرضی آلہی کام بھی کریں۔ اور امید رکھیں کہ ہم
مقبول آلہی ہیں۔ اس قسم کا خیال پیدا ہونا ضرور شقاوت کی علامت
ہے۔ اور یہ بھی ارشاد حضرت کا نقل کیا ہے کہ از منزل گاہ قرب نزدیک
نشود۔ مگر بفرماں برداری در نماز۔ زیراکہ معراج مومن ہمیں نماز است انتہیٰ
دیکھئے قرآن شریف میں اقیموا الصلوٰۃ یعنی نماز کو قائم کرو۔
کتنی جگہ وارد ہے۔ اور احادیث میں کس قدر اس کا اہتمام ہے یہانتک
کہ نماز کو قصداً ترک کرنے والے کو حضرت نے کافر تک فرما دیا۔ غرض کہ
فرمان برداری نماز ضروریات دین سے ہے اسی وجہ سے خواجہ بزرگ
قدس سرہ نے صاف فرما دیا کہ بغیر نماز کے تقرب آلہی حاصل نہیں ہو سکتا
اب اگر تاویل کر کے کوئی نماز ہی دوسری قرار دی جائے تو فرقہ باطنیہ اور
صوفیہ میں فرق ہی کیا ہوا۔ اُنہوں نے بھی ایسے ہی تاویلیں کر کے تمام
عبادات کو ساقط اور زنا وغیرہ کو مباح کر دیا تھا۔

اخبار الاخیار میں شیخ نصیر الدین محمود رح جو محبوب آلہی قدس سرہ کے
خلیفہ ہیں آپ کے حال میں لکھا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ (من چہ لائقم کہ شیخی کنم

امروز خود ایں کار بازی بچگاں شد۔ بعد ازاں بیت ثنائی خواند۔ بیت۔
مسلماناں مسلماناں مسلمانی مسلمانی ٭ ازیں آئین بے دیناں پشیمانی پشیمانی
دیکھئے اُس زمانہ کی مشائخی کو آپ نے بچوں کا کھیل قرار دیا۔ وہ اسی قسم کی مشائخی ہوگی کہ ضروریات دین سے جس کو کوئی تعلق نہ ہو۔ اور آپ کا قول اُس میں نقل کیا ہے کہ بعیت کے وقت جو سر کے بال تراشے جاتے ہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی نے طریقت میں قدم رکھا تو گویا اُس نے اس راہ میں اپنا سر کٹا دیا۔ اور سر بریدہ سے کوئی کام وجود میں نہیں آسکتا۔ تو چاہیئے کہ موئے سر تراشیدہ سے بھی کوئی نا مشروع کام وجود میں نہ آئے انتہی۔

دیکھئے طریقت میں اس امر کی کس قدر ضرورت ہے کہ خلاف شرع کام ترک کرنے کے لئے بعیت سے پہلے گویا یہ اقرار لیا جاتا تھا۔

اَلَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُوْرِ النَّاسِ

(الذي) موصول اور اُس کے بعد کا جملہ صلہ ہے۔ موصول اور صلہ میں ربط تام ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مفرد ہوتا ہے۔ کیونکہ صلہ میں موصول کا حال ہوتا ہے۔ موصول ہرچند ذات معین پر دلالت نہیں کرتا۔ مگر صلہ کے ساتھ مل کر معرفہ ہو جاتا ہے

موصول و صلہ

ا س ر د ا

اس لئے کہ جو حالت اس کی صلہ میں بیان کی جاتی ہے اُس کو مخاطب جانتا ہے جس سے اُس کی تعین ہو جاتی ہے۔ مثلاً الذی ضربك فی الدار یعنی جس نے تجھے مارا ہے وہ گھر میں ہے۔ چونکہ مارنے والا مخاطب کو معلوم ہے اس لئے اُس کی تعیین ذہن مخاطب میں ہو گئی اس کی مثال ایسی ہے جیسے حق تعالےٰ کی ذات کہ کوئی اُس کو پہچان نہیں سکتا۔ کیونکہ وہاں تک نہ عقل کی رسائی ممکن ہے نہ فہم و خیال کی اس وجہ سے کہ عقل انہی چیزوں کا ادراک کرسکتی ہے جو از قسم محسوسات ہوں جیسا کہ ہم نے کتاب العقل میں اس سے متعلق مبسوط بحث کی ہے۔ اور خدائے تعالےٰ کی ذات ایسی نہیں کہ اُس کا ادراک حواس سے ہو سکے یا عقل و وہم سے۔

غرض کہ ذات الٰہی کی معرفت محال ہے۔ ممکن نہیں کہ سوائے خدائے تعالےٰ کے کسی کو اُس کا ادراک ہو سکے۔ البتہ اس قدر ادراک ہو سکتا ہے بلکہ ضروری ہے کہ خدائے تعالےٰ موجود ہے۔ اور خالق عالم ہے۔ اور سنتا ہے۔ دیکھتا ہے۔ اور جتنے صفات کمالیہ ہیں سب کے ساتھ متصف ہے۔ مقصود یہ کہ ذات کے ساتھ صفات کا لحاظ ہونے سے اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے جیسے موصول کے ساتھ صلہ ملنے سے اسی وجہ سے ماعرفناك حق معرفتك وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ الٰہی

ہم نے تجھکو پہچانا مگر جو پہچاننے کا حق ہے وہ معرفت نہیں۔ موصول کی معرفت صلہ کے ملنے سے جو حاصل ہوتی ہے اور موصول میں جو وحدت آجاتی ہے وہی بات یہاں بھی ہے۔ پھر معرفت کے مدارج مختلف ہوتے ہیں۔ جس قدر توجہ اور صفائیِ ذہن زیادہ ہو معرفت زیادہ ہوگی۔ اس زیادتی معرفت کے واسطے اولیاء اللہ اور مرشدین کامل مراقبہ کی تعلیم کیا کرتے ہیں۔ جس کے معنی نگہبانی کرنے کے ہیں۔ ذات کے ساتھ ایک ایک صفت کا مدتوں مراقبہ کراتے ہیں۔ تاکہ اُس صفت سے متعلق لوازم و آثار پورے طور پر ذہن میں راسخ اور متمکن ہو جائیں۔ جس قدر مدت میں مراقبہ ہو اُس میں مشاہدہ ضرور ہوگا۔ کیونکہ مشاہدہ کے معنی حضور کے ہیں۔ یہ مشاہدہ گو ذات حق کا ہوگا۔ مگر کسی صفت خاصہ کے ساتھ۔ کیونکہ ذات بحت کا مشاہدہ غیر متصور ہے۔ اس لئے کہ ذات کا جب ادراک ہی نہیں تو مشہود کیونکر ہو سکے اسی وجہ سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ لا تتفکروا فی ذات اللہ یہ امر پوشیدہ نہیں کہ جب آدمی مدتوں کسی ایک چیز کا مراقبہ کرے یعنی ہمہ تن اُس کی طرف مشغول ہو اور کسی دوسری چیز کا خیال نہ آنے دے تو اُس سے متعلق کیسی کیسی نزاکتیں اور دقائق کا وجود اُس کو حاصل ہوگا۔ دیکھئے حکما مسائل حکمیہ میں جو موشگافیاں کرتے تھے اُس کا منشا یہی مراقبہ ہوا کرتا تھا۔ وہ پہلے خلوت اختیار

کرتے تھے - چنانچہ افلاطون کا حال مشہور ہے کہ کہیں شکستہ خُم اس کو مل گیا تھا اُس میں وہ رات بسر کرتا اور دن کو تنہائی میں - غرض کہ دن رات مسائل حکمیہ کے مراقبہ میں مشغول رہتا جس کی وجہ سے اُس کی ایک غیر معمولی حالت ہو گئی تھی - چنانچہ تفسیر نیشا پوری میں اُس کے متعلق جالینوس کا قول نقل کیا ہے کہ هو انسان تا لّه او اله تانّس یہی حال تقریباً کل حکما کا تھا کہ تنہائی میں ایک ایک مسئلہ میں مدتوں غور اور فکر کرتے یہاں تک اس کے مالہ اور ما علیہ کا علم بقدر طاقت بشری حاصل کرتے تھے -

اب غور کیجئے کہ جو لوگ دنیا کو چھوڑ کر ہمیشہ مراقبہ اور مشاہدۂ الٰہی میں رہتے ہیں اُن پر ذات و صفات الٰہیہ سے متعلق کیسے کیسے مسائل غامضہ منکشف ہوتے ہوں گے اور ان کا یہ مجاہدہ کس درجہ بارآور ہوتا ہوگا - حق تعالےٰ فرماتا ہے - والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا یعنی ہماری راہ میں مجاہدہ کریں تو ضرور ہم ان کو اپنے راستے بتادیں گے - جب خدائے تعالےٰ ان کو اپنے وصول و تقرب کی راہیں بتانیکا ذمہ دار ہو تو ممکن نہیں کہ وہ گمراہ ہوسکے مگر یاد رہے کہ ہر مجاہدہ باعث تقرب نہیں ہوسکتا - اُس میں بڑی شرط یہ ہے کہ خاص خدائے تعالےٰ کی خوشنودی اور فرمانبرداری پیش نظر ہو - اگر مجاہدہ اور ذکر و شغل میں کوئی دوسرا امر پیش نظر ہو مثلاً کشف یا کرامات یا یہ امر

ہم معتقد اکہلائیں اور لوگ ہماری قدر و تعظیم و توقیر کریں یا دست غیب حاصل ہو یا اور کوئی ایسی چیزیں جن کی خواہش نفس کو ہوتی ہے مجاہدہ میں ملحوظ ہوں تو سمجھ لینا چاہئیے کہ شیطان کو موقع مل گیا۔ اسی وجہ سے پہلے وہ ذہن نشین کر دیتا ہے کہ شریعت عام لوگوں کے واسطے ہے اور خاص لوگوں کا درجہ بہت بلند ہے ان کو شریعت پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے قدم میں صوفی صاحب کو خاص لوگوں میں شریک کر کے مرفوع القلم بنا دیتا ہے۔ اب ان کو کون روکے نہ خدا کے روکے رکیں نہ رسول کے۔ کیونکہ قرآن و حدیث سے تو تعلق رہا ہی نہیں۔ اب وہی حالت پیدا ہو گئی جو ایمان لانے سے پہلے تھی۔ اس لئے جس طرح ایمان لانے والے کو ایمان سے پہلے بے قیدی تھی اس قسم کے مرفوع القلم ہونے سے بھی وہی بے قیدی ہو جائے گی غرض کہ دونوں حالتوں میں عقلاً کوئی فرق نہیں۔ اس صورت میں شیطان جس طرح چاہے گا کام کرا کے چھوڑے گا۔ اسی وجہ سے اکابر اولیاء اللہ نے شریعت کی پابندی کو ضروری لکھا ہے۔ چنانچہ اکابر طرق کے اقوال اس باب میں جو مروی ہیں اوپر لکھے جا چکے ہیں۔

موصول صلہ میں ایک بات یہ بھی ہوتی ہے کہ صلہ کا اثر موصول پر پڑتا ہے دیکھئے کہ جب الذی کہا جائے تو اُس سے متعلق نہ عداوت

ہوتی ہے نہ محبت وغیرہ بلکہ اُس کا مفہوم صرف ایک چیز ہوتی ہے جس سے نہ عداوت متعلق ہے نہ محبت۔ پھر جب اُس کے صلہ میں ضربك یا اُس کے مثل کوئی افعال ذکر کئے جائیں تو مفہوم موصول سے عداوت دل میں پیدا ہوگی اور اگر مثل اعطاك کوئی صلہ ذکر کیا جائے تو اس سے محبت پیدا ہوگی۔ اس سے ظاہر ہے کہ صلہ کا اثر موصول پر پڑتا ہے۔ نفس ناطقہ یا روح انسانی کی حالت بمنزلۂ موصول کے ہے کہ اس کے ساتھ افعال کا اتصال لازمی ہے جس طرح صلہ کا اتصال موصول کے ساتھ لازمی ہے۔ کیونکہ جو صفات نفس ناطقہ میں رکھے گئے ہیں جیسے سخاوت بخل۔ شجاعت وغیرہ اُن سے متعلق افعال کا ظہور ضروری ہے۔ ورنہ اُن صفات کا وجود بیکار ہوگا۔ اور افعال کے صدور کے وقت نفس کو اُن افعال کا ادراک ضرور ہوتا ہے۔ اور ہر فعل کے موجود کرنے کا ارادہ کر کے اپنی قوت کو صرف کرتا ہے۔ اور جن جن اعضا سے وہ کام متعلق ہوتا ہے ان کو حرکت دیتا ہے اُس کے بعد لذت کا احساس بھی اسی کو ہوتا ہے جو وجود فعل سے متعلق ہے۔ خواہ وہ لذت جسمانی ہو یا نہ ہو۔ غرضکہ ابتدائے حدوثِ خطرۂ فعل سے وقوعِ فعل تک نفس کے ساتھ فعل متعلق رہتا ہے اُس کے بعد جب خیال آتا ہے نفس کو اُس کے ساتھ تعلق رہتا ہے۔ اسی وجہ سے نفس میں اُس کا اثر ہوتا ہے

ما في انفسهم

اور وہ اثر باقی رہ جاتا ہے۔ اگر وہ اچھا کام موافق مرضی الٰہی ہے تو نفس میں اچھا اثر ہوتا ہے۔ اور برا کام ہو تو برا اثر۔ انہی آثار سے اچھے اور برے نفوس باہم ممتاز ہوتے ہیں۔ جن لوگوں کو کشف ہوتا ہے ان کی نظر نفوس کے حسن و قبح پر پڑتی ہے۔ اسی وجہ سے اچھے لوگوں کی وہ تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور معمولی لوگوں کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ نفس ناطقہ میں افعال کے اثر کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے عفونت وغیرہ ہوا میں اثر کرتی ہے۔ اور ہوا کو جو انسان کی روح کو تازگی اور فرحت بخشتی ہے ان اشیائے خارجیہ کی وجہ سے جاں گزا اور مہلک بنا دیتی ہے جس کا حال کتب طبیّہ میں مصرح ہے اسی طرح بُرے افعال روح میں اثر کرکے اس کو گندہ اور مہلک بنا دیتے ہیں۔ جس کی صحبت میں جو شخص جائے وہ ہلاک ہو جائے۔ جب روح گناہوں کی اثر سے زنگ آلود ہو جاتی ہے تو خدائے تعالےٰ نے اُس کی صیقل توبہ مقرر فرمایا ہے۔ جس سے گناہ بالکل نیست و نابود ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ یہاں یہ بات بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ گناہ میں دو جہتیں ہوتی ہیں۔ ایک معصیت یعنی نافرمانی کہ خدائے تعالےٰ نے کسی کام کے کرنے کو فرمایا ہو۔ مثلاً نماز روزہ حج زکوٰۃ۔ صبر۔ شکر وغیرہ اور وہ نہ کریں یا کسی کام سے منع

گناہ میں دو جہتیں ہیں

فرمایا ہے

فرمایا ہے جیسے شراب پینے ۔ حرام کھانے اور زنا و ظلم وغیرہ کرنے سے منع فرمایا ایسے کام کریں یہ دونوں صورتیں یعنی مامور کام کا نہ کرنا اور ممنوع کا کرنا معصیت ہیں اور دوسری جہت حق کی ہے ۔ مثلاً عبادت حق اللہ ہے اور زکوٰۃ میں مال سے حق الٰہی متعلق ہو جاتا ہے ۔ اور کسی کا مال ناجائز طریقہ سے لینے میں معصیت یہ ہے کہ حق تعالےٰ نے اس سے منع فرمایا اور چونکہ وہ مال کسی شخص کا ہے ۔ بندہ کا حق اس سے متعلق ہے ۔ علیٰ ہذا القیاس حق اللہ یا حق الناس گناہوں میں ضرور ہوتا ہے توبہ کرنے سے جو چیز معاف ہوتی ہے وہ معصیت ہے ۔ کیونکہ نافرمانی کے بعد جب آدمی معذرت کرکے فرماں برداری کرنے کا اقرار کرتا ہے تو نافرمانی سابقہ قابل معافی سمجھی جاتی ہے ۔ مگر جو حق ذمہ پر ثابت ہو گیا وہ معاف نہیں ہوتا اگر کسی شخص نے نمازیں قضا کی ہوں اُس کے بعد توبہ کرکے نماز پڑھنا شروع کرے تو جن ایام کی نمازیں نہیں پڑھیں اسکی قضا کرنے کی ضرورت ہے ۔ اسی وجہ سے اگر نمازیں یا روزے وغیرہ کسی کے ذمہ باقی رہ گئے ہوں اور ان کی اُس نے قضا نہیں کی تو بعد وصیت اُس کے بدلہ میں مال دینے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اور اگر کسی نے رشوت سے مثلاً توبہ کی تو معصیت معاف ہو جائے گی مگر جو مال لیا تھا وہ واپس کرنے کی ضرورت ہے ورنہ قیامت میں اُس کا معاوضہ دلایا جائیگا ۔

غرض کہ توبہ سے صرف معصیت کی معافی ہو سکتی ہے۔ حقوق سے اُس کو تعلق نہیں اس میں شک نہیں کہ حق تعالےٰ اگر چاہے تو اپنے حقوق معاف کر دے۔ اور قادر ہے کہ دوسروں کے حقوق کو بھی معاف کرا دے مگر یہ قاعدہ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ جس پر جو کچھ حقوق ہیں عموماً سب کو حق تعالےٰ معاف کر دیگا اور کروا دیگا اگر ایسا ہو تو تمام مصالح تمدن درہم و برہم ہو جائیں گے۔ عقل ہرگز جائز نہیں رکھتی۔ کہ ظالم اور مظلوم دونوں حق تعالےٰ کے نزدیک برابر اور قابل ترحم ہوں۔ رہا یہ کہ قرآن شریف میں ہے قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم یعنی اے محمدؐ کہدو کہ اے گناہ گارو اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو اللہ سب گناہوں کو بخشتا ہے وہ غفور رحیم ہے سو یہ ارشاد اس وقت ہوا تھا کہ بعض لوگوں نے اسلام لانے میں یہ عذر کیا تھا کہ ہم نے بڑے بڑے گناہ کئے اب اسلام لانے سے کیا فائدہ ان کو جواب دیا گیا کہ خدائے تعالےٰ سب گناہوں کو بخش سکتا ہے۔ چنانچہ اس آیت کے بعد ہی یہ آیت ہے وانیبوا الی ربکم واسلموا لہ الآیہ جس کا مطلب یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اسلام لاؤ۔ قبل اس کے

کہ تم پر عذاب نازل ہو۔ غرض کہ قرآن و حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا کہ حقوق اللہ اور حقوق عباد کا بالکل مؤاخذہ نہ ہوگا۔ بلکہ ہزارہا آیات و احادیث و آثار سے مؤاخذہ ثابت ہے اس لئے مقتضائے عقل یہی ہے کہ آدمی اسی عالم میں مؤاخذوں سے حتی الامکان برارت حاصل کرلے۔

تفسیر فی صدور الناس

صدر

فی صدور الناس صدر سینہ کو کہتے ہیں "سینہ" وہ مقام ہے جس میں دل رکھا گیا ہے۔ گویا سینہ دل کا مکان ہے۔ شیطان وسوسہ انداز بھی اسی گھر میں رہتا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً بُرے مشورے دیتا جاتا ہے یہی وساوس شیطانی ہیں۔ سینہ کی حقیقت جو ظاہراً معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چند ہڈیوں اور گوشت وغیرہ سے مرکب ہے مگر دراصل اس کی حقیقت کچھ اور ہی ہے جس طرح انسان کا حال کہ دیکھنے کو وہ ہڈیاں اور گوشت پوست سے مرکب ہے اور اس میں اور بندر وغیرہ میں کوئی فرق نہیں۔ مگر حقیقت انسان کی دیکھی جائے تو وہ کچھ اور ہی چیز ہے۔ جس کا ادراک ممکن نہیں کیونکہ وہ ایسی لطیف چیز ہے جس سے حواس بالکل بے خبر ہیں۔ یہ جسم جس کو دیکھنے والے انسان کہتے ہیں وہ انسان کا قدرتی غلاف یا لباس ہے۔ جس کے ٹوٹنے پھوٹنے سڑنے گلنے سے انسان پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی حالت پر محفوظ رہتا ہے۔ مقاصد الاسلام کے حصۂ دوم میں ہم نے

حقیقت صدر

جسم انسان کا غلاف ہے

یہ امر بدلائل ثابت کیا ہے کہ مسمریزم والے اس امر کا مشاہدہ کرا دیتے ہیں کہ جسم انسانی اپنے مقام پر پڑا رہتا ہے اور انسان ہزار ہا کوس جاکر وہاں کی خبریں چند دقیقوں میں لاتا ہے۔ حکمت جدیدہ تصدیق اسی امر کی کر رہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرا سو سال پیشتر خبر دی تھی۔ دیکھئے تمام کتب احادیث و سیر سے ثابت ہے کہ غزوۂ بدر میں جب کفار کو ہزیمت ہوی۔ اور ان کے مقتولوں کی لاشیں پھول گئیں۔ حضرت نے فرمایا کہ ان لاشوں کو کنوئیں میں ڈالدو۔ چنانچہ سب ڈالدی گئیں۔ اُس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن مقتولوں کو پکار کر فرمایا اے کنوئیں والو۔ اے عتبہ، اے شیبہ۔ اے امیہ۔ اے ابو جہل۔ کیا تمہارے رب نے جو وعدہ فرمایا تھا اُس کو تم نے حق پایا؟ میں نے تو وہ وعدہ حق تعالے نے جو مجھ سے کیا تھا حق پایا۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ کیا آپ ایسی قوم کو پکارتے ہو جس کی لاشیں سڑ گئیں۔ آپ نے فرمایا جو میں اُن سے کہہ رہا ہوں۔ اس کو وہ لوگ ایسا سن رہے ہیں جو تم اُن سے زیادہ نہیں سنتے لیکن وہ میرا جواب نہیں دے سکتے۔ چنانچہ حسان بن ثابت رضہ نے اس موقع میں ایک قصیدہ لکھا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

ینادیھم رسول اللہ لما ٭ قذفناھم کباکبا فی القلیب

السہجد واکلامی کان حقا ٭ وامر اللہ یاخذ بالقلوب

دت یکھئے صحابہ نے یہی خیال کیا تھا کہ سڑی ہوئی لاشوں کو پکار کر اُن سے باتیں کرنی بالکل خلاف عقل ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اشارۃً بیان فرمادی کہ آدمی جسم کا نام نہیں جسم بمنزلہ غلاف ہے۔ اصل آدمی جو سننے والا ہے اُس میں کوئی تغیر نہیں جیسے وہ زندگی میں سنتے تھے۔ اب بھی سنتے ہیں۔ صحابہ اور قوی الایمان تو مان گئے۔ مگر خلاف عقل ہونیکی وجہ سے بہت سے لوگوں نے اُس میں تاویلیں کیں۔ چنانچہ "سماع موتی" کا مسئلہ اب تک معرکۃ الآرا بنا ہوا ہے۔ سائنس نے آکر اس کا تصفیہ کردیا۔ اب اُس میں کسی کو چون وچرا کی گنجائش نہ رہی اس سے اس مسئلہ کا بھی تصفیہ ہوگیا جو احادیث میں وارد ہے کہ دفن کے بعد فرشتے مردے سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ اور تیرا دین کیا ہے؟ اور یہ شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کیا سمجھتا تھا؟ اگر ایمان دار ہو تو ان کے جواب دیتا ہے اور بے ایمان جواب نہیں دے سکتا۔ اس پر بھی انسام کے اعتراضات ہوتے تھے کہ (مردے) سے سوال کیسا۔ چونکہ معترضوں نے غلاف انسان کو انسان سمجھ رکھا تھا اور اب ثابت ہوگیا کہ انسان کچھ اور ہی چیز ہے جس میں سوال وجواب کی اس حالت میں بھی صلاحیت ہے اس کے بعد اہل انصاف تو ہرگز جاہلانہ خیال نہیں کرسکتے کہ انسان اسی

ف قبر میں مُردہ کو اٹھا کر اس سے سوال

غلاف کا نام ہے جو کالبد انسانی ہے۔ اسی طرح سینہ اور دل کی حقیقت بھی ضرور کوئی دوسری چیز ہے۔ اسی کو خیال کر لیجئے کہ اگر دل اسی گوشت کی بوٹی کا نام ہو جو ہر جانور میں ہے تو علوم حکمیہ اور غامض مسائل جو حکما اور علماء کے دلوں میں جوش زن ہوتے ہیں جن کے عمدہ آثار وقتاً فوقتاً عالم میں ظہور پاتے ہیں تو وہ بوٹی دل کی جانوروں میں بھی ہے کسی جانور سے ان کا ظہور کیوں نہیں ہوتا۔ میری دانست میں کوئی عاقل یہ باور نہ کرے گا کہ یہ لطیف غامض مسائل اس گوشت کی بوٹی میں رہتے ہیں۔ یہاں بھی یہی کہنا پڑیگا کہ یہ مضغۂ صنوبری دل کا غلاف ہے اور دل ایک لطیفۂ ربانی ہے کسی بزرگ کا قول ہے ؎

اگر یک قطرۂ دل بر شگافی ؛ بروں آید از صد بحر صافی

اسی طرح صدر کی بھی حقیقت دوسری ہے صرف ہڈیوں کا نام نہیں ہے گو اس حقیقت کا یہی مقام ہوگا۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام

و من یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیّقا حرجًا کانّما یصّعد

فی السماء یعنی جس کی ہدایت کا ارادہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اُس کے سینہ کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اُس کے سینہ کو نہایت تنگ کر دیتا ہے گویا کہ وہ آسمان میں

چڑھ رہا ہے انتہیٰ۔

یہ امر ظاہر ہے کہ اسلام لاتے وقت سینہ کے ہڈیاں پھیل نہیں جاتیں اور نہ کفر کی حالت میں ہڈیاں سمٹتی ہیں بلکہ کشادہ اور تنگ ہونے والا سینہ ہی دوسرا ہے۔ یہ ایک وجدانی امر ہے کہ ایمان والوں کے دل میں ایک وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور جو بات بات میں انقباض ہوا کرتا ہے کہ اگر ہم اپنا دین چھوڑ دیں گے تو لوگ کیا کہیں گے اور خلاف عقل باتیں ماننا لوگوں کی طعن تشنیع کا باعث ہوگا۔ کیونکہ وہ کہیں گے کہ اگر ان کو عقل ہوتی تو یہ لوگ خلاف عقل باتیں کو نہ مانتے۔ اور یہ دلیل سفاہت اور حماقت کی ہے چنانچہ کفار اسی وجہ سے مسلمانوں کو سفہا کہتے تھے۔ اس کے سوا بڑا انقباض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ تمام کنبہ کے لوگ اور احباب دشمن ہو جائیں گے۔

غرض کہ اس قسم کے جتنے اسباب تنگدلی اور انقباض کے ہوتے ہیں سب دفع ہو جاتے ہیں۔ اور سینہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور سب کو قبول کر لیتا ہے اور شرح صدر کے بعد جو کام اُن سے لیا جاتا ہے نہایت خوشی اور کشادہ دلی سے کرتے ہیں۔ اگر مال دینے کو کہا جائے تو نہایت ممنونی سے امتثال کرتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کے حالات سے ظاہر ہے کہ صرف چندہ کے لئے ارشاد نبوی ہوا تھا بعض حضرات نے اپنا نصف مال حساب کر کے حاضر کر دیا اور بعض نے پورا۔ اگر جان دینے کو کہا جائے تو اُس کو سعادت

سمجھتے ہیں۔ چنانچہ صحابہ کے حالات سے ظاہر ہے کہ جان بازی کے شوق میں ہر ایک چاہتا تھا کہ دوسرے سے بڑھا رہوں۔ یہاں تک کہ ان کو روکنے کی ضرورت ہوتی تھی۔ جب مال اور جان دینے میں تنگدلی نہ ہو تو دوسرے اسلامی کاموں میں کیونکر ہو سکتی ہے یہ برکت شرح صدر کی ہے کہ جن کو ہدایت کرنا منظور الٰہی ہوتا ہے ان کا سینہ کشادہ کر دیا جاتا ہے بخلاف اس کے جن کو گمراہ کرنا منظور ہوتا ہے اسلامی کاموں میں ان کا سینہ تنگ کر دیا جاتا ہے۔ جان اور مال دینا تو بڑی چیز ہے پانچ وقت کی نماز پڑھنی مشکل ہوتی ہے۔ سو روپیہ ایک سال رہیں تو ان میں سے ڈھائی روپیہ زکوٰۃ کے غریب قرابت دار اور مساکین کو دینا سخت دشوار ہوتا ہے۔ حالانکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں کہ اس سے زیادہ روپیہ خیرات ہی میں صرف کر دیتے ہیں۔ مگر زکوٰۃ کے نام سے دینے میں ان کو تنگدلی ہوتی ہے۔ اب کہیے ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا اس موقع میں صادق آتا ہے یا نہیں۔ یہ تو عوام الناس کا حال تھا اس آخری زمانے کے بعض خاص خاص لوگ بھی اسی دائرہ میں نظر آئیں گے۔

مشکوٰۃ شریف میں عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص آیا جس کا لباس نہایت سفید اور بال نہایت سیاہ تھے سفر کا کوئی اثر اُس پر نہ تھا۔ اور ہم میں سے کوئی شخص اُسے پہچانتا بھی نہ تھا۔ حضرت کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گیا۔ اور دونوں زانو پر ہاتھ رکھکر کہا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خبر دیجئے کہ اسلام کیا چیز ہے۔ حضرت نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ کوئی معبود سوائے اللہ کے نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اور طاقت ہو تو حج کرو۔ کہا آپ سچ کہتے ہیں۔ ہمیں تعجب ہوا کہ سوال بھی کرتا ہے اور خود ہی تصدیق بھی کرتا ہے۔ پھر کہا کہ یہ بتائیے کہ ایمان کیا چیز ہے۔ حضرت نے فرمایا یہ کہ تم خدائے تعالےٰ کی ذات اور ملائکہ اور اُس کی کتابیں اور پیغمبروں کا یقین کرنا۔ اور خیر و شر اللہ ہی کی طرف سے سمجھنا۔ کہا آپ سچ کہتے ہیں کہ پھر کہا یہ بتائیے کہ احسان کیا چیز ہے فرمایا کہ اس طرح عبادت کرو کہ گویا اللہ کو تم دیکھ رہے ہو۔ اور اگر تم نہیں دیکھتے تو وہ تو دیکھ رہا ہے کہا آپ سچ کہتے ہیں۔ پھر اُس نے قیامت کے حالات دریافت کئے جب وہ شخص چلا گیا تو حضرت نے پوچھا اے عمرؓ تم جانتے ہو کہ یہ کون تھے؟ میں نے کہا اللہ و رسول داناتر ہیں۔ فرمایا وہ جبرئیل تھے تمہیں دین کی تعلیم کرنے کے لئے آئے تھے۔ انتہیٰ۔

اس حدیث شریف سے ثابت ہے کہ اسلام احکام ظاہری بجا لانے کا نام ہے اور احکام ظاہری بجا لانے میں جس کا دل تنگ ہو تو آیۂ موصوفہ سے ثابت ہے کہ خدائے تعالےٰ کو اُس کی ہدایت مقصود نہیں۔ کیونکہ صاف ارشاد ہے

فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام۔ ومن

یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقاً حرجاً۔ اب اس کے بعد کوئی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ ہم درجۂ احسان میں ہیں۔ اس لئے عبادت ظاہری کی ہمیں ضرورت نہیں۔ کیونکہ جب نصِ قطعی سے ثابت ہے کہ جسپر عبادت ظاہری آسان نہ ہو تو یہ سمجھا جائے گا کہ خدائے تعالےٰ اُس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے۔ اور جس کو خدائے تعالےٰ گمراہ کرنا چاہے ممکن نہیں کہ اس کو ہدایت اور تقرب الٰہی حاصل ہوسکے۔ الحاصل جو عبادت مفروضہ سے محروم ہے وہ درجۂ احسان سے بالکلیہ محروم ہے۔ جبرئیل علیہ السلام جو تعلیم امت کے لئے بارگاہ الٰہی سے مامور ہوکر آئے تھے اُن کی پہلی تعلیم اسلام سے متعلق تھی۔ جس کے معنی گردن نہادن اور فرماں برداری کے ہیں۔ اس کے بعد ایمان کی تعلیم مقصود تھی۔ اُس کے بعد احسان کی تعلیم۔

ایمان و احسان میں اسلام کی ضرورت

اس سے ظاہر ہے کہ دین میں ابتدائی درجہ اسلام ہے اور انتہائی درجہ احسان۔ ابتدائی درجہ کا وجود دوسرے دونوں درجوں میں ضروریات سے ہے۔ کیونکہ ایمان کے درجہ میں اگر آدمی بطور خود کسی بات پر ایمان

لائے تو اس کو بجائے ایمان دار کے بے ایمان کہنا چاہیے۔ ایمان کے درجہ میں اسی قسم کا ایمان ہونا چاہیئے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے یعنی اس ایمان کے وقت آیات و احادیث کی فرماں برداری کی ضرورت ہے مثلاً خدائے تعالےٰ کے اُن صفات پر ایمان لائے جو شریعت سے ثابت ہیں۔ اگر اس میں تصرف کرے اور یہ کہے کہ فلاں صفت میں یہ قباحت لازم آتی ہے۔ اس لئے اس باب میں فرماں برداری نہیں کرسکتا تو ایسا ایمان جس کو اسلام سے تعلق نہیں وہ ایمان نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح احسان کے درجہ میں جو ارشاد ہے واعبد ربک اگر اسلام نہ ہو یعنی یہ کہے کہ فلاں عبادت جس کا حکم خدا و رسول نے کیا ہے میں نہ کروں گا اور اس میں مجھے فرماں برداری کی ضرورت نہیں تو اُس کو درجہ احسان سے تعلق نہیں۔ غرض کہ اسلام یعنی فرماں برداری خدا و رسول دین کے تمامی مدارج میں ضروریات سے ہے اسی وجہ سے ارشاد ہے فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام۔

الجنّۃ

جن کا وجود ہر ملت و مذہب میں ثابت ہے۔ چنانچہ دائرۃ المعارف میں معلم بطرس بستانی نے لکھا ہے کہ جتنے مذاہب انبیا کی تصدیق کرتے ہیں

وہ سب جن کے وجود کو مانتے ہیں اور قدمائے فلاسفہ اور اصحابِ روحانیات بھی ان کے وجود کے قائل ہیں۔ ان کی پیدائش کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے والجان خلقناہ من قبل من نار السموم یعنی جن کو ہم نے انسان سے پہلے سموم کی آگ سے پیدا کیا۔ سموم اُس گرم ہوا کو کہتے ہیں جو آدمی کے جسم میں سرایت کرتی ہے۔

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ سموم میں آگ ہوتی ہے اُس کو سموم کہنے کی یہ وجہ ہے کہ بسبب کمال لطافت کے آدمی کے مسامات میں گھستی ہے۔ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ سموم جو بہا کرتی ہے وہ ستر حصوں سے ایک حصہ اس سموم کا ہے جس سے جن پیدا ہوئے ہیں۔

الحاصل سموم میں جو آگ پوشیدہ ہوتی ہے اُس سے حق تعالے نے جن کو بنایا۔

توضیح اس کی اس طرح کی جا سکتی ہے کہ خالص آگ جہاں مشتعل ہوتی ہے وہاں ایک خاص حد تک آگ محسوس ہوتی ہے جس کو زبانۂ آتش کہتے ہیں اور اُس میں جلانے کی صفت بھی محسوس ہوتی ہے۔ کپڑا وغیرہ اس پر رکھا جائے تو جل کر خاک سیاہ ہو جاتا ہے۔ اس حد کے بعد اُس آگ کا استحالہ ہوا کی طرف ہو جاتا ہے۔ یعنی وہ ہوا بن جاتی ہے۔ مگر ایک حد تک اس ہوا میں گرمی ضرور رہتی ہے۔ اسی حد میں جس قدر گرمی محسوس ہے وہ آگ کی

گرمی ہے۔ یہی گرم ہوا جب بہکر آدمی کے مسامات میں گھس جاتی ہے تو ہلاک کر دیتی ہے۔ یہ مہلک گرمی آگ کی ہے۔ کیونکہ جو حرارت کیفیت ہوا ہے وہ مہلک نہیں بلکہ مزاج اور روح کو تازہ کرنے والی ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ سموم میں آگ ہوتی ہے اسی آگ سے جن پیدا کئے گئے جس طرح مٹی سے انسان پیدا کئے گئے بظاہر یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ انسان مٹی سے کیونکر پیدا ہوا۔ کیونکہ ظاہراس کی تخلیق پانی سے معلوم ہوتی ہے جو انسان سے خارج ہوتا ہے مگر چونکہ انسان کے حالات ہمیشہ ہمارے پیش نظر ہیں اسلئے غور و فکر کرنے سے معلوم ہو گیا ہے کہ دراصل انسان کی تخلیق خاک سے ہے جس کا حال ہم نے مقاصد الاسلام کے حصۂ ہفتم میں لکھا ہے باوجود اس علم کے کیفیتِ تخلیق میں عقل حیران ہوتی ہے کہ مٹی کے استحالات جو ہوتے گئے وہ کیونکر ہوئے یہ بات اور ہے کہ عادت ہونے کی وجہ سے حیرانی نہیں ہوتی مگر خاک کا نبات اور نبات کا اخلاط اور اخلاط کا مضغہ بن جانا عقل کی راہ سے ہرگز سمجھ میں نہیں آسکتا کہ یہ قلب ماہیت کیونکر ہوتی گئی خاک پر کس نے جبر کیا کہ اپنی صورت نوعیہ کو چھوڑ کر نباتی صورت اختیار کرے اور وہ خاصیتیں اور تاثیرات اس میں آجائیں جو خاک میں نہ تھے۔ اور جسم نباتی وحیوانی پر ایسی کونسی چیز مسلط ہوئی جس نے ان کی صور نوعیہ کو دور کر کے خلطی صورت پہنادی۔ اب اگر کہیں کہ صورت نباتی خلط میں

موجود ہے تو بداہت کے خلاف ہے کیونکہ اخلاط میں اس قسم کا جسم ہے نہ رنگ نہ بو ہے نہ مزہ وغیرہ اور اگر کہیں کہ صورت نباتی فنا ہو گئی تو وہ خاصیتیں اور تاثیرات جو اس میں نہیں کہاں سے آگئیں۔ کیونکہ کل لوازم و آثار صورت نوعیہ سے متعلق ہیں۔ مثلاً دماغ کی قوت کے لئے جو دوائیں دی جاتی ہیں جب تک وہ دماغ میں نہ جائیں تاثیر ممکن نہیں۔ اور دماغ میں جانے والی اُس کی غذا بلغم وغیرہ ہے جس کی صورت نوعیہ ان ادویہ کی صُوَر نوعیہ سے بالکل جدا اور ممتاز ہے۔ بہر حال اس سلسلہ کے انقلابات اور استحالات کو اگر غائر نظر سے دیکھا جائے تو ضرور عقل حیران ہوتی ہے۔ اور جب تک اس کے قائل نہ ہوں کہ خالق عالم نے جس طرح خاک کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا اسی طرح صورت نوعیہ کو دور کر کے صورت ثانیہ اس کو دی۔ علیٰ ہٰذا القیاس یکے بعد دیگرے انقلابات ہوتے گئے یہاں تک کہ آخر میں صورت انسانی کی خلعت فاخرہ اس کو پہنایا گیا۔ اسی پر قیاس کر لیجئے کہ ہر چیز کی تخلیق میں ابتدا کچھ ہوتی ہے اور انتہا کچھ۔ یہ ضرور نہیں کہ جو صورت ابتدائی ہو اس کے پورے لوازم و آثار باقی رہیں۔ دیکھئے انسان خاک سے پیدا ہوا اور خاک سے سوائے جسمیت کے اُس کو کوئی مشابہت نہیں اسی طرح جن نار سموم سے پیدا ہوئے اور اس سے ان کو کوئی مشابہت نہیں۔ ان امور پر غور نہ کرنے کے اقسام کے اعتراض کئے جاتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ نار ایک

لطیف چیز ہے اگر جن اُس سے پیدا ہوئے ہوں تو ان کی قوت سے متعلق جو حکایات مشہور ہیں اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ آدمی سے زیادہ وزن اٹھا سکتے ہیں درست نہ ہوگا۔ کیونکہ جس کی جسامت زیادہ ہوگی اس کی جسمانی قوت بھی زیادہ ہوگی یہ سب قیاس غائب علی الشاہد ہے جو بالکل صحیح نہیں۔ جس چیز کی تخلیق خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وہ نرالی ہوتی ہے۔ دیکھئے افلاک کے نسبت حکما نے تصریح کی ہے کہ نہ وہ گرم ہیں نہ سرد نہ ثقیل نہ خفیف۔ اب کہئے کیا یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ کوئی چیز خفیف بھی نہ ہو اور ثقیل بھی نہ ہو آگ ہر چیز کو جلاتی ہے مگر ابرک کو نہیں جلا سکتی سونے چاندی کو سیال بناتی ہے اور انڈے کی زردی اور سفیدی کو جو سیال ہے منجمد کر دیتی ہے غرض کہ ہر ایک چیز میں حق تعالیٰ نے ایک قسم کی صلاحیت دی ہے اور اُس کے لوازم و آثار مقرر فرمائے جن کا صدور ضروریات سے ہے اسی طرح جن کو بھی نار سموم سے پیدا کر کے اُن کے لوازم و آثار مقرر کیا مثلاً ہر شکل میں متشکل ہونا نظروں سے عموماً غائب رہنا اور کبھی بعض بعض لوگوں کو نظر آجانا تھوڑے عرصہ میں مسافت بعیدہ کو طے کرنا انسان کے جسم میں حلول کرنا وغیرہ۔ ہم نے مقاصد الاسلام کے دوسرے حصہ میں کتب حکمت جدیدہ سے جن کا وجود بفضلہ تعالیٰ ثابت کر دکھایا ہے۔ اگر وہ تقریر دیکھ لی جائے تو اہل انصاف کو غالباً جن کے وجود میں کوئی شک و شبہ باقی

نہ رہے گا۔

علامہ فرید وجدی نے کنز العلوم واللغہ میں لکھا ہے یہ امر مکرر تجربہ اور تحقیقات سے یورپ میں مسلم ہو چکا ہے کہ روحیں (جن) بلائے جاتے ہیں اور وہ بالکل آدمی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں چنانچہ ان میں گوشت خون ہڈی وغیرہ بھی موجود رہتے ہیں اور جب ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ اشیاء تم میں کہاں سے آ گئے تو انہوں نے خبر دی کہ وہ سب عاریتی ہیں اُس شخص سے لیتے ہیں جو ہمیں بلاتا ہے۔ چنانچہ بلانے والے کا وزن کیا گیا تو فی الواقع اُس کا نصف وزن کم تھا۔ اور اُن کے جانے کے بعد جب تولا گیا تو اُس کا اصلی وزن پورا ہو گیا۔ دیکھئے اُن کی فطرت میں یہ بات رکھی گئی کہ آدمی کی ہڈی اور گوشت وغیرہ چرا لیں اور اس کو خبر نہ ہونے پائے یہ بات نہ آدمی کو دی گئی نہ کسی جانور کو۔ اب کہاں ہے وہ قاعدہ جو ہزارہا اطبا کے تجربوں اور اقوال سے ثابت تھا کہ اذیت کا باعث تفرق اتصال ہے یہاں تو سر سے پاؤں تک ہر ہر ہڈی گوشت وغیرہ میں تفرق اتصال ہو گیا۔ اور وہ بھی کیسا کہ صرف تفرق ہی نہیں بلکہ ہر ایک چیز آدھی آدھی ہو کر جسم سے باہر نکل گئی اور پوست صحیح وسالم رہا اور خبر بھی نہ ہوئی کہ کوئی چیز اپنے جسم سے خارج ہوئی یا نہیں کیونکہ گوشت اور پوست اپنی حالت سابقہ پر رہے اگر ہڈی باہر نکل جاتی تو گوشت اور پوست ضرور پھٹتا جس سے ایک دوسرا

تجربۂ جسمِ انسان

تفرق اتصال ہو کر اذیت پر اذیت ہوتی۔ اب کہئیے کہ اس قسم کی چوری کیا کوئی انسان یا حیوان کر سکتا ہے۔ یہ طریقہ خاص جن ہی سے متعلق ہے اس قسم کے صدہا عجائبات ان سے ظہور میں آتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب کبھی کوئی نیا تجربہ کیا جاتا ہے تو نئی نئی باتیں دیکھنے میں آتی ہیں جن سے عقل حیران ہو جاتی ہے۔

یہاں یہ امر خاص توجہ کے لائق ہے کہ جس انسان سے ہڈی گوشت وغیرہ چرایا گیا اُس کا وجدان گواہی دیتا ہے کہ جس قدر جسم چوری سے پہلے اپنے پاس تھا اب بھی ہے کوئی جزو اس میں سے کسی دوسرے کے جسم میں نہیں گیا اور حس بھی گواہی دیتی ہے کہ دونوں حالتوں میں کوئی فرق نہیں اور عقل بھی گواہی دیتی ہے کہ کوئی جزو اندر سے باہر چلا نہیں گیا۔ ورنہ حس کا امان جاتا رہے گا جس سے لازم آئیگا کہ کوئی دلیل ثابت نہ ہونے پائے کیونکہ جب تک نظریات کی انتہا بدیہیات پر نہ ہو وہ ثابت نہیں ہو سکتے پھر جب حواس ہی کا اعتبار نہ رہے اور یہ مسلم ہو جائے کہ وہ اپنے کاموں میں غلطی کرتے ہیں۔ مثلاً آدھا جسم کسی نے آنکھوں کے سامنے سے چُرا لیے گیا اور اُن کو خبر بھی نہ ہوی۔ حالانکہ سوئی کے چُبھنے سے ایک بال برابر جسم میں تفرق اتصال ہو جاتا ہے تو سر سے پاؤں تک بیقراری ہوتی ہے بمصداق

شعر۔ چو عضوے بدرد آورد روزگار ✤ دگر عضوہا را نماند قرار

جب سر سے پاؤں تک ہر ایک عضو میں تفرق اتصال ہو جائے اور قوتِ احساسی کو خبر تک نہ ہو تو کہیے کہ اب کس چیز پر بھروسہ ہو سکے عقل اس قابل نہ تھی کہ اُس پر بھروسہ کیا جائے کیونکہ نظر و فکر میں ہمیشہ غلطیاں ہوا کرتی ہیں اسی وجہ سے کوئی عقلی مسئلہ ایسا نہیں جس میں عقلا کا اختلاف نہ ہو۔ صرف حواس اعتبار کے قابل سمجھے جاتے تھے جب ان کا بھی یہ حال ہو تو اب کس چیز کے اعتماد پر کوئی بات ثابت ہو سکے۔ غرض کہ یہاں وجدان۔ حس اور عقل کی گواہی سے پورا جسم اپنے مقام میں رہنا ثابت ہے اور آدھے جسم کا غیب ہو جانا بھی مشاہدہ سے ثابت ہو گیا تو اب عقل سے پوچھا جائے ان دونوں صورتوں میں کونسی صورت اختیار کی جائیگی جو کوئی اختیار کیجائے اُس کے مقابلہ میں دوسری صورت موجود ہے جو اعتبار میں اس سے کم نہیں۔

دائرۃ المعارف میں فاضل فرید وجدی نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ امریکہ میں ۱۸۴۶ء میں اور یورپ میں شایع ہونے لگا تو ہر طرف چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ مادئین کے الحاد و زندقہ کا مدار اس ہٹ دھرمی پر تھا کہ اگر جن موجود ہیں یا ارواح بعد موت باقی رہتے ہیں تو بتائی جائیں اور اہل مذہب بتا نہیں سکتے تھے۔ اور اب یہ دعوی سے کہا جا رہا ہے اور دعوتیں دی جا رہی ہیں کہ جن کو وجودِ جن و ارواح میں شک ہو تو آکر

دیکھ لیں تو اب اہل مذہب کے مقابلے میں ماڈین حیران ہیں اور کبھی چڑ میں آکر سخت و سُست کہنے لگتے ہیں۔ یہاں تک کہ مارپیٹ بلکہ جدال و قتال کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مگر تابکے آخر اہل انصاف کرّات و مرّات کے مشاہدہ سے قائل ہوتے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت لاکھوں علمائے یورپ نے مان لیا کہ ارواح و جن کے وجود میں اب کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ اور ان کے احوال و افعال میں عقل بالکلیہ حیران ہے جس کا جسم چرا یا جائے وہ سمجھتا ہے کہ میرا جسم میرے پاس موجود ہے اور حالانکہ اسی کا جسم اُس جن کے پاس ہے۔ اور دونوں جگہ کام دے رہا ہے۔ جب یہ مشاہدہ سے ثابت ہو گیا اور لاکھوں عقلا نے اس کو تسلیم کر لیا تو اُن وقائع کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ وقت واحد میں کئی جگہ جا سکتے ہیں۔ امام سیوطی رحمہ نے القول المنجلی فی تطور الولی میں لکھا ہے کہ ایک مسئلہ میرے پاس پیش ہوا۔ کہ ایک مجلس میں کسی نے کہا آج رات شیخ عبد القادر طحطوطی رحمہ میرے یہاں تشریف لائے تھے اور رات بھر رہے دوسرے نے کہا کہ یہ کیا کہتے ہو وہ تو رات بھر میرے یہاں تھے اُس نے کہا غلط کہتے ہو۔

غرضکہ طرفین سے گفتگو بڑھی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ دونوں نے قسم کھائی کہ اگر وہ بزرگ آج رات میرے یہاں نہ تھے تو میری بیوی کو

اولیا کا وقت واحد میں متعدد مقامات میں رہنا

طلاق - اور فیصلہ اس پر ٹھیرا کہ خود انہی حضرت سے پوچھ لیا جاے کہ آپ کہاں تھے - جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر چار شخص بھی دعویٰ کریں کہ میں اُن کے پاس تھا تو وہ صحیح ہے - علما میں گفت گو شروع ہوی کہ کس کی بیوی پر طلاق واقع ہوی - امام سیوطی رہ نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی پر طلاق نہیں ہوی - کیونکہ ایک شخص وقت واحد میں کئی مقامات میں کرامت سے رہ سکتا ہے - اس کے بعد اُسی میں لکھا ہے کہ تاج الدین سبکی رح نے طبقات کبریٰ میں ابو العباس رح کے حال میں لکھا ہے کہ وہ صاحب کرامات تھے - ان کے شاگرد عبد الغفار رح نے مصنف کتاب وحید التوحید میں لکھتے ہیں کہ جمعہ کے روز ہم شیخ کی خدمت میں حدیث پڑھ رہے تھے - اور ان کی باتوں پر ہمیں لذت حاصل ہوتی تھی - ایک لڑکا وضو کرنے لگا - شیخ نے کہا - اے مبارک - کہاں جاؤ گے - کہا مسجد کو - فرمایا - قسم ہے میں نے نماز پڑھ لی - لڑکا جب مسجد کو گیا تو لوگ نماز پڑھ کے مسجد سے نکل رہے تھے - عبد الغفار کہتے ہیں کہ میں نے بھی نکل کر لوگوں سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ شیخ ابو العباس مسجد میں ہیں - اور لوگ اُن پر سلام کر رہے ہیں - یہ سن کر میں نے شیخ کے پاس آکر حال دریافت کیا - فرمایا کہ مجھے قوت تبدل صورت دی گئی اور لکھا ہے کہ صفی الدین بن ابی المنصور نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ شیخ مفرج کا عجیب واقعہ یہاں گزرا کہ

ایک شخص

ایک شخص نے حج سے آکر اپنے احباب میں ذکر کیا کہ شیخ مفرج کو میں نے عرفات میں دیکھا۔ دوسرے نے کہا وہ تو دمامین سے کہیں نہیں گئے دونوں میں گفتگو یہاں تک بڑھی کہ ایک نے قسم کھائی اور کہا اگر میں جھوٹ کہہ رہا ہوں تو میری عورت پر طلاق۔ دونوں نے شیخ کے پاس جاکر کہا کہ ہم دونوں نے اس معاملہ میں طلاق کی قسم کھائی ہے۔ فرمایا کسی کی عورت پر طلاق نہیں پڑی۔ میں نے پوچھا کہ جب ایک شخص سچا ہے تو دوسرے کی عورت پر ضرور طلاق پڑھنی چاہیے۔ اُس وقت مجلس میں بہت سے علما حاضر تھے۔ شیخ نے فرمایا کہ اس مسئلہ میں تم لوگ گفتگو کرو۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے بیان کی۔ مگر تشفی نہ ہوئی۔ آخر میں مجھ سے فرمایا کہ تم وضاحت سے بیان کرو۔ میں نے کہا جب کسی کی ولایت متحقق ہو جاتی ہے تو وہ ہر صورت کے ساتھ متشکل ہو سکتا ہے۔ اور اپنی روحانیت کی وجہ سے متعدد جہات میں وقت واحد میں جاسکتا ہے۔ اور یہ سب کام اس کے ارادہ سے ظہور میں آتے ہیں۔ اس وجہ سے جو صورت کہ عرفات میں دیکھی گئی حق تھی۔ اور جو صورت کہ دمامین میں دیکھی گئی وہ بھی حق تھی۔ شیخ نے فرمایا یہی بات صحیح ہے اور امام یافعی رح کا قول نقل کیا ہے کہ اس قسم کی بات بعید نہیں ہے۔ فقہا نے تصریح کی ہے کہ کعبہ معظمہ کو لوگوں نے دیکھا ہے کہ بعض اولیا اللہ کے طواف کے لئے گیا۔ حالانکہ اُس وقت وہ مقام سے منتقل نہیں ہوا تھا

اور لکھا ہے کہ شیخ خلیل مالکی جو امام سمجھتے جاتے تھے اور جلالت شان ان کی مسلم ہے اُنہوں نے لکھا ہے کہ ایک جماعت سے منقول ہے کہ یہ دیکھا گیا ہے کہ کعبۃ اللہ نے بعض اولیاء اللہ کا طواف کیا ہے۔

اور لکھا ہے کہ بعض بزرگوں سے ہمیں یہ روایت پہنچی ہے کہ لوگ جو ہوا پر اڑنے کو بڑی بات سمجھتے ہیں وہ کوئی بڑی بات نہیں۔ البتہ بڑی بات یہ ہے کہ ایک شخص مشرق میں ہو اور دوسرا شخص مغرب میں۔ اور دونوں کو باہمی ملاقات کی خواہش ہو۔ اور دونوں ایک جگہ جمع ہوں اور ملاقات کر کے واپس آ جائیں۔ اور لوگ ان کو اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھیں۔ یعنی اپنے مقاموں میں بھی موجود رہیں اور دوسری جگہ بھی جائیں۔

اور لکھا ہے کہ امام یافعی رح نے روض الریاحین میں ذکر کیا کہ ایک شخص حج سے فارغ ہو کر جب گھر آیا تو باتوں باتوں میں اپنے بھائی سے کہا کہ اس سال سہل ابن عبداللہ بھی حج میں شریک تھے۔ اور عرفات کے موقف میں میں نے اُنہیں دیکھا۔ اُس نے کہا وہ تو یوم الترویہ یعنی ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ اپنی رباط میں تھے جو تستر کے دروازہ پر ہے۔ اُس نے کہا میں نے ان کو عرفات میں ضرور دیکھا ہے۔ اگر یہ خلاف ہے تو میری عورت پر طلاق دونوں شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ شیخ نے

تصدیق کر کے کہا ان امور کی دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور قسم کھانے والے سے فرمایا کہ تمہاری عورت پر طلاق نہیں ہوئی۔ اور کسی سے یہ حال بیان نہ کرنا۔ اور لکھا ہے شیخ خلیل مالکی رح نے بھی اپنی کتاب میں کہ شیخ عبد اللہ متوفی کا بھی ایک ایسا ہی واقعہ ہے اور کہتا ہے کہ شیخ ابو العباس موسیٰ رح کے حال میں لکھتے ہیں کہ کسی شخص نے آپ کو جمعہ کے روز بعد نماز جمعہ اپنے گھر بلایا آپ نے قبول کیا اُس کے بعد یکے بعد دیگرے پانچ شخصوں نے جمعہ کے بعد اپنے گھر آنے کو کہا آپ نے سب کو اچھا کہا۔ جب جمعہ کی نماز سے فارغ ہوئے تو اپنے مکان میں تشریف لا کر فقرا کے ساتھ حسب عادت تشریف رکھے۔ اور کہیں نہ گئے۔ اُس کے بعد پانچوں نے آکر تشریف فرمائی کا شکریہ ادا کیا۔ اور لکھا ہے کہ شیخ تاج الدین بن عطا ءاللہ کے شاگردوں سے ایک شخص حج کو گیا جب واپس آیا تو شیخ کا حال دریافت کیا لوگوں نے کہا خیریت سے ہیں۔ پھر کہا وہ بھی اس سال حج میں شریک تھے۔ چنانچہ میں نے شیخ کو "مطاف" اور "مسعیٰ" و "عرفات" وغیرہ مقامات میں دیکھا۔ لوگوں نے کہا وہ تو یہاں سے کہیں نہیں گئے۔ وہ شخص شیخ کی ملاقات کو گیا۔ شیخ نے اثنائے کلام میں پوچھا کہ سفر میں کن کن بزرگوں کو تم نے دیکھا۔ کہا حضرت میں نے تو آپ کو بھی دیکھا ہے۔ شیخ نے تبسم فرمایا۔

اور لکھا ہے کہ شیخ عبد القادر جیلانی رح سے قضیب البان موصلی رح

کا حال دریافت کیا گیا۔ فرمایا وہ ولی مقرب و صاحب حال و قدم صدق ہیں۔ کسی نے کہا۔ ہم نے تو کبھی نہیں دیکھا کہ اُنھوں نے نماز پڑھی ہو۔ فرمایا وہ وہاں نماز پڑھتے ہیں تم اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ میں انہیں دیکھتا ہوں۔ کہ موصل میں یا اور کسی شہر میں نماز پڑھتے ہیں تو وہ باب کعبہ پر سجدہ کرتے ہیں۔

ابوالحسن قرشی کہتے ہیں کہ میں ایک بار قضیب البان رح کی ملاقات کو گیا۔ دیکھا اُن کا جسم اس قدر بڑا ہے کہ تمام گھر ان سے بھر گیا۔ میں یہ دیکھکر ڈر گیا پھر جب دوبارہ گیا تو اپنی اصلی حالت پر ہیں۔

اور لکھا ہے کہ شیخ برہان الدین رح انباسی نے اپنی کتاب تلخیص الکواکب المنیر میں لکھا ہے کہ جب شیخ ابوالعباس رح مکہ معظمہ کو گئے تو حرم شریف میں شیخ ابوالحجاج اقصری سے ملاقات ہوی۔ اور اولیاء اللہ کا ذکر خیر دیر تک ہوتا رہا۔ ابوالحجاج رح نے کہا کیا طواف کعبہ کی خواہش ہے۔ ابوالعباس رح نے کہا کہ خدائے تعالےٰ کے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ اُس کا گھر ان کا طواف کرتا ہے۔ ابوالحجاج نے جو نظر اُٹھا کر دیکھا تو فی الواقع بیت اللہ اُن دونوں کی طرف طواف کر رہا ہے۔

انباسی رح نے لکھا ہے کہ یہ کوئی انکار کے قابل بات نہیں۔ اس کی نظیریں اخبار صالحین میں بہت سی ملتی ہیں۔

اور لکھا ہے کہ ابن قیم رح کتاب الروح میں لکھتے ہیں کہ روح کی وہ شان ہے کہ بدن کو حاصل نہیں۔ چنانچہ رفیق اعلیٰ میں رہتی ہے۔ اور اسی حال میں بدن کے ساتھ بھی اُس کو اتصال ہوتا ہے۔ اس طور پر کہ جب اس پر سلام کیا جائے تو جواب سلام دیتی ہے۔

جب یہ بات مسلم ہوی کہ کرامت سے ایک شخص متعدد مقامات میں رہ سکتا ہے تو اس سے ایک بہت بڑا فائدہ حاصل ہوا۔ وہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ ایک ایک جنتی کو اتنے باغ دئے جائینگے جو زمین و آسمان کے برابر ہوں۔ مطلب یہ کہ تمام روئے زمین کی سلطنت کے مقابل ہر شخص کو وہاں سلطنت دی جائے گی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ آدھی بلکہ پاؤ زمین بھی سرسبز نہیں ہے اور اس میں باغ تو شاید لاکھوں حصہ بھی نہ ہوں گے۔ بخلاف جنت کے کہ اُس کی شان میں حق تعالےٰ نے فرمایا ہے

وجنات الفافا یعنی کثرت اشجار والی جنتیں پھر صرف باغات ہی نہیں بلکہ عیش و عشرت کے جملہ سامان موقع موقع پر مہیا اور موتیوں وغیرہ کے محل اور ان میں حور و غلمان وغیرہ موجود ہوں گے۔ غرض کہ ایک شخص کے واسطے ایک اتنا بڑا ملک جس کی شان میں حق تعالےٰ وملکا کبیرا فرماتا ہے۔ معین فرمایا گیا ہے۔ اگر تھوڑی تھوڑی دیر ایک ایک خطہ اور مکان میں سیر و تفریح ہو تو تمام ملک کی گشت کرنے کے لئے ایک

مدت دراز درکار ہے۔ پھر جس چیز کو دیکھئے دلچسپ و دل فریب۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ جب کوئی مقام یا کوئی چیز پسند آجاتی ہے تو اُس کے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ ع

نگاہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

اس لحاظ سے تو ہر مقام اور ہر چیز اپنے ہی پاس اقامت کرنے پر مجبور کریگی۔ اور تمام سلطنت کے اشیاء کا وجود اس شخص کے حق میں بیکار ہوگا۔ حالانکہ وہاں کے کل اشیاء خاص اُسی کے انتفاع کے واسطے ہیں۔ مگر جب ہمیں معلوم ہوا کہ کرامت سے ایک آدمی اس عالم میں متعدد مقامات میں وقت واحد رہ سکتا ہے تو جنت تو خاص دار الکرامت ہے وہاں جس قدر کرامات اور اقتدارات مسلمانوں کو دئے جائیں گے ان کا شمار نہیں۔ اس صورت میں یہ بات بہت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ہر مقام میں جنتی اپنی ذات سے رہ سکیگا اور کوئی چیز اس کے حق میں بیکار ثابت نہ ہوگی۔

یہاں ایک اور مسئلہ حل ہوگیا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ پل صراط بعض کے واسطے بال سے باریک ہوگی اور بعض کے حق میں کشادہ میدان کیونکہ یہ ثابت ہوگیا کہ ایک معین چیز وقت واحد میں کئی مقامات میں ہوسکتی ہے۔ پھر کیا تعجب کہ ایک مقام میں نہایت باریک ہو اور دوسرے

مقام میں نہایت وسیع اور دونوں بوحدت شخصی ایک ہوں۔ جب "جن" کا وجود مشاہدہ سے ثابت ہوگیا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اُن کے احوال نرالے ہیں انسانوں پر اُن کا قیاس نہیں ہوسکتا تو اب اُن مشاہدات سے انکار کی کوئی ضرورت نہ رہی جو متواتر ثابت ہیں کہ وہ کبھی نظر آتے ہیں اور اُن کا مختلف صورتیں بدلنا محسوس ہوتا ہے مثلاً کُتّے یا بلّی کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔ پھر ساتھ ہی مہیب قد آور آدمی بن گئے۔ جب کوئی اپنے چشم دید واقعات اس قسم کے بیان کرتا تو کہا جاتا تھا یہ سب خیالی اور وہمی صورتیں ہیں جن کو خارج میں کوئی اصل نہیں۔ حالانکہ ان امور کی اصلیت اب ثابت ہو چکی ہے۔ اب بھی شاید بعض لوگوں کے سمجھ میں یہ نہ آئیگا کہ اگر وہ ایسے اجسام ہیں جو دکھ نہیں سکتے تو پھر اُن کا دِکھنا کیسا؟ اور اشکال کے بدلنے میں بڑے بڑے اِشکال پیدا ہوتے ہیں۔ مگر غور کیا جائے تو اس کا سمجھنا کوئی مشکل بات نہیں۔ حق تعالے نے جس چیز کو پیدا کیا اس کے اوصاف واحوال خاص خاص قسم کے معین کئے جو ہمیشہ ایک طور پر دیکھے جاتے ہیں اس وجہ سے جب اُس چیز کا خیال آئیگا تو وہی احوال و اوصاف پیش نظر ہو جائینگے۔

دیکھئے اگر کوئی مسلمان ہمیشہ داڑھی منڈواتا ہو تو جب اُس کا خیال آئیگا تو اُس کے چہرہ کے ساتھ ڈاڑھی کبھی خیال میں نہ آئے گی اور اگر بتکلف

اُس کا خیال کیا جائے تو وہ ایسا ہوگا جیسے کسی عورت کے چہرہ کے ساتھ داڑھی کا خیال کیا جائے۔ اگرچہ دونوں کی ڈاڑھیوں میں فرق ہے عورت کی فطرت میں داڑھی نہیں رکھی گئی اور مرد کی فطرت میں داڑھی ہے مگر بتکلف خواہ اس خیال سے کہ عورتوں کے ساتھ مشابہت ہو یا اور کسی وجہ سے وہ نکال دی گئی مگر دونوں تصور کے وقت اس بات میں برابر ہیں یعنی جس طرح عورت کے تصور کے وقت داڑھی خیال میں نہیں آتی۔ اسی طرح اُس مرد ریش تراش کے تصور کے وقت بھی ڈاڑھی خیال میں نہ آئیگی۔ کیونکہ عادت کی وجہ سے خیال اُس کی ڈاڑھی کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتا۔ ہرچند اُس کے چہرہ میں اس امر کی صلاحیت ہے کہ ڈاڑھی نکل آئے۔ مگر اُس کی تصوری صورت میں صلاحیت داڑھی کی نہیں ہے۔ باوجود اس کے اگر اُس پر یہ خیال غالب ہوجائے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ڈاڑھی رکھتے تھے اور اُس کے منڈوانے سے منع فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ جو شخص کسی قوم کی مشابہت پیدا کرے وہ اُسی قوم میں ہوگا جس کے ساتھ اُس نے مشابہت پیدا کی بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے افعال پر مطلع ہوتے ہیں اور حسب اعتقاد اہل سنت ہیں دیکھتے بھی ہیں جب حضرت ہماری صورتوں کو مخالفین اسلام کی طرح بے داڑھی دیکھتے ہوں گے تو کس قدر رنج ہوتا ہوگا کہ اپنی امت کے لوگ مخالفین میں شمار کئے جائیں اور قیامت میں حضرت کو کیا منھ

بتائیں گے۔ غرضکہ اس قسم کے خیالات سے اگر وہ شخص ڈاڑھی رکھ لے تو لوگوں کو تعجب ضرور ہوگا۔ اور کوئی رودار شخص ہو تو اُس کے احباب متحیر ہوکر دیکھنے آئیں گے۔ اُن میں دیندار لوگ مبارکباد دیں گے۔ اور جن کو دین سے چنداں تعلق نہیں وہ نفرین کرینگے۔ فرشتے جو مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں خوش ہوں گے اور شیاطین ناخوش اور غمگین غرض کہ ترک عادت کی وجہ سے حیرت ضرور ہوگی۔ مگر یہ نہ سمجھا جائیگا کہ اُس شخص کی ڈاڑھی غیر ممکن تھی وہ تو مرد ہے بعض عورتوں کو بھی ڈاڑھی نکلتی ہے۔ چنانچہ خود میں نے ایک ڈاڑھی والی عورت دیکھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ کوئی مقدر شخص کسی بات کی عادت کرلے تو یہ لازم نہیں کہ اُس عادت کو ترک کرنے پر وہ قادر نہ ہو۔ جس طرح شخص ریش تراش ترک عادت پر قادر ہے اسیطرح خدائے تعالےٰ نے جن جن اشیاء میں ایک ایک عادت خاص طور پر رکھی ہے اوس عادت کی ترک پر قادر ہے۔ اسی کو خرق عادت کہتے ہیں لوگوں نے خرق عادات کو ایک بڑی بات بنا رکھی ہے۔ مگر دراصل خدائے تعالےٰ کے نزدیک عادت اور خرق عادت دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ جب یہ امر مسلم ہے کہ خدائے تعالےٰ نے پانی میں سردی اور آگ میں گرمی اپنے ارادے اور اختیار سے پیدا کی ہے تو اگر پانی میں گرمی اور آگ میں سردی پیدا کرے تو کونسی بڑی بات ہے۔ نفس تخلیق دونوں کی

برابر ہے یہ ہرگز ثابت نہ ہوسکیگا کہ پانیکی صورت نوعیہ کو سردی کے ساتھ کوئی خصوصیت ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ گرم کبھی نہ ہوتا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس میں گرمی اسقدر پیدا ہوسکتی ہے کہ آگ کی طرح وہ بھی جلا دیتا ہے غرض کہ پانیکی سردی اور آگ کی گرمی صرف عادت کی وجہ سے خیال میں آتی ہے۔ اس کو صورت نوعیہ سے کوئی ذاتی تعلق نہیں۔

اس تقریر سے کے بعد میری دانست میں یہ سمجھنا بہت آسان ہوجائیگا کہ جن کی تخلیق خاص طور پر جداگانہ ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کہ آدمی کے پورے لوازم و اوصاف اُن میں ہوں۔ اور آدمی پر انکا قیاس کرکے اُن کے خصوصیات سے انکار کردیا جائے۔ آکام المرجان میں لکھا ہے کہ حارث محاسبی رح کا قول ہے کہ مسلمان جن وانس جب جنت میں داخل ہونگے تو آدمی جنوں کو دیکھیں گے اور جن آدمیوں کو نہ دیکھ سکیں گے۔ دیکھیے اس مقام کے لوازم و آثار ہی جدا ہوگئے کہ انسان کی بصارت میں ایسی صلاحیت دی جائے گی کہ جنوں کو دیکھ سکیں گے۔ کیوں نہ ہو جب خدائے تعالیٰ کو دیکھنے کی صلاحیت اُن کے آنکھوں میں دی جائے گی تو جن کا دیکھنا کونسی بڑی بات ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے **وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ** جس سے صاف ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی رؤیت جنت میں ہوگی۔ اور احادیث میں تصریح اس امر کی ہے کہ

درازیٔ عمر جن

وہاں حق تعالیٰ کو اس طرح دیکھیں گے جیسے کوئی چودہویں رات کے چاند کو دیکھتا ہے۔ آکام المرجان میں ابن عبد السلام کا قول نقل کیا ہے کہ رویت الٰہی فقط مسلمان اور مومنوں کو ہوگی۔ اُن کے سوا نہ جن کو ہوگی نہ ملائکہ کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عز افت خاص انسان ہی کے واسطے ہے کیونکہ وہ خلیفۃ اللہ ہے جن کو دنیا میں بہت سی باتوں میں انسان پر فوقیت تھی اس کا معاوضہ آخرت میں اسی وجہ سے دیا گیا کہ اُن تمام فضیلتوں سے جو وہاں دی جائینگی ابد الآباد متصف رہے۔

جنوں کی عمریں بہت دراز ہوتی ہیں۔ چنانچہ آکام المرجان میں لکھا ہو کہ عمر بن عبد العزیز کسی جنگل میں جارہے تھے کہ ایک سانپ پر ان کی نظر پڑی جو مر گیا تھا۔ اُس کو کفن پہنا کر دفن کردیا۔ غیب سے آواز آئی کہ اے سرق میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود میں نے سنا ہے کہ تمہیں فرماتے تھے کہ تم ایک جنگل میں مروگے۔ اور ایک مرد صالح جو اس زمانہ میں بہترین اہل ارض سے ہوگا تمہیں کفن پہنا کر دفن کریگا۔ عمر ابن عبد العزیز نے اُس کہنے والے سے پوچھا کہ خدا تم پر رحم کرے۔ تم کون ہو۔ کہا۔ میں ایک جن ہوں۔ اُن جنوں سے جنہوں نے قرآن شریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا۔ اُن لوگوں سے سوائے میرے اور سرق کے اب کوئی باقی نہیں۔ اور سرق یہی ہے جس کو

آپ نے کفن پہنا کر دفن کر دیا انتہے۔

دائرۃ المعارف میں معلم بطرس بستانی نے لکھا ہے کہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ جب حضرت مکۂ معظمہ کے پہاڑوں سے خارج ہو گئے تو ایک بوڑھے کو دیکھا لکڑی ٹیکتا ہوا آرہا ہے۔ حضرت نے اُس سے فرمایا کہ یہ چال اور آواز جن کی ہے۔ اُس نے کہا درست ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جن کے کس قبیلہ سے ہو۔ کہا۔ ھامہ ابن الہیم بن لاقیس بن ابلیس۔ فرمایا اس سے تو معلوم ہوا کہ تجھ میں اور اُس میں دو ہی پشت ہیں۔ کہا۔ جی ہاں۔ فرمایا کتنی مدت تجھ پر گذری۔ کہا۔ تقریباً ساری دنیا کو کھا گیا۔ جس زمانے میں قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تھا اُس وقت میں ٹیلوں پر چڑھ کر دیکھتا اور لوگوں کو ورغلاتا تھا۔ فرمایا۔ یہ بُرا کام ہے۔ کہا۔ یا رسول عتاب نہ فرمائے۔ میں اُن لوگوں سے ہوں جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے میں نے اُن کے ہاتھ پر توبہ کی اور ہود علیہ السلام سے ملا اور ان پر ایمان لایا۔ اور ابراہیم علیہ السلام سے ملا۔ اور آگ میں اُن کے ساتھ تھا۔ اور جب یوسف علیہ السلام کنویں میں ڈالے گئے میں اُن کے ہمراہ تھا اور شعیب اور موسے علیہما السلام سے ملاقات کی۔ اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی ملاقات سے مشرف ہوا اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے

ملاقات ہو تو میرا سلام ان کو پہنچانا۔

چنانچہ یہ پیام میں نے آپ کو پہنچا دیا۔ اور آپ پر ایمان لایا۔ حضرت نے فرمایا۔ اب تم کیا چاہتے ہو۔ کہا موسے علیہ السلام نے توریۃ کی اور عیسی علیہ السلام نے انجیل کی مجھے تعلیم کی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ آپ قرآن کی تعلیم فرمائیں چنانچہ حضرت نے قرآن کی اونکو تعلیم کی انتہی۔ آکام المرجان میں ابن عقیل کی کتاب الفنون سے نقل کیا ہے کہ ہمارے بغداد کے محلہ ظفریہ میں ایک گھر تھا جس میں کوئی رہ نہیں سکتا تھا۔ بہت سے لوگ رات کو رہے۔ اور صبح کو مردہ پائے گئے۔ ایک شخص نے وہ مکان کرایہ پر لیا ہرچند لوگوں نے منع کیا مگر نہ مانا۔ اور اس میں اتر پڑا۔ لوگ صبح ہی اسکی حالت دریافت کرنے گئے تو وہ صحیح سالم تھا۔ اور ایک مدت تک اس میں رہا لوگون نے کیفیت دریافت کی تو کہا کہ میں نے جب عشا کی نماز اس میں پڑہی اور تھوڑا سا قرآن پڑہا تو ایک جوان کنوییں میں سے نکلا اور مجھے سلام کیا۔ میں سخت پریشان ہوا۔ اس نے کہا کہ ڈرو مت میں چاہتا ہوں کہ تم سے قرآن پڑھوں۔ چنانچہ میں نے پڑہانا شروع کیا ایک روز اس سے پوچھا کہ اس گھر کے واقعات جو لوگ بیان کرتے ہیں اس کی حقیقت کیا ہے کہا کہ ہم لوگ مسلمان جن ہیں نماز قرآن پڑھتے ہیں اس گھر کو اکثر فساق کرایہ سے لیکر اس میں شراب خواری کیا کرتے تھے

اس وجہ سے ہم اُن کو مار ڈالتے تھے۔ میں نے کہا کہ مجھے رات کو آپ سے خوف ہوتا ہے۔ بہتر ہو گا کہ دن کو تشریف لایا کریں۔ کہا۔ اچھا۔ اور ہر روز دن کو کنوئیں سے نکل کر میرے پاس آتا۔ ایک روز وہ پڑھ رہا تھا کہ راستہ میں کسی نے کہا کہ کیا کسی کو بد نظری اور جن کا علاج کرانا ہے؟ مجھ سے اُس نے پوچھا یہ کیا ہے۔ میں نے کہا یہ عامل ہے۔ جن کو اُتارتا ہے کہا۔ اُس کو بلا لو جب میں نے اُس کو بلایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ غائب ہے اور ایک بڑا سانپ چھت پر جا رہا ہے وہ عامل کچھ پڑھنا شروع کیا۔ جس سے وہ سانپ لٹکنے لگا۔ تھوڑی دیر میں وہ اُس رومال میں گرا جسے وہ پہلے سے بچھا رکھا تھا۔ وہ اُٹھا اور اُسے زنبیل میں داخل کرنا چاہا۔ میں نے منع کیا۔ اُس نے کہا کیا مجھے اپنے شکار کو لے جانے سے روکتے ہو۔ میں نے ایک دینار دیکر اُسے رخصت کیا۔ سانپ حرکت کر کے اپنی شکل سابقہ پر ہو گیا مگر اسکی حالت نہایت متغیر تھی۔ میں نے کہا تمہاری کیا حالت ہے۔ کہا اُس شخص نے چند اسماء پڑھکر مجھے مار ڈالا۔ مجھے امید نہیں کہ میں جانبر ہو سکوں۔ تم اس کنوئیں کے طرف کان لگائے رکھو۔ اگر اس سے چیخ کی آواز آئے تو یہاں سے فوراً بھاگ جانا۔ چنانچہ رات کو میں نے آواز سنی اور فوراً بھاگ گیا۔ ابن عقیل نے لکھا ہے کہ اُس کے بعد اُس مکان میں پھر کوئی نہ رہا انتہیٰ

اس سے

اس سے ظاہر ہے کہ اسما اُن میں ایسی تاثیر کرتے ہیں جیسے زہر انسان میں۔ اور آکام المرجان میں یہ روایت نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایماندار اپنے شیطان کو ایسا دُبلا کرتا ہے جیسے کوئی سفر میں اونٹ کو۔

قیس بن حجاج کہتے ہیں کہ میرے شیطان نے ایک روز میرے سے کہا کہ جب میں تم میں داخل ہوا تھا تو اونٹ کے جیسا تھا۔ اور آج میری یہ حالت ہے کہ چڑیا کے مثل ہو گیا ہوں۔ میں نے کہا یہ کیوں۔ کہا۔ کہ تم قرآن پڑھکر مجھے گلاتے رہتے ہو۔ انتہٰی۔

یہ اُن شیاطین کا حال ہے جو ہر انسان کے ساتھ ہوتے ہیں جسکو قرین کہتے ہیں۔ متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ ہر انسان کا ایک قرین جن سے ہوتا ہے جو کافر ہوتا ہے۔ صحابہ نے پوچھا کیا وہ آپ کے بھی ساتھ ہے۔ فرمایا ہاں مگر میرا قرین مسلمان ہو گیا ہے۔

اور ایک روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدم علیہ السلام پر مجھے دو باتوں میں فضیلت ہے۔ ایک یہ کہ میرا شیطان کافر تھا۔ حق تعالےٰ نے میری مدد کی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا اور میری بیویاں میری مدد کرتی ہیں۔ بخلاف آدم علیہ السلام کے کہ اُن کا شیطان کافر تھا اور اُن کی بیوی نے خطا پر اُن کی مدد کر کے

اُنہیں ضرر پہنچایا۔

الحاصل جن خواہ قرین ہو یا نہ ہو اُس کے جسم میں اسما کی تاثیر ہوتی ہے بخلاف دوسرے انواع واجناس کے آکام المرجان میں روایت ہے کہ زبیر ابن العوام کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے ہمراہ لے کر جنگل کی طرف چلے جب بہت دور نکل گئے تو ایک میدان نظر آیا جس میں بہت اونچے اونچے لوگ تھے جن کا قد بھالے بھالے برابر تھا۔ جب میں نے اُن کو دیکھا تو مارے خوف کے لرزنے لگا یہاں تک کہ میرے پاؤں میرے جسم کو تھام نہیں سکتے تھے۔ حضرت نے اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے ایک لکیر کھینچکر مجھے فرمایا کہ اس کے اندر بیٹھ جاؤ۔ جب میں اُس میں بیٹھ گیا تو وہ خوف میرے دل سے جاتا رہا۔ پھر حضرت اُن کو تعلیم وتلقین فرماکر تشریف لائے۔

اس قسم کے واقعات متعدد ہوئے ہیں۔ سب میں یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن صحابیوں کو ہمراہ لے جاتے ان کو لکیر کے حصار میں بٹھاتے۔

یہ لکیر دیکھنے کو لکیر تھی۔ مگر در اصل ایک مضبوط قلعہ تھا کہ تمام روئے زمین کے جن اُس کو توڑنا چاہتے تو نہ توڑ سکتے۔ حالانکہ جنوں کی قوت مشہور ہے چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام

سے ایک جن نے کہا کہ اگر آپ فرماتے ہیں تو تخت بلقیس کو میں ابھی اُٹھا لاتا ہوں۔ حالانکہ وہ بہت بڑا اور بہت دور تھا۔ اتنی قوت پر اُس لکیر کو وہ توڑ نہ سکے۔ اکام المرجان میں ہے کہ ابن مسعود رضؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ساتھ لے گئے۔ وہ کہتے ہیں جب حضرت مجھے لکیر کے اندر بٹھا کر تشریف لے گئے تو میں نے دیکھا کہ دور سے ایک سیاہ غبار اُٹھا جس سے مجھے خوف ہوا کہ قبیلۂ ہوازن نے مکر کر کے قتل کے ارادہ سے حضرت کو یہاں بلایا ہے۔ اور اب وہ آن پہنچے۔ اس خیال میں نکلنا چاہا تھا۔ کہ حضرت کا ارشاد یاد آ گیا۔ جو تاکید سے فرمایا تھا کہ اس مقام سے علحدہ نہ ہونا میں وہیں بیٹھا رہا۔ جب حضرت تشریف لائے اور میں اپنا قصہ بیان کیا تو فرمایا کہ اگر تم اس لکیر سے نکلتے تو تمہیں کوئی جن اُڑا لیجاتا۔ انتہی۔

اس سے ظاہر ہے کہ اُس لکیر کے اندر جانا اُن کی قدرت سے باہر تھا۔ اسی وجہ سے عامل لوگ کچھ پڑھکر حصار کر دیتے ہیں۔ خواہ بذریعۂ خط یا بذریعۂ اشارہ۔ اور ہر چند جن عاملوں کے دشمن ہوتے ہیں مگر جب تک عامل حصار میں ہوتا ہے وہ کچھ نہیں کر سکتے۔

شیخ اکبر قدس سرہ نے فتوحات کے باب مقام معرفت محبت میں لکھا ہے کہ اشبیلیہ میں ایک عارفہ تھیں۔ جن کا نام فاطمہ بنت تنی تھا۔ اُن کی حالت بیان کر کے لکھا ہے کہ ایک روز انہوں نے کہا کہ

میرے حبیب نے مجھے سورۂ فاتحہ دی ہے جو میری خدمت کرتی ہے اُس نے مجھے خدا کی جانب سے دوسری طرف مشغول نہ کیا میں اس تقریر سے انکا مقام سمجھ گیا ایک روز ہم بیٹھے تھے کہ ایک عورت آئی اور مجھ سے کہا۔ اے بھائی میرا شوہر شہر شنذونہ میں ہے میں نے سنا کہ اس نے وہاں نکاح کرلیا ہے۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔ میں نے کہا کیا تم چاہتی ہو کہ وہ تم سے ملے۔ کہا۔ ہاں۔ میں نے اس بیوی سے کہا کہ اے اماں یہ عورت جو کہہ رہی ہے کیا تم نے نہیں سنا۔ کہا۔ اے لڑکے۔ تم کیا چاہتے ہو میں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسی وقت اس کی حاجت روائی ہو اور اُس کا شوہر اُس کے پاس آجائے۔ کہا بہت اچھا۔ میں اس کی طرف فاتحۂ کتاب کو بھیجکر کہتی ہوں کہ اس کے شوہر کو ابھی لے آئے۔ اور سورۂ فاتحہ پڑھنا شروع کیا۔ اور میں بھی اُن کے ساتھ پڑھنے لگا۔ اُن کے پڑھنے میں ایک صورت ہوائیہ متجسد ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ جب وہ سورۃ ختم ہوئی تو ایک صورت ہوائی مکمل ہوگئی۔ اور اُس سے کہا کہ اے فاتحہ الکتاب شہر شنذونہ کو جاکر اس کے شوہر کو لے آ۔ ہرگز اس کو نہ چھوڑنا اس کے بعد صرف اتنا وقت گزرا کہ آدمی وہاں سے آجائے۔ اُس کا شوہر آکر اپنے اہل سے ملا۔

ای س

غوث الثقلین رح کی سلطنت

دائرۃ المعارف میں معلم بطرس بستانی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص حضرت عبد القادر جیلانی رضہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ میری ایک لڑکی گھر کے چھت پر چڑھی تھی۔ وہاں سے وہ غائب ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ آج رات کو تم محلہ کرخ کے ویرانہ میں جاؤ۔ اور پانچویں ٹیلہ کے پاس بیٹھو۔ اور زمین پر یہ کہتے ہوئے ایک دائرہ اپنے اطراف کھینچ لو کہ بسم اللہ علی نیت عبد القادر جب اندھیرا ہو جائے گا تو جن کی ٹکڑیاں مختلف صورتوں میں تم پر گذرینگی اُن کی ہیبت ناک صورتوں کو دیکھکر ڈرنا نہیں صبح کے قریب ان کا بادشاہ ایک بڑے لشکر میں آئے گا۔ اور تم سے پوچھے گا کہ تمہاری کیا حاجت ہے تو کہدینا کہ مجھے عبد القادر رح نے بھیجا ہے۔ اور اُس وقت لڑکی کا واقعہ بھی بیان کر دو۔ اُس شخص نے اُس مقام پر جا کر تعمیل حکم کی اور کل واقعات وقوع میں آئے۔ جب بادشاہ نے اُس سے پوچھا۔ اس نے کہا کہ مجھے شیخ عبد القادر جیلانی رضہ نے بھیجا ہے۔ یہ سنتے ہی وہ گھوڑی سے اتر پڑا۔ اور زمین بوسی کر کے دائرہ کے باہر بیٹھ گیا۔ اور اُس کی حاجت دریافت کی۔ جب اُس نے اپنی لڑکی کا واقعہ بیان کیا تو اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ جس نے یہ کام کیا ہے فوراً اُسے پکڑ لاؤ۔ چنانچہ ایک سرکش جن لایا گیا۔ جس کے ساتھ میری لڑکی بھی تھی۔ حکم دیا کہ اُس کی گردن ماردی جائے اور لڑکی کو میرے حوالہ کر کے رخصت ہو گیا۔ انتہیٰ۔

اس سے جنون کے علم کا بھی حال معلوم ہوتا ہے کہ دائرہ تو کرخ میں کھینچا
گیا۔ اور مسافت بعیدہ پر بادشاہ کو خبر ہو گئی۔ کیونکہ رات بھر چلکر قریب
صبح اس دائرہ کے پاس پہونچا جو صرف حضرت شیخ کی نیت پر کھینچا گیا
تھا۔ اور اس سے حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کے تصرف
کا حال بھی معلوم ہو گیا کہ جنون میں آپ کا کیا اثر تھا۔ کہ صرف لکیر جو آپکی
نیت پر کھینچی گئی تھی وہاں بادشاہ بذات خود حاضر ہوا اور زمین بوسی
کی۔ غرض کہ لکیر کی تاثیر خاص طور پر ہوتی ہے۔ اور اسی قسم کے
تاثیرات اور بھی ہیں۔ چنانچہ آکام المرجان میں لکھا ہے کہ جریر بن عبد اللہ
سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب تستر فتح ہوا تو میں نے
کسی موقع میں لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہا کسی ہربذ خادم آتشکدہ
(شغان) نے سنکر کہا کہ جب سے میں نے یہ کلام آسمان پر سنا تھا
اس کے بعد ابتک کسی سے نہیں سنا میں نے کہا یہ کیا بات ہے
کہا میں اکثر کسریٰ و قیصر کے پاس بطور وفد جایا کرتا تھا۔ ایک
بار کسریٰ کے پاس گیا تھا جب واپس گھر آیا تو اپنی بیوی کو دیکھا کہ جو طرح
پہلے آنے پر ہمیشہ وہ خوش ہوتی تھی جیسے کہ عورتوں کی عادت ہے
کہ مرد کے سفر کے آنے سے خوش ہوا کرتی ہیں اس بار خوش
نہیں ہوئی میں نے سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا تم تو سفر کو

لگئے ہی نہیں۔ روز گھر میں آتے جاتے تھے۔ اس کے بعد وہ شخص ظاہر ہوا اور کہا میں تیری صورت میں اس عورت کے پاس آیا کرتا تھا اگر چاہتا ہے تو اب باری مقرر کر دیجائے ایک روز تو اس کے پاس رہے اور ایک روز میں میں نے قبول کیا ایک روز وہ میرے پاس آیا۔ اور کمال اخلاص سے کہا کہ ہم لوگ نوبت بنوبت آسمان کی طرف اس غرض سے جاتے ہیں کہ وہاں کی خبریں چرالائیں۔ آج میری نوبت ہے اگر خواہش ہے تو تو میرے ساتھ چل میں نے کہا اچھا جب رات ہوئی تو وہ میرے پاس آیا اور کہا کہ مجھپر سوار ہو جا میں اس کی پیٹھ پر سوار ہوا دیکھا کہ خنزیر کے سے اُس کی گردن پر بال ہیں اُس نے کہا خبردار اچھی طرح بیٹھنا۔ اقسام کے خوفناک امور نظر آئیں گے اگر مجھ سے جدا ہو گیا تو سمجھ لینا کہ ہلاکت ہے یہ کہکر وہ اوپر کی جانب چلا یہانتک کہ آسمان کے قریب پہنچا اور وہاں میں نے سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے لاحول ولا قوۃ الا باللہ ما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن یہ سنتے ہی جتنے جن وہاں تک پہونچے تھے ان کی عجب حالت ہوئی کوئی کہیں گرا کوئی کھیں غرض وہ کلمات میں نے یاد رکھ لئے۔ جب صبح ہوئی میں اپنے گھر آیا۔ اس کے بعد جب وہ آتا میں وہ کلمات کھتا اور وہ بے قرار ہو کر بھاگ جاتا۔ چنانچہ چند روز

کے بعد اُس نے آنا موقوف کر دیا انتہی۔ یہ تاثیر صرف الفاظ کی ہے غرض کہ جس طرح ہمارے اجسام میں سموم وغیرہ کی تاثیرات ہوتے ہیں جنوں کے اجسام میں لطیف چیزوں کی تاثیرات ہوتے ہیں۔ حضرت غوث الثقلین رض کی سلطنت معنوی کا جو حال لکھا گیا اسی مناسبت سے ایک واقعہ لکھا جاتا ہے جو خالی از دلچسپی نہیں وہ یہ ہے۔

میرے ایک دوست ہیں جن کو میں چالیس سال سے جانتا ہوں کہ نہایت متقی محتاط اور با خدا شخص ہیں۔ جن کے تقدس پر صدہا شخص گواہی دیتے ہیں اور اُن کے فرزند جن کی نشو ونما صلاح و تقویٰ میں ہوی۔ ان دونوں سے خود میں نے سنا ہے اور میں یقیناً کہتا ہوں کہ اُن کی صدق بیانی میں مجھے ذرا بھی شک نہیں۔ اُن کا نام کسی مصلحت سے میں ظاہر نہیں کر سکتا۔ اُن دونوں صاحبوں کا بیان ہے کہ صاحب مرقوم الصدر نے اپنے چھوٹے لڑکے کی شادی کی۔ اُس کے ساتھ ہی دولہا بیمار رہا۔ چونکہ صاحب موصوف خود بھی عامل ہیں۔ انہوں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ جن مسلط ہو گیا ہے بہت کچھ تعویذ فلیتے کئے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ آخر لوگوں کی نشاندھی پر حضرت میراں داتار قدس سرہ کی خدمت میں مع بیمار حاضر ہوئے جن کا مزار اناوہ شریف اسٹیشن اونجا علاقہ

علاقہ گجرات میں واقع ہے۔ جب وقت مقررہ پر مزار شریف کے قریب بیمار بغرض علاج لایا گیا تو اس پر بیہوشی طاری ہوئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ کہنے لگا کہ تم نے مجھے بلا کر قید کر دیا۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس بیمار کے واسطے بلاتے ہو تو میں کبھی نہ آتا۔ بیمار کی حالت اور دیکھنے کی ہیئت گواہی دیتی تھی کہ وہ صاحب قبر کو دیکھتا ہے۔ اور خاص اُن سے سوال و جواب کر رہا ہے۔ اثنائے گفتگو میں کچھ پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکتا تھا جیسے کوئی عامل مخاطب پر اثر ڈالنے کے لئے پھونکتا ہے۔ بیمار کی تقریر سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ حضرت نے ہماری طرف سے اُسے کچھ فرمایا جس کا وہ جواب دے رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں جو مسلط ہوا ہوں۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں نے اُن سے کئی بار مختلف طریقوں سے کہہ دیا تھا کہ اس لڑکی کو مت کرو۔ مگر انہوں نے نہ مانا۔ آخر میں نے اس کی اطلاع میر محمود صاحب کو دی جن کا مزار حیدر آباد میں پہاڑی پر ہے۔ جس خاندان کی یہ لڑکی ہے وہ لوگ میرا حق ادا کرتے تھے۔ یعنی ترسو کے نام کچھ نکالتے تھے۔ حضرت نے فرمایا یہ لوگ مسلمان ہیں ان سے کوئی توقع مت رکھ یہ تجھے کچھ نہ دیں گے۔ کہا اگر نہ دیں تو لڑکی میرے حوالے کردیں حضرت کی جانب سے کسی قسم کی تہدید ہوی تو اُس نے کہا تم میرا کچھ نہیں کر سکتے۔ جیسے تم ایک عہدہ دار ہو میں بھی عہدہ دار ہوں۔ اور میرا اموں

محکمۂ صفائی کا افسر اور صاحب فوج ولشکر ہے چنانچہ اس کا ماموں آیا اور یہ بات قرار پائی کہ آج مقدمہ ملتوی کر دیا جائے۔ کل ایک کمیٹی ہو۔ جس کے چھے اراکین ہوں۔ جن میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہ میر مجلس۔

اراکین

(۱) حضرت بابا شرف الدین صاحب برہاوی۔

(۲) حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی۔

(۳) حضرت ابو سعید بغدادی۔

(۴) حضرت بابا شرف الدین صاحب بھی شریک ہوں۔ جن کا مزار حیدر آباد میں پہاڑی پر ہے۔ چنانچہ مجلس برخواست ہوی۔ اور بیمار کو ہوش آگیا۔ دوسرے روز وقت پر جب بیمار مزار شریف کے پاس لایا گیا تو تھوڑی دیر میں بیہوش ہوگیا۔ اور اراکین کی آمد شروع ہوی۔ ہر ایک کو وہ مثل ہنود کے۔ اس صفائی سے ڈنڈوت کرتا جیسے مہذب ہنود کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ لڑکا عمر بھر ڈنڈوت نہیں کیا۔ اس کے بعد گفت وگو شروع ہوی۔ اس لب ولہجہ سے وہ گفت وگو کرنے لگا جیسے کوئی اعلیٰ درجہ کا بیرسٹر کرتا ہے۔ اور عبارت ایسی شستہ تھی جیسی ناولوں کی ہوتی ہے جس کے سننے کو جی چاہتا تھا۔ اثنائے گفتگو

میں مُڑکر حکم دیتا تھا کہ فلاں فوج کو آراستہ کرکے لاؤ۔ اور فلاں فوج کو یہ حکم دو۔ منجملہ اور دلائل کے ایک دلیل اُس نے یہ پیش کی کہ میں نے ان کو کئی بار مختلف قرائن سے کبھی خواب میں کبھی دوسرے طریقوں سے منع کیا اور اُنہوں نے نہ مانا تو میں نے میر محمود صاحب کو باضابطہ اُس کی اطلاع دیدی۔ اگر شبہ ہو تو اس کی مثل اُن سے طلب کرلی جائے۔ چنانچہ ایک سوار مثل لانے کو روانہ ہوا۔ اور بیمار خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مثل آئی اور پھر گفتگو شروع ہوی۔ اور ایسے دلائل اس نے قائم کئے کہ جن کا جواب نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کے بعد ہرچند اہل کمیٹی نے اس پر زور دیا کہ آئندہ کوئی کسی قسم تعارض بیمار سے نکرے۔ مگر اُس نے نہ مانا اور کہا کہ میں اس کمیٹی کے حکم سے راضی نہیں۔ شہنشاہ کے پاس اس مقدمہ کی مثل روانہ کردی جائے۔ چنانچہ بغداد شریف کو مثل روانہ کردی گئی۔ اور مجلس برخاست ہوی۔ تیسرے روز جب اجلاس ہوا تو حضرت غوث الثقلین رح کا فرمان صادر ہوا۔ اُس میں یہ حکم تھا کہ تو کیا سمجھتا ہے اگر میں چاہوں تو تجھے جلاکر خاک سیاہ کردوں۔ مگر تو نے جب اُن کو اطلاع کردی تھی تو معاف کیا گیا۔ مگر ہمارے لوگوں کی شان میں تو نے جو بے ادبی کی ہے اُس کی یاداش میں یہ سزا دی جاتی ہے کہ پابزنجیر کرکے اجمیر کے فلاں پہاڑ میں پانچ سال بامشقت محبوس رکھا جائے گا۔ اور روشن علی صاحب داروغہ مجلس

کو حکم دیا گیا کہ دو دفعہ مشقت لی جائے اور طرف ثانی پر ایک ہزار روپیہ جرمانہ کیا گیا۔ اس کے بعد بیڑیاں اور ہتکڑیاں لائی گئیں اور بیمار کے دونوں ہاتھ مل گئے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ہتکڑیاں ڈال دی گئیں اور اس کے بعد بیڑیاں پہنا دی گئیں۔ اور ساتھ ہی بیمار کو ہوش آ گیا اور اس وقت سے ابتک جس کو ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا پر کسی قسم کا اثر نہیں دیکھنے ہتکڑیاں بیڑیاں پہنا ایک قسم کا مشاہدہ ہو گیا اور اس کے آثار بھی مرتب ہوئے کہ بیمار کو صحت ہو گئی۔ اب وہ بیڑیاں وغیرہ معلوم نہیں کہ لوہے کی تھیں یا اور کسی چیز کی مگر اتنا تو ضرور ثابت ہوا کہ وہ ایسی مضبوط تھیں کہ جن اُن کو نہ توڑ سکیں ہر چند یہ واقعہ عقل کے طریقہ سے قابل تصدیق نہیں۔ مگر کئی صاحبوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت میراں داتار رح کی قبر پر ہمیشہ آسیب زدہ آتے ہیں اور صحت پا کر جاتے ہیں۔ روزانہ اس قسم کے صدہا واقعات کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے قطع نظر اس کے میں نے دیکھا کہ آج کل دنیائی فلسفۂ جدیدہ میں ایک ہلچل مچی ہوئی ہے اور لاکھوں فلاسفر ایسے امور کے قائل ہوتے جاتے ہیں جس کو عقل ہرگز قبول نہیں کرتی۔ جیسے ہوشیار آدمی کے جسم میں سے کل اعضاء آدھے آدھے جُدا ہو جانا وغیرہ۔ چنانچہ فاضل فرید وجدی نے لکھا ہے یورپ و امریکہ میں ماہانہ بیس رسالے ان مسائل سے متعلق نکلتے ہیں۔ جو ایسے واقعات عجیبہ وغریبہ سے بھرے

بھرے ہوتے ہیں۔ اس لئے میں نے اس کے بیان پر جرأت کی۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کو اس وقت بھی وہی سلطنت حاصل ہے جو زندگی میں تھی۔ جنوں کو چونکہ بوجہ لطافت روحانیت سے مناسبت ہے اس لئے وہ اس عالم کے حالات کو مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور انسان نہیں کر سکتے۔ مگر حضرت انسان کو بھی ایک ایسی قوت دی گئی ہے کہ اگر اس میں کمال حاصل کریں تو علاوہ اس عالم کے مشاہدہ کے ایسے ایسے کرشمے بتائیں کہ جن بھی حیران ہو جائیں۔ وہ قوت یہی خیال ہے۔ جب وہ پختہ کیا جاتا ہے تو خیال منفصل کا جو عالم ہے اس میں تصرفات کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ اپنی صورت کو خیال منفصل میں قائم کر دیتا ہے۔ قضیب البان رحہ وغیرہ کو یہی بات حاصل تھی۔ اس کا حال حضرت شیخ محی الدین عربی رحہ نے فتوحات مکیہ میں خوب تفصیل سے لکھا ہے اولیاء اللہ اس وجہ سے کہ خدائے تعالیٰ کے وہ محبوب ہیں اُن کو جو قدرت دی جاتی ہے اُس کا تو بیان نہیں ہو سکتا۔ مگر ظاہرا اس عالم میں ان کو تصرف اس غرض سے دیا جاتا ہے کہ اُن کی کرامت ظاہر ہو۔

کرامات اولیاء

بات یہ ہے کہ جب مسلمان شخص خدا و رسول کی مرضی کے مطابق کام کرتا ہے تو وہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک مکرم یعنی صاحب کرامت ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم یعنی

خدائے تعالےٰ کے نزدیک تم میں کا وہی شخص زیادہ کرامت والا ہے جو زیادہ تر متقی ہو۔ جب تقویٰ کی وجہ سے کوئی شخص خدائے تعالیٰ کے نزدیک باکرامت ہو جائے تو بحسب مقتضائے وقت و صلاحیت اسکو تصرف کی اجازت دی جاتی ہے۔ جس میں لوگوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ یہ صاحب کرامت ہے۔ اس سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہو گی کہ کرامت اُس فعل کا نام نہیں ہے جو ولی سے بطور خرق عادات صادر ہوتا ہے بلکہ وہ فعل قرینہ اس امر پر ہے کہ وہ شخص عند اللہ مکرم و باکرامت ہے۔ جو فعل بالذات کرامت پر دال ہے وہ تقویٰ ہے۔ اگر خدائے تعالےٰ نے کسی کو صفت تقویٰ عنایت کی ہے تو یقیناً سمجھا جائے گا کہ وہ عند اللہ مکرم یعنی باکرامت ہے اور دوسرے افعال و خوارق عادات بالواسطہ اور بالتبع کرامت سمجھے جائینگے۔ یعنی تقویٰ کی وجہ سے وہ تصرفات ہوں گے

شیخ الاسلام سبکی رح نے طبقات شافعیہ میں لکھا ہے کہ ابو علی رودباری کہتے ہیں کہ ابو العباس رَقّی سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ ایک بار میں ابو تراب نخشبی رح کا ہم سفر تھا۔ مکہ معظمہ کے راستہ میں مجھپر تشنگی غالب ہوئی شیخ سے عرض کی اُنہوں نے زمین پر پاؤں مارا جس سے نہایت سرد شیریں پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ میں نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ ایسا لطیف پانی عمدہ پیالہ میں پیوں۔ آپ نے زمین پر ہاتھ مارا نہایت شفاف

بلورین پیالہ برآمد ہوا۔ چنانچہ مکہ معظمہ تک وہ پیالہ ہمارے ساتھ رہا
ایک روز انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تمہارے اصحاب ایسے امور میں
کیا کہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ میں نے تو کسی کو کرامتوں کا انکار کرتے
نہیں دیکھا۔ فرمایا یہ تو سمجھ ہے کہ کرامت کا منکر کافر ہے۔ مگر میں نے جو
تم سے پوچھا مقصود اس سے یہ تھا کہ جس کا یہ حال ہو اوسکی نسبت کیا
کہتے ہیں۔ میں نے کہا میرے خیال میں اس وقت اُن کا کوئی قول نہیں
فرمایا تمہارے اصحاب کا یہ قول ہے کہ جس کو یہ تصرف دیا جاتا ہے وہ
خدائے تعالےٰ کی جانب سے اُس کے حق میں خداع ہے۔ مگر یہ
قول عموماً درست نہیں۔ البتہ خداع اُس کے حق میں ہے جس کا مقصود
اصلی صرف خوارق عادات کا اظہار ہو۔ اور جس کا یہ خیال نہ ہو تو وہ
ربانیین میں ہے۔ امام سبکی رح نے اُس کے بعد مسئلہ کرامت میں
نہایت مبسوط بحث کی ہے اُس میں سے بحسب ضرورت یہاں لکھا
جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ بعض علماء نے کرامت کا بالکل ہی انکار کر دیا
اور بعض کہتے ہیں کہ کرامت حد خرق عادت تک نہیں پہنچ سکتی۔ ورنہ
معجزہ کی مشابہ ہو جائے گی۔ اور نبی اور ولی میں اشتباہ ہو جائے گا۔
قدریہ کرامت کا بالکلیہ انکار کرتے ہیں۔ اُن کے شبہات یہ ہیں۔ کہ
اگر کرامت جائز رکھی جائے تو سفسطہ کی نوبت پہنچ جائے گی۔ اور یہ کہنا

پڑیگا کہ ممکن ہے کہ پہاڑ سونا ہو اور سمندر خون ہو جائے۔ اور گھر کے برتن بڑے بڑے فاضل امام ہو جائیں۔ اور نیز وہ معجزہ کے مشابہ ہو گی جس سے معجزہ کی دلالت جو نبوت پر ہوتی ہے فوت ہو جائے گی۔

اور نیز اگر ولی سے خوارق عادات صادر ہوتے ہوں اور کوئی نبی اس وقت مبعوث ہو تو چونکہ ولی کے حق میں خوارق عادات عادی امور ہو گئے ہیں۔ اس لئے اُس کے نزدیک نبی کی نبوت کو تصدیق کرنے کے لئے کوئی دلیل نہ ہوگی۔ اور ایک شبہ یہ بھی ہے کہ جب کسی شخص صالح کے لئے کرامت جائز ہو تو ممکن ہے کہ صلحا بہت سے ہوں اور جب یہ سب خوارق عادات ظاہر کریں تو وہ عادت ہو گئی۔ اُس کے بعد خوارقِ عادات نبوت پر دلیل نہیں ہو سکتے۔

اور اُن کا یہ بھی استدلال ہے کہ اگر کرامت کسی کو دی جائے تو صحابہ زیادہ تر اُس کے مستحق تھے۔ حالانکہ اُن کے ہاتھ پر کبھی کرامت ظاہر نہ ہوئی یہ قدریہ کے شبہات ہیں۔ اس کے جوابات امام موصوف نے نہایت تفصیل سے دئے ہیں۔ جس کا ذکر موجب تطویل ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ان شبہات میں اکثر کا مدار امکان پر ہے۔ مگر یہ دیکھا جائے کہ ایسا امکان بھی مضر ہو سکتا ہے یا نہیں۔ ہر ایماندار اس کی تصدیق کرتا ہے کہ خدائے تعالےٰ نے ازل ہی میں فیصلہ فرمادیا کہ عالم میں کس قسم کی

کتنی

کتنی چیزیں پیدا کی جائیں گی۔ اور اُن کے تفصیلی حالات کیا ہوں گے
اور ہر ہر آن میں جو عوارض ہر چیز پر آنے والے ہیں سب متعین ہو گئے
جس زمانے میں جس چیز پر جو حالت ہوتی ہے وہ ازل میں حق تعالے
کے پیش نظر ہو چکی۔ اور ابد تک ایک حالت پر علم ہے۔ ارشاد ہے
ما یبدل القول لدیّ اگر زید کو مثلاً ازل میں عالم کیا ہے تو کوئی
اُس کو جاہل بنا نہیں سکتا۔ اور اگر جاہل کیا ہے تو کوئی اُس کو عالم بنا نہیں
سکتا۔ تقدیر کے مسئلہ کو تو ہم نے بفضلہ تعالیٰ مقاصد الاسلام کے کسی
حصہ میں حکمت جدیدہ کے طریقہ سے بھی ثابت کیا ہے۔ غرضکہ جب
ازل سے ابد تک موجود ہونے والی ہر چیز خدائے تعالےٰ کے علم میں
اس طور پر ممتاز و متشخص ہے کہ ہر آن میں وہ کن اوصاف سے متصف ہوگی
تو یہ احتمال ہی نہ رہا۔ کہ اُن معلومات الٰہیہ کے سوا کوئی چیز وجود میں
آئے گی یا اُن میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ہوگا۔ اس صورت میں جو چیز
وجود میں آتی ہے وہ ضرور واجب الوجود ہوگی۔ لیکن وجوب ذاتی نہ ہوگا
بلکہ لغیرہٖ ہوگا۔ اب اگر اُس کو ممکن کہیں تو صرف اُس کے مرتبۂ ذات کا امکان
مراد ہوگا۔ پھر قبل وجود بھی اگر دیکھا جائے تو چونکہ علم الٰہی میں اُس کے تمام
حالات و کیفیات معین ہو چکے ہیں کہ فلاں چیز جب وجود میں آئیگی تو
وہ اس طور پر ہوگی تو وہاں بھی ایک جانب کی ترجیح ہوگی اور ممکن کے

جو دو جانب ہوتے ہیں اُس میں دوسری جانب مرجوح ہوگئی جس کی ترجیح محال ہے تو اس صورت میں جانب مرجوح محال ہونا ثابت ہو جس کا مطلب یہ ہوا کہ عالم میں دو ہی چیزیں ہیں۔ واجب یا ممتنع، ممکن کوئی چیز نہیں۔

اب جو کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے کہ کرامت سے ظروف فاضل بن جائیں اور یہ ہو اور وہ ہو تو صرف احتمال ہی احتمال ہے۔ ممکن کوئی چیز نہیں۔ خدائے تعالے نے جس ولی کے ہاتھ سے جو کام ہونا ازل میں معین فرمادیا ہے۔ اس کا وجود واجب ہے اور جو اُس کے خلاف ہے اُس کا وجود ممتنع۔ ولی کا ارادہ ایسی چیز سے متعلق ہو ہی نہیں سکتا جو خلاف مشیت الٰہی ہو۔

حدیث صحیح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللھم ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدك لم تملکنا منھا شیئاً یعنی یا اللہ ہمارے دل اور پیشانی کے بال اور کل جوارح تیرے ہاتھ میں ہیں۔ تو نے ان میں سے کسی چیز کا ہمیں مالک نہیں بنایا۔ اس صورت میں امکانی احتمالات سب باطل ہوگئے۔ اور اگر پہاڑ کا سونا کسی کی کرامت سے ہونا علم الٰہی میں ہے تو وہ ضرور ہوگا۔ کیا کوئی مسلمان کہہ سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ پہاڑ کو سونا نہیں بنا سکتا؟ ہرگز نہیں۔ پھر

کرامت سے پہاڑ سونا بن جائے تو کیا تعجب ہے۔ اگر اسی کا نام سفسطہ ہے تو روزانہ لاکھوں سفسطے وجود میں آتے ہیں۔ دیکھئے نباتات کا انسان اور امام و فاضل بننا روزانہ برابر دیکھا جاتا ہے۔ جس کا حال ہم نے کتاب العقل میں بتفصیل لکھا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ نبی اور ولی میں فرق نہ رہے گا تو اس کا منشا یہ ہے کہ معترض نے ولی کو فاسق سمجھا ہے کہ وہ کرامتیں دکھا دکھا کر لوگوں کو نبی کی طرف سے اشتباہ میں ڈالدیگا۔ تاکہ نبی کی نبوت ثابت نہ ہونے پائے اگر ایسا ولی فرض کیا جائے تو وہ واقع میں ولی نہیں ہو سکتا۔ اُس کے حسب حال یہ شعر ہے۔

کارِ شیطاں می کند نامش ولی
گر ولی اینست لعنت بر ولی

اور اگر ولی ایسا شخص جو سر مو خدائے تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہ کرے تو وہ اگر نبی کے ساتھ رہکر بھی کرامتیں ظاہر کرے تو اُس سے نبی کی نبوت کی تائید ہوگی کیونکہ وہ لوگوں سے صاف کہا کریگا کہ میں اُن کا ایک ادنیٰ غلام ہوں۔ جو انہی کی اتباع کی بدولت مجھے یہ مرتبہ حاصل ہوا اس سے تو بجائے اس کے کہ نبوت میں اشتباہ واقع ہو۔ لوگوں کو ایمان لانے پر ترغیب ہوگی۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ معجزہ اور کرامت میں فرق

نہ ہوگا یہ درست ہے۔ کیونکہ خرق عادت خواہ نبی سے صادر ہو یا ولی سے
بغیر اجازت الٰہی ممکن نہیں۔ مگر جس کے ہاتھ پر خرق عادت ظاہر ہوی
وہ نبی تھے تو کہدیتے تھے کہ ہم نبی ہیں۔ اور اُس پر ہیں یہ نشانی دی
گئی ہے اگر تمہیں شک ہو تو مقابل ہو کر یہی کام کر دکھاؤ۔ اس دعوے اور
دلیل کے بعد اہل انصاف اُن کی نبوت کو تسلیم کرتے گئے اور اگر وہ
یعنی صاحب خرق عادت ولی ہوں تو کبھی اس قسم کا دعوے نہیں کر سکتے
اگر بفرض محال دعویٰ کیا تو ولایت تو درکنار مسلمانوں میں بھی اُن کا ٹھکانا
نہیں۔ کیونکہ نبوت کا جھوٹا دعوے کہنے والا یقیناً کافر ہے۔ اور
کافروں میں بھی اعلیٰ درجہ کا۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ اگر بادشاہ کسی کو اپنی
طرف سے کسی ملک کا حاکم بنادے اور اُس کے ساتھ ایسی نشانی مثل
پروانہ دے جو دوسرا وہ نشانی نہیں لاسکتا تو وہ حاکم بادشاہ کا مورد
عنایت سمجھا جائے گا۔ بخلاف اُس کے ایک شخص اسی قسم کی نشانی
کسی ملک میں لیجا کر یہ دعوے کرے کہ بادشاہ نے مجھے حاکم بنادیا ہے
اور ایک جعلی نشانی بھی پیش کردے تو کیا ایسا شخص مورد عنایت شاہی
ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ اس جرم کے معاوضہ میں ایسی سخت سزا
تجویز کی جائے گی جو معمولی جرائم کی سزا سے بدرجہا زائد ہو۔
اب غور کیجئے کہ نبوت سے بڑھکر خدائے تعالےٰ کے یہاں کوئی مرتبہ

اور عہدہ نہیں۔ اگر کوئی شخص اپنے نام آوری یا متاع دنیوی حاصل کرنیکی غرض سے دعوے نبوت کرے اور اُس پر جعلی نشانیاں بھی پیش کرے تو کیا ایسا شخص خدائے تعالے کے نزدیک معمولی کافروں میں ہوگا؟ میری دانست میں تو وہ فرعون وشداد سے بھی بدتر ہوگا۔ کیونکہ اُن کو خدائے تعالیٰ نے بادشاہت دی تھی۔ اس لئے اُنہوں نے اپنی وجاہت ظاہری قائم رکھنے کی غرض سے نبیوں کا مقابلہ کیا۔ بخلاف مدعیان نبوت کے کہ وجاہت پیدا کرنے اور دنیا حاصل کرنے کی غرض نے اُنہوں نے جھوٹ کہی اور جھوٹ بھی کیسی کہ خدائے تعالیٰ پر تہمت لگائی۔ کہ اُس نے ہمیں بھیجا ہے۔ اور اس جھوٹ کو باوقعت بنانے کی غرض سے جعلی نشانیاں بنائیں۔ لوگوں کو فریب دیکر اُن کا مال کھایا۔ پہلے سے جس نبی کی سلطنت قائم تھی بغاوت کرکے اُس کو درہم وبرہم کر دیا۔ نبی اور اولیاء اللہ کو ایذائیں پہنچائیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ واعد لھم عذابا مھینا یعنی جو لوگ خدا ورسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر دنیا وآخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور اُن کے لئے خدائے تعالے نے عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ اس کے سوا مدعیان نبوت کو کیسی کیسی کارسازیاں اور جرائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہم نے مفاتیح الاعلام میں مرزا صاحب قادیانی کی تھوڑے حالات لکھے ہیں

اُس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ مدعیان نبوت کو کیسی کیسی مصیبتوں میں مبتلا ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور یہ جو کہا گیا کہ اولیا سے خوارق صادر ہوں تو وہ بوجہ عادت معجزہ کو معجزہ نہ سمجھیں گے۔ اس موقع میں بھی "ولی" ایک معمولی شخص خیال کرلیا گیا کہ وہ کرامتوں میں ایسا مشغول ہو جاتا ہے کہ نہ اُسے خدا سے کام نہ رسول سے کیا ایسا شخص ممکن ہے کہ ولی ہوسکے اور اُس کی کرامتیں بحال رہیں؟ ہرگز نہیں۔ ولی تو وہ شخص ہوتا ہے کہ ہر آن میں اس کی توجہ خدائے تعالیٰ کی طرف رہتی ہے بذریعہ الہام یا کشف یا رویائے صالحہ سے انہیں اطلاع ہو جاتی تھی کہ "فلاں نبی ہیں اُن کا اتباع کرو" پھر خوارق عادات کا امور عادیہ ہو جانا جو خیال کیا گیا ہے وہ بھی بے اصل محض ہے۔ کیونکہ اس کا کوئی قائل نہیں کہ جو کام اولیاء اللہ کرتے ہیں سب خوارق عادات ہوتے ہیں۔ اس لئے خوارق کی اُن کو عادت ہو جاتی ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ معاملہ بالعکس ہے۔ اس لئے کہ ہر کام میں اولیاء اللہ کی نظر اس پر رہتی ہے کہ معمولی کام جن کو ہر شخص اپنے اختیاری سمجھتا ہے وہ بھی ہم سے وجود میں آتے ہیں یا نہیں۔ کیونکہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر تو پورا ایمان ہے کہ اَللّٰھُمَّ

ان قلوبنا ونواصینا وجوارحنا بیدك لم تملكنا منها شیئا

اگر کوئی اچھا کام اُن سے صادر ہو گیا تو خدائے تعالیٰ کا شکر بجا لاتے ہیں

کرامتیں

کہ الٰہی اس کام کو صرف اپنے فضل و کرم سے تو نے انجام دیا ورنہ ممکن نہ تھا کہ ہم اپنی ذاتی قوت سے اُس کو پورا کر سکتے جیسا کہ صاف ارشاد ہے

لا حول ولا قوۃ الا باللہ اب کہیے جو لوگ معمولی کام کو بمنزلہ خرق عادت سمجھتے ہوں تو خرق عادت کو اُن کے نزدیک کیسی وقعت ہو گی۔ غرض کہ یہ ممکن نہیں کہ نبی کا معجزہ اُن کی نظروں میں بے وقعت ہو سکے۔

اس تقریر کے بعد اہل انصاف غور فرما سکتے ہیں کہ جو دلائل عدم جوازِ خرقِ عادت پر قائم کئے گئے ہیں وہ کس درجہ کی ہیں۔

اب رہی یہ بات کہ صحابہ سے کرامت کا صدور نہ ہوا سو وہ غلط ہے علامہ سبکی رہ نے صحابہ کی کرامات کی ایک فہرست ہی لکھی ہے۔ جس کو ہم بالاختصار نقل کرتے ہیں۔

صدیق اکبر رہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ بیس وسق کھجور اس سال کے بار سے لے لینا۔ چند روز کے بعد فرمایا اگر کھجوریں لے لی ہوں تو خیر ورنہ اب اُس مال سے وارثوں کا تعلق ہو گیا۔ اور صرف تمہارے دو بھائی ہیں اور دو بہنیں۔ انہوں نے کہا کہ میری بہن تو اسما ایک ہی ہی فرمایا دوسری حمل میں ہیں۔ چنانچہ وہ تولد ہوئیں۔ دیکھئے حق تعالے

فرماتا ہے۔ ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث
ویعلم ما فی الارحام (الآیہ) اس آیۂ شریفہ میں پانچ چیزوں کا
ذکر ہے جن کو خدائے تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ
حمل لڑکے کا ہے یا لڑکی کا۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا تکلف
خبر دے دی کہ حمل میں لڑکی ہے۔ اور وہ خبر صحیح بھی نکلی۔ یہی کرامت ہی
کہ خدائے تعالےٰ نے اُن کو وہ علم دیا جو اُس کے ساتھ مختص تھا اور اپنے
موت کی خبر دے دی کہ بہت قریب ہے یہاں تک کہ ورثہ کا حق مال سے
متعلق کر دیا۔ ایسے موقع میں بعض لوگ ڈھٹائی سے کہدیتے ہیں کہ اس
قسم کے واقعات نص قرآن کے خلاف ہیں۔ اس لئے ایسے روایات
کو موضوع سمجھنا چاہیئے۔ ایسی جرأت کا منشا عدم غور و تدبّر اور لاعلمی ہوا
کرتا ہے۔ اُن سے پوچھا جائے کہ خدائے تعالےٰ نے یہ کب فرمایا کہ ان
چیزوں کا علم میں کسی کو دیتا ہی نہیں۔ وہاں تو صرف اتنا ہے کہ ان امور
کو خدائے تعالےٰ جانتا ہے۔ بے شک وہ جانتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا
بھی اُن چیزوں کو جانے تو علم آلٰہی میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔ کیونکہ
دوسروں کا جاننا علم آلٰہی کے منافی نہیں۔ پھر اگر کسی کو علم ہوتا بھی ہے
تو وہ صرف عطائے الٰہی ہے جس میں اہلیت اور لیاقت دیکھتا ہے اُسے
عطا فرماتا ہے۔ ارشاد ہے وما کان عطاء ربک محظورا

غرض کہ ایسی روایتوں کو موضوع قرار دینا کوئی علمی بات نہیں۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے یہاں کھانا دو شخصوں کا ہو تو اہل صفہ میں سے ایک شخص کو اور جس کے یہاں چار شخصوں کا کھانا ہو تو پانچویں کو ساتھ لیجا کر کھانا کھلائیں۔ ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ تین شخصوں کو ساتھ لے گئے۔ جب وہ ایک ایک لقمہ اُٹھاتے تو اُتنا ہی کھانا نیچے سے بڑھتا۔ یہاں تک کہ جب فارغ ہوئے تو کھانا جتنا رکھا گیا تھا اس سے سہ چند زیادہ ہو گیا۔ چنانچہ سب گھر والوں نے کھا کر حصّے بانٹے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ملک فارس پر کچھ لشکر ساریہ بن زنیم کے ہمراہ بھیجا جب وہ شہر نہاوند کے دروازہ پر پہنچے اور اُس کا محاصرہ کرنا چاہا کفار کا لشکر کثیر آگیا اور سخت لڑائی ہوئی۔ یہاںتک کہ قریب تھا کہ مسلمانوں کو ہزیمت ہو جائے۔ اُس وقت عمر رضؓ مدینۂ منورہ میں جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے۔ عین خطبہ میں باواز بلند کہا یا ساریۃ الجبل یا ساریۃ الجبل من استرعی الذئب الغنم فقد ظلم (یعنی اے ساریہ پہاڑ۔ اے ساریہ پہاڑ۔ جو شخص بھیڑئیے سے بکریاں چرانے کا کام لے اُس نے ظلم کیا۔ اس کلام کو کل لشکر اسلام نے سنا۔ اور کہنے لگے یہ تو امیر المومنین کی آواز ہے۔ غرض کہ فوراً پہاڑ کی پناہ میں چلے گئے اور اُس کے بعد اُن کی فتح ہو گئی۔ علی کرم اللہ وجہہ بھی عمر رضؓ کا خطبہ سن رہے تھے

لوگوں نے کہا کہ امیر المومنین نے کیسی بات کہی۔ ہم کہاں اور ساریہ کہاں
آپنے فرمایا عمرؓ کے معاملہ میں دخل نہ دو۔ وہ جس کام میں داخل ہوتے
ہیں اوس کو پورا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب لشکر کے لوگ واپس
آئے تو وہ واقعہ بیان کیا۔ کہ ہم لوگ امیر المومنین کی آواز سنتے ہی فوراً
پہاڑ کے پناہ میں آگئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ کلام عمرؓ کا بیکار
نہ تھا۔ بلکہ اس کی وجہ سے لشکر اسلام صرف تلف ہونے ہی سے نہیں بچا
بلکہ اُس کو فتح بھی نصیب ہوئی۔ دیکھئے اس وقت نہاوند اور اُس کے
مضافات عمرؓ کے پیش نظر تھے اور کوئی حالت وہاں کی مخفی نہ تھی۔
جس طرح افسر اعلیٰ مواقع جنگ کو دیکھ سمجھکر فوج کو لڑاتے ہیں۔ عمرؓ
نے بھی یہی کام کیا۔ اور نادر بات یہ کہ ہزارہا کوس پر آواز فوراً پہنچ گئی
اگر صحابہ نفس کرامت کے قائل نہ ہوتے تو ضرور کہتے کہ آواز تو عمرؓ
کی ہے۔ مگر یہ تو ممکن نہیں کہ اُن کو یہاں کے حالات پر اطلاع ہو۔ کیونکہ
علم غیب خدائے تعالےٰ کا خاصّہ ہے اور اس کے خلاف خیال کرنا شرک
فی العلم ہے۔ پھر اپنی آواز کو ہزارہا کوس سے یہاں پہنچانا شرک فی التصرف
ہے۔ اگر عمرؓ کا یہ کام سمجھا جائے تو ایمان جانے کی بات ہے۔ اس لئے
اس میں شک نہیں کہ شیطان نے ہمیں تباہ کرنے کے واسطے یہ کارسازی
کی ہے اس وقت ہمیں چاہیئے کہ شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لئے

پہاڑ سے بہت دور ہٹ جائیں اگر اس قسم کے موحدانہ خیال اُن کو آجاتے تو سب غارت ہو گئے تھے۔

زمانۂ جاہلیت میں جب نیل کے جاری ہونے کا وقت آتا تو باکرہ لڑکی کو لباس فاخرہ اور زیور سے آراستہ و پیراستہ کر کے نیل میں ڈال دیتے جب عمر رضہ کے وقت میں مصر فتح ہوا تو لوگوں نے عمرو بن عاص رضہ سے جو وہاں کے حاکم تھے حسب عادت لڑکی کو نیل میں ڈالنے کی درخواست کی اُنہوں نے کہا اسلام ایسے عادتوں کو ہدم کر دیتا ہے۔ تین مہینے تک نیل جاری نہ ہوا۔ یہاں تک کہ لوگوں نے قحط کی وجہ سے جلا وطن ہونے کا قصد کر لیا۔ عمرو بن عاص رضہ نے عمر رضہ کو اس واقعہ کی اطلاع کی۔ آپ نے لکھا تم نے بہت اچھا کیا۔ کہ اجازت نہ دی۔ اسلام پہلی باتوں کو ہدم کر دیتا ہے۔ پھر آپ نے ایک چٹھی نیل کے نام لکھی جس کا مطلب یہ تھا کہ اے نیل اگر تو اپنی طرف سے جاری ہوا کرتا ہے تو مت جاری ہو۔ اور اگر خدائے تعالیٰ قہار تجھے جاری کرتا ہے تو ہم اُس سے سوال کرتے ہیں کہ تجھے جاری کر دے۔ اور فرمایا کہ یہ چٹھی نیل میں ڈالدو۔ چنانچہ ڈالدی گئی لوگوں نے جب صبح کو دیکھا تو سولہ ہاتھ بلند پانی اُس میں جاری تھا۔

ایک شخص عثمان رضہ کے پاس آرہا تھا۔ راستہ میں ایک عورت پر اُس کی نظر پڑی خوب غور سے اُس کو دیکھا۔ جب حاضر خدمت ہوا

آپ نے فرمایا بعض لوگ ایسے بھی یہاں آتے ہیں جن کی آنکھوں میں زنا کا اثر رہتا ہے۔ اُس شخص نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی اترا کرتی ہے۔ فرمایا نہیں۔ فراست سے ایسی باتیں معلوم ہوا کرتی ہیں۔ یہ آپ کا ارشاد اُس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ یعنی ایماندار اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ جب مومن کامل اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہو تو اُس سے کون چیز چھپ سکتی ہے۔ ہمارے نور نظر کا جب یہ حال ہے کہ آسمان تک پہنچتا ہے تو خدائے تعالیٰ کے نور کا کیا حال ہو۔ اب غور کیجئے کہ جس کی رؤیت کا ایسا ذریعہ ہو تو کیا بُعد و کثافت ایسے شخص کی رؤیت کے مانع ہو سکتی ہے۔

ایک رات علی کرم اللہ وجہہ اور دونوں صاحب زادے اپنے مکان میں تشریف رکھتے تھے کہ دو پہر رات کے بعد یہ اشعار آپ کو سنائی دئے۔

یا من یجیب دعاء المضطر فی الظلم
یا کاشف الضر و البلوی مع السقم
قد نام وفدك حول البيت وانتبهوا
وعين جودك يا قيوم لم تنم
هل لي بجودك فضل العفو عن زللی

یا من الیہ رجاء الخلق فی الحرم
ان کان عفوک لا یرجوہ ذو خطاء
فمن یجود علی العاصین بالنعم

اپنے صاحبزادے سے فرمایا دیکھو یہ کون پڑھ رہا ہے۔ اور اُس کو بلالاؤ۔ وہ تشریف لے گئے اور اُس سے فرمایا کہ امیرالمومنین تمہیں بلاتے ہیں۔ وہ شخص اُٹھا اور اپنی ایک جانب کو کھینچتا ہوا آیا۔ آپ نے فرمایا میں نے اشعار سنے بیان کرو کہ واقعہ کیا ہے کہا کہ میری حالت یہ تھی کہ ہمیشہ لہو لعب اور معصیت میں مشغول رہتا تھا اور میرے والد مجھ وعظ و نصیحت کرتے کہ دیکھو خدائے تعالیٰ کی بڑی سطوت ہے اور وہ انتقام لینے والا ہے وہ ظالموں سے دور نہیں۔ جب وہ حد سے زیادہ نصیحت کرنے لگے تو مجھے غصہ آگیا اور میں نے اُنہیں مارا۔ اُنہوں نے ساتھ ہی قسم کھالی کہ میں مکۂ معظمہ کو جاکر بارگاہ کبریائی میں اس باب میں فریاد کرونگا۔ چنانچہ وہ وہاں گئے اور دعا شروع کی ہنوز وہ دعا پوری نہیں ہوی تھی کہ میرا ایک بازو سوکھ گیا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا سخت ندامت ہوی۔ اور میں اُن کی خوشامد کرکے اُنہیں راضی کرلیا۔ چنانچہ اُنہوں نے اقرار کیا کہ اب میں تیری صحت کے لئے اُسی مقام میں دعا کروں گا جہاں بددعا کی تھی چنانچہ میں نے اُن کے لئے

اونٹنی لادی۔ اور وہ سوار ہوئے قسمت سے وہ اونٹنی اُن کو لے کر
بھاگی۔ اور وہ اُس پر سے گر کر مر گئے۔ آپ نے پوچھا کہ کیا فی الحقیقت وہ
تجھ سے راضی ہو گئے تھے۔ کہا خدا کی قسم وہ راضی ہو گئے تھے۔

آپ یہ سن کر اُٹھے اور چند رکعت نماز پڑھکر
آہستہ آہستہ بارگاہ کبریائی میں کچھ عرض کی۔ اُس کے بعد فرمایا۔ اے
مبارک اُٹھ۔ چنانچہ وہ شخص اُٹھکر چلنے لگا۔ اور وہ شکایت بالکل
دفع ہو گئی۔ پھر فرمایا اگر تم اپنے باپ کے راضی ہونے پر قسم نہ کھاتے تو
میں دعا نہ کرتا۔ اس واقعہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دو کرامتیں
ثابت ہیں۔ ایک یہ کہ حق تعالےٰ کے نزدیک آپ ایسے مکرم تھے
کہ عرض کرنے کی دیر تھی کہ اُس کی پذیرائی ہو گئی۔ اور جو اعضا کہ مردہ
ہو چکے تھے اُن میں جان آگئی۔ دوسری کرامت یہ کہ باوجودیکہ آپ کو
عرب وعجم کی سلطنت حاصل تھی۔ مگر حالت یہ کہ ایوان شاہی میں ایک
بھی خدمتگار نہ تھا۔ چنانچہ دوپہر رات کے بعد جب آپ کو اس شخص کے
بلانے کی ضرورت ہوئی تو اپنے صاحبزادے کو بھیجنا پڑا۔ اس ترک وتجرید
سے بڑھکر اور کیا کرامت ہو سکتی ہے۔ ادنیٰ ادنیٰ حکام کے دروازوں پر
خدم وحشم ہوتے ہیں اور خلیفۃ اللہ کی یہ حالت کہ نوکر تو درکنار۔ وقت
پر کھانا پیٹ بھر کر ملنا دشوار تھا جس کا حال ہم نے مقاصد الاسلام کے

حصہ ششم میں لکھا ہے۔ ظاہر بین لوگ اس حالت کو کرامت نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ اُن کے خیال میں تو جو کچھ وقعت ہے دنیا ہی کی ہے وہ فقر اختیاری کے مدارج کو کیا جانیں دولتِ فقرِ اختیاری ہر کسی کو نصیب نہیں ہوسکتی۔ یہ تو اُنہیں حضرات کے حصہ میں ہے جو خدائے تعالیٰ کے نزدیک مکرم ہیں قال اللہ تعالیٰ اِنّ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم اگر کرامت کے معنی خرقِ عادت کے لئے جائیں تو وہ بھی فقر اختیاری میں صادق آتے ہیں۔ دیکھئے صرف اس خیال سے کہ ہر حالت میں خدائے تعالیٰ اضطراری طور پر یاد آتے رہے۔ تمام اسباب راحت و معیشت کو ترک کر دینا کیا ہر کسی کا کام ہے۔ شاید لاکھوں میں کوئی ایک ہو جو خالصاً للہ ایسا فقر اختیار کرے۔ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اسباب معیشت فراہم کرنے کی فکر میں ہم لوگ لگے رہتے ہیں۔ اور اگر کوئی فقیر ہو بھی گیا تو اُس میں بھی یہی مقصود ہوتا ہے کہ بذریعۂ فقر دنیا حاصل ہو۔ اور اگر اُس سے مال مقصود نہ بھی ہو تو جاہ مقصود ہوتی ہے۔ چنانچہ جب کوئی معتقد بغرض استفادہ حاضر ہو تو دنیا سے اپنی بے تعلقی بیان ہوگی۔ اور چند حکایات نقلِ محفل ہوں گے کہ فلاں بادشاہ یا امیر یا تاجر وغیرہ نے ہمیں یہ دینا چاہا۔ مگر ہم نے نہ لیا۔ ہمیں دنیا داروں کی کچھ پروا نہیں۔ ہمکو تو خاص خدائے تعالیٰ سے تعلق ہے۔ ہمارے نزدیک

بادشاہ اور غریب دونوں یکساں ہیں۔ پھر مریدوں میں ان حکایات کے چرچے ہوتے ہیں جس سے عام شہرت ہوتی ہے۔ اور نذر و نیاز کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اب فقر اختیاری کا حال بھی تھوڑا سن لیجئے۔ فتوحات مکیہ کے ایک سو اٹھاونویں باب میں لکھا ہے کہ اولیاء اللہ لذت کی چیزوں کو جن میں چکنائی اور رطوبت ہوتی ہے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ اُن کے حبیب یعنی خدائے تعالےٰ نے اُنہیں اس امر کی تکلیف دی ہے کہ راتوں کو اُس کے روبرو کھڑے رہیں اور مناجات کریں۔ ایسے وقت میں کہ لوگ نیند کی راحت میں ہوں۔ اُنہوں نے دیکھا کہ جب رطوبات جسم میں ہوتے ہیں تو اُن کے بخارات دماغ کی طرف چڑھتے ہیں جن سے حواس میں تخدر اور سستی پیدا ہوکر نیند غالب ہو جاتی ہے جو مانع قیام لیل اور مناجات ہے۔ پھر اُن بخارات سے جسم میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ قوت اعضا کو فضول کاموں میں لگاتی ہے۔ جس سے اُن کے محبوب نے انہیں روکا ہے۔ اس لئے وہ کھانا پانی چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر کھاتے ہیں تو اس انداز سے کہ صرف ہلاکت سے بچ جائیں۔ اس وجہ سے رطوبت اُن کے بدن میں کم ہوتی جاتی ہے اور تازگی و رونق نام کو نہیں رہتی۔ اور جسم لاغر اور اعضا میں استرخا ہو جاتا ہے اور نیند جاتی رہتی ہے اور بیداری قوت پاتی ہے جس سے

ان کا مقصود جو قیام لیل سے حاصل ہوتا ہے۔ اور اُن کے اوصاف میں لکھا ہے کہ اُن کی وحشت کا مونس اور اُن کے بیماریوں کا طبیب خدائے تعالے ہی ہوتا ہے اُن کے ابدان متواضع اور اُن کے ہاتھ اُسی کی طرف دراز ان کے دل اسی کی طرف مائل و مشتاق رہتے ہیں اگر انس ہے تو اسی سے اور اگر خوف ہے تو اسی کا۔ راحت اُن سے مایوس ہے - اور غفلت اُن سے دور۔ ہمیشہ وہ تضرع میں رہتے ہیں اور اپنی خطاؤں سے معافی مانگا کرتے ہیں۔ انتہیٰ۔

اب کہئے کہ جن کی یہ حالت ہو ان کو تعلی اور خودستائی سے کیا تعلق۔ یہ بات ممکن ہے کہ اما بنعمة ربك فحدث کے لحاظ سے اظہار شکر کرتے ہوں - اگر فی الواقع یہی ہو تو اس میں کسیکو کلام نہیں - یہ معاملہ ان کے اور خدا کے درمیان میں ہے - مگر قابل غور یہ امر ہے کہ جس وقت کوئی ایسا شخص جس کی وقعت لوگوں میں ہو اس نے اُن کی تعظیم و توقیر میں فرق کیا تو غصہ کی حالت میں اپنے استغنا کی حکایتیں بیان کی جاتی ہیں - اور دنیا داروں کی ذلت ایسی طور پر بیان کی جاتی ہے کہ وہ شرمندہ ہو کر جبری تعظیم پر مجبور ہوتا ہے - اور جب اچھی طرح آؤ بھگت کرنے لگے تو زمرۂ معتقدین میں شریک ہو کر ہر طرح اُس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے -

الحاصل، فقر اختیاری، جن لوگوں کو حاصل ہے وہ بہت ہی شاذ و نادر ہیں باقی اُن کے طفیلی ہیں۔ کسی سے بدگمانی کرنے کی ہمیں ضرورت نہیں

ہر کرا جامہ پارسا بینی
پارسادان و نیک مرد انگار

یہ کرامت فقر اختیاری کامل طور پر حضرت امام الاولیا علی کرم اللہ وجہہ کو حاصل تھی۔

عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سخت قحط سالی ہوئی۔ آپ حضرت عباسؓ کو لے کر جنگل میں گئے۔ اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ کہ الٰہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی برکت سے پانی برسا۔ ہنوز لوگ دعا سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ ابر نمودار ہوا اور پانی برسنے لگا۔ اور اتنا برسا کہ گھروں کو آنا مشکل ہوگیا۔ یہ حضرت عباسؓ کی کرامت خدائے تعالےٰ کے نزدیک تھی کہ اُن کے وسیلہ سے جو دعا کی گئی فوراً مقبول ہو گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار بارگاہ کبریائی میں عرض کی تھی کہ سعد بن ابی وقاص کا تیر نشانہ پہ لگا کرے۔ اور اُن کی دعا مقبول ہوا کرے۔ اس کے بعد جو دعا وہ کرتے قبول ہو جاتی۔ چنانچہ جنگ قادسیہ میں دمل کی وجہ سے وہ شریک جنگ نہ ہو سکے۔ اور اپنی چاندنی پر سے

لڑائی کی حالت دیکھا کرتے۔ کسی نے اس باب میں کچھ گفتگو کی۔ اور وہ خبر آپ کو پہنچی۔ آپ نے کہا۔ الٰہی اس کی زبان اور ہاتھ سے ہمیں بچا فوراً وہ گونگا اور اُس کا ہاتھ شل ہو گیا۔ عمر رضہ نے کہا تھا کہ جس حاکم کی کوئی شکایت کرے میں اُسے معزول کر دونگا۔ سعد بن ابی وقاص کی شکایت ہوئی۔ آپ نے انہیں معزول کر کے عمار بن یاسر کو ان کی جگہ بھیجا اور ایک شخص کو روانہ کیا کہ اہل کوفہ سے اُن کا حال دریافت کریں۔ چنانچہ انہوں نے کوفہ کے کل مساجد کے مصلیوں سے دریافت کیا۔ سب نے اُن کی تعریف و توصیف کی۔ مگر مسجد بنی عبس میں جب گئے اور لوگوں سے پوچھا تو ایک شخص کہنے لگا کہ سعد لشکر کے ساتھ نہیں جاتے تھے۔ اور تقسیم برابر نہیں کرتے تھے۔ اور فصل قضایا میں عدل نہیں کرتے تھے۔ سعد رضہ نے فرمایا میں بھی تین دعائیں کرتا ہوں۔ کہ الٰہی اگر یہ شخص جھوٹا ہے تو اُس کی عمر دراز کر۔ اور اُس کے فقر و احتیاج کو دراز کر۔ اور اُس کو فتنوں میں مبتلا کر۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں نے اُس کو دیکھا ہے کہ اتنا بوڑھا ہوا کہ اُس کے بھوں کے بال آنکھوں پر گرتے تھے۔ اور لونڈیوں کو راستوں میں چھیڑتا۔ اور جب اُس سے پوچھا جاتا تو کہتا کہ یہ ایک فتنہ ہے جو سعد کی دعا کا اثر ہے۔

ابن عمر رضہ سفر میں تھے کہ یکایک شور ہوا کہ راستہ میں شیر بیٹھا ہے جس کے خوف سے راستہ بند ہو گیا تھا۔ آپ نے نزدیک جا کر اس سے کہا کہ راستے سے ہٹ جا۔ یہ سنتے ہی وہ دُم ہلا کر چلا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علا ابن الحضرمی رضہ کو لشکر دیکر بھیجا سمندر بیچ میں حائل تھا۔ مگر وہ دعا کرتے ہوئے اُس کے پانی پر سے گذر گئے خالد رضہ نے زہر پی لیا۔ مگر اُس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ یہ چند کرامات صحابہ کے تھے۔ اس سے اتنا تو ثابت ہو گیا کہ صحابہ سے کرامات صادر ہوتے تھے۔ اب رہی یہ بات کہ جس طرح مابعد کے اولیاء اللہ کی کرامتیں بکثرت ہیں اتنی صحابہ کی نہیں۔ اس کے اسباب امام سبکی رضہ نے لکھا ہے۔ چونکہ یہاں صرف اثبات کرامات کا ذکر ہے اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اس تمام کا ماحصل یہ ہے کہ خواہ معجزہ ہو یا کرامت، یا امور عادیہ سب کا وجود اسی طرح ہوتا ہے جیسا کہ خدائے تعالیٰ چاہتا ہے مگر بعض اشیاء میں کسی قسم کی عادت ہے اور بعض میں کسی قسم کی عادت کے خلاف کوئی چیز دیکھی جاتی ہے تو خرق عادت سمجھی جاتی ہے اور لوگ تعجب کی نظر سے اُس کو دیکھتے ہیں۔ حالانکہ وہی چیز بعض کے یہاں عادی ہوتی ہے۔ مثلاً آدمی سامنے رکھکر نظروں سے

غائب ہو جائے تو خرق عادت سمجھی جائے گی۔ اور جن ہمیشہ نظروں سے غائب رہتے ہیں اور کبھی نظر بھی آجاتے ہیں اُن کے یہاں یہ امر قابل تعجب نہیں چنانچہ اکام المرجان میں اعمش سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قبیلۂ بجیل کے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ ایک لڑکی ہمارے یہاں تھی۔ اُس سے جن کو تعلق پیدا ہوا۔ اُس نے کہا کہ میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ ناجائز تعلق اُس سے رکھوں۔ اس لئے اُس کے ساتھ نکاح کر دیا جائے۔ چنانچہ نکاح کر دیا گیا۔ ہم نے پوچھا کہ تم لوگوں کو کونسا کھانا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ کہا۔ چانول"۔ ہم نے چانول پکا کر اُس کی دعوت کی۔ جب کھانا رکھا گیا تو صرف لقمے اُٹھتے ہوئے نظر آتے تھے۔ اور کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ ایک روز وہ ظاہر ہوا۔ ہم نے کہا کہ تم کس قسم کے لوگ ہو۔ کہا "تم جیسی ایک امت اور گروہ ہیں"۔ جسطرح۔ تم میں قبائل ہوا کرتے ہیں۔ ہم میں بھی ہیں۔ ہم نے کہا کیا اہل ہوا بھی تم میں ہیں۔ کہا ہاں۔ ہر فرقہ کے لوگ یعنی قدریہ شیعہ۔ مرجیہ ہیں۔ ہم نے پوچھا۔ تم کس فرقہ کے ہو۔ کہا مرجیہ کہا رافضیوں کو تم لوگ کیسے سمجھتے ہو۔ کہا سب سے بدتر۔ انتہٰی۔

اس سے کئی امور معلوم ہوئے۔ اُن کا اشکال بدلنا، اور صلاح و تقویٰ، اور مذاہب کی پابندی۔ اور نگاہوں سے غائب رہنا اور

جب جی چاہے نظر آجانا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا شکل بدلنا ایسا ہے جیسے ہم لباس بدلتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ لباس جزو بدن نہیں بلکہ ہماری ذات سے منفک ہے۔ اور اُن کا جسم اُن سے منفک نہیں۔ اس صورت میں تشکل باشکال اُن کی ماہیت کا خاصہ ذاتی ہوگا یا خاصۂ لازمی۔ جس طرح ہمارے لئے ناطق ہے۔ ناطق کو فصل قرار دینے کی ضرورت اسی وجہ سے ہوئی تھی کہ جتنے انواع حیوانیت میں شریک ہیں سب سے انسان کو امتیاز ہو جائے۔ اور فی الحقیقت ہر اعتبار سے یہی لفظ ممتاز کرنے والا تھا۔ اگر بات کرنے کی صفت لی جائے تو کسی جانور میں نہیں۔ اور اگر دریابندگی معقولات خیال کی جائے تو بھی یہ صفت جس طرح آدمی میں ہے جانور میں نہیں۔ آدمیوں کے افکار سے کروڑہا کتابیں اور دفاتر بھرے ہوئے ہیں۔ اور جانوروں کو ادراک ہے بھی تو محدود جو اُن کی بسر بُرد اوقات کے لئے کافی ہو سکے۔ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جنوں کی بھی تصانیف ہیں یا نہیں۔ مگر امام شعرانی رح کے ایک رسالہ سے معلوم ہوا کہ وہ لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔ چنانچہ اُس میں لکھا ہے کہ میرے پاس ایک کاغذ پہنچا۔ جس میں لکھا تھا کہ ہم لوگ بعض امور میں آپ لوگوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ چند سوالات جو لکھے گئے ہیں اُن کے جوابات لکھکر فلاں مقام میں رکھدو۔ اور جواب اگر نظم میں

ہو تو مناسب ہے۔ کیونکہ ہم لوگوں کو شعر کے ساتھ بالطبع مناسبت ہے چنانچہ امام رہ نے ایک رسالہ نظم میں لکھکر رکھدیا۔ جس کو ایک بلی لے گئی۔

اکام المرجان میں لکھا ہے کہ ابی ابن کعب رض سے روایت ہے کہ ایک قوم بارادۂ مکۂ معظمہ نکلی۔ کسی جنگل میں سب نے راستہ بھول کر اس قدر پریشانی اُٹھائی کہ موت کی صورت آنکھو میں پھر گئی۔ اور کفن پہن کر لیٹ گئے۔ ایک شخص جھاڑی میں سے نکلا اور کہا میں ان جنون میں سے ہوں جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا تھا۔ اور میں نے حضرت سے یہ بھی سنا ہے کہ المؤمن اخوالمؤمن ودلیلہ لایخذلہ یعنی ایک ایماندار دوسرے ایماندار کا بھائی اور اُس کو راہ دکھانے والا ہے بُرے وقت میں اُس کو مخذول نہ کرے یعنی اُس کی مدد کرنی چاہیے۔ اُس کے بعد کہا کہ پانی قریب ہے۔ چنانچہ ان کو ہمراہ لے کر پانی پر پہنچا دیا۔

اسی طرح اور کئی واقعات نقل کئے ہیں جن میں احادیث کا بیان کرنا اور اُن پر عمل کرنا مذکور ہے۔

غرض کہ اتنا ثابت ہے کہ جن میں علما ہوتے ہیں۔ اور قوت فکریہ بھی اُن کو دی گئی ہے۔ اس صورت میں اُن کو حیوان ناطق کہنے میں کوئی تامل نہیں۔

حکما نے دیکھا کہ اگر واقع میں جن کا وجود ہو بھی جیسا کہ اکثر فلاسفہ اس کے قائل ہیں۔ تو چونکہ وہ نظر نہیں آتے۔ اس لئے اُن کی حقیقت اور ماہیت کو نظر انداز کر دیا۔ ورنہ انسان کی ماہیت حیوان ناطق کبھی قرار نہ دیتے حکمت میں چونکہ امور واقعیہ سے بقدر طاقت بشری بحث ہوتی ہے اور جن کا وجود خارجی ہے۔ مشاہدات سے ثابت ہے کہ جس کے علمائے یورپ قائل ہو چکے اور ہوتے جاتے ہیں۔ اس لئے اب انسان کی ماہیت حیوان ناطق نہیں ہو سکتی۔ اب تک جو فصل کہی جاتی تھی یعنی "ناطق" وہ عرض عام ہو گئی۔ اور فصل کوئی دوسری مقرر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فلسفہ تلاحقِ افکار سے کتنا ہی مستحکم بنایا جائے قابلِ اعتماد ہو نہیں سکتا۔ اور عقلار نے جو حقائق اشیاء قرار دئے ہیں وہ قطعی نہیں ہو سکتے۔ ہر چیز کی حقیقت وہی جانتا ہے جس نے اُن سے پیدا کیا۔ اسی وجہ سے بزرگان دین کی دعا ہے۔

اللھم ارنا حقایق الاشیاء کما ھی۔

آکام المرجان میں لکھا ہے کہ علامہ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن ابی بکر حنبلی نے لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں نہر جو جاری کی گئی اُس کا یہ واقعہ ہے جس کی خبر مجھے امام حنابلہ نے دی جن کے ہاتھ پر نہر کا کام انجام پایا انھوں نے کہا جب ایک خاص مقام تک نہر کھودی۔ نہر کھودنے والا بیہوش

ہو گیا

ہوگیا اور کچھ بات نہیں کرسکتا تھا۔ بہت دیر تک وہ اسی حالت میں پڑا رہا۔ پھر غیب سے ایک آواز آئی "کہ اے مسلمانو تم کو حلال نہیں کہ ہم پر ظلم کریں" میں نے کہا ہم نے کیا ظلم کیا۔ کہا ہم یہاں کے رہنے والے ہیں۔ خدا کی قسم سوائے میرے یہاں کوئی مسلمان نہیں۔ میں نے سب کفار کو زنجیروں میں جکڑ دیا ہے ورنہ وہ تمہیں سخت صدمہ پہنچاتے اُنہوں نے مجھے تمہارے طرف بھیجا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس زمین میں سے ہم تمہیں پانی ہرگز لے جانے نہ دیں گے۔ جب تک کہ تم ہمارا حق نہ دو۔ میں نے کہا تمہارا حق کیا ہے کہا ایک بیل لو اور اُس کو اعلیٰ درجہ کی زینت سے آراستہ کرکے مکہ میں سے اُس کا جلوس نکال کر اس مقام تک پہنچا دو۔ پھر اُس کو ذبح کرکے اُس کا سر پایا اور خون بیر عبدالصمد میں ڈالدو اور باقی کے تم مختار ہو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو ہم اس نہر کو کبھی جاری ہونے نہ دیں گے۔ میں نے قبول کیا۔ یہ کہتے ہی اُس شخص کو جو بیہوش پڑا تھا افاقہ ہوگیا۔ دوسرے روز جب میں صبح کی نماز کے واسطے مسجد کو جانے کی غرض سے اترا تو دیکھا کہ ایک شخص دروازہ پر کھڑا ہے اُس نے مجھے کہا کہ میں نے آج خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑے بیل کو اقسام کے زیور ولباس سے آراستہ وپیراستہ کرکے شان وشوکت سے خلیفہ کے گھر پہ لے گئے اور وہ اُس کو

ہانکتا ہوا تجمّل کے ساتھ مکہ معظمہ کے باہر لے گیا۔ اور اُس کو ذبح کر کے اُس کا سر اور پائے کو کسی کنویں میں ڈالدئے۔ مجھے اس خواب سے تعجب ہوا اہل مکہ کے روداد لوگوں سے بیان کیا۔ چنانچہ سب نے ایک بیل خرید کر کے اُسے زینت ولباس سے آراستہ کیا۔ اور تجمّل سے اُس مقام تک لے جاکر ذبح کیا اور جس کنویں کی نشاندھی کی گئی تھی۔ اُس میں اُس کا سر اور پائے اور خون ڈالدیا گیا۔ اُس وقت تک پانی کا پتا نہ تھا۔ خون وغیرہ کنویں میں ڈالتے ہی ایسا معلوم ہوا کہ کسی شخص نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک مقام پر کھڑا کر دیا۔ اور کہا یہاں کھودو جب وہاں کھودا گیا تو پانی اس کثرت سے نکلا کہ موجیں مارنے لگا اور ایک نہر نمایاں ہوئی۔ جس میں سوار جا سکتا تھا۔ ہم نے اُس کو صاف کیا۔ اس کثرت سے اُس میں پانی جاری ہوا کہ اُس کی آواز سنی جاتی تھی۔ اور چار ہی روز میں نہر مکہ معظمہ میں جاری ہو گئی۔

علامہ شمس الدین رہ نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ نظیر اس واقعہ کی ہے کہ ایک لڑکی زیور و لباس سے آراستہ کر کے نیل میں ڈالی جاتی تھی۔ عمر رض نے اس رسم کو بالکل موقوف فرما دیا۔ اس واقعہ میں بھی کوئی عمری مشرب ہوتا جس سے شیطان ڈرتے تو نہر جاری ہو جاتی اور ایک چڑیا کو بھی ذبح کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ لیکن ہر زمانہ کے لوگ جدا

ہیں لکھا ہے کہ اس واقعہ کو بیان کرنے والے نہایت سچے اور دیندار اور بڑے متدین شخص تھے۔ جن کی صدق و دیانت پر تمام اہل شہر گواہی دیتے ہیں۔ انتہیٰ۔

آکام المرجان میں اسی واقعہ میں لکھا ہے کہ وہب کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ نے چشمہ جاری ہونے کے لئے جن کے لئے جانور ذبح کیا۔ اور لوگوں کو کھلایا۔ جب یہ خبر ابن شہاب کو پہونچی تو انہوں نے کہا کہ یہ ذبح کرنا اُس کو حلال نہ تھا اور لوگوں کو جو کھلایا اُس کا کھانا ان کو حلال نہ تھا۔

یہاں وما اہل بہ لغیر اللہ کی بحث پیدا ہوتی ہے جو ہندوستان میں ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہو گیا ہے کہ اس قسم کے ذبیحہ کو بعض حلال کہتے ہیں اور بعض حرام۔ طرفین سے اس مسئلہ میں رسالے لکھے گئے ہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ اُس زمانہ میں بھی مختلف فیہ تھا کیونکہ علمائے مکۂ معظمہ نے اُس کو جائز رکھا اور ابن شہاب رح نے حرمت کی رائے دی۔

بہر حال جنوں کے مختلف حالات ہیں اگر وہ سب لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے گی۔ اس لئے انہی چند حالات پر اکتفا کرنا مناسب سمجھا گیا۔ من الجنۃ والناس کے معنی میں اختلاف ہے۔ قول صحیح یہی ہے کہ وہ بیانِ وسواس ہے یعنی وسوسہ انداز جو جن بھی

ہوتے ہیں اور آدمی بھی - اُن سے میں پناہ مانگتا ہوں -
ابن تیمیہ رح نے تفسیر معوذتین میں یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نعوذ باللہ من شیاطین الانس
و الجن ابو درداء رض نے پوچھا کیا آدمی بھی شیاطین ہوتے ہیں؟
حضرت نے فرمایا ہاں شیاطینِ جن سے بھی وہ بدتر ہیں انتہیٰ -
بدتر ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ شیاطین انس دوستی کے پیرایہ میں
ہوتے ہیں اور ہمجنس ہونے کی وجہ سے آدمی اُن کی طرف مائل بھی
ہوتا ہے کما قیل الجنس یمیل الی الجنس شیاطین انس ہی
ہوتے ہیں جن کی طبیعت بُرے کام اور شر و فساد کی طرف مائل ہوتی
ہے - جو لوگ اون کی صحبت اختیار کرتے ہیں اُس کا لازمی نتیجہ یہی ہوگا
کہ اُن کو بھی اپنا ہم مشرب بنا سکے - پھر ہر ہر نفس کا یہی لازمہ ہے کہ
کچھ نہ کچھ وسوسے ڈالتا رہتا ہے جیسا کہ اس آیۂ شریفہ سے معلوم
ہوتا ہے کقولہ تعالےٰ ولقد خلقنا الانسان ونعلم ما
توسوس نفسہ یعنی نفس جو وسوسہ ڈالتا ہے اُس کو خدا جانتا ہے
اور حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آدمی کا نفس سب دشمنوں سے
بڑا دشمن ہے - پہلے تو نفس ہی خود وسوسہ انداز ہے پھر جب شیاطین
الانس سے صحبت اور رفاقت حاصل ہو تو پھر کیا کہنا ظلمات بعضہا

فوق

فوق بعض کا مضمون صادق آجاتا ہے۔ اس لئے آدمی کو چاہیئے کہ صلحا کی صحبت اختیار کرے۔ تاکہ اُن کی صحبت کی برکت سے نفس کے خیالات درست ہوجائیں اور اچھے وسوسہ ڈالنے لگے۔ احادیث میں اہل بدعت وہوا کی صحبت سے سخت ممانعت وارد ہے اُس کی یہی وجہ ہے کہ جب آدمی ان کی صحبت میں بیٹھے گا وہ ضرور وسوسہ ڈالینگے جس سے اس کا نفس متاثر ہوکر اُن کا ہم خیال ہوجائیگا۔ چنانچہ یہ امر مشاہد ہے کہ کیسا ہی بے اصل اور خلاف عقل ونقل مذہب ایجاد کیا جاتا ہے۔ لوگ اُس میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ اور وساوس شیاطین الانس ایسے راسخ ہوجاتے ہیں کہ قرآن وحدیث بھی اُن کے روبرو پڑھے جائیں تو اُن کو جنبش نہیں ہوتی۔ مذہب سے غرض اصلی یہ ہے کہ آدمی اُس کا پابند ہونے کی وجہ سے بعد مرنے کے ہمیشہ راحت و آسایش میں رہے۔ اتنی بڑی دولت مفت میں حاصل نہیں ہوسکتی اس کے لئے بڑی کوشش درکار ہے جب تک آدمی وساوس شیاطین جن وانس سے احتراز نکرے یہ دولت حاصل نہیں ہوسکتی اس کا حقیقی علاج بغیر اس کے کوئی نہیں کہ آدمی پورے طور پر خدائے تعالیٰ کی پناہ میں آجائے جیسا کہ اس سورہ میں صراحۃً ارشاد ہے۔

تمت بالخیر ۱

مسئلۂ وحدۃ الوجود

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین - یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ہر چیز پیدا ہونے سے پہلے معدوم ہوتی ہے اور جس وقت پیدا ہوتی ہے یکایک محسوس ہو جاتی ہے اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ کس چیز نے اُسے محسوس بنا دیا اور وہ کیا چیز ہے جس کے نہ ہونے سے وہ معدوم تھی اور اُس کے ہونے سے محسوس ہو گئی ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ وجود ہی ہے حالت عدم میں اُس چیز کو نہ تھا اور جب دونوں میں باہمی تعلق ہوا تو وہ چیز محسوس اور اور موجود ہو گئی - عقل اس پر گواہی دیتی ہے کہ جو چیز ایسی ہو کہ اُس کے وجود سے معدوم چیز موجود ہو جائے وہ اعتباری نہ ہو گی بلکہ مستقل بالذات

ہوگی اس سے ثابت ہے کہ وجود جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے وہ مصدری
نہیں کیونکہ وجود مصدری ایک اعتباری اور انتزاعی چیز ہے جس کا منشأ
انتزاع دوسری چیز ہوگی۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ دوسری چیز نفس شئے
معدوم ہے یا اور کچھ۔ اگر نفس شئے معدوم ہو تو لازم آئیگا کہ معدوم
من حیث ہو معدوم سے وجود خیال میں آئے جو کسی طرح درست
نہیں تو ضرور ہے کہ وہ دوسری شئے منشأ انتزاع وجود مصدری کا
ہے وہ نفس وجود ہوگا مگر مصدری نہ ہوگا۔ بلکہ ایسا مستقل ہوگا کہ معدوم
شئے کو وجود دے سکے اور منشأ انتزاع اس کے موجودیت کا بنے۔
غرضکہ یہ وجود وجود مصدری کا منشأ انتزاع ہے اور خارج میں موجود
ہے اس وجود کے معنی (ہونا) نہیں ہوسکتے جو معنی مصدری ہے بلکہ
اس کے معنی ما بہ الموجودیت ہے گو اس کی حقیقت سمجھ میں نہ آئے مگر
اتنا تو ضرور سمجھ میں آتا ہے کہ ہر شئے معدوم کے موجود ہونے کے وقت
ایک چیز ایسی اس کے ساتھ متعلق ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس پر
موجودیت کا اطلاق ہوتا ہے جب وجود کے دو معنی معلوم ہوئے تو اب ہم جہاں
وجود کہینگے تو اس سے مراد ما بہ الموجودیت لینگے۔ جب آپ یہ سمجھ گئے تو جو معدوم
شئے وجود میں آتی ہے وہاں دو چیزیں ہونگی۔ ایک وہ معدوم جس کو وجود مل
رہا ہے دوسرا وجود جسکی وجہ سے وہ معدوم شئے وجود میں آرہی ہے تو اب تمام

موجودات عالم کا حال معلوم ہو گیا کہ اگر وجود سے قطع نظر کیجئے تو وہ سب معدوم ہے۔ اور موجود ہونا اس کا صرف وجود کی برکت سے ہے۔ اب یہاں یہ بات معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ عالم میں بے انتہا چیزیں ہم دیکھتے ہیں جو شکل و شمائل میں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ اس کثرت کا منشا آیا وجود ہے یا وہ معدومات اس میں شک نہیں کہ وجود مصدری میں کثرت ضرور ہے کیونکہ اس کا منشا ہر ایک موجود ہے جو دوسرے سے تشخص میں ممتاز ہے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وجود خارجی اور اصلی یعنی مابہ الموجودیت میں کثرت ہے کیونکہ اس کی خاصیت تو یہ ہے کہ جس معدوم کے ساتھ ملا اُس کو موجود کر دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ کثرت اشیاء معدومہ میں ہے یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ اشیاء معدومہ تو معدوم ہیں اور عدم میں امتیاز سمجھ میں نہیں آتا تو اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ زید مثلاً جو موجود ہوا حالت عدم میں زید معدوم تھا یعنی عدم محض نہ تھا۔ اسی وجہ سے اس کو زید معدوم کہنے کی ضرورت ہوئی۔ دیکھئے! جب ہم گھر بناتے ہیں تو پہلے اس کا نقشہ ذہن میں لاتے ہیں۔ پھر خارج میں اس کو موجود کرتے ہیں۔ اس سے ظاہر کہ خارج میں معدوم گھر وجود میں آیا نہ یہ کہ مطلق معدوم یعنی عدم محض مقصود یہ ہے کہ گو گھر خارج میں معدوم ہے مگر عدم محض نہیں اگر عدم محض ہوتا تو یوں کہتے کہ عدم کو ہم نے وجود میں لایا۔ حالانکہ کہا جاتا ہے کہ معدوم گھر کو ہم نے موجود کیا۔ پھر وہ معدوم گھر جب وجود میں آیا تو جس قدر

آثار و لوازم اس کے خیال کیے گئے تھے اُن سب کا وجود خارج میں آگیا۔

حاصل یہ کہ موجود گھر کے وجود سے اگر قطع نظر کیا جائے تو صرف گھر رہ جائیگا۔ جو قبل وجود معدوم تھا اور بعد وجود موجود ہو گیا۔ اُسی کو اُس گھر کی عین ثابت کہیں گے گو کہ حالت عدم میں موجود نہیں مگر من وجہٍ اُس کو ثبوت کا ایک درجہ حاصل ہے جس کو وجود نہیں کہہ سکتے جب یہی موجود میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ایک وجود۔ دوسری عین ثابتہ تو معلوم ہوا کہ کثرت موجودات صرف اعیان ثابتہ کی کثرت سے ہے ورنہ نفس وجود واحد ہے۔ اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ تمام عالم کے اعیان ثابتہ پر وجود محیط ہے اور وجود اُن پر ایسا ہے جیسے چادر مختلف اشیا پر اُڑا دی جاتی ہے۔ اور اُن اعیان ثابتہ کا ظہور صرف وجود کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اب تمام عالم کو خیال کر لیجئے کہ کہیں زمین ہے کہیں پانی اور کہیں ہوا اور افلاک وغیرہ اس مجموعہ میں وجود موجود ہے جو ایک ہے مگر ہر ایک چیز کی عین ثابتہ علحدہ علحدہ ہے اور جتنے آثار و لوازم ہر ایک کے ہیں وہ سب ہر ایک کے عین ثابتہ میں مندرج و مندمج ہیں ان کو وجود سے کوئی تعلق نہیں اور تعلق ہے تو اس قسم کا کہ ان کا ظہور بغیر وجود کے ممکن نہیں۔ محققین وجود ہی کو ذات الٰہی کہتے ہیں جو تمام عالم کی مابہ الموجودیت ہے کیونکہ اسی سے ہر چیز کی موجودیت متعلق و وابستہ

ہے گو شریعت میں اس لفظ کا اطلاق ذات الٰہی پر وارد نہیں مگر معنی ضرور صادق آتے ہیں اور عقل بھی اُس کو تسلیم کرتی ہے و العبرۃ للمعنی اس صورت میں زید مثلاً بلکہ تمام عالم معدوم ہے اور موجود ہے تو اس وجہ سے کہ وجود کے ساتھ اس کو ایک تعلق خاص ہے اگر وہ تعلق اُٹھ جائے تو اُس کو پھر کسی طرح موجود نہیں کہہ سکتے۔ اب اگر ظاہر ہے تو وجود ہی ہے کیونکہ معدوم بحیثیت عدم ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اگر اُس کو ظہور ہے تو تعلق وجود کے طفیل سے ہے اس لحاظ سے بندہ اپنے کو فانی اور غیر موجود کہہ سکتا ہے اور اس لحاظ سے کہ وجود کے ساتھ اس کو تعلق خاص ہے اور نظر صرف وجود کی طرف کرے تو ہمہ اوست کا مضمون بھی صادق آتا ہے۔ اسی وجہ سے بزرگان دین کے اقوال دونوں قسم کے وارد ہیں۔ حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ نے متعدد مقامات میں فرمایا ہے ما انت هو بل انت هو اگر کوئی اس خیال سے کہ وجود واحد ہے اور بزرگان دین نے ہمہ اوست فرمایا ہے اپنی حقیقت جو عین ثابتہ ہے پیش نظر نہ رکھے اور یہ کہے کہ ہمیں عبادت کی ضرورت نہیں تو حضرات صوفیہ کے نزدیک بھی وہ کافر ہے۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے کہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور جگہ جگہ عبادت کی تاکید فرمائی ہے اور نصوص قطعیہ کے انکار سے حضرات صوفیہ کے پاس بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے اور وحدت وجود سے اسکو کوئی نفع

نہ ہوگا۔ کیونکہ باوجود وحدت وجود کے دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ آگ برابر جلاتی ہے اور اُس سے درد و مصیبت ہوتی ہے اسی طرح قیامت میں بھی عذاب الیم ہوگا اگر وحدت وجود کا مقتضے یہ ہوتا کہ کسی کو اذیت اور ضرر نہ ہو تو دنیا میں بھی اذیت نہ ہوتی اور یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وحدت الوجود کا اثر قیامت ہی میں ہوگا۔ کیونکہ وجود دنیا و آخرت میں ایک ہی ہے مقتضائے ذاتی اس کا بدل نہیں سکتا ہاں یہ بات اور ہے کہ کثرت عبادت سے کنت سمعہ وبصرہ کے مقام تک پہنچ جائے لیکن وحدت الوجود سے کوئی تعلق نہیں وہ کثرت عبادت کا ثمرہ ہے۔ ھذا من افادۃ العالم العارف باللہ مولانا الحافظ الحاج المولوی محمد انوار اللہ مد ظلہ العالی وعم فیضہ المتعالی بدوام الایام واللیالی فی اثبات وحدۃ الوجود

مسئلۂ خلق افعال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہٖ وصحابہٖ اجمعین۔ اہل علم پر پوشیدہ نہیں کہ مسئلۂ خلق افعال ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے اور اس کے سمجھنے میں بڑی بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں چونکہ شرع شریف میں یہ مسئلہ مہتم بالشان ہے اور اکثر حضرات اس میں ایسی گفتگو کرتے ہیں کہ شریعت سے دور جا پڑتے ہیں اس لئے یہ چند اوراق بغرض خیر خواہی اہل اسلام لکھے جاتے ہیں ناظرین سے توقع ہے کہ تاوقتیکہ اول سے آخر تک بنظر غامض اسکو ملاحظہ نہ فرما لیں۔ اعتراض کی فکر میں مشغول نہ ہوں وما علینا الا البلاغ۔

علما نے لکھا ہے کہ جب ابتداءً کسی کام کے کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے تو اس کو ہاجس کہتے ہیں اور تھوڑا سا قرار و قیام ہونے پر اُس کا نام خاطر ہوتا ہے۔ پھر اگر اس کے کرنے یا نہ کرنے میں تردد ہو تو اس کو حدیثِ نفس کہتے ہیں۔ اور اگر کرنے کی جانب کو ترجیح

ہوجائے تو وہ ہم ہے اور جب پورا قصد کرکے وہ کام شروع کردیا جائے تو اُس کو عزم کہتے ہیں۔ یہاں تک تو مدارج اُس خیال کے ہوئے جو ابتدائً دل میں پیدا ہوتا ہے اس کے بعد فعل جس قسم کا ہو (خواہ جوارح سے متعلق ہو یا دل سے) شروع ہو جاتا ہے اور جب تک وہ کام ختم نہ ہو قصد باقی رہتا ہے اگرچہ بظاہر اُس خیال ابتدائی کے ساتھ فعل کو چنداں مناسبت نہیں۔ مگر یہ تو ظاہر ہے کہ دونوں میں علم۔ معلوم کی نسبت ہے اور دونوں آدمی کے حالات ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہ کیفیت علمیہ ہے اور یہ حالات جوارح وغیرہ اور وہ بمنزلہ تخم ہے اور یہ بمنزلہ درخت۔ جس طرح درخت بغیر تخم کے نہیں ہوسکتا اُسی طرح فعل اختیاری بغیر اُس خیال کے نہیں ہوسکتا اور جیسے تخم بغیر وجود شرائط کے درخت نہیں بنتا ویسے ہی وہ خیال بغیر وجود شرائط کے فعل کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتا اگرچہ بظاہر تخم و شجر میں کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے کہ وہ خشک ہے اور یہ تر و تازہ وہ جماد ہے اور یہ نامی، اس میں رگ و ریشہ و برگ نہیں ہے، اور اس میں سب کچھ ہے وہ بدرنگ بے رونق اور بے مزہ ہے اور یہ خوشرنگ خوش ذائقہ اور خوشبودار ہے۔

باوجود اس کے عقل گواہی دیتی ہے کہ وہی تخم خشک بسبب وجود شرائط کے درخت ہو رہا ہے۔ اسی طرح اگر غور کیا جائے تو وہی خیال اولیں جو درجہ بدرجہ جس میں تھا بسبب وجود شرائط کے صورتیں بدلتا ہوا گویا فعل بن رہا ہے۔

اب اس سلسلے پر غور کرنا چاہیئے کہ ابتدائے وجود خیال سے انتہائے وجود فعل تک آدمی کے اختیار اور قوت کو کہاں تک دخل ہے۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ ابتدائً جو خیال پیدا ہوتا ہے وہ اختیار سے خارج ہے اس لئے کہ جب کوئی نیا خیال

آتا ہے تو اچانک آتا ہے بسا وقت آدمی چاہتا ہے کہ کوئی خیال ہی نہ آئے مگر وہ آہی جاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ خیالات کے باب میں آدمی کس قدر مجبور ہے۔ یہ وجدانی دلیل تھی عقلاً اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ خیال ابتدائی قبلِ وجود ممکن ہے یعنی نہ اس کا وجود ضروری ہے نہ عدم اور یہ مسلم ہے کہ ممکن جب تک بسبب ترجیح جانب وجود کے واجب بالغیر نہیں ہوتا وجود میں نہیں آسکتا۔ پھر یہ بھی بدیہی ہے کہ ممکن سے واجب صادر نہیں ہوسکتا کیونکہ علت کا مرتبہ معلول سے ارفع ہوتا ہے اسی وجہ سے ممکن نہیں کہ اس خیال کا وجود اس شخص سے یا کسی دوسرے ممکن سے ہوسکے تو ضرور ہوا کہ وہ اپنے وجود میں مثل اور ممکنات کے واجب تعالیٰ کی طرف محتاج ہو اور جب تک حق تعالیٰ اُس کو وجود عطا نہ فرمائے وہ موجود نہ ہوسکے۔

ایک واضح دلیل اس دعوے پر یہ ہے کہ اگر اس ابتدائی خیال کو آدمی اپنے اختیار سے پیدا کرتا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ پہلے اُس خیال کا خیال بھی آتا کیونکہ جو کام اختیار سے کیا جاتا ہے اس کو پہلے سے جان لینا ضرور ہے تاکہ وہ سوچ اور سمجھ کر کیا جائے۔ پھر وہ خیالِ خیال بھی اختیاری ہوتا تو اُس کا بھی خیال پہلے ہی سے ہونا چاہیئے علیٰ ہذا القیاس یہ سلسلہ غیر متناہی جاری ہو جائے گا جو باطل ہے کوئی عاقل یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ ایک خیال کے واسطے اتنے خیالات یا چند ہی خیالات پہلے ہی سے موجود ہو جاتے ہوں اس سے ثابت ہے کہ جو خیال آتا ہے وہ بلا اختیار آتا ہے۔ غرض ان دلائل سے ثابت ہے کہ ہاجس محض بخلقِ خالق ہے۔ علامہ صدر الدین شیرازی نے اسفار اربعہ میں محققینِ حکما کا

قول نقل کیا ہے کہ قول المحققین منھم ان المؤثر فی الجمیع ھو اللہ بالحقیقۃ۔

پھر اس کا ثابت و باقی رکھنا بھی خدائے تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ کیونکہ آدمی کسی چیز کو معدوم محض نہیں کرسکتا۔ البتہ کسی چیز کی صورت بدل سکتا ہے۔ جب اعدام پر آدمی کی قدرت نہ ہوئی تو وجود اس کا بحفظ الٰہی اپنی حالت اصلی پر باقی رہیگا۔ جب تک خدائے تعالیٰ اُسکو خود معدوم نکرے اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ ہر وقت کے ہواجس صرف خدائے تعالیٰ کی خلق سے ہیں تو ممکن تھا کہ جب تک حدیث نفس کی نوبت پہنچے کوئی دوسرا ہاجس پیدا ہوجاتا جس سے وہاں تک کی نوبت ہی نہ پہنچتی۔ اس ہاجس کو اس درجہ تک نشو و نما دینا بھی خدا ہی کا کام ہوا اس کے بعد جب تردد کی نوبت پہنچتی ہے جو حدیث نفس ہے اُس کی کیفیت یہ ہے کہ کبھی تو جانب فعل کی راجح ہوجاتی ہے اور کبھی ترک کی۔ اگرچہ یہ دونوں کیفیتوں کے مجموعے کا نام حدیث نفس ہے مگر علیحدہ علیحدہ دونوں جانبوں کو دیکھئے تو وہاں بھی وہی ہاجس کی سی کیفیت ہے کہ یکایک کبھی فعل کی ترجیح ہوجاتی ہے۔ پھر ترک کی پھر فعل کی ہر ایک کیفیت کا حدوث بلا اختیار ہوتا ہے جس کی خلق بحسب دلائل سابقہ حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے گو منشا اس کا ہر جانب کے منافع و مضار کا خیال ہوتا ہے مگر اس خیال کی بھی وہی کیفیت ہے جو ہاجس کی تھی کیونکہ جب منافع و مضار دونوں اس میں ہوں تو پہلے دونوں میں سے کسی ایک کے لئے مرجح چاہیئے اور وہ آدمی نہیں ہوسکتا ورنہ تسلسل لازم آئیگا جس کا حال اوپر گذرا اس سے معلوم ہوا کہ وہ خیال نفع یا ضرر جو حدیث نفس میں

پہلے آیا وہ بھی مثل ما جس کے تخلق آلہی ہوگا اسیطرح دوسرا خیال پھر اس کے
بعد ہم وعزم پیدا ہوتے ہیں وہ بھی ان ہی دلائل سے مخلوقِ خالق
ہیں کیونکہ ان کا وجود بھی حادث ہے۔ الحاصل یہ تمام سلسلہ عزم وقصد
تک تخلقِ خالق ہونا دلائلِ عقلیہ ونقلیہ سے ثابت ہے۔
پھر عزم کے متصل فعل شروع ہوتا ہے اسکی کیفیت حکما کے پاس یہ ہے
جسکو شیخ نے قانون میں لکھا ہے۔

حرکت ارادی جو اعضا سے متعلق ہے اسکی تکمیل اسوقت سے
ہوتی ہے جو دماغ سے بواسطۂ اعصاب اعضا میں پہنچتی ہے
اُسکی صورت یہ ہے کہ عضلات جو اعصاب اور رباطات وغیرہ
پر مشتمل ہیں جب سمٹ جاتے ہیں تو وتر (جو رباط وعصب سے
ملتئم اور اعضا میں نفوذ کیے ہوئے ہی کھیچ جاتا ہے) جس سے
اعضا بھی کھیچ جاتے ہیں اور جب عضلہ منبسط ہوتا ہے تو وتر ڈھیلا
ہوجاتا ہے اور عضو دور ہوجاتا ہے۔ انتہی۔

اس تقریر سے معلوم ہوا کہ نفس ادراک کے بعد کسی کام کا ارادہ کرتا ہے
تو عضلات کو جو جسمِ آدمی میں پانسو انتیس ہیں کشش وغیرہ دیکر کسی عصب
خاص کے ذریعے سے جو ستر ہیں جس عضو کو چاہتا ہے خاص حرکت دیتا ہے
جس سے فعلِ مطلوب وقوع میں آتا ہے

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ نفس کو سر سے پاؤں کو جس عضو کو حرکت دینا ہو تو ضرور ہے کہ پانسو انتیس (۵۲۹) عضلات اور ستہتر عصب سے اُس عضلے اور اُس عصب کو حرکت دینا ہوگا جو اس خاص عضو سے متعلق ہے اور یہ ظاہر ہے کہ قبل اس کے کہ کسی عضلے اور عصب کو حرکت دیں اسکو معین کرنیکی ضرورت ہے تاکہ خاص اسی کو حرکت دیجائے جس کی طرف توجہ ہے اور یہ معین کرنا اس بات پر موقوف ہے کہ پیشتر تمامی اعصاب وعضلات کو بالتفصیل جان لے اس کی مثال بعینہ ایسی ہوگی جیسے لکھنے کے وقت قلم کو حرکت دینے کیواسطے پہلے چند انگلیوں کو معین کرتے ہیں جس سے قلم کو حرکت دینا ہوتا ہے۔ پھر ان انگلیوں کو ارادے اور اختیار سے حرکت دیتے ہیں جس سے قلم کو حرکت ہوتی ہے۔ اس موقع میں ہم اہل انصاف سے درخواست کرتے ہیں کہ جس عضو کو چاہیں بکرات ومرات حرکت دیکر بغور وتعمق اپنے وجدان سے دریافت کریں کہ اس اختیاری حرکت کے وقت کوئی عضلہ یا عصب کی طرف نفس کی ذاتی توجہ بھی ہوتی ہے یا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اندر کوئی عضلہ یا عصب بھی ہے یا کسی چیز کو ہم کھینچتے ہیں جس سے وہ عضو کھنچتا ہے۔ کوئی اس کی گواہی نہیں دے سکتا کہ اندرونی کیا کیفیت ہے اور وہ عضلات واعصاب کیونکر کھچتے ہیں۔ میری دانست میں اگر کوئی پوری پوری وجدانی حالت کی

ایمان سے خبر دے تو یہی کہیگا کہ اعصاب و عضلات کو میں تو نہیں کھینچتا ہاں اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم فلاں عضو کو حرکت دینا چاہتے ہیں۔ پھر ہوتا یہ ہے کہ ادھر توجہ ہوئی اور اُدھر اسکو حرکت ہو گئی۔ یہاں یہ کہنا بے موقع نہ ہو گا کہ عصب و عضلے کو حرکت دینا بھی ہمارے اختیار سے خارج ہے۔ کیونکہ اختیاری حرکت ہوتی تو اس کا علم اور ارادہ بھی ضرور ہوتا اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ حرکت کا ارادہ بعینہٖ عصب و عضلے کی حرکت کا ارادہ ہے۔ اس لئے کہ جب ہمارے وجدان ہی میں نہیں کہ عصب کوئی چیز بھی ہے تو پھر یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ اُس کی حرکت کا ارادہ ہوا پھر جب بحسب تحقیق حکماء اطبا سے یہ ثابت ہے کہ بغیر عضلات و اعصاب کی حرکت کے کوئی عضو حرکت نہیں کر سکتا تو ضرور ہوا کہ وہی ملتفت الیہ بالذات ہوں گو مقصود بالذات اُن کی حرکت نہو۔ یہ ہاتھ پاؤں کے افعال سے متعلق بحث تھی۔ اب آنکھوں کے فعل کا حال سنئے کہ دیکھنے کے وقت حدقوں کو ایک مناسبت کے ساتھ پھیرنے کی ضرورت ہوتی ہے اسوجہ سے کہ جب تک خطوط شعاعی دونوں آنکھوں سے مرئی پر نہ ڈالے جائیں وہ شے ایک نظر نہ آئے گی۔ کیونکہ ہر ایک آنکھ مستقل دیکھتی ہے۔ اسی وجہ سے احول دو دیکھتا ہے پھر وہ دونوں خطوط جب مرئی پر جا پڑتے ہیں تو اُن دونوں کے ملنے سے وہاں ایک زاویہ

پیدا ہوتا ہے یہ زاویہ جس قدر کشادہ ہوگا مرئی بھی اسیقدر بڑی نظر آئیگی۔ اور جس قدر تنگ ہوگا اسیقدر چھوٹی نظر آئیگی۔ اسی وجہ سے کسی چیز کو نزدیک سے دیکھیں تو بڑی اور دور سے دیکھیں تو چھوٹی نظر آتی ہے۔ اسکی تفصیل ہم نے کتاب العقل میں کسیقدر شرح وبسط سے لکھی ہے یہاں صرف اسقدر بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ جب مرئی کے ایک نظر آنیکا مدار دونوں خطوط شعاعی کے ملنے پر ہے تو مرئی جسقدر دور یا نزدیک ہوتے جائیگی حدقوں کی وضع بھی بدلتی جائے گی یہاں تک مرئی بہت ہی نزدیک ہوجائیگی۔ تو حدقے بھی بالکل ناک کی جانب ہوجائیں گے اور جب وہ بہت دور ہوجائے گی تو وہ کان کی جانب مائل ہوجائیں گے۔

اب ہم دیکھنے والوں سے پوچھتے ہیں کہ ایک گز یا ہاتھ کے فاصلہ پر حدقے کو کسقدر مائل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کو اپنے وجدان سے بیان کریں اور اگر وجدان یاری نہیں دیتا تو کسی حکیم ہی کے قول سے ثابت کردیں کہ اس قدر فاصلے پر کوئی چیز ہو تو حدقوں کو اس وضع پر رہنا چاہیئے اور اس قدر فاصلے پر ہو تو۔ اتنی حرکت دینا چاہیئے حالانکہ ہم جب کسی چیز کو دیکھنا چاہتے ہیں تو بغیر اس کے کہ ہم کو اسکا طریقہ معلوم ہو یہ سب کچھ ہوجاتا ہے اِدھر ہماری توجہ ہوئی اُدھر آنکھوں نے

اپنے موقع پر شست باندھ لی اور نفس ناطقہ کو خبر بھی نہیں کہ یہ کام کس نے کیا۔ علیٰ ہذا القیاس بات کرنے اور پڑھنے کے وقت حلق و زبان وغیرہ کے عضلات و اعصاب کو کھینچنا اور ڈھیلے چھوڑنا اور ہر ہر مخرج پر لگانا بغیر اس علم کے کہ کہاں کونسا عضلہ اور کہاں کونسا عصب ہے۔ دلیل واضح ہے اس پر کہ ہمارے اختیار کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ اگر کہا جائے کہ یہ فعل طبیعت سے صادر ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ حکما نے تصریح کردی ہے کہ طبیعت بے شعور محض ہے پھر اس کو کیونکر خبر ہوئی کہ نفس فلاں چیز کو دیکھنا چاہتا ہے اور وہ چیز اسقدر فاصلے پر ہے اور نفس نے فلاں عبارت پڑھنی چاہی۔ اگر نفس طبیعت کو یہ سب بتا دیتا ہے تو یہ خلاف بداہت اور وجدان ہے۔ اور بالفرض اگر تسلیم بھی کیا جائے تو خلاف تحقیق حکما ہے اس لئے کہ نفس اُن کے ہاں ادراکات جزئیہ مادیہ نہیں کرسکتا اور جتنے عضلات اور اعصاب ہیں سب جزئیات مادیہ ہیں پھر نفس کو اُن جزئیات کا ادراک کیونکر ہوسکتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ قدرت یہ سب کام کرلیتی ہے جو نفس کی صفت ہے تو ہم کہیں گے کہ قدرت ارادے کے تابع ہے اور ارادہ علم کے تابع ہے جب تک کسی چیز کا علم نہ ہو اُس کا ارادہ نہیں ہوسکتا اور جب تک ارادہ نہ ہو قدرت کچھ نہیں کرسکتی۔ کیونکہ بغیر ارادے کے اگر قدرت

یہ کام کرے جب کہ آدمی میں ہر کام کی قدرت ہر وقت رہتی ہے تو
چاہیئے کہ ہر کام ہر وقت ہونے لگے جس سے دم بھر کی فرصت
ملنی مشکل ہو اور آدمی دیوانہ مشہور ہو جائے پھر ارادہ بغیر علم کے نہیں
ہوتا ورنہ طلب مجہول مطلق کی لازم آجائے گی جو محال ہے۔ اس سے
معلوم ہوا کہ تحریک عضلات وغیرہ مذکورہ میں صرف قدرت بیکار ہے
حاصل یہ ہے کہ فعل کے وقت تحریک عضلات وغیرہ جو ہوتی ہے وہ
یا خود بخود ہوتی ہے یا ہمارے ارادے سے یا حق تعالیٰ کی خلق سے
چونکہ یہ مسلم ہے کہ کسی چیز کا وجود بغیر موجد کے نہیں ہو سکتا اس لئے خود بخود
تحریک عضلات ہونا باطل ہے اور تقریر سابق سے ثابت ہے کہ
حرکت ہمارے ارادے سے بھی نہیں ہوتی تو اب وہی تیسری صورت
باقی رہ گئی کہ حقتعالیٰ حرکت کو اعصاب وغیرہ میں پیدا کر دیتا ہے اور
یہ ہونا بھی چاہیئے اس لئے کہ حرکت ممکن ہے اور ممکن کے احد الجانبین
کو ترجیح دینا اور اس کو واجب بالغیر بنانا حق تعالیٰ ہی کا کام ہے۔
الحاصل فعل کے سلسلے میں ما جس سے وقوع فعل تک کوئی درجہ ایسا
نہیں کہ حق تعالیٰ کا مخلوق نہ ہو اس سے ثابت ہے کہ جس طرح آدمی کی
ذات وصفات مخلوق الٰہی ہیں۔ اسیطرح اُس کے جملہ حرکات وسکنات
اور افعال بھی مخلوق الٰہی ہیں۔ اس تقریر کے بعد امید ہے کہ معتزلہ کے

کل شبہات بشرطِ انصاف حل ہوجائیں گے۔ کیونکہ جب بدلائل عقلیہ ونقلیہ یہ بات ثابت ہوگئی کہ کل افعال مخلوق الٰہی ہیں تو پھر کوئی شبہہ قابل التفات نہ ہوگا۔ جبریہ کہتے ہیں کہ بندے میں کسی طرح کی قدرت نہیں بلکہ وہ مثل جماد ہے۔ اور اشاعرہ کا مذہب ہے کہ قدرت تو ہے مگر موہوم جس کا اثر فعل میں نہیں ہوسکتا اور وہ فعل کے ساتھ ہی ہے مگر موہوم حنفیہ کا قول ہے کہ قدرت تو بخلق خالق موجود ہے لیکن وہ فعل میں اثر نہیں کرسکتی بلکہ فعل کو اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ بندے میں قدرت موجود ہے اور ایسی قدرت سے بندہ اپنے افعال پیدا کرتا ہے اور وہ قدرت قبل صدورِ فعل بھی موجود ہے۔

اس مسئلے میں معتزلہ اور قدریہ نے صرف عقل ہی سے کام لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہر شخص جانتا ہے جس پر اس کا وجدان بھی گواہی دیتا ہے کہ اپنے میں کام کرنے کے وقت قدرت ہے۔ بلندی پر چڑھنے میں اور اوپر سے گرنے میں ہر عاقل فرق کرسکتا ہے کہ ایک اختیار سے ہے اور دوسرا بلا اختیار اس وجہ سے انھوں نے کہہ دیا کہ فعل بندے ہی کا مخلوق ہے۔ جبریہ نے دیکھا کہ نصوص قطعیہ تصریح کررہی ہیں کہ کل افعال مخلوق باریتعالیٰ ہیں کما قال اللہ تعالیٰ

واللہ خلقکم وما تعملون تو انھوں نے بندے کو مجبور محض اور مثل جماد قرار دیدیا۔ اہل سنت نے دیکھا کہ اسمیں جزا و سزا کا معاملہ درہم وبرہم ہوئے جاتا ہے اس لئے انھوں نے کسب پر جزا و سزا کو مبنی کیا جس پر آیۂ شریفہ۔ لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت دال ہے۔ مقصود ان حضرات کا یہ ہے کہ راہ توسط اختیار کیا جائے یعنی افعال مخلوق آلہی ہوں اور جزا و سزا کسب سے متعلق ہو۔ حضرات صوفیہ کا مسلک بھی اس مسئلے میں ظاہرا جبریہ کا سا معلوم ہوتا ہے چنانچہ ان کی تصریحات سے یہ امر ظاہر ہے۔ مگر چونکہ ان کا مسلک ہے کہ حتی الامکان آیات میں تاویل نہ کریں۔ اس لئے بلحاظ اُن آیات کے جن میں عمل کی تاکید ہے اعلیٰ درجے کا عمل میں اہتمام کیا اور اسقدر عمل میں مشغول ہوئے کہ معتزلہ اور قدریہ باوجود اس اعتقاد کے جو مقتضی کمال اہتمام عمل ہے اس قدر عمل نہیں کرسکتے چنانچہ یہ بات اُن کے حالات اور تذکروں سے ظاہر ہے اور اعتقاد میں وہ بالکل جبریہ کا سا اعتقاد رکھتے ہیں بلکہ ایک حیثیت سے اُن پر بھی فائق ہیں اُن کے مسلک پر بھی بندے میں کسی قسم کی قدرت نہیں بلکہ ہر طرح کی قدرت خدائے تعالیٰ ہی کے لئے مسلم ہے اور مختار وہی ہے بندے کے اختیار کو کوئی دخل نہیں

چنانچہ ارشاد ہے وربک یخلق ما یشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ

سبحانہ وتعالیٰ عمایشرکون۔

یہ تو باتفاقِ اہل سنت وجماعت ثابت ہے کہ قدرت اور افعال دونوں حق تعالیٰ ہی کے مخلوق ہیں۔ اب رہ گیا کسب یعنی قدرت کو صرف کرنا اس کو بھی اگر غور سے دیکھا جائے تو آخر وہ بھی فعل قلبی ہی مثل حدیث نفس و توکل و ایمان وغیرہ اور وہ واللہ خلقکم وماتعملون میں داخل ہے۔ اس تقدیر پر کوئی فعل بندہ کا مخلوق و اختیاری نہیں ہو سکتا بلکہ بندہ مع جمیع افعال مخلوق الٰہی ہے اس مقام میں اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر بندے کو کچھ اختیار نہ ہو اور ارادہ وغیرہ بھی خدا ہی پیدا کرے تو جبر اور خلاف عدل لازم آئے گا اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ اعتراض چنداں قابل التفات نہیں۔ اس لئے جو لوگ مادرزاد اندھے، بہرے گنگے، اپاہج، اور ضعیف الخلقت پیدا ہوتے ہیں اور ہمیشہ بیمار رہتے ہیں جب ہمجنسوں کو نعمتوں اور صحت میں دیکھتے ہوں گے تو اُن کے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی کیا اس کو عذاب نہ سمجھتے ہوں گے اگر بغیر فعل کے عذاب خلاف عدل ہے تو اس خلق کو بھی خلاف عدل کہنا چاہیئے حالانکہ کوئی اس کا قائل نہیں ہے۔

رہا یہ کہ یہ عذاب اس عالم میں افعال سے متعلق نہیں اور جو عذاب اُس عالم میں ہوگا وہ افعال سے متعلق ہے سو یہ بحث دوسری ہے

یہاں کلام صرف عدل میں ہے۔ ایک بندے کو بلا سبب عذاب میں رکھنا اور دوسرے کو نعمتیں دینا اُن کے عقیدے پر خلاف انصاف ہی

الغرض حق تعالیٰ نے جسطرح بعض بندوں کو اقسام کی نعمتیں عطا فرمائیں اسیطرح بعضوں کو توفیق بھی عطا فرمائی یعنی خیالات بھی اُن میں اچھے پیدا کردئے اور اس کے موافق ان میں افعال بھی پیدا کردئے جس سے وہ قابل تقرب ہو جائیں اور کسی دوسرے کو اس قابل نہ بنائے تو خلاف عدل کیونکر ہوگا۔ مالک مختار جسکو جو چاہا دیا کوئی اس سے یہ نہیں پوچھ سکتا اور نہ پوچھنا جائز ہوگا کہ اپنی ملک میں یہ کیوں کیا۔ قال اللہ تعالیٰ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون اسی وجہ سے صاف ارشاد فرمایا ولقد ذرأنا لجھنم کثیرا من الجن والانس جب جہنم ہی کے واسطے بہت سے لوگوں کو پیدا فرمایا تو ان کے کسب کا اختیاری ہونا کس کام پر آئیگا۔ اس لئے کہ جو شخص قبل عمل بلکہ قبل پیدایش دوزخی ٹھیر جائے تو وہ اختیار سے کیا نفع اٹھا سکتا ہے۔

حکمت جدیدہ والوں کو اس کا یقین ہے کہ آدمی جس چیز کو دیکھتا ہی الٹی دیکھتا ہے۔ چنانچہ آدمی کا سر نیچے اور پاؤں اوپر نظر آتا ہے مگر قوت لامسہ اور قرائن سے مدد لیکر سر اوپر اور پاؤں نیچے سمجھنے کی عادت ہوگئی۔ یہ خیال ایسا متمکن ہے کہ تمام عالم کا مشاہدہ اسیطرف ہے

اور وہ ایک طرف اس خیال کا اُن کو ایسا وثوق ہے کہ تعلیم و تعلّم
میں اس مسئلہ کو داخل کر دیا۔ اسی طرح ہنود کے عقائد اپنے دیوتاؤں
کے ساتھ ایسے ہیں کہ کوئی عاقل اُن کی تصدیق نہیں کر سکتا۔ علیٰ ہذا
دوسرے اقوام اپنے اپنے عقائد مخصوصہ کی تصدیق پوری پوری کرتے
ہیں اور کچھ خیال نہیں کرتے کہ وہ خلاف مشاہدہ اور بداہت عقل ہیں
مگر افسوس ہے کہ اہل اسلام باوجود دعوائے اسلام کے حق تعالیٰ کے
قول کی تصدیق نہیں کرتے اور اپنی عقل کے مطابق بنانے کیلئے
آیات قرآنی میں تاویلیں کرتے ہیں۔

چونکہ معتزلہ وغیرہ کا استدلال وجدان قدرت پر ہے اس لئے
اس کا بھی حال کچھ معلوم کر لینا چاہئے۔

وجدان اس علم کا نام ہے جو آدمی اپنے میں پاتا ہے۔ چونکہ حواس
کو بقول حکما شعور نہیں اس لئے اُن کو وجدان بھی نہ ہوگا۔ بلکہ بواسطہ
حواس نفس کو ادراک اور اس کا وجدان ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی عضو جلے
یا سرد ہو تو بواسطہ قوت لامسہ نفس کو گرمی اور سردی کا احساس اور
وجدان ہوتا ہے اسیطرح جملہ حواس اور قوائے متخیلہ و واہمہ وغیرہ
نفس کے ادراک کیلئے آلات ہیں اور نفس کو ان تمام ادراکات
کا وجدان ہے۔ جیسے خوشی اور غمی اور بھوک اور پیاس وغیرہ کیفیات کا

وجدان ہے چونکہ سلسلۂ فعل ہی میں قدرت بھی قائم کی گئی ہے اس لئے یہ دیکھنا چاہیئے کہ جس طرح ہمکو ما جس سے عزم تک جمیع مدارج کا وجدان ہے ایسا ہی قدرت کا بھی وجدان ہے یا نہیں جب کسی کام کا خطور ہم میں ہوتا ہے کہ کوئی نئی بات ہم میں پیدا ہوگئی ہے جو پہلے نہ تھی یہی وجدان ما جس ہے اسی طرح عزم تک نفس کو ہر درجے کا وجدان ہوتا ہے اور ہر مرتبہ کے مناسب آثار نفس میں بلکہ خارج میں نمایاں ہوتے ہیں۔ بخلاف قدرت کے اس لئے کہ اس سلسلے میں کوئی نئی چیز ایسی پیدا نہیں ہوتی جس کا نام قدرت رکھا جائے اگر کہا جائے کہ ہر شخص کو کام کرنے کیوقت اس امر کا وجدان ہوتا ہے کہ میں یہ کام کرسکتا ہوں۔ اسوجہ سے اُسی کام کا ارادہ کرے گا جس کے کرسکنے کا وجدان ہوتا ہے۔ اسی کا نام وجدان قدرت ہے۔ تو جواب اسکا یہ ہے کہ یہ قدرت کا وجدان نہیں بلکہ اُس کام کے علم کا وجدان ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ جیسے دیوار کو دیکھنے سے ایک وجدانی کیفیت آدمی اپنے میں پاتا ہے جسکو دیوار کا وجدان نہیں کہہ سکتے بلکہ وہ اُس کے علم کا وجدان ہے اس لئے کہ دیوار کا علم حصولی ہے اور وجدان علم حضوری میں ہوا کرتا ہے لاہ علم کا وجدان اسوجہ سے کیا جاتا ہے کہ وہ نفس کی کیفیت ہے جس کا علم حضوری

ہوتا ہے۔ اسی طرح کام کرنے کا علم جو قبل فعل ہوتا ہے وہ بھی علم حصولی ہے اس لئے کہ ابھی کام کا وجود ہی نہیں اور ہوگا بھی تو جوارح سے ہوگا۔ پھر اس کا علم حضوری کیونکر ہوگا البتہ اس کے علم کا علم حضوری ہے فعل کا علم ایسا ہے جیسے طبیب حاذق کو بعد ملاحظہ قرائن و اسباب اس امر کا علم ہوتا ہے کہ بیمار مرجائے گا یا صحت پائیگا اور وہ اس کو امر وجدانی سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا وجدان اس پر گواہی دیتا ہے اسی طرح ہر شخص کا وجدان قرائن کی وجہ سے گواہی دیتا ہے کہ ہم یہ کام کر سکتے ہیں۔ مثلاً جو شخص گھوڑے کی سواری نہ جانے اور لوگوں کو گرتے دیکھے تو یہ کہیگا کہ میں سواری نہیں کر سکتا اور جب کئی بار سوار ہوا اور نہ گرے تو اس قرینے سے کہیگا کہ میں سواری کر سکتا ہوں اگرچہ بظاہر وہ اپنے وجدان کی خبر دیتا ہے کہ مجھ میں سواری کی قدرت ہے مگر در اصل وہ علم استدلالی ہے جو بنظر قرائن حاصل ہوا ہے اسی طرح بیمار جب چلتا ہے اور بہ سبب ضعف کے چل نہ سکے تو اس پر قیاس کرکے خبر دیتا ہے کہ مجھ میں چلنے کی قدرت نہیں پھر جب چند بار چلے اور نہ گرے تو یہ کہتا ہے کہ میں اپنے میں قدرت چلنے کی پاتا ہوں۔ اگرچہ یہ بھی وجدان ہی کی خبر دیتا ہے مگر وہ وجدان سے متعلق نہیں بلکہ قیاس اور علم استدلالی ہے اور یہ وجدان بعینہ

ایسا ہے جیسے طبیب کا وجدان بیمار کی صحت یا موت پر ہوتا ہے
بات یہ ہے کہ جب قرائن سے کسی کام کے کرنے کا علم ہوجاتا ہے
تو اُس علم کا وجدان بھی ہوجاتا ہے اور آدمی اُسکو سمجھتا ہے کہ وہ
قدرت کا وجدان ہے حالانکہ وہ وقوع فعل کے علم کا وجدان ہے
اسی وجہ سے اس میں خطا بھی ہوتی ہے اور وہ علم خلاف واقع ثابت
ہوتا ہے۔ مثلاً بسا وقت آدمی دعوی کرتا ہے کہ میں یہ کام کرسکتا ہوں
اور اس پر اُس کو اس قدر وثوق ہوتا ہے کہ شرط تک باندھ لیتا ہے
پھر باوجود اس کے نہیں کرسکتا۔ اگر اس کو شرط باندھنے کے وقت
اس قدرت کا وجدان ہوتا جو اس کام کے لئے کافی ہے تو وہ کام
ضرور کرسکتا۔ پھر جب نہ کرسکا تو معلوم ہوا کہ اس کام کی قدرت کا وجدان
ہی نہ تھا۔

اگر کہا جائے کہ بھوک کے وقت ایک ایسی حالت کا وجدان
ہوتا ہے جس سے آدمی سمجھتا ہے کہ میں کام نہیں کرسکتا۔ پھر کھانا کھانیکے
بعد ایسی حالت پیدا ہوتی ہے کہ اُس سے اپنے میں کام کرنے کی
قوت پاتا ہے اور یہ وجدان ایسا ہے کہ کوئی اسکا انکار نہیں کرسکتا
ہم اسی قوت کا نام قدرت رکھ سکتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ بعد
کھانا کھانے کے جو حالت طراوت و تازگی پیدا ہوتی ہے وہ نباتات

میں بھی ہوتی ہے۔ دیکھ لیجئے چھوٹے درختوں کو سینچنے میں دیر ہو تو پژمردہ اور مضمحل ہو جاتے ہیں جب ان میں پانی سرایت کرتا ہے تو فوراً ان میں تازگی شروع ہو جاتی ہے اور کم زور مرجھائے ہوئے پتوں میں طاقت آجاتی ہے جس سے وہ کھڑے ہو جاتے ہیں حالانکہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ درختوں میں قدرت ہے اسی سے معلوم ہوا کہ طراوت اور تازگی کا نام قدرت نہیں ہو سکتا۔

بات یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ کو اعضا سے کام لینا منظور ہوتا ہے تو ان میں مناسب رطوبت ورنہ یبوست مفرطہ پیدا فرما دیتا ہے مثلاً جب نسیان پیدا کرنا منظور رہو تو خواہ بوجہ پیری یا اور کسی سبب سے دماغ میں یبوست مفرطہ پیدا فرما دیتا ہے جس سے نفس ناطقہ نسیان پر مجبور ہوتا ہے اور قوتِ حافظہ پیدا کرنا ہو تو رطوبت مناسبہ پیدا فرما دیتا ہے اسی طرح تمام اعضا میں رطوبت مناسبہ پیدا ہوتی ہے اس کے بعد بسبب وجودِ شرائط فعل پیدا ہوتا ہے مگر چونکہ اس کی عادت ہو گئی ہے اس لئے آدمی اسی وجہ ان طراوت کو قدرت سمجھتا ہے حالانکہ فعل کی تکمیل جس میں قدرت موثر سمجھی جاتی ہے صرف رطوبت اعضا سے نہیں ہوتی بلکہ اس میں کشش اعصاب و عضلات کو بھی دخلِ تام ہے اور اسکا حال ابھی معلوم ہوا کہ نفس اس میں لاعلم محض ہے

بادی الرائے میں جو وجدان قدرت معلوم ہوتا ہے وہ قدرت کا وجدان نہیں بلکہ اس کا اشتباہ ہے کیونکہ وجدان کے سمجھنے میں اکثر غلطی ہوتی ہے جسکے کئی نظیریں ہیں۔

۱۔ جھولا جھولنے اور چکر پھرنے کے بعد وجدان ہوتا ہے کہ تمام چیزیں پھر رہی ہیں حالانکہ یہ وجدان غلط ہے۔

۲۔ ریل کے بازو سے دوسری ریل گذرے تو گذرنے والونکو وجدان ہوتا ہے کہ ہم ساکن ہیں اور دوسری ریل متحرک ہے۔

۳۔ بہت سے لوگ اپنے میں قدرت پاکر بصرفِ زرِکثیر نکاح کرتے ہیں پھر مقصود میں کامیاب نہیں ہوتے حالانکہ قوت کافیہ کا وجدان جو تھا غلط ثابت ہوا۔

۴۔ افیمی کو افیم نہ ملنے سے جو ردی حالت پیدا ہوتی ہے اُسوقت کوئی چیز مشابہ افیون کے دیجائے گو اس میں نشہ نہ ہو تو وہ افیون کا نشہ اپنے میں پاتا ہے حالانکہ یہ وجدان بھی غلط ہے اس لئے کہ وہ چیز نشہ کی نہ تھی۔

جب وجدان میں غلطی ہونا مسلم ہے تو بالفرض اگر ہم قوت کے وجدانی مان بھی لیں تو ضرور نہیں کہ منشا اس کا واقعی ہو بلکہ جائز ہے کہ جس چیز کا وجدان ہو رہا ہے یعنی قوت ہی سرے سے معدوم ہو جیسے افیونی کی

مثال مذکورہ سے ظاہر ہے۔
الحاصل۔ وجدانِ قدرت سے قدرت کا وجود اور فعل کا اختیاری ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ اب یہاں یہ معلوم کرنا ضرور ہے کہ جب دلائلِ عقلیہ اور نقلیہ سے ثابت ہے کہ بندے کی قدرت و اختیار کو اس کے فعل میں کوئی دخل نہیں تو کسب کے کیا معنی ہوں گے جو لھا ماکسبت۔ میں ارشاد ہے اور جزا و سزا کس چیز پر مبنی ہے۔
اصلِ کسب کے معنی جمع کے ہیں اور استعمال اسکا طلب مال ورزق وغیرہ میں آتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کسبت المال والرزق مطلب یہ ہوا کہ کسی موجود چیز کو حاصل اور جمع کرنے کا نام کسب ہے اس صورت میں افعال کا کسب ایسا ہوگا جیسے مال کا کسب یعنی جیسے مال کے وجودِ ذاتی میں ہم کو کچھ دخل نہیں ویسے ہی افعال کے وجود میں بھی ہمیں کچھ دخل نہیں بلکہ ان کو صرف اپنے میں جمع کر لینے کا نام کسب ہے جیسا کہ مال کے جمع کرنے میں ہوتا ہے ہاں فرق اتنا ہے کہ مال کے حاصل کرنے میں مال پہلے سے ہوتا ہے اور افعال حاصل کرنے کیوقت موجود ہوتے ہیں اور بندہ ان افعال کا ظرف ہوتا ہے اگرچہ اس اعتبار سے بندہ افعال قبیحہ کے ارتکاب پر معذور سمجھا جانا چاہیئے مگر جسطرح ظرف جب محلِ نجاست ہو جاتا ہے تو اس قابل

نہیں رہ سکتا کہ اسکو دسترخوان پر جگہ ملے بلکہ اس کی جگہ مزبلہ یا پاءخانہ ہوتی ہے جہاں نجاست کا مقام ہے گو ظرف کے فعل کو وجود نجاست میں کوئی دخل نہیں اسیطرح بندے کو وجود معاصی میں دخل نہیں۔ لیکن جب محل نجاست معیوب بن جائے تو قابل تقرب نہیں رہتا جبتک گناہوں سے پاک و صاف نہ ہوجائے اگرچہ یہ دونوں ظرف ہیں لیکن بہت بڑا فرق یہ ہے کہ آدمی ایسا ظرف ہے کہ اس کو سمجھ بھی ہے اور سمجھ ایسی چیز ہے کہ مدح و ذم کا مدار اسی پر ہے۔ اسی وجہ سے لڑکے اور سکران اور دیوانے کے افعال قابل مواخذہ نہیں سمجھے جاسکتے

قاتل شرعاً بھی قابل مواخذہ ہے باوجودیکہ نص قطعی سے ثابت ہے کہ مقتول کی عمر میں قاتل کے فعل سے کچھ کمی نہیں ہوتی مگر چونکہ اس کی دانست اور زعم میں مار ڈالنا ہوتا ہے اس لئے وہ قابل مؤاخذہ ٹھیرا۔

اگر کوئی شخص اشتباہ قبلہ کے وقت تحرّی کرکے نماز پڑھ لے تو نماز اس کی صحیح ہوجائے گی گو اس نے خلاف جانب قبلہ نماز پڑھی ہو کیونکہ اس کی دانست میں قبلہ وہی ہے۔

قانونِ سرکاری باب مستثنیاتِ عامہ میں مصرح ہے کہ نیک نیتی سے کوئی فعل ضرر رساں صادر ہو تو جرم نہیں کیونکہ اس کی دانست میں ضرر پہنچانا

مقصود نہیں۔
بہت کم بیمار مرتے ہوں گے جو کسی طبیب کے زیر علاج نہ ہوں یا علاج میں بدعنوانی نہ ہوتی ہو مگر چونکہ اس کی دانست میں ضرر رسانی نہیں ہوتی اس لئے ورثہ بھی اس کو قابل مواخذہ نہیں سمجھتے۔
الغرض۔ صدہا مثالیں مل سکتی ہیں کہ دانست گو خلاف واقع ہو مگر مواخذہ اسی سے متعلق ہے اور جو کام آدمی سمجھکر کرتا ہے اس کے آثار اسکی طبیعت میں موجود ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی دوست کو دشمن سمجھکر مار دے تو مارنے کیوقت جو کیفیت دشمن پر غالب ہونے کیوقت ہوتی ہے یعنی تعلّی وغیرہ وہ سب اپنے میں پائیگا اور اس پر افتخار کرے گا۔ پھر جب ظاہر ہو جائے کہ وہ دوست تھا تو اس فعل پر ندامت ہوگی یہ دونوں آثار صرف اس دانست وعلم سے متعلق ہیں جو دونوں وقت اس میں پائے گئے۔ اب دیکھئے کہ ہر آدمی کی دانست میں یہ بات کسقدر راسخ اور مستحکم ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں ہم اپنے اختیار سے کرتی ہیں اور کسی کام کے وقت یہ خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ فعل حق تعالے ہم میں پیدا کر رہا ہے گو یہ دانست خلاف واقع ہو۔ مگر ثواب وعقاب اسی سے متعلق ہے۔ پھر اگر کوئی اس پر ایمان بھی لایا تو اس کی خود حالتِ قلبی اس کی تکذیب کرتی ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ بہت کم لوگ

ایسے نکلیں گے کہ کوئی شخص ان پر تعدّی کرے اور ان کی حالت قلبی نہ بدلے۔ حالانکہ مقتضا اس ایمان کا یہ تھا کہ جو کچھ ایذا کسی سے پہنچے وہ حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھی جائے اور تعدی کرنیوالے کا خیال بھی نہ ہو اگرچہ عقلاً اور نقلاً یہ مسئلہ مدلل ہے کہ کل افعال مخلوقِ الٰہی ہیں مگر لڑکپن سے جو عادت ہوگئی ہے کہ ارادے کیساتھ فعل موجود ہوتا ہے تو اُس عادت کیوجہ سے جو بجائے خود طبیعت ہو جاتی ہے وجدان گواہی دیتا ہے کہ ہم میں قدرت ہے اور اعتقاد مغلوب ہو جاتا ہے جیسے قوت واہمہ سے عقل مغلوب ہو جاتی ہے مثلاً بلندی پر کم عرض جگہ میں چلنا مشکل ہوتا ہے۔ حالانکہ تجربہ مشاہدہ اور عقل گواہی دیتی ہیں کہ اُس سے کم عرض جگہ میں آدمی ہمیشہ چلتا ہے۔ پھر جب فعل کے وقت وجدانِ قوت ایمان پر غالب ہو جائے تو اُس حالت میں ایمان سابق کا وجود کالعدم ہے جسطرح قوت واہمہ کے وقت عقل و تجربہ کا وجود بیکار ہے۔

اس دانست و وجدان کے اعتبار سے مواخذہ خلاف عدل و انصاف ثابت نہیں ہو سکتا جسطرح قتل شرعاً قابل مواخذہ ہے اور عرفاً وقانوناً دشنام دہی جرم ہے۔ حالانکہ جس فعل کی وہ تصریح کرتا ہے نہ اس کا وقوع زمانہ ماضی میں ہوتا ہے نہ استقبال میں بلکہ صرف اس کے اس خیال قبیح پر قابل مواخذہ سمجھا جاتا ہے اگر کہا جائے

کہ دشنام دہی خود فعل ہے جس کا وجود جوارح یعنی زبان سے متعلق ہے یہ جرم فعل کا ہوگا نہ خیال کا۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ اگر قابل مواخذہ ہے تو وہ فعل ہے جس پر الفاظ دلالت کرتے ہیں اور الفاظ اخبار ہوں یا انشا کسی طرح قابل مواخذہ نہیں ہیں جب تک کہ وہ کسی خیال سے ظاہر نہ ہوئے ہوں اسی وجہ سے اگر کسی خاص شخص کے نام سے گالی دیوار پر لکھی ہو تو اس کا لکھنے والا مجرم اور قابل مواخذہ ہوگا۔ اگر پھر ثابت ہو جائے کہ گالی دینے والا نشہ کی حالت میں تھا تو معذور سمجھا جاتا ہے حالانکہ زبان کا فعل وہاں بھی موجود ہے مگر چونکہ وہ بیخودی اس کی تسلیم کی جاتی ہے اس لئے اس کا فعل غالباً قابل مواخذہ نہیں سمجھا جاتا اس سے ثابت ہے کہ عرفاً وعقلاً بھی قابل مواخذہ دانست ہی ہے گو خلاف واقع ہو۔

برقی روشنی

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین

ہم جن چیزوں کو روزمرہ دیکھ رہے ہیں اگر غور اور تدبر کی نگاہ سے دیکھیں تو بہت ساری لاینحل عقدے حل ہوسکتے ہیں دیکھئے آجکل مشاہدہ کر رہے ہیں کہ یورپ کے عقلمندوں نے برقی روشنی ایک عجیب چیز ایجاد کی ہے جس کے کرشمے ایک عالم کو حیران کر رہے ہیں کیا یہ بات عالم کو محو حیرت کرنے کیلئے کافی نہیں ہے کہ صدہا اور ہزارہا چراغ ایک ادنی حرکت سے روشن ہو جاتے ہیں اور پھر ایسی صنعت سے کہ کوئی سفید ہے کوئی سبز اور کہیں سرخ ہے تو کہیں زرد بیسیوں رنگ کے چراغ آن واحد میں جلوہ گر ہوجاتے ہیں اور ہر ایک چراغ دوسرے سے کامل ممتاز نظر آرہا ہے صرف یہی نہیں بلکہ کہیں پھول کی شکل ہے تو کہیں پتے وغیرہ کی ایسی صنعت اور جدت طرازیوں کو دیکھتے ہوئے کیا بعید ہے کہ آئندہ کسی زمانہ میں حیوانات اور انسانوں کی شکلیں بھی بنائی جائیں اور وہ سب ممتاز حیثیت میں نور کے پتلے بنکر اپنے

دیکھنے والوں کو محو تماشا بنا دیں۔

اس برقی روشنی کا ایک خاص منبع ہوتا ہے جس پر اس عالم نورانی کا مدار ہے وہاں ایک ایسا بٹن بنا ہوتا ہے جسکو ایک ذرہ سی حرکت دینے سے تیرہ و تار مقامات بقعۂ نور بنجاتے ہیں اور ایسا دلچسپ سماں نظر آتا ہے کہ دیکھنے والے اُس کی دلچسپی میں محو حیرت ہو جاتی ہیں اگر پہلے پہل کسی دیہاتی شخص کے روبرو جس نے کبھی اپنی عمر میں برقی روشنی نہیں دیکھی ہو اُس کو یہ سماں دکھلایا جائے تو جس قدر اُس کو حیرانی ہوگی اُسکا اندازہ نہیں ہو سکتا اگر یہی کام ہر روز اُس کے روبرو کیا جائے اور وہ اس روشنی کا عادی ہو جائے تو اس کی ابتدائی کیفیت باقی نہ رہے گی اب اگر اُس سے پوچھا جائے کہ بھائی یہ عمدہ عمدہ صنعتیں جو تم ہر روز دیکھ رہے ہو ان کی کیا حقیقت ہے اور اُنکا بنانیوالا کسدرجہ کا صناع ہے تو بے ساختہ اُس کے مونھ سے یہی نکلیگا کہ ہماری سمجھ میں تو کوئی بات نہیں آتی اور نہ ہمیں اس کے سمجھنے کی کوئی ضرورت ہے یہ تو ایک عامی اور سادہ لوح شخص کی حالت تھی اگر کوئی عقلمند شخص ہو تو وہ اسی فکر میں لگا رہے گا کہ آخر اُس کی لِم کیا ہے اور دفعتاً اسقدر چراغ کیونکر روشن ہو جاتے ہیں بالآخر ایسے لوگوں کی جد و جہد کا ثمرہ ان کو مل ہی جاتا ہے اور وہ اپنی اپنے

حوصلے کے موافق کچھ سمجھ بھی لیتے ہیں اب عقلمندوں کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے کہ عالم پہلے تیرہ و تار تھا بلکہ یوں کہیئے کہ عالم کچھ بھی نہ تھا ہر طرف ہر طرف عدم کی تاریکی ہی تاریکی تھی پھر حق تعالیٰ نے ایک ادنیٰ حرکتِ "کن" سے تمام عالم کو روشنی وجود سے منور کر دیا گویا اس تاریکی میں قسم قسم کے چراغ روشن ہو گئے کیونکہ موجود بھی ایک چراغ ہے جس سے نور وجود ظاہر ہو رہا ہے اور چراغ جس طرح اس تاریکی میں ممتاز ہو کر نظر آتا ہے اسی طرح ہر موجود ممتاز ہو کر نظر آرہا ہے ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ چراغ میں بھی نورِ وجود نہ ہو تو بالکل نظر نہ آئیگا اس لیئے کہ وہی چراغ جبتک عدم میں تھا نمایاں نہ تھا صرف وجود کی وجہ سے نمایاں ہو گیا۔ اور قبل وجود اس کا کہیں پتا نہ تھا البتہ روشن کرنیوالے کے علم میں اسقدر ضرور تھا کہ اس مقام میں فلاں قسم کا چراغ ہو اور اس مقام میں فلاں قسم کا اسی طرح حق تعالیٰ کے علم میں ہر چیز کا وجود تھا اس وجود علمی کے سوا ان چراغوں میں یہ بات بھی ضرور تھی کہ منور کرنیوالے نے ہر ایک چراغ کو ایک ایک مقام معین میں کر دیا تھا کہ فلاں مقام میں فلاں قسم کا چراغ ہو اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر ایک چراغ کیلئے ایک ذات تھی جس کا وجود بجز روشنی کے خارج میں آگیا پس اس ذات معدومہ کو اس چراغ کی عین ثابتہ کہہ سکتے ہیں

کیونکہ ہنوز اس کا وجود نہیں ہوا بلکہ صرف اُسکو ایک قسم کا ثبوت ہے
جو وجود کے پہلے کا درجہ ہے اسی طرح موجودات عالم کے اعیان ثابتہ
پہلے سے تھیں جو نور وجود کے ساتھ ہی باہم ممتاز ہو کر وجود میں آگئیں
یہ امر مسلم ہے کہ آدمی کسی چیز کو موجود نہیں کر سکتا یعنی کسی معدوم کو وجود
میں لانے پر ہرگز قادر نہیں ہے صرف اتنا ہی کر سکتا ہے کہ موجودہ اشیار
میں ایک خاص قسم کی ترکیب دیکر ایک چیز بنا دیتا ہے مثلاً مٹی پتھر
لکڑی وغیرہ کو ایک خاص قسم کی ترکیب دیکر گھر بنا لیا اگر پیشتر سے گھر
کے اجزا موجود نہ ہوتے تو انسان ہرگز گھر نہ بنا سکتا اسی طرح برق
جو ایک موجود چیز ہے اُس میں تصرف کرکے روشن کر دیتا ہے مطلب
یہ ہے کہ وہ نہ تو برق کی ذات کو وجود میں لا سکتا ہے اور نہ روشنی کو
بلکہ صرف اپنی تدبیر سے موجودہ برقی قوت کو یا یوں کہیے کہ مادۂ برق کو
جمع کر دیتا ہے اور ایک ایسی خاص قسم کی حرکت دیتا ہے جس سے
اُس میں اشتعال پیدا ہو جاتا ہے اور یہ مادۂ برق یا اصلی قوت جس میں
انسان نے تصرف کرکے مشتعل کر دیا ہے حق تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے
اُس کی ایجاد انسان کی قدرت سے بالکل خارج ہے اسی طرح انسان کا
ہر ایک عمل صرف تصرف اور اشتغال ہے اشیاء موجودہ میں آدمی
جن اعیان ثابتہ کو موجود کرتا ہے وہ موجودات کی ایک خاص قسم کی حالت

ہوتی ہے مثلاً مکان کی عین ثابتہ لکڑی پتھر وغیرہ کی ایک خاص ہیئت تھی جس کا نقشہ بنانیوالے نے اپنے ذہن میں ٹھیرایا تھا پھر اُن موجودہ اشیاء میں تصرف کرکے اور ایک قسم کی ترکیب دیکر مکان کی عین ثابتہ کو موجود کر دیا اگرچہ مکان کا یہ وجود خارجی پہلے نہ تھا مگر وہ اشیاء جنکو یہ ہیئت عارض ہوئی ہے پہلے سے موجود تھیں بخلاف خداوند تعالے کے کہ اُن اعیان ثابتہ کو وجود دیتا ہے جن کا کوئی مادہ خارج میں نہیں ہوتا ایسا وجود دینا خاص حق تعالیٰ ہی کا کام ہے اگر خداوند تعالے کی تخلیق کیلئے بھی پیشتر مادّہ کی ضرورت ہو تو وہ بھی مثل انسان کے محتاجِ مادّہ ہو جائیگا کہ جب تک مادہ نہ ہو کچھ پیدا ہی نہ کرسکے حالانکہ خدا کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ کسی چیز کا محتاج ہو اور اگر مادۂ عالم پہلے ہی سے موجود ہو اور کسی کا بنایا ہوا نہ ہو تو اس کو ہی خدا کہنا پڑے گا کیونکہ خدا کے معنی ہی یہ ہیں کہ خود بخود موجود ہو گیا ہو کسی نے اُسکو پیدا نہ کیا ہو جیسا کہ خدا کی لفظی ترکیب بھی یہی بتا رہی ہے کہ خدا کی اصل خود آ تھی اب اگر یہ مان لیا جا ئے کہ مادۂ قدیم ہے اور وہی خدا ہے تو پھر ذات باری تعالیٰ کے ماننے کی ضرورت نہ رہے گی کیونکہ عالم کے لئے ایک خدا کافی ہے چنانچہ مادّہ پرست دہریہ یہی کہتے ہیں کہ تخلیق عالم کیلئے مادّہ کافی ہے خدا کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ خیال اُن کو اس لئے پیدا ہوا کہ ہم جس جس چیز کو

بناتے ہیں اُس کا کچھ نہ کچھ مادہ ضرور ہوتا ہے ایک ہانڈی بنائی جاتی ہے تو اُس کے لئے بیشتر مٹی کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک صندوق بنایا جائے تو پہلے لکڑی کی ضرورت ہوتی ہے غرض ہماری مصنوعات میں کوئی چیز ایسی نہیں مل سکتی جس کا کچھ نہ کچھ مادہ ہو جب ہمیں کچھ بنانیکی ضرورت ہوتی ہے تو پہلے مادہ کو فراہم کرنیکا خیال ہوتا ہے اس سے اُنھوں نے یہ خیال گھڑ لیا کہ جو چیز پیدا ہوگی اُس کا کچھ نہ کچھ مادہ ضرور ہوگا مگر افسوس اُنھیں یہ نہ سوجھا کہ آخر مادہ بھی ایک چیز ہے اُسکا کیا مادہ ہوگا۔ اگر اس خیال کو وہ مستحکم کرتے اور خوب غور کرتے تو ضرور اُن کو ماننا پڑتا کہ ہر چیز کو مادہ کی ضرورت نہیں ہے صرف مادیات محتاج مادہ ہیں بہرحال اپنی مصنوعات پر قیاس کرکے یہ حکم لگا دینا کہ کوئی چیز ایسی نہیں جو بغیر مادہ کے بنی ہو اس لئے عالم کا ایک مادۂ اولیٰ ہونا ضرور چاہیئے ایک بے اصل حکم اور قیاس مع الفارق ہے اگر آپ اُن سے یہ پوچھیں کہ وہ مادہ کیا چیز ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے تو نہ اسکی حقیقت تبلا سکتے ہیں نہ کوئی چیز دکھا سکتے ہیں بجز اس کے کہ ایک فرض کردہ خیالی چیز کی تعریف کر دیں اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ کوئی کہتا ہے کہ وہ ایک جوہر بسیط ہے جو اپنے ظہور میں صورت کا محتاج ہے اور کسی کا قول ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے سخت اجزا ہیں جو ٹوٹتے پھوٹتے نہیں۔

اب یہاں غور کرنا چاہیئے کہ ابتدائی تقریر ایسی چیز سے شروع ہوئی تھی جو
محسوس ہے مثلاً ہانڈی کیلئے مٹی اور صندوق کے لئے لکڑی اور انتہا
اُس چیز پر ہوئی جو کسی طرح محسوس ہی نہیں ہو سکتی اور خود مادئین اس کے
محسوس کرانے سے عاجز ہیں اور پھر باہم ان میں اس کے متعلق ایسی
نزاع واقع ہوئی ہے کہ کوئی فرقہ اپنے دعوی کو ثابت نہ کر سکا جس سے
دوسرا فرقہ ساکت ہو جائے باوجود اس کے ہمارے بعض احباب
اُن کے اقوال کی ایسی تصدیق کرتے ہیں کہ گویا ایمان لاتے ہیں
اور ان خیالی باتوں کے مقابلہ میں خدا و رسول کے فرمان واجب الاذعان
کو کہ حق تعالے جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اُس کو کُن سے مخاطب
کرتا ہے اور وہ چیز فوراً بلا تاخیر وجود میں آجاتی ہے ہرگز پروا نہیں
کرتے اور ان مادئین کی تقلید سے ایک ایسی چیز کے قائل ہو رہے
ہیں جس کو نہ دیکھا ہے اور نہ دکھا سکتے ہیں جب مسلمان کہلاتے ہیں
تو کم از کم اتنا تو ہوتا کہ مادئین کی اُن باتوں کو جن کا ثبوت خود اُن کے
نزدیک نہیں ہے نہ مانتے اور خدا کی بات کو جس کے صادق القول
ہونے پر بوجہ مسلمان کہلانے کے ایمان رکھنا چاہیئے. مان لیتے مگر
افسوس ہے کہ خدا تعالی کی اُن کے نزدیک اتنی بھی وقعت
نہیں کہ اُس کی بات کو ان بے اصل مخدوش اور خیالی باتوں پر

ترجیح دیں۔

نیچریہ یعنی فرقہ دہریہ پر مسئلہ مادّہ کا اسقدر اثر ہوا کہ اس مسئلہ کی ابتدا، جہاں سے ہوئی تھی اُس کو وہ سرے سے بھول ہی گئے اسلئے کہ ابتدا، تو یوں ہوئی تھی کہ اگر ہم کسی چیز کو بنانا چاہتے ہیں تو پہلے مادہ کی ہمیں ضرورت پڑتی ہے جب مادہ ملجاتا ہے تو اپنی فکر وتدبر سے اُسمیں تصرف کر کے ایک نئی چیز بنا لیتے ہیں جو پہلے نہ تھی یہاں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مادّہ نہ اپنی ذات سے کوئی کام کرسکتا ہے نہ اُس کو عقل وشعور ہے باوجود اس کے انھوں نے یہ مان لیا کہ بنانیوالے کی کوئی ضرورت نہیں صرف مادہ سب کچھ کر لیتا ہے مادہ جمع ہوکر زمین بنگئی پانی بنگیا ہوا ہوگئی آگ بنگئی جمادات حیوانات اور تمام کائنات خود بخود بنگئی اور ہزاروں سیکڑوں چیزیں بنتی جاتی ہیں۔

اگر اہل اسلام قرآن وحدیث کی کوئی بات اُن سے کہتے ہیں جو اُن کی معمولی عقلوں میں نہیں آتی تو فوراً کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم جب تک مشاہدہ نہ کرلیں گے ایسی باتوں پر ایمان نہ لائیں گے اب ہم اُن سے پوچھتے ہیں کہ اس عالم کی روزمرہ کی وہ چیزیں جنکو ہم استعمال کرتے ہیں اور اپنی قوت صنعت وحرفت سے نئی نئی وضع کی تیار کرتے ہیں کیا خود بخود بنجاتی ہیں؟ اور کوئی مصنوع ایسا بھی ممکن ہے جو بغیر کسی کے

بنائے بن گیا ہو۔ایسا تو ہرگز ہو نہیں سکتا جب ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کا
یہ حال ہے تو کائنات کی بڑی بڑی مخلوقات کیونکر خودبخود بن گئی ہونگی
مشاہدہ کے خلاف اُن کی عقلوں نے کسطرح تسلیم کر لیا کہ تمام عالم خودبخود
بغیر کسی خالق ذی شعور کے بنگیا ہے اس کی مثال بعینہ ایسی ہے جیسے
دیہاتی بیوقوف نے برقی روشنی کے ہزارہا چراغوں کو خودبخود روشن
ہوتے دیکھا اور روشن کرنیوالا اُس کو نظر نہ آیا تو اُس کے سادہ ذہن نے
یہ نتیجہ نکالا کہ جب رات ہوتی ہے تو یہ سب چراغ خودبخود روشن ہو جاتے
ہیں اب اُس سے ہزار کہئے کہ بھائی یہ برقی روشنی ہے تم برق کی قوتوں
اور کرشموں سے ناواقف ہو یہ سب چراغ برقی قوت سے روشن ہوتے
ہیں اور ایک شخص اُن کو روشن کرنیوالا ہوتا ہے جو ایک خفیف سی
حرکت سے سب کو آنِ واحد میں روشن کر دیتا ہے مگر اُس سادہ لوح کے ذہن
میں یہ بات نہ آئے گی اور وہ ہرگز باور نہ کرے گا یہی کہے جائے گا کہ
اگر یہ بجلی ہے تو اُس کی گرج کہاں ہے ہم نے تو کبھی نہیں دیکھا کہ بجلی چمکے
اور اُس کی گرج نہ ہو اگر دوری کیوجہ سے اُس کی آواز نہ سنی جائے تو یہ بات
اور ہے مگر جہاں چمکتی ہے وہاں تو آواز ضرور ہوتی ہے پھر اگر یہ بجلی ہے
تو اُس کی روشنی پوری تار میں کیوں نہیں ہوتی اور وہ تار گرم کیوں نہیں
ہوتا اور چراغ کی طرح وہ بھی روشن کیوں نہیں نظر آتا اور جن لکڑیوں سے

وہ متعلق ہے وہ کیوں نہیں جلجاتیں ۔ کیا اس احمق کے یہ دلائل عقلمندوں کے نزدیک قابل التفات ہوسکتی ہیں ہرگز نہیں عقل والے یہی سمجھیں گے کہ وہ بے وقوف معذور ہے اس کی کمزور عقل اس قابل نہیں کہ مسئلہ برق کو سمجھ سکے مگر عقلا فوراً مان جائیں گے اور بسبب مدارجِ عقل برق کی طاقتوں اور کرشموں کے قائل ہوجائیں گے اور کم از کم اتنا تو ضرور کہیں گے کہ گو ہمیں اس کی حقیقت معلوم نہ ہو اور کسی قسم کی حرکت سے وہ روشنی ہوتی ہے اور اُس حرکت میں اور روشنی میں کیا مناسبت ہے گو ہم نہ سمجھ سکتے ہوں مگر ہم یہ ضرور کہیں گے کہ کوئی شخص ضرور ہے جو ایک خاص قسم کی صنعت اور حرکت سے اُن تمام چراغوں کو روشن کیا کرتا ہے یعنی متحرک اور منورِ کے وجود کے وہ ضرور قائل ہوجائیں گے اہل ایمان بھی سمجھتے ہیں کہ جس طرح اُس جنگلی کی سمجھ قاصر ہے اور سمجھ نہیں سکتا کہ صرف ایک حرکت سے ہزاروں چراغ کیونکر روشن ہوجاتے ہیں اسیطرح ہماری سمجھ اس بات سے قاصر ہے کہ خداوند تعالےٰ ایک لفظ کُنْ سے تمام مخلوقات کو کیونکر پیدا کردیتا ہے اور جسطرح عقلا تسلیم کرلیتے ہیں کہ ایک ادنیٰ حرکت سے ہزاروں چراغ کا آن واحد میں روشن ہوجانا کوئی خلاف عقل نہیں اسی طرح وہ عقلا جن کو دین کی عقل ہے اور ہمیشہ قرآن وحدیث کے مضامین میں غور وفکر کرتے رہتے ہیں اُن کو صاف طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ

بیشک جس چیز کو حق تعالیٰ پیدا کرنا چاہتا ہے ایک امر کُنْ سے پیدا کر دیتا ہے یعنی اس کو ارشاد ہوتا ہے کہ ہوجا وہ فوراً پیدا ہوجاتی ہے اُن کو اس بات کا عقل سے بھی یقین حاصل ہوتا ہے کہ جسطرح خداوند تعالیٰ کا وجود کسی کا محتاج نہیں خود بخود اُس کا وجود ہے اسیطرح وہ اپنے افعال میں بھی کسیکا محتاج نہیں ہے اُس کو نہ مادہ کی ضرورت ہے نہ آلات و اوزار سے مدد لینے کی اگر ایسا نہ ہو تو پھر بندہ اور خالق میں فرق ہی کیا ہوا بندہ بھی بغیر مادہ کے کوئی چیز بنا نہیں سکتا اور خالق بھی بغیر مادہ کے نہ بنا سکا خالق کے افعال کو بندوں کے افعال پر قیاس کرنا خالق کی بیقدری کرنی ہے۔ اگر بر قی روشنی میں کامل طور پر فکر کیجائے تو بہت سے دینی مسائل کا کامل ثبوت مل سکتا ہے۔ بشرطیکہ ایمانی نظر سے دیکھیں اگر حق تعالیٰ توفیق دے تو کسی مقام میں اس سے متعلق اور بھی کچھ لکھا جائے گا حق تعالیٰ ہمیں ایمانی نظر عطا فرمائے تاکہ ہر چیز سے فائدۂ اخروی اور دنیوی حاصل کرسکیں۔

اعلان

اہل اسلام کو بشارت دیجاتی ہے کہ حضرت مولٰنا مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ صاحب قبلہ کی تصانیف جنکی بحسب اقتضائے زمانہ نہایت سخت ضرورت ہے مندرجہ ذیل پتہ سے شائقین کی طلب پر روانہ کیجاسکتی ہیں۔

انوار احمدی ۔ اسمیں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فضایل اور درود شریف کے فوائد اور صحابہ کرام وغیرہم کے آداب اور چند ضروری مسائل پر نہایت محققانہ بیان کیا گیا ہے جنکی عموماً اہل اسلام کو انکی ضرورت ہے جو انکی خوبی و پسندیدگی کے باعث ہاتوں ہاتھ تقسیم ہو چکی تہی اب پہر شائقین کے تقاضے پر بکرر اعلیٰ پیمانہ پر رنگین ٹائٹل کے ساتھ طبع کی گئی ہے قیمت ۔۔۔

کتاب العقل ۔ اسمیں عقل کی حقیقت کہولدیگئی ہے کہ دینی ابواب میں کہانتک چل سکتی ہے اور حکمت قدیمہ و فلسفہ جدیدہ کا اثر جن مسائل پر پڑتا تہا اونکے جوابات عقلی نہایت محققانہ انداز سے دئے گئے ہیں یہ بہی بکرر اعلیٰ کاغذ اور رنگین ٹائٹل کے ساتھ چہپی ہے قیمت ۔

افادۃ الافہام ۔ ہر دو حصہ یہہ کتاب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے ازالۃ الاوہام کا جواب ہے نہایت محققانہ منصفانہ طرز سے جوابات دئے گئے ہیں جنکے ضمن میں کئی دینی ضروری مسائل کی تحقیقات اور نیز بہت سے تاریخی حالات مندرج ہیں اس کتاب کے دیکھنے سے مذہب قادیان کے مفاسد سے بخوبی آگاہی ہوجاتی ہے کاغذ چکنا قیمت عہ

مقاصد الاسلام ۔ ہشت حصہ جنمیں اخلاق تمدن فقہ کلام فلسفہ اسلام اور تصوف وغیرہ مضامین پر نہایت محققانہ اور دلکش طرز پر بحث کی گئی ہے قیمت حصہ اول ۔ دوم ۔ سوم ۔ چہارم ۔ پنجم ۔ ششم ۔ ہفتم ۔ ہشتم

حقیقۃ الفقہ ۔ ہر دو حصہ اسمیں محققین و محدثین کے فرائض منصبی اونکے کارنامہ و تجدد واجتہاد کی ضرورت نہایت مدلل طور پر ثابت کی گئی ہے خصوصاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جانفشانی وا ور فضائل جو اکابر و محدثین کے اقوال سے ثابت ہیں نہایت شرح و بسط سے لکہے گئے کاغذ چکنا ولایتی رنگین ٹائٹل قیمت

انوار الحق ۔ مولوی حسن علی صاحب بکرار کی تائید الحق جو مرزا صاحب قادیانی کی تائید میں لکہی گئی ہے اسکے جواب میں یہ محققانہ رسالہ لکہا گیا ہے اسکا انداز بیان دیکہنے سے معلوم ہوگا کہ کسقدر تحقیق سے ... قیمت

المعلن

ابوالدرجات مولوی حافظ محمد ولی الدین مہتمم دفتر اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن

سلسلۂ اشاعت العلوم نمبر (۶۱)

إن الدين عند الله الإسلام

از تازہ افادات حقائق آگاہ معارف دستگاہ عارف باللہ مولانا مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ خان
نواب فضیلت جنگ بہادر معین المہام امور مذہبی ممالک محروسہ سرکار عالی

حصۂ نہم

5596

مقاصد الاسلام

باہتمام

جناب مولوی حافظ محمد ولی الدین صاحب فاروقی مہتمم مجلس اشاعت العلوم
حیدرآباد دکن صانہا اللہ عن الشرور و الفتن

در مطبع شمس الاسلام حیدرآباد دکن طبع شد

دفعہ اول — سنہ ۱۳۳۶ ہجری — یکہزار جلد

کتب دینیات
کلیہ جامعہ عثمانیہ

فہرست مضامین مقاصد الاسلام حصہ نہم

صفحہ	مضمون
۱	اثر دست مبارک۔
۲	کھجور کی ڈالی تلوار ہو گئی۔
〃	اجزائے دیمقراطیسیہ کا حال اور قلب ماہیت کا امکان۔
۳	باوجود قدرت کے شیوع اسلام میں تاخیر کیوں ہوئی۔
۴	بغیر دوا کے قدرتی علاج۔
〃	دست مبارک سے چہرہ روشن ہو گیا
۵	دست مبارک سے محبت کا پیدا ہونا۔
۶	فرشتے لشکر کے ساتھ رہتے تھے
۷	حفظ قرآن ببرکت دست مبارک
۸	جنون کے وجود اور ان کے حیرت فزا واقعات کو اہل یورپ نے مان لیا۔
۸	ببرکت دست مبارک شہسوار بن گئے
۹	دفع جنون۔
۱۰	دست مبارک رکھنے سے بھوک جاتی رہی۔
۱۱	فقر و فاقہ اہل بیت کرام۔
〃	معجزات کا ظہور قدرت الٰہی میں ہوتا تھا۔
۱۲	دست مبارک نے فطرتی آثار کو روک دیا۔
۱۳	ولید کے سر پر ہاتھ نہ پھیرنے کی وجہ
۱۴	زنا کے اجازت کی درخواست اور اس خواہش کا دفع ہونا۔
۱۵	طریقہ موعظۂ حسنہ۔
۱۶	اثر دست مبارک سے شک کا جاتا رہنا۔

صفحہ	مضمون
۱۶	وجہ اختلاف قرأت قرآن
۱۷	دستِ مبارک سے فصل مقدمات کا طریقہ معلوم ہوگیا۔
۱۸	دستِ مبارک کے رکھنے سے چہرہ روشن ہوگیا
"	دستِ مبارک سے پانی کا پیدا ہونا
۱۹	صحیح احادیث سے تصرف فی الاکوان کا ثبوت اور اس کی حقیقت۔
۲۰	انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے
۲۱	حضرت کے دئے ہوئے کنکریوں نے کنواں پانی سے بھر گیا۔
۲۲	جن کنکریوں کو دستِ مبارک لگا تھا ان سے کنوئیں چشمے جاری ہوگئے
"	دستِ مبارک سے پانی کا پیدا ہوجانا
۲۳	معجزوں کی ضرورت۔
۲۴	انگلیوں سے چشمے جاری ہوجانا
۲۵	دستِ مبارک کے اثر سے غدود کا جاتا رہنا۔

صفحہ	مضمون
۲۵	اثر دستِ مبارک سے روشنی
۲۶	برکت کے معنی۔
۲۸	اثر دستِ مبارک۔
"	اثر دستِ مبارک بر چہرہ۔
"	اثر دست مبارک و تاثیر آں در بیماراں۔
۲۹	اثر دستِ مبارک سے بال سفید نہ ہوئے
۳۱	اثر دستِ مبارک کا غلبہ طبیعت انسانی پر۔
"	لکڑی کا تیر ہو جانا۔
۳۲	خارج شدہ آنکھ بہتر ہو جانا۔
"	تھوڑے پانی سے لشکر کثیر کی سیرابی
۳۵	اکیس کھجوریں ہزار من ہوگئیں اور اس کا فلسفہ۔
۳۶	ایک پتو جو سے اسّی آدمی سیر ہوئے
"	ایک صحنک کھانے میں برکت
۳۷	بکریوں کی حالت خودبخود بدل جانا

صفحہ	مضمون
۳۸	کرشمۂ توفیق۔
〃	ایک بکری کے دودھ میں برکت
۳۹	حضرت کی معیشت جو نبوت پر دلیل ہے۔
۴۰	مرزا صاحب نے معجزات کا انکار کر دیا۔
۴۱	دستِ مبارک سے داد جاتا رہا
〃	بالوں میں دست مبارک کا اثر
	لکنت میں آبِ دہن مبارک کا اثر
۴۲	اثر پائے مبارک۔
۴۳	کسی کی ایک اونٹنی زمین پکڑ گئی تھی حضرت کی ٹھوکر سے سبک سیر ہو گئی
〃	آبلہ اور درد کا جاتا رہنا۔
۴۴	لاغر قریبِ مرگ بکری کا دودھ دینا
۴۶	لکڑی کا تلوار ہو جانا۔
〃	ایک مشت خاک نے سب کو اندھا بنا دیا
۴۹	اثر یک مشتِ خاک۔
۵۱	جنت جزائے اعمال ہے۔
۵۲	سعد بصلۂ امتثال امر مستجاب الدعوات ہو گئے
۵۳	چھڑی کے اشارے سے بتوں کا گر جانا
۵۴	خیالاتِ فاسدہ کا دور ہو کر محبت پیدا ہونا۔
۵۶	دستِ مبارک کے اثر سے اسلام لانا
۵۸	ایک مشتِ خاک سے لشکر کو بھگا دینا
۶۲	جنگ تبوک میں صرف سات کھجور کثیر مقدار ہو گئے بہت سے صحابہ کھانے کے بعد بھی پھر آتے ہی رہے
۶۳	مقامِ عبودیت۔
۶۵	واقعہ حدیبیہ۔
۷۰	ہمارے یہاں سے جو کفار کی طرف جاوے ایسے شخص کو خدا ہم سے دور کرے
۸۵	وفد نجران سے مباہلہ۔
〃	مردہ کو زندہ کرنا۔
۸۸	ایک بڑھیا کا اپنے بیٹے کو زندہ کرنا۔

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸۹	ایک انصاری کی ماں کی دعا سے اس کا بیٹا زندہ ہونا۔	۱۱۰	ہر مجمع میں حضرت کا تبلیغ اسلام فرمانا۔
۹۶	عمرؓ اسامہؓ کو بوقت ملاقات یا امیر المؤمنین کہتے تھے۔	۱۱۱	یہی ایک دلیل اسلام لانے کیلئے کافی ہے۔
۹۷	دستِ مبارک سے پانی کا جاری ہونا	۱۱۲	معجزۂ شق القمر۔
〃	نحوست دست۔	۱۱۳	تجدد امثال کا ثبوت۔
۹۸	کنکریوں کا بات کرنا۔	۱۱۷	کثرتِ نباتات
〃	معجزہ وہی جو کسی سے نہ ہو سکے	〃	کثرتِ حیوانات
۹۹	مقتضائے اسلام۔	۱۱۸	توحید
〃	اثر دست بر رخسار۔	۱۱۹	صفاتِ حق تعالیٰ تشبیہ سے منزہ ہیں۔
۱۰۰	اثر دستِ مبارک سے رومال کو آگ نہ جلا سکی۔	۱۲۴	ٹھوکر سے چشمہ جاری ہو گیا۔
〃	مسئلہ فطرت۔	〃	کھانے میں برکت۔
۱۰۵	اثر دستِ مبارک بر تصویر	۱۲۶	تھوڑا کھانا حضرت کی شرکت سے بہت سے صحابہ کو کافی ہو کر بچ رہنا
۱۰۶	اثر دست مبارک در انگشتری	۲۸	تھوڑے کھجور سے کثیر مقدار قرض ادا ہوا۔
۱۰۸	لفظ رسول اللہ بلا قصد کہدیا		
۱۰۹	دستِ مبارک سے چہرہ روشن ہو گیا		

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
١٣٠	شناخت محبت ومخالفت	١٥١	دو پیشین گوئی فتح شام۔
١٣١	بکری کے پاٹ سے دودھ دوھنا	١٥٢	فقر ومصیبت کی ضرورت۔
"	بکری کے تھن کو حضرتؐ نے حکم فرمایا	١٥٣	حقیقت بت عزی۔
١٣٣	چند روٹیوں میں برکت۔	١٥٤	حقیقت نائلہ۔
١٣٦	گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا۔	١٥٥	حقیقت مشلل
١٣٧	شریر اونٹ مطیع اور ساجد ہوا	١٥٧	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
"	شریر اونٹ مطیع بنگیا۔		قدرت دیے جانیکا غشا
١٣٩	چھڑی کی تحریک سے فطرت کا بدلنا	١٦١	تین انڈے لشکر کو کافی
١٤٠	تبدیل فطرت۔		ہوئے۔
١٤٣	چہرہ کا روشن ہو جانا۔	١٦٢	حالت فقر لشکر اسلام۔
١٤٤	تاثیر بلالحاظ صلاحیت۔	"	ملک کسریٰ وغیرہ کی کونجیاں
"	رونق چہرہ وفزونی عقل۔		حضرت کو دی گئیں۔
١٤٦	قوت حافظہ کا ہاتھ میں لینا۔	١٦٣	منافقوں کے خیالات
١٤٧	قوت حافظہ کا حیرت انگیز ہونا	١٦٦	ایک پیٹو کھجور لشکر کو کافی
١٤٨	حقیقت ہر شئے۔		ہوئے۔
١٤٩	تپ کی حقیقت	١٦٧	پانی کی [illegible]
١٥٠	دنیا کی حقیقت۔	١٦٨	اسباب کی حقیقت

صفحہ	مضمون
۱۷۰	صحابہ رضؓ کی تہذیب -
۱۷۱	فضیلت صحابہ رضؓ
〃	ضرورت محبت صحابہ رضؓ
۱۷۴	متعلق سب صحابہ -
۱۷۵	پیشین گوئیاں متعلقہ صحابہ رضؓ -
۱۷۷	ہاتھ لگانے کا اثر -
〃	امام صاحب گناہوں کا اثر پانی میں دیکھتے تھے -
۱۷۸	متبرک مقام کو ہاتھ لگا کر منہ پر ملنا
۱۸۳	بالوں کی نمو کی حقیقت -
۲۰۰	حال معیشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم -
۲۰۴	حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کا حال -
۲۰۸	مرزا صاحب کا حال دنیاداری -

صفحہ	مضمون
۲۱۷	ضرورت امتثال امر نبیؐ و شیخ -
〃	خوش اعتقادی -
۲۱۸	سماعت وغیرہ کی قوتیں جمادات و نباتات میں ہیں -
۲۲۹	دفع بیماری مزمن -
〃	آب دہن کے اثر سے جرہدؓ کا آفت رسیدہ دھنا ہاتھ اچھا ہوا -
〃	داھنے ہاتھ سے کھانا -
۲۳۰	زخم کاری کا اندمال -
〃	دفع درد شکم -
۲۳۱	واقعہ خندق -
〃	غزوہ خندق میں حضرت نے حالت بھوک میں سخت چٹان پر کدالی ماری وہ نرم ہوگئی

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
	حضرت کے لئے کوئی صحابی اپنے گھر غذا لانے گئے پوچھی تو کم مقدار غذا تھی حضرت کل لشکر کو ہمراہ لے گئے آب دہن سے تمام کو وہ غذا کافی ہوئی۔	۲۴۱	نابینا کا بینا ہو جانا۔
		۲۴۲	جنگ احد میں کلثوم بن حصین کے گلے میں تیر لگا اور حضرت کے لب مبارک سے صحت ہوئی۔
		۲۴۳	جنگ بدر میں معوذ بن غفران کا ٹوٹا ہاتھ آب دہن مبارک سے جڑ گیا۔
۲۳۲	دو چار آدمیوں کا کھانا ہزاروں کو کافی ہونا۔	"	مبتلا مرض دماغی عقلمند ہوگیا
۲۳۳	اقتدار حضرت۔	۲۴۴	جلا ہوا ہاتھ اچھا ہوگیا۔
"	وجدان اقتدار کی مثالیں۔	"	بیحیا کا حیادار ہو جانا۔
۲۳۴	ایک شبہ کا جواب۔	۲۴۵	خلاد کا ناتوان اونٹ تھک کر زمین پکڑا تھا لب مبارک سے چست و چالاک ہوگیا۔
۲۳۹	آشوب چشم کا فوراً دفع ہونا۔	۲۴۶	تھوڑے پانی سے لشکر کا سیراب ہونا
۲۴۰	سردی وگرمی کا زائل ہونا۔	۲۴۸	اسلامی تعلیم متعلقہ احسان۔
		۲۴۹	افزونی زر
۲۴۱	مرض استسقا کا دفع ہونا	۲۵۰	زخم کا چنگا ہو جانا۔

صفحہ	مضمون
۲۵۱	بہ چشمے کا پیدا ہو جانا۔
۲۵۲	ہمیشہ کیلئے کنوئیں کا پانی معطر ہو گیا
۲۵۳	مواقع استعمال خوشبو۔
۲۵۵	کثرت مدارج معنوی۔
۲۵۶	بجائے غم دل میں خوشی پیدا ہوئی
۲۵۷	زہر گزندوں کا اثر گیا۔
۲۶۴	استبراک از بول۔
۲۶۷	استبراک از آب دہن وبلغم آنحضرت صلعم۔
۲۷۰	استبراک موئی مبارک۔
۲۷۱	کثرت موئی مبارک۔
۲۷۲	استبراک موئی مبارک۔
۲۷۶	ایذائی موئی مبارک۔
۲۸۱	سلام درخت و شجر۔
۲۸۲	سماع احجار وجمادات۔
۲۸۸	شفاء از موئی مبارک
۲۸۹	عطائی موئی مبارک بخواب۔

صفحہ	مضمون
۲۹۲	استبراک بلباس مبارک۔
"	استبراک بشک۔
۲۹۵	استبراک بقدح۔
۲۹۶	استبراک بہ عصا۔
۲۹۷	استبراک بآب دست رسیدہ
۲۹۸	استبراک بحجرہا۔
۲۹۹	مالیدن از دست مبارک بہ سینہ واستبراک موئی دست رسیدہ
۳۰۱	استبراک از تابوت سکینہ۔
.	.　.　.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

اہل اسلام کے اکثر طبقات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات عقیدت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ مگر بعض حضرات اس میں اقسام کے توجیہات اور شکوک میں موشگافیاں کرتے ہیں جس سے بے علم اور کم فہم لوگ بدعقیدت ہوکر جو بڑا ذخیرہ اُنکے سعادت حاصل کرنیکا منجانب اللہ اُن تک پہونچا ہے اس سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اِسلئے اس باب میں جو احادیث وارد ہوئے ہیں اُن کا معلوم کرلینا مناسب ہوگا۔ قبل اِسکے کہ مسئلہ استبراک کے مضامین لکھے جائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور لعاب مبارک وغیرہ سے جو جو برکات صادر ہوئے ہیں اُن کا لکھنا مناسب سمجھا گیا تاکہ مقصود کے سمجھنے کے وقت سہولت ہو۔

لکڑی کا تلوار ہو گئی۔

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ عبداللہ بن جحش کی تلوار جنگ احد میں جاتی رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو کھجور کی چھڑی عنایت کی۔ فوراً وہ تلوار ہو گئی جس سے وہ لڑتے رہے انتہیٰ۔

اجزائے دیمقراطیسیہ کا حال اور قلب ماہیت کا امکان۔

لکڑی کی قلب ماہیت ہو کر لوہا ہو جانا سائنس والے تو شاید جائز نہ رکھیں گے مگر اسکو تو متاخرین حکما بلکہ اہل سائنس نے بھی تسلیم کر لیا ہے کہ اجزائے دیمقراطیسی کے حالات بدلنے سے تمام چیزیں ظاہر ہوتے ہیں درحقیقت جو چیز محسوس ہوتی ہے وہ مجموعہ اُنہی اجزا کا ہے۔ اگر پتھر ہے تو اُنہی اجزا کا مجموعہ ہے جو خاص وضع پر واقع ہوئے ہیں۔ اور اگر ہوا ہے تو اُنہی اجزا کا مجموعہ ہے جو خاص وضع پر واقع ہوئے ہیں۔ غرضکہ پتھر اور ہوا میں اس بات میں کوئی فرق نہیں کہ دونوں اجزائے دیمقراطیسیہ ہیں۔ فرق ہے تو اسیقدر ہے کہ شاید اُسکے نزدیک نزدیک ہونے کی وجہ سے پتھر میں کثافت ہے۔ اور نزدیک نزدیک نہ ہونے کی وجہ سے ہوا میں لطافت ہے۔ یہ امر عقلا کی راے پر محول کردیا جاتا ہے کہ ہر جزو دیمقراطیسی کی ماہیت یہ ہے کہ وہ بہت چھوٹا ہے اور ٹوٹتا پھوٹتا نہیں۔ اگر وہ اجزا کثیف ہیں تو اُن کا جو مجموعہ ہو گا کثیف ہو گا۔ پھر ہوا کا لطیف ہونا۔ اور پتھر وغیرہ کا کثیف ہونا کیسا۔

بہرحال جو لوگ ایسے اجزا کے وجود پر ایمان لاتے ہیں لایا کریں مگر ہمارا مطلب اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ اجزا چھڑی میں خاص وضع پر تھے۔

اور جب حضرت نے اُس سے تلوار کا کام لینے کے لئے اُنھیں دیا تو وہی اجزا خاص وضع پر ہو گئے اور تلوار کا کام دینے لگے۔ جب آجکل کی فلسفی عقل نے اسے مان لیا کہ تمام عالم اجزائے مذکورہ جو قدیم سے موجود ہیں پھرتے رہتے ہیں اور جیسے جیسے اُن کے اشکال بحسب اتفاق بنتے ہیں اُسکے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو اب یہ ماننا کوئی دشوار نہیں کہ انہی اجزا نے چھڑی کی شکل چھوڑ کر تلوار کی شکل کو قبول کر لیا۔ مگر فرق اتنا ہوگا کہ اس صورت میں خدا اور رسول کے حکم کو ماننے کی ضرورت ہوگی اور اتفاقی شکلیں جو وہ قبول کرتے ہیں اُس میں خدا کے حکم کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ اہل اسلام اس سے اتنا مطلب نکال سکتے ہیں کہ جب سائنس نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ اجزا پتھر پانی وغیرہ خود بخود بنجاتے ہیں تو خدا یتعالےٰ کے حکم سے بننا کیوں خلاف عقل ہو سکتا ہے۔

باوجود قدرت کے شیوع اسلام میں تاخیر کیوں ہوئی۔

سبحان اللہ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ قدرت میں یہ بات تھی کہ ایک پتلی لکڑی کو خاصی تلوار بنا دیں تو کہئے کہ اب ایسی کونسی چیز ہوگی جو حضرت سے نہ ہو سکے۔ یہاں یہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ جب اتنی قدرت تھی تو پھر تکمیل دین میں تاخیر کیوں ہوئی اسکا جواب یہ ہے کہ کسی مہم اعظم کو وقت واحد انجام دینے میں لطف نہیں آتا اسلئے بیس بائیس برس تک حضرت کافروں کے ساتھ مقابلے کرتے اور اُنکے حوصلے بڑھاتے رہے اور در اصل یہ سنت الٰہی ہے کہ باوجود اسکے کہ ایک کُن سے سب کچھ کر سکتا ہے مگر کئی روز میں زمین و آسمان بنائے۔

بغیر دوا کے قدرتی علاج۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ معاویہ ابن حکم کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے میرے بھائی کے پاؤں کو خندق کی دیوار کی سخت ٹھوکر لگی۔ جس سے خون جاری ہو گیا۔ وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنا ہاتھ زخم پر پھیر کر بسم اللہ فرمائی۔ اور وہ فوراً چنگا ہو گیا اور درد بھی اُسیوقت جاتا رہا۔ انتہیٰ۔

کیا کوئی حکیم یا ڈاکٹر دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس قسم کا فوری علاج کرے یہ قدرتی علاج اُنہیں حضرات سے متعلق ہے جنکو عالم اکوان میں تصرف کرنے کا اقتدار دیا گیا ہے۔

دست مبارک سے چہرہ روشن ہو گیا۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ عائذ ابن عمر کہتے ہیں کہ جنگ حنین میں میری پیشانی میں ایک تیر لگا جس سے خون جاری ہوا اور سینے تک پہونچا۔ حضرت نے اپنے دست مبارک سے اُس خون کو پونچا۔ راوی کہتے ہیں کہ اُن کو ہم نے دیکھا کہ اُن کا چہرہ اور سینہ جہاں تک دست مبارک پہونچا تھا روشن ہو گیا تھا انتہیٰ۔

ظاہراً مقصود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسی قدر تھا کہ خون دور کیا جائے اور زخم چنگا ہو جائے۔ غالباً یہ بات پیش نظر نہ ہو گی کہ اُن کا چہرہ اور سینہ روشن بھی ہو جائے۔ مگر چونکہ دستِ شفقت کا یہ لازمہ تھا کہ کوئی خاص قسم کی خصوصیت باقی رہے اسلئے وہ مقام ہمیشہ کے لئے روشن ہو گیا۔ یہ تو جسمانی برکات تھے۔ معلوم نہیں کہ روحانی برکات دست شفقت سے اور کیا کیا حاصل ہوئے ہونگے۔

دست مبارک سے محبت کا پیدا ہونا

سیرۃ النبویہ میں ہے کہ شیبہ ابن عثمان رضؓ کہتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ فتح مکہ کے بعد ہوازن سے جنگ کرنے کو نکلے تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ موقع اچھا ہے قریش کیساتھ میں بھی چلوں۔ شاید کہ ایسا موقع ملجاے کہ گڑبڑ میں محمدؐ کو قتل کرڈالوں جس سے قریش کے خونریزی کا بدلہ ہوجاے اور میرے باپ اور چچا اور بنی اعمام کو جو انھوں نے جنگ احد میں قتل کیا تھا اُسکا بھی بدلہ لے لوں۔ اُسوقت میرا خیال تھا کہ اگر تمام عرب و عجم کے لوگ محمدؐ کے تابع ہوجائیں۔ اور کوئی شخص اُنسے علیحدہ نہ ہو تو بھی میں اُن کا تابع نہ ہونگا بلکہ اُس سے میری عداوت اور بھی بڑہتی جائیگی۔ جب عین جنگ میں گڑبڑ ہوئی اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیادہ ہوگئے اُسوقت میں حضرت کے قریب تھا۔ تلوار کھینچکر ہاتھ بلند کیا اور چاہتا تھا کہ وار کروں یکایک ایک شعلہ آگ کا مثل برق کے میری جانب آیا جس سے میری آنکھیں چکاچوند ہوگئیں اور بے اختیار آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔ اُسوقت حضرت نے مڑکر میری طرف دیکھا اور تبسم کر کے فرمایا اے شیبہ میرے نزدیک آؤ اور تین بار میرے سینے پر دست مبارک مارا جس سے میرے دل میں حضرت کی محبت ایسی پیدا ہوگئی کہ اُس سے زیادہ متصور نہیں ہوسکتی۔ تمام مخلوقات سے زیادہ حضرت کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہوئی۔ اُس کے بعد حضرت نے جنگ کرنے کو فرمایا میں حضرت کے آگے بڑھا اور تلوار چلانا شروع کیا۔ خدا جانتا ہے کہ اُسوقت یہ دوست رکھتا تھا کہ اگر کوئی وار حضرت پر

آئے تو میں اُسے اپنے پرلوں۔ اگر میرے باپ زندہ ہوتے اور اس وقت میرے سامنے آتے تو میں اُن پر بھی تلوار چلاتا۔ غرضکہ میں حضرت کے سامنے اُسوقت تک رہا کہ اہل اسلام جن کے پیر اُکھڑ گئے تھے وہ ایک بارگی پلٹ کر آگئے۔ اور میں نے حضرت کی سواری کو نزدیک کیا اور آپ اُسپر سوار ہو گئے۔ اُسکے بعد جب حضرت اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے تو میں بھی حضرت کیساتھ چلا گیا۔ دیکھا کہ حضرت کے چہرۂ مبارک پر آثار مسرت نمایاں ہیں اور فرمایا کہ اے شیبہ خدایتعالیٰ نے تمہارے لئے جو ارادہ کیا تھا وہ بہتر ہے اُس چیز سے کہ تم نے ارادہ کیا تھا۔ پھر حضرت نے میرے اُن تمام خیالات کو بیان فرمایا جو کسی سے میں نے کہا نہ تھا۔ میں نے توحید و رسالت کی گواہی دیکر عرض کی کہ میرے لئے حضرت استغفار فرماویں۔ ارشاد ہوا کہ خدایتعالیٰ نے تمہیں بخشدیا اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ میں حضرت کے ساتھ کھڑا تھا اسوقت ابلق گھوڑے مجھے نظر آنے لگے۔ میں نے اُسکی خبر حضرت کو دی۔ حضرت نے فرمایا اے شیبہ یہ گھوڑے تو کافروں کو دکھا کرتے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابلق گھوڑوں پر فرشتے سوار ہو کر حضرت کے ساتھ جنگ میں شریک ہوتے اور وہ صرف کافروں ہی کو نظر آتے تھے تاکہ اُن کے دلوں پر کثرت فوج کا رعب پڑے۔ یہی وجہ تھی کہ تھوڑا سا لشکر اسلام کفار کے لشکر کثیر کے مقابلہ میں جاتا اور فتح یاب ہوتا تھا اور کسی مصلحت خاص

کیوجہ سے کبھی کفار کی آنکھوں میں لشکر اسلام کم بھی نظر آجاتا تھا۔ غرضکہ حقتعالےٰ کو اپنے دین کی ترقی منظور تھی۔ جسکے تدابیر وقتاً فوقتاً کئے جاتے تھے۔

حضرت نے شیبہ کے سینہ کو تین بار جو مارا اُس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلی ضرب میں اُنکے دل سے کفر کو نکال دیا اور دوسری ضرب میں ایمان کو داخل کیا تیسری ضرب میں محبت بھر دی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت کی محبت کافر کے دل میں کبھی جاگزیں نہیں ہوسکتی۔ اُسکے لئے ایسا برگزیدہ سینہ و دل درکار ہے کہ نورِ ایمان سے منور ہو۔

نسیان قرآن بسبب شیطان

خصایص کبریٰ میں ہے کہ عثمان ابن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سے شکایت کی کہ قرآن مجھے یاد نہیں رہتا۔ فرمایا اس کا سبب ایک شیطان ہے جسکو (خنزب) کہتے ہیں۔ اے عثمان تم میرے نزدیک آؤ۔ پھر آپنے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھکر فرمایا۔ اے شیطان عثمان کے سینہ سے نکلجا۔ وہ کہتے ہیں اسکے بعد میری یہ حالت ہوئی کہ جو کچھ سنتا وہ مجھے یاد رہجاتا انتہیٰ۔

یہاں اطبا کو حیرانی ہوگی کہ نسیان فرط یبوست و برودت وغیرہ سے ہوا کرتا ہے۔ اور اس حدیث سے ثابت ہے کہ شیطان بھی بھلادیا کرتا ہے۔ یہ حیرانی اُسوقت تک دفع نہیں ہوسکتی کہ خدا یتعالیٰ کی قدرت پر پوری طور سے ایمان نہ لایا جائے۔ یہ کمال درجہ کی ہٹ دھرمی ہے کہ آدمی اپنے معلومات پر اعتماد کرکے دوسروں کے معلومات کو نظرانداز کردے۔

عقلا اسباب بیماری وغیرہ پر ہمیشہ غور و فکر کیا کرتے ہیں اور اُسکے بدولت اُنکے پاس نئے نئے معلومات کا ایک ذخیرہ حاصل ہو جاتا ہے۔

جنوں کے وجود اور اُن کے حیرت افزا واقعات کو اہل یورپ نے مان لیا۔

ابھی کا ذکر ہے کہ جنوں کا انکار کیا جاتا تھا۔ اور وہی شخص عقلمند سمجھا جاتا تھا جو جنوں سے متعلق واقعات میں اُن کو پُرانے خیالات تصور کرے۔ چنانچہ سرسید احمد خانصاحب نے بڑی شد و مد سے جنوں کا انکار کرکے ایک رسالہ بھی لکھدیا جسکو نئی روشنی کے لوگ اپنے استدلال میں پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر یورپ کی کمیٹی نے جو جنوں کے تحقیقات کے واسطے قائم ہوئی تھی فیصلہ کردیا کہ جنوں کے حیرت افزا واقعات سب صحیح ہیں۔ اور ڈاکٹر خانوں میں اعلان دیدیا کہ مرض جنون کے اسباب صرف مادّی نہیں ہیں بلکہ جنوں کے مسلط ہونے سے بھی ہوا کرتا ہے اسکا مفصل حال ہم نے مقاصد الاسلام کے کسی حصہ میں لکھا ہے بہرحال مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن امور کی خبر دی ہے اُن کو بالکل صحیح و قابل وثوق جانیں اور شیطانی وسوسے جو بے علمی کی وجہ سے دل میں خطور کرتے ہیں لاحول پڑھکر اُن کو دور کردیا کریں۔

برکت دست مبارک شہسوار بنجانا ﷺ

خصائص کبریٰ میں ہے کہ جریر رضی کہتے ہیں کہ جب میں گھوڑے پر سوار ہوتا تو گرجاتا تھا۔ حضرت سے یہ حال عرض کیا۔ آپنے میرے سینہ پر اپنا دست مبارک مارکر فرمایا اَللّٰھُمَّ ثبتہ واجعلہ ھادیا مھدیا۔ وہ کہتے ہیں کہ اسکے بعد میں گھوڑے پر سے کبھی نہ گرا۔ انتہیٰ۔

اگر سلاطین کے روبرو کوئی سپاہی اپنے اس قسم کی حالت کو ظاہر کرے تو مورد عتاب شاہی ہو جائے۔ مگر سبحان اللہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو کس صفائی سے جریر رضہ نے اپنا یہ عیب بیان کیا۔ اور کس عمدگی سے حضرت نے اُسکی اصلاح فرمائی۔

اصل یہ ہے کہ صحابہ رض جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ جو چاہیں کریں۔ اس وجہ سے وہ ایسے ایسے امراض وحوائج پیش کرتے تھے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی دوسرا اُسکا علاج اور حاجت روائی نہ کرسکے۔ اور حضرت بھی اُن کے خیال کے موافق اُن کی حاجت روائیاں فرماتے تاکہ اُن کا اعتقاد راسخ اور ایمان مستحکم ہو جائے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو حضرت فرمادیتے کہ گھوڑے پر سے گرجانا تمہارا طبعی امر ہے مجھے اس سے کیا تعلق بخلاف اُسکے حضرت نے دست مبارک اُن کے سینہ پر مار کر یہ ثابت فرمادیا کہ ہمارے دست قدرت میں حق تعالیٰ نے یہ بات رکھی ہے کہ ہمیشہ کے لئے تمہاری یہ شکایت کو دفع کردیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ وہ ہمیشہ معرکوں میں گھوڑوں پر سوار ہوتے اور شہسواری کی داد دیتے۔

مانع جنون۔

خصایص کبریٰ میں ابن عباس رضہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نے اپنا لڑکا حضرت کی خدمت میں لاکر عرض کی یا رسول اللہ اسے جنون ہے۔ اور ہم جب صبح اور شام کا کھانا کہاتے ہیں تو اُسے جوشش ہوتا ہے اور وہ ہم پر مصیبت

ڈالتا ہے۔ حضرت نے اُسکے سینہ پر دست مبارک پھیر کر کچھ دعا کی۔ اسکے ساتھ ہی اُسنے کھنکارا اور اُسکے پیٹ میں سے کوئی سیاہ چیز نکلی اور اُسکو شفا ہو گئی۔ انتہی۔

یہ روحانی تاثیرات ہیں طب جسمانی میں طبیب کو اسباب و علامات دریافت کرکے دوا تجویز کرنیکی ضرورت ہوتی ہے اور یہاں اُس کی ضرورت نہیں برائے نام ہاتھ پھیر دیا اور صحت ہو گئی۔ خواہ وہ بیماری اخلاط سے متعلق ہو یا جن و ارواح خبیثہ کا اثر ہو۔

ایضاً

خصایص کبریٰ میں ہے کہ وازع رضہ حضرت کے پاس اپنے لڑکے لائے جسکو جنون تھا۔ آپنے اپنا دست مبارک اُن کے منہ پر پھیرا۔ اور دعا کی۔ اُسکے بعد وہ صاحبزادے ایسے عقلمند ہو گئے کہ وفد میں اُنسے زیادہ کوئی عقلمند نہ تھا۔ انتہی

اس سے ظاہر ہے کہ دست مبارک کی برکت فقط اُسی مقام پر محدود نہیں ہوتی تھی جہاں وہ پھیرا جاتا تھا کیونکہ دست مبارک تو چہرہ پر پھیرا گیا تھا۔ اور جنون جسکا تعلق قوائے دماغیہ سے ہے وہ زائل ہو کر قوت عاقلہ بجائے اسکے قائم ہو گئی۔ اور وہ بھی کیسی کہ بہ نسبت اوروں کے بدرجہا زائد۔

دست مبارک کی برکت سے بھوک جاتی رہی۔

خصایص کبریٰ میں عمران بن حصین رضہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ یکایک حضرت فاطمہ رضہ تشریف لائیں اور حضرت کے سامنے کھڑی ہوئیں اُسوقت اُن کا چہرہ زرد تھا۔ حضرت چہرہ دیکھکر پہچان گئے کہ بھوک کی شدت سے یہ بات ہوئی ہے اور دست مبارک اُنکے

گلے کے نیچے جہاں قلادہ ہوتا ہے رکھکر انگلیوں کو کشادہ کیا اور دعا کی کہ یا اللہ بھوکوں کو سیر کرنیوالے اور پست کو بلند کرنے والے فاطمہ رضؓ بنت محمدؐ کو بلند کر۔ عمرانؓ کہتے ہیں کہ پھر اسکے بھوک کے آثار اُن چہرہ سے جاتے رہے۔ پھر اسکے کئی روز بعد میں نے حضرت فاطمہ رضؓ سے اِس باب میں سوال کیا تو فرمایا کہ اُس روز کے بعد مجھے بھوک سے اذیت کبھی نہیں ہوئی۔ انتہیٰ۔

یہ واقعہ پردہ سے پہلے کا ہے۔

فقر و فاقہ اہل بیت کرام

اس حدیث شریف سے اہل بیت کے گزران کا حال ظاہر ہے کہ حضرت موصوفہ پر کتنے وقت کا فاقہ گزرا ہوگا۔ کہ جسم کا خون تحلیل ہوکر چہرے پر زردی نمایاں ہوئی۔ باوجود اسکے ایک روز بھی زباں پر نہ لائیں کہ ہم ایسے فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں اور آپ خزانیکے خزانے لٹا دیتے ہیں جس سے اجنبی لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ ان کو نفوس قدسیہ کہتے ہیں۔

آنحضرت صلعم مظہر قدرت الٰہی تھے

اب یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ایک بار دست مبارک رکھنے سے عمر بھر کی اذیت کا بند و بست ہوگیا۔ ایسے کام خدائی طاقت سے متعلق ہیں انمیں قوت بشری کو کوئی دخل نہیں جب یہ کام حضرت کے دست مبارک سے ظہور کیا تو اس لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مظہر قدرت الٰہی ٹھہرے۔

چاند کے دو ٹکڑے کرنا اور عالم علوی اور سفلی میں تصرف کرنا اُسی قدرت سے متعلق ہے۔ جو لوگ اس مسئلہ سے ناواقف ہیں اُن کو بڑی دقتوں کا سامنا ہوتا ہے

وہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت کی قدرت مانی جائے تو شرک لازم آجاتا ہے۔ اسوجہ سے وہ اکثر معجزات سے انکار ہی کر دیتے ہیں۔ زمانہ سابقہ میں معتزلہ نے اس قسم کے اصول قائم کئے تھے۔ مگر اہل وسنت وجماعت برابر معجزات کے قائل رہے۔ چنانچہ اسی جماعت کثیرہ کی وجہ سے ہم تک وہ معجزے پہونچے اگر وہ حضرات اس قسم کا خیال کرکے معجزوں کے احادیث کو موضوع خیال کرکے اپنی کتابوں میں نہ لکھتے تو ہم تک ہرگز پہنچ نہ سکتے۔ جو لوگ مدعی نبوت پچھلے زمانہ میں گزرے وہ سب جانتے تھے کہ مسلمان جب تک خوارق عادات نہ دیکھیں گے ایمان نہ لاینگے۔ اسلئے وہ خوارق عادات ظاہر کرنیکے تدابیر سوچتے اور شعبدے وغیرہ لوگوں کو تبلا بھی دیتے جس سے بعضے لوگ انکے معتقد ہوتے اور بہت سارے اُن کی جلسازیوں پر مطلع ہوکر اُن کی تکذیب کرتے تھے۔ قادیانی مرزا صاحب نے اس قسم کے معجزات کا قطعی طور پر انکار ہی کردیا۔ اور اُن سے متعلق احادیث کو موضوع ٹھیرایا۔ تاکہ معجزے دکھانے کا جھگڑا ہی جاتا رہے۔ افادۃ الافہام میں ہمنے اِسکے متعلق تفصیلی بحث کی ہے۔

خصایص کبریٰ میں خزیمہ رضؓ سے روایت ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے حضرت نے اُنکے چہرہ پر ہاتھ پھیرا۔ اُسکا اثر یہ ہوا کہ مرنے تک اُن کا چہرہ تروتازہ رہا۔ یعنی کبرسنی سے جو تغیرات واقع ہوتے ہیں وہ آنے نہ پائے۔ دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے کہ دست مبارک کے

دست مبارک نے ظہور آثار پیری کو روک دیا۔

اثر سے ہمیشہ اُنکے چہرہ سے جوانی نمایاں تھی دست مبارک کا یہ اثر کہ ہمیشہ جوانی باقی رہے ایک روحانی اثر ہے۔ ورنہ ہر سن کے فطرتی آثار ولوازم کسیطرح رُک نہیں سکتے یہاں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت نے اسلام لاتے ہی اُن کے چہرے پر دست مبارک خصوصیت کے ساتھ کیوں پھیرا۔ مگر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اندرونی رازکوئی ضرور تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ اُن کا چہرہ ہمیشہ تروتازہ رہے۔

ولید کے سر پر ہاتھ نہ پھیرنے کی وجہ

خصایص کبریٰ میں ولید ابن عقبہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ بعد فتح مکہ میں داخل ہوے تو اہل مکہ اپنے بچوں کو حضرت کی خدمت میں لاتے۔ اور حضرت اُنکے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ میری ماں نے مجھے بھی خوشبو لگا کر حضرت کی خدمت میں حاضر کیا مگر حضرت نے میرے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا۔ انتہیٰ۔

بیہقی نے یہ روایت بیان کرکے لکھا ہے کہ اُسکی وجہ یہ تھی کہ جب عثمان رضی اللہ عنہ نے ولید کو عامل بنایا تو اُسنے شراب پی نماز میں تاخیر کی۔ اور اقسام کے بُرے کام کئے جو مشہور ہیں یہی امور تھے جو عثمان رضؓ کے قتل کے باعث ہوے اسوجہ سے حضرت نے اُسکو ہاتھ نہیں لگایا۔ انتہیٰ۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک کسی پر پھیرنا باعث سعادت دینوی و اُخروی تھا۔ اور جو اس سعادت کے مستحق نہ ہوتے اُن کی نسبت یہ شفقت نہیں ہوتی تھی۔ کیوں نہ ہو ہر شخص کے حالات آئندہ حضرت کے پیش نظر تھے پھر دیدہ و دانستہ اسکو اس برکت سے کیوں مشرف فرماتے

زنا کی اجازت کی درخواست اور اس خواہش کا دفع ہونا۔

خصائص کبریٰ میں ابوامامہ رضہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک جوان نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی یا رسول اللہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ یہ سُنکر ہر طرف سے اُنپر زجر و توبیخ کے نعرے بلند ہوئے حضرت نے اُن سے فرمایا نزدیک آؤ۔ وہ نزدیک آئے۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری ماں کے ساتھ کوئی زنا کرے۔ عرض کی یا رسول اللہ خدا تعالیٰ مجھکو آپ پر سے فدا کرے۔ خدا کی قسم یہ ہرگز مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ فرمایا اسیطرح لوگوں کو بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی اُن کی ماں کے ساتھ زنا کرے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تمہاری بیٹی سے زنا کرے۔ عرض کی ہرگز نہیں فرمایا اسیطرح لوگوں کو بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی اُن کی بیٹیوں کے ساتھ زنا کرے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تمہاری بہن کے ساتھ زنا کرے۔ کہا ہرگز نہیں۔ فرمایا اسیطرح لوگوں کو بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی اُن کے بہنوں کے ساتھ زنا کرے۔ پھر فرمایا کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تمہاری پھوپھی کے ساتھ زنا کرے۔ کہا ہرگز نہیں۔ فرمایا اسیطرح لوگوں کو بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ اُن کی پھوپھیوں کے ساتھ کوئی زنا کرے۔ پھر فرمایا کہ کیا تمہیں اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تمہاری خالہ کے ساتھ زنا کرے۔ عرض کی ہرگز نہیں۔ فرمایا اسیطرح لوگوں کو بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ کوئی اُن کے خالاؤں کے ساتھ زنا کرے۔ پھر حضرت نے اُن پر دست مبارک رکھکر فرمایا

یا اللہ ان کے گناہوں کو بخشدے اِن کے دل کو پاک کر۔ اور ان کو زنا سے بچا۔
راوی کہتے ہیں اُسکے بعد اُن کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھتے انتہی۔

ف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی عورت پر عاشق ہو گئے تھے اور وصال کی ٹھیر بھی گئی تھی۔ مگر خوف خدا سے بغیر اجازت نبوی اُس فعل کا مرتکب ہونا اُنہیں ناگوار ہوا۔ ہر چند جانتے تھے کہ زنا کی کسقدر بُرائیاں ہیں اور مسلمانوں کے نزدیک یہ فعل کیسا شنیع ہے یہاں تک کہ رجم اُس کی سزا ہے۔ مگر اُن کی راستبازی اور کمال ایمان نے اس بات پر اُن کو آمادہ کیا کہ درخواست اجازت تو کریں۔ شاید خاص طور پر اجازت ہو جائے۔ اسیوجہ سے عین مجمع میں حجاب کو بالائے طاق رکھکر درخواست کی۔ اس بدنما سوال کا تمام صحابہ پر ایسا اثر پڑا کہ ہر طرف سے زجر و توبیخ کے نعرے بلند ہوئے اگر حضرت کا خیال نہ ہوتا تو تعجب نہیں کہ اچھی طرح اُن کی تادیب ہوتی جب صحابہ کا یہ حال ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سوال کس قدر شاق گزرا ہوگا۔ مگر سبحان اللہ موعظت حسنہ اِسے کہتے ہیں کس خوبی اور شائستگی سے اور نرمی سے آپنے جواب دیا کہ خود اُن کی زبان سے اُنکا جواب کھلا دیا۔ زبان سے جواب ہو جانا آسان بات ہے۔ آدمی عقل کی بات کو مان ہی لیتا ہے۔ مگر اُس پر عمل پیرا ہونا مشکل بات ہے۔ اسیوجہ سے علمائے واعظین ہمیشہ احادیث پڑھتے پڑھاتے اور لوگوں کو سناتے رہتے ہیں۔ مگر اُن میں عمل کرنیوالے اگر دیکھے جائیں تو بہت تھوڑے نکلیں گے۔ اس سے بڑھ کر کیا ہو کہ حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ السلام

جیسے جلیل القدر نبی فرماتے ہیں وما ابرئی نفسی ان النفس لامّارۃ بالسوء۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کا بھی انتظام فرمادیا۔ کہ دست مبارک کی برکت سے انکا وہ جوش کہ جنون کی حد سے قریب پہونچگیا تھا ٹھنڈا ہوگیا۔ اور عمر بھر دست مبارک کا اثر باقی رہا کہ کبھی کسی عورت کو انھوں نے اُچٹتی نگاہ سے بھی نہیں دیکھا۔

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ ابیؓ ابن کعبؓ نے دو شخصوں کو دیکھا کہ قرأت قرآن میں اختلاف کر رہے ہیں۔ ہر شخص کہتا ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی پڑھایا ہے۔ وہ اُن دونوں کو حضرت کی خدمت میں لے آئے۔ حضرت نے اُن دونوں سے پڑھوا کر سنا اور فرمایا کہ تم دونوں اچھا پڑھتے ہو۔ ابیؓ کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے مجھے اس قدر شک پڑگیا کہ جاہلیت میں بھی اتنا نہ تھا۔ حضرت نے میرے سینہ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ **اللھم اذھب عنہ الشیطان** یعنی اے اللہ شیطان کو اُن سے دور کر۔ اُسکے بعد میری یہ حالت ہوئی کہ مارے شرم کے پسینہ پسینہ ہوگیا اور خوف الٰہی اس قدر غالب ہوا کہ گویا میں اللہ تعالےٰ کو دیکھ رہا ہوں انتہیٰ۔

اثر دست مبارک سے شک کا جاتا رہنا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کلام شریف مختلف الفاظ میں نازل ہوا۔ چنانچہ اسی بنا پر سات قرأتیں ہوگئیں جو مشہور ہیں۔ اختلاف قرأت کی حقیقت سمجھنا مشکل کام ہے اسیوجہ سے ابی ابن کعبؓ کو حضرت کی نبوت ہی میں شک پڑگیا تھا۔ اگر دست مبارک کی تائید نہ ہوتی ہو تو اُن کے ایمان کا خاتمہ ہوگیا تھا۔ اگرچہ انھوں نے کوئی ایسی بات

وجہ اختلاف قرأت نقصان۔

دست مبارک سے فیضان علوم حقانی کا اثر

نہیں بتائی جس سے اصل قرآن میں اختلاف ہونیکی وجہ معلوم ہو سکے۔ مگر جب یہ کہدیا گیا کہ دست مبارک رکھنے کے بعد تسکین ہوگئی تو اب ہم کہ سکتے ہیں کہ وجدانی طور پر بہ توفیق الٰہی اہل ایمان کو کوئی بات ضرور سمجھ میں آجاتی ہے جسکو بیان سے کوئی تعلق نہیں۔ اور شیطان ہزار طرح سے شک ڈالے کچھ نہیں ہوتا۔

خصائص کبریٰ میں علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ آنحضرت نے مجھے یمن کو قاضی بنا کر بھیجنا چاہا۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ آپ مجھے ایسی قوم کی طرف بھیجتے ہیں جہاں بوڑھے بوڑھے لوگ ہیں اور میں ایک کم عمر شخص ہوں اور جانتا بھی نہیں کہ فیصلہ کسے کہتے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مار کر بارگاہ کبریائی میں عرض کی یا اللہ اُن کو فیصلہ کرنے کا طریقہ بتلا دے۔ انتہیٰ۔

علی رضہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اُسکے بعد مجھے کسی دو شخصوں کے فیصلہ کے وقت ذرا بھی شک نہ آیا۔ دست مبارک کا یہ اثر ہوا کہ حضرت علی رضہ سے بہتر فیصلہ کرنیوالے صحابہ رضہ میں کوئی نہ تھے۔ جیسا کہ متعدد روایات سے ثابت ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ ایسے مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو دعا کرتے تھے وہ دعا مقبول ہو جاتی تھی۔ اور خدا تعالےٰ کی طرف سے اُن امور کا ظہور ہو جاتا۔ مگر دست مبارک جو ایسے موقعوں میں رکھا جاتا تھا۔ یہ حرکت بھی آنحضرت کی بے سبب نہ تھی۔ ورنہ حضرت دعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے جیسا کہ عادت شریف تھی۔ ہاتھ نہ اُٹھا کر

سینے پر ہاتھ رکھنا اس بات پر قرینہ ہے کہ شرح صدر ہونے کے لئے آپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ چونکہ شرح صدر بغیر حکم الٰہی نہیں ہوسکتا تھا۔ اسلئے دعا بھی کی اور عالم اسباب میں ظاہری سبب کی بھی ضرورت ہے۔ اسلئے اپنا دست مبارک شرح صدر کے لئے رکھا۔ تاکہ اُس کی بھی تاثیر ہو۔ اس سے ظاہر ہے کہ جس طرح دوائیں وغیرہ اسباب عالم اسباب میں تاثیر کیا کرتے ہیں۔ اسیطرح دست مبارک میں بھی تاثیر رکھی تھی جس کا ثبوت احادیث کثیرہ سے ملتا ہے۔

دست مبارک کے اثر سے چہرہ روشن ہوگیا۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ بشر بن معاویہ کہتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپنے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر دعا کی جہاں تک حضرت کا دست مبارک پہونچا تھا وہ مقام ممتاز اور روشن ہوگیا تھی۔ وہ روشنی بظاہر نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں محسوس تھی جو اُنکے جسم میں منتقل ہوئی اور نہ اُنکے جسم میں پوشیدہ تھی جسکو حضرت نے ظاہر فرمایا ہو۔ بلکہ دست مبارک کے اثر سے وہ روشنی اسیوقت پیدا ہوگئی۔ یہ تھی دست مبارک کی تاثیر جس کا دسترس معدومات تک تھا۔

دست مبارک سے پانی کا پیدا ہونا۔

خصائص کبریٰ میں انس رضؓ سے روایت ہے کہ ایک روز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم قُبا کے طرف تشریف لے گئے حضرت کی خدمت میں ایک چھوٹا قدح لایا گیا۔ آپنے اُس میں دست مبارک داخل کرنا چاہا۔ مگر اُس میں گنجائش نہ تھی صرف انگلیاں اُسمیں رکھدیں اور حاضرین کو پانی پینے کے لئے فرمایا۔ انس رضؓ کہتے ہیں

صحیح احادیث سے تصرف فی الاکوان کا ثبوت اور اسکی تحقیق

کہ میں دیکھ رہا تھا کہ پانی حضرت کی انگلیوں میں سے جوش مار رہا ہے۔ اور حاضرین وہ پانی پی رہے ہیں۔ یہاں تک کہ سب سیراب ہوگئے۔ اور وضو کرلیا۔ انس رضؓ سے ہم نے پوچھا کہ اُسوقت کتنے لوگ ہونگے۔ کہا اسّی سے زیادہ تھے۔

انس رضؓ سے دوسرا واقعہ اسی قسم کا مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام زورا میں ایک قدح منگوایا اور اُس میں اپنا دست مبارک رکھا۔ آپ کے انگلیوں میں سے پانی جوش مارنے لگا جس سے کل صحابہ نے وضو کیا۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے اُنسے پوچھا کہ اُسوقت صحابہ کتنے تھے۔ کہا تین سو سے زیادہ تھے۔

یہ روایتیں بخاری اور مسلم میں موجود ہیں جنکا انکار ہو نہیں سکتا خصوصاً حضرات غیر مقلدین تو ان میں ذرا بھی شک نہیں کرسکتے۔ دیکھئے ان روایات میں اسکا ذکر بھی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پانی انگلیوں سے موجود کرنا چاہا۔ اُسوقت دعا کی ہو کہ الٰہی تو میری انگلیوں سے پانی پیدا کرکے سب کو سیراب فرما۔ بلکہ بطور خود پانی میں ہاتھ رکھدیا۔ اور پکار دیا کہ پانی پینے چلے آؤ۔ کونسا پانی جو اب تک معدوم تھا اور اب حضرت کے دست مبارک کے کرشمہ سے وجود میں آیا ہے۔ کیا اس مقام میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسے احادیث بیان کرنے والے مشرک ہیں۔ جنکی تقریر سے شرک فی التخلیق لازم آتا ہے۔ میری دانست میں یہ کہنا بے ادبی ہوگا۔ کیونکہ اگر ایسے خیالات مشرکانہ ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا

کہ پانی کی زیادتی کے لئے دعا کر کے اُس شرک سے لوگوں کو بچاتے۔ اس قسم کے حملے صرف علماؤں پر ہی نہیں بلکہ در باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ہیں۔ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرف سے پانی جو پیدا ہو گیا وہ مستقلانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف نہ تھا۔ بلکہ ہر مسلمان سمجھتا ہے کہ وہ تصرف واقتدار خدا تعالے کی طرف سے حضرت کو عطا ہوا ہے شرک تو جب ہو کہ حضرت کو یا اولیا اللہ کو مستقل بالذات با اقتدار مانیں۔ یعنی یہ اعتقاد ہو کہ اگر خدا تعالیٰ بھی اُن کے تصرف کو روکنا چاہے تو نہ رُک سکے۔ چونکہ آنحضرت صلعم نے خدا تعالیٰ کی قدرت مستقل اور دوسروں کی عطائی یا ظلّی ہونا بارہا بیان فرمادیا تو اب اس کی ضرورت نہ رہی کہ ہر وقت دعا کر کے مسلمانوں کو معلوم کرائیں کہ ہماری قدرت مستقل نہیں ہے۔

خصائص کبریٰ میں زیاد ابن حارث صدائی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں طلوع فجر سے پہلے اُتر کر حاجت بشری کو تشریف لے گئے جب واپس تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا کہ کیا تمہارے پاس پانی ہے۔ میں نے عرض کی بہت تھوڑا ہے جو آپ کو کافی نہ ہوگا۔ فرمایا اسکو ایک برتن میں ڈالکر لے آؤ۔ جب میں نے حاضر کیا تو اپنا دست مبارک اُس میں رکھا۔ ساتھ ہی حضرت کے دو انگلیوں کے بیچ میں سے ایک چشمہ جوش مارنے لگا اور فرمایا پکارو کہ جن کو پانی کی حاجت ہو آویں۔ چنانچہ بہت سے لوگ اُس میں سے پانی لئے۔

انگلیوں سے پانی کا چشمہ جاری ہونا۔

حضرت کے دعا کرنے سے کنوئیں کا پانی بڑھ گیا

ہم نے عرض کی یا رسول اللہ ہمارے قبیلہ میں ایک کنواں ہے۔ موسم سرما میں اُسکا پانی کافی ہوتا ہے۔ اور ہم سب وہاں جمع ہوجاتے ہیں۔ اور جب موسم گرما آجاتا ہے تو اُسکا پانی کم ہوجاتا ہے۔ اور ہم لوگ متفرق ہوکر جہاں پانی پاتے ہیں وہاں چلے جاتے ہیں۔ اب ہم لوگ مسلمان ہوگئے ہیں۔ اور اطراف کے قبیلے ہمارے دشمن ہیں۔ آپ دعا فرمائیں کہ ہمارے کنوئیں کا پانی ہمیں کافی ہوجائے اور ہم ایک ہی جگہ جمع رہیں۔ متفرق ہونے کی ضرورت نہ ہو۔ حضرتؐ نے سات کنکر منگوائے اور انکو اپنے ہاتھ میں لیکر کچھ دعا کی۔ پھر فرمایا کہ یہ کنکریاں لیجاؤ اور جب اُس کنوئیں پر پہنچو۔ اللہ کا نام لیکر ایک ایک اُس میں ڈالدو۔ وہ کہتے ہیں کہ جب وہ کنکر اُس میں ڈالے گئے تو اُس کنوئیں میں اِتنا پانی آیا کہ ہم اُسکے تہ تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ انتہیٰ۔

انگلیوں کے بیچ میں سے پانی کا جوش مارنا ہرگز سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ حضرتؐ کے جسم مبارک میں کوئی پانی کا چشمہ تو تھا ہی نہیں جسکے کھولنے سے جاری ہوگیا۔ اور وہ بھی کسقدر کہ سینکڑوں آدمی اُس سے سیراب ہوئے اور وضو وغیرہ کئے۔ اِس قسم کی باتیں اُسوقت تک سمجھ میں آنہیں سکتیں۔ کہ اللہ تعالیٰ پر اور اُسکے قدرت کاملہ پر پورا ایمان نہ ہو کہ جس چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے اُس کی طرف "کُن" کا خطاب ہوتا ہے۔ اور وہ چیز فوراً وجود میں آجاتی ہے۔ جب مسلمانوں نے خدائتعالیٰ کے کلام کو بصدق دل مان لیا تو اب

اُن پر اُسکا سمجھنا آسان ہے کہ جہاں سے چاہے خدا تعالیٰ پانی کا دریا بہادے اور جن لوگوں کو اسپر ایمان ہی نہیں اور برائے نام مسلمانوں میں شریک رہنا چاہتے ہیں وہ خلاف عادت ہونے کا حیلہ کرکے معجزات کا انکار ہی کر دیتے ہیں

اس حدیث شریف میں جو مذکور ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کو ہاتھ میں ملکر کنوئیں میں ڈالنے کو فرمایا اور اُس سے پانی بیحد بڑھ گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ دست مبارک کا اثر اُس کنوئیں تک پہونچانا منظور تھا۔ اُسکی تدبیر یہ کی گئی کہ کنکریوں کو دست مبارک سے متاثر فرمایا۔ اور وہ اثر کنوئیں میں پہنچا۔ اور پانی فوراً بڑھ گیا۔ ظاہراً دست مبارک کا اثر کنکریوں میں محسوس نہ تھا مگر معنوی اثر اس قدر اُسمیں تھا کہ اس کنوئیں کے پانی کو حد سے زیادہ بڑھا کر چھوڑا غرضکہ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتدار معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کا ارادہ فرمایا اُسکو وجود ہوگیا۔ اُن لوگوں نے جب دست مبارک کا اثر دیکھا کہ اُس سے پانی جاری ہوتا ہے تو اپنے کنوئیں کا پانی زیادہ کرنے کی درخواست پیش کی اُسوقت حضرت کا بنفس نفیس تشریف لیجانا متعذر تھا۔ اور اُن کی درخواست کو رد کرنا بھی مناسب نہ معلوم ہوا۔ اسلئے کنکریوں کے ذریعہ سے دست مبارک کی برکت کو وہاں پہونچادی۔

جن کنکریوں کو دست مبارک لگ جاتا اُن سے کنوئیں میں چشمے جاری ہو گئے

خصائص کبریٰ میں ابو یعلیٰ انصاریؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک روز پانی کے میسر نہ ہونے سے

تھوڑا پانی بہت ہوگیا

معجزۂ کثرت آب۔

سب پیاسے ہو گئے اور حضرتؐ کے پاس شکایت پہنچی حضرتؐ نے ایک گڑھا کھدوایا اور اُس میں چمڑا بچھا کر اُس پر اپنا دست مبارک رکھ دیا اور فرمایا کہ کچھ پانی ہے ایک شخص نے تھوڑا پانی ڈولچی میں لایا۔ اُس سے فرمایا کہ میری ہتیلی پر وہ پانی ڈالدو۔ اور اللہ کا نام لو۔ ابو یعلیٰ رضہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضرتؐ کی انگلیوں میں سے فوراً پانی جوش مارنے لگا۔ اور اتنا کثرت سے جاری ہوا کہ تمام لوگ سیراب ہو گئے۔ اور اپنے سواری کے جانوروں کو بھی پلا دیا

دیکھئے جب ہر طرف سے پیاس کی شکایت پہونچنے لگی تو حضرت نے کس وثوق سے گڑھا کھدوا کر اُس میں چمڑا بچھوایا۔ اور تمام لشکر کو پانی پلانے کا سامان کیا۔ ہر چند بعضے دیکھنے والوں کی عقل شاید اس راز تک نہ پہونچی ہو گی کہ یہ کیا حرکت ہے۔ مگر اہل بصیرت سمجھ گئے ہونگے۔ کہ تمام لشکر کو پانی پلانیکی تدبیر کیجا رہی ہے۔ اگر بالفرض پانی کا چشمہ جاری نہ ہوتا تو لوگوں میں کس قدر چہ میگوئیاں ہوتیں۔ معلوم نہیں کہ کتنوں نے ایمان تباہ ہو جاتے۔ مگر ممکن نہ تھا کہ جس بات کا ارادہ حضرت نے فرمایا اُسکا ظہور نہ ہو۔ کیونکہ اگر ظہور نہ ہوتا تو حضرتؐ کی رسالت میں شک پڑ جاتا اور ممکن نہیں کہ خدائتعالےٰ آپکو رسول بنا کر رسوا کرے۔ البتہ بعضے مواقع میں حضرتؐ کے خلاف مرضی بعض امور واقع ہوئے ہیں۔ مگر اُسکے اسباب دوسرے ہیں جنکو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے ع

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند۔

چند جزئی امور سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کے خلاف مرضی امور صادر کیا کرتا تھا۔ بلکہ مقتضائے عقل یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل افعال مرضی الٰہی کے موافق تھے۔ اور حقتعالیٰ ہمیشہ آپ کی مدد فرمایا کرتا تھا۔

انگلیوں سے چشمے جاری ہوجانا۔

خصائص کبریٰ میں ابوعمر انصاری رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے ایک روز لوگ بہت پیاسے ہوے۔ آپنے ڈولچی منگوا کر اُسکو اپنے روبرو رکھا اور تھوڑا پانی اُسمیں ڈالکر اُس میں کُلی کی اور کچھ تلفظ فرمایا۔ پھر اپنی چھوٹی انگلی اُس میں رکھدی۔ راوی قسم کھاکر کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضرت کے تمام انگلیوں سے چشمے جاری ہیں پھر حسب ارشاد لوگوں نے خود پانی پیا اور اپنے جانوروں کو پلایا۔ اور مشکیں ڈولچیاں بھر لیں۔ یہ دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے۔ یہانتک کہ حضرتؐ کے کُل دندان مبارک نظر آے۔ اور فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور محمدؐ اُسکے بندے اور رسول ہیں۔ جو شخص کہ ان دونوں باتوں کو قیامت کے دن اللہ کے روبرو پیش کردیگا وہ ضرور جنت میں داخل ہوجائیگا۔ انتہیٰ۔

عرب کے جنگل میں جہاں پانی منزلوں نہیں ملتا جب تمام لشکر پیاسا ہوگیا ہوگا تو کسقدر پریشانی کا وقت ہوگا۔ ایسی حالت میں حضرتؐ کے دست مبارک سے

خوشگوار چشمے پانی کے جاری ہو جانا گوتن بیجان میں جان آجاتا تھا۔ اور دست مبارک کو وہ کس وقعت کی نظر سے دیکھتے ہونگے اُسوقت کا تبسم فرمانا اِس شعر کا مصداق تھا

ہر لبش گاہِ تبسم معجزہ دارد جدا ✦ یک لبش جاں میستاند یک لبش جاں میدہد

فیض دم صبح از لب خندانِ تو یابند ✦ شہد بیست شکر خندہ کہ در شانِ تو یابند

حضرتؐ نے اِس واقعہ کے بعد جو خدا تعالیٰ کے معبود ہونے اور اپنے رسول ہونیکی گواہی دی اس سے ظاہر ہے کہ افعال بغیر خدا تعالیٰ کے حکم کے صادر نہیں ہوسکتے۔ اور جنکے ہاتھ پر وہ صادر ہوتے ہیں اُسکے دعوے کے صداقت کی دلیل ہیں۔

شفاء اور اس کی شرح میں روایت ہے کہ شرجیل رضی اللہ عنہ کے ہتیلی میں غدود ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ تلوار یا گھوڑے کی باگ تھام نہیں سکتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ شکایت پیش کی آپنے چند بار دست مبارک اُن کی ہتیلی پر پھیرا فوراً اُن کی وہ شکایت دفع ہو گئی۔ اور کچھ اثر اسکا باقی نہ رہا

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ بشر بن معاویہ رضؓ کو اُن کے والد معاویہ ابن ثور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے۔ اور انکو تقید کیا کہ صرف تین باتیں عرض کرو۔ نہ کم نہ زیادہ۔

پہلے السلام علیک یا رسول اللہ کہو۔ اُسکے بعد عرض کرو کہ یا رسول اللہ میں اور دوسرے یہ لوگ صرف سلام کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔ اور تیسرے یہ عرض کرو کہ

دست مبارک کے اثر سے غدود معدوم ہوگیا۔ اثر دست مبارک سے ہتیلی اچھی ہوگئی۔

آپ میرے لئے برکت کی دعا فرمائیں۔ بشیر رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا۔ حضرتؐ نے تیسرے معروضہ کے بعد میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی راوی کہتے ہیں کہ جہاں دست مبارک لگا تھا وہ مقام اُن کا روشن ہو گیا۔ اور اُن میں یہ تاثیر پیدا ہو گئی تھی کہ جس چیز کو وہ چاہتے اچھی ہو جاتی انتہیٰ ملخصاً۔

سُبحان اللہ تینوں باتیں جو فرزند ارجمند کو تعلیم کیں کیسی شستہ اور برجستہ تھیں کہ اُنسے اخلاص ٹپک رہا ہے۔ صرف سلام کے لئے دور دراز سے حاضر ہونا کمال اخلاص کی دلیل ہے۔ پھر دعا جو طلب کی اُس میں تو خاتمہ ہی کر دیا۔ برکت ایک ایسی چیز ہے کہ دنیا و آخرت کی بھلائی اس میں متصور ہے۔ لغت میں "برکت" کے معنی نیک بختی اور افزائش و فزونی کے ہیں۔ جب کسی کو نیک بختی اور ہر کام میں افزائش ہو تو اب کس چیز کی ضرورت رہی۔ اِس دعاے مبارک کے آثار تو ابدالآباد جاری رہیں گے۔ سردست اِسکے یہ آثار ظاہر ہوئے کہ جس بیمار و مصیبت زدہ اور معیوب چیز کو خواہ آدمی ہو یا جانور وغیرہ ہاتھ لگا دیا وہ اچھا ہو گیا۔ شانِ نبوّت تھی کہ حضرتؐ نے اُن کو نہ یہ فرمایا کہ میرے ہاتھ لگانے سے تم میں برکت آئیگی۔ اور نہ یہ کہ تمہارا ہاتھ جسکو لگجاوے وہ اچھا ہو جائے گا۔ باوجود اسکے اِن تمام امور کا ظہور منجانب اللہ ہوتا گیا۔

(حاشیہ: معنی برکت)

ہمارے زمانہ میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنی رسالت ثابت کرنے پر بڑا ہی زور لگایا۔ قران شریف سے استدلال کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جو کہا تھا۔

انی مبشراً برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد الخ وہ میں ہی ہوں ایسے ستند اور نص قطعی سے جو نبوت اپنے زعم میں ثابت کی گئی اُس کی یہ کیفیت کہ قسمیں کھا کھا کر باور کراتے ہیں کہ چنیں ہوگا اور چناں ہوگا ۔ اور جب کچھ ہوا تو اُسکے خلاف چنانچہ مرزا صاحب قادیانی نے قسم کھا کھا کر کھا کہ خدا نے مجھسے کہدیا ہے کہ مرزا احمد بیگ کی لڑکی کے ساتھ میرا نکاح ہوگا ۔ اور کسی دوسرے کیساتھ ہوگا تو اُسکا شوہر اور باپ تین سال کے اندر مرجائینگے ۔ اور ایک الہام اتھم صاحب کے مقابلہ میں خدا کی قسم کھا کر فرمایا کہ مسٹر اتھم پندرہ مہینے میں مرجائیگا ۔ اگر نہ مرجاے تو میرا منہ کالا کیا جاے ۔ اور میرے گلے میں رسہ ڈالدیا جاے اور مجھکو پھانسی دیجاے ۔ باوجود اس وثوق کے وہ نہ مرا اور مدتوں زندہ رہ کر مقابلہ کرتا رہا ۔ اس قسم کے کئی واقعات ہیں ۔ اہل انصاف اصلی نبوّت اور جعلی نبوّت میں ان وقائع سے تمیز کرلیں گے ۔ یوں تو باتیں بنانا آسان ہے کہہ سکتے ہیں کہ مرزا صاحب کا اس میں کوئی قصور نہیں ۔ نعوذ باللہ خدا تعالے نے جھوٹ کھدیا ۔ کیونکہ مولویوں کی ایک جماعت اس زمانہ میں امکان کذب باری کے قائل بھی ہوگئی ہے ۔ مگر جن لوگوں کے نزدیک خدا تعالے اور برحق نبی کی وقعت و منزلت ہے ۔ ایسی باتوں سے اِن کی تسکین نہیں ہوسکتی ۔

یہ امر خاص توجہ کے قابل ہے کہ جس مقام میں دست مبارک پہنچا تھا وہ روشن ہوگیا ۔ یہ امر ظاہر ہے کہ روشنی کا کوئی مادّہ دست مبارک میں نہ تھا جو خیال کیا جاے

کہ وہ ڈالدیا گیا۔ نہ کوئی دوا لگائی گئی۔ پھر ہمیشہ کی روشنی کہاں سے آگئی۔ یہ معما اُسوقت تک حل نہیں ہوسکتا کہ یہ یقین کرلیا جائے کہ خالق عزّوجل کو منظور ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہمیشہ نیک نام رہیں اور آپ کا نظیر قائم نہ ہوسکے۔

اثر دست مبارک۔

کنز العمّال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ جابر بن سمرہ رضؓ کہتے ہیں کہ لڑکے حضرتؐ کی خدمت میں آتے تو کسی کے ایک رخسار پر اور کسی کے دونوں رخساروں پر آپ ہاتھ لگاتے۔ ایک بار میں بھی حاضر ہوا۔ حضرتؐ نے میرے ایک رخسار کو دست مبارک سے مشرف کیا۔ چنانچہ وہ دوسرے رخسار سے خوش منظر ہوگیا۔

اثر دست مبارک بر چہرہ۔

کنز العمّال کی کتاب الحج میں ہے کہ حارث سہمی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرفات پر تھے۔ عرب لوگ جوق جوق آتے اور چہرۂ مبارک کو دیکھکر کہتے هٰذا وجهٌ مبارك۔ میں بھی اس موقع میں حاضر ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میری مغفرت کیلئے دعا فرمائیں۔ حضرتؐ نے فرمایا اَللّٰھم اغفر لنا اور جھک کر میرے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ راوی کہتے ہیں کہ ان کا چہرہ اُنکے انتقال تک نہایت تر و تازہ تھا۔ انتہیٰ۔

یہ دست مبارک کی برکت ایسی محسوس تھی کہ کوئی اسکا انکار نہیں کرسکتا تھا کیونکہ تازگی معمولی نہ تھی ورنہ تخصیص سے بیان کرنیکی ضرورت ہی کیا۔

اثر دست مبارک و تا عمر آں بحال

کنز العمّال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ حذیم رضی اللہ عنہ نے

اپنے فرزند حنظلہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ عرض کی۔ آپنے اُن کو نزدیک بُلا کر اُن کے سر پر دونوں ہاتھ رکھے اور فرمایا بارك اللہ فیہ راوی کہتے ہیں کہ اُسکے بعد ان کی یہ کیفیت ہوئی کہ جس کسی کے چہرے پر ورم آجاتا یا کسی بکری کی تھن سوجھ جاتی تو لوگ ان کے پاس لے آتے اور وہ اپنے سر پر ہاتھ رکھکر یہ کہتے بسم اللہ علیٰ اثر ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر وہ ہاتھ ورم کی جگہ پر مل دیتے فوراً ورم اُتر جاتا۔ انتہی ملخصاً۔

دیکھئے حضرتؐ نے حنظلہ کے لڑکپن میں انکے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور اثر دست مبارک کا ان کی عمر بھر رہا اور اثر بھی کیسا کہ فقط وہی اس سے مستفید نہ تھے۔ بلکہ ہر کس وناکس کو اس سے شفا ہوتی تھی۔ یہاں عقل حیران ہے کہ دست مبارک کی برکت اُن کے سر کے پوست پر قائم ہوئی۔ اسپر جب کبھی اپنا ہاتھ لگاتے اُن کے ہاتھ میں برکت آجاتی۔ پھر وہ برکت بیمار تک پہنچتی اور وہاں جاکر یہ اثر کرتی کہ اُسکو صحت ہو جاتی۔ خیال کیجئے کہ کیسی دیرپا وہ برکت تھی اور کیسی متعدی کہ اُسکا سمجھنا عقول متوسطہ کے احاطۂ ادراک سے خارج ہے کیوں نہ ہو عقول متوسط کا تعلق جسمانیات سے ہے روحانیات سے اُن کو کیا تعلق۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں عطاؒ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سائبؓ کو دیکھا کہ اُن کے سر کا درمیانی حصہ سیاہ تھا اور باقی

سر اور داڑھی سفید ہوگئی تھی۔ میں نے اسکا سبب دریافت کیا۔ انہوں نے کہا میں لڑکپن میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسطرف گزر ہوا۔ میں بڑھکر حضرتؐ پر سلام کیا۔ حضرتؐ نے جواب دیکر فرمایا تم کون ہو میں نے عرض کی ہیں مزید کا بیٹا سائب ہوں۔ حضرتؐ نے میرے سر پر ہاتھ پھیر کر فرمایا بارك الله فيك۔ دست مبارک کا یہ اثر ہے کہ وہ ہرگز سفید نہ ہوگا۔ انتہی ملخصاً۔

دیکھئے یہ دست مبارک کا محسوس اثر تھا جسکو لوگ دیکھکر متعجب ہوتے تھے اور کسی کو اُس میں کلام کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ معقول کو محسوس کر دکھانا خدا تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ اس میں بڑی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اہل ایمان سمجھ جائیں کہ آثار نبویؐ کے برکات جسطرح یہاں محسوس ہوئے دوسرے عالم میں بھی اُنکے برکات بطریق اولے محسوس ہونگے۔ کیونکہ اس عالم میں تو عموماً اعراض جواہر کی شکل میں نمایاں ہونگے جیسا کہ نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ وہاں میزان قائم ہوگی اور اعمال جو اس عالم میں اعراض تھے اس میں تُلینگے۔ جب یہ امر مشاہد ہوگیا کہ آثار متبرکہ کے برکات کا ظہور مختلف طریقوں سے ہوا اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ زائرین آثار متبرکہ پر مختلف طریقوں سے اُن کے برکات اُس عالم میں ظاہر ہونگے۔ بہرحال اُمید ہے کہ برکات سے کوئی خوش اعتقاد محروم نہ رہیگا۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ محمد بن فضالہؓ کہتے ہیں کہ میں دو ہفتہ کا تھا کہ میری والدہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مجھے لائیں اور درخواست کی کہ میرے حق میں برکت کی دعا فرماویں حضرتؐ نے دعا کرکے دست مبارک میرے سر کے پچھلے حصہ پر رکھا۔ راوی حدیث کہتے ہیں کہ جب وہ بوڑھے ہوئے تو اُن کے تمام جسم کے بال سفید ہوگئے تھے مگر وہ حصہ جہاں دست مبارک گزرا تھا اُس میں کوئی تغیّر نہ ہوا۔ انتہی ملخصاً۔

سُبحان اللہ کیسا پُرزور اثر تھا کہ طبیعت تمام جسمانی قویٰ اور آلات جنکو اس کام میں دخل تھا متوجہ تھے۔ کہ جسطرح تمام بالوں پر اتنا اثر ڈالا اس متبرک مقام پر بھی اثر ڈالیں مگر اس اثر دست مبارک نے جو اس مقام کی حمایت کی کسی سے ایک بال بیکا نہ ہوا۔ کیا تعجب ہے کہ خوش اعتقاد زائرین کی حمایت پر آثار متبرکہ آمادہ ہوجائیں اور وہ آفات سے بال بال بچ جائیں۔

شفا میں قاضی عیاض رحہ نے روایت کی ہے کہ سعد ابن ابی وقاص رضہ کہتے ہیں کہ جنگ اُحد کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تیر کی لکڑیاں دیتے تھے جنکو پیکان نہ ہوتا اور فرماتے چلاؤ تو وہ لکڑیاں تیر کا کام کرتی تھیں۔ انتہی۔

یہ فقط دست مبارک کی برکت تھی ورنہ تیر کی لکڑی اگر تیر کا کام کرے تو پیکان لگانیکی ضرورت ہی کیوں ہوتی وہ مصنوعی تیر اس معرکۂ کارزار میں یہ کہتا ہوا پہنچتا تھا شعر

اثر دست مبارک

لکڑی سے تیر کا کام۔

تو مرادل دہ و دلبری ہیں   رو بہ خویش خواں و شیری ہیں

شفاء اور اُس کی شرح میں یہ روایت ہے کہ اُحد کے روز قتادہ رضؓ کی آنکھ میں تیر لگا اور آنکھ رخسار پر نکل پڑی۔ وہ حضرت کی خدمت میں اسی حالت سے حاضر ہوے حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر چاہتے ہو تو آنکھ درست کر دیتا ہوں اور صبر کرتے ہو تو تمہارے لئے جنت ہے۔ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ جنت بیشک بڑی اور نہایت عمدہ عطا ہے مگر مجھے کانے پن کا عیب گوارا نہیں ہوتا۔ آپنے دست مبارک سے آنکھ قدیم جگہ پر قائم فرما دی اور جنت کی دعا بھی کی۔ راوی کہتے ہیں کہ اُس آنکھ میں دوسری آنکھ سے زیادہ حسن و خوبی اور بصارت بڑھی ہوئی تھی۔ انتہیٰ۔

(نکلی ہوئی آنکھ کا اچھا ہوجانا۔)

اس کی وجہ ظاہرا یہ معلوم ہوتی ہے کہ حقتعالے کو منظور تھا کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جس کو اصلاح میں دخل ہے اُسمیں حُسن بڑھا رہے تاکہ شان محبوبی عالم میں ممتاز طور پر نمایاں ہو۔

خصائص کبریٰ میں انس رضؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے طرف ایک لشکر روانہ فرمایا جس میں ابوبکر رضؓ بھی تھے اور فرمایا کہ بہت جلد جاؤ۔ کیونکہ تمہارے اور مشرکین کے بیچمیں پانی ہے۔ اگر وہ اسپر پہلے پہنچ جائیں گے تو تم لوگوں پر مشقت ہوگی اور پیاسے رہجائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ آدمیوں کے ساتھ پیچھے رہگئے۔ اور اُنسے

(تھوڑے سے پانی سے لشکر کی سیرابی۔)

فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ تھوڑی دیر آرام کر کے لوگوں کو ملا لیں۔ اُن لوگوں نے عرض کی بہتر ہے۔ چنانچہ سب سو رہے اور جب دہوپ کی تیزی نے اُن کو بیدار کیا تو حضرتؐ نے اُنسے فرمایا کہ حاجت سے فارغ ہو کر آجاؤ جب حاضر خدمت ہوے تو فرمایا کہ کسی کے ساتھ پانی بھی ہے ایک شخص نے عرض کی میری ڈولچی میں تھوڑا پانی ہے۔ فرمایا لاؤ۔ جب حاضر کیا گیا تو دست مبارک اُسکو لگا کر برکت کی دعا کی۔ پھر حاضرین سے فرمایا وضو کرو اور آپ اُن کو وضو کرانے لگے یہانتک کہ سب وضو کر لئے حضرتؐ نے اُن کو نماز پڑھا کر فرمایا کہ ڈولچی کی حفاظت کرو۔ کیونکہ قریب ہے کہ اُسکے لئے ایک شان ہوگی۔ پھر حضرتؐ سوار ہو کر لشکر کے جانب روانہ ہوے۔ اصحاب سے فرمایا کہ تم کیا خیال کرتے ہو کہ اُن لوگوں نے کیا کیا؟ لوگوں نے عرض کئے۔ خدا اور اُسکے رسولؐ زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا اُن میں ابو بکرؓ اور عمرؓ ہیں۔ لوگوں کو راہ راست پر رکھیں گے۔ مگر مشرکین سبقت کر کے پانی پر پہنچگئے۔ اور وہ لوگ سخت مشقت میں ہیں۔ اور وہ اور اُن کے جانور سخت پیاس میں مبتلا ہیں۔ جب حضرتؐ وہاں پہنچے تو وہ ڈولچی منگوائی۔ جسمیں تہوڑا سا پانی تھا۔ پھر اعلان دیا کہ سب آکر پانی پئیں۔ اور حضرتؐ نے پانی پلانا شروع کیا یہانتک کہ سب سیراب ہوگئے۔ پھر جانوروں کو پلایا اور جتنے پانی کے برتن یعنی ڈولچیاں مشکیں پکھال تھیں سب بھر لئے گئے۔ پھر حضرتؐ و صحابہؓ مشرکین کیطرف متوجہ ہوے

اُسوقت منجانب اللہ ایک ہوا ایسی چلی کہ مشرکوں کے منہ پھر گئے۔ اور وہ بھاگنے لگے چنانچہ بہت سے قتل اور بہت سے قید کئے گئے۔ اور بہت غنیمت ملی۔ اور حضرتؐ کامیابی کے ساتھ خیر و عافیت سے واپس تشریف لائے انتہیٰ

تھوڑے پانی سے تمام لشکر کا سیراب ہونا سوائے قدرت الٰہی کے ممکن نہیں۔ اسی قدرت کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے ہوا۔ خصائص کبرےٰ میں ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کچھ ہے؟ میں نے عرض کی کہ توشہ دان میں تھوڑی کھجور رہے ہے فرمایا لے آؤ۔ میں حاضر کیا۔ وہ کل اکیس دانہ تھے۔ دست مبارک اُسپر پھیر کر کچھ دعا کی اور فرمایا کہ دس شخصوں کو بلا لو میں نے بلایا وہ آئے۔ اور سیری سے کھا کر چلے گئے۔ پھر دس شخصوں کو بلانیکا حکم ہوا۔ وہ بھی فارغ ہوئے۔ اسیطرح دس دس شخص بلائے جاتے اور سیری سے کھا کر اُٹھ جاتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام لشکر کو اُن چند دانوں نے سیر کر دیا اور تھوڑے سے باقی رہگئے۔ مجھے ارشاد ہوا کہ یہ تم اپنے پاس توشہ دان میں رکھ لو۔ جب تمھیں ضرورت ہو ہاتھ ڈالکر اُس میں سے نکال لیا کرو مگر یہ احتیاط رہے کہ سب اونڈیل کر پھیلا نہ دئے جائیں۔ ابوہریرہ رضؓ کہتے ہیں کہ حضرتؐ کے زمانہ میں میں وہی کھجوریں کھایا کیا۔ اسکے بعد ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد خلافت میں اُن کھجوروں کو خرچ کرتا رہا تخمیناً پچاس وسق فی سبیل اللہ

دیا - اور دو سو وسق سے زیادہ میں نے کھایا اور کھلایا جب حضرت عثمان رضہ شہید ہوئے تو وہ کھجور میرے پاس سے جاتے رہے - انتہیٰ -

منتہی الارب میں لکھا ہے کہ وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ہر صاع تخمیناً چار سیر کا -

اکیس کھجوروں سے تخمیناً ڈیڑھ ہزار من کھجوریں خرچ ہوئیں - صرف خدا تعالےٰ کی قدرت سے متعلق ہے جس چیز کو وہ چاہتا ہے برکت دیکر زیادہ کرتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اُس میں برکت نہیں دیتا ہے - بلکہ زیادہ کو کم کر دیتا ہے ایک برگد کے درخت ہی کو دیکھ لیجئے کہ کتنا بڑا ہوتا ہے - اور جس تخم سے اُس کی نشوونما ہوتی ہے وہ کس قدر چھوٹا ہے - اُس چھوٹے سے تخم سے جو دانہ خشخاش سے کسی قدر بڑا ہوتا ہے - اتنا بڑا درخت جسکو وزن کیا جائے تو ہزارہا من ہو - اور جسامت دیکھی جائے تو ہزارہا آدمی اُسکے سایہ میں آسکتے ہیں - یہ نشوونما کیسی قدرت نمائی ہے - جو دراصل یہاں بھی وہی برکت ہے کہ خدا تعالےٰ نے اُس چھوٹے سے تخم میں برکت دیکر اُسکو اتنا بڑھایا - کہ لاکھوں حصے اُس سے زیادہ ہو گیا - اگر یہاں یہ کہا جائے کہ درخت میں ہر روز بلکہ ہر وقت مٹی سے اُس کی مدد ہوتی ہے جس سے وہ بڑھتا ہے تو ہم کہیں گے اس میں شک نہیں کہ خدا تعالےٰ جب برکت دیتا ہے تو اندرونی مدد ضرور ہوتی ہے - مگر یہ کہنا بلا دلیل ہوگا کہ زمین کی مٹی اُس کی

اکیس کھجوریں ڈیڑھ ہزار من ہوگئیں اور اُنکا نقشہ -

جسامت میں شریک ہوکر اُسکو بڑھاتی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کی جڑیں زمین میں گڑھی رہتی ہیں اور زمین اپنی حالت پر رہتی ہے۔ اگر زمین کے اجزا درخت کے جسامت میں صرف ہوتے تو جتنا درخت بڑا ہو تخمیناً اتنا ہی غار اُسکے جڑوں کے قریب ہوتا۔ حالانکہ برخلاف اُسکے جڑیں جب زمین میں گھستی ہیں تو وہاں کی مٹی منکاسف ہوجاتی ہے (یعنی سمٹ جاتی ہے) بہرحال یہ ہرگز ثابت نہ ہوسکیگا کہ درخت کے جتنے اجزا ہیں وہ صرف مٹی ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ سلالۂ زمین اُس میں داخل ہوتا ہے مگر اُس سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ وہ کل سلالہ ہے۔ اُس میں برکت الٰہی کو دخل نہیں ؟

خصائص کبرےٰ میں ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوے۔ اور فرمایا کہ اہل صفّہ کو بلاؤ۔ میں نے بلایا۔ اُسکے بعد ایک بڑا پیالہ رکھا گیا جسمیں جَو کی پکی ہوئی کوئی غذا تھی جو تخمیناً ایک مُد یعنی ایک پسّو ہوگی۔ حضرتؐ نے اپنا دست مبارک اُس پر رکھ کے فرمایا کہ ہاں بسم اللہ۔ ہم نے کھانا شروع کیا۔ اور تقریباً اسّی شخص سیر ہو کر کھاے۔ جب فارغ ہوے تو وہ اُسی قدر بھرا ہوا تھا جو رکھنے کے وقت تھا البتہ اس قدر فرق ہوا تھا کہ حضرت کی انگلیوں کے آثار اُس میں نمودار تھے انتہیٰ۔

ایک پسّو سے اسّی آدمی سیر ہوے۔

خصائص کبریٰ میں ابوہریرہ رضہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلاکر فرمایا کہ مکان کو جاکر کھو کہ کھانا جو کچھ تمھارے

ایک مٹھی کھانا میں برکت

پاس موجود ہو لاؤ - چنانچہ ایک صحنک مجھے دی گئی جسمیں عصیدہ تھا - جو ایک قسم کا کھانا آٹے اور گھی اور میٹھی چیز سے تیار کیا جاتا ہے - میں وہ لیکر حاضر ہوا - ارشاد ہوا کہ مسجد والوں کو بلالو - میں نے اپنے دل میں کہا کہ کھانا اتنا ہے - اور مسجد کے لوگ بہت - اگر نہ بلاؤں تو معصیت ہوئی جاتی ہے -

بہرحال اُن کو بلایا اور سب جمع ہو گئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں اپنی انگلیاں رکھدیں - اور فرمایا اللہ کا نام لیکر کھاؤ - چنانچہ سب کھائے اور سیر ہوئے - اور میں بھی کھایا اور سیر ہو گیا - اور جب میں نے اُسکو اُٹھایا تو جتنا رکھنے کے وقت تھا اُتنا ہی اٹھانیکے وقت بھی تھا - مگر فرق یہ تھا کہ اس وقت حضرت ؐ کے انگلیوں کا نشان تھا -

خصائص کبرےٰ میں ابو قرصافہ رض سے روایت ہے کہ ابتدائے اسلام میں میں یتیم اور ماں اور خالہ کی زیر پرورش تھا - اپنی چند بکریاں چرایا کرتا تھا - میری خالہ مجھے اکثر کہتی تھیں کہ اے لڑکے! اس شخص یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کبھی نہ جانا - کیونکہ وہ اغوا دے کر گمراہ کر دیں گے - میں چراگاہ کو جاکر بکریوں کو چھوڑ دیتا - اور حضرت ؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر ارشادات مبارک کو سُنتا - پھر بکریوں کے پاس جاتا تو اُن کو دُبلے اور اُن کے تھنوں کو سوکھے پاتا - میری خالہ نے مجھ سے کہا کہ تیری بکریوں کو کیا ہوا - میں نے کہا مجھے معلوم نہیں دوسرے روز ایسا ہی کیا - پھر تیسرے روز حضرت ؐ کی خدمت میں

حاضر ہوکر اسلام سے مشرف ہوا۔ اور اپنی خالہ کا حال بیان کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ بکریوں کو لے آؤ۔ میں نے حاضر کیا حضرتؐ نے اُن کی تھنوں اور پیٹ پر ہاتھ پھیر کر دعاے برکت کی۔ ساتھ ہی وہ چربی اور دودھ سے بھر گئیں۔ جب میں نے خالہ کے پاس اُن بکریوں کو لے گیا تو کہا کہ اے لڑکے! ایسے ہی چرانا چاہئے۔ جب میں اُن کو یہ سب واقعہ کہہ سنایا تو وہ اور میری والدہ دونوں مشرف باسلام ہوئیں انتھیٰ۔

صغر سنی میں توفیق

توفیق ازلی جب مددگار ہوتی ہے تو ایسے ہی آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ دیکھئے صاحبزادے جو یتیم و نابالغ تھے اُن کو حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا خیال پیدا ہونا اور بکریوں کو جنپر اُن کی روزی کا مدار تھا کس بےبسی حالتمیں چھوڑ دینا حیرت انگیز بات ہے۔ کیونکہ یہ عمر تو ایسی نہیں ہوتی کہ اُسمیں آدمی اپنے منافع اُخروی کیطرف توجہ کرے۔ بلکہ یہ عمر تو وہ ہے کہ دنیوی منافع حاصل کرنیکے طرف بھی پوری توجہ نہیں ہوتی۔
غرض اُنسے یہ کام جو صادر ہوا بہت سے بڑے بڑے عقلا بھی نہ کرسکے
ع این سعادت بزور بازو نیست۔

ایک بکری کے دودھ میں برکت

خصائص کبریٰ میں ابو العالیہ رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اُسوقت بہت سے صحابہؓ جمع تھے آپکا خیال ہوا کہ اُن کو کچھ کھلائیں آپنے ہر محل سے کھانا طلب فرمایا۔ نوؔ ں

حضرتؐ کی معیشت بغرض دنیا نہ تھی

محلوں سے صاف جواب آیا کہ کھانے کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ آپ نے ایک کم عمر بکری دیکھی کہ گھر میں کھڑی ہے اُسکے تھن پر ہاتھ پھیرا فوراً اُسکے تھن پاؤں میں لٹکنے لگے۔ اور نہ کاسہ منگوا کر اُس کا دودھ ہر محل مبارک میں ایک ایک نہ کاسہ بھیجا گیا۔ اور سب صحابہؓ نے بہ سیری تمام اُسکو پیا۔ انتہیٰ۔

اہل انصاف اس واقعہ سے سمجھ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت کا کیا حال تھا۔ نو محلوں میں سے بھی تھوڑی سی کھانیکی کوئی چیز نہ نکل سکی۔ اس سے ظاہر ہے کہ جسطرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اسکا ثبوت صدہا ہزارہا واقعات سے ہوتا ہے۔ یہ اصلی نبوت کے آثار ہیں کہ صرف ہدایت خلق اللہ مقصود تھی۔ برخلاف اِسکے حضرتؐ کے بعد جن لوگوں نے نبوت کا دعوےٰ کیا ان کو سوا دنیا اور پیسہ کمانے کے اور کوئی مقصود نہیں۔ اُن کی یہ حالت ہے کہ ہمارے اسلام ہی کے مسائل میں کچھ اُلٹ پھیر کرکے کہہ دیتے ہیں کہ خدا نے الہام کیا۔ وحی اُتری۔ اگر خوش اعتقاد لوگوں نے مان لیا اور ہر طرف سے آمد شروع ہوگئی تو پھر کیا کہنا ہر بانی ہر عضو اقسام کی نعمتیں استعمال کیجاتی ہیں۔ جنکا تھوڑا سا حال ہم نے افادۃ الافہام میں لکھا ہے۔

اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ جو اقسام کی تدبیریں کرکے توفیر آمدنی کے ذرائع قائم کرے۔ اور ایک بڑا حصہ اپنی آسائش اور منافع ذاتی میں خرچ کرے۔

کیا اسکو نبوّت سے کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقات کے منافع بیحساب بیان فرمائے اور قرآن شریف میں بھی اُسکے لئے بہت کچھ ترغیب دی گئی ہے چنانچہ ہر فرد بشر سے حتے کہ فقیر تک حضرتؐ کی خدمت میں صدقے لا لا کے پیش کرتے۔ مگر حضرتؐ نے پہلے سے ہی فرمادیا کہ صدقات میرے اور میرے اہل بیت کے حق میں حرام ہیں۔ اور اس باب میں احتیاط اس قدر کہ کہیں کھجور پڑی ہوئی تھی حضرت امام حسینؓ نے جو نہایت کم عمر صاحبزادے تھے کھانا چاہا۔ آپنے سختی سے اُن کو اس خیال سے منع فرمایا کہ کہیں وہ صدقہ کی نہ ہو۔ اب دیکھئے کہ مصنوعی نبوتوں اور اصلی نبوّت کے آثار و لوازم میں کسقدر فرق ہے۔

آپنے یہ بھی دیکھ لیا کہ ایسی بکری جو کبھی بیاہی نہ گئی ہو اُس سے اس قدر دودھ دوہا گیا کہ کئی گھر کے لوگ اور ایک جماعت سیراب ہو گئی۔ اصلی نبوّت کے یہ آثار ہوتے ہیں۔

جعلی نبوّت میں جب اِس قسم کے معجزات کا صدور ممکن نہیں۔ اِسلئے مرزا صاحب نے صاف لکھدیا کہ جسقدر معجزات بیان کئے جاتے ہیں سب بے اصل محض ہیں۔ اس سے زیادہ کیا ہو کہ قرآن شریف میں جن معجزات کا ذکر ہے اُن کا بھی اِنکار کرکے ایسی تاویلیں کیں کہ جسکو ذری بھی عربیت اور عقل ہو

مرزا صاحب نے معجزات کا انکار کردیا۔

وہ ہرگز خیال نہ کرے گا کہ وہ معنی خدا تعالٰے کی مراد ہیں۔

[illegible]

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ ابیض ابن حمال رضؓ کے منہ پر داد تھا جو انکی ناک کو چر گیا تھا حضرتؐ نے انکو بلا کر اُنکے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔ فوراً دفع ہوگیا۔ اور اُسکا اثر بھی نہ رہا۔

اطباء لکھتے ہیں کہ امراض سوداویہ بہت دیر میں علاج پذیر ہوتے ہیں۔ کیسا ہی طبیب حاذق ہو۔ اگر داد کا علاج کرتا تو اُسکو کتنا زمانہ درکار ہوتا۔ پھر داد اگر زائل بھی ہوتا تو ناک جسکو داد نے چر گیا تھا۔ اُسکو از سر نو پیدا کرنیکی کیا صورت۔ میری دانست میں ایسی دوا کا ملنا نہایت دشوار ہے جو ناک کے اجزا کو بڑھا کر اُسکو ہیئت اصلیہ پر لے آوے۔ ایسی سخت بیماری کو حضرتؐ نے صرف ہاتھ پھیر کر زائل فرما دیا۔

[illegible]

خصائص کبریٰ میں ہے کہ بشر بن عرقبہ کہتے ہیں کہ جب جنگ اُحد میں میرے والد شہید ہوے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روتا ہوا آیا فرمایا کیوں روتے ہو کیا تم اسپر راضی نہیں ہو کہ میں تمہارا باپ اور عائشہ رضؓ تمہاری ماں ہوں۔ اِسکے بعد آپنے میرے سر پر ہاتھ پھیرا جسکا اثر یہ ہوا کہ باوجودیکہ تمام سر کے بال بوجہ پیرانہ سالی سفید ہوگئے تھے۔ مگر جہاں دست مبارک لگا تھا وہ اب تک سیاہ ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ میری زبان میں گرہ تھی جس کی وجہ سے میں بات برابر نہیں کرسکتا تھا۔ حضرتؐ نے اِسپر تھوکا فوراً وہ گرہ کھل اور عقدہ کشائی

ہوگئی۔ اسکے بعد ارشاد ہوا کہ تمھارا نام کیا ہے۔ میں نے عرض کی بحیر فرمایا نہیں تم بشیر ہو۔ انتہیٰ۔

لعاب مبارک سے جو بشیرؓ کی زبان کی گرہ کھل گئی یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اس قسم کی عقدہ کشائیاں ہمیشہ ہوا کرتی تھیں۔ اور آپ نے اِن کا نام جو بدلدیا اسکی وجہ یہ تھی کہ بحیر کے معنی بدی اور عیب کے ہیں۔ آپکو ایسا نام پسند نہیں تھا۔ جسکے معنی میں کسی قسم کی برائی ہو اگرچہ کہ اعلام میں معنی کا لحاظ نہیں ہوتا مگر یہ تو ظاہر ہے کہ اگر کسی کا نام مثلاً شیطان یا خبیث رکھدیا جائے اور اس نام سے اُسے پکاریں تو اسکی خاطر شکنی ضرور ہوگی۔ ماں باپ جب کوئی برا نام اپنے بچے کا رکھدیتے ہیں تو عقل آنے کے بعد وہ کچھ کر تو نہیں سکتا مگر اُس نام سے پکارا جانا اُنکو برا ضرور معلوم ہوتا ہے اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برے ناموں کو بدلدیا کرتے تھے۔ یہ حضرتؐ کی کمال شفقت کا باعث تھا کہ دلشکنی کے اسباب کو آپ دور فرما دیا کرتے تھے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اکثر معاملات اور اخلاق حسنہ میں وہی امر ملحوظ ہے اور اسی پر اصلاح تمدن کا مدار ہے

شفاء اور اس کی شرح میں یہ روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں سخت بیمار ہوا اور حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا درد کی شدت میں یہ دعا کرتا تھا کہ الٰہی اگر موت آگئی ہے تو اس درد سے مجھے راحت دے اور اگر نہیں آئی تو شفا دے اور اگر یہ آزمائش ہے تو

مجھے صبر عطا فرما۔ حضرتؐ نے سنکر مجھے دعا دی اور ایک ٹھوکر ماری اُسکے بعد وہ درد مجھے کبھی نہ ہوا انتہی ملخصاً۔

ٹھوکر کا یہ اثر تھا کہ مہلک درد ہمیشہ کے لئے جاتا رہا درا صل یہ اثر حضرتؐ کے قدم مبارک کا تھا جو اُن کے جسم کو لگ گیا۔

خصائص کبریٰ میں ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے کسی شخص کو کہیں بھیجا اُس نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میری ناقہ نے مجھے تھکا دیا۔ وہ اپنے مقام سے اُٹھتی ہی نہیں۔ حضرتؐ نے وہاں تشریف لیجا کر اُسکو ٹھوکر ماری۔ ابوہریرہ رضؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ سامنے چلنے والوں سے بڑھ جاتی تھی۔ انتہی۔

یہ ٹھوکر کا اثر تھا کہ ایسے مُردہ کو زندہ اور چُست و چالاک بنا دیا۔

شمس التواریخ وغیرہ میں لکھا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت فرمانیکے بعد تین دن مکہ میں رہے۔ آنحضرتؐ کی طرف سے لوگوں کی امانتیں اُن کو سپرد کر کے مکہ سے باہر نکلے اور مدینہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ رات کو پیادہ پا چلتے اور دن کو کسی ایک گوشے میں چھپ رہتے ابھی حضرتؐ محلہ قبا ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ بھی پہنچ گئے۔ پیادہ روی کے باعث پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے اور نہایت ہی درد تھا۔ آنحضرتؐ نے اپنا دست مبارک اُن کے پاؤں پر پھیر دیا۔ اور دعا ء شفا کی۔ اُسی دم

آرام ہو گیا۔

ہر چند حضرت علی کرم اللہ وجہہ امام الاولیا ہیں اور اس قسم کے کرامات خود آپ سے صادر ہوتے تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود کے مقابلہ میں اُن کا وجود ایسا ہی تھا جیسے چاند وغیرہ کواکب کا وجود آفتاب کے مقابلہ میں۔ اسیوجہ سے آبلہ وغیرہ کی شکایت کو دور نہ کر سکے جب تک کہ آنحضرتؐ کے دست مبارک نے دستگیری نہ فرمائی۔

لاغر قریب مرگ بکری کا دودھ دینا۔

سیرۃ النبویہ اور شمس التواریخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر ہجرت میں لکھا ہے کہ اثناء راہ میں منزل قدید پر جو رابغ کے قریب ہے ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے خیمہ کے پاس سے حضرتؐ کا گزر ہوا۔ یہ ایک بہت عاقلہ بوڑھی عورت تھی۔ جو کوئی اُسکے خیمہ کے پاس سے نکلتا تھا اُسکی مہمانی کرتی تھی۔ آنحضرتؐ نے اُس سے خرما اور گوشت طلب فرمایا۔ اُس نے ایک آہ بھری اور کہا افسوس اس نواح میں ایسا سخت قحط ہے کہ ہمیں کئی کئی دن تک کھانا نصیب نہیں ہوتا۔ میں مجبور ہوں آپ کی خدمت نہیں کر سکتی حضرتؐ کو بھی اسکے حال پر رحم آیا۔ آپ نے ادھر اُدھر دیکھا تو ایک بکری نظر آئی۔ آپنے دریافت کیا کہ یہ کس کی بکری ہے۔ ام معبدؓ بولی کہ ہے تو میری مگر لاغری اور بھوک سے کوئی دم کی مہمان ہے۔ آپ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتی آپنے فرمایا کہ یہ تو بتاؤ کہ یہ دودھ بھی دیتی ہے یا نہیں۔ ام معبد نے جواب دیا کہ

جب لاغری کا یہ حال ہے تو دودھ کیا دیگی۔ آپ نے فرمایا کہ تم اجازت دو تو میں دودھ لوں۔ اُسنے جواب دیا شوق سے لیجئے۔ آپنے اُس بکری کو اپنے پاس منگوا کے اُسکے تھنوں پر ہاتھ پھیرا۔ اور فرمایا بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم بارك لها فى شاتها۔ یعنی اے اللہ ام معبد کی بکری میں اُسکے لئے برکت دے۔ فوراً اُسکے تھن دودھ سے بھر گئے۔ آنحضرت نے برتن منگا کر اپنے ہاتھ سے دوہا پہلے اہل خیمہ کو پلایا بعد ازاں اپنے ہمراہیوں کو۔ پھر خود پیا۔ اس لاغر بکری سے اِتنا دودھ ملا کہ حاضرین نے دو دو بار پیا۔ اور ام معبد کے سارے برتن بھر دئے۔ آپ وہاں سے روانہ ہوئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسکا خاوند ابو معبد اکثم ابن ابی الجون آیا۔ اور گھر کے سب برتن دودھ سے بھرے دیکھکر حیران رہ گیا بیوی سے پوچھا گھر میں تو کوئی شیردار جانور نہ تھا۔ پھر یہ دودھ کہاں سے آیا۔ ام معبد نے جواب دیا کہ ایک نہایت متبرک آدمی آیا تھا اُسکے ہاتھ کی برکت ہے۔ اِسی مُردہ بکری نے اِتنا دودھ دیا ہے۔ اُس مرد فرشتہ سیرت کی باتیں میٹھی صورت پیاری اور زبان فصیح اور بیان ملیح تھا۔ ابو معبد بولا واللہ وہ مرد قریشی ہے اُسے لوگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں جسکا شہرہ تمام عالم میں مچ رہا ہے۔ اگر میں اُسوقت موجود ہوتا تو اسکا ساتھ کبھی نہ چھوڑتا۔ اب میری آرزو ہے کہ میں اُس سے جاملوں۔ غرضکہ دونوں میاں بیوی مدینہ میں پہنچکر

مسلمان ہو گئے۔

لکڑی کا تلوار ہو جانا

سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ عکاشہ بن محصن رضؓ کی تلوار جنگ بدر میں جب ٹوٹ گئی تو آنحضرتؐ نے ایک موٹی لکڑی اُن کو دی جو کسی درخت کی جڑ تھی۔ اور فرمایا کہ اس سے مارو۔ وہ اُنکے ہاتھ میں ایک دراز دل دار سخت چمکتی ہوئی تلوار ہو گئی جس سے وہ لڑتے رہے۔ چنانچہ ہر جنگ میں وہ اُسی سے لڑتے تھے۔ اُس تلوار کا نام عون رکھا گیا۔

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ قبیلۂ بنی اشہل کے کئی لوگوں نے خبر دی کہ سلمہ ابن اسلم کی تلوار جنگ بدر میں ٹوٹ گئی اور نہتے رہ گئے۔ آنحضرتؐ نے ایک ڈالی کھجور کی اُن کو دے کر فرمایا کہ اس سے لڑو۔ یکایک اُن کے ہاتھ میں وہ نہایت عمدہ تلوار ہو گئی۔ اور وہ ہمیشہ اُسکو اپنے پاس رکھتے تھے یہاں تک کہ شہید ہوئے۔

ایک مشت خاک نے سب کو اندھا بنادیا۔

شمس التواریخ وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو حکم کیا کہ مدینہ طیبہ کو ہجرت کر کے چلے جائیں۔ اور سب چلے گئے۔ اور صرف علی کرم اللہ وجہہ اور ابوبکر صدیق رضؓ باقی رہگئے تو کفار کو یہ فکر ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کہیں تشریف نہ لے جائیں اسلئے ایک رات کفار نے مکۂ معظمہ کے دار الندوہ میں مشورہ کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسطرح نجات پائیں، مختلف رایوں کے بعد یہ رائے قرار پائی کہ ہر قبیلہ

سے ایک ایک جوان دلاور منتخب کیا جاوے اور وہ سب مجتمع ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر کے قتل کر ڈالیں۔ جب ایسا ہوگا تو اُن کا خون سب قبائل پر بٹ جائے گا۔ اور بنی عبد مناف کو سارے قبائل کے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی۔ اور خونبہا پر راضی ہو جائیں گے۔ جب رات ہوئی تو قریش حضرتؐ کے آرام فرمانے کے منتظر بیٹھے۔ اور سرداران قریش مثل ابوجہل اور ابولہب وغیرہ نے اس کام کو انجام دینا اپنے ذمہ لیا۔ آنحضرتؐ نے علی مرتضیٰ رضؓ کو فرمایا کہ کفار کا اس قسم کا ارادہ ہو گیا ہے۔ اب میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ تم میری جگہ سو رہو تمھیں کچھ نقصان نہ پہنچیگا۔ اور یہ امانتیں جو قریش کی میرے پاس ہیں اُن کو پہنچا کر تم بھی مدینہ کو چلے آنا۔ یہ فرما کے حضرتؐ باہر نکلے۔ دیکھا کہ کفار مستعد کھڑے ہیں آپنے ایک مشت خاک اُنپر ڈالی اور چند آیتیں پڑھیں۔ وہ مشت خاک کل کفار کے آنکھوں میں پڑی اور کسی نے آپ کو نہ دیکھا جب حضرتؐ تشریف لے گئے تو ایک شخص نے اُن سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں کھڑے ہو اور کس کا انتظار ہے اُنھوں نے جواب دیا صبح ہونے کی راہ دیکھ رہے ہیں۔ صبح ہوتے ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مار ڈالیں گے۔ تاکہ بنی ہاشم دیکھ لیں کہ سب نے اکٹھا ہو کر اُن کو مارا ہے۔ اور انھیں بدلا لینے کی ہمت نہ بندھیگی۔ اُسنے کہا کہ لعنت ہے تم پر اندھو یہی شخص جو ابھی تمھارے سامنے سے نکلا اور چلا گیا ہے۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا۔ اب تو ابوجہل اور سب کافروں نے سر پیٹ لئے

اور سب نے مٹی اپنے اپنے سروں پر پائی۔ یہ وہی مٹی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روانگی کے وقت پھینکی تھی۔ انتہی ملخصاً۔

دیکھئے دست مبارک کی مٹی میں کیسی برکت ہوئی کہ ان سب کفار کے آنکھوں میں اور سر پر پڑی اور اُن کو اندھا بنا دیا۔ اور حضرتؐ کے جاتے وقت کسی کو یہ بھی خیال نہ ہوا کہ کون شخص جاتا ہے۔ یہ سب قدرت نمائیاں تھیں کہ ہر طرح سے کفار پورے طور پر حضرت پر مسلط کئے گئے۔ تمام شہر دشمن ہر شخص خون کا پیاسا اور ہر وقت قتل پر آمادہ اور رات کا وقت ہے کہ تمام سرداران قریش حضرتؐ کے دولتخانہ کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ اور حضرتؐ تن تنہا نہ گھر پر کوئی دربان ہے نہ محافظ نہ یار نہ رفیق۔ ایسی حالت میں اندرونی حکم صادر ہوا کہ اپنی جگہ علی کرم اللہ وجہہ کو سلا کر مدینہ کی جانب ہجرت کیجئے۔ جب آپ نے دروازے کے باہر قدم رکھا ہوگا اُس وقت حضرتؐ کی کیا حالت ہوگی کبھی تو اُن کی حماقت پر ہنسی آتی ہوگی۔ کہ یہ حمقا خدا کے مقابلہ کے لئے آکر کھڑے ہیں۔ اور کبھی شان کبریائی پر نظر پڑتی ہوگی۔ کہ کیسے کیسے سر برآوردہ اور کار آموزدہ بہادران قوم کو جن کی شجاعت تمام ملک عرب میں مسلم تھی مقابلہ کے لئے لاکر کھڑا کر دیا اور تدبیر یہ بتلائی کہ ایک مُشت خاک سے اُن کے سب منصوبے خاک میں ملا دئے جائیں۔ اسباب ظاہری پر جن لوگوں کو گھمنڈ ہوتا ہے اُن کو اس واقعہ سے سبق لینا چاہئے کہ مسبب الاسباب کے مقابلہ میں کوئی سبب کارگر نہیں ہوتا۔ اور ایک ادنے سبب ایسا پیدا ہو جاتا ہے

جو سارے اسباب کو نیست و نابود کر ڈالتا ہے۔

تفسیر ابن جریر میں آیۂ وما رمیت اذ رمیت کی تفسیر میں کئی احادیث نقل کرکے ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ قریش جب جنگ بدر میں حضرتؐ کے مقابل ہوئے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی مٹی کفار کے طرف پھینکی۔ وہ مٹی ہر ایک کی آنکھ میں ناک میں منہ میں پڑی اور اُن میں بھگدڑ مچی۔ اور صحابہ رضہ نے اُن کا قتل اور نہب کرنا شروع کیا انتہیٰ۔ دست مبارک کی برکت دیکھئے کہ ایک مٹھی میں جس قدر مٹی آتی ظاہر ہے اتنی سی مٹی تمام لشکر کفار کے آنکھ ناک منہ میں جا پڑی۔ حالانکہ کفار (۹۰۰) نو سو سے زیادہ تھے۔ یہ واقعہ قرآن شریف میں موجود ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولٰکن اللہ رمیٰ۔ اسکے بعد کون مسلمان ہو گا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت کا انکار کرسکے؟ کیا یہ واقعہ عقل کے موافق ہوسکتا ہے کہ ایک مشت خاک لشکر کی ہزیمت کے لئے کافی ہو ہرگز نہیں۔ یہ اثر دینا صرف خدا تعالیٰ کا کام ہے۔ اسکا ظہور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے ہوا۔ بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت تھی۔ جس نے ہر کافر کی آنکھ میں اُس مٹی کو پہنچایا۔ مگر درباطن وہ قوت اور قدرت الٰہی تھی اسواسطے آیۂ شریفہ میں ارشاد ہے کہ آپنے جب مٹی پھینکی آپنے نہیں پھینکی بلکہ خدا تعالیٰ نے پھینکی جسکا مطلب ظاہر ہے کہ بظاہر آپ کا پھینکنا تھا۔ اور

باطن میں وہی پھینکنا خدائے تعالیٰ کا تھا۔ اسی پر تمام معجزات کو قیاس کر لیجئے کہ ظاہرا
اُن کا ظہور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و زبان وغیرہ جوارح سے ہوتا
تھا۔ مگر در باطن وہ خدائے تعالیٰ کا فعل تھا۔

خصائص کبریٰ میں ابوسفیان ابن سہل سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے جب خیبر پر چڑھائی کی تو یہود نے وہاں کے قلعوں میں پناہ لی۔ اور وہاں سے
تیر مارنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک تیر حضرتؐ کے کپڑوں میں لگا حضرتؐ
نے ایک مٹھی بھر کنکر قلعہ پر مارے جس کی وجہ سے اُس کی دیواروں میں زلزلہ
ہوا اور زمین میں دھنس گئیں اور صحابہؓ نے اندر گھس کے اُن لوگوں کو گرفتار کرلیا
انتہیٰ ملخصاً۔

چند کنکریوں کا قلعہ کی مستحکم دیواروں کو زمین میں دھنسا دینا اُس قوت کا اثر تھا
جو دست مبارک سے نکلکر اُن کے ساتھ ساتھ قلعہ کی دیواروں تک پہنچی تھی۔
ورنہ کجا چند کنکر اور کجا دیوار قلعہ اور جو قوت کہ کنکریوں کیساتھ تھی اُسکے ساتھ حضرتؐ
کی خاص توجہ کام کر رہی تھی جیسا کہ اس حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے جو
خصائص کبریٰ میں جابرؓ اور عروہؓ سے مروی ہے کہ غزوۂ خیبر میں ایک
حبشی غلام حضرتؐ کی خدمت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا نبی اللہ اگر میں اسلام لاؤں تو
میرے لیے کیا ہوگا۔ فرمایا جنّت۔ چنانچہ وہ اسلام لایا اور جنگ کرنے پر
آمادہ ہوکر عرض کی کہ یہ بکریاں جنکو میں چراتا ہوں لوگوں کی ہیں۔ کسی کی ایک۔

کسی کی دو۔کسی کی زیادہ اُن کو مالکوں کے پاس پہنچانے کی کیا صورت ہ فرمایا
کہ چند کنکریاں لیکر اُن کو مار کر ہانک دو۔ وہ سب اپنے مالکوں کے پاس چلی جائیں گی
چنانچہ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ بمجرد ہانکنے کے وہ بکریاں دوڑیں اور اپنے
اپنے مالکوں کے گھر پہنچگئیں اور اس ادائی امانت کے بعد وہ بزرگوار صف
کارزار میں شریک ہوے اور شہید ہو گئے۔ اُنھوں نے کبھی نماز پڑھی نہ سجدہ
کیا۔ مگر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُن کے پاس دو حوریں آئیں ہیں۔
انتہی ملخصاً۔

اُن بزرگوار کے کنکر مارنے سے جو بکریاں اپنے اپنے مالکوں کے گھر گئیں
وہ اُن کی قوت کا اثر نہ تھا۔ بلکہ وہ حضرتؐ کی توجہ کا اثر تھا۔ اس روایت میں
جو مذکور ہے کہ اُنھوں نے نہ نماز پڑھی نہ سجدہ کیا۔ باوجود اسکے وہ جنتی
ہو گئے۔ اس سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ جنت میں جانیکے لئے نماز روزہ وغیرہ
کی ضرورت نہیں حالانکہ جنت معاوضہ اعمال قرار دی گئی ہے۔ چنانچہ
حق تعالیٰ فرماتا ہے تلك الجنة التی اورثتموها بما كنتم تعملون۔ یعنی تم کو
اس جنت کا اُن کاموں کے بدلے میں وارث کیا گیا جو تم کیا کرتے تھے
تلك الجنة التی نورث من عبادنا من كان تقیا۔ یعنی یہ وہ جنت ہے
کہ جسکا ہم اپنے بندوں میں سے اُسکو وارث کرتے ہیں جو پرہیز گار رہتا ہے قولہ تعالیٰ
ونودوا ان تلكم الجنة اورثتموها بما كنتم تعملون۔ یعنی اُنکو سنا دیا جائیگا

مقتضی مزاج سے اعمال ہے

کہ تم اِس جنّت کے وارث کئے گئے ہو۔ اُن عملوں کی وجہ سے جو تم کیا کرتے تھے۔ اِن نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ جنّت جزاے اعمال حسنہ ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا پڑیگا کہ بغیر اعمال حسنہ کے آدمی مستحق جنّت نہیں ہو سکتا۔ اس صورتمیں مطلب اس حدیث شریف کا یہ ہوگا کہ ایمان لاتے ہی تھوڑی دیر میں وہ بزرگ شہید ہو گئے۔ کیونکہ کوئی نماز کا وقت اُنپر نہیں گزرا جس سے اُنپر نماز واجب ہو سکے۔ باوجود نماز واجب ہونیکے نہ پڑھنا اور مستحق جنّت ہونا کسی حدیث شریف سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ خدا تعالے اپنے فضل سے جنّت میں داخل کردے۔

سیرۃ النبویّہ میں لکھا ہے کہ گروہ مخالفین میں حبان ابن العرفہ اور ابو سلمۃ جشمی فن تیراندازی میں اُستاد تھے۔ نشانہ اُن کا بہت کم خطا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعید بن ابی وقاص کو حکم دیا کہ تم جا کر اُن کا مقابلہ کرو۔ سعد یہ حکم سُنتے ہی کپڑوں میں پھولے نہ سماے اور اُن دونوں کے مقابل کھڑے ہوکے تیر چلانے لگے۔ حبان ابن العرفہ کا تیر ام ایمن کے جامہ پر دائیں طرف لگا وہ اُسوقت لشکر اسلام میں زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ حبان کی تیر سے اُن کا جامہ اتنا کھلگیا کہ ٹخنہ اور ساق نظر آگئی۔ اُسپر ابن عرفہ قہقہہ مارکے ہنسا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسکی یہ حرکت نہایت ناگوار معلوم ہوئی۔ آپنے ایک تیر بے پیکان کا سعد کو دیکر فرمایا کہ اس سے حبان کو مارو۔ سعد نے حکم انور کی تعمیل کی۔

معجزہ بصورت قتل اور مستجاب الدعوات ہو گئے۔

وہ تیر ٹھیک اُس کے سینے پر بیٹھا اور ابن عرفہ زمین پر گرا۔ اور ننگا ہو گیا حضرتؐ نے یہ دیکھکر تبسم فرمایا اور سعد کے حق میں دعا کی کہ الٰہی تو کبھی سعد کے سوال کو رد نہ کیجو۔ حضرت سعد رضؓ اُسوقت سے مستجاب الدعوات ہو گئے۔ پھر مدینہ میں جس کسی کو کوئی مشکل پیش آتی۔ وہ سعد سے دعا کراتا۔ فوراً اُس کی مراد بر آتی انتہیٰ

لکڑی نے جو تیر کا کام کیا وہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کا اثر تھا۔ دراصل حضرتؐ کے عزت کو بھی اُس میں دخل تھا۔ کیونکہ ابن عرفہ نے جو ساق کے کھلنے سے قہقہہ مارا تھا۔ اُس کو بھی اسی قسم کی سزا دینی منظور تھی۔ چنانچہ جب وہ گر کر ننگا ہو گیا تو حضرتؐ نے اُس پر تبسم فرمایا اور سعدؓ نے جو حضرتؐ کی غرض پوری کی کہ بغیر چون وچرا کے بے پیکان تیر مارا اور یہ عذر نہ کیا کہ یا رسول اللہ بے پیکان تیر مارنے سے کیا فائدہ۔ اس امتثال کے صلہ میں یہ نعمت عظمیٰ عطا ہوئی کہ جو کچھ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں۔ وہ فوراً قبول ہو جائے۔

جس سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کو اُن کا بے چون وچرا حضرتؐ کے امر کا امتثال کرنا نہایت پسند ہوا اُس کے صلہ میں گویا وعدہ فرمایا کہ سعدؓ جو کچھ ہم سے خواہش ظاہر کریں گے وہ ضرور اُن کو دیجائیگی۔

چھڑی کے اشارہ سے بتوں کا گرانا

سیرۃ النبویہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب مکہ معظمہ فتح ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر کے اونٹ سے اترے۔ خانہ کعبہ میں دیکھا تو تین سو ساٹھ بُت برابر

چُنے ہوئے تھے جن کے پاؤں زمین میں سیسے سے ایسے مضبوط جمائے گئے تھے۔ کہ کلہاڑی اور کُدال سے اُن کا اکھڑنا مشکل تھا۔ حضرتؐ کے ہاتھ میں اُسوقت ایک چھڑی تھی۔ اُسے ہر بُت سے لگا دیتے اور فرماتے تھے۔ جاء الحق وزھق الباطل وہ بُت اوندھے منہ زمین پر آجاتا تھا لوگ تعجب کرتے تھے کہ سیسے سے جمی ہوئی مورتیں چھڑی کی اطاعت کر رہی ہیں۔ انتہیٰ ملخصاً۔

سبحان اللہ دست مبارک کا کیا اثر تھا کہ چھڑی میں وہ اثر پیدا کر دیا کہ بمجرد لگنے کے زمین میں گڑھے ہوئے مستحکم بُت اوندھے منہ گر جاتے تھے۔ کیوں نہ ہو چھڑی حضرتؐ کے دستِ مبارک میں تھی اور حضرتؐ کا دستِ مبارک دستِ قدرتِ الٰہی ہے۔ دیکھنے کو تو وہ حضرتؐ کا دست مبارک تھا۔ مگر دراصل اُس ہاتھ کی حقیقت ہی کچھ اور تھی جسکا ادراک معمولی عقلوں سے ممکن نہیں۔

خیالاتِ فاسدہ کا دور ہو کر محبت پیدا ہونا۔

سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ فتح مکہ کے وقت جب حضرتؐ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ فضالہ بن عمرؓ نے اپنے دل میں کہا کہ یہ موقع حضرتؐ کے قتل کا اچھا ہے۔ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم طواف کرتے ہوئے اُسکے نزدیک پہنچے تو حضرتؐ نے اُس سے فرمایا کیا فضالہ ہو؟ اُنھوں نے کہا! ہاں ہاں یا رسول اللہ میں فضالہ رضؓ ہوں۔ فرمایا تم دل ہی دل میں کیا باتیں کر رہے تھے۔ کہا کہ کچھ نہیں۔ اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔ یہ سن کر حضرتؐ نے تبسم کرکے

فرمایا کہ خدا سے مغفرت چاہو۔ پھر دست مبارک اپنا اُن کے سینے پر رکھدیا
جس سے اُن کے دل سے خیالاتِ فاسدہ دور ہو گئے۔
اِسکے بعد فضالہ رضہ کہا کرتے تھے کہ خدا کی قسم حضرتؐ نے اپنا دست
مبارک میرے سینے سے نہیں اُٹھایا تھا کہ میرے دل کی یہ کیفیت ہو گئی کہ
مخلوق میں کوئی حضرتؐ سے زیادہ تر میرا محبوب نہ تھا۔ انتہیٰ۔
فضالہ رضہ کو ذکر الٰہی میں مشغول ہونے کی برمحل سوجھی۔ کیونکہ حضرتؐ اُسوقت
طواف میں مشغول تھے۔ مگر بارگاہ نبوّت میں ایسی چالاکیاں کب چل سکتی تھیں
وہاں تو جس طرح چہرہ پیشِ نظر ہوتا ہے۔ دل پیش نظر ہوتے تھے حضرتؐ کا
اُس موقع میں ہنسکر استغفار کرنے کے لئے فرمانے کا جو اثر فضالہ رضہ کے
دل پر ہوا ہوگا۔ اُسکو اُنھیں کا دل جانتا تھا۔ مگر اِس شقاوت کو حضرتؐ نے
اپنا دست شفقت پھیرکر دور کردیا۔ اور اُس کا اِس قدر اثر ہوا کہ حضرتؐ سے
زیادہ وہ کسی کو اپنا محبوب نہیں سمجھتے تھے۔ جب ایسے لوگوں کے ساتھ
جو قتل کی تاک میں رہتے تھے۔ حضرتؐ کی یہ شفقت ہو تو خیال کیاجائے
کہ محبّان صادق پر کیسی عنایتیں مبذول ہونگی۔

دوستاں را کجا کنی محروم — تو کہ با دشمناں نظر داری

غرض کہ دست مبارک کا اُن میں یہ اثر ہوا کہ صرف ایمان ہی نہیں بلکہ کامل طور پر
آپ کی محبت اُن کے دل میں جاگزیں ہوئی۔ جس سے ہر طرح کے مراتب عالیہ

کے مستحق ہوئے۔

دست مبارک کے اثر سے اسلام لانا۔

سیرۃ النبویہ صفحہ ۱۴۵ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے روز کعبۃ اللہ سے نکلکر مسجد حرام میں معہ صحابہ رضؓ تشریف فرما تھے۔ ابوبکر رضؓ اُٹھے اور جاکر اپنے والد ابو قحافہ کا ہاتھ پکڑ کر حضرتؐ کی خدمت میں لائے۔ کیونکہ وہ بہت بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے۔ حضرتؐ نے اُن کو فرمایا کہ اُن کو گھر ہی میں کیوں نہ رہنے دیا۔ میں خود اُن کے پاس جاتا۔ ابوبکر رضؓ نے عرض کی یا رسول اللہ ان کو حضوری خدمت کا شرف حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔ اِسکے بعد ابوبکر رضؓ نے اپنے باپ کو حضرتؐ کے روبرو بٹھایا۔ اور حضرتؐ نے اُن کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیر کر فرمایا اسلم تسلم یعنی اسلام لاؤ۔ تو سلامت رہوگے۔ چنانچہ وہ اسلام لائے۔ اور حضرتؐ نے ابوبکر رضؓ کو اس کی مبارکباد دی۔ انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے آپ کو نبی بنایا۔ اپنے باپ کے مسلمان ہونے سے زیادہ تر ابوطالب کے اسلام سے میری آنکھیں کی ٹھنڈک ہوتی۔ کیونکہ ابوطالب کے اسلام لانے کی زیادہ تر آپ کو خواہش تھی انتہیٰ۔

یہ دست مبارک کی تاثیر تھی۔ جس سے وہ فوراً مسلمان ہوگئے ورنہ ابتدا سے نبوّت سے جس کو تخمیناً بیس سال سے زیادہ عرصہ گذرا تھا۔ وہ اِس

دولت سے محروم تھے۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ جس قدر آدمی زیادہ بوڑھا ہوتا ہے۔ اُس میں سخن شنوی کا مادہ کم ہوتا جاتا ہے۔ غرض کہ دست مبارک کے اثر سے اُن کو دولت ابدی حاصل ہوئی جس کی خوشی میں حضرتؐ نے صدیق اکبرؓ کو مبارکباد دی۔ فی الحقیقت صدیق اکبرؓ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ پہلے تو اُن کے والد کو سعادت ابدی حاصل ہوئی۔ دوسرے وہ عیب جاتا رہا جو باپ کے کافر ہونے سے لگتا ہے۔ چنانچہ مروی ہے کہ عکرمہؓ نے حضرتؐ کے روبرو شکایت کی کہ لوگ مجھے عکرمہ ابن ابی جہل کہتے ہیں حضرتؐ نے اُس سے لوگوں کو منع فرمادیا اس سے ظاہر ہے کہ باپ کے کفر وغیرہ کا اثر اولاد کے دل پر پڑتا ہے غرضکہ اس عار کے دفع ہونے سے ابوبکرؓ کو بہت خوشی ہوئی جس کی مبارکباد حضرتؐ نے دی۔ مگر اُنھوں نے جواب میں عرض کیا کہ ابوطالب اگر ایمان لاتے تو مجھے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی۔ کیونکہ حضرتؐ کی ذاتی خوشی اُنہیں متصور تھی۔ اس سے صدیق اکبرؓ کی محبت کا حال معلوم ہوتا ہے کہ بالذات فرحت پر بالعرض فرحت کو تفوق دیا۔ یہ کمالِ ایمان کا مقتضیٰ تھا۔ کہ جس بات میں حضرتؐ کی خوشی ہو اپنی خوشی، اور جس بات سے حضرتؐ کو رنج ہو اپنے کو رنج، اور جس پر حضرتؐ کا غصہ ہو اپنا غصہ، خواہ وہ بیٹا ہو یا باپ۔ جب تک یہ بات مسلمانوں میں رہی اسلام کا غلبہ رہا۔ اور جب سے

یہ بات کم ہوتی گئی۔ اسلام میں ضعف آتا گیا۔ اور اب تو یہ نوبت پہنچگئی ہے کہ تقریباً وہ صفت ہی مفقود ہے۔ احادیث سے ظاہر ہے کہ کن امور کو حضرتؐ پسند فرماتے تھے۔ اور کن امور سے نفرت تھی۔ اور کن صفات کے لوگوں سے دشمنی یا دوستی تھی۔ بہت سے لوگ یہ سب جانتے ہیں۔ مگر دیکھا جاتا ہے کہ جس کام میں اپنا نفع دیکھا وہ کرلیا۔ خواہ وہ کیسا ہی مبغوض خدا و رسول کیوں نہ ہو۔ اور جس سے کوئی دنیوی کام نکلنے کی امید ہو اُسکے ساتھ خاص تعلق اور میل جول پیدا کرلیا اور اِس کی کچھ پروا نہیں کہ حضرتؐ نے اُن سے احتراز کرنے کے لئے کیسی کیسی تاکیدیں کیں ہیں۔

آنحضرتؐ کا مٹی پھینکنا

سیرۃ النبویہ میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو فتح کیا تو ہوازن جو ایک بہت بڑا قبیلہ فنون جنگ میں نہایت ماہر اور تیر اندازی میں مشہور تھا حضرتؐ سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوا اور تیس ہزار (۳۰۰۰۰) کا لشکر فراہم کر کے بارادۂ جنگ پیش قدمی کی۔ حضرتؐ بھی بارہ ہزار کے لشکر کیساتھ روانہ ہوے۔ جب دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اور ہوازن کے تیر متصل پڑنے لگے۔ مسلمانوں کے پیر اکھڑ گئے اور لشکر اسلام کو ہزیمت ہوئی۔ حضرتؐ کے ساتھ صرف چند صحابہ کبار تخمیناً سو آدمی رہ گئے اُسوقت حضرتؐ نے ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ زمین سے تھوڑی مٹی اُٹھادیں یہ سنتے ہی وہ خچر جسپر حضرتؐ سوار تھے اِسقدر جھک گئی کہ اُس کا پیٹ زمین سے

قریب ہو گیا۔ اور حضرت ؐ نے ایک مٹھی مٹی کنکر زمین سے اٹھا کر کافروں کی طرف پھینک مارا اُس مٹھی کنکر میں اس قدر برکت ہوئی کہ تمام لشکر کفار کے آنکھوں میں پڑی جو لوگ اُس واقعہ میں شریک تھے اُن کا بیان ہے کہ اُس مٹی سے ہم سب کی آنکھیں اور منہ بھر گئے تھے اور ہمارے سینوں میں رعب کی ایک عجیب کیفیت پیدا ہو گئی۔ غرضکہ اُن کو ہزیمت ہوئی۔ اور جن اہل اسلام کے پیر اکھڑ گئے تھے انھوں نے پلٹ کر اُن کا تعاقب کیا اور مال کثیر غنیمت میں ملا۔ اہل اسلام سے اُس وقت اُس جنگ میں صرف چار آدمی شہید ہوئے۔ اور کفار کے تین سو سے زیادہ مارے گئے۔ اور بہت سے قید کئے گئے۔ اور چھے ہزار عورتیں چوبیس ہزار اونٹ اور چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی اور بہت سارے بیل گائے وغیرہ غنیمت میں ملے۔ اور اس جنگ کے بعد بہت سے کفار مکہ وغیرہ مشرف باسلام ہوتے گئے۔ انتہی ملخصاً۔

دیکھئے ایک مشت خاک سے تیس ہزار آدمیوں کے آنکھوں اور منہ کو بھر دینا۔ اور سب کے دل میں رعب پیدا کر کے ہزیمت دینا کیسی بات ہے کیا کسی فرد بشر سے یہ کام ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہر چند حضرت صلعم کے ساتھ بھی لشکر کثیر تھا۔ یعنی بارہ ہزار کا لشکر جرار تھا جس سے صحابہ رضہ کو یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اس کثرت پر ہم کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے

قرآن شریف میں اس کی خبر دی ہے قولہ تعالیٰ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم
مگر اس لشکر کثیر کو فتح میں کسی قسم کا دخل نہ تھا۔ فتح تو اُسی مشت خاک سے وابستہ
تھی جس نے ہمراہی قوت بازوے نبوی لشکر کفار میں جاکر سب کی آنکھیں اور منہ کو
بھر دیا اور دل میں رعب ڈال دیا۔ ہاں اسلامی لشکر نے اتنا تو کیا کہ بعد فتح
مال غنیمت بہت سا جمع کر لیا۔
باوجود کثرت کے صحابہ رضہ کو جو ہزیمت ہوئی اُس کا سبب سوائے اِس کے
اور کچھ نہیں معلوم ہوتا۔ کہ اُس وقت صحابہ رضہ کے خیال میں یہ بات تھی کہ لشکر کثیر
صرف اپنے قوت بازو سے فتح کر لیگا۔ اور آنحضرت ؐ کے وجود باجود کیطرف
ان کی نظر نہ تھی۔ حق تعالیٰ کو منظور رہا کہ اُن کو مشاہدہ کرادے کہ جتنے فتوحات
اور ترقی اسلام ہو رہی ہے۔ وہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توجہ کا
اثر ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اشارۃً یہ ثابت فرمادیا
کہ ہم ایک مشت خاک سے وہ کام لے سکتے ہیں جو تمہارے لشکر کثیر سے
نہ ہوسکا۔ اگرچہ آنحضرت ؐ نے صراحۃً کسی پر اُس موقع میں یہ عتاب نہیں فرمایا کہ
تیس ہزار کے مقابلہ میں اپنے نبی کو تن تنہا چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی غرض
سے بھاگ جانا کس قدر بے حمیتی تھی مگر اشارۃً اِس مضمون کو ادا فرمادیا
اس میں بڑا راز یہ تھا کہ آنحضرت ؐ کو اُن کے اِس حرکت سے غالباً غصہ نہ آیا
ہوگا۔ کیونکہ غصہ تو جب آئے کہ اُن کے بھاگ جانے کا بُرا اثر کچھ حضرتؐ پر

پڑنے کا احتمال ہو۔ وہاں تو یہ اطمینان تھا کہ تیس ہزار تو کیا اگر تمام روئے زمین کے کفار مقابل ہوں تو ایک بال بیکا نہ کر سکینگے۔ چنانچہ ابتدائے نبوّت سے ہر وقت یہی امر پیش نظر رہا کرتا تھا۔

حضرتؐ کی سواری کے جانور کی وہ حرکت کہ مٹی کی ضرورت کو سُنتے ہی زمین سے قریب ہوگیا۔ کس قدر عبرت خیز ہے۔ اور اس سے یہ امر ثابت ہو رہا ہے کہ حضرتؐ کے فتوحات معمولی نہ تھے جیسے سلاطین کے ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ حیوانات، نباتات، جمادات، آپ کی مدد کے لئے مستعد رہا کرتے تھے اسی کو دیکھ لیجئے کہ جب مٹی حضرتؐ کے ہاتھ سے نکلی۔ تو وہ کافروں کے آنکھوں اور منہ کو تلاش کر کے وہاں پہنچ جاتی تھی۔ باوجودیکہ کفار متفرق مقاموں میں پھیلے تھے۔ برابر سب کے آنکھوں اور منہ میں جانا کیسی عاقلانہ حرکت تھی۔ بات یہ ہے کہ عقل خدا کی مخلوق چیز ہے۔ جہاں چاہے وہاں پیدا کر دے۔ اور جس سے چاہے چھین لے۔ دیکھئے بہت سے عقلا مجنون ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اُن کی صورت نوعیۂ انسانی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ جب عقلمند کو بے عقل بنانے پر وہ قادر ہے تو اُسی قدرت سے بے عقل کو عاقل بنا دیتا ہے۔ اسی موقع میں دیکھ لیجئے کہ تقریباً بارہ ہزار جلیل القدر صحابہؓ جنکو بلحاظ ایمان کے دیکھا جائے تو قیامت تک کے مسلمانوں سے ایمان میں کامل تر نظر آئیں گے۔ اور عقل کے لحاظ سے اپنے کل اقران و اماثل سے

زیادہ تر عاقل تھے جس کی وجہ سے توحید اور رسالت کے قائل ہو گئے۔ مگر صرف ایک خطا جو اُن سے سرزد ہوئی یعنی (غرور) اِس سے اُن کی عقل چھین لی گئی اور حضرتؐ کو تن تنہا چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہوئے۔ اور سواری کے جانور اور سٹی نے وہ عاقلانہ کام کئے جس سے عقلا کی عقلیں حیران ہیں۔

سیرۃ النبویہ صفحہ ۱۸۸ میں عرباض رضؓ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ تبوک میں تھے۔ ایک رات آپ نے بلال رضؓ سے فرمایا کہ تمھارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ ہم نے توشہ دانوں کو جھٹک کر خالی کر دیا۔ فرمایا۔ دیکھو شاید کہیں کوئی چیز مل جائے یہ سُنکر اُنھوں نے ایک ایک توشہ دان کو جھٹکنا شروع کیا۔ کسی میں سے ایک کھجور اور کسی میں سے دو کھجوریں گریں۔ یہاں تک کہ اُن کے ہاتھ میں سات کھجوریں جمع ہو گئیں۔ آپ نے ایک برتن منگوایا۔ اور اُس میں وہ کھجوریں ڈالدیں۔ اور دست مبارک اُن پر رکھکر فرمایا بسم اللہ کھاؤ۔ تین شخصوں نے اُن کھجوروں کو کھایا۔ میں نے جو کھجوریں کھائیں۔ اُن کے گٹھلیوں کو گنا تو چوّن تھیں۔ جن کو بائیں ہاتھ میں جمع کر رہا تھا۔ اِسی طرح اور دو شخصوں نے بھی سیری سے کھائیں۔ جب ہم نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ تب بھی برتن میں سات کھجوریں موجود تھیں۔ حضرتؐ نے اُن کو اُٹھا رکھنے کے لئے فرمایا پھر دوسرے روز وہی کھجوریں منگوائیں۔ اور اپنا دست مبارک رکھکر فرمایا بسم اللہ

تنبیہ جنگ تبوک میں صرف سات کھجوریں بغیر مقدار ... بہت سے صحابہ رضؓ نے کھائیں کے بعد بھی کھجوریں اتنی ہی رہیں۔

کھاؤ۔ اس وقت ہم دس آدمی تھے۔ سب نے سیری سے کھائیں اور وہ کم نہ ہوئیں پھر فرمایا کہ اگر مجھے اپنے رب سے شرم نہوتی۔ تو ہم یہی کھجوریں مدینہ تک کھاتے اسکے بعد وہ کھجوریں ایک لڑکے کو دے دیں۔ اور وہ کھاتا ہوا چلا گیا۔ انتہی۔

اس حدیث شریف سے ظاہر ہے کہ حضرتؐ کا فقر اختیاری تھا۔ کیونکہ اقتدار میں یہ بات تھی کہ اُن سات کھجوروں میں جتنی چاہتے برکت دیتے۔ مگر خدا تعالیٰ سے شرم کرکے اُن کھجوروں کو خرچ فرما دیا۔ اور اسی بے توشگی اور بے سروسامانی کو ترجیح دی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اُن سات کھجوروں کی کوئی خصوصیت نہ تھی جن کھجوروں پر آپ ہاتھ رکھدیتے اُس میں برکت ہو جاتی۔ مگر آپ کو یہ منظور نہ تھا۔ کہ خودی اور ذاتی تصرف سے اپنا رزق حاصل فرماویں جس سے لظاہر شان ربوبیت اور رزاقیت الٰہی میں کسی قدر کمی ظاہر بینوں کی نظر میں ہونے کا اندیشہ تھا محققین کے نزدیک عبودیت تمام مقامات سے افضل واکمل ہے اور یہی مقام حضرتؐ کا تھا۔ تو حضرتؐ اس کو کب گوارا فرماتے کہ ظاہر بینوں کو وہ موقع مل سکے؟

غرضکہ آپ ہمیشہ فقر وفاقہ میں خوش رہتے۔ اور جب تک منجانب اللہ کوئی تدبیر نہ ہوتی آپ اپنے اختیار واقتدار کو اپنے معاملہ میں صرف نہ کرتے۔

اسی قسم کی ایک روایت دوسری بھی ہے جو سیرۃ النبوۃ میں مذکور ہے کہ زیاد ابن حارث صدائی رضؓ کہتے ہیں کہ کسی سفر میں میں حضرتؐ کے ساتھ تھا

مقاصد معجزات

اور چونکہ ایک قوی شخص تھا حضرتؐ سے علیحدہ نہیں ہوا۔ ایک روز صبح کے وقت حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اذان کہو میں نے اپنی سواری ہی پر بیٹھکر اذان کہدی۔ اور ہم چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ ٹھیرے۔ اور حضرتؐ حاجت کو جاکر واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ تمھارے پاس کچھ پانی ہے؟ میں نے عرض کی کہ ڈولچی میں ہے۔ مگر وضو کے لئے کافی نہ ہوگا۔ فرمایا کہ وہی لاؤ۔ جب میں لایا تو فرمایا۔ ایک بڑے پیالے میں اُسے ڈالدو۔ چنانچہ میں نے لاکر پیالے میں لاکر ڈالدیا حضرتؐ نے اُس میں ہاتھ رکھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ حضرتؐ کے ہر دو اُنگلیوں کے بیچ میں سے پانی کا چشمہ جاری تھا۔ پھر حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ اگر خدائتعالیٰ سے مجھے شرم نہ ہوتی تو اِسی طرح ہمیشہ ہم پانی پیتے پلاتے رہتے۔ پھر آپ نے وضو فرمایا اور حکم دیا کہ پکاردو۔ جس کو وضو کی حاجت ہو اِس پانی سے وضو کرلیں۔ چنانچہ سب لوگ وضو سے فارغ ہوئے۔ اور بلال رضؓ آئے اور چاہتے تھے کہ اقامت کہیں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ صدائی رضؓ نے اذان کہی ہے۔ اور جو اذان کہے اقامت بھی اسی کو کہنا چاہئے۔ پھر حضرتؐ آگے بڑھے اور نماز پڑھائی۔ انتہیٰ ملخصًا۔

اِس حدیث شریف سے بھی یہی ظاہر ہے کہ حضرتؐ کے اقتدار میں یہ بات تھی کہ جب چاہیں لشکر کو پانی پلادیں۔ مگر حیا دامنگیر تھی کہ یہ کام خاص خدائتعالیٰ کا ہے

اِس میں دخل دینا کہیں خلاف مرضی نہو۔ اِس سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر حضرت ؐ اپنا اقتدار صرف کر کے ضرورت کے وقت کھلاتے اور پلاتے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی عتاب نہ ہوتا۔ ورنہ حضرت ؐ یہ فرما دیتے کہ اگر میں ایسا کروں تو مجھے عتاب الٰہی کا اندیشہ ہے۔ بجائے اِس کے فرمایا کہ اِن کاموں کے کرنے سے حیا مانع ہے۔ منشاء اسکا یہی معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق تمام کام انجام دیا کرتا تھا۔ باوجود اِس کے اپنے اقتدار سے ایسے امور کو وجود میں لانا جن کا متکفل خود خدا تعالیٰ ہے کسی قدر خلاف شانِ نبوی تھا۔ خدا جانے اور اِس کے سوا کیا کیا اُمور باعث حیا تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حق تعالیٰ کے باہمی خصوصیات میں ممکن نہیں کہ کسی کی عقل راہ پا سکے۔

غرض کہ یہ سب لوازم کمال عبودیت کے تھے۔ جن کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کسی قسم کی خود نمائی اور خود سری وجود میں نہ آئے۔

یہی وجہ ہے کہ غزوۂ حدیبیہ میں ایسے امور حضرت ؐ سے ظہور میں آئے کہ بظاہر شانِ نبوت اور حضرت عمرؓ کی علوئ منزلت کے مناسب نہیں معلوم ہوتے۔

چنانچہ مختصراً وہ واقعہ سیرۃ النبویہ وغیرہ کتب سیر سے لکھا جاتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اور صحابہ رضؓ

بیت اللہ میں امن کے ساتھ احرام کھول کر داخل ہوے۔ اِس خواب کے بعد حضرتؐ نے عمرہ کے ارادہ سے مکہ معظمہ کا قصد فرمایا۔ اور ڈیڑھ ہزار صحابہؓ حضرتؐ کے ہمراہ ہوئے۔ جب حدیبیہ کو پہنچے جو مکہ معظمہ سے نو میل پر واقع ہے۔ کفار کو خبر ہوئی۔ انھوں نے بالاتفاق فیصلہ کر لیا کہ حضرتؐ کو مکہ میں ہرگز داخل نہ ہونے دیں گے۔ اور یہ بات حضرتؐ کو کہلا دی۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ ہم صرف عمرہ لانا چاہتے ہیں۔ ہم تم سے کسی قسم کا تعرض نہ کریں گے۔ مگر انھوں نے ایک نہ مانی۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط اشراف قریش کے نام لکھکر عثمان رضؓ کے ہاتھ روانہ فرمایا جس کا مضمون یہ تھا "کہ ہم صرف بیت اللہ کی زیارت اور اُس کی تعظیم حرمت کے لئے آئے ہیں"۔ اور عثمان رضؓ سے فرمایا کہ مکہ معظمہ میں جو غریب ضعیف مسلمان مرد اور عورتیں رہ گئے ہیں اُن کو فتح کی خوشخبری سنادیں۔ اور یہ کہدیں کہ قریب میں اسلام مکہ میں ظاہر ہونیوالا ہے عثمان رضؓ دس صحابہ رضؓ کو اپنے ساتھ لیکر روانہ ہوے اور سرداران قریش کو حضرتؐ کا نامہ دیکر حضرتؐ کا مقصود بیان کیا۔ مگر سب نے یہی کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِس شہر میں کبھی داخل نہیں ہوسکتے۔ عثمان رضؓ کو قریش نے تین روز اپنے پاس روک رکھا۔ اور یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ قتل کر دئے گئے۔ جب یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو فرمایا کہ اب ہم اُن کفار سے ضرور جنگ کرینگے اور عمر رضؓ سے فرمایا کہ لوگوں میں پکار دیں کہ بیعت کے لئے سب آجائیں۔

چنانچہ صحابہ رضؓ نے اس بات پر بیعت کرلی کہ ہم کبھی نہ بھاگیں گے۔ یا فتح کرلینگے یا شہید ہو جائیں گے۔ جب کفار قریش کو اس آمادگی اور بیعت کی خبر پہنچی تو ان میں سے اہل رائے نے مشورت کی کہ اس موقع میں یہ صلح کرلینا مناسب ہے۔ کہ اس سال تو حضرتؐ واپس جائیں۔ البتہ سال آئندہ آکر تین روز رہ سکتے ہیں۔ مگر ہتیاروں میں صرف تلوار، اور تیر و کمان ساتھ لائیں۔ قریش کے جانب سے سہیل ابن عمرو آیا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ ہم کو بیت اللہ میں طواف کرنے کے لئے کیوں نہیں جانے دیتے؟ اُس نے کہا اس وجہ سے کہ عرب میں یہ چرچا ہو جائے گا کہ زبردستی سے آپ داخل ہو گئے۔ البتہ سال آئندہ آپ آسکتے ہیں۔ اور اس نے صلح میں شرط لگائی کہ آپ کے پاس ہم میں سے جو کوئی مسلمان ہوکر آوے اُسکو ہمارے پاس واپس کردینا۔ حضرتؐ نے اُسکو قبول فرمالیا۔ عمرؓ نے جب یہ سُنا تو جلدی سے ابوبکرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ اے ابوبکرؓ کیا یہ رسول اللہ نہیں ہیں؟ کہا کیوں نہیں۔ پھر عمرؓ نے کہا کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ کہا کیوں نہیں پھر عمرؓ نے کہا جب مسلم ہے تو ہم اپنے دین میں ایسی دنائت اور ذلت کیوں اختیار کریں۔ ابوبکرؓ نے کہا اے عمرؓ کیا وہ رسول اللہ نہیں ہیں: تمھیں معلوم ہے کہ وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے۔ اور خدا اُن کا مددگار رہے۔ تمھیں چاہئے کہ اُن کی رکاب ہمیشہ تھامے رہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ عمرؓ نے کہا کہ یہ گواہی تو میں بھی دیتا ہوں

کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ مگر عمر رضؓ کی بے تابی میں کمی نہ ہوئی۔ اور حضرتؐ کے پاس آکر وہ تمام سوالات کئے جو ابوبکر رضؓ سے کئے تھے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہوں اور اُس کے حکم کی مخالفت نہ کرونگا اور وہ مجھے ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ پھر حضرتؐ نے اوس ابن خولہ رضؓ کو بلاکر حکم فرمایا کہ صلحنامہ لکھو۔ سہیل نے کہا کہ صلحنامہ یا تو آپ کے بھائی علی رضؓ لکھیں یا عثمان ابن عفان رضؓ۔ اسوقت عثمان رضؓ مکہ سے واپس آگئے تھے حضرتؐ نے علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ سہیل نے کہا کہ میں رحمان اور رحیم کو نہیں جانتا۔ بسمک اللھم لکھو۔ مسلمانوں نے کہا خدا کی قسم یہ نہ لکھا جائے گا۔ بلکہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھنا چاہئے اُس وقت مسلمانوں میں ایک جوش پیدا ہوگیا تھا۔ حضرتؐ نے اُن کو تھمایا۔ اور فرمایا کہ خیر بسمک اللھم ہی لکھدو۔ پھر فرمایا کہ لکھو یہ وہ امور ہیں کہ جسپر محمد رسول اللہ اور سہیل نے صلح کی ہے۔ سہیل نے کہا کہ اگر میں آپ کے رسول ہونے کو مانتا تو نہ آپ سے لڑتا اور نہ آپ کو بیت اللہ سے روکتا۔ آپ اپنا نام اور اپنے والد کا نام لکھئے۔ علی رضؓ آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھ چکے تھے۔ سہیل نے کہا کہ لفظ رسول اللہ کو مٹادو۔ علی رضؓ نے کہا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر تم ناک بھی رگڑو گے تب بھی میں اسکو کبھی نہ مٹاؤں گا حضرتؐ نے فرمایا مٹادو۔ علی رضؓ نے عرض کی یہ مجھ سے ہرگز نہ ہوسکے گا۔

حضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے اُس لفظ رسول اللہ کو مٹا دیا۔ حضرتؐ نے فرمایا لکھو
یہ وہ صلح ہے کہ محمد ابن عبداللہ اور سہیل ابن عمرو نے کی ہے۔ یہ لکھکر فرمایا
کہ اگرچہ اِس نے مجھے جھٹلایا مگر میں اللہ کا رسول ہوں۔ اور میں محمد ابن عبداللہ
ابن عبدالمطلب بھی ہوں۔ علی رضہ مارے غصے کے رونے لگے اور کہا کہ
میں تو محمد رسول اللہ ہی لکھوں گا۔ حضرتؐ نے فرمایا محمد ابن عبداللہ لکھو۔
اور تم پر بھی اس قسم کا ایک وقت آنے والا ہے جس میں تم مجبور ہو جاؤ گے
چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ علی کرم اللہ وجہہ اور معاویہ رضہ میں جب صلح ہوئی اور کاتب
نے لفظ علی رضہ کے ساتھ امیرالمؤمنین لکھا تو اس لفظ کے لکھنے سے
روک دیے گئے۔ اور کہا گیا کہ اگر امیرالمومنین ہونے کو ہم تسلیم کرتے تو
جھگڑا ہی کیا تھا۔ لفظ امیرالمومنین کو مٹا دو۔ چنانچہ مٹا دیا گیا۔ اُس وقت
علی رضہ نے اِس واقعہ کو یاد کیا۔ غرض کہ علی رضہ کے ہمزبان اکثر صحابہ رضہ ہو گئے
اور اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا کہ رسول اللہ کے سوائے دوسرا لفظ ہم نہ لکھنے
دینگے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو ہمارے اور اُن کفار کے بیچ میں تلوار ہے۔ اُس وقت
مسلمانوں میں ایک ہل چل مچگئی۔ اور آواز بلند ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم
اپنے دین میں ایسی ذلت کو کبھی گوارا نہ کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے اشارے سے انھیں تھمایا۔ آخر علیؓ نے حسب ارشاد محمد ابن عبداللہ
لکھا۔ اُسکے بعد سہیل نے کہا یہ لکھو ہمارے یہاں کا یعنی مشرکین میں کا کوئی شخص

اسلام لاکر تمھارے پاس آوے تو اُس کو واپس کردیں گے۔ اور جو تمھارا شخص ہمارے یہاں آوے ہم اُسکو واپس نہ کریں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا یہ بھی لکھدیا جاوے گا؟ حضرتؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ اگر ہمارے یہاں سے کوئی اُن کے طرف جاوے تو ایسے شخص کو خدا تعالیٰ ہم سے دُور کردے اور جو ہمارے پاس آوے اور ہم اُسکو دے دیں تو خدا تعالیٰ اُس کے لئے کوئی راستہ نکال ہی دیگا۔ مگر صحابہؓ اس پر بہت اڑے رہے۔ اور سہیل اسپر اڑا رہا کہ جب تک یہ بات نہ لکھی جاوے۔ صلح ممکن نہیں۔ حضرتؐ نے جب اسکے لکھنے کا حکم دیا تو کمال تعجب سے اہل اسلام کہنے لگے کہ جو شخص مسلمان ہوکر ہمارے یہاں آوے۔ ہم اُس کو کافروں کے ہاتھ میں کیونکر دیں گے۔ پھر سہیل نے کہا کہ صلحنامہ میں یہ بھی لکھا جاوے کہ جب مکہ میں آپ آوینگے تو سوا تلوار کے کوئی ہتیار نہ رکھیں گے۔ اور اگر کوئی مکہ والا آپ کے ساتھ جانے کا ارادہ کرے اُسکو ساتھ نہ لیجائیں گے۔ اور جو کوئی ہمراہیوں میں سے مکہ میں رہنا چاہے اُس کو منع نہ کریں گے۔

یہ امور ہنوز نہیں لکھے گئے تھے کہ ابو جندل بیڑیاں پہنے ہوے حضرتؐ کی خدمت میں آے۔ یہ وہ شخص ہیں جو پہلے اسلام لاچکے تھے اور اُن کے باپ سہیل نے اُن کو بیڑیاں پہنا کر قید خانہ میں رکھا تھا۔ جب اُنھوں نے یہ خبر سُنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معہ صحابہؓ حدیبیہ میں تشریف لاے ہیں تو

ہمارے یہاں سے جو کفار کی طرف جاوے ایسے شخص کو خدا ہم سے دُور کرے۔

کسی حیلہ سے قیدخانہ سے نکل کر راستہ سے علیحدہ پہاڑوں میں سے ہوتے ہوئے حضرتؐ کے پاس بکمال مسرت آئے۔ صحابہؓ اُن کو دیکھکر نہایت خوش ہوئے اور اُن سے ملاقات کی۔ سہیل جو اُن کا باپ تھا۔ اُن کی طرف دوڑا۔ اور نہایت غصے سے ایک خاردار جھاڑ کی ٹہنی توڑی۔ اور اُس سے اُن کے منہ پر زور سے مارا۔ اور کپڑا گلے میں ڈالکر کھینچنے لگا۔ اِس واقعہ سے تمام مسلمانوں پر رقت طاری ہوئی۔ اور رونے لگے۔ سہیل نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ پہلا معاملہ ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اب تک صلح نامہ مکمل نہیں ہوا۔ سہیل نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو صلح کی کارروائی موقوف کر دیجائے۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اپنی طرف سے ابوجندل کے لیجانے کی مجھے اجازت دیدو۔ اُس نے کہا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ پھر حضرتؐ نے نہایت نرمی سے فرمایا کہ اجازت دے دو۔ کہا کہ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُسکے آنے سے پہلے آپ میں اور ہم میں یہ شرط طے ہوچکی تھی۔ یہ کہکر اُن کے گلے میں کپڑا ڈالا۔ اور قریش کے حوالے کرنے کے لئے چلا۔ ابوجندل نے دیکھا کہ وہ لے ہی چلا تو نہایت بلند آواز سے چیخا اور فریاد کی کہ اے گروہ مسلماناں میں مشرکین کیطرف واپس کیا جاتا ہوں۔ حالانکہ مسلمان ہوکر پناہ کے لئے تم میں آیا تھا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ کیسے کیسے عذاب مجھے دئے گئے ؟ اور کیسی مصیبتوں میں مجھے مبتلا کیا گیا ؟ اب اگر وہ مجھے لے جائیں گے تو سخت فتنہ میں ڈالینگے

یہ سنکر اور اُن کی حالت دیکھکر مسلمانوں پر عجیب حالت طاری ہوئی۔ کہ اپنے بھائی کو دیدہ و دانستہ کافروں کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اے ابوجندل صبر کرو۔ کیونکہ تمہارے آنے سے پہلے صلح تمام ہو چکی تھی۔ اور میں نے تمہارے لئے بہت کچھ کہا۔ مگر تمہارا باپ نہیں مانتا۔ خدا تعالیٰ تمہارے اور اُن ضعفا کے لئے جو مکہ میں ہیں کوئی راستہ نکال ہی دیگا عمرؓ کود کر ابوجندل کے بازو میں آ گئے اور کہنے لگے۔ اے ابوجندل صبر کرو۔ وہ لوگ مشرک ہیں۔ اور اُن کا خون کرنا ایسا ہے جیسا کتے کو مار ڈالنا اور تلوار اس خیال سے اُن کے نزدیک لے گئے کہ وہ اپنے باپ کو مار ڈالیں۔ اور کہنے لگے کہ آدمی اپنے باپ کو مار سکتا ہے۔ اگر ہم اپنے باپوں کو حالت کفر میں پاتے تو اُن کو قتل کر ڈالتے۔ ابوجندل نے کہا پھر تم ہی اس کو قتل کیوں نہیں کرتے؟ عمرؓ نے کہا کہ حضرتؐ نے ہمیں اس سے منع فرمایا۔ ابوجندل نے کہا کہ آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کے لئے مجھ سے زیادہ مستحق نہیں ہو۔ غرضکہ ابوجندل کفار قریش کے حوالے کر دئے گئے۔ اس سے صحابہؓ میں نہایت تشویش ہوئی اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خواب مکہ معظمہ میں داخل ہونے اور بیت اللہ کے طواف کرنے کا دیکھا تھا۔ اس سے اُن کو یقین تھا کہ ضرور طواف کریں گے۔ بخلاف اِسکے صلح یہ ہوئی کہ اس سال واپس جائیں گے۔ اور جو

مسلمان ہو کر آویں اُن کو مشرکوں کے حوالے کر دیں گے۔ اور ایک مسلمان شخص کفار کے حوالہ بھی کر دیا گیا۔ اس سے تمام صحابہ میں ایک تہلکہ عظیم برپا ہوا۔ اور اکثر کی یہ حالت ہوئی کہ قریب تھا کہ دین کو خیرباد کہدیں۔ انتہیٰ ملخصاً۔

اب غور کیجئے کہ یہ کیسا مصیبت خیز واقعہ تھا۔ کہ مسلمان کتنا ہی ضعیف الایمان ہو اسکے سننے سے پیچ و تاب کھاتا ہے۔ تو خیال کیجئے کہ صحابہؓ جن کی ذاتی اور اسلامی غیرتوں نے اُن کو بزدلی اور کم ہمتی کے عار سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ اور بڑی بڑی سلطنتوں کو مقابلہ کے وقت نیچا دِکھا دیا۔ ان کی کیا حالت ہوگی کہ ادنیٰ قریش کے مقابلہ میں اس قدر مجبور ہیں کہ وہ جو چاہتے ہیں لکھوا لیتے ہیں۔ اور طواف خانۂ کعبہ کے واسطے مزاحمتیں ہو رہی ہیں۔ یہی لوگ تھے جو لکھوکھا جرار فوجوں کو ہزیمت دے کر ایران، و شام، و افریقہ پر قبضہ کیا۔ حالانکہ اُسوقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ تھے بلکہ صرف حضرتؐ کا نام مبارک تھا۔ اور یہاں تو خود حضرتؐ بہ نفس نفیس تشریف رکھتے تھے۔ جن کے قبضۂ قدرت میں تمام روئے زمین تھا۔ اگر پہاڑوں کو فرما دیتے تو وہ اُن کو کچل ڈالتے۔ زمین کو حکم دیتے تو اُن کو نگل جاتی۔ مگر اِس مقام پر حضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ ایسی حالت ہے کہ ایک مسلمان کو کافروں سے لینا چاہتے ہیں۔ مگر وہ نہیں دیا جاتا۔ اور ڈیڑھ ہزار مسلمانوں کے جرّار لشکر میں سے چند کفار اُس بزرگ کو کمال ذلت و خواری سے کھینچتے لیجا رہے ہیں۔ مگر کوئی دم مار نہیں سکتا۔ حضرتؐ کے نام مبارک سے

نعوذ رسول اللہ کو مٹانے پر اصرار ہو رہا ہے۔ اور کوئی صحابی اس پر راضی نہیں۔ مگر کفار ہی کی چل گئی۔

غرض کہ جتنی خواہشیں اِدھر کی جانب سے ہوئیں۔ کافروں نے ایک کو بھی منظور نہ کیا۔ اور انھوں نے اپنی مرضی کے مطابق جو چاہا لکھوا چھوڑا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود اس کے کہ کمال درجہ کے غیور تھے مگر اس موقع میں کچھ بھی نہ کیا۔ یہ ایک قسم کا امتحان تھا۔ اور خدا تعالے کے جانب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تادیب مقصود تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ادّبنی ربی فاحسن تادیبی۔ یعنی خدا تعالےٰ نے مجھے ادب سکھایا۔ اور عمدہ طور پر تادیب کی۔ دیکھئے پہلے خواب دکھایا گیا۔ کہ حضرتؐ طواف کعبہ کرینگے اُس پر سفر فرمایا گیا۔ اور ایسے واقعات پیش آئے جس کی وجہ سے مسلمانوں میں فتنہ پیدا ہو گیا۔ اور بظاہر ایسے اسباب قائم ہوئے کہ حضرتؐ کی نفس نبوت میں شیطان کو شک ڈالنے کا موقع حاصل ہوا۔ چنانچہ زرقانی شرح مواہب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے۔ کہ اس واقعہ سے میرے دل میں ایک امر عظیم پیدا ہوا۔ اور حضرتؐ سے میں نے ایسے سوال وجواب کئے کہ ویسے کبھی نہیں کئے تھے۔ کھلے لفظوں میں اس کا مضمون یہی ہوگا کہ اس واقعہ سے اُن کو حضرتؐ کی نبوت میں بظاہر شک پیدا ہو گیا تھا۔ جب عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی کا یہ حال ہو تو اوروں کا کیا حال ہوگا۔ مگر صحابہؓ چونکہ سعید ازلی تھے

ایسے واقعات سے اُن کے ایمان میں تذبذب نہیں آسکتا تھا۔ اِس لئے تھوڑی دیر کے بعد سب راضی برضا ہو گئے۔ اور اِس بات کو مان گئے کہ دینی معاملات میں خودسری اور ننگ و عار کوئی چیز نہیں۔ خدا و رسول جس بات کو پسند کریں۔ اُسی کی اطاعت کی ضرورت ہے۔ خواہ وہ نفس کے موافق ہو یا مخالف۔ اور خواہ اُس میں ذلت ہو یا عزت۔

سیرۃ النبویہ میں لکھا ہے کہ صلح حدیبیہ کے معاملہ میں کل صحابہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے پر تھے۔ مگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اِن کی موافقت نہیں کی۔ اِس سے ظاہر ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس باب میں بھی سب صحابہ پر تفوق تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرضی کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ گو اس میں کیسی ہی مصلحت ہو۔ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرضی کام کرنے اور رائے قائم کرنے کو بہت بُرا سمجھتے تھے۔ مگر حمیت اسلامی کے موقع میں کبھی حضرتؐ کے خلاف مرضی بھی کر لیا کرتے تھے۔ اگرچہ اِس کا منشا صرف خیر خواہی اسلام ہوتا اور در باطن اس میں رضا جوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ملحوظ رہتی تھی۔ مگر وہ بھی مستحسن نہیں سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ سیرۃ النبویہ میں عمر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ دین کے معاملہ میں اپنی رائے کو متّہم سمجھا کرو۔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کو اپنی رائے سے حدیبیہ کے روز رد کرنے لگا۔ اور حق کے ظاہر کرنے میں کچھ کوتاہی نہیں کی۔ ہر چند حضرتؐ راضی ہو گئے مگر میں انکار کرتا رہا

یہاں تک کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ اے عمرؓ تم دیکھتے ہو کہ میں راضی ہو گیا اور تم انکار ہی کئے جاتے ہو۔ غرض کہ اِس سے ایک عتاب کی صورت نمایاں ہے اِسی وجہ سے عمرؓ کہتے ہیں کہ اِس بے ادبی کے مکافات میں جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روز گفتگو کی تھی۔ کئی غلام آزاد کئے اور ایک زمانہ تک روزہ رکھا۔ اور ہمیشہ صدقہ دیا کرتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں۔ اور لونڈیاں اور غلام آزاد کیا کرتا ہوں۔ دیکھئے عمرؓ کا اس روز حضرتؐ سے کچھ گفتگو کرنا بدنیتی سے تھا۔ اور نہ خود غرضی سے۔ بلکہ جوشش مذہبی میں کیسقدر ناملائم گفتگو ہو گئی۔ اور یہ بعینہ ایسی تھی کہ جو اسلام لانیکے دن اُنھوں نے کی تھی۔

چنانچہ کنز العمال میں ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرؓ سے پوچھا کہ آپ کا نام فاروق کس وجہ سے ہوا۔ فرمایا کہ جب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کو گیا۔ اور دروازہ کھٹکٹایا تو حضرتؐ باہر تشریف فرما ہوئے۔ اور میرے کپڑوں کو پکڑ کر ایسا کھینچا کہ میں اپنے گھٹنوں کے بل گر گیا۔ پھر فرمایا کہ اے عمرؓ کیا باز نہیں آتا؟ یہ سنکر میں نے کلمۂ شہادت پڑھا۔ اور سب جتنے صحابہ رضؓ اِس وقت وہاں تھے اِس زور سے تکبیر کہی کہ مسجد حرام والے لوگوں نے سُن لیا۔ اِس وقت میں نے عرض کی یا رسول اللہ ہم خواہ مریں یا زندہ رہیں۔ کیا حق پر نہیں ہیں۔ فرمایا کیوں نہیں۔ اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم حق پر ہو خواہ مرو یا زندہ رہو۔ میں نے

عرض کی پھر چھپنے کی کیا ضرورت۔ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ باہر تشریف لے چلیں۔ چنانچہ ہم لوگ دو صفیں کئے ہوئے حضرتؐ کے ہمراہ نکلے۔ ایک صف میں حمزہ رضؓ تھے اور دوسری میں میں اور ہم نہایت جوش و خروش سے چلے۔ یہاں تک کہ ہم مسجد حرام میں داخل ہوئے جب کفار نے مجھے اور حمزہ رضؓ کو دیکھا تو ان پر ایسی مصیبت ٹوٹ پڑی کہ ویسی کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام فاروق رکھا۔ انتہی ملخصاً

دیکھئے یہاں بھی عمر رضؓ نے کہا تھا۔ السنا علی الحق ان متنا وان حیینا۔ اسی طریقہ پر بحسب اقتضائے طبع حدیبیہ میں بھی اسی قسم کے الفاظ کہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جوش اسلام کو جانتے تھے۔ اور اسی قسم کے الفاظ اور حرکات پر فاروق کا خطاب عطا فرمایا تھا۔ تو یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے خیر خواہ اسلام کی نسبت کبیدہ خاطر ہوئے ہوں۔ البتہ مصلحت وقت کے لحاظ سے ان کی اصلاح کی ضرورت تھی۔ جو چند مختصر الفاظ سے کردی۔ کہ جب میں راضی ہو گیا تو تم کیوں راضی نہیں ہوتے اور یہ معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ اس کے بعد یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی۔ لقد

رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما فی قلوبھم ما

فانزل السکینۃ علیھم واثابھم فتحاً قریبا ومغانم کثیرۃ یاخذونھا یعنی

یقیناً خدا تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوا جس وقت وہ درخت کے تلے آپ سے

بیعت کرتے تھے۔ پھر جان لیا جو اُن کے دل میں تھا۔ پس نازل کیا اُن پر سکینہ اور بدلے میں اس کے بہت قریب ایک فتح۔ اور بہت سی غنیمتیں ان کو دیں انتہی ملخصاً۔

اس آیۂ شریفہ میں جو بیعت مذکور ہے۔ وہی بیعت ہے جو درخت کے تلے حدیبیہ میں ہوئی تھی۔ اسی کو بیعت رضوان بھی کہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ جتنے صحابہ رضہ حدیبیہ کے دن بیعت میں شریک تھے۔ سب سے خدا تعالیٰ راضی ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ عمر رضہ اور تقریباً کل صحابہ رضہ کو اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قسم کی بدگمانی پیدا ہو گئی تھی۔ مگر اسکے بعد ان کو طمانیت و تسکین ہو گئی جس کی خبر خدا تعالیٰ اس آیۂ شریفہ میں دیتا ہے۔ فعلم ما فی قلوبہم فانزل السکینۃ علیہم الخ۔ یعنی جو بات ان لوگوں کے دل میں پیدا ہو گئی تھی۔ اسکو خدا تعالیٰ نے جان لیا۔ اور ان کے دل پر سکینہ یعنی تسکین اور طمانیت نازل فرما دی۔ اور اسکا بدلہ دیا کہ قریب میں بہت سی غنیمتیں ان کو دیں۔

تفسیر کبیر میں اس مقام میں یہ اعتراض کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے ثم قال تعالیٰ۔ فعلم ما فی قلوبہم والفاء للتعقیب وعلم اللہ قبل الرضیٰ لانہ علم ما فی قلوبہم من الصدق ورضی عنہم فکیف یفہم التعقیب فی علم اللہ قبل الرضیٰ۔ اور جواب میں کسی قدر تطویل کے بعد لکھا ہے۔ فعلم ما فی قلوبہم اشارۃ الی ان الرضیٰ لم یکن عند المبایعۃ فحسب بل عند المبایعۃ التی

کان معھا علم اللّٰہ بصدقھم والفاء فی قولہ فانزل السکینۃ علیھم
للتعقیب الذی ذکرتہ۔ فانہ تعالیٰ رضی عنھم وانزل السکینۃ علیھم وھذا
توفیق لایاتی الا لمن ھداہ اللّٰہ تعالیٰ الیٰ معانی کتابہ الکریم۔ اس کا
ماحصل یہ ہے کہ فَعَلِمَ کا عطف یبایعونک پر ہے جس کی تصریح تفسیر ابو مسعود
میں کی ہے اور مافی قلوبہم کے معنی صدق کے لئے۔ یعنی علم الٰہی انکے
صدق سے متعلق ہوا۔ ان کے بعد سکینہ ان پر نازل کیا۔ مگر جب ہم واقعہ حدیبیہ
پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے وقت صحابہ رضؓ کو
پورے طور پر صدق اور خلوص تھا۔ مگر اسکے بعد جب صلح ہوئی تو صحابہ رضؓ کے
دل میں ایک ناگفتہ بہ کیفیت پیدا ہوئی جسکا حال ابھی معلوم ہوا۔ اسکے بعد
بفضل الٰہی وہ حالت ان کے دلوں کی جاتی رہی۔ اور وہی تسکین واطمینان جو قبل
صلح تھا۔ اس نے عود کیا۔ اس صورتمیں فعلم کا عطف رَضِیَ پر ہوگا۔ اور آیہ
شریفہ کا مطلب یہ ہوگا کہ خدائتعالیٰ ان مسلمانوں سے جنھوں نے زیر درخت
آپ سے بیعت کی راضی ہوا۔ پھر جو اُن کے دلوں میں ناگفتہ بہ کیفیت پیدا
ہوئی اسکو جان لیا۔ اور اسکے ساتھ ہی ان کے دلوں میں سکون اور اطمینانی
حالت پیدا کر دی۔ اس صورت میں جو سیاق وسباق کے ساتھ مناسبت ہے
اور سکینہ کی ضرورت ثابت ہوتی ہے۔ وہ اہل انصاف پر پوشیدہ نہ ہوگی۔
غرض کہ اس نص قطعی سے عمر رضؓ اور دیگر صحابہ رضؓ کو بشارت دی گئی۔ اور جو

خیالات فاسدہ ان کے دلوں میں پیدا ہو گئے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو دفع کر کے ان کو اطمینانی کیفیت عطا فرمائی۔ اور خدا تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔ اسکے بعد ان کو اس لغزش سے کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔ حق تعالیٰ جو ارشاد فرمایا ہے

وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصّلحٰت لیستخلفنہم فی الارض۔

یعنی وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے۔ کہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ اس سے ظاہر ہے کہ عمرؓ کا ایمان اور اُن کے نیک کام قبول ہوئے۔ اور وہ خلیفہ بنائے گئے۔ کیونکہ ان کی خلافت تمام ملک عرب اور عجم اور شام اور افریقہ میں مسلّم ہو چکی تھی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ باوجود ان تمام بشارتوں اور مقبولیت کے اور باوجود اسکے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ آپ سے راضی رہے۔ کیا وجہ تھی کہ آپ کو اس کا خیال لگا رہتا تھا؛ چنانچہ فرماتے ہیں اس گستاخی کے معاوضہ میں جو حدیبیہ میں کی تھی۔ بہت سے روزے رکھے۔ نمازیں پڑھیں۔ بردے آزاد کئے اور اب تک ہمیشہ نماز پڑھتا ہوں۔ روزے رکھتا ہوں۔ غلام اور لونڈیاں آزاد کرتا ہوں۔ اور صدقہ دیتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کا یہ خوف کہ رہ رہ کر ایک ایک قسم کے کفارہ پر آپ کو آمادہ کرتا تھا۔ اس بات پر قطعی قرینہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ادنےٰ درجہ کی گستاخی کو وہ بڑے سے بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ باوجود اعلیٰ درجہ کی بشارتوں کے اسکا خیال جاتا نہ تھا

جس کی وجہ سے کسی نہ کسی قسم کا کفارہ ہر وقت وہ دے دیا کرتے تھے۔ بخلاف دوسرے گناہوں کے جن کے لئے کوئی ایک کفارہ یا توبہ کافی ہو جاتا ہے طرفہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کو بھی وہ کافی خیال نہیں کرتے تھے بلکہ حضرتؐ سے ان کو معافی قصور کا پورا اطمینان تھا۔ اگر اُس واقعہ کے بعد حضرتؐ کے عتاب و نا راضی کے کچھ بھی آثار نمایاں ہوتے تو فوراً معذرت کر کے راضی کر لیتے۔ مگر کسی روایت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضرتؐ نے ملال ظاہر فرمایا۔ یا آثارِ ملال نمایاں ہوئے۔ اور عمر رضؓ نے معذرت کی۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ گستاخی محبوب رب العالمین کی خدمت میں ہوئی۔ اگر آپ معاف بھی کر دیں تو معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ معاف کریگا یا نہیں۔ کیونکہ محبت کا قانون ہی جدا ہے۔

اگر خدا تعالیٰ یہ فرما دے کہ تم نے ہمارے حبیب کی خدمت میں یہ گستاخی کی تھی تو اُس کا کوئی جواب نہیں ہو سکتا۔ غرض کہ ہمیشہ اس گستاخی کا خیال رکھنا اور اُسکے کفارے ادا کیا کرنا اس امر پر دلیل بیّن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت ان کی نظروں میں بیحد و بےنہایت تھی۔ کیونکہ کسی گناہ کا ان کو اسقدر خیال نہ تھا جتنا اِس گستاخی کا خیال و ملال تھا۔ آپ معصوم نہ تھے۔ ممکن ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق گناہ کرتے ہوں۔ مگر ان کا کبھی ذکر نہ کیا۔ اب غور کیجئے کہ جب ایسے جلیل القدر صحابی ایک ادنیٰ گستاخی کو اس درجہ کا گناہ قرار دے رہے ہیں کہ

عمر بھر اس کے کفارے ادا کرتے رہے تو بتائیے کہ آخری زمانے کی مسلمانوں کی گستاخیاں جن کے سننے کی تاب کوئی مسلمان نہیں لاسکتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک وہ کیسا رنگ لائیگی۔ خدا تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیقِ ادب عطا فرما وے۔

الحاصل عمر رضؓ پر اسوقت غیرت وحمیت اسلامی کا غلبہ تھا جس سے یہ حرکت صادر ہوئی مگر ابوبکر صدیقؓ کچھ ایسے مہذب تھے اور اپنے آپ کو حضرت کی محبت میں فنا کردیا تھا کہ نہ غیرت وحمیت سے انھیں سروکار تھا نہ ننگ وعار سے تعلق ہمہ تن تابع مرضیِ مبارک تھے۔ انہی وجوہ سے اہل سنت والجماعت نے آپ کو تمام صحابہ سے افضل تسلیم کرلیا ہے۔ واقعہ حدیبیہ اسی کی تعلیم کرتا ہے کہ دینی کاموں میں مسلمان اپنی حمیت، غیرت، ننگ وعار کو بالائے طاق رکھکر صرف خدا ورسول کی رضاجوئی میں مصروف رہے۔ دیکھئے جو جو واقعات اس موقع میں پیش آئے سب کی نسبت حضرتؐ نے ایک ہی بات فرمادی کہ میں خدا کا بندہ ہوں یعنی حمیت، غیرت اور نفسانیت سے مجھے کوئی تعلق نہیں۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ کامل مسلمان وہی ہے جسکے نزدیک مدح وذم ایک ہوجائے یعنی نہ مذمت کے لحاظ سے برے کاموں کو چھوڑے نہ تعریف کے لحاظ سے اچھے کاموں کو اختیار کرے۔ بلکہ جو کچھ کرے اللہ کے واسطے کرے۔ چونکہ عرب کے نفوس میں حمیت اور تعلّی کا مادہ بہت کچھ تھا چنانچہ ہر سال مختلف مقامات میں میلے ہوتے۔ اور وہاں مختلف قبائل کے لوگ جمع ہوتے اور اپنے اپنے

قبیلوں کے فضائل میں فخریہ اشعار پڑھے جاتے تھے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے مقام حدیبیہ میں اُن کی پوری نفس کشی کر کے ان کو مہذّب بنا دیا۔ اور یہ بات ذہن نشین کر دی کہ باوجودیکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اقتدار تام حاصل تھا مگر آپ حمیت اور تعلّی کو ایک طرف رکھکر عبدیت کام میں لائے۔ اور وہی خدا تعالیٰ کو پسند ہوا۔ چنانچہ تھوڑے عرصے میں وہی کفار جنھوں نے حضرتؐ کو مجبور کیا تھا سر بسجود ہو گئے۔ اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

الحاصل یہ ایک تجربہ ایسا تھا کہ صحابہ رضؓ کو ہمیشہ کے لئے مہذّب بنا دیا۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرتؐ نے جو فرمایا کہ اگر کوئی شخص ہم میں سے نکلکر کافروں میں چلا جائے تو خدا تعالیٰ اُسکو دور کرے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جو لوگ مسلمانوں سے علٰحدہ ہو کر دوسرے فرقوں میں جا ملتے ہیں۔ اُنپر افسوس کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایسوں کی نسبت صاف کہدینا چاہئے کہ خدا ان کو ہم سے دور کرے۔ کیونکہ ہمارا دین اس بات کا محتاج نہیں کہ نام کے مسلمانوں سے بھیڑ بھاڑ بڑھے۔ جن لوگوں کے ذہن میں دین قومیت کا نام ہے۔ البتہ اُن کی غرض اس سے یہ ہوتی ہے کہ تعداد مسلمانوں کی جس قدر بڑھیگی۔ سرکار سے قومی حقوق کے حاصل کرنے میں سہولت ہوگی۔ ایک حد تک اُن کا یہ خیال درست ہے مگر دنیوی لحاظ سے۔ دین سے اُسکو کوئی تعلق نہیں دین کے لحاظ سے تو ایسے لوگوں کا علٰحدہ ہو جانا خس کم جہاں پاک کا مصداق ہے

کیونکہ اُن کی یہ حرکت یہ ثابت کرتی ہے کہ ہمارا دین اور مذہب اُن کے دل میں جاگزیں اور متمکن ہوا ہی نہیں ۔ ورنہ غیر مذہب والوں کے شبہات ڈالنے سے اُن کو جنبش نہ ہوتی ۔ پھر جن کا ایک خیالی مذہب ہو اُن سے دین و مذہب کو فائدہ ہی کیا ۔ اسی لئے حضرتؐ نے فرمایا کہ خدا ایسوں کو ہم سے دور کرے ۔

وفا داری مدار از بلبلاں چشم

کہ ہر دم بر گلِ دیگر سرایند

سیرۃ النبویہ صفحہ ۲۰۶ میں لکھا ہے کہ جب وفد نجران جس میں ساٹھ سوار تھے ۔ حضرتؐ کی خدمت میں عصر کے وقت آیا ۔ آتے ہی نماز پڑھنے لگے ۔ صحابہؓ نے اُن کو منع کرنا چاہا ۔ حضرتؐ نے فرمایا پڑھنے دو ۔ پھر اُن کو اسلام کی دعوت کی اور قرآن پڑھکر سُنایا ۔ اُنھوں نے کہا ہم تو آپ کے آنے سے پہلے مسلمان تھے حضرتؐ نے فرمایا کہ جھوٹ کہتے ہو ۔ تم میں تین چیزیں ایسی ہیں کہ وہ مانع اسلام ہیں ۔ ایک یہ کہ تم صلیب کی عبادت کرتے ہو ، دوسرا گوشت خنزیر کھاتے ہو تیسرا یہ کہتے ہو کہ خدا کو بیٹا ہے ۔ ایک نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہیں اسلئے کہ اُن کا کوئی باپ نہیں ۔ دوسرے نے کہا کہ مسیح ہی خدا ہے ۔ کیونکہ مُردوں کو زندہ کرتے ، اور غیب کی خبر دیتے ، اور کل بیماریوں کو اچھا کرتے ، اور پرندوں کو زندہ کرتے تھے ، ایک نے کہا باوجود اُن فضائل کے آپ اُن کو یہ گالی کیوں دیتے ہو کہ وہ اللہ کے بندے ہیں ۔ حضرتؐ نے فرمایا

کہ وہ اللہ کے بندے تھے۔ اور کلمہ تھے جو مریم میں ڈالا گیا تھا وہ یہ سنکر غصہ میں آگئے اور کہا کہ ہم تو جب ہی راضی ہوں گے کہ ان کو معبود کہو۔ اور حضرتؐ سے کہا کہ اگر آپ سچے ہو تو ایسا بندہ تبلائیے جو مردہ کو زندہ، اور مادرزاد اندھے اور کوڑی کو اچھا کرتا ہو۔ اور کیچڑ سے پرندے بنا کر اور ان کو پھوک کر اڑا دیتا ہو۔ حضرتؐ یہ سنکر خاموش ہو گئے۔ اور وحی نازل ہوئی۔ قولہ تعالیٰ ان مثل عیسیٰ عِندَ اللّٰهِ الآیہ۔ اور یہ بھی حکم نازل ہوا کہ حضرتؐ مباہلہ کریں۔ چنانچہ حضرتؐ نے انسے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر تم اسلام نہیں لاتے ہو تو میں تمہارے ساتھ مباہلہ کروں یعنی تم بھی اپنی اولاد اور عورتوں اور لوگوں کو لیکر میدان میں آؤ اور ہم بھی اپنے لوگوں کو لے آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں کمالِ عاجزی سے دعا کریں کہ جو فریق جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت اور پھٹکار پڑے۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امام حسنؑ و امام حسینؑ و فاطمہؓ اور علیؓ کو لیکر تشریف لائے۔ مگر وہ لوگ بخوف ہلاک میدان میں نہ آسکے۔ انتہی ملخصاً۔

دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے تاثیرات کیسے کیسے وجود میں آیا کرتے تھے۔ ان کے مقابلہ میں اگر حضرتؐ چاہتے ہو جتنے کا لوگی انھوں نے درخواست کی ان کا کر دکھانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔ سب سے بڑا کام مردہ کو زندہ کرنا تھا سو وہ بھی کر بتایا چنانچہ سیرۃ النبویہ میں دلائل بیہقی وغیرہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت کی اُسنے

مباہلہ حسب الامر ان مثل عیسیٰ

مردہ کو زندہ کرنا

کہا کہ اگر آپ میری لڑکی کو زندہ کر دیں تو میں اسلام لاؤنگا۔ آپ نے فرمایا اچھا اُس کی قبر بتلاؤ۔ اُس نے بتلائی آپ نے اُس لڑکی کا نام لیکر پکارا اُس نے لبیک و سعدیک جواب میں کہا۔ پھر آپ نے اُس سے فرمایا کیا تو چاہتی ہے کہ دنیا کی طرف لوٹے۔ کہا کہ خدا کی قسم میں ہرگز لوٹنا نہیں چاہتی۔ میں نے خدا کو اپنے حق میں اپنے ماں باپ سے بہتر پایا۔ اور آخرت کو دنیا سے بہتر پایا۔ انتہیٰ
خصائص کبریٰ میں کعب ابن مالک رض سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک بار جابر بن عبد اللہ رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوے۔ دیکھا کہ آپ کا چہرۂ مبارک متغیر ہے۔ ساتھ ہی مکان کو لوٹے اور اپنی بی بی سے کہا کہ چہرۂ مبارک میں حضرتؐ کے مجھے تغیّر محسوس ہوا اور میں خیال کرتا ہوں کہ سوا بھوک کے اس کی اور کوئی وجہ نہیں۔ کیا تمہارے پاس کوئی چیز کھانے کی ہے کہا خدا کی قسم ہمارے یہاں سوائے اس بکری کے اور تھوڑے سے گیہوں کے اور کچھ نہیں۔ یہ کہکر وہ اُٹھیں اور بکری کو ذبح کیا۔ اور گیہوں پیسکر روٹی اور سالن پکایا۔ ہم نے ایک بڑے برتن میں چورکر حضرتؐ کی خدمت میں حاضر کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ تھوڑے تھوڑے لوگوں کو آنے دو چنانچہ ایک ایک جماعت آتی۔ اور سیر ہوکر نکلتی۔ اور دوسرے لوگ آتے۔ یہاں تک سب نے سیری کھایا اور برتن اسی قدر باقی رہا۔ جو لایا گیا تھا۔ حضرتؐ کھانے والوں سے فرماتے کہ گوشت کھاؤ مگر ہڈیوں کو نہ توڑو۔ جب سب فارغ ہوئے تو آپ نے ہڈیوں کو جمع کر کے

اپنا دست مبارک اُس پر رکھا۔ اور کچھ بات کہی جس کو میں نے نہیں سُنا۔ اسکے ساتھ ہی بکری کان ہلاتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔ حضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ لو اپنی بکری جب میں اُسے گھر لایا تو میری بی بی نے کہا کہ یہ بکری کیسی۔ اُنھوں نے کہا خدا کی قسم یہ وہی بکری ہے جسکو ہم نے ذبح کیا تھا۔ خدا سے دعا کر کے حضرتؐ نے اُسے زندہ کردیا۔ بی بی نے کہا کہ بیشک وہ اللہ کے رسول ہیں۔ انتہیٰ۔

اس قسم کی باتوں کو وہ لوگ نہیں مانتے جو اپنے آپ کو عقلمند سمجھتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہیں۔ اِحیاے اموات کو اسی وجہ سے وہ خلاف عقل سمجھتے ہیں کہ خلاف عادت ہے۔ کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ کوئی مر کے جیتا نہیں۔ اگر عادت اور عقل میں وہ فرق کرلیں تو معلوم ہوجائے گا کہ عقل کو عادت سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر کوئی شخص ڈاڑھی مونڈھنے کی مثلاً عادت کرے تو کیا یہ سمجھا جائیگا کہ اس کی ڈاڑھی کے بال نمایاں ہوں تو خلاف عقل ہے خلاف عقل تو وہ چیز ہوگی کہ جس کے وجود سے کوئی محال لازم آئے۔ مثلاً اجتماع نقیضین کا وجود جس کو عقل باور نہیں کرسکتی۔ اگر عقل کے لیے یہی حد ٹھہرائی جائے کہ خلاف عادت چیز کو وہ محال سمجھ لیتی ہے تو وہ عقل ہی کیا ہوئی اسکو وہم کہنا چاہئے۔ بہرحال جن لوگوں نے خلاف عادت کو خلاف عقل سمجھ رکھا تھا وہ اسکے قائل تھے کہ خدا بھی چاہے تو مُردے کو زندہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ ایسے لوگوں کی خبر خدا تعالیٰ نے قران میں دی ہے۔ مگر جن لوگوں کی عقل نے

گواہی دی کہ خلاف عادت اور خلاف عقل میں کوئی مناسبت نہیں۔ انھوں نے مان لیا کہ خداتعالیٰ مُردے کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور قیامت کے ہونے میں اُن کو کوئی شبہ نہ رہا۔ اس کے بعد آخری زمانہ کے مسلمانوں میں پھر وہی خیالات پیدا ہوے کہ مُردے کا زندہ ہونا محال ہے۔ اب اگر انکو قیامت کا انکار ہے تو ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں۔ چونکہ ہمارا روے سخن اُن لوگوں کی طرف ہے جو اہل ایمان ہیں۔ اور اگر قیامت اور احیاء بعدالموت کو سچ سمجھتے ہیں تو اُن سے پوچھا جائیگا کہ اس قسم کے روایات میں کیوں کلام کیا جاتا ہے۔ آخر یہ زندہ کرنا بھی خداتعالیٰ کا کام ہے جو قیامت میں مُردونکو زندہ کرے گا۔ کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے جسکو ایک وقت خاص میں زندہ کرنے کی قدرت ہے۔ دوسرے وقت میں اس کو قدرت نہیں۔ غرض کہ خداتعالیٰ کی نفس قدرت پر اگر پورا ایمان ہو تو عقل یہ ضرور باور کریگی کہ اس کو ہر وقت قدرت حاصل ہے۔ کوئی اس کی قدرت کو مزاحم نہیں ہو سکتا۔

آنحضرتؐ کا مُردہ کو زندہ کرنا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ آپ محبوب رب العالمین ہیں۔ آپ کے امتیوں نے مُردوں کو زندہ کیا ہے چنانچہ

ایک بڑھیا کا بیٹے کو زندہ کرنا۔

خصائص کبریٰ ص ۶۶ میں انس رضؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم حضرتؐ کے پاس ڈھالیہ میں تھے۔ ایک عورت ہجرت کر کے آئی اور اُسکے ساتھ ایک لڑکا تھا جو بالغ ہوگیا تھا۔ تھوڑے دن نہیں گزرے تھے کہ وہ وبا میں مُبتلا ہوا۔

ایک انصاری کی ماں کی دعا سے اسکا بیٹا زندہ ہونا۔

اور کئی روز بیمار رہ کر مر گیا حضرتؐ نے آنکھیں بند کیں۔ اور اُس کی تجہیز و تکفین کے لئے حکم فرمایا۔ جب ہم نے اسکو غسل دینا چاہا تو ارشاد ہوا کہ اس کی ماں کو خبر دے دو۔ انس رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے اُس کو خبر دی۔ وہ آکر لڑکے کے دونوں پاؤں کے بیچ میں بیٹھ گئی اور کہا کہ یا اللہ میں خاص تیری خوشی کے لئے اسلام لائی اور بتوں کو چھوڑ دیا۔ اور رغبت سے تیری طرف ہجرت کی تھی یا اللہ بُت پرستوں میں میری ہنسی مت کرا اور مجھپر ایسی مصیبت نہ ڈال کہ جس کی برداشت مجھسے نہ ہو سکے۔ انس رضؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ کلام ان کا پورا نہ ہوا تھا کہ لڑکے نے پاؤں ہلائے۔ اور منہ سے کپڑا اٹھایا۔ اور اُس وقت تک زندہ رہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد اُس کی ماں کا انتقال ہوا اور انس رضؓ ہی سے یہ بھی اسی میں روایت ہے کہ ایک انصاری کی عیادت کے لئے ہم گئے۔ ان کی ماں بُڑھیا اندھی تھی بہت دیر ہم بیٹھے رہے۔ یہاں تک کہ اسکا انتقال ہوگیا۔ ہم نے اُس کی آنکھیں بند کرکے اور منہ پر چادر اُڑھا کر اُس کی ماں سے کہا کہ صبر کرو۔ اُس نے کہا کہ کیا وہ مر گیا؟ ہم نے کہا ہاں مر گیا یہ سنتے ہی اُسنے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے اور دعا کرنے لگی۔ انس رضؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر میں وہ لڑکا اپنے چہرے پر سے کپڑے کو ہٹا کر اٹھ بیٹھا۔ اور کھانا کھایا۔ اور ہم لوگوں نے بھی اسکے ساتھ کھایا۔ اِس سے ظاہر ہے کہ حضرتؐ کی اُمت کے بُڑھیوں کو یہ کرامت حاصل تھی کہ دعا کرکے

مُردوں کو جلا سکتی تھیں۔

خصائص کبریٰ صہ ۱۹ میں منیر ابن عبید اللہ دوسی سے روایت ہے کہ کہتے ہیں کہ ام شریک کے شوہر جن کا نام ابو العکر رضہ تھا اسلام لائے اور ہجرت کر کے حضرت کے پاس چلے گئے۔ ام شریک کہتی ہیں کہ میرے شوہر کے قرابتدار لوگوں نے مجھسے پوچھا کہ شاید تم بھی اُن کے دین پر ہونگی۔ میں نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں میں بھی انہیں کے دین پر ہوں۔ اُنھوں نے کہا ہم تجھپر عذاب کریں گے چنانچہ ایک سُست اونٹ پر جو سب اونٹوں سے خراب تھا مجھے بٹھا کر لے چلے اور روٹی اور شہد مجھے کھلاتے اور ایک قطرہ پانی کا نہیں دیتے تھے۔ اور جب دوپہر ہوتی اور آفتاب شدّت سے گرم ہوتا تو اوتر پڑتے اور خیمہ لگا کر اُس میں داخل ہو جاتے۔ اور مجھے دھوپ میں چھوڑ دیا کرتے۔ یہاں تک کہ میری عقل اور سماعت اور بصارت جاتی رہی۔ تین روز تک ایسا ہی کیا۔ تیسرے روز مجھسے کہا کہ اُس دین کو جسے تو نے اختیار کیا ہے چھوڑ دے۔ وہ کہتی ہیں کہ مجھے اُن کی باتیں کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھیں مگر میں آسمان کی طرف اپنی انگلی سے توحید کا اشارہ کرتی تھی۔ جب وہ مجھے چھوڑ کر حسب عادت خیموں میں چلے گئے اور میں دھوپ میں پڑی رہی۔ اُسوقت تشنگی سے میں سخت بے تاب تھی۔ کہ یکایک کیا دیکھتی ہوں کہ میرے سینے پر ڈول کی سردی محسوس ہو رہی ہے اور دیکھا کہ اُس میں پانی ہے۔ میں نے ایک دم میں خوب پانی پیا۔ پھر وہ

مجھ سے علیحدہ ہوگیا۔ میں اسکو دیکھنے لگی تو زمین و آسمان میں معلّق ہوگیا۔ اور مجھے اسکو لینے کی قدرت نہ تھی۔ پھر دوسرے بار میرے قریب آگیا۔ پھر میں نے ایک دم میں اور پیا۔ پھر وہ بلند ہوکر معلّق ہوگیا۔ پھر تیسرے بار قریب ہوا اُسوقت میں پی کر سیر ہوگئی۔ اور اپنے سر اور منہ اور کپڑوں پر اُسکو انڈیل لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ جب اپنے خیموں سے باہر آئے اور میری یہ حالت دیکھی تو پوچھا کہ پانی کہاں سے آیا۔ میں نے کہا اللہ کے پاس سے جو خاص میرے لئے بھیجا گیا۔ یہ سنکر وہ جلدی سے اپنے مشکوں اور ڈولچیوں کی طرف دوڑے دیکھا کہ سب محفوظ ہیں۔ اُسوقت اُن کو میری بات کا یقین ہوا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارا بھی رب وہی ہے جو تمھارا ہے۔ اور جس خدا نے اس مقام اور ایسی خطرناک حالت میں تمھیں پانی پلایا۔ اسی نے اسلام اُتارا۔ چنانچہ وہ سب مسلمان ہوئے۔ اور ہجرت کرکے آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے انتہی ملخصاً ایمان۔ اسے کہتے ہیں اُن بیوی کی حالت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ اُن پر کیا مصیبت گزری ہوگی۔ پیاس لگانے کے اسباب مہیا کئے گئے اور سخت دھوپ میں اُن کو ڈالدیا۔ اور ایک روز نہیں تین روز تک یہی کام کیا گیا یہاں تک کہ سماعت، بصارت، اور عقل زائل ہونے کو تھی مگر اُنھوں نے اشارے سے کچھ کہا بھی تو توحید ہی کا اشارہ کیا۔ جب ایمان اس درجہ کا ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کے نزدیک آدمی مکرم ہوتا ہے۔ اور جب مکرم ہوتا ہے

تو اُس کی خصوصیت ظاہر فرمائی جاتی ہے۔ جسے کرامت کہتے ہیں اور اُس خصوصیت کی وجہ سے وہ بندہ ممتاز ہوتا ہے۔ آپ غور کیجئے کہ وہ بیوی تھیں تو عورت مگر اُن کی ہمت کیسی مردانہ تھی کہ آخری زمانہ کے ہزارہا مردوں میں شاید کوئی ہو بہ خلاف اُس زمانہ کے کہ ہر شخص کی یہی حالت تھی۔

خصائص کبریٰ میں یہ روایت بھی ہے کہ فروہ ابن عمر بادشاہ روم کی طرف سے عمان پر عامل تھے وہ مسلمان ہو گئے۔ اور آنحضرتؐ کی خدمت میں بذریعہ خط اپنے اسلام کی اطلاع دی یہ خبر جب بادشاہ روم کو ہوئی تو اُس نے اُن کو طلب کر کے حکم کیا کہ اِس دین سے تم پلٹ جاؤ گے تو میں تمھیں کسی ملک کا بادشاہ بنا دونگا۔ کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کو تو ہرگز نہ چھوڑونگا۔ اور تم بھی جانتے ہو کہ عیسٰی علیہ السلام نے اُن کی بشارت دی ہے لیکن تم ملک کے لحاظ سے ایمان نہیں لاتے۔ بادشاہ نے انھیں کئی روز قید رکھا اور بہت کچھ سمجھایا مگر نہ مانے۔ آخر اُن کو قید خانہ سے نکال کر قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا یا انتہیٰ دیکھئے ان بزرگوار نے دین کے معاملہ میں نہ ملک کی خواہش کی جس کا وعدہ بادشاہ نے کیا تھا۔ اور نہ جان کی پروا کی۔ اصل ایمان کے یہ کرشمے ہیں۔ ورنہ برائے نام ہر منافق بھی اپنے کو اہل اسلام کے زمرہ میں شریک کر دیتا ہے اس قسم کے صدہا واقعات کتب سیر اور احادیث میں مذکور ہیں اگر خدا تعالیٰ کو منظور ہے تو کسی موقع میں ذکر کئے جائیں گے۔ عموماً اہل اسلام جانتے ہیں کہ

کہ فردہ بن عمرؓ صحابہ میں کوئی نامی شخص نہ تھے جب اُن کے ایمان کا یہ حال ہو تو دوسرے اولوالعزم اور جاں باز صحابہ کے ایمان کا کیا حال ہوگا جب اُن کا ایمان اس درجہ قوی تھا تو اُن کی مدد بھی حق تعالیٰ فرماتا تھا۔ جیساکہ ارشاد ہے وکان حقا علینا نصر المومنین۔ جتنے فتوحات اوائل اسلام میں ہوے وہ صرف ان کی کرامت تھی۔ کیونکہ تھوڑے سے لوگ جنکے پاس نہ پورے ہتیار تھے نہ سرمایہ۔ عجم اور شام اور افریقہ جیسے ملکونکو فتح کرلینا خرق عادت نہیں تو کیا ہے۔ اس دعوے کے ثبوت میں ہم کتب تواریخ کو پیش کرتے ہیں۔ جو شخص ان کتابوں کو دیکھے گا۔ قیصر و کسریٰ کی دولت و شان و شوکت۔ اور عرب کے افلاس اور بے سروسامانی پر ضرور مطلع ہوگا۔ اُسوقت ہمارے بیان کی خود بخود تصدیق ہو جائیگی۔ کہ صرف کرامت سے یہ ملک فتح ہوے۔ حق تعالیٰ ہم کو ایمان کامل عطا فرماے اور ہمارے ایمان میں تزلزل کو راہ نہ دے۔ غرض کہ کرامات حضرتؐ کی اُمت سے بہت سے صادر ہوے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفد نجران کے مقابلے میں جو چاہتے کر سکتے تھے۔ مگر وہاں تو یہ مقصود ہی نہ تھا کہ اپنی بڑائی لوگوں میں ظاہر ہو۔ بلکہ ہر وقت یہ پیش نظر رہتا تھا کہ خدا تعالیٰ کی کیا مرضی ہے۔ چنانچہ اس موقع میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اور جب یہ حکم ہوگیا کہ مباہلہ کیا جاے تو حضرتؐ اس امر پر آمادہ ہو گئے اور جو اقتدار آپ کو حاصل تھا اس سے کچھ بھی کام نہ لیا یہ شانِ عبودیت تھی۔

ظاہر بین لوگ اس موقع میں اعتراض کرتے ہیں کہ جب کفار نے برسر مقابلہ ہوکر معجزے طلب کئے تو حضرتؐ نہ دکھا سکے۔ اس وجہ سے معجزوں کی جتنی روایتیں ہیں موضوع ہیں۔ یہ صرف ان کا تراشا ہوا خیال ہے اسلامی دنیا میں ایسے خیالات کو کچھ اثر نہیں۔ یہاں تو خدائی کارخانہ ہے جس میں عقل کی رسائی ممکن نہیں۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس یعنی تن تنہا ساری دنیا کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ اور ایک ایسے جنگجو قبیلے میں سے نئے دین کی طرف دعوت کی جس کو نہ وہ جانتے تھے نہ اُن کے آبا و اجداد۔ اور اُنکے بتوں کی توہین کی جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ ہرچند تمام کفار حضرتؐ کے خون کے پیاسے تھے مگر کسی سے حضرتؐ کا کچھ نہ ہو سکا۔ اور چند سال کے عرصے میں تمام ملک عرب و عجم اور شام اور افریقہ میں اس مقدس دین کا ڈنکا بجگیا اور کڑوڑہا آدمی مشرف باسلام ہوے۔ کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے؟

غرض کہ خدا تعالیٰ کے مصلحتوں کے خلاف عقل لگانا ورطۂ ہلاکت میں پڑنا ہے معلوم نہیں اس میں کیا مصلحت تھی کہ ان مسیحیوں کے مقابلہ میں حضرتؐ کو معجزہ ظاہر کرنے کا حکم نہ ہوا۔ حالانکہ دن رات ہزارہا معجزے ظاہر ہوتے تھے۔ مگر ان تمام چیزوں سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ خودسری اور کبر و نخوت کو پسند نہیں فرماتا۔ بلکہ عبدیت کو بارگاہ الٰہی میں نہایت فروغ ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف سے چند روز پہلے اسامہ ابن زید کو

روم کے طرف جہاد کرنے کو روانہ فرمایا۔ اور اُن کو امیر بنا کر ابو بکر رض اور عمر رض
اور عبیدۃ ابن الجراح اور سعد ابن ابی وقاص رض وغیرہ صحابہ کبار کو انکا تابع
بنایا۔ بعضے لوگوں نے اس میں کلام کیا کہ حضرتؐ نے قدیم مہاجرین اور انصار کا
امیر اس لڑکے کو بنایا۔ یہ خبر حضرتؐ کو پہنچی۔ آپ نے اُنپر سخت غصہ کیا۔ اور
خطبہ میں فرمایا کہ اے لوگو! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ میں نے جو اُسامہ رض کو امیر بنایا
اُس میں لوگ کلام کرتے ہیں۔ اگر اُن کی امارت میں تم نے کلام کیا تو کوئی
نئی بات نہیں۔ کیونکہ اُن کے باپ کے امارت میں بھی ایسا ہی تم نے کلام کیا تھا
خدا کی قسم وہ بھی امارت کے قابل تھے اور اُن کے بیٹے اُسامہ رض بھی امارت کے
قابل ہیں۔ انتہی ملخصاً۔
دیکھئے اُسامہ رض صحابہ میں کوئی ایسے سربرآوردہ اور کسی قبیلے کے رئیسوں میں
نہ تھے بلکہ وہ زید کے بیٹے تھے جو خدیجہ رض کے زرخرید غلام تھے۔ بلکہ اُس زمانہ
کوئی معمر شخص بھی نہ تھے بلکہ اُسوقت ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔ ہر شخص جانتا ہے
کہ عقلا کے نزدیک اس عمر کے لڑکوں کی وقعت نہیں ہوتی۔ مگر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھی کو سردار بنایا۔ اور صدیق اکبر رض اور عمر فاروق رض وغیرہ
جیسے جلیل القدر اور مدبر اور تمام امت میں برگزیدہ اور سربرآوردہ صحابہ کو
اُن کے تابع اور اُن کی رعیت بنادیا۔ کیا کوئی مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے اس فعل پر نکتہ چینی کر سکتا ہے؟ اُسی زمانے میں جب اس امر میں نکتہ چینیاں

ہونے لگیں تو وہ حضرتؐ کے کمالِ غضب کا باعث ہوئیں۔ اس سے بھی حضرتؐ کا وہی مقصود معلوم ہوتا ہے کہ کبر و نخوت اور خود سری مسلمانوں میں نہ رہے چنانچہ سیرۃ النبویہ میں لکھا ہے کہ عمر رضا اپنی خلافت میں جب اُسامہؓ کو دیکھتے تو کہتے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا الْاَمِیْر۔ وہ کہتے کہ اے امیر المومنین یہ لفظ آپ میری نسبت کہتے ہو۔ وہ جواب دیتے کہ جب تک میں زندہ رہونگا آپ کو اپنا امیر کہتا رہونگا۔ کیونکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو آپ مجھپر امیر تھے یہ گویا تمہید اس امر کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات شریف سے پہلے صدیق اکبر رضا کو اپنا جانشین فرماکر تمام صحابہؓ کا مقتدی بنا دیا۔ اُس میں کسی کو کلام کی گنجائش نہ رہے۔ کہ باوجود موجودگی حضرت عباس رضا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ جو قرابت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر تھے۔ ابوبکر رضا کیونکر جانشین ہوں۔ اسیوجہ سے کل صحابہ نے صدیق اکبر رضا کی خلافت کو تسلیم کرلیا۔ اور وہ اور اُن کے بعد کے خلفا جسکو چاہتے کسی لشکر کا امیر بناکر روانہ کر دیتے۔ اور کسی کی یہ مجال نہ ہوتی کہ اپنی شرافت وغیرہ کے لحاظ سے اُس میں کلام کرے غرض کہ صحابہ میں ان امور کے مشاہدے کے بعد خود سری اور نخوت بالکل باقی نہ رہی تھی۔ اور مقام عبدیت اُن کو حاصل ہوگیا تھا جو تصوف میں کمال درجہ کا مقام سمجھا جاتا ہے۔ سیر و تواریخ کے کتابوں سے اس قسم کے بہت سے واقعات پیش نظر ہوتے ہیں۔ جو ہماری اس تقریر کے مؤید ہیں۔

عمر رضا کا اسامہ رضا کو ہر وقت واقعات امیر المومنین سے ...

سیرۃ النبویہ میں عبدالرحمن ابن غنم سے روایت ہے کہ آنحضرت غزوہ تبوک سے واپس تشریف لارہے تھے راستے میں کسی مقام پر پانی کی بہت قلت تھی۔ حضرت نے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ اگر چشمہ پر کوئی جائے تو اُسوقت تک اُس کا پانی نہ لے کہ ہم وہاں آجائیں۔ یہ سنکر وہاں چند منافق پہنچگئے اور اُسکا پانی پی لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب وہاں تشریف لیجاکر کھڑے ہوے۔ اور دیکھا کہ اُس میں پانی بالکل نہیں ہے تو فرمایا کہ اس پانی پر ہم سے پہلے کون آگیا۔ عرض کیا گیا کہ فلانے فلاں شخص۔ فرمایا کیا میں نے انکو منع نہیں کیا تھا کہ اس کا پانی نہ لیں جب تک میں نہ آؤں۔ پھر حضرت نے اُن پر لعنت اور بددعا کی۔ اور پانی کے مقام میں اُتر کے اپنے دونوں ہاتھ اُسپر پھیرے۔ اور کچھ دعا کی ساتھ ہی پانی جاری ہوگیا اس قدر کہ زور سے آواز آنے لگی۔ سب لوگوں نے اُس کا پانی پیا۔ اور اپنی حاجتیں روا کیں۔ پھر فرمایا اگر تم میں سے کوئی باقی رہیگا تو سُن لیگا کہ یہ تمام میدان اور اُس کے آگے اور پیچھے کی زمین سرسبز وشاداب ہوگئی۔ انتہیٰ۔

اس حدیث شریف میں جو مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمال غضب اور غصے سے اُن منافقین پر لعنت اور بددعا کی جنھوں نے باوجود منع کرنے کے سب سے پہلے جاکر پانی کو پی لیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ہاتھوں کی نحوست نے اُس پانی میں ضرور کچھ اثر بد کیا تھا۔ ورنہ لعنت کرنا اور بددعا دینا حضرت کی عادت کے خلاف تھا۔ یہ معنوی امور ہیں ان کا ادراک واحساس صرف روحانیت

سے متعلق ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اُس عالم کے اشیاء اور تاثیرات منکشف تھے۔ اسی سے لئے حضرتؐ کو دونوں ہاتھ اُس مقام پر پھیرنے اور دعا کرنے کی ضرورت ہوئی ہو۔

کنکریوں کا گواہی دینا

خصائص کبریٰ میں عبداللہ ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ حضرتؐ کی خدمت میں حضرموت کے باشندے حاضر ہوئے جن میں اشعث بن قیس بھی تھا اُنھوں نے کہا کہ ہم نے ایک بات دل میں چھپائی ہے اسکو آپ بتا دیجئے۔ کہ وہ کیا ہے آپ نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو کاہن کا کام ہے اور کاہن و کھانت کا مقام دوزخ ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ پھر ہم کیونکر جانیں کہ آپ اللہ کے رسول ہو۔ آپ نے ایک مٹھی کنکر زمین سے اُٹھا کر فرمایا دیکھو کہ یہ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ چنانچہ حضرتؐ کے دست مبارک میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی یہ سنتے ہی وہ لوگ کہہ اُٹھے کہ ہم بھی گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہو اور اس قسم کی کئی روایتیں ہیں جن سے ثابت ہے کہ حضرتؐ کے دست مبارک کی برکت سے کنکریوں نے بلند آواز سے تسبیح کہیں۔ انتہیٰ۔

معجزوں کی حجیت سے ثبوت

اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دل کی باتوں پر مطلع تھے جس کا ثبوت متعدد روایات سے ہوتا ہے۔ مگر اس موقع میں یہ فرمایا کہ یہ کاہنوں کا کام ہے۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ اگر حضرتؐ اُن کی سوچی ہوئی بات کو بتا دیتے

تو لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل جاتا کہ یہ کام تو کاہن بھی کیا کرتے ہیں اور ممکن تھا کہ انکو اس قسم کا خیال کسی وقت شبہہ میں ڈالدیتا اس لئے حضرتؐ نے ایک ایسا معجزہ بتلایا جو کسی سے ممکن نہ تھا۔

سیرۃ النبویہ میں اس روایت کے تکملے میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے پوچھا کیا تم اسلام نہیں لائے؟ انھوں نے کہا کیوں نہیں۔ فرمایا کہ پھر حریر یعنی ریشمی لباس جو پہنے ہو کیونکر درست ہوگا۔ یہ سنتے ہی سب لوگوں نے اپنے اپنے ریشمی لباس کو پھاڑ کر پھینکدئے۔ انتہیٰ۔

سبحان اللہ اسلام اسے کہتے ہیں۔ ریشمی لباس کا ناجائز ہونا معلوم ہوتے ہی پھاڑکر پھینکدیا۔ بخلاف ہم لوگوں کے کہ جانتے تو ہیں سب کچھ مگر عمل ندارد۔ خداوند تعالیٰ ہم کو سچا ایمان اور اسلام نصیب فرمائے جس سے عمل کرنا آسان ہو جائے۔

خصائص کبریٰ میں ام اسحٰق سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں اپنے بھائی کے ساتھ ہجرت کرکے نکلی۔ راستے میں میرے بھائی نے کہا کہ میں ایک چیز مکہ میں بھول گیا۔ جب وہ واپس گئے تو میرے شوہر نے اُن کو مار ڈالا۔ میں نے حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی کہ میرا بھائی مارڈالا گیا۔ حضرتؐ نے چلو پانی لیکر میرے منہ پر مارا۔ اُس وقت سے اُن کی یہ حالت ہوئی کہ کیسی ہی مصیبت اُن پر آتی تو آنسو آنکھ میں نظر آتے بھی تو رخسار تک نہ بہتے۔ انتہیٰ۔

دیکھئے اثر دست مبارک سے ہمیشہ کے غم کا بندوبست ہوگیا۔

آنحضرتؐ کی برکت سے رومال کو آگ نہ جلا سکی۔

خصائص کبریٰ میں عباد ابن عبد الصمد سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم انس بن مالک رضؓ کے گھر گئے۔ اُنھوں نے اپنی لونڈی کو پکار کر کہا کہ دسترخواں لا کہ ہم سب کھانا کھاتے ہیں چنانچہ دسترخوان بچھایا گیا پھر اُس سے فرمایا کہ رومال لا۔ وہ ایک رومال لائی جو میلا تھا۔ فرمایا تنور سلگا۔ چنانچہ تنور سلگایا گیا جب آگ دہکنے لگی فرمایا کہ یہ رومال اُس میں ڈالدے وہ ڈالدیا گیا تھوڑی دیر کے بعد جب وہ نکالا گیا تو نہایت سفید مثل دودھ کے ہوگیا تھا۔

ہم نے یہ حیرت انگیز واقعہ کو دیکھکر اُن سے کہا کہ ہماری عقلوں نے تو جواب دیدیا کہ اس کا راز کچھ سمجھ میں نہیں آتا اب ارشاد ہو کہ یہ کیا اسرار ہیں۔ فرمایا کہ یہ وہ رومال ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ اور منہ پوچھتے تھے۔ جب وہ میلا ہوجاتا ہے تو ہم اُسکو آگ سے دھو ڈالتے ہیں اسلئے کہ جو چیز انبیا کے چہروں پر گزرے آگ اُسے نہیں جلاتی۔ انتہیٰ۔

مسئلہ فطرت۔

یہاں ایک معرکۃ الآرا نیچر یعنی فطرت کا مسئلہ پیش ہوجاتا ہے کہ ہر چیز کو اپنی فطرت کے مطابق کام کرنا ضروری ہے۔ آگ کی کتنی ہی خوشامد کیجیے وہ اپنا جلانا نہ چھوڑیگی

اگر صد سال گبر آتش فروزد
چو یک دم اندراں افتد بسوزد

ہم اہل اسلام اس کا بھی جواب دیتے ہیں کہ آگ کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اُس میں جلانے کی تاثیر رکھی۔ جب خدا تعالیٰ کو اُس کے پیدا کرنے کی قدرت ہے تو اُس کی ذات اور صفتِ احراق کو فنا کرنے کی بھی قدرت ہے

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کو جب کفار نے آگ میں ڈالا تو حق تعالیٰ نے آگ کو حکم کیا
کہ سرد ہو جائے کما قال تعالیٰ قلنا یا نار کونی بردا وسلاما علی
ابراھیم۔ اس سے ظاہر ہے کہ جلانے کی صفت سلب یا معطل کردی گئی
تھی یہاں تک کہ مثل گلزار ہو گئی غرض کہ جب خدا تعالیٰ کی قدرت مان لیجائے تو فلسفہ
اور سائنس کا جھگڑا خود بخود مٹ جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے
جو چاہتا ہے کرسکتا ہے۔ کوئی چیز اس سے سرتابی نہیں کرسکتی اور جو لوگ
خدا تعالیٰ کی قدرت ہی کو نہیں مانتے ہمیں اُن سے کوئی بحث نہیں۔ کیونکہ یہ رسالہ
مناظرہ کا نہیں ہے بلکہ خاص وہ لوگ اس کے مخاطب ہیں جنکو خدا تعالیٰ کی قدرت
اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان ہے۔ حاصل یہ کہ ہر مسلمان کو
یہ ماننا ضرور ہے کہ آگ بغیر حکم الٰہی کے خلاف نہیں کرسکتی۔ اُسی چیز کو جلاتی
ہے جس کے جلانے کا حکم ہوتا ہے۔ مگر عادت اللہ جب جاری ہے کہ
جلانے کا کام آگ ہی سے لیا جاتا ہے تو مسلمان کو چاہئے کہ اُس سے بچے
اگر اُس میں کود جائے یا اپنا مال اُس میں ڈالدے تو گناہ گار ہوگا۔ کیونکہ
حسب عادت خودکشی یا اتلاف مال کا شرعاً الزام اُس پر عائد ہوگا۔

اب یہاں یہہ بات قابل غور و توجہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ نے جو رومال کے
دھونے کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ کیا شریعت اُس کی اجازت دیتی ہے
اگر استفتا کیا جائے کہ کوئی شخص اپنا عمدہ مال آگ میں ڈالنا چاہتا ہے تو کیا جائز ہوگا

کوئی عالم اُس کے جواز پر ہرگز فتویٰ نہ دیگا۔ بلکہ یہی کہا جائے گا کہ اتلافِ مال حرام ہے۔ پھر ایسے جلیل القدر صحابی نے پہلے بار اُس متبرک اور باوقعت رومال کو جو آگ میں ڈالا یہ کیسی بات تھی۔ یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو وہ رومال دے کر یہ فرما دیا کہ اس کے دھونے کا طریقہ یہ ہے کہ آگ میں ڈال دیا جائے۔ اگر حضرت یہ فرما دیتے تو وہ پہلے اُس کا ذکر کرتے کیونکہ صحابہ کو تقید تھی کہ جو کچھ حضرت سے سنیں دوسروں کو پہنچا دیا کریں۔ اسی وجہ سے حضرتؐ جو کچھ فرماتے صحابہ اُس ارشاد کے نقل کرنے کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ بخلاف اس کے اس روایت میں ہم دیکھتے ہیں کہ انس رضؓ نے کوئی بات ایسی نہ کہی جس سے معلوم ہو کہ حضرتؐ نے یہ طریقہ انھیں بتلایا تھا۔ بہرحال ان قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انس رضؓ نے اُس رومال کے دھونے کا طریقہ اپنی ذات سے ایجاد کیا تھا۔ وہ متبرک رومال اُن کے نزدیک جان سے زیادہ عزیز تھا۔ چنانچہ انشاءاللہ تعالیٰ آئندہ یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ صحابہ حضرتؐ کے تبرکات کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ ایسے بیش بہا نادر الوجود تبرک کو پہلے بار جب اُنھوں نے آگ میں ڈالنے کا قصد کیا ہو گا تو اُن کے دل کی کیا حالت ہوگی۔ کیا یہ خیال نہ ہو گا کہ آگ ایسے کپڑوں کو دم بھر میں جلا کر خاک سیاہ کر دیتی ہے۔ اگر خدانخواستہ وہ جل جائے تو اُسکا داغ حسرت عمر بھر نہ مٹیگا۔ اور ایک نعمت عظمیٰ صفحۂ ہستی سے

معدوم ہو جائے گی جس سے تمام اہل اسلام نشانۂ ملامت بنیں گے۔ مگر میری راے میں اُن کو ان باتوں کا خیال بھی نہ آیا ہوگا۔ بلکہ اس امر کا جزم تھا کہ اُس متبرک رومال کو آگ ہرگز جلا نہیں سکتی۔ کیونکہ حضرتؐ کے دست و روے مبارک کا اُسکو مساس حاصل ہوا۔ اور بلا تامل اُسے آگ میں ڈالدیا۔ یہ تھے صحابہ کے مستحکم اعتقاد کہ شانِ نبوی کے مقابلہ میں کسی چیز کی وقعت اُن کی نظروں میں نہ تھی حضرتؐ کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ حضرتؐ کے رومال مبارک کے مقابلہ میں بھی انھوں نے آگ کی کچھ وقعت نہ کی جسکو فلسفہ و سائنس خدا کے مقابل قرار دے رہا ہے۔ ہمارے زمانے کے بعض مسلمان بھی سائنس ہی کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور اُن کی نظروں میں تبرکات تو کیا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی معاذاللہ کچھ وقعت نہیں۔ جس طرح اُس زمانے کے کفار کہتے تھے کہ حضرتؐ بھی نعوذباللہ ہمارے جیسے ایک آدمی ہیں۔ یہ بھی وہی کہتے ہیں۔ خیر وہ جانیں اور اُنکا اعتقاد صحابہ کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو یہ وقعت تھی اُسی کا نتیجہ تھا کہ کسی بادشاہ کی وقعت اُن کی نظروں میں تھی نہ کسی فوج و لشکر کی۔ اسی وجہ سے تھوڑے تھوڑے لوگ باوجود بے سروسامانی کے بڑی بڑی سلطنتوں کا مقابلہ کرتے اور کامیاب ہو جاتے تھے۔ غرضکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت و محبت جو مسلمانوں کے دلوں میں تھی۔ اُس نے اسلام میں بڑے بڑے کرشمے دکھلائے ہیں۔ اور جب سے وہ بات جاتی رہی تنزّل اور خرابی کا سامنا ہے

اگرچہ ایک جماعت مسلمانوں میں ایسی بھی ہے کہ اُن کے حالات و حرکات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت اُن کے دلوں میں حد سے زیادہ ہے اور یہاں تک انھوں نے افراط کی کہ مخالفین نے اُن کو بدعتی مشہور کیا مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں بہت سے ایسے بھی ہیں کہ خوش اعتقادی میں اپنا رسوخ جمانا چاہتے ہیں۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور وقعت دل میں ہو تو آپ کے کلام کی وقعت اگر تبرکات سے زائد نہیں تو برابر تو ہونی چاہیے مگر دیکھا جاتا ہے کہ حضرتؐ کے ارشادات کے ساتھ اُن کو کچھ تعلق نہیں حضرتؐ نے جن کاموں کے کرنے کا ارشاد فرمایا اُن کی طرف کچھ توجہ نہیں۔ اور جن سے منع فرمایا اُس کی کچھ پروا نہیں۔ حالانکہ یہ ممکن نہیں کہ محب اپنے محبوب کی اطاعت نہ کرے۔ جو حرکات و افعال ان حضرات سے بظاہر صادر ہوتے ہیں شاید اُن کا عشر عشیر بھی عموماً صحابہ سے صادر ہوتا ہوگا۔ مگر بات بات میں اُن کی اطاعت و فرمانبرداری اُن کے دلی محبت کے سچّے جذبات پر گواہی دیتی ہے اگر فی نفسہ نتیجہ خیز محبت ہے تو اس قسم کی اصلی محبت ہے۔ تقلیدی یا تصنّعی محبت مخالفت اوامر و نواہی کے اثرات کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ یعنی جب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پرسش فرماویں گے کہ ہم نے جن کاموں کا حکم کیا تھا وہ کیوں نہیں کئے اور جن کاموں سے منع کیا تھا اُسکے مرتکب کیوں ہوئے تو ایسی محبت اس قابل نہ ہوسکیگی کہ اُس موقع میں پیش ہوسکے۔ ہم لوگوں کو چاہئے کہ

دعا کیا کریں کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت اور سچی محبت ہمارے دلوں میں مستحکم کرے۔

خصائص کبریٰ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ ایک روز کا اتفاق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے یہاں تشریف لائے۔ اور دروازہ پر پردہ پڑا ہوا تھا جس میں تصویر تھی حضرتؐ نے اُسے نکال کر پھینکدیا اور فرمایا۔ قیامت میں سب سے زیادہ عذاب اُن لوگوں پر ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق میں مشابہت کرتے ہیں۔ ایک روز حضرتؐ نے میرے پاس ایک سپر لائی جسپر عُقاب کی تصویر تھی۔ آپ نے دست مبارک اُس پر رکھا وہ فوراً ایسی معدوم ہوگئی کہ اُس کا اثر تک باقی نہ رہا۔ انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ دست مبارک میں یہ بھی تاثیر تھی کہ کسی موجود چیز کو معدوم کردے یہ سب کرشمے محبت کے ہیں چونکہ آپ حق تعالیٰ کے محبوبوں میں یکتا تھے اس لئے جس کام کے ارادہ سے دست مبارک کو کام میں لاتے فوراً حق تعالیٰ وہ کام کردیتا۔ دیکھنے کو وہ ہاتھ حضرتؐ کا تھا۔ مگر دراصل وہ ید قدرت تھا چنانچہ صحیح حدیث شریف میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب کوئی بندہ کثرت سے نوافل ادا کرتا ہے تو میں اسکو دوست رکھتا ہوں۔ اور جب میں دوست رکھتا ہوں تو اُس کے کان، آنکھیں، زبان، ہاتھ وغیرہ ہوجاتا ہوں۔ اب غور کیجئے کہ جب عام طور پر یہ خصوصیت حاصل ہوتی ہے جسمیں صحابہ اور اولیاء اللہ بھی

اثر دست مبارک در انگشتری۔

شریک ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس درجہ کی خصوصیت ہونی چاہئے۔

خصائص کبریٰ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مہر بنوائی تھی وہ حضرتؐ کے دست مبارک میں رہتی تھی۔ آپ کے بعد ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ اُن کے بعد عمر رضی اللہ عنہ اُنکے بعد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ایک روز عثمان رضؓ بیر اریس پر بیٹھے مہر کو ہاتھ میں ہلا رہے تھے کہ یکایک وہ ہاتھ سے چھوٹ کر کنوئیں میں گر گئی۔ عثمان رضؓ نے بہتیر اُس کی تلاش کی تمام صحابہ تین روز تک اس کام میں مصروف رہے کنوئیں کا پانی تک خالی کر ڈالا مگر وہ نہ ملی۔ انتہیٰ۔

امام بیہقی رحؒ نے لکھا ہے کہ اس کے بعد حکام کے حالات میں تغیر واقع ہو گیا۔ اور فتنوں کے اسباب قائم ہونے لگے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس مہر شریف میں سلیمان علیہ السلام کے مہر کا سر تھا۔ کیونکہ سلیمان علیہ السلام کے پاس سے جب مہر جاتی رہی تو اُن سے ملک بھی جاتا رہا۔ بیہقی نے سعید ابن مسیبؓ سے روایت کیا ہے کہ زید بن خارجہ انصاری جو بنی حارث بن خزرج کے قبیلے میں رہتے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کا انتقال ہوا۔ جب اُن پر چادر اوڑھا دی گئی تو تھوڑی دیر کے بعد اُن کے سینے سے کچھ آواز آنے لگی پھر اُنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف کر کے کہا کہ عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ چار سال تک اُنہی کے طریقہ پر رہے۔ اب

دو سال باقی ہیں کہ ہر طرف سے فتنے شروع ہو جائیں گے۔ اور قوی ضعیف کو کھا جائے گا۔ اور ایک قیامت برپا ہوگی۔ قریب میں تمہارے لشکر سے بیر اریس کی خبر پہنچے گی۔ اس کنوئیں کا حال کچھ نہ پوچھو۔ اس واقعہ کے بعد قبیلہ خطمہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا اُس نے بھی بات کی اور کہا کہ اس خرجی نے جو خبر دی ہے وہ سچ ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے چھے سال گزرنے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ مہر شریف گم ہوئی اور فتنوں کے اسباب قائم ہوئے یہ کل مضامین خصائص کبریٰ سے بر سبیل اختصار لکھے گئے۔

اس انگشتری میں دو قسم کی برکتیں تھیں ایک یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک اُس پر کندہ تھا۔ دوسری دست مبارک کی برکت اُن سے حاصل تھی جب تک ابوبکر صدیق رضؓ عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے ہاتھوں میں وہ برکت رہی تمام ملک زیر نگیں تھا۔ اور جب سے وہ برکت جاتی رہی فتنہ و فساد کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ اگر سچ پوچھئے تو ان حضرات سے جو کارنمایاں صادر ہوئے اور اُن کی نیک نامی ہوئی۔ اسی دست مبارک کا خاص اثر تھا جو بذریعہ انگشتری چلا آرہا تھا۔ ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اصابت رائے اور شجاعت میں کم نہ تھے۔ بلکہ آپ کی رائے کی یہ حالت تھی کہ عمر رضؓ بڑے بڑے معاملات میں آپ سے رائے لیتے اور اکثر اُسی پر کاربند ہوتے اور شجاعت اور قوت کی یہ کیفیت کہ آپ کا نظیر نہ تھا۔ مگر باوجود خلافت حاصل ہونے کے عمر بھر پریشانی

میں رہے۔ کوئی کام آپ کے خاطر خواہ نہ ہونے پایا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ برکتِ دست مبارک جس نے ایک عالم کو زیر نگیں بنا دیا تھا۔ آپ تک پہنچنے نہ پائی۔

دیکھئے مُہر مبارک کے گرنے کا واقعہ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں کیسا مصیبت خیز تھا کہ جس سے اُن پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ چنانچہ مُردوں نے اس کو قیامت ہی سے تعبیر کی۔ فی الحقیقت اسلام کی جو رفتار اس واقعہ تک ہوئی اگر اور تھوڑی مدت یہی رفتار رہتی تو اسلام کے برکات سے کوئی شہر محروم نہ رہتا عرب و عجم یورپ و افریقہ میں جتنا ملک اسوقت اہل اسلام کے قبضے میں ہے تقریباً وہ سب اُسی وقت کا مفتوحہ ہے۔ اگر آپس کی خانہ جنگی نہ ہوتی اور کل اہل اسلام جیسے اُسوقت تک ترقی اسلام کی طرف ہمہ تن متوجہ تھے اگر بعد بھی رہتے تو رفتارِ ترقی اول سے زیادہ تر تیز ہو جاتی۔ کیونکہ ایک عظیم الشان سلطنت جس کا حال ابھی معلوم ہوا۔ جدھر متوجہ ہوتی صفایا کر دیتی۔ غرض کہ خانہ جنگیوں نے ترقی کا خاتمہ ہی کر دیا۔ اسکا منشا یہی تھا کہ وہ برکت جاتی رہے جو دست مبارک کے مساس سے خاص مہر مبارک کو حاصل تھی جس سے فرامین خلافت مزین ہو کر اقطار بلاد میں نافذ ہوتے تھے۔ یہ مہر معمولی نہ تھی۔

ہر چند مدینہ طیبہ میں وہ کندہ کرائی گئی تھی مگر اس کا معاملہ بھی عجیب و غریب ہے۔ خصائص کبریٰ میں عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کرم اللہ وجہہ کو بلا کر فرمایا کہ میرے لئے ایک چاندی کی مہر بنوا دُ جسکا نقش

لفظ رسول اللہ بلا قصد کھد گیا۔

محمد بن عبداللہ ہو۔ اُنھوں نے مُھرکن سے کھدیا جب وہ تیار کرکے لایا تو اُس پر محمد رسول اللہ کندہ تھا۔ آپ نے کہا کہ میں نے تو ایسی فرمائش نہیں کی تھی اسنے قسم کھاکر کہا کہ میں نے تو حسب فرمائش محمد بن عبداللہ ہی لکھا تھا۔ مگر نقش کرتے وقت خدا تعالیٰ نے میرے ہاتھ کو پھیر دیا جس سے محمد رسول اللہ کھد گیا اُسکے قسم کھانے کی وجہ سے علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی تصدیق کی اور حضرتؐ سے وہ قصہ بیان کیا۔ آپ نے تسلیم کرکے فرمایا کہ میں رسول اللہ ہوں انتھیٰ۔

دیکھئے ہر چند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از راہ تواضع لفظ رسول اللہ کو مھر میں رکھنا نہیں چاہتے تھے۔ اور حسب عادت عرب ولدیت ہی لکھوانا چاہا۔ مگر حق تعالےٰ کو منظور نہ تھا کہ یہ خاص لقب حضرتؐ کے نام مبارک سے جدا ہو۔ اس لئے مھرکن سے خلاف ارادہ قصداً اسی کے ہاتھ سے وہ کندہ کرا دیا گیا۔

دست مبارک سے عجوہ درخت سرسبز ہوئے

سیرۃ النبویہ میں لکھا ہے کہ جب وفد بنی محارب حضرتؐ کی خدمت میں آیا تو اُن میں سے ایک شخص کو آپ نے بہت غور سے ملاحظہ فرمایا جن کا نام خذیمہ تھا اور فرمایا کہ میں نے تمھیں کھیں دیکھا ہے۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ بہت درست ہے (عکاظ) میں ملاحظہ فرمایا ہے۔ عکاظ ایک موضع کا نام تھا جس کے جنگل میں بازار بھرتا تھا۔ اس میں تمام عرب کے قبیلے آکر اپنے اپنے فضائل اور کمالات فخریہ بیان کرتے اور اسی مضمون کے اشعار پڑھتے تھے۔ یہ بازار بیس روز تک بھرا رہتا تھا۔ خذیمہ نے کہا کہ اس بازار میں حضرتؐ تشریف فرما تھے اور ہر ہر

قبیلے میں جاکر دعوت اسلام فرماتے تھے۔ اس روز یوں تو سبھی آپ کے مخالف تھے۔ مگر میں نے سب سے زیادہ آپ کی خدمت میں گستاخی کی اور بہت ناشائستہ کلمات کہے۔ اور نہایت سختی سے پیش آیا۔ حضرتؐ نے فرمایا ہاں عرض کی کہ اگرچہ میں اپنے ہمراہیوں میں ایسا شخص ہوں کہ مجھ سے زیادہ کوئی اسلام سے دور نہ تھا۔ مگر اب اللہ کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے آپ کی خدمت میں مجھے بھیجا۔ اور میں نے آپ کی تصدیق کی۔ اسوقت جتنے میرے ساتھی تھے وہ سب اپنے دین پر مر گئے۔ حضرتؐ نے فرمایا دل خدائے عزوجل کے ہاتھ میں ہیں۔ یعنی جب تک خدا تعالیٰ نہ چاہے کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا۔ عرض کی یا رسول اللہ میں نے جو آپ سے گفتگو کی تھی۔ اس باب میں آپ میرے لئے خدا تعالیٰ سے مغفرت مانگئے۔ فرمایا اسلام اگلے تمام کفر کی باتوں کو مٹا دیتا ہے۔ یہ کہکر آپ نے اُن کے چہرے پر ہاتھ پھیرا جس کی وجہ سے وہ روشن ہو گیا۔ اور آپ نے حسب عادت ان کو انعام دیکر روانہ فرمایا۔ انتہیٰ

اس روایت سے ظاہر ہے کہ جہاں جہاں عرب کے مجمع ہوا کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لیجاتے اور دعوت اسلام فرماتے مگر حضرتؐ کا ان تمام مجمعوں میں ہمکلام و ہمزبان کوئی بھی نہ ہوتا۔ بلکہ ہر شخص حضرتؐ کی بات کو رد کرنے اور ایذا پہنچانے کی فکر میں ہوتا۔ ان واقعات کے خیال کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرتؐ کو کیسی کیسی سختیوں کا سامنا تھا۔ ہزارہا دشمنوں میں

مجمعوں میں حضرتؐ کا تبلیغ اسلام فرمانا۔

جنگجو قوم کے اسلام لانے سے اسلام کی حقانیت ثابت ہوئی

آپ تن تنہا فرمارہے ہیں کہ تمھارا مذہب جھوٹا ہے۔ تمھارے معبود تمھارے ہاتھ کے تراشے ہوئے پتھر۔ اس قابل نہیں کہ پرستش کئے جائیں۔ اور ان اقوام کی وہ حالت کہ دنیا میں ان سے زیادہ جنگجو اور بات بات پر لڑنے بھڑنے والی کوئی قوم نہیں۔ اور حضرتؐ ان دشمنوں میں تن تنہا ہیں۔ نہ کوئی یار ہے نہ مددگار۔ اس سے بڑھکر اس دین کے صداقت کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ وہی جنگجو قوم یعنی پورا ملک عرب مسلمان ہوگیا۔ اگر انصاف سے کام لیا جائے تو ایک منصف، حق پسند، کے اسلام لانے کے لئے یہی ایک دلیل کافی ہے۔ اور اگر آنکھوں پر تعصب کا پردہ پڑا رہے تو پھر کسی دلیل پر نظر نہیں پڑسکتی سوفسطائی کے ذہن میں جب یہ بات جمی کہ یہ سب عالم یونہی خیالی ہے تو کیسی ہی دلیل اسکے روبرو پیش کیجائے وہ یہ کہکر اسکا انکار کردیتا کہ یہ بھی ایک خیالی بات ہے یہانتک کہ لوگوں نے اسکو آگ میں جلایا۔ اس غرض سے کہ آگ کی حقیقت واقعیہ کا تو اقرار کریگا۔ مگر اس نے نہ کیا۔ ایسے ہٹ دہرموں سے حق پسندی کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔

حدیث موصوفہ سے یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ آیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دست مبارک پھیرنے سے یہ مقصود تھا کہ انکا چھرہ روشن ہوجائے۔ یا حضرتؐ نے محبت سے دست مبارک پھیرا۔ اور خدا تعالیٰ نے اس مقام کو جہاں دست مبارک پہنچا تھا روشن کردیا۔ جو کچھ ہو دست مبارک کی تاثیر ضرور ثابت

ہوتی ہے۔ بغیر قصد حضرتؐ اگر حق تعالیٰ نے اس مقام کو روشن کر دیا تھا تو اس میں اور زیادہ لطف ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پروردگار عالم کو مقصود تھا کہ بغیر حضرتؐ کی درخواست کے حضرتؐ کے حرکات پر وہ آثار مرتب کرے جو دنیا میں کسی سے نہ ہوسکیں۔ جن سے حضرتؐ کا نام تمام عالم میں روشن ہو۔

حضرتؐ کا تصرف علاوہ عالم سفلی کے عالم علوی میں بھی جاری تھا چنانچہ قران شریف سے معجزہ شق القمر ثابت ہے کما قال تعالیٰ اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ کفار مکہ نے جب آپ سے درخواست کی کہ اگر آپ چاند کو شق کردینگے تو ہم ایمان لائیں گے۔ آپ نے دعا کی اور ایک اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کردئے۔ ایک ٹکڑا ابوقبیس کے پہاڑ پر گرا۔ اور دوسرا اسی پہاڑ کے دامن میں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرتؐ کی آستین میں سے نکلگیا۔ مواہب اللدنیہ اور اُس کی شرح زرقانی میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ معجزہ بتواتر ثابت ہے۔ اور جن صحابہؓ سے وہ مروی ہے اُنکے نام اور جن کتابوں میں وہ روایتیں درج ہیں اُن کے نام بیان کئے ہیں۔

معجزہ شق القمر

غرض کہ قران شریف سے اسکا وجود ثابت ہے اور احادیث سے اُس کا معجزہ ہونا۔ اہل ایمان تو اس کو نہایت آسانی سے مان لیتے ہیں اس لئے کہ قران وحدیث سے اس کا وجود ثابت ہے۔ مگر نئے خیالات اور فلسفی مذاق کے

بجلی کے چراغ کی مثال

لوگ ایسے امور کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ اس لئے انکار ہی کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ مسئلہ اس قسم کا ہے کہ کتنی ہی وضاحت سے بیان کیا جاے معمولی عقلوں سے اُس کے ماننے کی توقع نہیں ہو سکتی۔ مگر صرف خیر خواہانہ اس باب میں تھوڑی سی تقریر کیجاتی ہے۔ ممکن ہے کہ اہل انصاف توجہ اور تدقیق نظر سے کام لیں تو کسی حد تک کامیابی ہو جاے۔ قبل اسکے کہ اصل اشکال کا جواب دیا جاے ایک ایسی بات لکھی جاتی ہے جسکو عموماً لوگ جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ برقی روشنی کا کارخانہ ایک مقام میں ہوتا ہے۔ جس میں مادہ روشنی کا جمع رکھا جاتا ہے اور بذریعہ تار وہ مادہ جسکو پَوَر کہتے ہیں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور وہ مادہ جہاں جہاں گلوب یعنی چراغ ہوتے ہیں پہنچکر اُن کو روشن کر دیتا ہے اور جب چاہتے ہیں چراغوں کو خاموش کر دیتے ہیں۔ اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ اُن چراغوں کو خاموش کرنا اُن کو معدوم کر دینا ہے۔ یا یہ کہ پَوَر کو روک لینے سے خود بخود وہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ خیال کیا جاے کہ وہ معدوم کر دئے جاتے ہیں جس طرح حباب معدوم کر دیا جاتا ہے تو چاہئے جسطرح حباب کو معدوم کرتے وقت اُسکو ہوا یا ہاتھ کا صدمہ پہنچایا جاتا ہے چراغ کو بھی کوئی صدمہ پہنچایا جاے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ تار میں کھٹکے ایسے لگائے جاتے ہیں کہ جب خاموش کرنا منظور ہوتا ہے تو اُنکو حرکت دیتے ہیں تاکہ تار کا اتصال جاتا رہے۔ جس سے پَوَر یعنی مادہ روشنی چراغ تک

پہنچ نہ سکے۔ اور جب پوٗر نہ پہنچے تو روشنی کا خاموش ہوجانا ضروری ہے۔ کیونکہ شعلۂ روشنی دراصل وہی پوٗر ہے جو بحسب استعداد مقام روشنی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقع میں ادنے تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ ہر آن میں ایک نیا شعلہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جو پوٗر اُس مقام خاص میں آتا ہے وہ شعلہ کی صورت میں متشکل ہوتا ہے پھر جب تک وہ فنا ہو یعنی آتش بنکر جل نہ جاوے دوسرے پوٗر کو جگہ نہیں مل سکتی۔ اس لئے وہ فوراً فنا ہوجاتا ہے اور اُس کے مقام میں دوسرا پوٗر آکر شعلہ سابقہ کی جگہ قائم ہوتا ہے۔ اگر کسی آن میں پوٗر نہ پہنچے تو فنا شدہ شعلہ کی جگہ دوسرا شعلہ قائم نہیں ہوتا۔ فوراً چراغ گل ہوجاتا ہے اس سے تجدد امثال کا مسئلہ اُس چراغ میں نہایت آسانی سے ثابت ہوگیا۔ کیونکہ ہر آن میں جب نئے پوٗر کا آنا ضرور ہے تو ہر آن میں نیا شعلہ بننا بھی ضرور ہوا۔ کیونکہ پوٗر ہی ہے جو شعلہ میں ہے۔ مگر چونکہ ہر ایک شعلہ کا وجود دوسرے شعلہ کے وجود کی متصل آن میں ہے۔ اس لئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا سے انتہا تک ایک ہی شعلہ ہے۔ حالانکہ واقع میں بحسب تعداد آنات ایک ساعت میں ہزارہا شعلے موجود ہوکر فنا ہوگئے۔ اسکا ثبوت اس طرح بھی ملسکتا ہے کہ جس کھٹکے کو حرکت دینے سے پوٗر کی مدد منقطع ہوجاتی ہے۔ اگر فوراً فوراً متضادہ حرکتیں اُسکو دی جائیں تو صاف معلوم ہوگا کہ ایک شعلہ موجود ہوا۔ اور وہ فنا ہوگیا۔ پھر دوسرا موجود ہوا وہ بھی فنا ہوگیا۔ علیٰ ہذا القیاس جبتک

حرکتیں دیجئے اُس کا وجود اور فنا محسوس ہوتی رہیگی۔ چونکہ وجود بھی ایک نور ہے
چنانچہ حکماء اشراقیین وجود کو نور ہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسکا بھی حال ایسا ہی ہے
مگر اس رازِ سربستہ پر عموماً عقلا مطلع نہیں ہوئے۔ البتہ محققین صوفیہ نے اسکی
تشریح کی ہے کہ عالم کا وجود آناً فاناً حق تعالےٰ کے طرف سے عطا ہوتا ہے
کیونکہ ممکن اپنے وجود میں موجد کے طرف محتاج ہے۔ جب تک موجد تعالےٰ
اُس کے وجود کو ترجیح نہ دے وجود میں نہیں آسکتا۔ پھر جس آن میں اُسکا وجود
ہوگیا۔ اُس کے بعد کی آن میں وہ وجود سے عاری اور محتاج وجود ہے جب
خدائتعالےٰ کو آن لاحقہ میں اُس کو باقی رکھنا منظور ہوتا ہے تو پھر اُس کو وجود
عنایت فرماتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس آناً فاناً وجود عنایت ہوتا رہتا ہے۔ اور
جب اُسکو فنا کردینا منظور ہوتا ہے تو وجود عطا نہیں ہوتا جس سے وہ چیز فنا
ہوجاتی ہے۔ جیساکہ مثال مذکور میں ابھی معلوم ہوا۔ غرض کہ تمام عالم میں تجدد امثال کا
سلسلہ جاری ہے۔ اور صرف دیکھنے میں ہر چیز قائم بالذات معلوم ہوتی ہے
حالانکہ دراصل آناً فاناً فنا ہوتی جاتی ہے۔ اگر یہ مسئلہ تعمق نظر سے ذہن نشین
ہوجائے تو چاند کے دو ٹکڑوں میں جو اشکال پیدا ہوتا ہے اُسکا جواب
بآسانی سمجھ میں آجائیگا کیونکہ جب تجدد امثال کو مان لیا جائے تو یہ بات
معلوم ہوجائیگی کہ چاند جس آن میں دو ٹکڑے ہوا تھا۔ اُسوقت وہ اپنے مقام میں
فنا ہوگیا۔ اور آن لاحقہ میں خدائتعالےٰ نے اُس کو جب وجود عطا فرمایا تو

بجاے اس کے کہ ہیئت اور جسامت مستمرہ پر ہے - ایسا وجود دیا گیا کہ دو حصوں پر منقسم ہوا - پھر جب وہ ٹکڑے اپنے مقام سے علیحدہ ہوے تو ہر آن میں جو وجود دیا جاتا تھا اس مقدار میں دیا گیا جو سابق سے کم ہو - یہاں تک کہ جب ایک ٹکڑا جبل ابوقبیس پر اُترا اُسی قدر اُسکو وجود دیا گیا کہ پہاڑ میں اُس کی گنجایش ہو سکے - علیٰ ہذا القیاس دوسرے حصے کو بھی اس قسم کا وجود دیا گیا اُسکے بعد اُسکو آسمان پر وجود دیا گیا تو اُس قدر دیا گیا جو تمام عالم میں نظر آسکے -

غرض کہ تجدد امثال کے اُصول پر میری دانست میں یہاں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا - البتہ یہ بات عقول کے خلاف ہے کہ اشیاے عالم اگر خیال کئے جائیں تو حد شمار سے خارج ہیں - اِن سب کو ایک آن میں نیا وجود دینا قرین قیاس نہیں - اس شبہہ کی خاص وجہ یہ ہے کہ خدا تعالے کے حالات اپنے حالات پر قیاس کئے جاتے ہیں - اور یہ خیال کیا گیا کہ جس طرح ہم کام کرنے سے تھک جاتے ہیں - خدا تعالے بھی اگر اتنا بڑا کام اپنے ذمہ لے تو تھک جائیگا - مگر یہ قیاس مع الفارق ہے - اس لئے کہ تھکنا صفت نقصان ہے جب آدمی ضعیف ہوتا ہے تو ہر کام میں بہت جلد تھک جاتا ہے اِسی خیال سے پچپن سالہ ملازم کو خدمت سے علیحدہ کر دیتے ہیں - اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ خدا تعالے اُن تمام صفات سے بَری ہے جن میں کسی قسم کا نقصان متصور ہو جسکو تھوڑی بھی عقل ہو یہی کہیگا کہ تھکنے کی صفت سے وہ بالکل بَری اور منزہ ہے

اسی کو دیکھ لیجئے کہ خدا تعالیٰ سے علاوہ نظم ونسق عالم علوی و سفلی کے صرف تخلیق کس قدر متعلق ہے۔ خلق افعال کو بھی جانے دیجئے صرف اجسام ہی کو دیکھئے تو اتنے پیش نظر ہو جائیں گے جس کا تصور تقریباً محال ہے۔ پہلے نباتات پر نظر ڈالئے کہ ان کے کتنے اقسام اور اصناف ہیں۔ اس کا انکار نہیں ہوسکتا کہ ہر ملک میں درخت اور بوٹیاں مختلف اقسام کی ہیں۔ غرض کہ اتنے قسم کے ہیں کہ اس کا شمار دشوار ہے۔ اب ایک درخت اور بوٹی اور ان کے پتّے اور پھول پھل وغیرہ کا خیال کیجئے اور انصاف سے کہئے کہ کیا تمام روے زمین کے نباتات سے متعلق اشیاء کا شمار ممکن ہے۔ پھر تمام روے زمین اور سمندروں کے حیوانات کا خیال کیجئے کہ کتنے قسم کے ہیں۔ اور ان کے اشخاص کا خیال کیجئے۔ حکمت جدیدہ میں تو یہ امر بھی مسلم ہو چکا ہے کہ پانی کے ایک قطرے میں اتنے حیوان بستے ہیں جتنے روے زمین میں انسان۔ چنانچہ کلاں بینوں کے ذریعہ سے ہر وقت ان کا مشاہدہ ہوسکتا ہے۔ اب تمام روے زمین کے کنوؤں، تالابوں، دریاؤں، سمندروں پر غور کیجئے کہ کس کثرت سے ہیں پھر ان کے قطروں پر نظر ڈالئے اور ہر قطرے میں جو کروڑہا حیوان ہیں ایک اجمالی نظر سے دیکھئے تو انصاف سے یہ کہنا پڑے گا کہ وہ بیحد و بے شمار ہیں اسکا انکار نہیں ہوسکتا کہ جتنے نباتات وحیوانات ذکر کئے گئے ہیں سب مخلوقات ہیں اور عقلمند ضرور اس امر کی تصدیق کریگا کہ کوئی مخلوق بغیر اسکے کہ خدا تعالے

تکثیر نباتات

تکثیر حیوانات

اُسکو وجود دے۔ وجود میں نہیں آسکتی تو غور کیجیے کہ ہر آن میں خدا تعالیٰ کتنی چیزوں کو
وجود میں لاتا ہے۔ اور فنا کرتا ہے۔ اور یہ کام ہمیشہ جاری ہے۔ پھر اگر ہر آن
میں تمام عالم کو وجود عطا فرمایا کرے تو کیا بعید ہے۔ غرض کہ خدا تعالیٰ کے
کاموں کو اپنے کاموں پر قیاس کرنا ہرگز صحیح نہیں۔ ذات الٰہی ازلی اور قدیم ہے
اور تمام عالم حادث اگر ہم عالم کو فرض کریں کہ پچاس ہزار کروڑ یا ارب سال اُس کو
پیدا ہو کر ہوئے تو اس ایک ہی اجمالی نظر میں وہ محدود ہو جائے گا اور
خدا تعالیٰ کی نسبت اس قسم کی نظر صحیح نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب کوئی مدت
کتنی ہی طویل ہو مقرر کر کے کہیں کہ اتنی مدت سے اس کا وجود ہے تو لازم آئیگا
کہ اس سے پہلے اُسکا وجود نہ تھا جس سے اُس کا حادث ہونا ثابت ہوگا
اور جو چیز حادث ہو اُس کے پیدا ہونے کے لئے سبب درکار ہے
جسکو علت کہتے ہیں۔ اور جو پیدا ہونے میں علت کا محتاج ہو وہ خدا نہیں ہو سکتا
خدا تعالیٰ تو وہی ہے جو سب کو پیدا کرے۔ اور اُس کا وجود لذاتہ ہو۔ یعنی
کسی کا دیا ہوا نہ ہو۔ غرض کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے لئے کوئی مدت
مقرر نہیں ہو سکتی۔ اور جتنی چیزیں اُسکے سوا ہیں۔ سب کے لئے کچھ
نہ کچھ مدت مقرر ہے تو غور کیجیے کہ یہاں کس قدر حیرانی ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر چیز
کی پیدائش کے سبب اور علت کو عقل ضرور تلاش کرتی ہے۔ اور یہاں سبب
ندارد اور نیز عقل یہ بھی حکم کرتی ہے کہ جو چیز وجود میں آئے اُسکے لئے

صفاتِ الٰہی کا مستغنی عن الغیر ہونا

ابتدا ضرور ہوگی۔ کروڑہا سال کیوں نہ ہوں مگر یہاں ابتدا ندارد۔ پھر جس طرح ذاتِ الٰہی تمام عالم سے نرالی اور کسی بات میں کسی کے مشابہ نہیں تو اسی طرح صفاتِ الٰہی بھی تمام اہلِ عالم کے صفات سے ممتاز اور نرالے ہیں۔ کیونکہ جس طرح ہر چیز کا وجود بغیر تخلیق خالق کے نہیں اسی طرح اُسکے صفات بغیر تخلیق کے وجود میں نہیں آسکتے۔ بخلاف صفاتِ الٰہیہ کے کہ اُن کا کوئی خالق نہیں۔ بلکہ وہ سب مقتضائے ذاتِ الٰہی۔ اور ہر قسم کے نقص سے مبرّیٰ اور منزّہ ہیں۔ الغرض خدا کی صفتِ تخلیق یعنی معدومات کو وجود دینا اس نقص سے مبرّیٰ ہے کہ وہ کثرتِ کار سے معاذ اللہ تھک جاتا ہے۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ آدمی اپنی باتوں کو شمار کرنا چاہے تو گنتے گنتے تھوڑی دیر میں تھک جائیگا۔ اور خدا تعالیٰ اُن کو ہر آن میں برابر وجود دیتا ہے۔ اس سے ہمارا مقصود تجدد امثال والا وجود نہیں بلکہ وہ وجود ہے جو معدومات محضہ کو عطا ہوتا ہے ہر آن میں وجود دینا اس سے ثابت ہے کہ جو مہذب لوگ ہر روز اصلاح بناتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ایک روز میں بال کچھ نہ کچھ نمایاں ہو جاتے ہیں اور جو صفائی اصلاح بنانے سے ہوتی ہے اُس میں فرق آجاتا ہے۔ اب فرض کیجئے کہ ایک روز میں خشخاش کے مقدار میں وہ بڑھ جاتے ہیں پھر چوبیس ساعت میں جب وہ اس مقدار میں بڑھیں تو یہ تو نہیں ہو سکتا کہ چوبیس ساعت تک وہ نمو یعنی بڑھنے سے رُکے رہے۔ اور چوبیس ساعت کے گزرتے ہی یکایک اس مقدار میں بڑھ گئے بلکہ یہ کہنا پڑے گا کہ ہر ساعت میں خشخاش کے

مقدار کے چوبیسویں حصے کے مقدار میں وہ بڑھتے ہیں اسی طرح یہ بھی کہنا پڑیگا کہ جس قدر ایک ساعت میں وہ بڑھے ہیں ایک منٹ میں اُس کا ساٹھواں حصہ بڑھے پھر یہ بھی کہنا پڑے گا کہ جس قدر وہ ایک منٹ میں بڑھے ایک سکنڈ میں اُس کا ساٹھواں حصہ بڑھے۔ اسیطرح ثالثہ رابعہ وغیرہ میں کسی خاص مقدار میں بڑھتے رہے۔ اب غور کیجئے کہ جو چیز چوبیس ساعت میں خشخاش برابر بڑھیگی ثالثہ اور رابعہ میں اُس کا بڑھنا کس قدر کم ہو گا۔ صرف ایک سکنڈ میں خشخاش کے چوبیسویں حصے کا پچھتر ہزار آٹھ سو چالیسواں حصہ ہوگا۔ اب قیاس کیجئے کہ ایک آن میں اُس کا بڑھنا کس مقدار میں ہو گا۔ معلوم نہیں خشخاش کا پدم واں حصہ ہو گا یا سنکھواں یا اُس سے بھی کم۔ کیونکہ آن ایسے ظرفِ زمانہ کا نام ہے کہ زمانہ اُس کا جزو نہ ہو سکے۔ بلکہ جو زمانہ فرض کیا جاسے اُس کا آخری حصہ جو متجزی نہ ہوسکے وہ آن ہے جس طرح خط سطح کا آخری حصہ ہے جسکے عرض میں جز نہیں نکل سکتا الحاصل ایک آن میں بال ایسے کم مقدار میں بڑھتا ہے کہ اُس کا محسوس ہونا تو درکنار عقل سے بھی اُس کا ادراک دشوار ہے۔ حق تعالیٰ کا ہی کام ہے کہ ہر آن میں اتنا کم مقدار حصہ ہر بال کے برابر وجود میں لاتا ہے۔ اور تھکتا نہیں اگر سائینس کی شہادت سے ہر قطرے میں پیدا ہونے والے حیوانات کا وجود ثابت نہ ہوتا تو کبھی اس تقریر کی تصدیق نہ کی جاتی۔ جب بتائید سائنس عقل سے ثابت ہو گیا کہ تجدد امثال کوئی ایسا مسئلہ نہیں جسکو عقل نہ مان سکے۔ اور

روایات متواترہ سے ثابت ہوا کہ شق قمر ہو کے دو ٹکڑے دو پہاڑوں پر گرے تو عقل کی رو سے اُس کی تصدیق کرنے میں بھی کوئی امر مانع نہیں۔

سیرۃ النبویہ صفحہ ۲۹۵ میں ابوذر رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اکثر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی کا وقت تلاش کیا کرتا تھا۔ ایک روز میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ حضرتؐ تنہا ہیں۔ میں نے اُسوقت کو غنیمت سمجھکر سلام کیا۔ آپ نے میرا جواب دیکر فرمایا اسوقت کون چیز تمھیں یہاں لائی۔ میں نے عرض کیا خدا و رسول۔ فرمایا بیٹھ جاؤ۔ میں حضرتؐ کے بازو بیٹھ گیا۔ مگر ایسی حالت میں کہ نہ میں کچھ عرض کرسکا اور نہ حضرتؐ نے کچھ فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد ابوبکر رضؓ بہت جلد جلد آئے اور سلام عرض کیا۔ حضرتؐ نے اُن کا جواب دیکر فرمایا کون چیز تمھیں اسوقت لائی۔ اُنھوں نے کہا خدا و رسول۔ حضرتؐ نے بیٹھنے کے لئے اشارہ فرمایا وہ بیٹھ گئے۔ پھر عمر رضؓ آئے اور اسی طرح سلام و جواب اور بیٹھنے کا اشارہ فرمانے کے بعد ابوبکر رضؓ کے بازو بیٹھ گئے۔ اُن کے بعد عثمان رضؓ آئے بعد سلام و اجازت وہ بھی عمر رضؓ کے بازو بیٹھ گئے۔ آنحضرتؐ نے چند کنکریاں زمین سے اُٹھائیں وہ حضرتؐ کے دست مبارک میں تکبیر کہنے لگیں اُن کی آواز شہد کے مکھیوں کی آواز کے مشابہ تھی۔ پھر حضرتؐ نے اُن کو زمین پر رکھدیا اور وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر اُنکو لیکر ابوبکر رضؓ کو دیا۔ اُن کے ہاتھ میں بھی اُنھوں نے تسبیح کہی۔ پھر اُن سے لیکر زمین پر رکھدیں

اور وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر عمر رضؓ کو دیا۔ اُن کے ہاتھ میں بھی تسبیح پڑھی۔ پھر اُنسے لیکر زمین پر رکھدیں۔ اور وہ خاموش ہوگئیں پھر عثمان رضؓ کے ہاتھ میں رکھا وہاں بھی اُنھوں نے تسبیح کی۔ پھر اُنسے لیکر آپ نے زمین پر رکھدیں اور وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر ہمارے ہاتھ میں دیں مگر اُنھوں نے تسبیح نہیں پڑھی انتہی ملخصًا حضرتؐ کے اور صحابۂ کبار کے ہاتھ میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا اور دوسروں کے ہاتھ میں نہ پڑھنا بے سبب نہ تھا۔ تعجب نہیں کہ صحابۂ کبار کو ممتاز فرمادینا آنحضرتؐ کو ملحوظ ہو۔ یا وہ قدرتی انتظام تھا۔ بہرحال جہاں جہاں اُن کنکریوں نے تسبیح پڑھی وہ دست مبارک کا اثر تھا جسنے اُنھیں ناطق اور گویا بنادیا تھا۔ ورنہ پتھروں کو کلام سے کیا نسبت۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمادات کو بھی حضرتؐ ناطق بناتے تھے اور حیوان چونکہ ناطق کی جنس ہے اسلئے کہ جب تک کوئی چیز زندہ نہ ہو۔ ناطق نہیں ہوسکتی۔ اسلئے وہ حیوان بھی ہوگئیں۔ اور ظاہر ہے کہ ادراکات حیات کے لوازم ہیں اور ان لوازم کا ثبوت اس طرح ہوا کہ کنکریوں نے حضرتؐ کے دست مبارک کا ادراک کیا۔ اور جو مقصود حضرتؐ کا تھا اُس کی پوری طور سے تعمیل کی۔ اِس سے اُن کا مدرک ہونا بھی ثابت ہوا۔ اگر یہاں یہ کہا جاے کہ جمادات و نباتات کو ادراک نہیں ہوتا۔ اور یہاں کنکریوں کا تسبیح کہنا معجزہ تھا۔ جس کا وجود اُن سے ظہور میں آیا۔ خواہ اُن کو ادراک ہو یا نہ ہو۔

اُسکا جواب یہ ہے کہ دوسرے احادیث سے ثابت ہے کہ پتھر اور درخت

حضرتؐ پر سلام کرتے اور خدا تعالیٰ سے درخواست کرکے سلام کو آتے تھے جیساکہ سیرۃ النبویہ صـ۲۹۱ میں یعلی ابن مرہ رضؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ کسی سفر میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ایک مقام میں حضرتؐ فروکش ہو کر آرام فرماے۔ ایک درخت زمین کو چیرتے ہوے آیا اور حضرتؐ کو گھیر لیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرتؐ کا طواف کرکے اپنے مقام پر چلا گیا جب حضرتؐ بیدار ہوے میں نے یہ واقعہ عرض کیا۔ فرمایا اُس درخت نے خدا تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھپر سلام کرے۔ چنانچہ اُسکو اجازت ملی۔ انتہیٰ

اس سے اُس درخت کا ادراک ثابت ہوتا ہے کیونکہ پہلے اُس نے آنحضرتؐ کو پہچان لیا کہ آپ رسول اور مقبول بارگاہ الٰہی ہیں۔ اُسکے بعد یہ بھی سمجھا کہ حضرتؐ پر سلام عرض کرنا باعث سعادت ہے۔ پھر بارگاہ الٰہی سے اجازت طلب کرنی اور بعد اجازت سلام اور طواف کرنا یہ سب امور ایسے ہیں کہ بغیر ادراک کے اُن کا وجود ممکن نہیں۔

اور سیرۃ النبویہ صـ۲۹۳ میں علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرتؐ کے ساتھ مکہ میں رہا کرتا تھا۔ ایک وقت ہم کسی طرف نکل گئے دیکھا کہ جو درخت یا پتھر سامنے آتا وہ عرض کرتا السلام علیک یا رسول اللہ انتہیٰ۔

اسی قسم کے اور روایتیں بکثرت وارد ہیں غرض کہ جمادات ونباتات کا ادراک بہت سے روایتوں سے ثابت ہے جو حد تواتر معنوی کو پہنچگئے ہیں۔

سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ ابو طالب رض کہتے ہیں کہ ذی المجاز عرفہ کے قریب ایک بازار تھا کہ جاہلیت میں لوگ وہاں جمع ہوا کرتے تھے۔ میں وہاں گیا۔ مجھے وہاں پیاس لگی۔ میں نے اپنے بھتیجے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ سواری سے اُتر گئے۔ اور کہا اے چچا کیا تم پیاسے ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ انھوں نے زمین پر اپنی ایڑی ماری یکایک پانی نکل آیا۔ اور کہا کہ اے چچا پیو۔ انتہی ملخصًا۔

ظہور چشمہ زیر قدم نبوی

یہ قدم مبارک کا اثر تھا کہ زمین نے قدم مبارک کے اشارے کو سمجھکر پانی کا چشمہ بہا دیا۔

سیرۃ النبویہ میں انس رضہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح زینب بنت جحش رضہ سے ہوا۔ تو میری ماں ام حکیم نے کہا کہ ہم اسوقت کچھ ہدیہ حضرتؐ کی خدمت میں بھیجیں تو اچھا ہوگا۔ میں نے کہا مناسب ہے وہ اُٹھیں اور حَیس جو کھجور اور گھی اور پنیر سے بنایا جاتا ہے تیار کر کر ایک برتن میں ڈالا اور مجھ سے کہا کہ حضرتؐ کی خدمت میں پہنچا کر یہ عرض کرو کہ میری ماں نے یہ آپ کی خدمت میں بھیجا اور سلام عرض کیا ہے۔ حضرتؐ نے فرمایا اس برتن کو رکھدو اور جا کر فلاں فلاں شخصوں کو بلا لاؤ اور اُن کے سوا جن سے ملاقات ہو اُن کو دعوت دے دو۔ چنانچہ تین سو سے زیادہ آدمی جمع ہوگئے حضرتؐ نے اُس کھانے پر ہاتھ رکھکر کچھ فرمایا اسکے بعد دس دس آدمی کو بلاتے

کھانے میں برکت

اور اُن سے فرماتے کہ بسم اللہ کہکر اپنے سامنے سے کھاؤ۔ چنانچہ سب لوگوں نے بسیری تمام کھا لیا۔ پھر مجھ سے فرمایا اے انس رضؓ اسکو اُٹھاؤ۔ میں نے اُٹھایا۔ مگر مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ جس وقت رکھا تھا وہ زیادہ تھا یا جس وقت اُٹھایا وہ انتہیٰ ملخصاً۔ تھوڑا سا کھانا جو تین چار آدمی کے لئے کفایت کر سکے اُس کا تین سو سے زیادہ لوگوں کو کفایت کرنا کس قدر حیرت انگیز ہے۔ مگر وہاں ایک معمولی بات ہوگئی تھی۔ کیونکہ بارہا اس قسم کے واقعات صحابہ دیکھ چکے اور ہمیشہ دیکھتے تھے اس لئے جو تعجّب ہونا چاہئے تھا اُن کو نہ ہوا۔ اور سوا چند صحابہ کے اُن تین سو شخصوں میں سے کسی نے ذکر نہیں کیا جس طرح معمولی دعوتوں کا ذکر نہیں کیا جاتا اب اس لحاظ سے کہ کل راویوں سے یہ معجزہ مروی نہیں قابل اعتبار نہ ہو تو بخاری وسلم کے اعتبار میں خلل آجائیگا۔ کیونکہ اُن میں یہ روایت موجود ہے اگر یہ روایت صحیح نہ مانی جاوے تو بخاری وسلم وغیرہ کی روایت کو غیر معتبر کہنا پڑیگا جو خلاف مذہب اہل سنت وجماعت ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ دوسرے ایک جماعت کثیر سے یہ روایت مروی ہو۔ مگر جو حدیثیں کہ تلف ہوگئیں اُن میں یہ روایتیں بھی تلف ہوگئیں ہوں۔ کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ بہت سی روایتیں تلف ہوگئیں جسکا حال ہم نے حقیقۃ الفقہ میں بیان کیا ہے۔ اسی قیاس پر دوسرے معجزات کی روایتوں کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔

اس حدیث شریف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام کُن عطا ہونا ثابت ہوتا ہے

تھوڑا کھانا حضرتؐ کی شرکت سے بابرکت ہونا سے کل صحابہ کو کافی ہو کر بچ رہنا۔

خصائص کبریٰ میں صہیبؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضرتؐ کے لئے تھوڑا کھانا پکایا۔ اور بلانے کے لئے حاضر ہوا۔ دیکھا تو صحابہ کی ایک جماعت کثیر میں تشریف رکھتے ہیں۔ مارے شرم کے کچھ کہہ نہ سکا۔ اور خاموش کھڑا رہا جب حضرتؐ نے میری طرف دیکھا میں اشارے سے کھانے کو چلنے کے لئے عرض کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ اور یہ لوگ۔ میں نے کہا۔ نہیں حضرتؐ خاموش ہو گئے۔ اور میں اسی مقام میں کھڑا رہا۔ پھر جب حضرتؐ نے میری طرف نظر کی۔ میں نے وہی مضمون اشارے سے پھر ادا کیا۔ اور حضرتؐ خاموش رہے۔ اور دو کر یا تیسرے وقت میں نے حضرتؐ کے جواب میں کہا۔ بہت اچھا۔ یعنی اُن کو بھی لے چلئے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا کہ خاص آپ کے لئے تھوڑا سا کھانا پکایا ہے۔ حضرتؐ اُن سب صحابہ کے ساتھ تشریف لے گئے۔ اور سب نے اچھی طرح سے کھایا۔ اور کھانا بچ رہا۔ انتہیٰ۔

بار بار صہیبؓ کا اصرار کہ تنہا تشریف لے چلیں اور آنحضرتؐ کا ہر بار انکار کہ جب تک سب صحابہ نہ چلیں میں تنہا نہ آؤنگا۔ ایک عجیب لطف خیز واقعہ ہے۔ بظاہر جب مدعو صرف حضرتؐ تھے۔ صہیب رضؓ کا حق تھا کہ اُن کو ہمراہ لانے کی اجازت نہ دیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اصرار اُن کے برخلاف گو اُن کا جواب تھا کہ تم اُن کو اپنے گھر سے کھانا تھوڑا ہی کھلاؤ گے۔ وہ تو ہمارے طفیلی ہیں۔ ہم اپنے حصے میں سے اُن کو کھلا دیں گے۔ جسمیں کوئی تمہارا حق نہیں

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اُن سب صحابہ کو حضرتؐ نے اپنے حصے میں شریک کرکے بسیری تمام کھلا دیا۔ اور صاحبِ دعوت بھی نیک نام ہوگئے۔

ہر چند کسی کے طفیل میں کسی چیز کو حاصل کرنا بدنما سمجھا جاتا ہے۔ اور غیور طبائع اُسکو پسند نہیں کرتے۔ مگر ایسی طفیلیت اگر حاصل ہو تو غیور طبائع کو بھی ناگوار نہیں ہوسکتا۔ جب ایک غریب صحابی کی دعوت میں آنحضرتؐ نے بغیر طفیلیوں کے تشریف لیجانے کو گوارا نہیں فرمایا تو خدا تعالیٰ جو غنی مطلق ہے اُس کے خوانِ نعمت پر تنہا جانے کو حضرتؐ کیونکر گوارا فرما دیں گے۔ اور ہمیں قوی اُمید ہے کہ ہم طفیلیوں کو بارگاہ الٰہی میں شعر

کہ باشند مشتے گدایانِ خیل

بمہمانِ دار السلامت طفیل

ضرور حضرت ہمراہِ رکاب رکھیں گے۔ مگر یاد رہے کہ طفیلی ہونا بھی آسان نہیں۔ صرف زبان سے کہدینا کافی نہیں ہوسکتا۔ اور دلی عقیدت اور نسبت طفیلیت ثابت ہونے کی ضرورت ہے۔

یہاں ایک بات اور معلوم ہوئی کہ ہر فعل آنحضرتؐ کا سُنت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اس قسم کے امور خصوصیات حضرتؐ سے تھے۔ حضرتؐ کو اس بات کا اطمینان تھا کہ تھوڑا کھانا سب کو کافی ہو جائیگا۔ بخلاف اس کے بعضے مشائخین ہمارے زمانے کے کسی کی دعوت میں جب تشریف لیجاتے ہیں تو اکثر طفیلیوں کو ہمراہ لیجاتے ہیں

جس سے صاحبِ دعوت پر ایک مصیبت ہوتی ہے کہ اگر اُن طفیلیوں کو کھانا کھلایا جائے تو دعوتی لوگ بھوکے رہ جاتے ہیں۔ اور اگر نہ کھلایا جائے تو حضرت خفا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایسے طفیلیوں کی شان میں حدیث شریف وارد ہے۔ جسکا مضمون یہ ہے "کہ وہ جو کھاتے ہیں حرام ہے اور وہ کھانے والے غاصب اور سارق ہیں" (مشکوٰۃ شریف)

دیکھئے کس قدر فرق ہے کہ وہاں تو طفیلیوں پر رحمت تھی۔ اور یہاں طفیلیوں پر لعنت ہے۔ غرض کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کام سنت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ بعض صورتوں میں اُن پر عمل کرنا گناہ ہو جائے گا۔

معجزہ حضرت صلعم سے بغیر ثمر قرضہ ادا ہوا۔

سیرۃ النبویہ میں جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ جب جنگ اُحد میں اُن کے والد شہید ہوئے تو اُن کے قرضداروں نے تقاضا کیا۔ اُنھوں نے اپنے والد کا باغ و نخلستان اُن کے قرضے میں دینا چاہا۔ مگر چونکہ قرضہ بہت تھا اور کئی سال میں بھی اُس سے ادا نہیں ہوسکتا تھا اسلئے انھوں نے قبول نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضخواہوں کے پاس سفارش بھی کی۔ مگر چونکہ وہ یہود تھے راضی نہ ہوئے حضرت نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کھجوریں توڑ کے درختوں کے تلے اُن کے ڈھیر لگا دو۔ اُس کے بعد آنحضرت اُس زمین میں جہاں خرما کے ڈھیر لگا دئے تھے چلے اور دعا کی کہ اُن میں برکت ہو۔ جابر رضی اللہ عنہ نے قرضداروں کو

دینا شروع کیا اور اتنا دیا کہ اُن کا قرض پورا ادا ہو گیا۔ اور وہ خرمے اِس قدر باقی رہے جو ہر سال اُن کے تصرف میں آتے تھے۔ یہود کو اُس سے تعجب ہوا۔ جابر رضؓ سے حضرتؐ نے فرمایا کہ ابوبکر اور عمر رضؓ کو اِس واقعہ کی خبر دے دو۔ انتہیٰ۔

یہ قدمِ مبارک کی برکت ہے کہ جو قرضہ سالہا سال کی پیداوار میں اُس کا ادا ہونا مشکل تھا۔ کل ادا ہو گیا۔ اور اس قدر کھجوریں باقی رہیں جو ہر سال اُن کو ملا کرتی تھیں۔ گویا ادائی قرضہ میں اُنھوں نے گھر سے کچھ بھی نہ دیا۔ کیونکہ جتنی کھجوریں اُن کو ہر سال ملتی تھیں ملیں اور قرضہ کثیر جس کی ادائی سالہا سال میں ہونی دشوار تھی مفت میں ادا ہو گیا۔ یہاں یہ امر بھی توجہ کے قابل ہے کہ اس قدرتی ادائی کے بعد آنحضرتؐ نے جابر رضؓ کو فرمایا کہ ابوبکر اور عمر رضؓ کو اُس کی خبر کر دو۔ ظاہراً کسی قسم کی ضرورت اُن حضرات کے معلوم ہونے کی کوئی نہ تھی۔ کیونکہ وہ اس معاملہ میں نہ ضامن تھے نہ اس ادائی کے محرّک۔ ادنے تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ آنحضرتؐ کو منظور تھا کہ خاص طور پر اُن کو اس معاملہ کی اطلاع ہو۔ کیونکہ قاعدہ کی بات ہے کہ جب ایسا کوئی فعل ظہور میں آتا ہے تو مقتضائے طبیعت بشری ہے کہ اپنے دوست کو اس امر کی اطلاع کر کے خوش کیا جائے۔ بخلاف اس کے کہ کسی شخص کا دل اپنے سے صاف نہ ہو تو ایسے خوش کن معاملات کی اطلاع دینے کو

جی نہیں چاہتا۔ کیونکہ وہ ایسے امور میں بجائے خوش ہونے کے ایسے توجیہات اور تاویلات کرتا ہے۔ جس سے وقعت اس معاملے کی گھٹ جاتی ہے اسکا تجربہ باآسانی یوں ہوسکتا ہے کہ آنحضرتؐ کے فضائل کسی مجلس وعظ میں بیان کئے جائیں تو جن لوگوں کو آنحضرتؐ کے ساتھ عقیدت اور محبت ہے وہ تھاتے دیتے خوش ہوں گے۔ اور جن لوگوں کے دل میں صفائی نہیں انکے چہروں سے یہ بات نمایاں ہوگی کہ اُس بیان کو پسند نہیں کرتے بلکہ بعض راست گو تو صاف کہدیں گے کہ وعظ کو ان چیزوں سے کیا تعلق۔ اُس میں تو احکام بیان کرنا چاہیئے۔ تاکہ مسلمانوں کو کچھ فائدہ اور عمل کی توفیق ہو۔ ایک حد تک یہ خیالات بھی صحیح ہیں۔ اور واعظوں کو اس کا خیال رکھنا ضرور ہے مگر یہ کہنا بھی درست نہ ہوگا کہ حضرتؐ کے فضائل بیان کرنے سے مسلمانوں کو فائدہ نہیں۔ کیونکہ جب اپنے نبی کے فضائل اور معجزات وہ سنیں گے تو اُن کی محبت بڑھے گی۔ جو باعث تکمیل ایمان ہے اور جب ایمان اور محبت کامل ہو تو عمل کرنا بھی آسان ہوجائے گا۔ کیونکہ اپنے محبوب کی اطاعت کرنا انسان بلکہ حیوان کا بھی مقتضائے طبع ہے۔ غرض کہ جو لوگ آنحضرتؐ کے فضائل میں کلام کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حضرتؐ ہمارے بھائی تھے۔ جس سے مقصود یہی ہوسکتا ہے کہ حضرتؐ کے مرتبے کو لوگوں کے خیال میں پست کرکے اپنے ساتھ مساوی ثابت کریں۔ اُن کو حضرتؐ کے

فضائل سننے سے وحشت ہوتی ہے اور وجوہات قائم کر کے اُس سے لوگونکو روک دینا منظور ہوتا ہے - الحاصل آنحضرتؐ نے یہ واقعہ صدیق اکبرؓ اور عمرؓ فاروق سے ذکر کرنے کو فرمایا تاکہ وہ خوش ہوں - ہرچند کل صحابہ ایسے واقعات سے نہایت خوش ہوتے تھے - مگر حضرتؐ نے اُن دونوں صاحبوں کی تخصیص اس وجہ سے کی کہ بہ نسبت اوروں کے ان حضرات کو زیادہ تر خصوصیت حاصل تھی - اس تخصیص سے دونوں صاحبوں کی فضیلت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے

معجزۂ دودھ دوہنا

سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ کم عمری میں عقبہ بن ابی معیط کے بکریاں چراتے تھے - ایک بار اُن پر آنحضرتؐ اور ابو بکرؓ کا گذر ہوا - حضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ تمھارے پاس دودھ ہے کہا ہاں لیکن میں امانت دار ہوں - حضرتؐ نے فرمایا کہ ایک ایسی بکری لاؤ جس پر نر نہ چڑھا ہو - میں ایک کم عمر بکری لایا - حضرتؐ نے اُس کے پاؤں باندھے اور اُس کے تھن پر دست مبارک پھیرا اور ابو بکرؓ ایک برتن لائے اور اُس میں اُسکا دودھ دوہا - حضرتؐ نے اُن سے فرمایا کہ پیو اُسکے بعد تھن کے طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ سمٹ جا چنانچہ وہ فوراً سکڑ گیا - یہی واقعہ عبد اللہ ابن مسعود کے اسلام کا سبب ہوا - انتہیٰ -

معجزۂ تھن کا سمٹ جانا

باوجودیکہ عقبہ کی بکری کا یہ دودھ تھا مگر اس کی ملک نہ تھا - ورنہ حضرتؐ کبھی اُس میں تصرف نہ فرماتے - کیونکہ اُس کی تخلیق بطور عادت نہیں ہوئی تھی - بلکہ

بغیر توالد کے وہ دودھ پیدا ہو گیا تھا جس کا سبب صرف آنحضرتؐ کا دست مبارک تھا۔ نہ معمولی ذرائع۔ بیش ازیں نیست کہ وہ بکری اُس قدرتی دودھ کا ظرف ہوئی تھی۔ اگر کہا جاسے کہ کل بکریاں دودھ کے ظرف ہی ہوتی ہیں اور دودھ مخلوقِ الٰہی ہے۔ پھر مِلک حضرتؐ کی کیسی۔ اس کا جواب یہ ہے چونکہ تخلیق خاص قسم کی ہوئی۔ اس لئے احکام ملک بدل گئے۔ اور وہ دودھ آنحضرتؐ کی مِلک ہو گیا۔ کیونکہ حق تعالےٰ نے آنحضرتؐ کے دست مبارک کو اُس کا واسطہ قرار دیا۔ اس کا حال بعینہ اُس پانی کا سا ہے جو بھری پکھال سے بتصرف نبوی جاری ہوا۔ حالانکہ وہاں پانی اُس عورت کی مِلک تھا۔ جو پکھال میں بھر کر گھر لے جارہی تھی۔ جسکا حال اسی رسالہ میں معلوم ہوگا۔ ہر چند بظاہر پانی بھری پکھال میں سے گر رہا تھا۔ مگر یہ پانی جو حضرتؐ کی مِلک میں تھا جس کے پینے اور مشکیں بھرنے کی اجازت آپ نے دی تھی۔ وہ پانی اُس مشک کے پانی سے بالکل علٰحدہ تھا۔ کیونکہ اگر سابق کا پانی اُسکے ساتھ مخلوط ہوتا تو حضرتؐ اُس میں ہرگز تصرف نہ فرماتے۔ اسلئے کہ اپنی اور غیر کی مِلک جب مخلوط ہوجاتی ہے تو مقتضائے تقویٰ یہی ہے کہ اُس میں مالکانہ تصرف نہ کیا جاسے۔ غرض کہ جس طرح حضرتؐ نے تصرف سے نیا پانی اُس مشک میں پیدا فرمایا اسیطرح اس کا بھی انتظام فرمادیا کہ وہ پانی باوجود شدت اتصال کے اُس میں مخلوط نہ ہونے پائے۔ اور یہ کوئی مستبعد امر نہیں۔ قدرتی معاملات سب ایسے ہی ہوتے ہیں

دیکھئے دماغ میں جو رطوبت ہوتی ہے اُس میں تین چار نہریں بہتی ہیں۔ جو منہ میں آتی ہے اُس کا ذائقہ شیریں ہوتا ہے۔ اور جو آنکھ میں آتی ہے اُسکا ذائقہ ہی جدا ہے۔ اور جو ناک میں آتی ہے اُسکا ذائقہ ہی کچھ اور ہے۔ اور کبھی کانوں سے بھی پانی نکلتا ہے اُس کا ذائقہ ہی دوسرا ہے۔ باوجود باہمی اختلاط کے جو دماغ میں ان کو تھا ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس کالبد انسانی میں اگر غور کیا جائے تو اس قسم کے تعجب خیز صدہا امور پیش ہو جائیں گے۔

چند روٹیوں میں برکت

سیرۃ النبویہ میں انس رضؓ سے روایت ہے کہ ایک روز ابو طلحہ رضؓ نے اپنی بیوی ام سلیم رضؓ سے کہا کہ آج آنحضرت صلعم کی آواز میں نے سنی اُس میں بھوک کی وجہ سے کچھ ضعف پایا جاتا تھا۔ کیا تمھارے پاس کوئی چیز ہے۔ جسکو حضرت صلعم تناول فرماویں اُنھوں نے کہا ہاں۔ اور چند روٹیاں جَو کی نکالیں اور ایک کپڑے میں لپیٹ کر اپنے فرزند انس رضؓ کے بغل میں چھپادیں اور کہا کہ حضرت صلعم کی خدمت میں لے جاؤ۔ انس رضؓ کہتے ہیں کہ وہ لیکر میں چلا۔ دیکھا کہ حضرت صلعم مسجد میں تشریف رکھتے ہیں۔ اور آپ کے ساتھ بہت لوگ ہیں۔ میں سلام عرض کر کے کھڑا ہو گیا۔ حضرت صلعم نے فرمایا کیا ابو طلحہ رضؓ نے تمھیں بھیجا ہے میں نے عرض کیا ہاں۔ پھر فرمایا کیا کھانے کے لئے۔ عرض کیا ہاں۔ یہ سُنتے ہی حضرت صلعم نے تمام صحابہ سے فرمادیا کہ چلو۔ چنانچہ حضرت صلعم اور آپ کے ساتھ

ستر یا اسی آدمی روانہ ہوئے۔ میں نے نہایت غم کی حالت میں آگے جا کے
ابوطلحہ رضؓ کو اس واقعہ کی خبر دی۔ یہ سنکر انھوں نے کہا اے انس رضؓ تو نے
ہمیں رسوا ہی کر دیا۔ اور پتھر مجھ پر پھینکنے لگے۔ پھر ام سلیم رضؓ سے کہا کہ حضرتؐ
بہت لوگوں کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں
جو ان سب کو کھلا سکیں۔ انھوں نے کہا خدا اور خدا کا رسول ہماری حالت کو
خوب جانتا ہے۔ ابوطلحہ رضؓ حضرتؐ کے استقبال کے لئے آئے اور عرض کی
کہ میں نے انس رضؓ کو اس غرض سے بھیجا تھا کہ صرف آپ کو بلا لائیں کیونکہ ہمارے
پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ ان سب کو کھلا سکیں۔ فرمایا اللہ اسی میں برکت
دیگا۔ اور حضرتؐ ابوطلحہ رضؓ کو لیکر ام سلیم رضؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا
اے ام سلیم تمھارے پاس جو کچھ ہو لے آؤ۔ وہ وہی روٹیاں لائیں جو
انس رضؓ کے ساتھ بھیجی تھیں۔ حضرتؐ نے ان کو ٹکڑے کرنے کا حکم دیا اور فرمایا
کیا کچھ گھی بھی ہے۔ ابوطلحہ رضؓ نے کہا کپی میں کچھ تھوڑا سا ہے۔ چنانچہ
حضرتؐ نے اسکو اپنی انگلی سے روٹی پر چپڑ دیا اور وہ روٹی پھول گئی۔
اور بسم اللہ فرمایا۔ اسی طرح تمام روٹیوں کو گھی چپڑ دیا۔ اور سب پھول گئیں
اور وہ گھی بمنزلہ سالن ہو گیا۔ اور فرمایا دس دس شخصوں کو بلاتے جاؤ
چنانچہ ستر یا اسی آدمی نے سیری سے کھایا۔ اس کے بعد آنحضرتؐ نے
بھی گھر والوں کے ساتھ تناول فرمایا۔ اور اسکے بعد بھی کچھ بچا رہا جو پڑوسیوں

تقسیم کیا گیا۔ انتہیٰ۔

انسؓ کو اُسوقت اس امر کا غم تھا کہ والدین سمجھ گئے ہیں کہ میں نے حضرتؐ کی خدمت میں عرض کرنے میں کچھ غلطی کی۔ جس کی وجہ سے حضرتؐ مع صحابہ تشریف لائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابوطلحہ رضؓ نے اُن پر پتھر پھینکے اور صاف کہدیا کہ تم نے ہمیں رسوا کردیا۔ اُسوقت دفعتہً آنحضرتؐ کا جماعت کثیر کے ساتھ مکان پر کھانے کے لئے تشریف لے جانے نے اُن کے خیال کو اس طرف متوجہ کیا تھا کہ ایسے معزز مہمان کی سربراہی نہ ہونا کس قدر رسوائی اور ندامت کا باعث ہوگا۔ اور یہی خیال ترقی پذیر ہوا۔ اور فکر کی حالت طاری ہوئی۔ اور قاعدہ کی بات ہے جو حالت دل پر طاری ہوتی ہے اُسوقت کسی دوسرے امر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے اُن کو یہ خیال نہیں آیا کہ آنحضرتؐ اپنے تصرف سے سب کچھ اہتمام فرمالیں گے اور خاص وجہ اُس کی یہ تھی کہ انسؓ کو بھیجکر حضرتؐ کو توجہ دلائی گئی تھی جسمیں احتمال تھا شاید انسؓ نے عرض کرنے میں کچھ غلطی کی ہے۔ اس سے یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ آنحضرتؐ کے تصرف معنوی میں اُنھیں کچھ شک آگیا تھا اس کی نظیریں بہت ساری ملسکتی ہیں۔ دیکھئے غزوۂ بدر میں کفار کی کثرت اور شوکت کی وجہ سے آنحضرتؐ پر جو حالت اضطراری طاری تھی اور صدیقؓ نے حضرتؐ کو تسکین دی۔ اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آنحضرتؐ کو خدا تعالےٰ کے

ایفائے وعدہ میں کچھ شک آگیا ہو۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ بلکہ اُسوقت اُس حالتِ خاص کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے دوسری طرف کچھ توجہ ہی نہ ہوئی۔ پھر ام سلیمؓ نے جب استقلال کے ساتھ یہ کہا کہ حضرتؐ ہماری حالت کو خوب جانتے ہیں اُسوقت اُن کو تسکین ہوئی۔ اور حضرتؐ کو لینے کے لئے باہر آئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ صحابہؓ حضرتؐ کے علم غیب کے قائل تھے۔ اور بجائے اللہ اعلم کے اللہ و رسولہ اعلم کہنے میں اُن کو کچھ تامل نہ ہوتا۔ چنانچہ اکثر صحابہ کا دستور تھا کہ ایسے موقعہ میں اللہ و رسولہ اعلم کہا کرتے تھے۔ جیساکہ صحیح احادیث میں وارد ہے۔ بہرحال ابو طلحہؓ کی وہ حالت مقتضائے بشری تھی جس نے حالتِ ایمانی کو مغلوب کردیا تھا۔

سیرۃ النبویہ میں انسؓ سے روایت ہے کہ ایک بار مدینہ منورہ میں لشکرِ کفار آنے کی شہرت ہوئی۔ اور سب گھبرا گئے آنحضرتؐ ابو طلحہؓ کے گھوڑے پر سوار ہوکر بنفس نفیس واقعہ دریافت کرنے کے لئے روانہ ہوئے۔ جب واپس تشریف لائے تو ابو طلحہؓ سے فرمایا کہ تمھارے گھوڑے کو ہم نے دریا پایا یعنی نہایت تیز رفتار حالانکہ یہ گھوڑا بہت سست اور منٹھا تھا حضرتؐ کے سوار ہونے کے بعد وہ ایسا تیز رفتار ہوگیا کہ کوئی گھوڑا دوڑ میں اُسکا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ انتہیٰ۔

گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا۔

یہ برکت آنحضرتؐ کی سواری کی تھی کہ اُسکے اعصاب اور استخواں وغیرہ میں

گویا نئی روح پھونکی گئی اور جو اُس کا مقتضائے طبعی تھا وہ جا کر اس کی نئی طبیعت ہوگئی یہ سب جانتے ہیں کہ فطرت کسی چیز کی نہیں بدلتی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری نے اُس کی فطرت کو بدل دیا۔

شریر اونٹ کی طبع اور عادت بدل گئی

خصائص کبریٰ ص ۵ جلد دوم میں ثعلبہ ابن مالک سے روایت ہے کہ کسی شخص نے ایک اونٹ خرید کر کے اُس کو ایک محصور مقام میں داخل کیا۔ جب اُسے کام میں لگانا چاہا تو اُس نے شرارت شروع کی۔ جب کوئی نزدیک جاتا تو اُس پر حملہ کرتا۔ یہ بات آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ اور فرمایا دروازہ کھول دو۔ لوگوں نے عرض کی کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کرے۔ فرمایا کھولدو۔ چنانچہ دروازہ کھولدیا گیا۔ جب اونٹ کی نظر حضرتؐ پر پڑی تو فوراً سجدہ میں گر گیا۔ یہ دیکھکر قوم کو تعجب ہوا۔ اور عرض کی کہ جب یہ جانور آپ کو سجدہ کرتا ہے تو ہم زیادہ اس امر کے مستحق ہیں کہ آپکو سجدہ کیا کریں۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ اگر یہ سزاوار ہوتا کہ کوئی مخلوق کسی مخلوق کو سجدہ کرے تو عورت کو سزاوار ہوتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ اور اسی میں یہ روایت بھی ہے کہ

شریر اونٹ مطیع ہو گیا

بریدہؓ کہتے ہیں ایک انصاری نے آنحضرتؐ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ یارسول اللہ ہمارے یہاں ایک اونٹ ہے جو سخت حملہ کرتا ہے۔ اور کسی کی طاقت نہیں کہ اسکو نکیل لگا سکے۔ یہ سنتے ہی حضرتؐ اوٹھے اور ہم بھی حضرتؐ کے ساتھ

ہو گئے اور حضرتؐ نے وہاں پہنچکر دروازہ کھلوایا۔ اونٹ کسی قدر دور تھا جب حضرتؐ کو دیکھا تو نزدیک آکر سجدہ کیا اور گردن زمین پر رکھدی۔ حضرتؐ نے اُسکے سر کو پکڑکر رسّی طلب کی۔ اور اُسکو مہار لگاکر انصاری کے ہاتھ میں دیدیا ابوبکر اور عمرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ وہ پہچان گیا کہ آپ اللہ کے نبی ہو۔ حضرتؐ نے فرمایا کوئی چیز ایسی نہیں جو یہ نہ پہچانتی ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ صرف کفار جن وانس نہیں پہچانتے۔

اور اُسی میں انسؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری کا اونٹ سرکش ہو کر نکل گیا۔ انھوں نے کہا کہ وہ میری زمین سے اُس پار ہے۔ اور مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اُسکے نزدیک جا سکوں۔ اس ڈر کے مارے کہ وہ مجھے ہلاک کردیگا۔ حضرتؐ وہاں تشریف لے گئے۔ جب اونٹ نے حضرتؐ کو دیکھا تو آہستہ آہستہ آواز کرتا ہوا حضرتؐ کے روبرو آکر سجدہ میں گر گیا۔ اور گردن زمین پر رکھدی۔ اور اُس کے آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ حضرتؐ نے اُن انصاری سے فرمایا یہ اونٹ تمھاری شکایت کرتا ہے۔ اُسکے ساتھ اچھا سلوک رکھو۔ صحابہ نے یہ دیکھکر عرض کی یہ جانور جسکو عقل نہیں آپ کو سجدہ کرتا ہے ہم تو اُس سے زیادہ مستحق ہیں۔

اور اُسی میں انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کسی انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہ ابوبکر اور عمرؓ اور بہت سے انصار تھے

اُس باغ میں کئی بکریاں تھیں ۔حضرتؐ کو دیکھتے ہی بکریوں نے سجدہ کیا ۔ ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان بکریوں سے زیادہ تر ہمیں استحقاق اس امر کا ہے کہ آپ کو سجدہ کیا کریں ۔حضرتؐ نے فرمایا میری اُمت میں کسی کو سزاوار نہیں کہ دوسرے کو سجدہ کرے ۔ اگر ایسا ہوتا تو عورت کو حکم کرتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے ۔

سیرۃ النبویہ صـ۳۲۱ میں جابرؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں حضرتؐ کیساتھ غزوۂ ذات الرقاع میں تھا ۔میرا اونٹ تھک گیا ۔ اتفاقاً آنحضرتؐ تشریف فرما ہوے اور پوچھا کہ تمھارا کیا حال ہے ۔میں نے عرض کی کہ میرا اونٹ تھک گیا اس سبب سے میں پیچھے رہ گیا تھا ۔ یہ سُنکر حضرتؐ اوتر پڑے اور اپنی چھڑی اُس میں چبھوکر فرمایا اب سوار ہو جاؤ ۔ اس تحریک کے اثر سے اونٹ اسقدر چُست وچالاک ہو گیا کہ اُسکا روکنا مشکل ہوا ۔ پھر حضرتؐ نے اُسکو خرید لیا ۔ اور جب واپس مدینہ شریف تشریف لاے تو اُس کی قیمت معہ شئے زائد اُن کو دی ۔ اور وہ اونٹ بھی انہیں کو دے دیا ۔ انتہیٰ ۔

(حاشیہ: چھڑی کی تحریک سے اونٹ چست ہو گیا ۔ ۱۲ منہ)

یہ برکت اُسی چھڑی کی تھی جو آنحضرتؐ کے دست مبارک میں تھی ۔ گویا وہ چھڑی کا چبھونا اُس کی فطرت کو حرکت دینا تھا ۔یوں تو ہر جانور مارنے اور اذیت پہنچانے سے تیز رفتار ہو جاتا ہے ۔مگر اُسی وقت تک کہ اُس میں درد موجود رہے جسکا تعلق صرف جسم سے ہوتا ہے ۔ اور حضرت کا یہ فعل اُسکے جسم تک محدود نہ تھا

بلکہ اُس کی فطرت اور طبیعت پر عمل کرنے والا تھا۔

نظر نبوی

سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ جُعیل ابن زیاد کہتے ہیں کہ میں کسی غزوہ میں حضرتؐ کے ہمراہ تھا۔ میری سواری میں ایک ضعیف اور دُبلی گھوڑی تھی جو چل نہیں سکتی تھی۔ حضرتؐ نے جب مجھے دیکھا کہ میں بہت پیچھے رہ گیا فرمایا تمھاری کیا حالت ہے۔ میں نے عرض کی یہ گھوڑی دبلی اور ضعیف ہے جو چل نہیں سکتی۔ حضرتؐ کے دست مبارک میں جو چھڑی تھی اُس سے آپ نے اُسے مارا اور فرمایا بارک اللہ لک فیہا یعنی خدا تعالےٰ اُس سے متعلق برکت تمھیں عطا فرماوے۔ وہ کہتے ہیں کہ اُسکے بعد میں ہر وقت سب کے آگے رہتا۔ اور اُسے روک نہیں سکتا تھا۔ اور اُس سے اتنی اولاد ہوئی کہ اُن کی قیمت کے مجھے بارہ ہزار روپیہ ملے۔ انتہیٰ۔

دُبلی ضعیف گھوڑی بغیر اسکے کہ اُس کو راتب اور مصالح کھلایا جاوے صرف اشارے سے اسکا چالاک ہوجانا اور ہمیشہ کے لیے اُس کی چالاکی باقی رہنا تدبیر بشری سے خارج ہے۔ یہ خاص خدا تعالےٰ کا کام ہے مگر ہوا یہ کہ اِدھر آنحضرتؐ نے چھڑی ماردی اور اُدھر حق تعالےٰ اُس کی طرف متوجہ ہوگیا اور جب تک وہ زندہ رہی آناً فاناً اس کے قویٰ کو وہ وجود ملتا رہا جس سے چستی اور چالاکی ظہور میں آتی رہی۔ اور اسی طرح حق تعالےٰ کی توجہ خاص اسکی اولاد کی طرف مبذول رہی۔ تاکہ حضرتؐ نے جو برکت کی دعا دی تھی اُسکا اثر

پورے طور پر ہو۔ اگر غور کیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اس قسم کے واقعات سے بآسانی ثابت ہو سکتی ہے۔ اگر اُس کی تفصیل کی جائے تو خوف اس امر کا ہے کہ بعض الفاظ ایسے صادر ہو جائیں جو منافی آداب ہوں۔ اس لئے فقط وجدان پر حوالہ کر دیا جاتا ہے۔

سیرۃ النبویہ صفحہ ۳۲۲ میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک رات سخت تاریکی تھی۔ اور پانی برس رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے قتادہؓ کو درخت خرما کی ایک چھڑی دے کر فرمایا تم یہ لیکر جاؤ۔ یہ روشن ہو جائے گی اور اُس کی روشنی دس ہاتھ آگے اور دس ہاتھ پیچھے پڑے گی۔ جب تم اپنے گھر میں داخل ہو جاؤ گے تو ایک سیاہ چیز تمھیں نظر آئے گی۔ وہ شیطان ہے۔ اُسے اُس سے مارنا تاکہ وہ نکل جائے۔ قتادہؓ روانہ ہوئے۔ اور وہ شاخ روشن ہوگئی۔ اور گھر میں جاکر دیکھا تو حقیقت میں ایک سیاہ چیز تھی جسکو اُنھوں نے مارا۔ اور وہ گھر سے نکل گئی۔ انتہیٰ۔

دست مبارک کی برکت سے شاخ کا روشن ہونا اور اُس کے مارنے سے شیطان کا گھر سے نکل جانا بظاہر تعجب خیز امر ہے۔ مگر جب ہم دست مبارک کی اور برکتوں اور تاثیرات کو دیکھتے ہیں تو یہ امر چنداں قابل حیرت نہیں معلوم ہوتا اصل وجہ یہ ہے کہ دست مبارک میں ہر قسم کی قدرت دی گئی تھی۔ اسی وجہ سے جب حضرتؐ کسی کام کا ارادہ فرماتے اور اُس کو ہاتھ لگا دیتے تو دست مبارک سے

فوراً اُس کا ظہور ہو جاتا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ حضرتؐ کو اپنی امت کی کس قدر خیر خواہی منظور ہے۔ باوجودیکہ قتادہؓ نے کوئی شکایت نہیں کی کہ اپنے گھر میں شیطان یا آسیب ہے۔ مگر حضرتؐ نے اُس کا حال معلوم کر کے اُسکو دفع کرنیکی تدبیر بتلادی۔ بلکہ ایسی چیز اُن کو دی کہ اُس کے استعمال سے شیطان خود بھاگ گیا۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ قتادہؓ کا مکان حضرتؐ کے دولتخانہ سے فاصلہ پر تھا۔ اور جس وقت آپ نے شیطان کی خبر دی سخت تاریکی تھی۔ خصوصاً اُن کے گھر کے اندر تو روشنی کا گذر ہی نہ تھا۔ اُس پر شیطان کا سیاہ رنگ جس سے ظلمات بعضہا فوق بعض کا مضمون صادق آتا تھا۔ حضرتؐ کو اُس شیطان کا حال کیونکر معلوم ہوا ہوگا۔ یہ ممکن ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے آکر اُس کی خبر دی ہو کیونکہ وہ اسی کام پر مقرر تھے کہ بحسب ضرورت حق تعالےٰ کے پیام حضرتؐ کے پاس لادیں۔ مگر یہ معاملہ ایسا اہم نہ تھا کہ جبرئیل علیہ السلام کے تکلیف کرنے کی ضرورت ہو۔ اور نہ اُس سے متعلق کوئی شرعی حکم تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرتؐ نے اُسے دیکھ کر انتظام فرمادیا۔ یہ دیکھنا ایسا تھا کہ اس کو نہ دیوار حائل ہوتی تھی نہ تاریکی۔ اور نہ فاصلہ مانع تھا۔ جو بصارت ایسی ہو کہ ایک دیوار حائل ہونے پر بھی دیکھ سکے تو اُس کے لئے ہزار دیواریں بھی حائل نہیں ہوسکتی ہیں۔ کیونکہ دیکھنے کے لئے جو شروط تھے کہ خارجی روشنی ہو اور کوئی کثیف چیز حائل نہ ہو وہ یہاں نہیں پائے گئے۔ باوجود اسکے حضرتؐ نے اُس شیطان کو دور سے دیکھ لیا تو معلوم ہوا کہ

حضرتؑ کا دیکھنا دوسروں کے دیکھنے کے جیسا نہ تھا۔ اس صورت میں قرب و بُعد سے متعلق شرط بھی باقی نہ رہے گی۔ چنانچہ اس کی کئی نظیریں موجود ہیں۔ کہ حضرتؑ نے صدہا کوس کی خبریں دیں۔ جو مطابق واقع ثابت ہوئیں۔ انشاء اللہ کسی موقع میں اُن کا حال بھی بیان کیا جاوے گا۔

السیرۃ النبویہ صفحہ ۳۲۴ میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے قیس ابن زید کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اُن کے لئے دعا کی۔ جب اُن کا انتقال ہوا اُن کی عمر سو برس کی تھی۔ اور تمام سر کے بال سفید ہو گئے تھے۔ مگر جہاں حضرتؐ کا دست مبارک پہنچا تھا اُس میں کوئی تغیر پیدا نہ ہوا۔ اور اُن کا چہرہ روشن ہو گیا تھا۔ اسوجہ سے اُن کو لوگ اغر کہتے تھے۔ یعنی روشن چہرے والے۔ انتہیٰ۔

ہر چند ضعیفی میں بالوں کا سفید ہونا کوئی معیوب بات نہیں۔ بلکہ ضعیفی کی زینت اور وقار ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کو یہ دکھلانا منظور تھا کہ جن بالوں پر دست مبارک پہنچا تھا اُن پر امر طبعی کا دسترس نہ ہو سکا۔ حالانکہ وہ مقتضائے پیرانہ سری تھا اس سے حضرتؐ کی قدرت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فطرتی امور پر بھی غالب تھی

السیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قتادہؓ ابن ملحان کے منہ پر ہاتھ پھیرا۔ اُس کی وجہ سے اُن کے چہرے میں ایسی صفائی اور روشنی پیدا ہو گئی کہ اُن کے مقابل والا آدمی اُن کے چہرے میں اپنی صورت دیکھ لیتا تھا۔ انتہیٰ۔

ازالۂ اوہام حصہ دوم صفحہ ۷۵۹

تصرف کا ظہور بلا صلاحیت

یہاں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے جو مختلف آثار ظاہر ہوتے تھے شاید وہ بحسب استعداد مقامات ہوں جیسے آگ تر چیز کو جلاتی نہیں۔ اور خشک کو جلاتی ہے تو اُن میں بحسب استعداد محل روشنی میں مختلف رنگ نمودار ہوتے ہیں۔ اور کسی چیز کو پگلا دیتی ہے، اور کبھی پتلی چیز کو گاڑھی کردیتی ہے، جیسے انڈے کی زردی و سفیدی کو، اور کسی میں اُسکا کچھ اثر نہیں ہوتا جیسے ابرک کو بالکل نہیں جلاتی۔ اور کسی کو جلا کر سیاہ کردیتی ہے جیسے گھانس وغیرہ کو۔ یہ سب آثار ہر چند آگ کے ہیں۔ مگر قابلیت مادہ کے لحاظ سے مختلف طور پر اُن کا ظہور ہوتا ہے مگر ادنےٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ یہاں استعداد کو کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ دست مبارک کی تاثیر سے چھڑی تلوار ہوگئی۔ اور اس قسم کے مختلف آثار ظاہر ہوئے۔ حالانکہ چھڑی میں نہ لوہا بننے کی صلاحیت ہے نہ استعداد۔ بلکہ اس صورت میں یہی کہنا پڑیگا کہ دست مبارک کا اثر حضرت کے ارادے کے تابع تھا۔ اُس میں مادہ کی ذاتی صلاحیت اور عدم صلاحیت کو کوئی دخل نہیں۔

رونق چہرہ و فزونی عقل

السیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ زینب بنت سلمہؓ حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اُس حالت میں کہ آپ غسل فرما رہے تھے۔ حضرتؐ نے اُن کے منہ پر پانی چھڑکا اُسوقت سے اُن کا چہرہ رونق دار ہوگیا۔ اور بڈھاپے میں بھی جوانی کی رونق اُن کے چہرے پر رہی۔ اور نہایت عقلمند اور سمجھدار سمجھی جاتی

تھیں۔ انتہیٰ۔

دست مبارک کا اثر پہنچانے کے لئے پانی صرف ایک واسطہ تھا۔ کیونکہ پانی یا پونچ ڈالا گیا ہوگا یا سوکھ گیا ہوگا۔ مگر اس کے معدوم ہونے پر بھی اثر دست مبارک معدوم نہ ہوسکا۔ بلکہ سالہا سال اُن کے چہرے میں باقی رہا۔ کیونکہ ضعیفی کے آثار بحسب اقتضائے طبع چہرہ پر نمایاں ہوتے رہتے ہیں۔ اور رطوبات خشک ہونیکی وجہ سے پیرانہ سالی میں جس قسم کی شکل بنتی ہے۔ ظاہر ہے آنکھیں ڈونگی ہوجاتی ہیں۔ رخسار کی ہڈیاں ابھر آتی ہیں۔ پوست ڈھیلا ہوکر جھریاں پڑجاتی ہیں غرض کہ کیسا ہی خوبصورت انسان ہو ضعیفی میں ایسا بدشکل ہوجاتا ہے کہ اُسکو دیکھنا جی نہیں چاہتا۔ مگر دست مبارک کا کیسا اثر تھا کہ اُن آثارِ طبعی کو روک کر جوانی کے آثار قائم کرتا رہا۔ ہر چند اطباء نے بہت سی دوائیں تجویز کی ہیں کہ پیرانہ سالی میں چہرے کی ہیئت نہ بدلے مگر یہ ممکن نہیں کہ جوانی کی آب و تاب اُن سے باقی رہ سکے یہ خصوصیت حضرتؐ ہی کے دست مبارک کے اثر کو تھی کہ تاثیر اخلاط و عناصر کو ہٹا کر اپنا پورا پورا رنگ جما لیا۔

السیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ ابوہریرہؓ نے شکایت کی کہ نسیان کی وجہ سے مجھے کچھ یاد نہیں رہتا۔ حضرتؐ نے فرمایا کہ ایک کپڑا بچھاؤ۔ جب بچھایا تو آپ نے اُس میں ایک پَسْتو ڈالا جبیں ظاہرا کوئی چیز نہ تھی۔ پھر فرمایا کہ اسکو سمیٹ لو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا۔ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ اُسکے بعد میں نے

قوت حافظہ کا ترقی پانا

کوئی بات نہیں بھولی - اور صحابہ میں مجھ سے زیادہ احادیث کو یاد رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ البتہ عبداللہ ابن عمرو کو بہت سی حدیثیں یاد تھیں - اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مجھ سے پہلے اسلام لا چکے تھے اور اُن کو لکھنا آتا تھا۔ اور مجھے نہیں آتا تھا انتہیٰ حضرتؐ کی بظاہر یہ حرکت اسی قسم کی تھی کہ دیکھنے والوں کی عقل اُسکی ادراک میں متحیر ہو گئی ہو گی کہ خالی ہاتھ سے کپڑے میں کوئی چیز ڈالدینا کیا بات ہے مگر جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی شکایت رفع ہو گئی اور اس قدر انکا حافظہ قوی ہو گیا کہ اُن کے جیسے حافظہ والا کوئی نہ تھا تو اُن دیکھنے والون کو یقین ہو گیا ہو گا کہ حضرتؐ کا پَسّو خالی نہ تھا۔ بلکہ اُس میں قوت حافظہ بھری ہوئی تھی - اب یہی یہ بات کہ قوت حافظہ کوئی ایسی چیز نہیں جو کسی کے ہاتھ میں آوے اور اُس سے منتقل ہو کر دوسرے کے دماغ میں جاوے۔ سو یہ بھی عقل سے خارج ہے۔ مگر جب اس کا مشاہدہ اُن حضرات کو ہو گیا کہ اِدھر حضرتؐ نے اپنے ہاتھ سے اُن کے کپڑے میں ڈالا۔ اور اُدھر اُن کی قوت حافظہ بڑھ گئی - تو اب اُسکے یقین کرنے میں اُن کو ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ مشاہدہ سے بڑھ کر یقین دلانے والی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ البتہ سُننے والوں کو اُس میں ضرور حیرانی ہوتی ہے۔ کیونکہ اُن کو اس امر کا مشاہدہ نہیں ہوا اور یہ بات ایسی ہے کہ اس قسم کی بات دیکھی نہیں جاتی جس پر قیاس کرنے کا موقع حاصل ہو۔ کیونکہ عقل کی جولانی دائرۂ محسوسات میں محدود ہے۔ اگرچہ قوت حافظہ بھی محسوسات میں

پہلے صفحہ کا مضمون دوسرے صفحہ میں نہ ہوگا۔ اگر کوئی بات اُس میں دیکھنا منظور ہو تو صدہا بلکہ ہزارہا ورق اُلٹانے کی ضرورت ہوگی۔ بخلاف اُس کے دماغ میں جو جو چیزیں محفوظ ہیں اُن کی یہ حالت ہے کہ جس وقت جو مضمون نکالنا چاہیں کتنے ہی مدت کا واقعہ کیوں نہ ہو فوراً پیشِ نظر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جو مضمون دماغ میں جمتے جاتے ہیں ایک کے بعد ایک آتے جاتے ہیں۔ مقتضائے عقل تو یہ تھا کہ جس طرح کتاب کی ورق گردانی کر کے ایک مضمون نکالا جاتا ہے۔ یہاں بھی اسیطرح تفحص کیا جاتا۔ اسمیں شبہ نہیں کہ عادت ہونیکی وجہ سے ایسے امور کی طرف خیال نہیں کیا جاتا مگر تدبّر اور فکر سے کام لیا جائے تو اسمیں عقل ضرور حیران ہوگی۔ اس حیرانی کو دور کرنے کے لئے سوائے اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ یہ کہدیا جائے کہ خدائتعالےٰ نے قوت حافظہ کی تخلیق ہی اس طرح سے کی ہے۔ جب خدائتعالےٰ کی تخلیق پر محول کر دینے سے عقل کی حیرانی کسی قدر کم ہو جاتی ہے تو اس حدیث کے مضمون میں بھی اگر خدائتعالےٰ کی قدرت پر حوالہ کر دیا جائے اور رکھا جائے کہ حق تعالےٰ نے جس طرح قوت حافظہ کو عجیب الخلقت بنا کر دماغ میں رکھا اسی طرح اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں رکھا۔ اور حضرتؐ نے ابوہریرہؓ کے دماغ میں رکھدیا تو عقل کی حیرانی اور تشویش ضرور کم ہو جائے گی۔ بات یہ ہے کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے۔ جس کو ہر شخص نہیں جان سکتا۔

حقیقت ہر شے

اس کا ثبوت کئی حدیثوں سے ہوتا ہے۔ جن میں سے چند حدیثیں بیان کی جاتی ہیں۔ خصائص کبریٰ میں ام طارق رضہ سے روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلعم سعد رضہ کے مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ میں نے دروازہ پر ایک آواز سنی کہ کوئی اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے اور وہاں کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ حضرت نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا میں ام ملام ہوں یعنی (تپ) آپ نے فرمایا لا مرحبا ولا اھلا۔ یعنی نہ تو مرحبا کہنے کے لائق ہے نہ اہلا کے۔ پھر فرمایا کیا تو اہل قبا کے طرف جانا چاہتی ہے۔ کہا ہاں۔ فرمایا اچھا جا۔ انتہی۔

اور خصائص کبریٰ میں سلمان فارسی رضہ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت دینے سے تپ حاضر خدمت ہوئی۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ کہا تپ ہوں میں گوشت کو قطع کرتی ہوں اور خون کو چوس جاتی ہوں۔ فرمایا کہ اہل قبا کے یہاں جا۔ چنانچہ وہاں گئی۔ چند روز کے بعد اہل قبا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے جن کے چہرے تپ کی وجہ سے زرد ہو گئے تھے اور تپ کی شکایت کی۔ فرمایا اگر چاہتے ہو تو اس کے دفع کرنے کی دعا کروں ورنہ اسکو رہنے دوں۔ جسکی وجہ سے تمہارے گناہ دور ہو جائیں۔ انہوں نے عرض کی ہم چاہتے ہیں کہ اسکو رہنے دیجئے۔ انتہی

اور یہ روایت بھی خصائص کبریٰ میں ہے کہ ابو ہریرہ رضہ کہتے ہیں کہ تپ آنحضرت

قوت حافظہ کی حیرت انگیزی

نہیں مگر چونکہ اُس کے آثار اس طرح سے ظاہر ہوتے ہیں کہ بعضوں کو بہت ساری باتیں اور مضامین دیر تک یاد رہتے ہیں اور بعضوں کو نہیں رہتے۔ اس سے عقل کو قوت حافظہ کے ادراک کا موقعہ ملا۔ ورنہ عقل اُسکو بھی محال سمجھتی۔ کیونکہ فرض کرو کہ ایک آدمی مثلاً سو برس کی عمر کا ہے اور اُسکا حافظہ اس قدر قوی ہے کہ جو سنتا ہے یاد رکھتا ہے۔ سب اُس کے حافظہ میں جمع رہتے ہیں۔ اور یہ غور کیا جائے کہ پہلے اُس نے جس چیز کو دیکھا تھا وہ دماغ میں کسی جگہ منتقش اور کسی قسم سے محفوظ ہوئی ہوگی۔ اُس کے بعد جب دوسری بات دماغ میں پہنچی تو وہ بھی اُسی طرح پہلی بات کے ساتھ جمع ہوئی اسیطرح وقتاً فوقتاً جو جو چیزیں اُس کے دماغ میں گئیں سب محفوظ ہوتی گئیں۔ یہانتک کہ سو برس تک جتنی چیزیں اُسکے دماغ میں گئیں۔ خواہ از قسم محسوسات ہوں یعنی بصارت، سماعت، شامہ، لامسہ، و ذائقہ سے متعلق وجدانیات و معقولات جنکا ادراک کیا ہو سب دماغ کے ایک حصہ میں جمع ہوگئیں۔ اب غور کیا جائے کہ ان تمام محفوظ چیزوں کا مجموعہ کس قدر ہوگا۔ اگر وہ تمام چیزیں تحریر میں لائی جائیں تو صدہا بلکہ ہزارہا جلدوں کی ایک کتاب بنجائے کیونکہ ہر وقت کوئی نہ کوئی نیا ادراک ہوتا ہی رہتا ہے۔ کیا یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ ایک چھوٹا سا دماغ اتنا بڑا کتب خانہ بنجائے۔ پھر ان محفوظات دماغ سے اگر کوئی کتاب لکھی جائے تو اُس میں تقدیم و تاخیر مضامین کی ضرورت ہوگی۔

کی خدمت میں آئی اور عرض کی یا رسول اللہ جس قوم سے آپ کو زیادہ تر محبت ہے مجھے اُن کے پاس بھیجیے۔ آپ نے فرمایا انصار کے یہاں جا۔ چنانچہ وہاں گئی اور اُن کو پچھاڑ دیا۔ انہوں نے جب حضرت سے اسکی شکایت کی آپ نے دعا کی اور وہ سب اچھے ہو گئے۔ انتہیٰ۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ تپ کسی شکل میں آئی تھی۔ گو کسی نے اسکی شکل نہیں بیان کی مگر اسکا بات چیت کرنا اور امتثال امر کرنا ثابت ہے۔

اور خصائص کبریٰ میں زید ابن ارقم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم ابوبکر صدیق رض کے ساتھ تھے انہوں نے پینے کو پانی منگوایا۔ چنانچہ پانی شہد ملا کر لایا گیا۔ یہ دیکھتے ہی آپ رونے لگے اور آپ کی یہی حالت کا یہ اثر ہوا کہ کل حاضرین مجلس پر گریہ طاری ہو گیا بعد میں لوگوں نے رونیکا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک روز میں آنحضرت صلعم کے ساتھ تھا۔ دیکھا کہ حضرت صلعم کسی چیز کو دفع فرما رہے ہیں۔ حالانکہ وہاں کوئی چیز نہ تھی۔ میں نے عرض کی یا رسول اللہ کس چیز کو آپ دفع فرما رہے ہیں۔ فرمایا یہ دنیا متشکل ہو کر میرے پاس آئی ہے۔ میں نے اُس سے کہا کہ میرے پاس سے ہٹ اور اوسکو ڈھکیل دیا مگر وہ پھر پلٹ کر آئی اور کہا کہ اگر آپ مجھ سے بھاگتے ہو تو خیر۔ مگر جو لوگ آپ کے بعد آئیں گے وہ مجھ سے نہ بھاگیں گے انتہیٰ اس سے ثابت ہے کہ حقیقت دنیا متشکل اور متمثل ہوئی تھی۔ صدیق اکبر رض

تمثل دنیا

کے لئے جب پانی شہد ملا ہوا لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال پیش نظر ہو گیا کہ کیسے فقر و فاقہ سے آپ نے گذارا کہ اس قسم کے ترفّہ کے سامان کا پتا بھی نہ تھا۔ اور اب یہ حالت ہے کہ پانی منگوایا گیا تو شہد کے ساتھ لایا جارہا ہے۔ ہر چند آپ نے بھی فقر و فاقہ میں گذاری۔ جس کا تھوڑا سا حال ہم نے مقاصد الاسلام کے کسی حصہ میں لکھا ہے۔ مگر غم اس بات کا ہوا کہ دنیا سے جو کہا تھا کہ آپ کے بعد والے مجھ سے نہ بھاگیں گے۔ وہ بات صادق آرہی ہے۔ اور سامان ترفّہ ہر طرف پیش نظر ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مرضی ہے۔

خصائص کبریٰ میں عبد اللہ ابن حوالہ سے روایت ہے کہ ایک روز ہم لوگ آنحضرت ؐ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اپنی برہنگی اور فقر اور تنگدستی کی شکایت ہم سب نے کی۔ حضرت نے فرمایا تمہیں خوشخبری ہے خدا کی قسم تمہاری تنگدستی سے اسقدر مجھے خوف نہیں جو تمہارے تمول سے ہے۔ خدا کی قسم ہمیشہ یہ امر تم میں جاری رہیگا۔ یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ زمین فارس اور روم اور حمیر تم پر فتح کریگا اس وقت تم تین لشکرین منقسم ہونگے۔ ایک لشکر شام دوسرا عراق۔ تیسرا لشکر یمن اسوقت کی حالت یہ ہوگی کہ سو درہم اگر کسی کو دیے جائیں تو اُسکو غصہ آئیگا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ شام کو فتح کرنے کی کس میں طاقت ہے۔ وہاں تو رومی بڑے شان و شوکت والے ہیں

ماشاءاللہ کیا بات ہے

فرمایا قسم ہے کہ تم اسکو فتح کروگے اور خداے تعالی تمہیں وہاں کا خلیفہ بنائیگا۔ اور یہ حالت ہوگی کہ تم میں کا ایک کم رو کا لا شخص جسکا سر مونڈھا ہوا ہوگا اوس کے روبرو گورے گورے لوگوں کی ایک جماعت کھڑی ہوگی۔ وہ شخص اُن پر جو حکم کریگا اس کو بجا لائیں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں جو بیان کیا گیا وہ بات جزابن سہیل پر صادق آتی تھی جو اُسوقت حاکم تھے۔ جب وہ مسجد کو آتے جاتے تو صحابہ انکو اور اُن کے گرد وپیش گورے لوگوں کی جماعت کو دیکھتے اون پر تعجب کرتے کہ حضرت نے جو خبر دی تھی کسقدر اُن پر صادق ہے انتہی اس سے ظاہر ہے کہ امت کے مالدار ہونیکا حضرت کو خوف لگا رہتا تھا۔ دیکھئے اصلی دین اور ہمارے طریقوں میں کس قدر فرق ہے۔ انہیں دو چار حدیثوں سے ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ کمال درجہ کی محبت تھی اون پر تپ کی مصیبت ڈالی گئی۔ جسم کا خون خشک ہوگیا۔ چہرے زرد ہوگئے اور دنیا کی راحت و آسایش کی کوئی چیز نزدیک آنا ناگوار ہی۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ صرف یہی تھی کہ مصیبت میں خداے تعالی یاد آتا ہے۔ اور یاد الٰہی باعث ترقی مدارج اخروی ہے۔ چند روزہ دنیا کسی طرح گزرجائیگی مگر جہاں ابد الآباد ہمیشہ رہنا ہے اور پھر اوس سے نکلنا ممکن نہیں وہاں کا سامان درست کرنے کی ضرورت ہے جو ترک دنیا سے حاصل ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے ہم لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جہانتک

تفریق مصیبت کا وجہ ترقی درجات

ممکن ہو دنیا کی حالت درست کریں گے یعنی ہر طرح کے عیش وعشرت مہیا کرنے کی فکر ہے۔ اگر سامان عشرت موجود ہے تو علاوہ اوس کی مشغولی کے باقی وقت اُس کی زیادتی کی فکر میں گزرتا ہے۔ اور اگر مہیا نہیں تو اوس کے غم اور فراہمی میں پورا وقت گزار دیا جاتا ہے جس سے خدائے تعالیٰ کو یاد کرنے کی نوبت ہی نہ آسے۔ اگر کسی نے خدائے تعالیٰ کی طرف توجہ دلانے کی فکر کی تو اوس کے دشمن ہو گئے اور اقسام کی پھبتیاں اوس پر اڑائیں اُس کا نام قل اعوذیا رکھا جاتا ہے۔ غرض کہ توہین کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا جاتا جنکو خدا رسول سے ایسی بے تعلقی ہو انکا مسلمان کہنا بلحاظ قومیت ہوگا جسکو مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔

خصائص کبریٰ میں ابو طفیل اور سعد بن عمرو سے روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد ابن ولید رضہ کو نخلہ کی طرف روانہ کیا جو طائف کے قریب ہے اور فرمایا کہ بتخانہ عزیٰ کو ڈھا دیں جب وہ وہاں پہونچے تو ایک سیاہ عورت برہنہ سر کے بال بکھرائے ہوئے اوس میں سے نکلی۔ خالد رضہ نے تلوار سے اوس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور آنحضرت صلعم کو اس واقعہ کی خبر دی۔ فرمایا وہ عزیٰ تھی اب اوسکی پرستش تمہارے شہروں میں ہونے سے اوسے ناامیدی ہو گئی ہے۔ انتہی ملخصاً۔

عزیٰ ایک بت عرب میں مشہور تھا۔ اکثر بتخانے اُس کے نام سے بنا کر اس قسم کے

پتھر اُس میں رکھتے - اور اس کی پرستش کیا کرتے تھے - غالباً ہر بتخانے میں کچھ نہ کچھ آثار ظاہر ہوتے ہوں گے - جس کی وجہ سے وہ اس کے دلدادہ تھے - چنانچہ اسی روایت میں ہے کہ جب خالد رض بتخانے میں اُس کے توڑنے کی غرض سے گئے تو پوجاری نے عزیٰ پکار کر کہا (یا عزیٰ خبّلنیہ یا عزیٰ عوریہ والا فموتی برغم) یعنی ای عزیٰ اسکو دیوانہ کردی اور عزیٰ اسکو عیب دار کر دے نہیں تو ناک زمین پر رگڑ کر مرجا - اس سے ظاہر کہ وہ یہ جانتے تھے کہ عزیٰ اپنے مخالف کو سزا دینے پر قادر ہے - جہاں جہاں عزیٰ کی شکل بنا کر پرستش کرتے تھے سب کا یہی اعتقاد ہوگا - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیٰ شخص معین نہ تھی بلکہ اگر اوسکو ایک نوع کہیں تو بے موقع نہ ہوگا - اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ بلاد عرب میں اس کی پرستش ہونے سے اسکو ناامیدی ہوگئی ہے - اس لئے کہ اوس کی حقیقت فنا ہوگئی جسکے افراد بلاد عرب میں پوجے جاتے تھے - اسی طرح نائلہ کا واقعہ ہے - جو خصائص کبریٰ میں ابن عباس رض سے مروی ہے کہ جب مکہ معظمہ فتح ہوا تو ایک حبشی عورت ادھیڑ بوڑھیا اپنے منہ کو نوچتی اور واویلا کرتی آئی - لوگوں نے اسکا واقعہ حضرت کی خدمت میں عرض کیا - آپ نے فرمایا وہ نائلہ ہے وہ مایوس ہوگئی ہے کہ تمہارے اس شہر میں اوسکی پھر کبھی پرستش ہو انتہی -

اور نیز خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ جب فتح مکہ ہوئی تو آنحضرت ؐ نے سعد ابن زید کو بیس سواروں کے ساتھ مشلل کو روانہ کیا تھا کہ بتخانہ مناۃ کو جو مشہور تھا ڈھادیں۔ جب وہ وہاں پہونچے تو پوجاری نے کہا کس ارادہ سے آئے ہو کہا اس بتخانہ کو ہدم کرنے کے لئے۔ کہا تم اور وہ جان لو۔ سعد جب بتخانے میں جانے لگے تو اندر سے ایک برہنہ سیاہ رو عورت سر کے بال کھرے ہوئے واویلا اور سینہ زنی کرتی نکلی۔ سعد اسکو مارنے لگے۔ پوجاری نے کہا ہاں مناۃ لینا اور غصہ نکالنا سعد نے اوسے اتنا مارا کہ وہ مرگئی اُس کے بعد اوس پتھر کو جو منات کہلاتا تھا گرادیا۔ انتہیٰ۔

اس قسم کے اور بہت سی روایتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے جو امر معنوی ہے۔ الغرض قوت حافظہ کی ایک حقیقت ہے جو محسوس نہیں ہوسکتی۔ آنحضرت کو منظور ہوا کہ قوت حافظہ ابو ہریرہ رضؓ کو عنایت فرمادیں تو اوس حقیقت میں سے ایک حصہ ان کو دیا۔ مگر اس طریقہ سے کہ مثل اجسام محسوسات کے اپنے ہاتھ میں لے کر اُن کے کپڑے میں ڈالا جب اُنہوں نے اس کو جمع کرلیا تو وہ اُس کے ساتھ متصف ہوگئے۔ کوئی عاقل اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ اعمال حسنہ اور سیئہ اعراض ہیں۔ اور اُن کے لئے کوئی خارج میں علحدہ وجود نہیں ہے باوجود اس کے کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کرسکتا کہ قیامت کے روز وہ

سب وزن کئے جائیں گے۔ اس سے سمجھ سکتے ہیں کہ جس طرح وہ اعمال
خارج میں میزان میں رکھکر وزن کئے جائیں گے اوسی طرح قوت حافظہ آنحضرت
کے ہاتھ میں آئی اور آپ نے ابو ہریرہ رضؓ کو عنایت کی۔ ایمانی طریقے سے
اس میں کوئی استبعاد کی بات نہیں اگر اس کو عقل نہ مانے تو عقل کا قصور ہے
ہم نے کتاب العقل میں بفضلہ تعالیٰ ثابت کردیا ہے کہ عقل ہر بات میں
چل نہیں سکتی۔ بلکہ محسوسات میں بھی ٹھوکریں کھاتی ہے جب محسوسات میں اوسکا
یہ حال ہو تو حقائق محسوسات میں وہ بیچاری کیا چلیگی۔ سچے مسلمان کو ضرور ہے کہ ایسے
امور میں اگر شک آجاے تو بصدق دل بارگاہ کبریائی میں دعا کریں کہ اس
فتنہ سے بچا کر ایمان سلامت رکھے۔

۳۱۵ سیرۃ النبویہ میں روایت ہے کہ عبدالرحمٰن ابن زید صغر سنی میں بہت
حقیر اور بدرو تھے۔ حضرت نے اُن کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور اعضا اور تمام
امور میں برکت کی دعا کی۔ جب وہ بڑے ہوے تو اونچے پورے اور اونکے
کل اعضا صحیح وسالم اور اوروں سے بہتر تھے۔

یہ دست مبارک کی برکت تھی کہ قوت نامیہ کو ترقی دیدی۔ جس سے اعضا
کا نقص جو لڑکپن میں تھا جاتا رہا۔ بظاہر قوت نامیہ تابع مزاج اور طبیعت
ہے مگر اس کا یہ اثر نہ تھا کیونکہ اگر اُن کے مزاج اور طبیعت میں قوت
ہوتی تو لڑکپن ہی میں جو کثرت نمو کا زمانہ تھا پورے طور پر نمو ہوتا حالانکہ

اوس وقت وہ بہت ضعیف القوہ اور حقیر و نحیف تھے۔ ادنیٰ تامل سے یہہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ حضرت کا تصرف فطرتی امور میں بھی نافذ اور جاری تھا حالانکہ فطرتی امور بدل نہیں سکتے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے **فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ** یعنی فطرتی امور میں تبدیل نہیں ہوتی۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر خدائے تعالیٰ بھی چاہے تو تبدیل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ مستثنیات عقلی شرعاً اور عقلاً معتبر ہیں۔ دیکھئے قانون میں بھی اقتدار شاہی قوانین سے مستثنیٰ ہوا کرتا ہے چونکہ حضرت کا تصرف حق تعالیٰ ہی کا تصرف تھا اس لئے فطرتی امور میں اُسکا اثر ہوتا تھا۔

مواہب اللدنیہ اور اوس کی شرح زرقانی میں جابرؓ سے روایت ہے کہ اوائل نبوت میں جب آنحضرتؐ قبائل کو دعوت اسلام فرمانے لگے تو کفار جمع ہوکر حضرت کو پکڑے اور اس قدر گستاخی سے پیش آئے کہ آپکے جسم مبارک سے خون جاری ہوگیا اور کہنے لگے کہ تم ہی ہو کہ تمام معبودوں کو ایک معبود بنا رہے ہو اُس وقت ابوبکرؓ درمیان میں آگئے اور کہا کہ کیا ایسے شخص کو تم قتل کرتے ہو جو کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ حضرت وہاں سے تشریف لیجا کر کسی مقام میں نہایت غمگین تشریف رکھے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام آئے اور کہا آپ غمگین کیوں ہو۔ حضرت نے واقعہ بیان فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کیا آپ کی خواہش ہے کہ میں آپ کو کوئی نشانی بتلادوں۔ فرمایا اچھا۔ جبرئیلؑ نے ایک

معجزہ آنحضرت درخت کا آنا

درخت کی طرف جو میدان کے اوس طرف تھا۔ کہا کہ اوس درخت کو آپ بلائے۔ حضرت نے بلایا۔ فوراً وہ چلتا ہوا آکر حضرت کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ جبرئیل علیہ السلام نے کہا اب آپ اسکو کہئے کہ اپنی جگہ چلا جائے۔ حضرت نے حکم فرمایا فوراً وہ اپنی جگہ چلا گیا۔ یہ دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسبی حسبی یعنی مجھے یہ کافی ہے اور فرمایا کہ اس کے بعد اگر لوگ جھٹلا دیں تو اس کی مجھے کچھ پروا نہیں انتہےٰ۔

حضرت اوس واقعہ کے بعد مغموم جو تشریف رکھے تھے اس کی وجہ یہی ہو گی کہ جس طرف دیکھتے ہیں کوئی اپنا ہم خیال نہیں۔ جسکو دیکھئے وہ خون کا پیاسا ہے۔ اظہار حق کی وجہ سے عداوت بڑہتی جاتی ہے۔ کوئی تدبیر ایسی نہیں ہو سکتی جو ان کو راہ راست پر لاسے نصیحت کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ قتل پر آمادہ ہو جاتے ہیں ایسے موقع میں جب جبرئیل علیہ السلام حضرت کی تسکین و تشفی کے لئے آئے اور یہ دکھا دیا کہ درخت نے آپ کے حکم کی ایسی تعمیل کی جیسے کوئی آدمی کرتا ہے۔ تو اس سے آپ کو یقین ہو گیا کہ نبوت کا کارخانہ جم جاسے گا اور سمجھ گئے کہ اکوان میں تصرف کرنے کی اجازت ملگئی ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فقط اسی درخت میں تصرف کرنے کی قدرت دیگئی ہو گی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت کا غم اوس وقت فرو نہ ہوتا حسبی حسبی نہ فرماتے۔ اور نہ یہ فرماتے کہ اب کسی کی تکذیب کی مجھے پروا نہیں۔ چونکہ قرینہ حالیہ صاف گواہی دے رہا ہے

کہ حق تعالے کو آنحضرت کی تسکین اور تشفی منظور تھی اس لئے ایسی قدرت دیگئی کہ امکان بشری سے خارج ہے اور حضرت بھی سمجھ گئے کہ اس قدرت کے ملنے کے بعد ہر موقع میں ایسے تصرفات بتلائے جائیں گے کہ اہل انصاف کو انکار کا موقع نہ ہوگا اور سوائے اہل عناد اور متعصبین کے سب راہ راست پر آجائیں گے یہی مضمون حسبی حسبی کا ہے۔ اصل یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ جب کسی پر مہربان ہوتا ہے تو اوس کے لئے ایک خصوصیت عطا ہوتی ہے کہ جو چیز وہ چاہے موجود ہو جائے۔ چنانچہ کل جنتیوں کو یہ خصوصیت عطا ہوگی

کما قال اللہ تعالیٰ فیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین

اس کا مقتضے یہ ہوگا کہ ادھر کسی چیز کی خواہش پیدا ہوئی اور اودھر اوسکا وجود ہو گیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کن عطا ہوتا ہے یعنی کسی چیز کو موجود کرنے کا تصور ہوا تو گویا کن اوس سے کہا گیا اور ساتھ ہی وہ موجود ہو گئی۔ اس کی تصریح حضرت غوث الثقلین رح نے فتوح الغیب میں فرمائی ہے۔

خصائص کبریٰ میں عبدالرحمن بن ابی بکر رض سے روایت ہے کہ حکم ابن عاص حضرت صلعم کے پاس بیٹھا تھا۔ جب حضرت کچھ کلام فرماتے تو اپنے چہرے کے پوست کو پھر کاتا۔ حضرت نے فرمایا کن کذالک مرتے تک اوسکی اوس کی حالت یہی رہی کہ اوسکا چہرہ ہمیشہ پھرکتا رہا انتہیٰ۔

اور اوسی میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت خطبہ پڑھ رہے تھے ایک شخص پیچھے کھڑے ہو کر چڑانے لگا حضرت نے فرمایا کذلک فکن یعنی ایسا ہی ہو جا۔ ساتھ ہی وہ گر گیا۔ دو مہینے تک فریش رہا اور جب افاقہ ہوا تو اوس کا چہرہ ویسا ہی ہو گیا جو چڑانے کے وقت تھا۔ انتہیٰ

دیکھئے صاف لفظوں میں حضرت نے کُن جس کام کے لئے فرمایا فوراً اوس کا وجود ہو گیا۔

خصائص کبریٰ میں جابرؓ سے روایت ہے کہ ہم غزوۂ ذات الرقاع میں آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے۔ ایک روز حضرت نے بعد قضاے حاجت فرمایا کہ اے جابر وضو کے لئے لشکر میں پکار دو۔ میں ہر ایک سے پوچھتا پھرا کہ کسی کے پاس وضو کا پانی ہے۔ مگر کہیں نہ ملا۔ چنانچہ آکر حضرت سے عرض کر دیا کہ ایک قطرہ پانی کا کسی کے پاس نہیں۔ حضرت نے فرمایا فلاں انصاری کے پاس جاؤ اور دیکھو کہ اون کی مشک میں پانی ہے میں اُن کے پاس گیا دیکھا کہ اس قدر پانی اوس میں ہے کہ اگر اونڈیلا جاے تو خشک چمڑا اوسکو جذب کر لے۔ حضرت سے آکر عرض کیا۔ فرمایا وہی لاؤ۔ میں نے حاضر کیا حضرت نے اوس کو ہاتھ میں لیا اور کچھ فرمانے لگے جسکو میں نے نہ سمجھا اور اوس مشک کو اپنے ہاتھ سے دبایا۔ پھر مجھے دیکر فرمایا ایک برتن کہیں سے لے آو۔ چنانچہ میں لا کر حضرت کے روبرو رکھا۔ حضرت نے اپنا دست مبارک

اوس کی تہ میں رکھکر انگلیاں کشادہ کردیں۔ اور فرمایا کہ اے جابر بسم اللہ کہکر میرے ہاتھ پر پانی ڈالو چنانچہ میں نے ڈالنا شروع کیا تو دیکھتا کیا ہوں کہ پانی حضرت کی انگلیوں میں سے جوش کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ وہ برتن بھرگیا۔ پھر فرمایا اے جابر لشکر میں پکار دو کہ کسی کو پانی کی حاجت ہو تو یہاں آئے چنانچہ سب لوگ آئے اور نہایت سیرابی سے سب نے پیا اس کے بعد حضرت ؐ نے اپنا دست مبارک اس برتن سے اُٹھا لیا اور وہ برتن پانی سے بھرا ہوا تھا۔ انتہی۔

خصائص کبریٰ میں جابر رضؓ سے روایت ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ ذات الرقاع کا ارادہ فرمایا تو عقبہ ابن زید شتر مرغ کے تین انڈے حضرت کی خدمت میں لائے۔ حضرت اسکو پکانے کے لئے مجھے ارشاد فرمایا میں پکا کر ایک پیالہ میں لایا اور روٹی کی تلاش کی گئی مگر نہ ملی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور چند صحابہ نے وہ تناول فرمائے اُس کے بعد کل لشکر نے کھایا اور روانہ ہوئے۔ انتہی۔

معجزۂ انڈے شتر مرغ کے

شتر مرغ کے تین انڈے ایک لشکر کو کافی ہونا بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ من جانب اللہ اس میں برکت دی گئی اور سبب قوی اسکا حضرت کا دست مبارک تھا جسکی برکت ان میں ظاہر ہوئی یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ ایک لشکر جنگ کو جا رہا ہے اور اوس کی یہ حالت ہے کہ ڈھونڈھیے تو

حالت فوج اسلام

اس میں باوجود تلاش کے ایک روٹی نہ ملی۔ کیا اس سے زیادہ کوئی بے سامانی ہوسکتی ہے۔ مگر سُبحان اللہ اس لشکر کو اس بے سامانی کی کچھ پروا نہ تھی اور سب اس شوق و ذوق سے جنگ کو جارہے تھے کہ اس کا ذرا بھی خیال نہ ہوا کہ بھوک پیاس میں ہم کس طرح لڑیں گے اگر عقل کی راہ سے دیکھا جائے تو کوئی عاقل اسکو جائز نہ رکھیگا کہ ایک قبیلہ کے مقابلہ کو ایسا لشکر جاے کہ جس کے ساتھ ایک روٹی بھی نہ ہو۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہمارے دین کی بنیاد صرف تائید باطنی پر ہے۔ اسی وجہ سے کل قوم نے اسکو تسلیم کرکے معمولی عقلوں کو خیرباد کہدیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں زمام اختیار دیدیا اور یہ ثابت کردکھایا کہ جسطرح آپ چاہیں ہم سے اطاعت لیں۔ ہم ہرگز اس میں اپنی عقلوں سے کام نہ لیں گے اور چون وچرا نکریں گے۔ یہ دولت اگر پوچھیے تو انہی حضرات کے حصہ میں تھی اب تو ہماری یہ حالت ہے کہ بات بات میں عقل سے مشورہ لیا جاتا ہے۔ اور دین نے جو مشورت دی ہے وہ عالم بالا میں رکھی رہتی ہے۔

معجزۂ غزوۂ خندق

خصائص کبریٰ میں سلمان فارسی رض وغیرہ سے روایت ہے کہ غزوۂ خندق میں جو خندق کھودی جارہی تھی اوس میں ایک پتھر نکلا۔ جسکا توڑنا دشوار تھا حضرت ؐ نے اپنے دست مبارک میں کدال لی اور ایک ضرب لگائی۔ جس سے ایک ایسی روشنی چمک گئی کہ مدینہ کے اطراف کے پہاڑوں تک

روشنی پھیل گئی اوس کے بعد دوسری ضرب لگائی۔ اوس سے بھی روشنی ویسی ہی پیدا ہوی۔ پھر تیسرے ضرب لگائی اوس سے بھی ویسی روشنی پھیلی۔ سلمان کہتے ہیں میں نے عرض کی یارسول اللہ یہ روشنی جو ہر ایک ضرب کے ساتھ نمایاں ہوی وہ کیا بات تھی۔ فرمایا پہلی ضرب میں شام کی کونجیاں مجھے عنایت ہوئیں۔ اور دوسرے ضرب سے ملک پارس اور مغرب اور تیسرے ضرب سے ملک یمن کی کونجیاں دی گئیں۔ حضرت عمر اور عثمانؓ کے زمانہ میں اور اوس کے بعد جیسے جیسے ملک فتح ہوتے تھے ابوہریرہؓ کہتے تھے کہ جس ملک کو چاہو فتح کرتے جاؤ۔ خدا کی قسم جن جن شہروں کو تم فتح کرتے جاؤ گے قیامت تک اُنکی کونجیاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں دی گئی تہیں۔ یہ خبر جو مشہور ہوئی تو منافق لوگ کہنے لگے کہ محمدؐ یثرب سے مدائن کسریٰ وغیرہ کو دیکھ رہے ہیں۔ اور تمہاری یہ حالت ہے کہ خندق کھود رہے ہو اور میدان میں نہیں نکل سکتے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

اس حدیث کی بعض روایتوں میں ہو کہ آنحضرتؐ نے فتح ملک کسریٰ اور شام کی خبر دی تھی۔ بہرحال حالت موجودہ کے لحاظ سے منافقوں نے جو کہا تھا اوس کا کوئی عاقل انکار نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اون کے اوس بیان پر کئی شہادتیں موجود تھیں۔ پہلی مالی حالت کہ خزانہ میں اتنا بھی روپیہ نہ تھا کہ مزدوری سے خندق کھدوائی جاتی۔ تمام صحابہ اپنے ہاتھ سے کھودتے تھے

اور اون کی بھی یہ حالت کہ فاقہ پر فاقہ ہے اور کام کئے جاتے ہیں۔ اور اوسکے معاوضہ میں ایک وقت کا کھانا بھی نہیں دیا جاتا۔ اور اس خندق کا جو اہتمام ہو رہا تھا وہ صرف چند قبائل عرب کے مقابلہ کے واسطے جو دو تین ہزار سے زائد نہونگے۔ جب ان کے مقابلہ میں یہ حالت ہو تو کسریٰ و قیصر کے مقابلہ میں جنکا لشکر جرّار لاکھوں کا تھا۔ اور ساز و سامان جنگ میں تو وہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ کیا حال ہوگا۔ غرض کہ عقل کی رو سے اوسوقت کا یہ خیال کہ ملک کسریٰ و قیصر وغیرہ کو مسلمان لوگ فتح کرلینگے۔ ہرگز قرین قیاس نہ تھا۔ اسی وجہ سے عقلاے زمانہ اس کی تضحیک کرتے تھے مگر سبحان اللہ صحابہؓ ہی کا حوصلہ تھا کہ نہ اپنی حالت موجودہ کو اونہوں نے دیکھا نہ عقلاء کے طعن کی کچھ پروا کی۔ بمجرّد اس کے کہ آنحضرتؐ نے اون ملکوں کی فتح کی خبر دی۔ خوش ہو گئے۔ اور یقین کر لیا کہ اب کیا ہے وہ سب ہمارے ہی ملک ہیں اگر چند روز کفار اون پر مسلط بھی رہیں تو وہ بطور عاریت ہوگا۔ ہم جب جائیں گے اون سے چھین لیں گے۔ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ نہ اصول جنگ کے لحاظ سے کامیابی کی توقع تھی نہ عقل کی راہ سے کیونکر چند فقرا تھے جو نوکر تھے نہ سرکار طرف سے اون کو کوئی مالی امداد دی جاتی تھی نہ رسد اور غلہ پہونچنے کا کوئی انتظام تھا۔ بڑے بڑے خونخوار سلطنتوں پر چڑھائی کی۔ جن کی فوج کے مقابلہ میں ان کی تعداد عشر عشیر بھی نہیں۔

سامان جنگ کے لحاظ سے تو دونوں میں کوئی مناسبت ہی نہتی۔ کیا دنیا میں کوئی نظیر مل سکتی ہے کہ ایسے لوگوں نے کسی سلطنت کو لڑکر فتح کیا۔ غرضکہ کتب سیر و تواریخ کو دیکھنے کے بعد اوس کے عطاے آلہی ہونے میں ذرا بھی شبہ باقی نہ رہے گا اور یہ صاف معلوم ہوجاے گا کہ بے شک حضرتؐ کو اون ریاست کی کنجیاں مل گئیں تہیں۔ گو یہ معلوم نہ ہو کہ کنجیوں کی حقیقت کیا ہے اور اون کا دینا کیسا۔ یہ قرائن ایسے ہیں کہ اس میں ایمان سے کام لینے کی ضرورت نہیں۔ جسکو ذری بھی عقل ہو سمجھ سکتا ہے کہ بغیر تائید باطنی کے یہ کام نہیں ہوسکتا تھا۔ اور اسی تائید باطنی کی خبر حضرتؐ نے پہلے ہی سے دیدی تھی۔ ایسے ہی موقع میں یہ عقلا قیاس سے کام لیتے ہیں۔ اور سمجھ جاتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ کی صدہا خبریں سچی ثابت ہوئیں اور ابتک برابر ثابت ہوتی جاتی ہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ کے احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قیامت تک واقعات کی خبر دیچکے ہیں تو آنحضرتؐ نے دوسرے عالم اور ثواب و عقاب کی جو خبریں دی ہیں ان کو تسلیم کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں ہوتا۔ دیکھئے حکمت جدیدہ میں لکھا ہے کہ متوسط القامت آدمی کے جسم پر ہوا کا تین ہزار نوسے من وزن ہر وقت رہا کرتا ہے (۳۹۴) حالانکہ اس بات کو عقل ہرگز باور نہیں کرتی کہ جو شخص ایک من کا وزن بتکلف اوٹھاے وہ تین ہزار نوسو چورانوے من وزن بلا تکلف کیونکر اُٹھا سکتا ہے۔ مگر اس زمانے کے عقلا نے

اُسکو مان لیا ہے اس وجہ سے کہ اہل حکمت جدیدہ نے اعلیٰ درجہ کی صنعتیں ایجاد کی ہیں۔ ممکن ہے کہ کوئی ایسا ترازو بھی بنا یا ہو کہ اوس سے ہوا ناپ سکیں۔ الحاصل ان پیشین گوئیوں کو اس وقت کی حالت موجودہ کے لحاظ سے دیکھا جاسے اور اون کے وقوع پر نظر ڈالی جاسے تو عقلمند آدمی آنحضرت صلعم کی نبوت اور آپ کی کل خبروں میں ذرا بھی شک نہیں کرسکتا۔

خصائص کبریٰ میں نعمان بن بشیر کی بہن سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میری ماں نے چند کھجوریں میرے پلو میں باندھ کر کہا کہ اپنے اپ اور ماموں جو خندق کھود رہے ہیں اون کو لیجا کر دو۔ جب میں وہاں پہونچی تو حضرت نے مجھے پکارا۔ اور وہ کھجوریں مجھ سے لے لیں اور اتنی تہیں کہ حضرت کا پسوا اون سے نہ بھرا۔ پھر آپ نے ایک کپڑا بچھا کر ان کو پھیلا یا اور اہل خندق کو بلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ سب جمع ہوسے۔ اور کھانے لگے جیسے جیسے وہ کھاتے تھے کھجوریں زیادہ ہوتی تہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ فارغ ہو کر واپس گئے تو وہ کھجوریں اتنی بچ گئیں کہ کپڑے میں ان کی گنجائش نہ تھی۔ انتہیٰ۔

صحابہ رضہ جب ایسے برکات دست مبارک کے وقتاً فوقتاً مشاہدہ کرتے تھے تو اون کا ایمان اور توکل کس قدر مستحکم ہوتا ہوگا۔ بلکہ ان مشاہدات کی وجہ سے ایمان بالغیب کی اون کو ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ تجربات یقینی سمجھے جاتے تہیں

البتہ ہمیں اس کی ضرورت ہے کیونکہ ہمنے اس قسم کے تصرفات کو دیکھا ہی نہیں بلکہ کتابوں کے ذریعہ سے ہمیں اس قسم کی خبریں پہونچیں۔ اگر ہم اون کو باور کریں تو ہمارا ایمان بالغیب ہوگا۔ اور یؤمنون بالغیب کے مصداق ہونے کی وجہ سے مستحق ثواب ہونگے۔ بخلاف صحابہؓ کے کہ وہ ایمان بالغیب کے ثواب کے مستحق نہیں تھے البتہ اوس مشاہدہ کے جو آثار مرتب ہوتے تھے وہ ہم لوگوں کو نصیب نہیں ہو سکتے۔ مثلاً ان مشاہدات کی وجہ سے جو عظمت و محبت آنحضرتؐ کی اون حضرات کے دلوں میں تھی جسکی وجہ سے وہ اپنے کو حضرت پر سے قربان کرنے کے لئے ہر وقت مستعد رہتے تھے۔ یہ دولت اونہیں کے لئے خاص تھی۔ ان کے بعد والے اون حضرات کے جیسے جان نثار بہت کم نکلیں گے۔

خصائص کبریٰ میں مسورؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں جہاں نزول فرمایا وہاں ایک گڑھا تھا جس میں اس قدر پانی تھا کہ چلوؤں سے لیا جا سکے۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی ختم ہو گیا اور ہر طرف سے پیاس کی شکایت شروع ہوئی۔ حضرتؐ نے ایک تیر اپنے تیر دان میں سے نکالکر دیا اور فرمایا کہ اسکو اوس میں رکھدو۔ راوی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اوسمیں پانی جوش مارنے لگا اور اتنا بڑھا کہ لوگ سیراب ہو کر واپس ہوے انتہی یہ ظاہر ہے کہ اوس گڑھے کا پانی خرچ ہو گیا تھا۔ اور جب تیر اوس میں رکھا گیا تو

معجزات

تو پانی کو جوشش ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ تیر کا رکھنا پانی پیدا ہونے کا سبب ہوا اوس حالت کے دیکھنے والوں نے بھی سمجھا ہوگا کہ تیر اوس پانی کا سبب ہوا۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ تیر کو پانی کے پیدا ہونے میں کوئی دخل نہیں مگر اس اتصال کی وجہ سے کہ ادھر تیر رکھا گیا اودھر پانی پیدا ہوگیا لوگوں نے اوسکو سبب سمجھا حالانکہ پانی کا پیدا کرنا صرف خدائے تعالیٰ کا کام تھا اوس میں تیر کو کوئی دخل نہیں۔ کل اسباب کا حال یہی سمجھنا چاہیئے کہ سبب کو مسبب کے وجود میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ تخلیقِ خالق عز وجل سے اوسکا وجود ہوتا ہے۔ مگر چونکہ سبب کے ساتھ عادتاً مسبب کا وجود ہوتا ہے اس لئے خیال میں یہ بات جمتی ہے کہ سبب کو مسبب کے وجود میں دخل ہے۔ اسی وجہ سے قحط سالی کے زمانے میں پانی مانگا جاتا ہے کیونکہ پانی غلّہ کے پیداواری کا سبب ہے۔ مگر دراصل پانی کو غلّے کے وجود میں کوئی دخل نہیں۔ جس طرح خدائے تعالےٰ پانی کا خالق ہے غلّہ کا بھی خالق ہے اور جب بحسب نصوص قطعیہ یہ مان لیا جائے کہ حق تعالےٰ ہر چیز کو لفظ کن سے پیدا کرتا ہے۔ یعنی جسکو موجود کرنا منظور ہوتا ہے اوسکو فرماتا ہے کہ موجود ہوجا وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ غلّہ کے وجود میں پانی کو کوئی دخل نہیں مگر چونکہ یہ عالم عالم امتحان ہے اس لئے بھی حق تعالےٰ نے بعض چیزوں کے پیدا کرنے کے وقت بعض چیزوں

اسباب کی حالت

معیشت کی عادت کرلی ہے مثلاً غلہ پیدا کرنے کے وقت پانی اوس کے ساتھ ہوتا ہے۔ حمل ہونے کے وقت ماں باپ کا اجتماع اسیطرح کل اسباب کو خیال کرلیجئے سب اسباب کا حال ایسا ہی ہے۔ جیسے پانی جوش مارتے وقت تیر کا رکھنا تھا جس میں بظاہر کوئی مناسبت نہیں اس عادت سے یہی غرض ہے کہ وہ لوگ ممتاز ہوجائیں جو ہمیشہ دیکھنے کی وجہ سے اسباب ہی کو مستقل قرار دیتے اور یہ خیال نہیں کرتے کہ سوائے خدائے تعالے کے کس میں طاقت ہے کہ کوئی چیز پیدا کرسکے عقلمند وہی ہے جو عقل اور ایمان سے کام لے کر حق تعالیٰ کو خالق سمجھے اور چونکہ حق تعالیٰ نے عادت جاری فرمائی ہے کہ ہر کام اسباب کے ساتھ وجود میں آتا ہے۔ اس لحاظ سے اسباب کو بھی بالکل بیکار نہ سمجھے بلکہ دفع تشنگی کے واسطے پانی کی تلاش کرے اور دفع قحط کے واسطے حق تعالے سے بارش کی دعا کرے تاکہ اعتقاد اور مشاہدہ میں سے کوئی بیکار ثابت نہ ہو۔

خصائص کبریٰ میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حدیبیہ میں ایک روز لوگ سخت پیاسے ہوے حضرت کے روبرو ایک ڈولچی میں پانی تھا اوس سے حضرت نے وضو فرمایا۔ لوگ اپنی اپنی جگہ خاموش تھے اُن کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ تمہیں کیا ہوا جو وضو نہیں کرتے۔ سب نے عرض کی کہ سوا اس ڈولچی کے پانی کے سوائے کسی کے پاس نہ وضو کے لئے پانی ہے نہ پینے

حضرت نے دست مبارک ڈولچی میں رکھدیا۔ ساتھ ہی حضرت کی اونگلیوں میں سے پانی ایسا جوش مارنے لگا جیسے چشمے سے چنانچہ سب نے پیا اور وضو کیا۔ جابر رض سے پوچھا گیا کہ اوس روز کتنے لوگ تھے۔ کہا پندرہ سو آدمی تھے اگر لاکھ آدمی بھی ہوتے تو وہ سب کو کافی ہوتا۔ انتہیٰ۔

صحابہ کا ادب

اس روایت سے صحابہ کا ادب بھی معلوم ہوسکتا ہے کہ باوجودیکہ لشکر میں کسی کے پاس پانی نہ تھا اور تشنگی سب پر غالب تھی۔ مگر جب تک حضرت ہی نے نہ فرمایا کسی نے یہ بھی نہ کہا کہ ہمیں پانی کی ضرورت ہے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلعم کی ادنےٰ توجہ سے سب مصائب دور ہو جاتے ہیں۔ قوم عرب کی جو جہالت تھی کتب تواریخ کے معائنہ سے ظاہر ہے۔ حضرت کی صحبت میں آنے کے بعد اون کی تہذیب کا اندازہ اسی ایک واقعہ سے ہوسکتا ہے کہ کس قدر مہذب اور مودب ہوگئے تھے۔ یہاں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ وہ سب منتخب افراد تھے۔ کیونکہ جنگ کے موقع میں مہذب لوگوں کا انتخاب نہیں ہوا کرتا بلکہ شجیع لوگوں کا انتخاب ہوا کرتا ہے جو اکثر جنگلی و بدوی لوگ ہوا کرتے ہیں۔ الغرض فیضان صحبت یہ تھا کہ بدوی بھی اعلیٰ درجے کے مہذب و مودب دیندار خداترس ہوگئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابیت کی جو فضیلت ہے وہ کسی ولی کو بھی حاصل نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ خدائے تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کی ہمراہی کے لئے ایسے ہی حضرات کا

انتخاب فرمایا تھا جو تمام امت سے افضل ہوں۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ کنز العمال میں براءؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صحابہ کو تم لوگ گالیاں نہ دو۔ خدا کی قسم اون کا ایک وقت رسول اللہ کے ہمراہ ٹھہرنا اورونکی عمر بھر کے اعمال سے افضل ہے اور فرمایا کہ خدائے تعالیٰ نے تمام بندوں کے دلوں پر نظر کیا اُن میں سے محمدؐ کو پسند کرکے رسول بنا کر بھیجا۔ پھر تمام لوگوں کے دلوں کو دیکھا تو اون میں سے برگزیدہ لوگوں کو صحابیت کے واسطے پسند کیا۔

فضیلت صحابہ کرام

مشکوٰۃ شریف میں ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صحابہ کو گالی مت دو۔ اور اگر کوئی اُحد کے پہاڑ برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے تو اُس مُد کے برابر نہیں ہو سکتا جو صحابہ نے خرچ کیا ہے اور نہ آدھے مد کے برابر۔ مُد ایک پیمانہ ہے جو ایک سیر کے انداز میں ہوتا ہے۔ اور اوسی میں عبد اللہ بن مغفل سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرتؐ نے کہ میرے بعد صحابہ کو تم اے اہل امت نشانہ نہ بناؤ۔ اونکے ساتھ جو کوئی محبت رکھیگا وہ میری محبت کی وجہ سے ہوگی اور اگر کوئی اون سے عداوت رکھے تو وہ میری عداوت کی وجہ سے ہوگی اور جس نے اون کو ایذا دی مجھے اس نے ایذا دی۔ اور جس نے مجھے ایذا دی اوس نے خدا کو ایذا دی اور جس نے خدا کو ایذا دی تھوڑے دنوں میں خدائے تعالیٰ

محبت صحابہ کرام

اوس سے مواخذہ کریگا۔ انتہی۔
حضرت نے جو وجہ بیان فرمائی کہ صحابہ کی محبت میری محبت کی وجہ سے ہوگی اوس کی وجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں ہزارہا اعلیٰ درجے کے لوگ گذر گئے جن کے حال نام تاریخوں میں موجود ہیں۔ اون کے ساتھ محبّت رکھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بخلاف صحابہ کے آنحضرتؐ کے وہ رفیق و مددگار اور منظور نظر تھے۔ اگر آپس میں کسی کو کسی سے بمقتضاے بشریت عداوت تھی تو اوس کی وجہ سے آنحضرتؐ کی صحابیت سے وہ خارج نہیں ہوسکتے چونکہ صحابیت ایک ایسا رتبہ ہے جو خداے تعالےٰ نے خاص لوگوں کو عطا فرمایا جیسا کہ حدیث شریف سے ابھی معلوم ہوا۔ ذاتی عداوتوں کی وجہ سے نہ کوئی اسلام سے خارج ہوسکتا نہ صحابیت سے یہ عداوت چند روز کے لئے تھی جو یہیں رہ گئی اور اس عالم میں اس کا کوئی اثر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ خداے تعالےٰ فرماتا ہے ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین لا یمسھم فیھا نصب وما ھم منھا بمخرجین ٥۔ ترجمہ اور نکال ڈالی ہم نے جو اُن کے دل میں تھی خفگی بھائی ہوگئے۔ تختوں پر سامنے نہ پہنچے گی اون کو وہاں (یعنی جنت میں) کچھ تکلیف اور نہ اون کو وہاں سے کوئی نکالے۔

جب وہ حضرت اُس عالم میں دوست اور بھائی ہو گئے تو اب ہمارا اُن کو نشانۂ ملامت بنانا قطع نظر اس حدیث شریف کے جو ابھی مذکور ہوئی عقلی راہ سے بھی مستحسن نہیں ہو سکتا۔

اب رہی یہ بات کہ کینہ اور عداوت جب پختہ ہو جاتی ہے تو اوس کا نکلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارے خیالات ہیں اگر خداے تعالے چاہے تو کچھ بڑی بات نہیں۔ دیکھئے خصائص کبری میں روایت ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا سے وہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے مجھ سے نکاح کا پیام فرمایا میں نے کہا مجھ جیسی عورت سے نکاح نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ مجھ میں صلاحیت نہیں کہ اولاد ہو اور مجھ میں غیرت بہت ہے اور میں عیالدار عورت ہوں۔ حضرت نے فرمایا میں تم سے بھی عمر میں بڑا ہوں اور تم جو غیرت کا حال بیان کرتی ہو اوسکو خداے تعالے دفع کر دیگا اور عیال کی پرورش خدا اور رسول کے متعلق ہے۔ چنانچہ وہ حضرت کے نکاح میں آگئیں راوی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے ازواج مطہرات میں وہ ایسی رہتی تھیں گویا وہ اون میں سے ہیں ہی نہیں اور عورتوں کو جو غیرت ہوا کرتی ہے اونہوں نے اپنے میں اوسکو کبھی نہیں پایا۔ انتہی۔

اپنی سوتوں پر غیرت کرنا عورتوں کی فطرت میں داخل ہے اور ام سلمہ کو تو زیادہ غیرت تھی۔ جس کی شکایت اُنہوں نے پہلے ہی سے کی تھی۔ مگر خداے تعالیٰ نے اُن سے اس صفت کو دفع کر دیا۔ اسی طرح صحابہؓ سے صفت کینہ کو بھی دفع فرما دیا۔

صفحہ ۱۶۴ ج ۲

ترغیب و ترہیب منذری میں روایت ہے کہ فرمایا نبی صلعم نے کہ ہر مسلمان کی مغفرت ہوتی ہے مگر اُس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی۔ جب کسی مسلمان بھائی سے دشمنی رکھتا ہو اور اوسی میں روایت ہے کہ نصف شعبان کی رات میں سوائے مشرک کے سب کی مغفرت ہوتی ہے مگر کینہ رکھنے والے کی مغفرت نہیں ہوتی۔ اس مضمون کے روایات صحاح میں کثرت سے موجود ہیں۔ پھر صحابہ جن کے نفوس قدسیہ تھے اور برکت فیض صحبت نبوی اون کو وہ کمالات اخلاقی وغیرہ حاصل تھے جو کسی ولی کو بھی ہو نہیں سکتے۔ کیا اُن کے نسبت یہ خیال ہو سکتا ہے کہ بغض و کینہ وغیرہ جو اخلاق رذیلہ ہیں اُن میں پائے جاتے ہوں ہم خیال نہیں کر سکتا کہ ان اکابر دین پر اس قسم کا دھبہ لگانے کو کوئی مسلمان پسند کریگا۔ اب رہے جنگ و جدال تو وہ تقدیری امور تھے جن کی خبر خود آنحضرتؐ نے دی تھی۔ جن کا وقوع ضروری تھا۔ اسکا منشا ممکن ہے کہ خطا فی الاجتہاد وغیرہ امور ہوں۔ حضرت علیؓ نے معاویہؓ کی شکایت بھی کی تو ان الفاظ سے کی بغوا علینا اخواننا لفظ اخواننا سے اسی آیۃ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو اوپر مذکور ہوئی یعنی نزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا۔

مشکوٰۃ شریف میں عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو کہ میرے اصحاب کو گالیاں دیتے ہیں تو کہو لعنۃ اللہ علی شرکم۔ انتہی۔

بہرحال متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ صحابہ کے نسبت بدگوئی کرنا اونکو نشانہ ملامت بنانا آنحضرتؐ کے خلاف مرضی ہے۔ یہاں یہ خیال نہیں ہوسکتا کہ صحابہ میں جو مخالفتیں ہونے والی تھیں آنحضرت کو اون کا علم نہ تھا۔ کیونکہ متعدد حدیثوں سے ثابت ہے کہ قیامت تک جو واقعات ہونے والے ہیں حضرت نے سب کی خبر دیدی۔

صفحہ ۳ چنانچہ سیرۃ النبوی میں بخاری وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حذیفہ ابن الیمانؓ کہتے ہیں ایک روز آنحضرتؐ نے خطبہ پڑھا اور اوس میں قیامت تک ہونیوالے جتنے واقعات ہیں سب کو بیان فرما دیا۔ مگر بعض لوگ بھول گئے اور بعضوں کو یاد ہے۔ چنانچہ جب کوئی واقعہ پیش ہوتا ہے تو حضرت کا ارشاد ایسے طور پر یاد آجاتا ہے جیسے کوئی شخص کسی غائب کی صورت کو بھول جائے۔ پھر جب اوسکو دیکھ لیتا ہے تو یاد آجاتا ہے کہ دیکھا ہوا شخص ہے۔

ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے ایک روز خبر دی کہ بعض امہات المومنین خلیفۂ وقت سے لڑنے کو نکلیں گے۔ عائشہؓ یہ سنکر ہنس پڑیں کہ عورت خلیفۂ وقت کے مقابلہ میں نکلیگی۔ حضرت نے فرمایا دیکھو کہیں تمہیں نہ ہو (ا)۔ اس کے بعد علی کرم اللہ وجہہ کے طرف مڑکر فرمایا کہ اگر ان کا کوئی کام تم سے متعلق ہو تو اون کے ساتھ نرمی کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ عائشہؓ اور علی کرم اللہ وجہہ سے جب مقابلہ ہوا اور علی کرم اللہ وجہہ کو فتح ہوئی تو آپ نے محمد ابن ابی بکر کو جو عائشہؓ کے بھائی تھے بھیجا

دیکر مدینۂ طیبہ کو روانہ فرما دیا اور نیز آنحضرت ؐ نے معاویہ ؓ کو وصیت فرمائی کہ تم جب بادشاہ ہو جاؤ تو عدل اور نرمی کرنا۔ یہ کل روایتیں اور اس کے سواے بہت سی روایتیں سیرۃ النبویہ میں معتبر کتابوں سے مروی ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ جو انقلابات صحابہ اور اون کے مابعد ہونے والے تھے سب کو حضرت جانتے تھے۔ اور سب کی خبر دیدی تھی۔ غرضکہ تمام واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھے۔ باوجود اس کے حضرت نے کسی صحابی کو لعن وطعن کرنیکی اجازت نہیں دی۔ بلکہ تاکید فرمائی کہ اون کے نسبت بدگوئی مت کرو تو اب مسلمانوں کو کیا ضرور کہ ان گذشتہ واقعات کا خیال کرکے حضرت کے خلاف مرضی کام کے مرتکب ہوں۔

معجزہ

خصائص کبریٰ میں معاذؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ تبوک کے لئے نکلے۔ ایک روز فرمایا کہ کل انشاء اللہ تعالےٰ تم لوگ تبوک کے چشمہ پر ایسے وقت پہونچوگے کہ آفتاب گرم ہو جائیگا جو لوگ وہاں پہونچ جائیں اون کو چاہئیے کہ اوس کے پانی کو ہاتھ نہ لگائیں۔ جب حضرت وہاں پہونچے تو اوس میں تھوڑا پانی تھا۔ حضرت نے اوس کا تھوڑا پانی کسی برتن میں جمع فرماکر اوس میں اپنا منہ اور دونوں ہاتھ دھوئے اور وہ پانی اوس چشمہ میں ڈالدیا۔ فوراً پانی ایسا جوش مارنے لگا کہ اوس کی آواز دور تک سنائی دیتی تھی۔ چنانچہ سب لوگ اوس کا پانی پیکر سیراب ہوگئے۔ پھر آنحضرت ؐ

نے فرمایا اے معاذ اگر تمہاری عمر دراز ہوگی تو تم دیکھ لوگے کہ یہ مقام باغوں سے بھرا ہوا ہوگا۔ انتہیٰ

آنحضرت نے جو پانی کو ہاتھ نہ لگانے کے لئے فرمایا اور کسی دوسرے موقع میں بھی اوس سے ممانعت فرمائی بلکہ وہاں تو ہاتھ لگانے والوں پر زجر و توبیخ بھی کی گئی جس کا حال اوپر مذکور ہوا۔ اس سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھ لگانے کا کوئی معنوی اثر ہوا کرتا ہے اور یہ اثر حسب حیثیت ہے۔ اچھوں کا اچھا اور بُروں کا بُرا مگر چونکہ وہ اثر محسوس نہیں اس لئے اوس کے قبول کرنے میں معمولی عقلوں کو تامل ہوتا ہے۔ لیکن اہل کشف اوسکو دیکھتے ہیں۔ چنانچہ میزان کبریٰ میں امام شعرانی رح نے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رح جب مسجد میں جاتے اور لوگوں کو وضو کرتے دیکھتے تو مستعمل پانی میں اونہیں محسوس ہوجاتا تھا کہ یہ شخص فلاں قسم کا گناہ کرتا ہے۔ چنانچہ اوسکو تنہائی میں کہدیتے کہ تم فلاں قسم کا گناہ کرتے ہو اوسکو چھوڑدو۔ چنانچہ اکثر تائب بھی ہوجاتے تھے۔ آخر امام صاحب پر یہ امر شاق ہوا کہ لوگوں کے عیوب پر نظر پڑتی ہے اس لئے دعا کی الٰہی یہ کشف اوٹھالیا جائے۔ چونکہ امام صاحب کو گناہوں کی نجاست پانی میں محسوس ہوتی تھی۔ اسی وجہ سے پانی کے مسئلہ میں آپنے نہایت تشدد کیا یہاں تک کہ فقہائے حنفیہ نے دہ در دہ کی شرط لگادی۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرت کا دست مبارک جس چیز کو لگ جاتا تھا اوس سے صحابہ برکت حاصل کیا کرتے تھے

چنانچہ بعض صحابہ نے اون تبرکات کو قبر میں اپنے ساتھ رکھنے کی وصیت کی ہے جیسا متعدد روایتوں سے ثابت ہے اور انشاء اللہ تعالےٰ آئندہ معلوم ہوگا تعجب نہیں کہ ہمارے دین میں جو مصافحہ مستحسن ہے اوس کی یہ بھی ایک وجہ ہو کہ بزرگان دین کے ہاتھ کی برکت حاصل کیا کریں اور کسی بزرگ کی قبر کو جو ہاتھ لگاکر اپنے منہ پر پھیرتے ہیں یا بوسہ دیتے ہیں غالباً اوس میں بھی یہی مصلحت ملحوظ رکھی گئی ہوگی۔

تبرک آثار بزرگان

شفا قاضی عیاض رح اور اوس کی شرح خفاجی میں یہ روایت ہے کہ ابن عمر رض کو لوگوں نے دیکھا کہ آنحضرت جس مقام پر تشریف رکھتے تھے اوسکو ہاتھ لگاکر اپنے منہ پر پھیر لیا کرتے تھے۔ انتہی۔

ابن عمر رض جیسے جلیل القدر صحابی نے لوگوں کو بتلاکر یہ کام کیا اس سے ظاہر ہے کہ اون کو یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ ہمارے اعتقاد میں یہ بات ہے کہ حضرت کا جسم مبارک توکیا کپڑے بھی جس مقام میں لگ گئے ہوں وہ مقام متبرک ہوگیا۔ اور اوس کی برکت حاصل کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اپنا ہاتھ اوس مقام پر لگاکر اپنے جسم میں جو مقام اعلیٰ درجہ کا سمجھا جاتا ہے یعنی منہ اوس پر پھیر لیا جائے۔

حلیۃ الاولیاء میں وہب ابن منبہ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت گنہگار تھا جس نے سو برس تک حق تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ جب وہ مرگیا تو کسی مزبلہ میں لوگوں نے اُسے پھینکدیا جہاں نجاست ڈالی جاتی تھی

ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اوس شخص کو وہاں سے نکال لاؤ اور اوس پر نماز پڑھو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ بنی اسرائیل گواہی دیتے ہیں کہ وہ شخص سو برس تک تیری نافرمانی کرتا رہا۔ ارشاد ہوا کہ یہ سچ ہے لیکن اوس کی عادت تھی کہ جب توراۃ کو کھولتا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کو دیکھتا تو اوس پر بوسہ دیکر اوسکو آنکھوں پر رکھ لیا کرتا تھا اس لئے میں نے اوس کی شکر گزاری کی اور اوس کو بخشدیا۔ اور ستر حوریں اوس کے نکاح میں دیں۔ انتہیٰ۔

اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ص کے نام مبارک کے مقام پر بوسہ دینے کی برکت سے سو برس کا گنہگار جنتی اور مقبول بارگاہ ایزدی ہو گیا۔

حدیث سابق سے ثابت ہے کہ جس مقام پر حضرت کا ملبوس خاص لگا تھا اوس سے برکت حاصل کی گئی اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت کا نام مبارک جس مقام پر لکھا تھا اوس سے برکت حاصل کی گئی۔ اور ادب کی راہ سے اوسکو بوسہ دیکر آنکھوں پر رکھا گیا۔ حالانکہ ذات مبارک سے حروف مکتوبہ کو کوئی تعلق نہیں۔ اگر ہے تو صرف اسی قدر کہ حضرت کی ذات مبارک پر وہ دلالت کرنے والا ہے۔ حالانکہ دال اور مدلول میں کوئی ذاتی مناسبت نہیں ہوتی بلکہ صرف وضع واضع سے یہ دلالت پیدا ہوتی ہے وہ بھی انہی لوگوں کے حق میں جو وضع سے واقف ہوں۔ باوجود اس کے

اوس نام مکتوب سے پوری برکت حاصل ہوئی۔
اسی طرح ملفوظی نام مبارک سے بھی برکت حاصل کی جاتی ہے۔ چنانچہ ہم نے متعدد کتابوں سے انوار احمدی میں نقل کیا ہے کہ جب موذن حضرتؐ کا نام مبارک لے اور سننے والا دونوں ابہاموں کے ناخنوں پر بوسہ دیکر آنکھوں پر ملے تو آشوب چشم سے اوس کی آنکھیں محفوظ رہینگی۔ اور جو شخص آنکھوں پر ملنے کے وقت یہ دعا پڑھے اللھم احفظ حدقتی ونورھا ببرکۃ حدقتی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونورھا۔ تو وہ اندھا نہ ہوگا اور ابو العباس رح نے اپنے بھائی فقیہ محمدؒ سے روایت کی ہے کہ ایک بار سخت ہوا چلی جس سے ایک کنکری اون کے آنکھ میں گری بہتیرا اوس کو نکالا نہ نکلی اور شدت سے آنکھ میں درد ہونے لگا۔ جب موذن سے اشہد ان محمد رسول اللہ سنا حدیث مذکور پر عمل کیا فوراً آنکھ سے کنکری نکل پڑی۔ انتہی
یہ برکت نام مبارک کے الفاظ سے ہوئی جو ناخنوں کو آنکھوں پر ملنے کی وجہ سے تھی۔ منشا اوس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ موذن کے مونہہ سے جو ہوائے صوتی نکلی اوس میں وہ ہوا جو حروف نام مبارک سے مکیف تھی سننے والے کے ابہاموں تک پہونچی۔ اوس نے اوس کی یہ تعظیم کی کہ پہلے اوس کو بوسہ دیا اوس کے بعد اپنی آنکھوں پر ملا جس کا اثر یہ ہوا کہ آنکھیں تمام بلیات سے محفوظ ہوگئیں۔ ہرچند یہ بظاہر سمجھ میں نہ آئیگا کہ نام مبارک کا اثر آنکھوں تک

کیونکر پہونچا۔ مگر سائنس میں غور کیا جاے تو اوس کا استبعاد کم ہو سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ایک آلہ ایجاد ہوا ہے۔ جس سے بغیر تار برقی کے صدہا کوس تک خبر پہونچائی جاتی ہے جتنے دور پر چاہیں وہ آلہ رکھدیں۔ جب ایک آلہ میں مقررہ اشارات عمل میں آئیں تو دوسرے آلہ میں فوراً وہ نمایاں ہو جاتے ہیں یہ سب اندر ہی اندر ہوتا ہے۔ اس مسافت بعیدہ میں کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہوا کے اندر وہ خبر جارہی ہے۔ اسی طرح برکت اوس نام مبارک کی آنکھوں تک پہونچ جاتی ہے۔ غرضکہ جس طرح بحسب اعتقاد ابن عمرؓ آنحضرتؐ کے جسم مبارک کی برکت لباس خاص میں آئی اور لباس کی برکت اوس مقام میں آئی جہاں حضرتؐ تشریف رکھتے تھے اوس کو اونھوں نے اپنے ہاتھوں کے ذریعہ اپنے منہ تک پہونچایا۔ اسی طرح حضرتؐ کے ذات کی برکت نام مبارک میں اور نام مبارک کی برکت ہوا میں آئی۔ اور یہ برکت ہوا کے ذریعہ ناخن ابہام لبوں اور آنکھوں تک پہونچائی گئی۔ حکما نے تصریح کی ہے کہ جماع کے وقت عورت کو جس چیز کا تصور ہو اوس شکل کا بچہ پیدا ہو گا۔ چنانچہ میں نے خود دیکھا ہے کہ ایک عورت بندر کی شکل کا لڑکا جنی اسی وجہ سے حکما نے لکھا ہے کہ حکما و فضلا کی تصویریں اوس وقت عورت کے پیش نظر رہنی چاہئیں تاکہ بچہ ذی کمال اور فاضل ہو۔ اب دیکھئے علوق کے وقت عورت کے خیال میں جس کی صورت ہوگی اوس کا اثر لڑکے میں کیونکر آسکتا ہے۔ خیالی صورت اول تو بے اصل محض ہے

پھر اوس کا مقام سر ہے۔ سر سے اتر کر رحم میں وہ صورت کیونکر گئی۔ پھر اسی پر کفایت نہیں۔ بچے کے اعضا بننے تک اون میں اثر کرتی رہی۔ بلکہ سن شعور تک اندر ہی اندر استعداد کمال فراہم کرتی رہی۔ اوس کے بعد تکمیل تک ہمراہ رہکر مماثل اوس حکیم یا فاضل کے بنا دیا جس کو عورت نے تصوّر کیا تھا۔ حکما نے اپنے تجربوں سے ان معنوی تاثیرات کی صحت کا حکم لگا دیا۔ اگر اسی قسم کی تاثیرات تبرکات مذکورہ میں بھی ہوں تو کیا تعجب ہے۔

خصائص کبریٰ میں انسؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کی اصلاح کی۔ یعنی کم و زائد بالوں کو درست کر دیا۔ حضرت نے اوس کے لئے دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ جَمِّلْہُ یعنی اوس کو زینت دے۔ راوی کہتے ہیں کہ اوس شخص کی ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے مگر اس دعا کی برکت سے پھر سیاہ ہو گئے۔ انتہیٰ۔

اور اوسی میں قتادہؓ سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے حضرت کی اونٹنی کا دودھ دوہا۔ حضرتؐ نے اوس کے حق میں دعا کی اللھم جملہ راوی کہتے ہیں کہ اوس کی ڈاڑھی کے بال نہایت درجے کے سیاہ ہو گئے۔ اور وہ نوّد سال زندہ رہا۔ مگر ڈاڑھی اوس کی سفید نہ ہوی۔ انتہیٰ۔

یہ امر ظاہر ہے کہ سفید بال عادۃً سیاہ نہیں ہو سکتے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ کسی دوا وغیرہ کے استعمال کی وجہ سے بغیر خضاب کے سیاہ ہو جائیں۔ مگر اب تک ایسا کوئی بوڑھا

تحقیق بالوں کی

شخص دیکھا نہیں گیا کہ اوس کی داڑھی سفید ہونے کے بعد سیاہ ہوگئی ہو۔

اس معجزے سے ظاہر ہے کہ بغیر استعمال کسی دوا کے صرف دعا سے جو سیاہ مادّہ بالوں کا مسامات کے پاس آتا تھا اوس کی ماہیت ہی بدل گئی اور بالوں میں جو سفید مادہ تھا وہ بھی سیاہ ہوگیا۔ بالوں کی تخلیق سے متعلق اطبا نے جو تحقیق کی ہے اوسکا تھوڑا سا حال بمناسبت مقام یہاں لکھا جاتا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ سفید بالوں کا سیاہ ہوجانا ایک دشوار امر ہے۔ نفیسی سے مستفاد ہے کہ جب اخلاط میں حرارت اثر کرتی ہے تو اون سے بخارات دخانی اُٹھتے ہیں یعنی اُن بخارات کے ساتھ دھواں بھی شریک رہتا ہے۔ اور چونکہ بخارات پانی اور ہوا سے بنتے ہیں۔ اور دخان مٹی اور آگ سے اس لئے اس مادہ میں چاروں عنصر شریک رہتے ہیں۔ مگر جب وہ مادہ مسامات کے پاس آتا ہے تو بدن وغیرہ کی حرارت سے پانی تحلیل ہوکر اسی قدر باقی رہتا ہے کہ اس مادّہ کے اجزا متفرق نہ ہونے پائیں۔ پھر حسب صلاحیت مسامات وہ مادہ باہر نکلتا ہے جسکا نام بال رکھا جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ بالوں کے تکوّن میں عناصر اربعہ کو دخل تام ہے دیکھئے کوئی حصّہ بدن کا ایسا نہیں جہاں اخلاط اور حرارت نہ پہونچتی ہو جس کا مقتضٰے یہ تھا کہ آدمی سر سے پاؤں تک بالوں سے ڈھپا ہوتا جیسے ریچھ۔ مگر حکمت بالغہ نے بہت سے اعضا ایسے بنائے کہ وہاں بال اوگ نہیں سکتے۔ مثلاً آنکھیں۔ زبان۔ ھتیلیاں۔ تلوے اور عضو تناسل وغیرہ اگر ان مقامات کے مسامات

مثل مسامات سر ہوتے اور اون سے بھی بال اوگتے تو کیسی مصیبتوں کا سامنا تھا۔ ڈاڑھی حالانکہ چہرہ ہی پر ہے مگر اوسی چہرہ کا ایک حصہ ایسا بنایا گیا کہ اوس میں بال نہیں ورنہ شناخت کسی کی نہ ہو سکتی۔ بالوں کے بڑھنے کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ وقتاً فوقتاً دخانی بخارات اُٹھتے رہتے ہیں اور جو بخارات مسامات کے پاس ہوتے ہیں اون کو نئے بخارات ڈھکیل کر باہر نکالدیتے ہیں اور یہی سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ اس لئے بال لانبے ہوتے ہیں۔ یہاں بھی قدرت الٰہی معلوم ہوتی ہے۔ اوّل تو بخار اور دخان مثل ہوا کے نرم ہوتے ہیں۔ اور ایک جگہ ٹھیرے رہنا اون کی طبیعت کے خلاف ہے پھر اون کا اس قدر سخت ہو جانا کہ جن کا توڑنا دشوار ہو ایک حیرت انگیز بات ہے۔ دیکھئے چند بالوں کی رسی بنائی جاے تو آدمی تو کیا ہاتھی کی طاقت سے بھی نہیں ٹوٹتی۔ حالانکہ اگر یہ کہا جاے کہ ہم نے ایسے بخار یا دخان کو دیکھا کہ وہ ٹوٹ نہیں سکتا تو کوئی اوسکو باور نہ کریگا۔ یہاں یہ کہا جاتا ہے کہ دہنیت ان میں سرایت کرتی ہے اس وجہ سے وہ مضبوط ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ بھی کسی قدر مستبعد ہے کیونکہ دہنیت نرم و ملائم کرتی ہے بہر حال اس میں شک نہیں کہ کوئی ایسی چیز اس مادہ میں شامل کر دی جاتی ہے کہ اون کو سخت بنا دے۔ پھر مادہ کا پے درپے آنا اس کا مقتضی ہے کہ بال مدت العمر بڑھتے رہتے ہیں۔ کیونکہ بخار اور دخان کا اُٹھنا کبھی موقوف نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اخلاط اور حرارت مدت العمر فنا

نہیں ہوتے گو آخر عمر میں کم اور کم زور ہو جائیں۔ غرضکہ اخلاط و حرارت سے
بالوں کا مادہ ہر وقت اعضا سے اٹھتا رہتا ہے تو چاہئے کہ اس سے بال ہر وقت
بڑھتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بحسب خصوصیت مقام بالوں کے بڑھنے کی ایک
حد معین ہے اگر پلکوں اور ابرو کے بال ہمیشہ بڑھتے رہیں تو آنکھوں پر اندھیرا
اور چہرے پر نقاب ہو جائیں حالانکہ وہ بال ایک حد معین تک بڑھکر
ٹھر جاتے ہیں۔ پھر اون کو نکال دیں تو بھی اس حد تک بڑھ کر اون کا نمو موقوف
ہو جاتا ہے اسی طرح ڈاڑھی وغیرہ کا حال ہے کہ جب اپنے سن نمو سے بڑھ کر
سن وقوف کو پہونچ جاتی ہے تو آدمی کے قد کے طرح ایک قد معین ہو جاتا ہے
مگر فرق یہ ہے کہ اس کی قامت اگر کم کر دی جائے تو وہ بڑھ کر قامت اصلی
تک پہونچ جاتی ہے اور قامت آدمی میں یہ بات نہیں اس سن وقوف کے
زمانہ میں بالوں کا امدادی مادہ معلوم نہیں کہاں چلا جاتا ہے اگر متفرق ہوکر
دوسرے مساموں سے نکلتا ہے تو چاہئے کہ کترنے کے بعد نہ بڑھے کیونکہ امدادی
مادہ نے اپنے نکلنے کا راستہ دوسرا بنا لیا ہے۔ حالانکہ کترتے ہی بال
بڑھنے لگتے ہیں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ امدادی مادہ گویا منتظر رہتا ہے۔
باہر اس کے قد کی کمی ہوتی ہی فوراً اوسکو ڈھکیلتا ہوا حد معین پہونچا دے اس سے
صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کو جس حد تک اس کا بڑھنا منظور ہوتا
بڑھاتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی مقدار اوس کے نزدیک معین ہے جیسا کہ ارشاد

وکل شئی عندہ بمقدار اس وجہ سے اندرونی مادّہ یا تحلیل ہو جاتا ہے یا کسی دوسرے طرف رجوع کر جاتا ہے۔ مگر یہ طاقت نہیں کہ اوسکو حد معین سے باہر قدم رکھنے میں مدد دے۔ البتہ حد معین تک پہونچانے میں عاقلانہ مدد کر سکتا ہے کیا عقلا کو اس قدر تنبیہ کافی نہیں کہ عاقل غیر عاقل طبعی غیر طبعی خدا ے تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔

یہاں ایک بات اور سمجھ میں آتی ہے کہ بال بغیر دخان کے نہیں پیدا ہوتے اور دھواں جب تک کوئی مرطوب چیز نہ جلے نہیں نکلتا پھر جلا کر دھواں نکالنا کم درجہ کی حرارت سے ممکن نہیں۔ دیکھئے موسم گرما میں دوپہر کے وقت دھوپ میں کیسی حرارت کی شدت ہوتی ہے۔ مگر کوئی مرطوب چیز اس سے نہیں جلتی اور جب خود حکما کے اعتراف سے مزاج کے حال میں معلوم ہوا کہ آگ کی صورت نوعیہ مزاج میں باقی رہتی ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ صورت نوعیہ حکما کے نزدیک فاعل اور مبدأ آثار ہے جیسا کہ مولانا محمد عبد الحلیم رح نے حل نفیسی میں لکھا ہے کہ مذہب الحکماء ان الجسم یشتمل علی مادۃ وصورۃ جسمیۃ وصورۃ نوعیۃ بہا یتمیز نوع الجسم من نوع اخر والمادۃ من شانہا القبول والانفعال والمنفعل لا یکون فاعلا والصورۃ النوعیۃ مبدأ الآثار فہو فاعلۃ الخ اور نفیسی میں لکھا ہے فما دامت الصورۃ باقیۃ کانت الکیفیۃ

باقية قوية اوضعيفة اس سے ظاہر ہے کہ آگ کی صورت نوعیہ جو مزاج میں باقی ہے اوس میں کیفیت احراقیہ بھی موجود ہے۔ رہا یہ کہ شاید پانی کے ساتھ ہونے سے وہ ضعیف ہوکر قابل احراق نرہی ہو تو اوس کا ابطال اس سے ہوگیا کہ وہ ایسی شدید الحرارت ہے کہ اخلاط مرطوبہ کو جلاکر دھواں نکالتی ہے جس سے بال بنتے ہیں۔ تو بعد اس کے کہ مؤثر اور اثر خود حکما کے قول اور مشاہدہ سے ثابت ہوگئے تو ہمیں اب کوئی ضرورت نہیں کہ از سر نو زحمت اٹھاکر آگ کا وجود بدن انسانی میں ثابت کریں پھر ہم دیکھتے ہیں کہ تقریباً کل بدن انسان پر بال اوگتے ہیں اور جہاں نہیں اوگتے اوس کی وجہ حکمانے یہ بیان کی ہے کہ وہاں کے مسامات یا تو نہایت باریک ہیں یا کشادہ جس کا مطلب یہ ہوا کہ دخان تو وہاں بھی موجود ہے مگر مسامات میں بال بنانے کی صلاحیت نہیں۔ اور دخان چونکہ بغیر آگ کے پیدا نہیں ہوتا اس سے ظاہر ہے کہ تمام بدن انسانی میں خالص آگ پھیلی ہوی ہے جس کی صورت نوعیہ میں تغیر تک نہیں آیا۔ کیونکہ جب تقریباً تمام بدن پر بالونکا اوگنا اور اونکا دھویں سے بننا مسلم ہے اور مشاہدہ اور تصریح اطبا سے ثابت ہے کہ دھواں بغیر کسی جلانے والی چیز کے نہیں پیدا ہوتا اور یہ ثابت ہوچکا کہ جلاکر دھواں نکالنے والی چیز بدن میں صرف آگ ہے چنانچہ اوس کا وجود بصورت نوعیہ محققین کی تصریح سے ثابت ہے اور صورتِ نوعیۂ نار کو احراق لازم ہے جس کے ثبوت پر بال دلیل ہیں تو

اس کا انکار نہیں ہو سکتا کہ آگ تمام بدن میں بھری پڑی ہے جس نے اخلاط کو جلا کر اون سے دھواں نکالا۔ اور اوس سے بال بنے۔ اور بعض مقامات میں مسامات کی عدم صلاحیت کی وجہ سے نہ بن سکے۔ اب غور کیجیے کہ بدن میں خالص آگ موجود ہو اور اوس کے آثار یعنی حرارت وغیرہ بھی موجود ہوں اور وہ بھی کیسی کہ مرطوب چیزوں کو جلا کر اوس کا دھواں جسم انسان میں باہر نکالتی ہے اور اُس آگ میں اور ہمارے بدن میں کوئی چیز حائل نہیں باوجود اس کے ہمیں اوس کا احساس تک نہ ہو کیا یہ قدرت بالغہ نہیں؟ کیا کوئی عاقل اسکا انکار کر سکتا ہے۔؟ اب اگر کوئی دلائل میں غور نہ کر کے نا سمجھی سے کہدے کہ یہ بات عقل میں نہیں آتی تو سوائے اوس کے قصور عقل کے اس کا اور کیا سبب ہو سکتا ہے۔ عقلا کو تو ضرور ماننا پڑیگا کہ جس نے آگ کو جلانے کی قوت دی ہے اوسی نے اس موقع میں جلانے سے اُسے روک دیا۔ حق تعالےٰ فرماتا ہے سبح اسم ربك الاعلى الذي خلق فسوى والذي قدر فهدى یعنی پاک سمجھو اپنے رب کے نام کو جو سب سے اعلیٰ ہے جس نے پیدا کیا ہر چیز کو پھر پورا کیا اور معتدل بنایا اور جس نے اندازہ فرمایا پھر راہ بتائی۔ یعنی جس چیز کو جس کام کے لئے پیدا کرتا ہے اوس کو بذریعۂ الہام اس کام کی ہدایت بھی فرما دیا ہے۔ اسی بنا پر آگ کو ہدایت کر دی اس موقعہ میں بدن کو نہ جلائے یہاں یہ خیال نہ کیا جائے کہ حق تعالےٰ ہر چیز کو پیدا

کرنے کے وقت اوس کے فرائض منصبی اوسے تعلیم کرکے بے فکر ہو جاتا ہوگا۔
نہیں بلکہ اس تعلیم کے بعد بھی اپنا اختیار باقی رکھتا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔
يفعل الله ما يشاء ويحكم ما يريد یعنی اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو کچھ
ارادہ کرتا ہے اسکا حکم کرتا ہے اور اپنی تدبیر میں کسی کو مداخلت نہیں دی چنانچہ ارشاد ہے يدبر الامر
كله یعنی کل کاموں کی تدبیر خود ہی کرتا ہے۔ اب کہئے کہ ابراہیم علیہ السلام
تھوڑی دیر آگ میں رہے اور اوس نے اون کو نہ جلایا جس کی خبر خدائتعالے
نے قرآن میں دی ہے۔ تو اوس کی قدرت کاملہ کے مقابلہ میں کونسی بڑی بات
ہوگئی ہم تو عمر بھر دہکتی آگ میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں اور ہمیں احساس تک
نہیں ہوتا۔ اگر اس قدرت کاملہ کو دیکھکر بھی کلام الٰہی پر ایمان نہ لائیں تو بڑے
افسوس کی بات ہے۔ یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ بال سفید اور سرخ
کیوں نکلتے ہیں۔ اگرچہ حکما نے اوس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ وہ خون اور بلغم کا
اثر ہے مگر اوس سے تشفی نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ بال خون اور بلغم سے نہیں بنتے
بلکہ اون کا مادہ دخانی بخارات ہے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ اور ظاہر ہے
کہ بخارات میں صرف پانی جو بسیط ہے مخلوط ہوتا ہے اور خون و بلغم مرکب
ہیں جیسا کہ نفیسی میں لکھا ہے وهو الغذا بان يترك الصورة
الغذائية ويقبل الصورة الخلطية اولا ثم العضوية
جس سے ظاہر ہے کہ غذا جو ایک مرکب چیز ہے اپنی صورت کو چھوڑ کر صورت

خلط یہ کو قبول کرتی ہے۔ یعنی خون بلغم وغیرہ بنتی ہے اب اگر رنگ دار ہے تو خلط مرکب ہے یعنی بلغم وغیرہ اس بسیط پانی میں رنگ کہاں سے آگیا۔ یہ تو مشہور ہے کہ پانی کا کوئی رنگ نہیں۔ جیسے میں ملا وہی رنگ دکھائی دیا۔ البتہ جب تک خون یا بلغم میں تھا اون کا ہمرنگ محسوس ہوتا تھا کیونکہ لون الماء لون انائہ پھر جب ان سے علیحدہ ہوگیا تو اب ظرفیت کہاں اب تو وہ دخانات کے ساتھ ہے جن کا رنگ سیاہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ کاجل میں محسوس ہے۔ رہا یہ کہ شاید بعد مفارقت بھی ان اخلاط کا رنگ باقی رہ گیا ہو سو یہ مشاہدہ کے خلاف ہے۔ دیکھئے ترنبیق مین مختلف رنگون کی چیزین ڈالی جاتی ہین مگر عرق جو بخارات کا نچوڑ ہے اوس مین کوئی رنگ نہین آتا۔ پھر یہ بھی ابھی معلوم ہوا کہ پانی حرارت بدن وغیرہ سے تحلیل ہوکر اوسی قدر رہ جاتا ہے جو اجزائے ارضیہ کو متفرق نہ ہونے دے پھر جب وہ مسامات سے باہر نکل آئے تو رہا سہا پانی بھی ہوا ہوگیا۔ غامض نظر سے دیکھا جائے تو بال صرف جلے ہوئے اجزائے ارضیہ معلوم ہونگے اور باقی عناصر اون کے لئے واسطہ فی الثبوت بنائے گئے ہین۔ حکمت بالغہ مقتضی ہوئی کہ وہ جلے ہوے اجزائے ارضیہ کسی طرح باہر نکل کر آرایش وآسایش بدن بنین آگ نے اپنی حرارت سے مقامی بخارات کو گرمایا جنھون نے اون لطیف اجزا کو اپنے ہمراہ لیا۔ ہوا سے بخاری اون کو اڈ لائی۔ پانی نے اون کو متفرق ہونے سے روک کر جہان تک اون کا پہونچانا

مقصود تھا ہاتھون ہاتھ پہونچا دیا۔ اس کے بعد وہ بدرقہ رخصت ہو گیا۔ غرضکہ خون یا بلغم کا رنگ اون مین شریک رہنا قرین قیاس نہین۔ پھر اون اخلاط کا رنگ بالون کے مادے مین ہو تو چاہیئے کہ امدادی مادہ بالون کی جڑ ونکی طرف سے رنگین کرتا ہوا ایک مدت درازمین اون کے سرون تک پہونچے حالانکہ ہم دیکھتے ہین کہ جو بال سفید ہوتا ہے وہ تھوڑے ہی عرصہ مین پورا سفید ہو جاتا ہے پھر اگر اوس قسم کا مادہ تسلیم بھی کیا جاوے تو اون بالون کی نسبت خیال کیا جاوے گا جو ہنوز اپنے سن نمو مین ہین اور جو اپنے سن وقوف کو پہونچ گئے اون کی نسبت تو اوس کا خیال بھی نہین آسکتا۔ اس لئے کہ ابھی معلوم ہوا کہ اون کے سن وقوف کے بعد امدادی مادہ کسی دوسری راہ سے نکل جاتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاڑھی وغیرہ کے سیاہ بال اگر نہ کترے جائین تو کبھی سفید نہ ہون۔ جب تک سب جھڑ کر نئے سرے سے نہ اوگین اور یہ نہایت نادر الوقوع ہے اس لئے کہ ڈاڑھی وغیرہ مین ہزار ہا بال ہوتے ہین۔ اور اون کی جڑین ایسی مستحکم ہین کہ اکھاڑنے سے تکلیف ہوتی ہے۔ بغیر کسی خاص مرض کے عموماً وہ خود بخود نہین جھڑتے اور اگر کسی صدمہ سے جھڑ بھی گئے تو معدودے چند جو کسی شمار مین نہین حالانکہ ہم کمسن ڈاڑھی کے بالون کو دیکھتے ہین کہ نہ مہینون اون مین کنگھی کی جاتی ہے نہ کوئی مرض ہے اور وہ سفید ہو جاتی ہے۔ غرض کہ ان امور سے سخت حیرانی ہوتی ہے کہ ان کے کیا اسباب ہونگے۔

چھوٹے بال اور سیاہ چہرہ توئے کا ہم رنگ حسن ہے جسکو یورپ اور ایشائی طبائع پسند نہین کرتے پھر وہی نازنین جو عنفوان شباب مین دلیراور دلربا سمجھی جاتی تھی پچاس ساٹھ سال کی عمر مین قابل نفرت ہوجاتی ہے حالانکہ صورت وشکل تقریباً وہی باقی ہے۔اب غور کیجیے کہ وجدان عاشق اور شکل معشوق مین کس چیز نے ربط دیا جس سے وہ اوس کا دلدادہ ہے اور دوسرون کو کوئی تعلق نہین۔کیا عقل سے اسکا تصفیہ ہوسکتا ہے ؟ کہ فلان قسم کے خط وخال اور شکل وشمائل کے ساتھ فلان قسم کی طبیعت مثلاً سودائی صفراوی وغیرہ کو مناسبت ہوتی ہے ۔ ہرگز نہین ۔ پھر طرفہ یہ کہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ حسینون کو دیکھنے سے قواے شہوانیہ کو حرکت ہوتی ہے ۔حالانکہ کجا چہرہ اور کجا مقام مستور اس حیوانی خیالات کی تحریک مین حسن صورت کو کیا دخل ۔عقلاً زشت وخوب دونون اس باب مین برابر ہین حالانکہ حسن سے اوسکو خاص تعلق معلوم ہوتا ہے ۔ اسی وجہ سے ہماری شریعت مین اجنبی عورت کو دیکھنے کی اجازت نہین ۔اور عورتون کو پردہ کرنے کا حکم ہے تاکہ نظر سے فسق وفجور کی سلسلہ جنبانی نہونے پاے ۔مقتضاے عقل تو یہ تھا کہ جب چہرہ اچھا معلوم ہوا تھا تو اوس کے دیکھنے سے سیری ہوتی ۔او[ر کسی دوسری] طرف خیال نہ جاتا ۔جیسا کہ بعض بزرگون کا حال تھا کہ مشاہدہ حسن وجمال ایسے مستغرق ہوجاتے کہ کسی دوسری بات سے اون کو تعلق ہی نہ ہوتا۔غرض کہ جن طبائع مین حیوانی خیالات جوش زن ہوتے ہین حسن صورت کا پہلا اثر قلب پر

پڑتا ہے جس کا واسطہ آنکھیں اور وجدان حسن ہے جس سے محبت وعشق پیدا ہوتا ہے - پھر قواے نفسانیہ پر یہ اثر ہوا کہ دماغ مختل اور قواے فکریہ بیکار ہوگئے - اور جنون کی سی کیفیت طاری ہوگئی - پھر قواے شہوانیہ مین ہیجان پیدا ہوا جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ چند قطرہ خاص فضلہ کے نکل کر سب کو ٹھنڈے کر دیتے - اب نہ وہ حسن دلفریب ہے نہ وہ جوش محبت نہ وہ آہ وزاری دبیقرا رہی نہ وہ دیوانگی نہ وہ ہیجان - اگران امور کے روابط باہمی دیکھے جائین تو عقل سے کوئی تعلق تناسب نہ ہوگا - اور نہ مبادی اور مقاطع مین کوئی ایسی مناسبت پائی جائیگی جس کو عقل تسلیم کرسکے - آخری فیصلہ اسی پر ہوگا کہ خالق طبیعت نے اقسام کے میل اس مین رکھے ہین جن مین بعض عام ہیں جس میل غذا وغیرہ - اور ان میلانون مین مادی کو کوئی دخل نہین اس لئے کہ مادی سے فقط اعضاے جسمانی بنتے ہین - اور یہ میول طبیعت سے متعلق ہین جس کا تصفیہ اب تک نہین ہوا کہ وہ کیا چیزین ہین - بہرحال بال انسان کے زینت کے لئے بنائے گئے ہین - ورنہ حیوانون کی طرح سے سر سے پاؤن تک ہوتے اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر خاص خاص قسم کی وضع ترکیب نہ ہوتی - دیکھئے سر اور ابرو کے بالون مین پیشانی کا فاصلہ ہے - حالانکہ بظاہر پوست ایک قسم کا ہے مگر پیشانی پر نہین اُگتے - پھر تھوڑے فاصلہ پر پلکین ہین پھر مرد اور عورت مین فرق کرنے کے لئے مردون کو ڈاڑھی موچھین دی گئین اور جس طرح سر کے بال عورتون کی زینت ہین - ڈاڑھی

موچھیون سے مردون کی زینت ہے ۔ اگرکسی کو ڈاڑھی نہ نکلے تو اوس کا چہرہ بدنما معلوم ہوتا ہے ۔ اور کیسا ہی فاسق کیون نہ ہو ڈاڑھی کے نہ نکلنے کا اوسکو قلق ہوتا ہے اور باوجودیکہ ایسے دوائین موجود ہین کہ اون کے لگانے سے بال نہین اوگتے مگر ڈاڑھی مونڈوانے والے اون کا استعمال کرکے ہمیشہ کے لئے بیفکری حاصل کرلیتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کی ضرورت وہ بھی سمجھتے ہین خیالی ہی کیون نہ ہو ۔ الحاصل بالون کا زینت انسانی ہونا ہر طرح سے مسلم ہے اسکے سوا معلوم نہین کہ خالق عزوجل نے اون مین کیا کیا فوائد رکھے ہین ۔ حکما نے اپنے تجربون سے ایک فائدہ بالون کا یہ بھی بتایا ہے کہ وہ آدمی کی اندرونی حالت اور اخلاق پر مطلع کرتے ہین چنانچہ علم قیافہ مین لکھا ہے کہ وہ اون امور پر دلالت کرتے ہین ۔ خوش خلقی ۔ بدخلقی ۔ قوت ۔ جرأت ۔ شجاعت ۔ تہور ۔ جبن ۔ خونریزی ۔ تکبر ۔ ظلم ۔ بدنیتی ۔ دنائت ۔ خبث باطنی ۔ بدنفسی ۔ نیک نفسی حسن و قبح طبع ۔ غفلت ۔ حماقت ۔ کم فہمی ۔ کج فہمی ۔ ذکاوت ۔ وہم ۔ جنون اختلاط ذہن ۔ بدگمانی ۔ مکاری ۔ زنانگی ۔ کثرت شہوت ۔ عیاشی ۔ بخل ۔ حرص بیحیائی ۔ لہو و لعب ۔ استہزا ، طلاقت ۔ و عدم طلاقت ۔ لسان ۔ لاف گذاف وغیرہ جنکو فن قیافہ مین مہارت تامہ حاصل ہے وہ صرف بالون کے حالات کو دیکھکر ان اخلاق باطنی پر مطلع ہوتے ہین ۔ غور کیجئے کہ کیسی قدرت کاملہ ہے کہ بال بال اوس کی صنعت بالغہ پر گواہی دے رہا ہے اس کے سوا

خدا جانے اور کیا کیا مصلحتین پیش نظر ہین جن کا حال خدا ہی جانتا ہے۔ منجملہ اون کے ہین بظاہر یہ مصلحت معلوم ہوتی ہے کہ اون سے بچاؤ گرمی سردی وغیرہ کا بھی ہوتا ہے پلکون کے بال ایسے وضع قطع کے بنائے گئے ہین کہ گرد وغبار وغیرہ اوپر اور نیچے سے نہ جاسکے باوجود اس پردہ ہونے کے بصارت کو وہ نہین روک سکتے۔ غرض کہ غائر نظر سے یہ معمولی چیزین دیکھی جائین تو خدا تعالیٰ کی کمال حکمت وقدرت وغیرہ صفات کا ثبوت آدمی کو مل سکے۔ مگر افسوس ہے کہ ہم لوگ اپنے دھندون مین ایسے لگے ہوے ہین کہ وہان تک نوبت ہی نہین آتی۔ اگرچہ یہ بحث موضوع کتاب سے متعلق نہین مگر مقاصد الاسلام سے ضرور متعلق ہے اس لئے ضمناً لکھدی گئی۔

خصائص کبریٰ مین روایت ہے کہ زیاد ابن عبد اللہؓ حضرتؐ کی خدمت مین حاضر ہوے۔ آپ نے اون کے لئے دعا کی اور دست مبارک ان کے سر اور چہرہ پر پھیرا۔ بنی ہلال کہتے ہین حضرت کے دست مبارک کی برکت اُن کے چہرے مین نمایان تھی۔ اور اُن کا چہرہ پر نور چمکتا تھا انتہی۔

دیکھئے دست مبارک کی برکت جو ایک معنوی چیز تھی اون کے چہرے پر نمایان ہوگئی اور غیر محسوس محسوس ہوگیا جب اس عالم مین غیر محسوس امر محسوس ہوگیا تو قیامت کے روز اس کا محسوس ہونا ہرگز قابل استبعاد ہو نہین سکتا۔ اور جب وہ برکت انکے مرنے تک محسوس ہوتی رہی تو قیامت کے روز یقیناً اُس مین اور بھی برکت ہوگی۔

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ سبرہؓ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے ہاتھ کی پیٹھ پہ ایک رسولی ہوی ہے جس کی وجہ سے میں اپنی اونٹنی کی مہار تھام نہیں سکتا۔ حضرت نے ایک پیالہ منگوایا اور رسولی پر اوسکو مار کر دست مبارک اوس پر پھیرنے لگے تھوڑی دیر میں وہ جاتی رہی انتہی۔

تھوڑے عرصہ میں رسولی کا دفع ہوجانا مشکل کام ہے اکثر اطبّا اوس کے علاج سے عاجز رہتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب خدائے تعالیٰ کسی پر مہربان ہوتا ہے تو اوس کے لئے ایک خصوصیت عطا ہوتی ہے کہ جو چیز وہ چاہے موجود ہو جاے چنانچہ کل جنتیوں کو ایک خصوصیت عطا ہوگی۔ اس کا مقتضے یہ کہ ادھر کسی چیز کی خواہش ہوئی ادھر اوس کا وجود ہوگیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کنؔ عطا ہوتا ہے۔ یعنی کسی چیز کے وجود کا خیال و ارادہ کرنا گویا کنؔ کہنا ہے۔ جس کے ساتھ ہی وہ موجود ہو جاتی ہے۔ اس کی تصریح حضرت غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ نے فتوح الغیب میں فرمائی ہے

خصائص کبریٰ میں عبدالرحمن ابن ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ حکم ابن عاص حضرت کے پاس بیٹھتا جب حضرت کچھ کلام فرماتے اپنے چہرے کے پوست کو پھڑکاتا۔ حضرت نے فرمایا کن کذالك مرتے تک اوس کی حالت یہی رہی کہ اوس کا چہرہ ہمیشہ پھڑکتا تھا۔ انتہی۔

خصائص کبریٰ میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز آنحضرت خطبہ پڑھ رہے تھے ایک شخص پیچھے کھڑا ہوکر چڑھانے لگا حضرت نے فرمایا کذا لک فکن یعنی ایسا ہی ہوجا۔ ساتھ ہی وہ گر گیا۔ دو مہینے تک فریش رہا اور جب افاقہ ہوا تو اوسکا چہرہ ویسا ہی ہوگیا جو چڑھانے کے وقت تھا۔ انتہیٰ۔ دیکھئے صاف لفظوں میں حضرت نے کن فرمایا اور حضرت نے جو ارادہ فرمایا وہ وقوع میں آگیا۔

خصائص کبریٰ میں ابو رجبی سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت کسی انصاری کے باغ میں تشریف لے گئے اس وقت وہ باغ کو پانی دیرہے تھے حضرت نے فرمایا اگر میں تمہارے پورے باغ کو پانی دوں تو تم مجھے کیا دوگے انہوں نے کہا میں بہت کوشش کیا کرتا ہوں کہ اوسکو سیراب کردوں مگر نہیں ہوسکتا۔ حضرت نے فرمایا اگر میں اوسکو سیراب کردوں تو کیا تم سو کھجوریں دوگے؟ اونہوں نے قبول کیا۔ حضرت نے ڈول لیا اور تھوڑی دیر میں کل باغ میں پانی پہونچا دیا۔ یہانتک کہ وہ انصاری کہنے لگے کہ بس کیجئے میرا باغ ڈوب گیا۔ حضرت نے اون سے کھجوریں لیکر آپ بھی کھائیں اور صحابہ کو بھی کھلائیں۔ یہاں تک کہ سب سیراب ہوگئے اون کی وہی سو کھجوریں جو لی تھیں واپس کردیں۔ انتہیٰ۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ نے کام پر اجرت لی ہے کیونکہ باغ کو سینچا اور اس کے معاوضہ میں چھوہارے لئے۔ اور یہ صرف ضرورت کے لحاظ سے تھا

اس کے سوا اور روایات سے بھی ثابت ہے کہ ضرورت کے وقت حضرت
اس قسم کی مزدوری کر لیتے تھے اور یہ کچھ عیب نہین۔ ہان بلا معاوضہ کوئی چیز مانگنا
اور لینا البتہ عیب ہے۔ حق تعالی فرماتا ہے۔ قل ما اسالکم علیہ
من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا۔ یعنی کہو اے
محمد کہ مین اس پر تم سے کوئی مزدوری نہین مانگتا۔ البتہ ایسے شخص کو مانگتا ہون
جو اپنے پروردگار کی طرف جانے کا راستہ لینا چاہتا ہے۔ انتہی۔

خدا کے تقرب کا راستہ چلنے والے پہلے تو خود ہی کم ہوتے ہین۔ اوس پر اگر کوئی
آنا چاہتا تو کفار اوس کو روک دیتے۔ اور حضرت سے ملنے ہی نہ دیتے۔ آپ
نے دیکھا ہوگا کہ جو واعظ کچھ مانگتا ہو اور قوم پر اوس کی یہ حالت ظاہر ہو جاے
تو لوگ اوس کے وعظ مین بہت کم شریک ہوتے ہین۔ اس لئے کہ پیسہ دینا
آدمی پر بہت شاق ہوتا ہے۔ خصوصاً ایسے موقع مین کہ معاوضہ کچھ بھی نہ ملے
اس لئے حضرت نے پہلے ہی فرمادیا کہ مین تم سے کسی قسم کی مزدوری نہین مانگتا
اور اوسکو عملاً بھی ثابت کر دکھایا۔ اس طریقہ سے کہ آپ نے گزران ایسی رکھی
کہ تمول کی اوس مین ضرورت ہی نہ ہو۔

المواہب اللدنیہ مین کتب معتبرہ سے روایتین لکھی ہین کہ متواتر کئی کئی روز ایسے
گزر جاتے تھے کہ آنحضرت ؐ اور آپ کے گھر والون کو فاقہ ہوتا۔ عائشہ رض کہتی ہین
کہ آنحضرت ؐ کی زندگی بھر مین کبھی ایسا اتفاق نہین ہوا کہ ایک روز مین دو قسم کی

چیزیں آپ سیر ہی سے کہاے ہون - اگر کھجوریں ملین تو اوسی پر اکتفا کیا - اور جو کی روٹی مل گئی تو وہی کھالی - نعمان ابن بشیرؓ کہتے ہین کہ مین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ ردی اور کم درجہ کی کھجور بھی آپ کو کبھی اتنی نہ ملی کہ پیٹ بھر کر کھاے ہون - عائشہؓ کہتی ہین کہ دو دو تین تین چاند یعنی مہینے ایسے گزر جاتے تھے کہ ہمارے یہان چولھا سلگنے کی نوبت نہ آتی - صرف پانی اور کھجور پر گذر تھی -

شفائے قاضی عیاض مین ہے کہ اکثر یہ ہوتا تھا کہ آنحضرتؐ بھوک کی وجہ سے رات بھر پیچ و تاب کھاتے رہتے تھے - اور باوجود اس کے دن کو روزہ رکھتے مین حضرت کی یہ حالت دیکھکر بے اختیار رو دیتی اور شکم مبارک پر ہاتھ پھیرتی ایک بار عرض کی یارسول اللہ مین آپ پر فدا ہون - آپ دنیا سے اتنا تو رکھئے جو بقدر کفاف قوت ہوسکے - فرمایا مجھے دنیا سے کیا تعلق میرے بھائی جو اولوالعزم پیغمبر تھے اس سے زیادہ سختیون پر صبر کرے - اور اسی حالت سے اپنے رب کی طرف گئے اور اوس نے اون کا اکرام کیا اور اون کو اوس کے عوض مین بڑی بڑی نعمتین دین - مجھے شرم آتی ہے کہ مین مرفہ الحالی سے زندگی بسر کرون اور کل اون سے کم درجہ رہون - کوئی چیز مجھے اس سے زیادہ محبوب و مرغوب نہین کہ مین اپنے بھائیون اور دوستون اور رفیق اعلیٰ سے مل جاؤن -

کنز العمال میں روایت ہے کہ ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا دیکھا کہ بیٹھ کر آپ نماز ادا فرما رہے ہیں میں نے اوس کا سبب پوچھا۔ فرمایا بھوک کی وجہ سے اے ابوہریرہ یہ سنکر میں بے اختیار رونے لگا حضرت نے فرمایا مت رو جو شخص بہ نیت اجر بھوکا رہے قیامت کی سختی سے وہ محفوظ رہے گا۔

ابوطلحہؓ کہتے ہیں ایک روز ہم نے آنحضرتؐ سے بھوک کی شکایت کی اور ایک ایک پتھر پیٹ پر بندھا ہوا دکھلایا۔ حضرت نے کپڑا اوٹھا کر دکھلایا کہ دو پتھر شکم مبارک پر بندھے ہیں انتہی ملخصاً۔

اس مقام میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ پیٹ پر پتھر باندھنے سے بھوک کم نہیں ہوسکتی۔ بظاہر یہ درست معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ یہ فعل بے فائدہ ہو۔ عرب کی عادت تھی کہ جب بہت بھوکے ہوتے تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔ جب تک کہ کچھ نہ کچھ فائدہ اس میں نہ دیکھا ہو ممکن نہیں کہ ایک قوم ایسے فضول کام کی مرتکب ہوئی ہو۔ معترض صاحب پیٹ بھرے ہیں۔ وہ کیا جانیں کہ بھوک جب شدت سے لگتی ہے اور آدمی بیتاب ہوجاتا ہے اوس وقت کی کیا حالت ہوتی ہے اور کیا سوجھتی ہے کم سے کم یہ مصلحت ضرور ہے کہ جب پیٹ خالی ہوجاتا ہے تو آدمی سیدھا کھڑا ہو نہیں سکتا اس لئے پتلا سا پتھر باندھ لیتے ہوں گے۔ تاکہ قامت میں خمیدگی

نہ آنے پائے۔ انتہا درجہ کی بھوک کے وقت پیٹ پر پتھر باندھا جاتا ہے۔ یہاں
یہ بھی ایک خیال پیدا ہوتا ہے کہ انصار مہاجرین کے ساتھ کمال ہمدروی
سے پیش آئے۔ یہاں تک کہ اپنا آدھا مال دے دیا۔ پھر آنحضرتؐ کی
حالت ایسی کیوں رہی اسکو یوں دفع کر سکتے ہیں۔ کہ حضرت کا فقر اختیاری
تھا چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے جو المواہب اللدنیہ میں ابن عباس
سے ہے کہ ایک روز آنحضرت اور جبرئیل مکہ معظمہ میں صفا پر تھے حضرت نے
اون سے فرمایا کہ قسم ہے اوس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا
شام کو آل محمد کے پاس ایک مٹھی آٹا اور ایک پتلی بھر ستو بھی نہیں ہوتا۔ یہ کلام
پورا ہونے نہیں پایا تھا کہ آسمان سے ایک سخت آواز آئی۔ جس سے حضرت گھبرا گئے
اور اون سے پوچھا کہ کیا قیامت قائم کرنے کا حکم آگیا ہے؟ کہا نہیں اسرافیل
کو آپ کے پاس آنے کا حکم ہوا ہے چنانچہ وہ گئے اور کہا کہ جو آپ نے ذکر
کیا وہ خدائے تعالے نے سنا اور آپ کے پاس مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں
دیکر بھیجا ہے اور حکم فرمایا کہ میں آپ پر یہ پیش کردوں۔ اور تہامہ کے
پہاڑوں کو زمرد اور یاقوت اور سونا اور چاندی بنا دوں۔ اگر آپ اس پر
راضی ہیں تو ابھی ایک کام کر دیتا ہوں۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ چاہیں نبی
بادشاہ بنیں یا نبی بندے۔ جبرئیل نے آپ کو اشارے سے کہا کہ تواضع اختیار
کیجیے۔ حضرت نے اون سے کہا کہ میں نبی بندہ بنا چاہتا ہوں۔ انتہی۔

جب آپ کی ایسی حالت تھی تو طبع غیور کیونکر گوارا کر سکتی ہے کہ آپ اپنی معیشت کا بار انصار پر ڈال دین۔ اس لئے جب سخت ضرورت ہوتی تو مزدوری کر لیتے اور ہدیہ اور دعوت بھی قبول فرما لیتے۔ بہرحال متعدد صحیح صحیح روایتون سے ثابت ہے کہ جس طرح آپ اور آپ کے اہل بیت و ازواج مطہرات نے گزران کی کوئی دنیا دار ایسی گزران نہین کر سکتا۔

حضرت صلعم کے لباس کا حال

اور حضرت کے لباس مبارک کا یہ حال تھا مواہب مین مذکور ہے کہ کبھی چادر اوڑھ لیتے اور کبھی سیاہ کمبل اور کبھی کرتا زیب بدن فرماتے۔

اور انس سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ صوف پہنا کرتے تھے اور ایک چادر پیوند لگائی ہوئی تھی۔ جس کو پہنتے اور فرماتے کہ مین بندہ ہون۔ جس طرح غلامون کا لباس ہوا کرتا ہے۔ مین بھی ویسا ہی پہنتا ہون۔ یہ لباس کا حال تھا۔ السیرۃ النبویہ مین حفصہؓ سے روایت ہے کہ حضرتؐ جس بچھونے پر آرام کرتے وہ موٹی کمبل تھی۔ اور کبھی چارپائی پر آرام کرتے جو باندھ سے بنی ہوتی جس کا اثر جسم مبارک پر نمایان ہوتا۔

اب مکان کا حال سنئے۔

خلاصۃ الوفا وغیرہ مین لکھا ہے کہ حجرہ مبارک کی یہ کیفیت تھی کہ جلانے کی چند لکڑیان گاڑ دی اور اون کے کمبلون کو باندھ دیا گیا تھا۔ وفات شریف تک حضرت کا یہی خاص دولت سرا رہا۔ اور جو ازواج مطہرات کے حجرے سے تھے

اون میں چار حجروں کی دیوار بن کچی اینٹ کی تھیں۔ اور چھت کھجور کے شاخونکا
جسپر کیچڑ کا گلابہ کر دیا گیا تھا۔ اور پانچ حجرون کو تو دیوار بن بھی نہ تھی صرف
کھجور کی شاخین گاڑکر اون پر گلابہ کر دیا گیا تھا۔ حضرت امام حسینؓ فرماتے ہیں کہ
اون کی بلندی اتنی تھی کہ میرا سر اون کی چھت کو لگتا تھا۔ اور اُنکے دروازوں پر
تین ہاتھ طول اور ایک ہاتھ عرض کے پردے کمبل کے پڑے رہتے تھے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام حضرت کے زمانے میں صاحبزادے کم سن تھے۔ جب
اون کا سر چھت کو لگتا تھا تو اوس سے ان محلسراؤں کے ارتفاع کا اندازہ ہو سکتا
ہے۔ یہ خاص حضرت کے اور ازواج مطہرات کے دولت خانے تھے جن میں
عمر بھر گزران کی۔ آدمی کے لئے کھانا کپڑا امکان ضروریات سے ہیں اور جس قدر
روپیہ زیادہ صرف ہوتا ہے اسی میں ہوتا ہے بلکہ آدمی اپنی اُمور مین ترفہ حاصل
حاصل کرنے کی غرض سے اقسام کی مشقتین اوٹھاتا ہے۔ حضرت کے طرز عمل نے
یہ ثابت کر دکھایا کہ مال و دولت حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہین۔ کیونکہ
جو امر یہاں پیش نظر ہے وہ اسی قدر ہے کہ حضرت کو دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا۔
جس سے لوگوں کو ما اسألکم علیہ من اجر کا مشاہدہ ہو جائے۔ کثرت
ازواج سے اس مضمون کی اور زیادہ تائید ہوتی ہے کہ باوجود اس قدر عیالداری
کے کسی پہ بار نہین ڈالا گیا۔

السیرۃ النبویہ مین عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ حضرت کے وفات تک

کبھی ایسا نہ ہوا کہ خود بدولت یا ازواج مطہرات جو کی روٹی سے بھی سیر ہوے ہوں انتہی - شاید کسی بیوی کا خیال آرائش و زینت کی طرف متوجہ ہوا ہو گا جو خاطر غیور سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بار ہونے کا باعث تھا ساتھ ہی آئیہ شریفہ نازل ہوی یا ایھا النبی قل لازواجك ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا۔ وان کنتن تردن اللہ ورسولہ والدار الاخرۃ فان اللہ اعد للمحسنٰت منکن اجرا عظیما اے نبی اپنی بیویوں سے کہدو کہ اگر تمکو دنیا کی زندگی اور اوس کی آرائش منظور ہے تو آو میں تم کو کچھ دے دلا کر خوش اسلوبی سے رخصت کردوں - اور اگر تم اللہ اور اوس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہوں تو اللہ تم میں سے نیک بختوں کے لئے بڑا اجر تیار کر رکھا ہے - انتہی -

اس کے بعد جتنے خیالات آسکتے تھے کہ ہم جب نبی کی بیوی اور جتنے امتی ہیں سب کی ماں ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا وازواجہ امہاتہم اور اس ذریعہ سے ہمیں بہت کچھ زیور وغیرہ زینت دنیا ملیگی وہ سب کافور ہوگئے - اور صرف خدا و رسول اور وعدۂ قیامت پر قانع ہوگئیں - چنانچہ اونہیں حجرو میں فقر و فاقہ کے ساتھ عمر بسر کیں اور ابھی معلوم ہوا کہ ایک روز آنحضرت لوگوں کے لئے کچھ کھانا منگوایا تو محلوں میں تلاش کیا گیا مگر کوئی کھانے کی چیز نہ نکلی

زرقانی شرح مواہب میں روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرے سینے مین درد ہوگیا تمہارے والد ماجد کے پاس بہت سے قیدی خدا ے تعالےٰ نے بھیجدئے ہین ایک وہ قیدی خدمت کے لئے مانگ لاؤ۔ اونہون نے کہا خدا کی قسم پیستے پیستے میرے ہاتھون مین بھی چھالے پڑگئے ہین چنانچہ وہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئین۔ آپنے پوچھا اے لڑکی کس کام کے لئے آئی ہو۔ عرض کی آپ پر سلام عرض کرنے کے لئے اور شرم کے مارے مقصود بیان کر نہ سکین۔ جب واپس گھر تشریف لائین تو علی کرم اللہ وجہہ نے حال دریافت کیا۔ کہا شرم سے مین کچھ مانگ نہ سکی۔ حضرت علی رض نے فرمایا چلو تم ہم دونون جائین۔ چنانچہ حاضر ہوے۔ اور علی رض نے عرض کی یا رسول اللہ پانی بھرتے بھرتے میرے سینے مین درد ہوگیا۔ اور فاطمہ علیہا السلام نے عرض کی پیستے پیستے میرے ہاتھون مین چھالے پڑگئے اور ایک وہ خادم ہمین عنایت فرمائیے حضرت صلعم نے جواب دیا خدا کی قسم تمہین خادم نہ دونگا۔ کیونکہ اہل صفہ بھوک کے مارے بے تاب ہوتے ہین اور میرے پاس کوئی چیز نہین کہ اون پر خرچ کرون اس لئے اون قیدیون کو بیچکر اون کی قیمت اون پر خرچ کرونگا یہ سنکر دونون حضرات اپنے گھر واپس روانہ ہوے اس کے ساتھ ہی حضرت اون کے یہان تشریف لے گئے اوس وقت وہ ایک چادر مین لپٹے ہوے تھے چادر کی یہ حالت کہ اگر سر پر اوڑہین تو پاؤن کھل جاتے ہین اور پاؤن پر اوڑہین تو سر کھلا رہ جاتا۔ حضرت کو دیکھتے ہی

وہ اٹھنا چاہے ہے حضرت نے فرمایا لیٹے رہو۔ پھر فرمایا کہ کیا تمہین ایسی بات نہ بتاؤن جو اوس سے بہتر ہو جس کا سوال تم نے کیا تھا۔ عرض کیا ارشاد ہو فرمایا چند کلمات جبرئیل نے مجھے تعلیم کئے۔ وہ یہ ہین کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ دس بار۔ اور الحمد للہ دس بار۔ اللہ اکبر دس۔ اور جب بچھونے پر سونے کے لئے جاؤ تو سبحان اللہ تینتیس بار اور الحمد للہ تینتیس بار اور اللہ اکبر چونتیس بار پڑھ دئے جائین۔ انتہی۔ دیکھئے نہ سینہ کا درد قابل توجہ ہوا نہ ہاتون کے چھالے نہ چادر کی کوتاہی اور فیصلہ ہوا تو اس پر کہ یاد الہی اور تسبیح اور تہلیل مین مشغول رہین۔ اور باوجود اس کے طرفین مین نہ کسی قسم کا ملال ہے نہ گرانی خاطر۔ یہ خاص اپنے جگر گوشہ سیدۃ النساء کے ساتھ سلوک تھا جن سے کمال درجہ کی محبت تھی جن کی ملاقات کے وقت تعظیم کے لئے آپ اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اور علی کرم اللہ وجہہ جیسے داماد بھی اس سوال مین شریک ہین۔ مگر جواب مین قسم کھا کر ارشاد فرما رہے ہین کہ اس عطا مین فقیرون پر تمہین کبھی ترجیح نہ دی جائے گی۔ کیا ان امور کے مشاہدہ کے بعد بھی کوئی جسکو تھوڑی بھی عقل ہو یہ الزام لگا سکتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت نبوت سے دنیا طلبی مقصود تھی نعوذ باللہ من ذالک۔ لوازم دنیا داری مین یہ امور داخل ہین کہ آدمی اولاً خود مال سے اپنی اولاد اور متعلقین کو مالی فائدہ پہنچانے کی فکر مین رہتا ہے اسی کو دیکھ لیجئے کہ مرزا صاحب قادیانی نے اپنے فرزند

مرزا صاحب کا عوام پر بار دری

بلکہ خاندان مین بذریعہ الہام مسیحیت جما دی - چنانچہ لکھتے ہین کہ حق تعالےٰ نے فرمایا خدا تیرے مجد کو زیادہ کر رکھا اور تیری ذات کو بڑھائیگا اور من بعد تیرے خاندان کی تجھ ہی سے ابتدا قرار دی جاے گی - ایک اولو العزم پیدا ہوگا وہ حسن اور احسان مین تیرا نظیر ہوگا - وہ تیری نسل سے ہی ہوگا فرزند دلبند گرامی و ارجمند مظہر الحق والعلا کان اللہ نزل من السماء اور فرماتے ہین اور مسیح کو بھی یاد رکھو جو اس عاجز کی ذریت مین سے جسکا نام ابن مریم بھی رکھا گیا ہے غرضکہ انھون نے مسیحیت و نبوت کو ذریعہ بنا کر خوب سامان مختلف تدابیر سے جمع کیا - جیسا کہ مفاتیح الاعلام فہرست افادۃ الافہام مین کتب معتبرہ سے واقعات لکھے گئے ہین کہ مرزا صاحب ایک کتاب کے دو نام رکھ کے دونوکی قیمت حاصل فرماتے ہین - اور قیمت تگنی چوگنی رکھی جاتی ہے - کتابونکی قیمت پیشگی وصول کر لی جاتی ہے - اور کتاب ندارد - دعا کی پیشگی اجرت لی جاتی ہے اور اثر ندارد - اموال واملاک وزیورات وغیرہ کی ترغیب دی جاتی ہے - اس غرض سے کہ اپنی تصنیفات اوس سے خریدین تمام چندے اور زکوٰۃ وغیرہ بیوی صاحبہ کے سپرد کئے جاتے ہین - پھر نہ اوسکا حساب ہے نہ نگرانی - اگر حساب طلب کیا جاتا ہے تو فرماتے ہین کیا مین کسیکا خزانچی ہون - لنگر کا روپیہ بہت جمع ہوتا ہے - کیونکہ حکم ہے کہ جو لنگر مین چندہ نہ دے وہ اسلام سے خارج ہے - پھر جب مہمانون کو تکلیف

ہونے کی شکایت ہوی تو ارشاد ہوتا ہے بھٹیاری ہوں اپنی اور اپنے اہل بیت کی تصویرین بیچکر روپیہ حاصل کیا گیا۔ بہشتی مقبرہ جسکی بنیاد ڈالی اوسمین دفن ہونے کی یہ شرط کہ اپنی جائداد کے دسوین حصہ کی وصیت کردے قیمت کتب وغیرہ وصول کرکے اشتہار دلوادیا کہ امام وقت وخلیفۃ اللہ کو جنبوں بقالوں تنگ دلوں زر پرستوں کے حساب سے کیا کام۔ تقویت اعصاب وغیرہ کے لیے انگریزی دوائین کھاتے ہین جن مین شراب ہوتی ہے۔ چندہ وغیرہ کا بار مریدون کی حیثیت سے بڑھکر اون پر ڈالا جاتا ہے۔ اور اون غریبون کے خون سے کیوڑا عنبر مشک بید مشک مفرحات مقویات کی بھرمار رہتی ہے۔ بیوی سونے کے زیورات سے لدگئی مکانات وسیع ہوگئے۔ قورما پلاؤ بافراط کھایا جاتا ہے۔ امیرانہ بلکہ شاہانہ خوراک لباس فرش فروش مکانات وباغات جائداد زیور رکھتے ہین۔ اور عیش وعشرت مین مستغرق ہین۔ یہ عیش وعشرت جو اون کو اور اون کی بیوی کو جو ام المومنین کہلاتی ہین حاصل ہوا۔ اوس ادعائی نبوت اور مسیحیت کا نتیجہ ہے جو انھون نے بڑی شفقت سے پیدا کی اب رہی اولاد کی فکر تو اوس کے لیے کئی الہام ہین۔ منجملہ اون کے ایک یہ ہے جو فرماتے ہین قطعی اور یقینی پیشگوئی ہین خدا نے ظاہر کر رکھا ہے۔ کہ میرے ذریت سے ایک شخص پیدا ہوگا جسکو کئی باتون مین مسیح مین مشابہت ہوگی۔ وہ آسمان سے اترے گا۔ اور فرماتے

ہین کہ اوس مسیح کو بھی یاد رکھ جو اس عاجز کی ذریت مین ہے جسکا نام ابن مریم رکھا گیا ہے۔ غرضکہ مسیحیت کی بدولت مرزا صاحب نے خود بھی عیش و عشرت کے مزے لوٹے اور متعلقین واولاد کے واسطے جائدادون کا بخوبی انتظام کیا۔ اس سے بڑھکر کیا ہو کہ مسیحیت کا سلسلہ اپنے خاندان مین قائم کردیا۔ ان حالات کے ملاحظہ کے بعد اصلی اور ادعائی نبوت مین ہر شخص فرق کرلیگا کہ ادعائی نبوت کو اصل نبوت سے کیا تعلق ہے۔ مرزا صاحب سے بعض لوگ جو خوش اعتقادی رکھتے ہین اون سے سنا گیا کہ وہ اوائل مین اچھے آدمی تھے۔ اور آخر مین اون کے دماغ مین خلل آگیا تھا جس کی وجہ سے نبوت اور الہامون کا دعوے کرنے لگے تھے مگر میری دانست مین وہ مرفوع القلم یعنی دیوانے ہرگز نہ تھے۔ کیونکہ کمال عقلمندی سے انہون نے یہ اصول قائم کئے تھے کہ جتنے معجزے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کتابون مین لکھے گئے ہین وہ بے اصل ہین اس لئے کہ جب اون کو دعوے نبوت تھا تو لوگ ضرور معجزے طلب کرتے اس لئے انہون نے معجزات کا انکار ہی کردیا اور صرف الہامون پر زور دیا جسکو کوئی دیکھ نہین سکتا۔ اور اس درجہ کا تقرب اپنا خدا کے ساتھ بیان کیا کہ خداے تعالیٰ اون سے ٹھٹھے کرتا ہے۔ کیا دیوانے سے یہ ہوسکتا ہے کہ ایک نیا کارخانہ نبوت کا قائم کرے اور ایسے اصول پر اوس کی بنیاد رکھے جو گریز کے وقت کام مین

لائے جائینگے۔ اون کی امت سے یہ پوچھا جاے کہ جب مرزا صاحب کو اس قدر تقرب الٰہی حاصل تھا تو خوارق عادات ظاہر ہونے کی اجازت کیون نہین لے لی۔ اور (آتھم) وغیرہ کے مقابلہ مین کیون ناکام رہے یہ مباحث طویل ہین۔ ہم نے مفاتیح الاعلام اور افادۃ الافہام اور انوار الحق مین کسی قدر بسط سے لکھا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اہل انصاف وحق پسند حضرات کے لیے اوس کا مطالعہ کافی ہوگا۔

مین اس مقام مین اپنے قصور کا معترف ہون کہ جہان سرورکونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر تھا وہان ایسے لوگون کا ذکر کمال بے ادبی ہے مگر جب مقولۂ تعرف الاشیاء باضدادھا پر نظر پڑتی ہے تو کسی قدر عذرخواہی کو موقع مل جاتا ہے کیونکہ جب تک ظلمت کا مقابلہ نہو۔ نہ نور کی طرف خاص قسم کی توجہ ہوتی ہے نہ اوس کی قدر۔ متضادہ اشیاء پیدا کرنے سے بڑی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر چیز کا انکشاف تام ہوجاے۔ اگر نبوت صادقہ کے مقابلہ مین نبوت کاذبہ اور نور صداقت کے مقابلہ مین ظلمت بطلان نہوتی تو اصلی انبیا کی شان وعظمت اور جعلی نبیون کی خواری وذلت کبھی نہ معلوم ہوتی اسی کو دیکھ لیجیے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا دسترس آسمانون تک تھا۔ کہ انگلی کے اشارہ مین چاند کے دو ٹکڑے کردے اور مرزا صاحب اون کی بیوی جن کے ساتھ مرزا صاحب کا نکاح آسمانون پر خدا نے خود کردیا

تھا باوجودیکہ اون کے گھر کے پاس تھیں مگر اون کے ہاتھ نہ آئیں الغرض حضرت خاتم النبیئین صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکات غیر متناہی ہیں کیونکہ ہر وقت حضرتؐ اپنے امتیوں کی دستگیری فرماتے رہتے ہیں اور قیامت میں تو بہت کچھ فرمادیں گے بشرطیکہ ہم لوگ خالص امتی بنے رہیں ۔

اب چند حدیثیں آپ دہن مبارک کے برکات و تاثیرات کے متعلق یہاں لکھی جاتی ہیں ۔

آثار لعاب مبارک

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ جب الکعب ابن اشرف کے قتل کے لئے حارث بن اوس گئے وہ وہاں زخمی ہوگئے ایک زخم شمشیر اون کے سر میں لگا۔ دوسرا پاؤں میں ۔ لوگوں نے اون کو اوٹھا کر حضرت کی خدمت میں حاضر کیا آپ اون کے زخموں میں تھوکے اور فوراً درد جاتا رہا اور وہ اچھے ہوگئے ۔ انتہیٰ ۔

اس لب کو لب جاں بخش کہنا سزاوار ہے کہ دو زخم کاری جن کی دوا نہ ہوتی تو ہلاکت تک پہنچادیتے ۔ اون کو فوراً چنگا کردیا اور لب کشائی کی مہلت نہ دی ۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ جابرؓ کہتے ہیں کہ ہم غزوۂ ذات الرقاع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے ۔ راستہ میں ایک بدوی عورت اپنے

لڑکے کو لئے ہوئے سامنے آئی اور کہا یا رسول اللہ اس لڑکے پر شیطان مسلط ہے جس سے میں عاجز ہو گئی ہوں۔ آپ نے لڑکے کے منہ میں تھوکا اور فرمایا اے دشمن خدا دور ہو جا میں رسول اللہ ہوں۔ یہ تین بار کہکر اُس عورت سے فرمایا کہ اپنے لڑکے کو لیجا۔ اب وہ مصیبت نہ ہوگی جب واپسی کے وقت حضرت اس مقام پر تشریف لائے تو اُس عورت نے آکر خبر دی کہ اب وہ لڑکا اچھا ہو گیا۔ انتہیٰ۔

یہ لعاب مبارک لڑکے کے حق میں آب حیات تھا اور اُس جن کے حق میں سم قاتل۔ اسی وجہ سے وہ فوراً بھاگ گیا۔ معلوم نہیں اُس میں کس قسم کا اثر تھا جسکی مقاومت کی وہ تاب نہ لا سکا۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کے لئے جا رہے تھے جب ہم بطن روحا میں پہنچے تو حضرت نے ایک عورت کو دیکھا جو آپ کے طرف آ رہی تھی۔ آپ نے اپنی سواری کو روک لیا جب وہ عورت نزدیک پہنچی تو عرض کی یا رسول اللہ یہ میرا لڑکا جس روز سے پیدا ہوا ہے آجتک افاقہ نہیں پایا۔ حضرت نے اُس کو اپنے نزدیک اونٹ پر لیکر اُس کے منہ میں تھوکا اور فرمایا نکل اے دشمن خدا میں رسول اللہ ہوں۔ پھر اُس لڑکے کو اس عورت کے حوالے کر کے فرمایا کہ اب اس کو کچھ خوف نہیں۔

اسامہؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت حج سے فارغ ہو کر اُس مقام میں پہنچے تو وہی عورت ایک بھونی بکری لئے آئی۔ حضرت نے فرمایا اس کا دست مجھے دو۔ اُس نے

دیا۔ پھر فرمایا اس کا دست مجھے دو اُس عورت نے دیا۔ پھر فرمایا اس کا دست مجھے دو۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ دست تو دو ہی ہوتے ہیں جو میں دے چکی۔ فرمایا۔ قسم ہے اگر تم چپ رہتیں تو جب تک میں دست مانگتا تم دیتی رہتیں۔

اسامہؓ کہتے ہیں حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ کھجور کے درخت اور پتھر بھی کہیں نظر آتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ چند درخت قریب قریب اور پتھروں کی ڈھیر نظر آتی ہے۔ فرمایا جاؤ اور اُن درختوں سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں حکم کرتے ہیں کہ نزدیک ہوجاؤ تاکہ حاجتِ بشری سے فارغ ہوں اور پتھروں سے بھی یہی کہو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں وہاں جاکر یہ پیام پہنچایا۔ خدا کی قسم اُن درختوں کو دیکھا کہ زمین پھاڑتے ہوئے متصل ہوگئے اور پتھروں کو دیکھا کہ کودتے ہوئے نزدیک ہوکر ایک دیوار بنائی۔ جب حضرت حاجت سے فارغ ہوکر واپس تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا کہ ان درختوں اور پتھروں سے کہدو کہ رسول اللہ حکم کرتے ہیں کہ اپنے اپنے مقامات پر واپس ہوجاؤ۔ چنانچہ وہ واپس ہوگئے۔ انتہیٰ۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت نے بکری کا دست تیسرے بار طلب فرمایا اور عورت نے گویا بر سبیل اعتراض عرض کی دو دست تو میں دے چکی جس کا ظاہر مطلب یہ ہوا کہ یا تو آپ بھول گئے یا نہیں جانتے کہ جانور کو دو سے زیادہ دست نہیں ہوتے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دست کا گوشت مرغوب تھا اس لئے

صحابہ اکثر دست پیش کیا کرتے اور حضرت مکرر طلب فرماتے جب تیسرے دست کے طلب کی نوبت پہنچتی تو بمقتضائے بشریت و عادت صحابہ اسی طرح عرض کرتے کہ جانور کو تو دو ہی دست ہوتے ہیں مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن سے فرماتے کہ اگر تم دینے کا قصد کرتے تو میں جتنے بار طلب کرتا تم دے سکتے تھے جس طرح اُس عورت سے فرمایا۔

یہاں خاص طور پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ کلام معمولی نہیں مخبر صادق کی خبر ہے۔ کیونکہ آپ اس امر کی خبر دے رہے ہیں کہ تم اگر تیسرے بار بھی دینا چاہتے تو دیتے اور اس خبر کو حضرتؐ نے قسم کے ساتھ موکد فرمایا اور ممکن نہیں کہ حضرتؐ کی کوئی خبر معاذ اللہ جھوٹ ہو سکے۔ اب یہاں دیکھنا یہ ہے کہ تیسرا دست تو یقیناً معدوم ہوتا ہے اگر اُس کا وجود ہوتا تو کس طرح سے ہوتا۔ ظاہری اسباب تخلیق تو بالکل مفقود ہیں بظاہر اگر اُس کا سبب ہے تو یہی ہے کہ حضرتؐ نے طلب فرمایا پھر جس سے طلب فرمایا اُس میں یہ صلاحیت اور قدرت نہیں کہ پیدا کر کے دے۔ مگر دیتا ضرور۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ بمجرد طلب فوراً وجود میں آجاتا اور اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر دیتا۔ یہاں ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہو سکتی ہے کہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تصور فرمانا اُس کے وجود کے لئے کافی تھا اِدھر تصور ہوا اُدھر حق تعالیٰ نے پیدا کر دیا جس طرح جنت میں وجود اشیاء کے لئے صرف تصور کافی ہے۔ اصل سبب تو تخلیق خالق ہی ہے۔ مگر سبب ظاہری

تصور کے سوا اور کوئی چیز نہیں اگرچہ آدمی کو خالق کہنے میں تامل ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ اگر کسی کو یہ صفت عطا فرمائے تو پھر اُس میں کون کلام کر سکے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ سے بھی اس خیال کی تائید ہو سکتی ہے۔ تیسرے دست کا جو وجود نہوا امتثال امر نہ کرنیکی نکبت تھی۔ اولیاء اللہ نے یہیں سے یہ بات سلوک میں داخل کر دی کہ مرشد کامل جو کچھ ارشاد اور امر کرے اُس پر بغیر چون و چرا کے عمل کرنا اور نہو سکے تو اس پر آمادگی ظاہر کرنا ضرور ہے۔ چنانچہ اُن حضرات کا مقولہ ہے کہ مرید یکہ با پیر خود چوں و چرا کند اورا درچراگاہ باید فرستاد۔ یہ حکایت مشہور ہے کہ کسی بزرگ کی خدمت میں ایک صاحب آئے تھوڑے عرصہ میں اُن کو خلافت دیکر اپنا جانشین کیا اور دوسرے مریدین جن میں علماء فضلاء بھی تھے ایک مدت تک اُن سے ریاضت لی گئی مگر وہ سب محروم کئے گئے۔ اس پر آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں شیخ نے ایک روز اُن تمام مریدوں کو جو اپنے آپ کو مستحق خلافت سمجھتے تھے بلایا اور اُن سے کہا کہ اس اونٹ کو بالاخانہ پر پہنچا دو سب کو اس کلام سے تعجب ہوا اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے گو بظاہر کمال ادب سے کچھ جواب نہ دیا مگر اُن کی حالت یہ کہہ رہی تھی کہ شیخ صاحب کی عقل میں فتور آ گیا ہے جو ایسی احمقانہ گفتگو اور فرمائش کر رہے ہیں۔ غرضکہ مجلس پر سکوت اور تحیر کا عالم طاری تھا کہ اتنے میں وہ خلیفہ صاحب بھی وارد ہوئے شیخ نے پکار کر اُن سے کہا کہ بھائی اس اونٹ کو بالاخانہ پر پہنچا دو

ضرورت امتثال امر یا آمادگی

امتحان کی

یہ سنتے ہی وہ کمر باندھکر اونٹ پر لپکے۔ جب اُس کے سامنے گئے تو کاٹنا چاہا پیچھے گئے تو لات مارنے کا قصد کیا۔ بازو پر گئے تو رخ بدلا۔ غرض وہ مستعدی سے اُس کے گرد وپیش چکر لگاتے رہے تھوڑی دیر تک اہل مجلس یہ تماشا دیکھتے اور اُن کی حماقت پر درپردہ مضحکہ اُڑاتے رہے۔ شیخ نے اُن کو اس حرکت سے روک دیگر اہل مجلس کی طرف خطاب کیا کہ تم میں اور ان میں اتنا فرق ہے کہ تم نے مجھے احمق بنایا اور اُنہوں نے میرے حکم کی تعمیل کی اور اس کی کچھ پروا نہ کی کہ اس احمقانہ حرکت سے لوگ کیا کہیں گے۔ اُنہوں نے یہ خیال کیا

شعر

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید ؛ کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا

غرضکہ جب تک پیر کامل پر اتنا اعتماد نہو کہ جو کچھ وہ حکم کریگا خالی از مصلحت وحکمت نہو گا اس کو شیخ کامل سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اُن حضرات کے استدلال کے لئے یہ حدیث شریف کافی ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک محال چیز کی فرمائش کی اور جب انہوں نے اُس کی تکمیل نہیں کی تو اُن کا نقص عقیدہ بیان فرمادیا۔

اِس حدیث میں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم درختوں اور پتھروں کو پہنچا تو وہ زمین کو چیرتے اور پھاڑتے کودتے وہاں پہنچ گئے جو مقام اُن کے لئے معین کیا گیا تھا اُن کی اس حرکت سے

طاعت وغیرہ کی قوتیں جمادات و نباتات میں بھی ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو اپنے کانوں سے سنا اور اُس کو اپنے دل میں جگہ دی اور عاقلانہ قوت سے خیال کیا کہ اس امر کو بجالانا ضروریات سے ہے اس کے بعد جس طرح اُن سے ہوسکا چلتے ہوئے بغرض تعمیل حکم روانہ ہوئے حالانکہ دیکھنے کو نہ اُنکے کان تھے نہ دل نہ عقل نہ پاؤں مگر جو کام ان اعضا سے متعلق ہیں سب وقوع میں آئے اس سے معلوم ہوا کہ سننے کا مدار کانوں پر اور اسکے اندر پچھے ہوئے پٹھوں پر نہیں ہے۔ اسی پر دوسرے اعضاء کو بھی قیاس کر لیجئے۔ عادت کی وجہ سے خیال کیا جاتا ہے کہ جمادات و نباتات کو نہ سماعت ہے نہ بصارت وغیرہ مگر جب ہم اس قسم کے واقعات احادیث میں دیکھتے ہیں تو ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ خدائتعالیٰ نے عالم جمادات اور نباتات میں بھی ان قوتوں کو ودیعت رکھا ہے مگر کسی دوسرے طریقہ پر جس سے ہم لوگ واقف نہیں کیونکہ ہمارا عالم عالم انسانی ہے اور اُن کا عالم جمادی اور نباتی۔ ضرور نہیں کہ سب میں ایک طریقہ مقرر ہو۔ دیکھئے آدمی اور جانور منہ سے غذا اپنے پیٹ میں پہنچاتے ہیں اور نباتات جڑوں کے ذریعہ سے جو زمین کے اندر گڑے رہتے ہیں۔ پھر ان تماموں کی غذائیں مختلف اور حاصل کرنے کا طریقہ جداگانہ۔ اگر دوسرے مذہب والے ہماری ان باتوں کو نہ مانیں تو وہ معذور ہیں کیونکہ جب اُن کو ایمان ہی نہیں تو اُن کو ایسے امور کی تصدیق بھی ضرور نہیں بخلاف مسلمانوں کے کہ جب

اُن تک اِس قسم کی خبریں معتبر ذرائع سے پہنچ گئیں تو اُن کو چون وچرا کرنیکا اب موقع نہ رہا کیونکہ ہزارہا مسلمان علمانے جب اس قسم کے باتوں کو اپنی کتابوں میں نقل کیا جن کو عموماً مسلمان مانتے ہیں اور کرورہا مسلمانوں نے اس کی تصدیق کی اور وہ تصدیق اس طرح سے ہوئی کہ پہلے طبقے نے اپنے دیکھے ہوئے امور اپنے بعد کے طبقے کو سنادئے یہانتک کہ ہم تک وہ خبریں برابر پہنچیں لہذا اب ہم بحیثیت اسلامی اس کا انکار نہیں کرسکتے اب رہی یہ بات کہ پتھر اور درختوں کا چلنا خلاف عقل ہے تو ہم کہیں گے کہ عقل کے طریقے سے تو آدمی کا چلنا بھی ثابت ہونا مشکل ہوتا ہے کتاب العقل میں ہم نے اس سے متعلق جو تقریر لکھی ہے اُس سے اِس باب میں تائید مل سکتی ہے کہ آدمی دو پاؤں پر چلتا ہے اور بعضے جانور چار پاؤں پر اور بعضے ہزار پاؤں پر اور سانپ کو تو ایک پاؤں بھی نہیں۔ مگر دوڑ میں آدمی بلکہ ہزار پا سے بھی بڑھ جاتا ہے اس کو سوچ کے دیکھئے تو شاید سانپ کا دوڑنا مشکل سمجھ میں آئیگا کیونکہ آدمی اگر پیٹ کے بل حرکت کرے تو میرے خیال میں بغیر کسی دستگیری کے دو چار ہاتھ بھی نہ چل سکیگا اور سانپ بلا تکلف پیٹ سے چلتا ہے اور اسقدر تیز چلتا ہے کہ آدمی بلکہ گھوڑا اُس کی تیز رفتاری کو نہیں پہنچ سکتا پھر آدمی کو کانٹوں وغیرہ میں جانے کے لئے جوتے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بغیر جوتے کے کیسی ہی کانٹوں کی زمین ہو بلکہ خار دار درختوں پر برابر دوڑتا ہے۔

حالانکہ اُس کے پیٹ کا پوست آدمی کے تلووں سے بدرجہا نرم ہے اس مقام میں سوا اس کے کچھ جواب نہ ہوسکیگا کہ سانپ کی فطرت اس طرح واقع ہوئی ہے کہ پیٹ پر چلے اور اس کو اتنی قوت دی گئی کہ اپنے جسم کو بغیر کسی سہارے کے زور سے حرکت دے سکے اور آدمی کو اتنی قوت نہیں دی گئی کہ پیٹ کے بل ہوکر اپنے جسم کو زور سے حرکت دیکر سانپ کی طرح اپنے جسم کو آگے بڑھا سکے۔ البتہ یہ بات قرین قیاس ہے کہ حق تعالےٰ نے ہر ایک چیز کو ایک طرح کی خصوصیت عطا فرمایا ہے جو اُسی کے ساتھ مختص ہوتی ہے۔ اسی طرح پتھر اور درختوں کو چلنے کی قوت عطا فرمائے تو ہرگز بعید از قیاس نہیں۔ رہا یہ کہ ان کی اس قسم کی حرکت کبھی دیکھی نہیں جاتی تو اُس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا تعالےٰ بھی اگر اُن میں حرکت پیدا کرے تو ممکن نہیں کیونکہ سانپ کا چلنا خدا تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ سے متعلق ہے۔ اگر وہ قوت جو اُس کو دی گئی ہے سلب فرمالے تو ممکن نہیں کہ وہ حرکت کر سکے جیسا کہ تمام حیوانات میں مشاہدہ ہے کہ بیماری وغیرہ کی وجہ سے کبھی وہ حرکت کرنے پر قادر نہیں بھی ہوسکتے اس صورت میں سانپ وغیرہ کی حرکت بھی متعلق بمشیت وارادۂ خالق ہوئی۔ اسی طرح درختوں وغیرہ کی حرکت کے ساتھ ہی مشیت وارادۂ خالق متعلق ہو تو پھر اُن کی حرکت اور مشی کو کون مانع ہے۔

اس حدیث شریف سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں چلنے کی قوت بھی رکھی گئی ہے۔ کیونکہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو کہلا بھیجا کہ ایک مقام میں جمع ہوں۔ اس کے بعد پھر حکم بھیجا کہ اپنے اپنے مقامات میں چلے جائیں۔ اگر اُن میں حرکت کرنیکی

قدرت نہ ہوتی تو یہ کہلا بھیجنا بے موقع ہوتا۔ بلکہ بجائے کہلانے کے حضرت دعا فرماتے کہ الٰہی اُن کو ایک مقام پر جمع کردے اور دوسرے بار دعا فرماتے کہ اُن کے مقامات پر اُن کو پہنچادے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اس امر کا مشاہدہ تھا کہ اپنے ارادہ سے وہ حرکت کرتے ہیں چنانچہ ایسا ہی ہوا البتہ اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت حرکت نہیں کرتے جب تک کوئی حکم واجب الاتباع اُن کو نہ پہنچے۔

خصائص کبریٰ میں ام جندبؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جمرۃ العقبیٰ کے پاس دیکھا کہ رمی فرمارہے ہیں پھر منیٰ میں اپنے مقام پر واپس تشریف لے گئے وہاں ایک عورت اپنے لڑکے کو لے آئی جو آسیب زدہ تھا اور عرض کی یا رسول اللہ اس میرے لڑکے پر کوئی بلا مسلط ہے کہ بات نہیں کرتا۔ آپ نے اُسے ایک برتن میں پانی لانے کو فرمایا جب وہ لے آئی تو آپ نے تھوڑا پانی اُس میں سے لیکر اُس برتن میں کلی کی اور فرمایا کہ یہ پانی اس لڑکے کو پلادو اور اُس میں نہلادو۔ ام جندبؓ کہتی ہیں کہ جب وہ جانے لگی تو میں بھی اُس کے ہمراہ ہوگئی اور اُس سے کہا کہ اس میں سے تھوڑا پانی مجھے بھی دو اُس نے دیا میں نے اپنے لڑکے عبداللہ کو وہ پلادیا بفضلہ تعالیٰ وہ بہت روز زندہ رہا اور بہت نیکبخت ہوا۔ پھر اُس عورت سے ملاقات ہوئی اور حال دریافت کیا تو اُس نے کہا کہ وہ لڑکا اچھا ہوگیا اور اپنے ہم سن لڑکوں میں ایسا ہے جو اُس کا نظیر نہیں اور

عقل و فراست میں اوروں سے بڑھا ہوا ہے ۔ انتہیٰ

حضرتؐ کو اُس موقع میں لعاب مبارک کی تاثیر کا مشاہدہ کرا دینا منظور تھا ورنہ اُس آسیب کو اگر نکل جانے کے لئے کہلا دیتے تو اُس کی مجال نہ تھی کہ پھر ٹھہر سکتا ۔

اُم جندبؓ نے جو وہ پانی اُس عورت سے اپنے لڑکے کے واسطے لیا اُس سے ظاہر ہے کہ کل صحابہ جانتے تھے کہ حضرتؐ کے لعاب مبارک میں ہر قسم کی برکت ہے جس کام کے لئے وہ استعمال کیا جائے مقصود حاصل ہوتا ہے ۔ چنانچہ ام جندبؓ نے اپنے لڑکے کی درازی عمر اور نیک بختی کے لئے وہ پانی اُن سے لیا تھا اور اُس کی پوری تاثیر وجود میں بھی آئی ۔

خصائص کبریٰ میں انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایکبار قبا کو تشریف لے گئے اور ایک کنوئیں پر پہنچے جس سے زراعت کو پانی دیا جاتا تھا ۔ اُس کنوئیں کی یہ حالت تھی کہ ہر روز اُس کا پانی تھوڑی دیر میں ختم ہو جاتا اور دن بھر سوکھا رہتا تھا ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول میں کلی کر کے وہ پانی کنوئیں میں ڈلوا دیا اُس کے ساتھ ہی کنوئیں کو جوش ہوا اور اُس سے وہاں کی پوری زمین سیراب ہوتی رہی ۔ انتہیٰ ۔

اِس موقع میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی کی درخواست کے صرف رفاہ عام کی لحاظ سے کنوئیں کا پانی زیادہ فرمایا ۔ یہاں یہ مقصود نہ تھا کہ مخالفین کو معجزہ بتلا کر قائل کریں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خوارق عادات کے

اظہار میں اختیار دیا گیا تھا جس سے بحسب مصلحتِ وقت خلق کی حاجت روائی کی غرض سے ایسے امور صادر فرماتے تھے۔

اب یہاں یہ بات معین کرنا مشکل ہے کہ آیا اُس کلی کے پانی نے وہاں سوتوں کو کھینچ لایا یا وہی پانی جو وہاں موجود تھا بڑھ گیا۔ بہرحال ایک ایسی بات ظاہر ہوئی کہ معمولی عقلیں اُس کے سمجھنے سے عاجز ہیں۔

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ حبیب ابن فدیک رضی اللہ عنہ کی بصارت زائل اور آنکھیں سفید ہو گئی تھیں۔ اُن کے والد نے اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا حضرتؐ نے اُن سے وجہ دریافت کی۔ عرض کیا کہ سانپ کے انڈوں پر میرا پاؤں پڑ گیا تھا۔ جس کا اثر آنکھوں پر ہوا۔ حضرت نے اُن کے دونوں آنکھوں میں تھوکا اور وہ دیکھنے لگی۔ انتہیٰ۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے اُن کو دیکھا کہ اُن کی اسّی سال کی عمر ہو گئی تھی اور سوئی کے ناکہ میں وہ تاگا پروتے تھے اور لطف یہ کہ آنکھیں سفید تھیں۔ انتہیٰ۔

سانپ کے زہر سے اُن کی بصارت زائل ہو جانا منجملہ عجائبات کے ہے شاید ظاہر بینوں کو اس قسم کے اثر کے ماننے میں تامل ہوگا۔ مگر اُن کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اشیاء کی تاثیرات خاص خاص قسم پر ہوتی ہیں۔ دیکھئے دواؤں میں مشاہدہ ہے کہ کوئی سر میں تاثیر کرتی ہے کوئی جگر میں کوئی گردہ وغیرہ میں چنانچہ بعض ادویہ ایسے بھی ہیں کہ مثانہ میں جو پتھر پیدا ہوتا ہے اُس کو گلا دیتے ہیں جیسا روغن بَلَسان وغیرہ

تاثیرات کو اکثر اشخاص جانتے ہیں کہ انثی دوسے کسی کی تاثیر سے غلہ میں دودھ وغیرہ پیدا ہوتا ہے اور کسی کی تاثیر سے غلہ پختہ ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس سانپ کے اندھی تاثیر خاص آنکھوں سے متعلق ہو تو کیا تعجب ہے۔

حق تعالیٰ نے عالم میں عجیب عجیب صنعتیں ودیعت رکھی ہیں۔ منجملہ اُن کے دوستی اور دشمنی ہے۔ بعضے اشیاء کو بعضوں کے ساتھ موافقت ہوتی ہے اور بعضوں کو مخالفت۔ مثلاً غذا کو جسم انسان کے ساتھ موافقت اور الفت ہے۔ چنانچہ بدل ما یتحلل بن کر اُس کو ہلاک ہونے سے بچاتی ہے۔ بخلاف اس کے سمیات کو جسم انسان سے دشمنی ہے کہ جہاں پہنچا اُس کو تباہ کیا۔ اسی طرح اگر اشیاء میں غور کیا جائے اور سائنس کی کتابوں پر نظر ڈالی جائے تو بہت ساری چیزوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

اس وقت ایک طبیب میرے احباب میں موجود ہیں جن کا نام سید محمد قاسم صاحب شاہ نوری ہے۔ اُن کے پاس ہزارہا دیوانے کتے کاٹے ہوئے اور مار گزیدہ آتے ہیں اور وہ ایک دوا آنکھوں میں لگا دیتے ہیں جس سے تھوڑے عرصہ میں اُس کا زہر اُتر جاتا ہے۔ دیکھئے دوا تو آنکھ میں لگائی جاتی ہے اور سانپ یا کتا مثلاً پاؤں کو کاٹے تو یہ تھوڑی سی دوا کا اثر اس مقام میں فوراً پہنچ جاتا ہے۔

اس سے زیادہ حیرت انگیز یہ بات ہے کہ ان جانوروں کا زہر فوراً تمام

جسم میں سرایت کر جاتا ہے۔ تمام جسم کے زہر کو وہ تھوڑی سی آنکھ میں لگائی ہوئی دوا کیونکر دفع کرتی ہوگی۔

غرض کہ معنوی آثار کی حقیقت خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کس چیز میں کس قسم کی تاثیرات رکھی ہیں۔ کسی بات کے سمجھ میں نہ آنے سے اُس پر اعتراض کر دینا عقلمند کا کام نہیں۔ جب عموماً اشیاء میں ایسی تاثیرات رکھیں ہیں کہ اُن کے سمجھنے میں عقل حیران ہوتی ہے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تھوک میں اقسام کی تاثیرات اگر رکھی گئی ہوں تو کیا تعجب۔ کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم باعثِ ایجاد عالم ہیں۔ تمام عالم کو آپ کا مسخر اور ممنون ہونا ضرور تھا۔ اُسی وجہ سے آپ کے تصرفات خاک۔ آب۔ باد۔ آتش۔ افلاک۔ کواکب اور ارواح میں برابر جاری تھے۔

ابھی معلوم ہوا کہ لعاب مبارک کے اثر سے ام جندب کے فرزند کی عمر دراز ہوگئی اور تمام اخلاق ستودہ اور پسندیدہ ہو گئے۔ بہرحال قرائن اور واقعات کے دیکھنے سے ظاہر ہے کہ حضرتؐ کے لعاب مبارک سے جس قسم کا کام لیا جاتا اُس میں کامیابی ضرور ہوتی تھی۔ اور لب مبارک ہی پر منحصر نہیں جس چیز کو حضرتؐ سے خاص تعلق تھا اُس کا یہی حال ہے۔ چنانچہ موئے مبارک وغیرہ کا حال انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ لکھا جائیگا۔

خصائص کبریٰ میں حبیب بن یساف سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ

کسی جنگ میں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ معرکہ کارزار میں میرے مونڈھے پر ایک ایسا وار پڑا کہ ہاتھ لٹک گیا۔ میں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے زخم پر تھوک کر ہاتھ کو جما دیا جس سے وہ فوراً جم گیا چنانچہ مجھے جس نے زخمی کیا تھا میں نے اُسی ہاتھ سے اُسے قتل کر ڈالا۔ انتہیٰ۔

شاید بعضے طبائع کو یہاں یہ خدشہ ہو گا کہ جب حضرت کو یہ قدرت حاصل تھی تو چاہئے تھا کہ لشکر اسلام میں کوئی شخص زخمی ہوکر نہ مرتا۔ حالانکہ صدہا آدمی زخموں سے شہید ہو گئے۔ فی الحقیقت یہ ایک عقدۂ لاینحل ہے اس کا سمجھنا معمولی عقلوں کا کام نہیں۔ مگر غور و تامل سے اگر کام لیا جائے تو ممکن ہے کہ کچھ نہ کچھ عقل میں سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

اس بات کا انکار نہیں ہوسکتا کہ اکثر آدمی بیماریوں سے مرتے ہیں اور ہر بیمار اپنی بیماری کا حال طبیبوں اور ڈاکٹروں سے بیان کرتا ہے اور وہ بھی اپنے اصول کے مطابق بیماری کی تشخیص کرکے ایسی دوا تجویز کرتے ہیں کہ جس سے بارہا لوگوں کو صحت ہوئی ہو اور جس طبیب کی تشخیص اور تجربہ بڑھا ہوا ہوتا ہے عموماً لوگ اُسی سے علاج کراتے ہیں اور جس کے ہاتھ پر لوگوں کو زیادہ صحت ہوتی ہے اُسی کے طرف رجوع ہوتے ہیں اور وہ بقدر امکان اُن کے علاج میں کوتاہی بھی نہیں کرتا باوجود اس کے جس کی قضا آجاتی ہے اُسکے علاج سے وہ عاجز ہو جاتے ہیں اور آخر وہ مر جاتا ہے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا

اکثر لوگ تجربہ کار حاذق حکیموں ہی کے علاج میں مرجاتے ہیں اور ایسے
لوگ بہت کم نکلیں گے کہ ڈاکٹروں اور طبیبوں سے علاج نہ کرا کے مرے ہوں
اگر حاذق حکیم کے علاج سے موت رک سکتی تو دنیا میں کوئی بادشاہ اور مالدار
نہ مرتا۔ سلاطین نامدار کے علاج کے واسطے ہر ملک کے منتخب طبیب جمع
کئے جاتے ہیں اور بڑی بڑی امیدیں اُن کو دلائی جاتی ہیں مگر اُنہیں کے زیر
علاج مرنے والا مرجاتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ موت کسی حال میں ٹل
نہیں سکتی۔ مگر باوجود اس کے ڈاکٹروں اور طبیبوں پر یہ الزام نہیں لگایا
جاتا کہ تم نے اُس کو مار ڈالا یا علاج میں غفلت کی جس سے صاف ظاہر ہے
کہ عموماً طبیعتوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ موت کا علاج نہیں۔ اصل وجہ
اس کی یہ کہ خدائے تعالیٰ عالم پیدا کرنے سے پہلے ہر ایک چیز کا اندازہ کرچکا ہے
کہ فلاں چیز اتنی مدت تک باقی رہے اور اُس مدت میں اُس پر فلاں فلاں
قسم کے تغیرات واقع ہوں۔ اسی کو تقدیر اور قضا کہتے ہیں اور عموماً لوگ
جانتے ہیں کہ تقدیر کا لکھا مٹتا نہیں اور جو بات تقدیر میں لکھی گئی وہ ٹلتی نہیں
مگر خدائے تعالےٰ نے دو قسم کی قضائیں مقرر کی ہیں۔ ایک معلق۔ دوسری مبرم
معلق وہ ہے کہ کسی وجہ سے ٹل جائے۔ مثلاً دعا یا دوا صدقات سے بیماری
اکثر دفع ہوجاتی ہے۔ اگر وہ دوا یا دعا نہ کی جائے تو ہلاکت کی نوبت آجائے
اسی وجہ سے آدمی ہر بیماری میں مصیبت کے وقت دعا یا دوا وغیرہ کرتا ہے

اور صحت ہو جاتی ہے جس سے طبیب یا دعا کرنے والا نیک نام ہو جاتا ہے اور قضائے مبرم وہ ہوتی ہے کہ نہ دعا سے ٹلے نہ دوا وغیرہ سے۔ اس سے یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی معاملے میں دیکھتے کہ قضائے معلق ہے تو دعا یا اور کسی قسم کا تصرف فرماتے اور جب دیکھتے کہ قضائے مبرم ہے تو کسی قسم کا تصرف نہ فرماتے کیونکہ یہ تو منظور ہی نہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام کریں۔ بلکہ تو ہر کام میں اپنا یا اور کسی کا نفع ہو یا نقصان خدا تعالیٰ کی رضا جوئی مقدم رہا کرتی تھی اسی وجہ سے جب خدا تعالیٰ کی جانب سے آپ کو اطلاع دی گئی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام حالت غربت میں اقسام کے مصائب اور سختیاں اٹھا کر شہید ہوں گے تو آپ نے اس کے قبول کرنے میں ذرا بھی تامل نہ فرمایا۔ اسی طرح صحابہ کی شہادت کے وقت میں آپ سے تصرفات صادر نہیں ہونے تھے۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ جرہدؓ نے بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا حضرتؐ نے فرمایا داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔ عرض کیا کہ وہ آفت رسیدہ ہے حضرتؐ نے اس پر تھوکا وہ کہتے ہیں کہ جو شکایت اس میں تھی بالکلیہ جاتی رہی۔ انتہیٰ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو داہنے ہاتھ سے کھانے کی فرمائش کی اور جب انہوں نے عذر کیا کہ آفت رسیدہ ہے تو ہاتھ کو درست فرما دیا۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرتؐ کو داہنے ہاتھ سے کھانیکا اہتمام کس قدر مقصود تھا۔ اس زمانے میں یہ امر تہذیب میں داخل ہو گیا ہے کہ بائیں ہاتھ سے کھایا جائے۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو انسانی تہذیب سکھانیکو تشریف لائے تھے اور اخلاقی تہذیب کو آپ نے انتہا کو پہنچا دیا اُس سے تو ظاہر ہے کہ انسانی تہذیب داہنے ہاتھ سے کھانے میں ہے۔

زخم کو اچھا کرنا

خصائص کبریٰ میں ہے کہ عبداللہ بن انیس کہتے ہیں کہ ایک یہودی نے میرے چہرے پر ایسا زخم مارا کہ سر کی ہڈیاں تک کھل گئیں۔ میں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے پٹی کھولکر اُس پر تھوک دیا۔ فوراً اذیت جاتی رہی اور وہ چنگا ہوگیا۔

اتنا گہرا چہرے پر زخم جس سے سر کی ہڈیاں کھل گئیں وہ کیسا گہرا زخم ہوگا مگر سبحان اللہ لعاب مبارک سے وہ فوراً چنگا ہوگیا۔ انتہی۔

دفع درد شکم

خصائص کبریٰ میں ہے کہ ملاعب الاسنہ کے پیٹ میں سخت درد رہا کرتا تھا۔ اُنہوں نے حضرتؐ کے پاس شفا کی غرض سے کسی کو بھیجا حضرت نے ایک ڈھیلا زمین سے لیکر اُس پر تھوکا اور فرمایا کہ اس کو پانی میں گھول کر پلادو۔ جب وہ پلایا گیا تو فوراً صحت ہوگئی۔ انتہی۔

اس سے ظاہر ہے کہ لعاب مبارک میں خاص قسم کی تاثیر رکھی تھی۔ اسی وجہ سے حضرت نے اُس کے پہنچانیکی یہ تدبیر کی کہ ڈھیلے پر ڈالا گیا۔ اس میں شک نہیں کہ لعاب دہن پانی ہے۔ جو بحسب اصول فلسفہ ہوا ہو جاتا ہے۔ باوجودیکہ سوکھنے کے بعد اصل لعاب تو فنا ہوگیا پھر بھی اسکا خفیف غیر محسوس اثر جو ڈھیلے میں رہ گیا تھا

اُس کی یہ تاثیر ہوئی کہ ایک مہلک بیماری کو فوراً دفع کر دیا۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ غزوہ خندق کے زمانہ میں ہم لوگ خندق کھود رہے تھے کہ ایک مقام پر سخت چٹان نکلی حضرت کے پاس لوگ حاضر ہوئے اور اسکی خبر دی۔ آپ نے فرمایا میں اترتا ہوں جب حضرت وہاں تشریف لیجانیکے لئے کھڑے ہوئے میں نے دیکھا کہ شکم مبارک پتھر بندھا ہوا ہے اور یہی حالت سب کی تھی کیونکہ تین روز گذر چکے تھے کہ کھانا تو کہاں کسی نے کچھ چکھا بھی نہ تھا حضرت نے کدالی لی اور خندق میں اترے جب اس چٹان پر ایک کدالی ماری تو وہ ایسی نرم ہوگئی جیسے نرم مٹی کا ٹیلا ہوتا ہے۔ میں نے حضرت کی بھوک کی وہ حالت دیکھی تو رہ نہ سکا اور اجازت لیکر اپنے گھر گیا اور اپنی اہلیہ سے کہا کہ حضرتؐ اس وقت بہت بھوکے ہیں کچھ تمہارے یہاں ہے۔ انہوں نے کہا کچھ تھوڑے جَو ہیں اور بکری کا ایک بچہ ہے۔ چنانچہ جلدی سے انہوں نے تیاری شروع کر دی اور میں نے حاضر خدمت ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ کچھ تھوڑا سا کھانا ہے حضرت ایک دو صاحبوں کو ہمراہ لیکر تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کس قدر ہے۔ میں نے بیان کیا۔ فرمایا کہ وہ بہت اور پاکیزہ ہے۔ اپنی بی بی سے کہدو کہ جب تک میں نہ آؤں ہانڈی چولھے سے نہ اُتاریں اور روٹیاں تنور سے نہ نکالیں اور باواز بلند اعلان دیدیا کہ اے اہل خندق جابر نے ہماری دعوت کی تیاری کی ہے سب چلو جابرؓ کہتے ہیں کہ میں جلدی سے گھر جا کر بیوی سے کہا۔

اے نیک بخت حضرتؐ مع تمام مہاجرین و انصار و دیگر ہمراہیان کے تشریف لارہے ہیں۔ انہوں نے کہا حضرتؐ نے تم سے کچھ پوچھا بھی میں نے کہا ہاں کہا جب تو کچھ فکر کی بات نہیں۔ حضرتؐ جب تشریف لائے اپنا لب مبارک خمیر میں اور ہانڈی میں ڈالا۔ جب چند روٹیاں پک گئیں تو آپ نے تقسیم شروع کی روٹیاں توڑتے اور اُن پر گوشت رکھ کر صحابہ کے سامنے رکھدیتے جب سب نے سیری سے کھالیا تو جابرؓ کی اہلیہ سے فرمایا اب تم کھاؤ اور جہاں جہاں بھیجنا ہو بھیجو کیونکہ لوگ بھوکے ہیں۔ جابرؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہزار صحابہ نے سیری سے کھایا اور ہنوز گوشت روٹی باقی تھی۔ چنانچہ دن بھر ہم تقسیم کرتے رہے۔ انتہیٰ۔

معجزہ ۱۱۵ سیری عسکر از طعام قلیل

یہاں یہ دیکھنا چاہئے کہ بجز اس کے کہ جابرؓ نے حضرتؐ کو ایک دو شخص کے ساتھ دعوت دی۔ آپ نے تمام کو دعوت دیدی۔ عقلاً یہ فعل کہاں تک قابل تسلیم ہے۔ بڑے سے بڑا فیلسوف ہرگز اس کو جائز نہیں رکھ سکتا اب اگر اس سے ترقی کیجائے اور شرعی اصول پر دیکھا جائے کہ خدا کی جانب سے آپ کو اطلاع ہوگئی ہوگی کہ وہ کھانا تمام لشکر کے لئے کافی ہوگا تو ظاہر اس کا کوئی قرینہ نہیں۔ اگر جبرئیل علیہ السلام آگئے تھے تو انکے ضرور تخلیہ ہوتا۔ اور کچھ تو اُس میں دیر ہوتی۔ اور اگر آپ نے حق تعالیٰ سے دریافت فرمالیا تھا تو کم کم مراقبہ کی طور پر تھوڑا سا وقفہ فرماتے۔ جس سے معلوم ہوتا کہ آپ نے

اندرونی طور پر خدا تعالیٰ سے اجازت حاصل کرلی ہے اور اگر کسی اور طریقہ سے اجازت ہوگئی تھی تو حسب عادت ظاہر فرما دیتے۔ مگر اس موقع میں کوئی بات اس قسم کی وقوع میں نہ آئی۔ بلکہ اُدھر جابرؓ نے خبر دی ادھر حضرتؐ نے پکار دیا کہ کل لشکر ان کے گھر پر کھانیکے لئے پہنچے۔ اس راز کو ہر شخص معلوم نہیں کرسکتا۔ البتہ اہل بصیرت جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آپکو اس قسم کے معاملات میں اقتدار دیا تھا اور یہ کوئی خلاف قیاس بات بھی نہیں ہر شخص جانتا ہے کہ اپنے میں خاص خاص قسم کی قدرت ہے۔ مثلاً بات کرنے میں۔ چلنے پھرنے میں۔ کسی کو مار دینے وغیرہ میں۔ مگر ایک ضلع کا حاکم جو اقتدار اپنے میں پاتا ہے اور اُس کو عمل میں لاتا ہے ہر شخص اُس اقتدار کو اپنے میں نہیں پاسکتا۔ علیٰ ہذا القیاس بادشاہ وقت کو جو اپنے اقتدار کا وجدان ہوگا حاکم ضلع کو وہ نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ دراصل نفس قدرت سوائے خدا کے کسی میں نہیں ہے۔ بلکہ وہ اقتدار اور وجدان عطائی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام نے جب نمرود سے خدا تعالیٰ کی قدرت کا مال بیان فرمایا کہ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے تو اُس نے جواب دیا کہ یہ کام تو میں بھی کرتا ہوں۔ آپ نے اُس سے اغماض کرکے فرمایا کہ خدا تعالیٰ آفتاب مشرق کے طرف سے نکالتا ہے تو مغرب کی طرف سے نکال۔ اُسوقت جواب سے عاجز ہوگیا۔ مقصود یہ کہ نمرود لوگوں کے قتل کرنے اور واجب القتل لوگوں کے چھوڑ دینے کو اپنا اقتداری کام سمجھتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس کا کچھ جواب نہ دیا اور ایسا کام پیش کیا جسے وہ اپنے اقتدار

اقتدار حضرتؐ

وجدان اقتدار کے خاص معنی

خارج سمجھتا تھا ۔ یہ وجدان اقتدار فقیر امیر بادشاہ وغیرہ میں مختلف طور پر ہوتا ہے۔ جب ظاہری بادشاہ کو اسقدر اقتدار دیا جائے جس کا اُسکو وجدان ہوتا ہے تو مقربان بارگاہ الٰہی کو اگر اس سے زیادہ اقتدار دیا جائے جس کا اُنہیں وجدان ہو تو کیا تعجب ہے ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پورے حالات دیکھے جائیں تو معلوم ہو کہ جمادات ۔ نباتات ۔ حیوانات ۔ فلکیات ۔ ارواح وغیرہ کل آپ کے مسخر تھے اور جس طرح چاہتے آپ اُن سے کام لیتے ۔ یہی منشار تھا کہ جب جابرؓ نے خبر دی آپ نے فوراً اعلان دیدیا ۔ کیونکہ آپ کا وجدان گواہی دے رہا تھا کہ اُس کھانے میں برکت دیدی جائیگی ۔ اس موقع میں یہ خیال ہوتا ہے کہ قدرت کا حال دیکھئے تو یہ کہ دو تین آدمیوں کی خوراک میں ہزاروں آدمیوں کو کھلا دیں اور کیفیت یہ کہ تین روز تک بھوک اور پیاس میں گذرے جس سے پیٹ کو پتھر باندھنے کی ضرورت ہوئی ۔ اور ایک غریب صحابی کو رحم آیا جس نے ضیافت کی تجویز کی فی الحقیقت مقربان بارگاہِ الٰہی کی ایسی ہی بوالعجب اور نرالی حالت ہوتی ہے جس کا سمجھنا معمولی عقلوں کا کام نہیں ۔ مگر ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں جس سے ممکن ہے کہ بشرط انصاف مضمون قریب الفہم ہو جائے ہر شخص جانتا ہے کہ بادشاہ اپنے وزیر و امرا کو کس قدر اقتدار دیتا ہے ۔ چنانچہ مختار الملک وغیرہ خطابات دئے جاتے ہیں اور وہ اختیار سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں ۔ باوجود اس کے جب وہ روبرو ہوتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو کسی قسم کی حکومت حاصل نہیں ۔ اگر حکومت ہے تو

بادشاہ ہی کو ہے ۔ اگر کچھ کام کرنا بھی چاہتے ہیں تو بادشاہ سے حکم حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح مقربان بارگاہ الٰہی کی یہی حالت ہے ۔ اُن کو اقتدارات سب کچھ حاصل رہتے ہیں ۔ مگر چونکہ ہمیشہ وہ مشاہدہ اور حضوری میں ہوتے ہیں ۔ اس لئے مرضی الٰہی کے تابع رہنا اُن کو ضرور ہوتا ہے ۔ جب تک کوئی خاص طور پر اُن کو حکم نہیں ہوتا جس کا طریقہ انہی کو معلوم ہے کوئی کام نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ تین دن تک تمام لشکر پر فاقہ رہا مگر حضرت نے کوئی تدبیر نہیں کی ۔ اور جب جابر رضؓ کی درخواست پیش ہوئی اس وقت معلوم ہوا کہ اب اقتدار صرف کرنیکی اجازت ہے ۔ اس بنا پر آپ نے فوراً کل لشکر کو دعوت دیدی اور یہ دعا بھی نہیں کی کہ الٰہی اُس کھانے میں برکت عطا فرما ۔ ہر چند صحابہ حضرت کے اُس اقتدار کو بارہا دیکھ چکے تھے مگر اصلی بھید سے وہ واقف تھے ۔ اس لئے اس فاقہ کی حالت میں بھی کسی نے درخواست نہیں کی کہ وہ اقتدار صرف کیا جائے یا دعا کی جائے کہ کسی طرح کھانا ملے اور خندق کھودنے کے لئے طاقت حاصل ہو ۔ یہی حال حضرت کے جانشین صحابہ اور دوسرے سربرآوردہ صحابہ کا تھا ۔ چنانچہ ناسخ التواریخ وغیرہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وفات شریف کے بعد اکثر قبائل عرب مرتد اور باغی ہو گئے اور دو سال تک ملک عرب میں معرکہ کارزار گرم رہا ۔ اور طرفین سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نذر قتال و جدال ہوئے ۔ بجز اس کے کہ ملک عرب پر اہل اسلام کا تسلط ہوا ۔ ابوبکر رضؓ نے ملک کسریٰ و قیصر پر چڑھائی

حکم دے دیا۔

دیکھئے چند اہل اسلام جن کو اہل عرب کے ساتھ عشر عشیر کی نسبت بھی نہ تھی کل ملک عرب کے ساتھ مقابلہ کرکے تھکے ہوئے تھے۔ ہنوز ان کے زخم تک چنگے نہیں ہوئے تھے کہ دو بڑے بڑے خونخوار سلطنتوں کے مقابلہ کے لئے حکم دیدیا۔ جن کا یہ حال کہ تمام ملک عرب آبادی کے لحاظ سے ان کا دسواں حصہ بھی نہیں۔ اُن کے افواج قاہرہ کے مقابلہ میں لشکر اسلام دیکھا جائے تو ہزارواں حصہ بھی نہیں۔ سامانِ جنگ پر نظر ڈالی جائے تو دونوں میں کوئی نسبت نہیں۔ چنانچہ وہاں کے لوگ عرب کے تیروں کو تکلے کہا کرتے تھے غرضکہ تھوڑی سی شکستہ فوج کو دوسری سلطنتوں کے مقابلے میں اس غرض سے بھیجنا کہ اُن کو فتح کرلیں۔ ایک ایسی بات تھی کہ اُس زمانہ کے عقلا اُن پر ہنسی اڑاتے ہونگے۔ باوجود اس کے تھوڑی سی شکستہ فوج نے تھوڑی مدت میں ان دونوں سلطنتوں کو بلکہ افریقہ کے بھی ایک بڑے حصہ کو فتح کرلیا۔ یہہ اقتدار اس اقتدار کا طفیلی تھا جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا تھا۔ اور یہہ فعل حضرت صدیق اکبر رضہ کا اُسی اجازت پر مبنی تھا جو منجانب اللہ مقربانِ بارگاہ الٰہی کو ملا کرتی ہے۔ اس قسم کے صدہا واقعات خلفائے راشدین اور صحابہ کبار سے وقوع میں آئے۔ چنانچہ علاء بن حضرمی رضہ جن کے نام سے بھی بہت سے اہل اسلام واقف ہوں گے اُن کے حال میں لکھا ہے کہ جب بحرین کے مرتدین نے

حد سے زیادہ اُدھم مچایا تو حضرت امیر المومنین صدیق اکبرؓ نے علاء بن حضرمی کو امیر لشکر مقرر کرکے بحرین کی طرف روانہ فرمایا۔ جب لشکر اسلام مرتدین کے قریب پہنچ گیا تو ایک مناسب مقام دیکھ کے قیام کیا۔ صبح ہوتے ہی مرتدوں کی طرف سے ایک غل سنائی دیا۔ علاءؓ نے حکم دیا کہ دریافت کرو یہ کیا بات ہے۔ معلوم ہوا کہ سب شرابیں پی پی کے مست ہیں۔ لشکر اسلام نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور ایک دم سے حملہ کیا اور دشمنوں کا مار مار کے سویرا کردیا کچھ لوگ بچکے بھاگے اور کشتیوں میں بیٹھکر موضع دارین پہنچے۔ حضرت علاءؓ نے اُن کا پیچھا کرنا چاہا مگر دریا درمیان میں حائل تھا اور طغیانی بھی اُس میں بہت ہو رہی تھی آپ نے دریا میں گھوڑا ڈالدیا اور اپنے لشکر والوں سے بھی کہا کہ جو دعا میں پڑھ رہا ہوں یہی پڑھتے ہوئے تم بھی میرے قدم بقدم چلے آؤ۔ وہ دعا یہ ہے

یا رحمن یا رحیم یا کریم یا احد یا صمد یا محی یا حی یا قیوم لا الہ الا انت یا ربنا انا عبیدک فی سبیلک اجعل لنا السبیل علیہم

چڑھا ہوا پانی دم زدن میں اُتر گیا یہ بھی تو نہ معلوم ہوا کہ اوس پانی کو زمین جذب کرگئی یا آسمان پر ابخرے بن کے اُڑ گیا کمر کمر پانی تھا سارا لشکر اسلام بسہولت پار پہنچ گیا۔ غرض کہ اہل اسلام دشمنوں کے سروں پر پہنچ گئے اور اُن کے قتل و قید کے بعد مال غنیمت لیکے جیسے گئے تھے ویسے ہی اپنے جائے قیام پر واپس آگئے یہ سب کچھ ایک ہی دن میں ہوگیا۔

اس عجیب وغریب واقعہ کو دیکھ کے ایک راہب مسلمان ہوا۔ اس قسم کے صدہا بلکہ ہزارہا واقعات کتب سیر و تاریخ میں موجود ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ مقربانِ بارگاہ الٰہی کو قدرت دی جاتی ہے وہ جو چاہتے ہیں ضرورت کے وقت کرتے ہیں۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں اُترے دیکھے کہ شدت کی گرمی کی وجہ سے کنوئیں کا پانی سوکھ گیا ہے۔ آپ نے ایک برتن میں پانی منگا کر ڈول میں کلی کی۔ ناجیہ ابن الاعجم کہتے ہیں کہ مجھے وہ ڈول دیکر فرمایا کہ تم کنوئیں میں اتر کر یہہ پانی اُس میں ڈال دو اور ایک تیر عنایت فرمایا کہ اس سے پانی کا راستہ کشادہ کردو وہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ کلی کا پانی ڈالتے ہی کنوئیں کے پانی کو حرکت ہوئی اور بڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ میں اُس میں گھر گیا اور اتنا بڑھا کہ لب تک پہنچ گیا اور لوگ اپنے ہاتھ سے پینے لگے۔ اور سب سیراب ہوئے اُس وقت چند منافق لوگ بھی پانی کی حالت کو دیکھ رہے تھے۔ اوس بن خولی نے عبداللہ بن اُبی سے کہا کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ اس کو تو دیکھے کیا اس کے بعد بھی کوئی اور بات دیکھنے کی ضرورت ہے۔ جب ہم اس کنوئیں پر آئے تو اُس کی یہہ حالت تھی کہ کھر وچ کھر وچ کے پانی نکالتے تو برتن میں ایک گھونٹ پانی بھی نہیں آتا تھا۔ حضرت نے کلی کر کے جب اوس میں ڈلوایا تو

پانی کو جوش ہوا۔ اس نے کہا ہم اس قسم کے امور بہت دیکھ چکے ہیں۔ اوس رضؓ نے کہا خدا تجھے اور تیری رائے کو تباہ کرے۔ جب ابن اُبی حضرت کی خدمت میں آیا تو آپ نے فرمایا جو آج تم نے دیکھا وہ کیسی بات تھی۔ کہا ایسا واقعہ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ فرمایا پھر اُس وقت ویسی بات کیوں کہی۔ کہا میں اُس سے استغفار کرتا ہوں۔ انتہیٰ۔

اگر اس کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی قدرت کہیں تو بھی بے موقع نہیں۔ اس لیے کہ حضرت ہی سے اس کا ظہور ہوا۔ جس طرح ہمارے افعال ہم سے ظاہر ہوکر اثر کرتے ہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کہیں تو بھی بجا ہے۔ کیونکہ دنیا میں جس چیز کا ظہور ہوتا ہے خدائتعالےٰ ہی کی قدرت سے ہوتا ہے۔ کسی کی قدرت مستقل نہیں

ایک معجزہ غزوۂ خیبر

خصائص کبریٰ میں ہے کہ غزوۂ خیبر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک روز فرمایا کہ کل میں نشان ایسے شخص کے ہاتھ میں دونگا جس کو خدا و رسول دوست رکھتے ہیں۔ جب صبح ہوئی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے استفسار فرمایا کہ علیؓ کہاں ہیں۔ لوگوں نے کہا کہ اُن کی آنکھوں میں درد ہے فرمایا اُن کو بلالو۔ جب وہ آئے تو آپ نے اُن کی دونوں آنکھوں میں تھوکا جس سے وہ فوراً اچھے ہوگئے۔ اور نشان اُن کو عطا فرمایا۔ وہ نشان لیکر روانہ ہوگئے۔ اور قلعہ کے پاس اُس کو گاڑ دیا۔ قلعہ پر سے ایک یہودی نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے۔ آپ نے کہا **علیؓ** اُس نے کہا۔ اب تم غالب ہوگئے

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ آپ نے قلعہ کو فتح کرلیا۔ انتہیٰ۔

اس کی وجہ یہی ہوگی کہ اُن کی کتابوں میں لکھا ہوگا کہ جن کے ہاتھ پر وہ قلعہ فتح ہوگا ان کا نام علیؓ ہوگا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب سے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آبِ دہن مبارک میرے آنکھوں میں ڈالا کبھی نہ آشوب چشم ہوا نہ سر میں درد اور نہ کبھی سردی ہوئی نہ گرمی۔ اسی وجہ سے آپ سخت سردی کے وقت بھی ایک ہی چادر اوڑھتے تھے۔ یہہ لعاب مبارک کا اثر تھا کہ عمر بھر کے لئے دوا ہوگئی اور صرف دوا ہی نہیں بلکہ طبعی امور میں بھی انقلاب ہوگیا کہ کرۂ ہوا کی تاثیر سے آپ کا جسم مبارک مستثنیٰ ہوگیا۔ سردی اور گرمی ہوا کی طاقت نہ تھی کہ اپنا زور بتائے۔ دیکھئے سرد ہوا کے اثر کو روکنے کے لئے کیسی کیسی تدابیر کیجاتی ہین جسم اور ہوا کے درمیان گرم لباس حائل کیا جاتا ہے تاکہ وہ جسم تک نہ پہنچے۔ کبھی آگ جلا کر ہوا کی سردی دفع کیجاتی ہے۔ تاکہ اُس کا اثر باقی نہ رہے اور یہاں برخلاف اُس کے خالص سرد ہوا بغیر کسی حائل کے برابر جسم کو لگتی تھی مگر اُسکا اثر نہین ہوتا تھا۔ جس طرح ابراہیم علیہ السّلام کے جسم مبارک کو آگ لگتی تھی مگر اسکا کچھ اثر نہین ہوتا تھا اگر تامل سے دیکھا جائے تو ابراہیم علیہ السّلام کے واقعہ مین اُس مین کوئی فرق نہین۔ بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہے۔ اسلئے کہ وہان چند ساعتون تک وہ بات رہی اور یہاں عمر بھر۔ اسی قسم کے آثار مشاہدہ ہونے کی وجہ صحابہ روز آنہ حضرتؐ کا تھوک اور رینٹ لے لیکر چہرون پر

سردی و گرمی کا اثر نہ ہونا۔

ملتے تھے تاکہ دارین میں سرخروئی حاصل رہے۔

شفا میں روایت ہے کہ ابن ملاعب الاسنہ کو استسقا کی شکایت ہوئی (یہہ ایک سخت بیماری ہے پیٹ میں زرد پانی جمع ہوجاتا ہے) انہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص کو عرض حال کے لئے روانہ کیا حضرت نے اُن سے سنتے ہی تھوڑی مٹی لی اور اُس میں تھوک کر اُس شخص کو دیدیا اُس نے خیال کیا کہ یہہ صرف دل لگی کی گئی ہے پھر وہ مٹی لے گئے اور ایسی حالت میں پہنچے کہ ابن ملاعب قریب المرگ ہوگئے تھے۔ اُنہوں نے اُس مٹی کو پانی میں گھول کر پیا اور خدا کے فضل سے اُن کو صحت ہوگئی۔ انتہی۔

دیکھئے اُس مبارک تھوک کی یہہ برکت تھی کہ مہلک مرض دفع ہوگیا اور دوبارہ زندگی پائی۔ ہر وقت لب مبارک کی یہی تاثیر تھی۔

شفا اور اس کی شرح خفاجی میں یہہ روایت ہے کہ حبیب بن فدیک کہتے ہیں کہ میرے والد کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئی تھیں جن سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں آنکھوں میں تھوکے فوراً وہ شکایت رفع ہوگئی۔ وہ کہتے ہیں کہ اسّی سال کی عمر میں اُن کی بصارت کی یہہ حالت تھی کہ سوئی میں تاگا پرو دیا کرتے تھے۔ انتہی۔

یہہ امر نظر انداز کرنے کے قابل نہیں کہ اسّی سال کی عمر میں بصارت

کیا حال ہوتا ہے۔ اگر کوئی بیماری بھی نہ ہو تو پیرانہ سالی خود تمام قوتوں کو زائل کرنے والی ہے مگر اُس لب مبارک کی یہہ برکت تھی کہ علت نابینائی کو زائل کر کے بصارت کو بے زوال بنا دیا۔ ایک فضلہ میں ایسی تاثیرات ہوں تو خاص نظر جن کے حالوں پر ہوتی تھی اور ان میں سے خاص وہ حضرات جو منظور نظر تھے اُن کے قوائے روحانی اور بصیرت کا کیا حال ہوگا اسی وجہ سے اولیاء اللہ کیسے ہی مدارج ہوں صحابہ سے نہیں بڑھ سکتے۔

[illegible]

شفاء اور اس کی شرح خفاجی میں یہہ روایت ہے کہ اُحد کی لڑائی میں کلثوم بن حصین کے گلے میں (جہاں رگ جاں ہے جس میں زخم لگے تو آدمی نہیں جیتا) پتھر لگا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس میں تھوکا اور وہ اچھے ہو گئے۔ انتہیٰ

خیال کرنے کی بات ہے کہ اگر تھوڑی دیر توقف ہوتا تو مقام زخم کے لحاظ سے اُن کے شہید ہو جانے میں کوئی بات باقی نہ تھی مگر اُس لب جاں بخش کا یہ اثر تھا کہ گویا مردہ کو زندہ کر دیا۔ انتہیٰ

شفاء اور اُس کی شرح میں یہہ روایت ہے کہ غزوہ خندق کے روز علی بن الحکم نے گھوڑا خندق میں اُتارا اُس نے شوخی کی جس سے دیوار کا ایسا صدمہ اُن کے پاؤں پر پہنچا کہ ساق ٹوٹ گئی۔ اسی حالت میں وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اپنا آب دہن اُس پر

ڈالا وہ فوراً اچھے ہوگئے اور گھوڑے سے اُترنے کی نوبت بھی نہ آئی انتہی

شفا اور اس کی شرح میں ہے کہ جنگ بدر میں معوذ بن عفرا رضی اللہ عنہ کا ہاتھ مونڈے سے کٹ گیا جس کا صرف تسمہ باقی رہ گیا تھا وہ اسیطرح لڑتے رہے۔ جب اُس سے بہت ایذا ہونے لگی اپنا پاؤں اُس پر رکھکر اُسے جدا کردیا اور اُس کو دوسرے ہاتھ میں لیکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اُس پر تھوک کر اُس کے مقام پر اُسے جما دیا اور وہ حالت اصلی پر آگیا ۔ انتہی ملخصاً ۔

کیا عقلی قاعدے سے ممکن ہے کہ شرائین اعصاب وغیرہ کٹ جائیں اور ہاتھ بالکل علحدہ ہوجائے پھر کسی تدبیر سے وہ حالت اصلی پر آجائے ہرگز نہیں ۔ کیونکہ جب دن بھر وہ ہاتھ منقطع رہا ہو اس کے مردہ ہونے میں کیا شک ۔ ایسے مردہ کو کیا زندہ کرنا ممکن ہے ۔ مگر سبحان اللہ آب دہن مبارک کی یہہ تاثیر تھی کہ اُس مردہ کو دوبارہ زندہ کیا ۔

شفا میں یہہ روایت ہے کہ قبیلہ خثعم کی ایک عورت اپنے لڑکے کو حضرت کی خدمت میں لائی جو دماغی عارضہ کی وجہ سے بات نہیں کرتا تھا ۔ حضرت نے پانی منگوا کر اُس میں کلی کی اور اپنے دونوں ہاتھ دھوئے اور وہ پانی اُس عورت کو عنایت کرکے فرمایا کہ لڑکے کو پلادو اور کچھ منہ پر لگا دو ۔ راوی کہتے ہیں کہ اس عمل کے ساتھ ہی لڑکا اچھا ہوگیا اور

ایسا عقلمند ہوا کہ اوروں کی عقل سے اُس کی عقل بڑھ گئی ۔ انتہیٰ ۔

سبحان اللہ تبرکات کے یہہ آثار ہوتے ہیں کہ جانور کو آدمی بنادیتے ہیں ۔ کیونکہ وہ لڑکا جب بات ہی نہیں کرتا تھا اور اُس میں عقل بھی نہ تھی تو اسکو حیوان ناطق کہنے ہی میں کلام ہے ۔ صرف آدمی کی شکل قد و قامت سے کوئی آدمی نہیں ہوسکتا جب تک وہ ناطق و عاقل نہو ۔ ایسے کو عاقل و ناطق بنا دینا بعینہ حیوان کو آدمی بنا دینا ہے ۔ انتہیٰ ۔

ہاتھ کا اچھا ہونا

شفاء اور اُس کی شرح میں یہہ روایت ہے کہ محمد بن حاطب کم عمر لڑکے تھے اُن کے ہاتھ پر پکی ہوئی دیگ اُلٹ گئی اور ہاتھ جل گیا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پر ہاتھ پھیرا اور لب مبارک لگا دیا فوراً اچھا ہوگیا ۔ انتہیٰ ۔

لونڈی کا حیادار ہونا

شفاء میں روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک روز کھانا تناول فرما رہے تھے ۔ ایک لونڈی آئی اور کھانا طلب کیا آپ کے روبرو جو کھانا رکھا تھا اُس میں سے کچھ عطا فرمایا اُس نے کہا میں یہہ نہیں چاہتی آپ کے منہ میں کا نوالہ مجھے چاہئے آپ نے عطا فرمایا کیونکہ آپ سے جو کچھ مانگا جاتا تھا اُس کے دینے میں آپ دریغ فرماتے نہ تھے ۔ اُس نے وہ نوالہ کھالیا وہ لونڈی بےحیائی میں مشہور تھی مگر اُس نوالۂ مبارک کا یہہ اثر ہوا کہ معدہ میں پہنچتے ہی اس پر حیا طاری ہوگئی اور اسقدر وہ حیادار ہوئی کہ تمام مدینہ منورہ میں اُس سے زیادہ حیادار کوئی عورت نہ تھی ۔ انتہیٰ ۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ ترمذی ابو عبید کہتے ہیں کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی پنڈلی پر زخم کا اثر تھا۔ میں نے پوچھا کہ اسکا کیا واقعہ ہے انہوں نے کہا کہ خیبر کی لڑائی میں مجھے یہ زخم لگا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ زخم کاری ہے۔ میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے تین بار اوس پر تھوکا اُس کے بعد آجکی ساعت تک اس سے متعلق کوئی شکایت مجھے نہ ہوئی۔ انتہیٰ۔

اب چاہیں اسے اثر روحانی کہئے یا دوا یا معجزہ۔ معجزہ کہنے میں اسوجہ سے تامل ہوتا ہے کہ یہ تاثیر بتا کر کسی کافر کو عاجز کرنا مقصود نہ تھا۔ اگر دوا کہیں تو کوئی دوا ایسی نہیں سنی گئی کہ زخم کاری کا فوراً اندمال کردے۔ اور درد بھی فوراً جاتا رہے۔ دراصل بات ہی کچھ اور تھی۔ جس کا سمجھنا معمولی عقلوں کا کام نہیں۔

شمس التواریخ میں لکھا ہے کہ جنگ بدر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام روحہ میں پہنچے کہ ایک اونٹ جس پر خلاد اور عبید اور خلاد کے بھائی سوار تھے تھک کر بیٹھ گیا۔ اور حضرت سے اُس کی شکایت کی۔ آپ نے پانی منگوایا اور وضو کر کر اوس پانی میں کلیاں کیں اور فرمایا کہ یہ پانی اسکے منہ میں ڈالدو۔ چنانچہ اونٹ کا منہ کھول کر وہ پانی اُس کو پلا دیا گیا تھوڑا سا پانی جو باقی رہ گیا تھا اُس کے سر و گردن اور شانوں اور کوہان اور پٹر پر دُم تک ڈلوا دیا۔ اور فرما کر کہ اب تم لوگ اس پر سوار ہو جاؤ آپ آگے کو

روانہ ہوگئے ۔ اونٹ سواروں کو لیکر بھاگ نکلا ۔ انتہیٰ ۔

یہ لب مبارک کی تاثیر تھی کہ تمام اعصاب جو ضعیف ہوئے تھے فوراً قوی ہوگئے حالانکہ ہنوز وہ آب دہن اُن اعصاب تک پہنچا بھی نہ تھا ۔

تھوڑے سے پانی سے لشکر کا سیراب ہونا

خصائص کبریٰ میں ہے کہ عمران ابن حصین کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے لوگوں نے پیاس کی شکایت کی آپنے علی کرم اللہ وجہہ اور ایک دوسرے شخص کو بلاکر فرمایا کہ کہیں سے پانی دھونڈ لاؤ وہ روانہ ہوئے ۔ ایک عورت اُن کو راہ میں ملی جو اونٹ پر دو پکھالیں پانی کی لاد کر لے جاتی تھی ۔ اُس سے پوچھا کہ پانی کہاں ہے ۔ اُس نے کہا کہ کل اس وقت میں پانی کے پاس سے نکلی ہوں اُس کو حضرت کی خدمت میں حاضر کیا ۔ آپ نے ایک برتن منگوایا اور اُنہیں پکھالوں سے پانی لیکر اُس میں کلی کی اور اُن پکھالوں میں اُسکو ڈلوادیا اور اُن کے منہ کھول کے لوگوں میں پکار دیا گیا ۔ کہ پانی پیو اور جانوروں کو پلالو ۔ چنانچہ سب نے پیا اور پلایا اور وہ عورت دیکھتی کھڑی تھی ۔

راوی کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جب پکھالوں کا منہ باندھ دیا گیا تو ہمیں خیال ہوتا تھا کہ پہلے سے بھی وہ زیادہ بھری ہوئی ہیں ۔ پھر فرمایا کہ اُس عورت کو کچھ جمع کردو ۔ چنانچہ کھجوریں ۔ آٹا ۔ ستو بہت کچھ اُسکو جمع کردیا گیا اور حضرت نے اس سے فرمایا کہ جانتی ہو کہ ہم نے تیرے پانی سے کچھ خرچ نہیں کیا بلکہ

خدائے تعالے نے ہمیں پلایا ۔ جب وہ عورت اپنے قبیلے میں پہنچی تو اُس سے لوگوں نے تاخیر کا سبب دریافت کیا ۔ اُسنے کہا کہ عجب واقعہ پیش آیا کہ دو شخصوں نے مجھے اُس شخص کے پاس لے گئے ۔ جس نے نیا دین نکالا ہے ۔ اور وہ واقعہ جو پانی کا گزرا تھا بیان کرکے کہا کہ یا تو آسمان و زمین کے مابین اُس سے زیادہ کوئی جادوگر نہیں یا یہ بات ہے کہ وہ خدا کے سچے رسول ہیں ۔ اس واقعہ کے بعد مسلمان لوگ اُس قبیلے کے اطراف و جوانب تاخت و تاراج کرتے تھے لیکن اس قبیلے کا کبھی قصد نہیں کیا ۔ ایک روز اُس عورت نے اپنے قبیلے سے کہا کہ میں یہ خیال کرتی ہوں کہ تم لوگوں کو وہ قصداً چھوڑ دیتے ہیں ۔ کیا تم اسلام لانیکو مناسب سمجھتے ہو ۔ لوگوں نے اُس کی اطاعت کی اور وہ کل قبیلہ مسلمان ہوگیا ۔ انتہیٰ ۔

ظاہراً یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جب حضرت کو یہ اقتدار حاصل تھا کہ تمام لشکر کو دو پکھالوں کے پانی سے سیراب کیا ۔ اور وہ پکھالیں بھری کی بھری رہیں ۔ تو پھر پانی کی تلاش کی کیا ضرورت تھی جس کے لئے دو جلیل القدر صحابی روانہ کئے گئے ۔ بات یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام عبودیت تھا ۔ جو باتفاق جمیع اولیا اللہ ثابت ہے کہ وہ ارفع مقامات ہے ۔ اگر حضرت وہیں پانی جاری فرمادیتے تو لوگوں کو خیال ہوتا کہ حضرت پانی کے خالق ہیں ۔ اگرچہ کلمہ (کن) مقربین بارگاہ الٰہی کو دیا جاتا ہے ۔ یعنی جب وہ کسی چیز کو موجود

کرنا چاہتے ہیں تو "کن" کہدینا اُنکا باذن الٰہی کافی ہوتا ہے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کمال ادب سے اس کو بھی گوارا نہیں فرماتے تھے۔ اس وجہ سے پانی کے تلاش کی ضرورت ہوئی۔ تاکہ کسی کا خیال خالقیت کے طرف منتقل نہ ہو۔

حق تعالیٰ جنت میں ہر مسلمان کو قوت و تصرف عنایت فرمائیگا کہ بمجرد خیال کے جو چیز وہ چاہے موجود ہوجائے گی۔ چونکہ منشا اس کا تقرب الٰہی ہے تو مقربان بارگاہ کو دنیا میں بھی اگر یہ صفت عنایت ہوجائے تو فضل الٰہی سے کونسی بڑی بات ہے۔ اس قسم کے خیالات کی نسبت جو کہا جاتا ہے کہ مشرکانہ خیالات ہیں اُس کا باعث سوا اس کے اور کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ آیات و احادیث میں غور نہیں کیا جاتا۔

اسلام کی تعلیم متعلق احسان

صحابہ جو اُس قبیلے کو لوٹتے نہ تھے۔ اُس کا سبب یہ تھا کہ ضرورت کے وقت اُس قبیلے کی عورت کے پانی سے ایک بار نفع اُٹھایا تھا۔ سبحان اللہ اسلام کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ ایک بار بھی اگر کسی کے طرف سے احسان ہوگیا تو عمر بھر اُس کو بھولتے نہ تھے اور اگر اُس کے ضرر پہونچانے میں یقینی نفع بھی ہوتا ہو تو اُس نفع سے دست بردار ہوجاتے۔ پھر اس موقع میں تو اُس عورت نے کوئی احسان بھی نہیں کیا تھا۔ اس لئے کہ اُس کے پانی سے تو ایک قطرہ بھی خرچ نہیں ہوا بلکہ اور زیادہ پانی اُس میں ہوگیا تھا۔ مگر اُنہوں نے اس موقع میں بھی احتیاط

سے کام لیا کہ شاید جو پانی پیا گیا وہ پکھال ہی کا پانی ہو۔ یا قدرتی پانی کے ساتھ شامل ہو گیا ہو۔ بہرحال ان حضرات کی نازک خیالیاں ایسے موقع میں ہوا کرتی تھیں کہ جہاں دنیوی نقصان اُٹھانا لازم ہو بخلاف اس کے ہمارے زمانہ میں احتیاط اور نازک خیالیوں کا منشا یہ ہوتا ہے کہ دنیاوی نقصان سے محفوظ رہیں اور احسان فراموشی تو آجکل ضروری چیز بلکہ داخل تہذیب سمجھی جاتی ہے اگر عمر بھر کسی کے ساتھ احسان کیجئے اور کوئی ایک فرمائش اُن کی پوری نہ کی جائے تو مخالفت کا سامان پیدا ہو گیا اور جتنے احسان ہوئے وہ سب کالعدم ہو گئے۔

سیرۃ نبویہ میں روایت ہے کہ سلمان فارسیؓ پر چالیس اوقیہ قرض تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مرغ کے انڈے کے برابر سونا اُن کو عنایت کر کے فرمایا کہ اس سے اپنا قرض ادا کر دو اُنہوں نے عرض کی کہ مجھ پر چالیس اوقیہ قرض ہے اس کے مقابلے میں یہ کسی شمار میں نہیں آسکتا آپ نے سونا لیکر اپنی زبان مبارک پر پھیرا اور فرمایا کہ لیجاؤ خدا تعالیٰ اس سے تمہارا قرض ادا کر دیگا وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کو تولکر چالیس اوقیہ قرض ادا کر دیا اور اُتنا ہی میرے پاس باقی رہا۔ انتہیٰ۔

دیکھئے کہ جب سلمان فارسیؓ نے اس سونے کو دیکھا تو کہا۔ این تقع ھذہ مما علیّ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ چالیس اوقیہ کے مقابلہ میں یہ کسی شمار میں نہیں

مگر وہ اتنا بڑھ گیا کہ اسی اوقیہ ہو گیا یہ برکت تھی جس کو حضرتؐ کے لب مبارک سے اُس میں پیدا کر دیا۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ خالد بن ولید رضؓ حنین کی لڑائی میں زخمی ہوئے حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کے زخم میں تھتھو کا اور فوراً زخم چنگا ہو گیا۔ اس قسم کے اکثر واقعات وقوع میں آئے ہیں۔ انتہیٰ۔ زخم کا چنگا ہونا

خصائص کبریٰ میں ہے کہ راشد ابن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ طیبہ کو جا کر مشرف باسلام ہوا اور بیعت کی اس کے بعد درخواست کی کہ رہاط جو مکہ معظمہ کے قریب ایک گاؤں ہے اس کی زمین میں سے تھوڑی زمین بطور مقطعہ عطا ہو۔ حضرتؐ نے وہ عطا کر کے ایک ڈولچی میں پانی منگوایا اور اُس میں تھوک کر اُن سے فرمایا کہ یہ پانی مقطعہ کے بلند مقام میں ڈالدو اور پانی زیادہ ہو جائے تو لوگوں کو اس کے پینے سے منع نہ کرنا۔ وہ کہتے ہیں جب میں نے وہ متبرک پانی اس مقام میں ڈالا تو ایک چشمہ اس سے جاری ہو گیا اور ایک بستان وہاں لگایا جو اُس چشمہ کے پانی سے سیراب ہوتا ہے۔ اور صرف وہ ہی نہیں بلکہ وہاں کی کل زمینیں اس سے سیراب ہوتی ہیں اور لوگ اُس میں نہاتے ہیں اور بیمار اُس میں نہا کر شفا پاتے ہیں۔ لوگوں نے اُس چشمہ کا نام ماء الرسول رکھا ہے۔ انتہیٰ۔ چشمہ کا جاری ہونا

دیکھئے وہ لعاب مبارک تولا جاتا تو ایک تولہ سے زیادہ نہ ہوتا مگر ایک چشمہ

اس سے جاری ہوگیا جو دن رات کثرت سے بہتا رہتا ہے سبحان اللہ برکت اسے کہتے ہیں کیا کوئی ایسا چشمہ بہا سکتا ہے یا اس کی حقیقت کا ادراک کرسکتا ہے ہرگز نہیں۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک بار ایک کنوئیں پر تشریف فرما ہوئے جس کا نام بئر بضاعہ ہے اور ڈول میں وضو کا پانی جمع کرکے اس میں کلی کی اور کنوئیں میں وہ پانی ڈالدیا اور اس میں لعاب مبارک بھی ڈالا حضرت کے زمانۂ مبارک میں جب کوئی بیمار ہوتا تو فرماتے کہ اس کنوئیں کے پانی سے نہالو۔ چنانچہ نہاتے ہی فوراً صحت ہوجاتی۔

لعاب مبارک کے اثر سے بئر بضاعہ گویا چشمۂ آب حیات ہوگیا تھا۔ آبحیات نہیں معلوم کس تاریکی اور گوشۂ خمول میں ہے۔ بخلاف بئر بضاعہ کے کہ اس کے تاثیرات علانیہ ظاہر تھیں جس سے ہر قسم کے بیمار صحت پاتے تھے۔

خصائص کبریٰ میں ہے۔ ام عاصم کہتے ہیں کہ ہم چار عورتیں عتبہ بن فرقد کی نکاح میں تھیں ہر ایک چاہتی کہ اپنی سوت سے بہتر خوشبو لگائے اور عتبہ کبھی خوشبو نہیں لگاتے تھے مگر سب سے عمدہ خوشبو ان کے جسم سے مہکتی تھی اور لوگ کہتے کہ عتبہ کی خوشبو سے بہتر ہم نے نہیں سونگھی۔

ایک روز ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ایک بار میرے جسم پر پھوڑے بہت ہوگئے تھے میں نے حضرت سے شکایت کی فرمایا جسم سے

کپڑے اُتار دو میں صرف شرمگاہ پر کپڑا ڈھانپ کر بالکل برہنہ ہوگیا۔ اور حضرت کے روبرو بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنا آبِ دہن دونوں دستِ مبارک میں لیکر میری پیٹھ اور پیٹ پر مل دیا اُس روز سے یہ خوشبو میرے جسم سے مہکتی رہتی ہے۔ انتہیٰ۔

یہاں مقصود بالذات اُن کے بثور کا علاج تھا۔ مگر لعاب مبارک نے اُن پر وہ اثر کیا کہ اُن کے جسم کو پاکیزہ اور خوشبودار بنا دیا۔ ہر چند بظاہر جسم کے اندر اُس کی سرایت نہیں ہوئی تھی۔ اگر اعلیٰ درجہ کی خوش بو تمام جسم پر لگا دیجائے تو ایک دو روز سے بڑھکر اس کا اثر نہ رہ سکتا بخلاف اس کے یہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام اخلاط میں اس کی سرایت ہو گئی تھی۔ بلکہ اس سے بھی ایک درجہ بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ بدل ما یتحلل جب پیدا ہوتا تھا تو وہ بھی معطر ہو کر پیدا ہوتا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ گویا اُن کے جسم کی ماہیت ہی بدل گئی۔

السیرۃ النبویہ میں وائل ابن حجر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایکبار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول میں کلی کر کے کسی کنوئیں میں وہ پانی ڈلوا دیا۔ اُس کا اثر یہ ہوا کہ علانیہ اُس کے پانی میں مُشک کی بو آتی تھی۔ انتہیٰ۔

زرقانی جلد ۵ صفحہ ۲۲۳

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو خوشبو نہایت مرغوب تھی اور کل ارواحِ صالحہ کو مرغوب ہوا کرتی ہے۔ اسی وجہ سے جمعہ کے روز مساجد میں بخور جلانا اور لباس

کو خوشبو لگانا مسنون ہے ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لعاب مبارک میں اگر خوشبو ہو تو کیا تعجب حضرت سراپا معطر تھے ۔

چنانچہ خصائص کبریٰ میں متعدد روایتیں عایشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہیں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت بشری سے فارغ ہوتے تو وہاں مشک کی خوشبو مہکتی رہتی ۔ ایک بار میں نے یہ عرض کی حضرت نے فرمایا کہ ہم گروہ انبیاء کے اجساد جنتیوں کے ارواح پر بنائے جاتے ہیں یعنے جنتیوں کی روحوں میں جو لطافت اور پاکیزگی اور خوشبو ہوتی ہے وہ ہمارے جسموں میں ہوتی ہے اور اس کی تصدیق اس روایت سے بھی ہوتی ہے ۔ جو خصائص کبریٰ میں ذکوان رضہ سے مروی ہے ۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا نہ چاندنی میں اور نہ قضائے حاجت کے بعد کوئی اثر وہاں باقی رہتا بلکہ زمین نگل جاتی تھی ۔ اس کے سوا متعدد روایتوں سے جو خصائص کبریٰ وغیرہ میں مذکور ہیں اسکا ثبوت ملتا ہے چونکہ مسلمانوں کے ارواح کو خوشبو مرغوب ہے ۔ اسی وجہ سے میت کے کفن کو حنوط جو ایک قسم کی خوشبو ہے لگانیکا حکم ہے حالانکہ مردہ کی حس جسمانی قبر میں باقی نہیں رہتی ۔ بلکہ صرف روحانی تعلق رہ جاتا ہے ۔ اسی تعلق روحانی کی وجہ سے کفن کو معطر کرنیکی ضرورت ہے ۔

یہیں سے اہل اسلام نے بزرگان دین کی قبروں پر پھول چڑھانے اور صندل وغیرہ لگانیکا مسئلہ استنباط کیا ہے اگرچہ اسکی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ فاتحہ کے

وقت عود کیوں جلایا جاتا ہے۔ غالباً وجہ اُس کی یہ ہو گی کہ کسی بزرگ صاحب کشف نے اس امر کا احساس کیا ہو کہ روح کو اُسوقت تعلق خاص پیدا ہو جاتا ہے گو کتنی ہی دور کیوں نہ ہو کیونکہ قرب و بعد جسم کے لوازم میں سے اور ہر ایک جسم کا حیز دوسرے جسم کے حیز سے ممتاز ہوتا ہے۔ اور دونوں حیزوں میں ممکن ہے کہ قرب یا بُعد ہو بخلاف روح کے کہ جسم حیز دار نہیں ہے اس لئے قرب و بُعد اس کا قرین قیاس نہیں۔ غرضکہ فاتحہ کے وقت ممکن ہے کہ روح کو خاص تعلق اُس مقام سے ہو جائے۔ اس وجہ سے خوشبو کا استعمال اُسوقت مناسب سمجھا گیا۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ خوشبو کے ساتھ اہل اسلام کے ارواح کو مناسبت ہے کیونکہ یہ لوگ جنتی ہیں اور اہل جنت کے لئے اقسام کے خوشبوئیاں مہیا کی گئیں ہیں۔ بخلاف کفار کے کہ اُن کے لئے دوزخ میں اقسام کی بدبوئیاں مہیا ہیں۔

خصائص کبریٰ میں ہے کہ عبداللہ بن عامر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کئے گئے (غالباً یہ بیمار تھے) آپ نے ان پر اپنا لعاب مبارک ڈالا اور اُن کو اللہ کی پناہ میں دیا وہ لعاب مبارک کو نگلنے لگے۔ یہ دیکھ کر فرمایا کہ یہ سیراب کرنے والے ہیں۔ اس کے بعد اُن کا یہ حال تھا کہ جب کسی زمین کی سیرابی کی طرف توجہ کرتے تو وہاں پانی نکل آتا۔ انتہی۔

لعاب مبارک کے نگلنے کی وجہ سے جو آپنے خبر دی کہ یہ سیراب کرنیوالے ہیں

اس سے لب مبارک کی تاثیر کا پتا چلتا ہے کہ جس طرح حضرتؐ کے لعاب مبارک سے چشمے نکل آتے تھے ان کی توجہ سے بھی خشک زمین میں چشمے نکلنے لگے۔ ابتداءً لعاب مبارک جسم میں اثر کیا اس سے خیال و توجہ میں۔ اس سے زمین میں اثر پیدا ہوا۔ پھر یہ اثر محدود نہ تھا۔ بلکہ توجہ میں ایک دائمی ایسی تاثیر پیدا ہوگئی کہ جب ارادہ کرتے اور زمین پر توجہ ڈالتے تو وہاں پانی نکل آتا اور زمین سیراب ہوتی۔

شمس التواریخ میں لکھا ہے کہ حارث ابن سراقہ جنگ بدر میں شہید ہوئے اور ان کی شہادت کی خبر مدینہ منورہ میں مشہور ہوئی اُن کی والدہ کہتی ہیں کہ اس دن حارث ابن سراقہ حوض پر تھے ناگاہ ایک بہت تیز تیر اُن کے سینہ میں آکے لگا اور وہ شہید ہوئے۔ جب مدینہ میں اُن کے مرنے کی خبر اُن کی والدہ اور بہن کو پہنچی تو ماں نے کہا کہ جب تک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم صحیح و سالم مدینہ میں نہ آلیں گے میں اپنے بیٹے کو ہرگز نہ روؤں گی۔ اُن سے پوچھوں گی کہ حضرتؐ اگر میرا بیٹا بہشت میں ہے تو خوشی کا مقام ہے رونے کی کچھ ضرورت نہیں۔ ہاں اگر وہ فرمائیں گے کہ حارث دوزخ میں ہے تو روؤں گی اور قسم ہے خدا کی پھر میں اُس کو چلا چلا کے روؤں گی۔ آخرش جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر سے مراجعت فرمائی تو مادر حارث خدمت عالی میں حاضر ہوئیں اور حال حارث کا پوچھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

قسم ہے خدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ حارث جنت الفردوس میں ہے۔ ماں بولی اب میں اس کے لئے ہرگز بکا نہ کروں گی اُس وقت حضور نے ایک پیالہ پانی کا طلب کیا اُس میں اپنے ہاتھ دھوئے اور کُلّی کر کے اُس میں ڈالدی اور حارث کی ماں کو وہ پانی پلادیا اور جو کچھ باقی رہا حارث کی بہن کو دیدیا۔ اُس نے بھی پیا پھر حکم دیا کہ اس میں سے تھوڑا سا پانی اپنے گریبانوں پر چھڑک لو اُن دونوں نے یہی کیا اور اپنے گھر چلی گئیں راوی کہتے ہیں کہ پھر مدینہ بھر میں کوئی عورت اُن سے زیادہ خوش و خرم نہیں نظر پڑی۔ انتہیٰ۔

ہرچند اُن بیوی نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمانے پر رونا ترک کردیا تھا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن کی حالت ظاہری اور باطنی سے یہ معلوم ہوگیا تھا کہ اُن کے دل پر سخت صدمہ ہے جس سے ضرر کا اندیشہ ہے کیونکہ غم اور خوشی آدمی کی اختیاری چیز نہیں جب غم کے اسباب قائم ہوجاتے ہیں تو غم کا ہونا ایک لازمی امر ہے اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لعاب مبارک اُن کی تسکین کے لئے استعمال فرمایا جس کی تاثیر یہ ہوئی کہ بجائے غمی کے اُن کے دل میں مسرّت اور شادی پیدا ہوگئی اور اسقدر شادماں تھیں کہ مدینہ طیبہ میں اُن سے زیادہ خوش کوئی نہ تھا۔ یہ تھی تاثیر لب مبارک کی۔

لعاب سے غم زائل ہوکر خوشی پیدا ہوئی

تاثیر آب دہن مبارک

شمس التواریخ میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کے روز صدیق اکبر رضہ کو ہمراہ لیکر غار ثور پر پہنچے صدیق رضہ کو خیال آیا کہ لوگ اس غار میں کیڑے مکوڑے بہت سے بتاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو کچھ مضرت پہنچے۔ بہتر یہ ہے کہ اس غار میں پہلے میں جاؤں تاکہ جو کچھ ہونا ہو مجھی کو ہو جائے۔ اجازت لیکر اندر گئے۔ دیکھا کہ بڑا ہی تاریک اور ظلمانی غار تھا ہاتھ سے ٹٹول کر جسقدر سوراخ پائے اپنی چادر کے ٹکڑوں سے بھر دئے اس پر بھی ایک سوراخ رہ گیا اُس میں اپنی ایڑی لگا دی اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اندر بلا لیا۔ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے زانو پر سر رکھ کر سو رہے اگرچہ اُن کو سانپ بچھو کاٹتے لیکن اس خیال سے دم نہ مارتے تھے کہ حضرت کے خواب نوشین میں خلل نہ پڑے۔ آخر کار کسی ایسے موذی کیڑے نے کاٹا کہ بوجہ تکلیف اُن کے آنسو نکل پڑے اور حضرت کے رخسارۂ مبارک پر گرے آپ نے چونک کر دریافت فرمایا اُنھوں باعث بتایا حضرت نے آب دہن مبارک اُس مقام پر لگا کر دعا کی جس سے فوراً ساری تکلیف دفع ہو گئی اور پھر کسی جانور نے نہ کاٹا۔ انتہی ملخصًا۔

سُبحان اللہ آب دہن مبارک عجیب نسخۂ جامعہ تھا کہ ہر مرض کی دوا اور محتاج کا حاجت روا تھا۔

خصائص کبریٰ میں عبد اللہ بن ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

جب مدینہ میں تجارت کے جانور آئے تو میرے والد نے ایک گھوڑا خریدا
اُس وقت مسعدہ فزاری سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے پوچھا اے ابو قتادہ یہ
گھوڑا کیسا؟ اُنہوں نے کہا میں نے اُسے اس لئے خریدا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی رفاقت دوں۔ اُس نے کہا تم لوگوں کا قتل کرنا بہت آسان ہے
ابو قتادہ رضؓ نے کہا میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ تجھ سے ایسی حالت میں
ملوں جو میں اُس پر سوار ہوں۔ اس نے کہا۔ آمین۔ ایک روز ابو قتادہ رضؓ گھوڑے
کو کھجوریں کھلا رہے تھے کہ اُس نے سر اُٹھا کر کان کھڑے کیا انہوں نے
کہا کہ غالباً گھوڑوں کی بو اسے آئی ہے۔ ابو قتادہ کی والدہ نے اُن سے
کہا کہ ہم لوگ جاہلیت میں ماں کے بیٹے نہ تھے تو اب اس دور میں ہماری
کیا حالت ہونی چاہئے۔ مطلب یہ کہ ہم لوگ مرد میدان ہیں گھروں میں رہنا
ہمیں زیبا نہیں۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ گھوڑے نے پھر سر اُٹھایا اور کان تیز کیا
ابو قتادہ رضؓ فوراً مسلح ہوئے اور اُس پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ راستے میں
ایک شخص نے کہا اونٹنیوں کو کفار لے گئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ
اُن کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ اُنہوں نے گھوڑے کو تیز کیا چنانچہ حضرت
سے مل گئے۔ حضرتؐ نے فرمایا۔ بڑھے جاؤ۔ خدا تمہارے ساتھ رہے۔ وہ
کہتے ہیں کہ میں آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ اونٹنیوں تک پہنچ گیا اور لشکر کفار نے
مجھ پر ہجوم کیا۔ چنانچہ میری پیشانی میں ایک تیر لگا میں نے اسکو کھینچ کر نکالا مگر

تیر کا پیکان رہ گیا۔ اس اثنا میں ایک سوار میرے قریب آیا جو خود پہنا ہوا تھا اور
کہا۔ اے ابوقتادہ اللہ نے تمہیں ہمیں ملادیا۔ اور چہرے پر سے خود وغیرہ ہٹادیا
دیکھا کہ وہی مسعدہ فزاری ہے۔ پھر اُس نے کہا کہ تم کس قسم کی لڑائی پسند
کرتے ہو۔ کیا تلوار کی یا بھالے کی یا کشتی۔ میں نے کہا جو تم پسند کرو اُس نے
کہا کشتی کرینگے۔ اور یہ کہکر گھوڑے سے اُتر پڑا۔ اور میں بھی اُترا۔ اور
ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے۔ میں نے ایک حملہ ایسا کیا کہ اسکو گراکے
اُس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا اور اُسکی تلوار چھین لی۔ اُس وقت اُس نے کہا اے
ابوقتادہ مجھے زندہ چھوڑ دو۔ میں نے کہا۔ خدا کی قسم یہ ہرگز نہ ہوگا۔ کہا کہ میرے
بچوں کی کون کفالت کریگا۔ میں نے کہا جہنم۔ پھر اُس کو قتل کرکے اپنی چادر
میں لپیٹ کر وہیں ڈال دیا اور اُس کے کپڑے پہن کر اُس کے ہتیار لے لئے
اور اُس کے گھوڑے پر سوار ہو گیا کیونکہ میرا گھوڑا بھاگ کر اپنے لشکر میں چلا گیا
میں وہاں سے آگے بڑھا تو مسعدہ کا بھتیجا ملا۔ جس کے ساتھ سترہ سوار تھے میں نے
اُس پر حملہ کرکے اُس کی پیٹھ بھالے سے چھید دی۔ یہ دیکھتے ہی اُسکے ساتھ والے
سب بھاگ گئے۔ اور میں نے بھالے سے اونٹنیوں کو روکا جب حضرت لشکرگاہ کو
پہنچے تو دیکھا کہ میرا گھوڑا زخمی کھڑا ہے پھر حضرت ؐ آگے بڑھے اور اُس مقام پر پہنچے جہاں
مجھ سے اور مسعدہ سے کشتی ہوئی تھی۔ دیکھا کہ ایک شخص ابوقتادہؓ کے کپڑوں میں لپٹا پڑا ہے
کسی نے کہا یارسول اللہ ابوقتادہ شہید ہو گئے۔ فرمایا اللہ ابوقتادہ پر رحم کرے خدا کی قسم

وہ قوم کے پیچھے رجز پڑھ رہے ہیں۔ یہ سنکر عمر اور ابوبکر رضی اللہ عنہما نے دوڑتے ہوئے جاکر دیکھا تو اُن کپڑوں میں لپٹا ہوا شخص مسعدہ تھا۔ اُنہوں نے مارے خوشی کے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے کہا کہ خدا و رسول نے سچ کہا جب میں اونٹنیوں کو ہانکتا ہوا حضرتؐ کے روبرو آیا تو حضرتؐ نے دعا دی کہ تمہارا چہرہ اچھا رہے۔ اور فرمایا کہ تم سواروں کے سردار ہو۔ خدا تم میں اور تمہاری اولاد اور اولادِ اولاد میں برکت دے۔ پھر فرمایا کہ تمہارے منہ کو کیا ہوا۔ میں نے عرض کی کہ تیر لگا فرمایا نزدیک آؤ۔ جب میں نزدیک ہوا تو بہت آہستگی سے پیکان جو اندر رہ گیا تھا کھینچا اور اُسمیں تھوک کر اپنی ہتیلی اُس پر رکھی۔ خدا کی قسم اُس کے بعد نہ اُس میں درد تھا نہ پیپ پڑی۔ راوی کہتے ہیں کہ انتقال کے وقت ابوقتادہؓ کی عمر ستر سال کی تھی۔ مگر چہرہ سے پندرا سال کے معلوم ہوتے تھے۔ انتہیٰ۔ یہ حضرتؐ کی دعا کا اثر تھا۔

خصائص کبریٰ میں ابن شہاب سے روایت ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن رواحہ کو یسر بن رزام یہودی کے طرف تیس سوار دیکر بھیجا جس میں عبداللہ بن انیس بھی تھے۔ یسر نے عبداللہ بن انیس کے منہ پر وار کیا جس سے وہ سخت زخمی ہوئے۔ جب حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرتؐ نے اپنا لعاب دہن مبارک اُس زخم میں ڈالا تو وہ اچھا ہوگیا۔ اور جو پیپ اُس زخم میں پڑی تھی وہ کچھ بھی نہ رہی۔ انتہیٰ۔

جب صحابہ رضی اللہ عنہم اس قسم کے ہزارہا تاثیرات اور دست مبارک کے برکات

برکات مشاہدہ کرتے تھے اس وجہ سے اُن کو ہمیشہ برکات حاصل کرنیکا خیال رہا کرتا تھا اور اسی خیال نے ایسے ایسے حرکات اُن سے صادر ہوتے تھے کہ بظاہر عرفاً شرعاً طبعاً قابل اعتراض سمجھے جائیں مگر اُن حضرات نے اس کی کچھ پروانہ کی چنانچہ خصائص کبریٰ میں عبداللہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ایک بار وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایسے وقت آئے کہ حضرت پچھنے لگوا رہے تھے جب اُس سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے عبداللہ یہ خون لیجاؤ اور ایسی جگہ اُسے پھینک دو کہ تمہیں کوئی نہ دیکھے۔ اُنہوں نے لیجا کر اُسے پی لیا جب واپس آئے تو حضرت نے فرمایا اے عبداللہ تم نے اُسے کیا کیا۔ کہا ایسے مقام میں ڈالا کہ میری دانست میں وہ لوگوں سے مخفی ہے۔ فرمایا شاید تم نے اُسے پی لیا عرض کیا جی ہاں! فرمایا وَیْلٌ لِلنَّاسِ مِنْكَ وَ وَیْلٌ لَّكَ مِنَ النَّاسِ۔ مطلب یہ کہ جوانمردی اور قوت تم میں کچھ ایسی بڑھ جائیگی کہ لوگوں کو تم سے صدمہ پہنچیگا جس کی وجہ سے وہ تم کو صدمہ پہنچائینگے صحابہ خیال کرتے تھے اُن میں جو غیر معمولی قوت تھی وہ اُسی خون کی وجہ سے تھی۔ انتہیٰ۔

حافظ ابن عبدالبر رحمہ نے استیعاب میں لکھا ہے کہ معاویہ بن یزید کے بعد عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سنہ ۶۴ ہجری میں خلیفہ بنے اور سنہ ۷۳ میں حجاج کے حکم سے قتل کئے گئے اس طرح کہ چھ مہینے سترہ روز تک مکۂ معظمہ کا اُس نے محاصرہ کیا۔ ایک روز آپ مسجد حرام میں تھے کہ حجاج کے لوگ

مسجد میں گھس آئے۔ آپ نے اُن سے مقابلہ کیا۔ سب بھاگ گئے۔ اس کے بعد اہل حمص اندر داخل ہوئے اُن کو بھی اتنا مارا کہ سب بھاگ گئے۔ پھر کسی دروازہ سے اہل اردن داخل ہوئے اُن سے بھی مقابلہ کر کے مسجد سے نکالدیا۔ مگر اس اثنا میں صفا کی طرف سے ایک پتھر اس زور سے آکر آپ کی آنکھوں کے بیچ میں لگا کہ آپ نے سر جھکا لیا۔ اور یہ شعر پڑھا ؎

وَلَسْنَا عَلَى الْأَعْقَابِ تَدْمَى كُلُومُنَا ولكن على اقدامنا يقطر الدم

یعنے ہم ایسے نہیں ہیں کہ ہمارے زخم ہماری ایڑیوں پر خون ٹپکا دیں بلکہ ہمارے قدموں پر خون ٹپکا کرتا ہے۔ اُس کے بعد ہر طرف سے لوگ دوڑے اور آپکو قتل کر ڈالا۔ انتہیٰ۔

دیکھئے بنی امیہ اور مروانیوں سے سلطنت کا لینا کوئی آسان کام نہیں اسکے لئے بڑی جوانمردی اور قوت درکار تھی یہ اُسی خون کا اثر تھا جو حضرت کے جسم مبارک کا فضلہ تھا۔ ایک بار اُس کے پی لینے سے گویا قلب ماہیت ہی ہوگئی کہ ہمیشہ کے لئے جوانمرد اور زور آور بن گئے۔

یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ خون کا حرام ہونا نص قطعی سے ثابت ہے۔ کما قال تعالیٰ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ کسی روایت سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ صحابہ رضؓ نے کسی آدمی یا جانور کا خون پیا ہو۔ مگر عبد اللہ بن زبیر رضؓ نے بجائے اس کے کہ اُس خون کو کہیں دفن کردیں پی لیا۔ اور آنحضرتؐ نے

کبھی اس پر ناراضی ظاہر نہیں فرمائی اور یہ بھی نہیں فرمایا کہ تم نے حرام چیز کو کیوں استعمال کیا حضرت صلعم کے خون کی حلّت و حرمت کا بیان یہاں مقصود نہیں دیکھنا یہ ہے کہ نص صریح سے جس چیز کی حرمت ثابت ہے اس کو انہوں نے خواہش سے پی لیا۔ اور باوجودیکہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف فرما تھے۔ اس کا حکم بھی دریافت نہ کیا۔ پھر وہ کوئی ایسی ذائقہ دار چیز بھی نہ تھی جس کی رغبت ہوئی ہو۔ بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ وہ بالطبع مکروہ ہے۔ اب اگر کہا جائے کہ محبت کی وجہ سے انکو اسکی کراہت نہ ہوئی اور اس کے پینے کا منشا بھی محبت ہی تھا تو یہ باور نہیں ہو سکتا اسلیئے کہ کیسا ہی دوست اور محبوب ہو اسکا خون یا پیشاب پینا گوارا نہیں ہوتا اور اس کی ضرورت ہی کیا کہ محبوب کے فضلات کھائے اور پیئے جائیں غرض کہ محبت کی وجہ سے اُنہوں نے یہ کام نہیں کیا۔ بلکہ منشا اُس کا کچھ اور ہی تھا اُن کا اعتقاد تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک مثل اور اجسام کے نہیں ہے وہ سراپا طاہر اور مطہر ہے بمصداق شعر
تو جاں پاکی سر بسر نے آب و خاک اے نازنیں ؂ واللہ زجاں ہم پاک تر روحی فداک اے نازنیں
لمولفہ بجسم پاکیزہ تر زجانی بجاں چہ گویم کہ جان جانی ؂ مرا چہ یارا کہ گویم آنی بروں زتخمین ہر گمانی۔ آپ کے جسم مبارک کا ہر جز ہمہ تن نور ہے جس کو اہل بصیرت جانتے ہیں اس میں وہ برکت اور فضیلت رکھی ہوئی ہے کہ کسی دوسری چیز میں نہیں۔ اُس کو اپنے باطن میں پہنچانا باعث ترقی روحانی ہے

تبرک بول و براز

اُن حضرات کے اس خیال پر یہ روایت بھی گواہ ہے جس کو قاضی عیاض رحؒ نے شفاء میں نقل کیا ہے کہ ایک عورت نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیشاب کو پی لیا آپ نے اُس بی بی کو فرمایا کہ پیٹ کی بیماریوں کی شکایت اب تمہیں کبھی نہ ہوگی۔ اس سے تو ثابت ہے کہ فضلات کی نسبت بھی صحابہ کا یہی اعتقاد تھا کہ وہ سب تبرک ہیں اور ارشاد نبوی صلعم سے ثابت ہے کہ وہ دوائے امراض جسمانی بھی ہیں جس کی بالطبع آدمی کو رغبت ہوا کرتی ہے جب ہم خیال کرتے ہیں کہ پینے کے وقت انہیں کوئی مرض لاحق نہ تھا جس کے علاج کا انہیں خیال آیا ہو تو اس سے ظاہر ہے کہ ان حضرات کے عقیدہ میں یہ بات مستحکم تھی کہ وہ فضلات اپنی جان سے افضل اور باعث ترقی روحانی ہیں۔ قاضی عیاض رحؒ نے اور کئی واقعات اسی قسم کے نقل کئے ہیں جس سے ہمارے اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔ اب یہاں یہ امر قابل توجہ ہے کہ صحابہ جن کی فضیلت تمام امت مرحومہ پر نصوص قطعیہ سے ثابت ہے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیشاب وغیرہ فضلات کو جان سے افضل بلکہ جان کے تقدس کا باعث سمجھتے تھے تو کیا ممکن ہے کہ معاذاللہ وہ اپنے آپ کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسر سمجھے ہوں گے آخر وہ حضرات بھی قل انما انا بشر مثلکم پڑھتے تھے بلکہ سچ پوچھیے تو تازہ ایمان ان ہی حضرات کا تھا اور اسباب نزول پیش نظر ہونیکی وجہ سے ہر آیت کا اصلی مضمون وہ سمجھتے تھے باوجود اس کے کسی صحابی سے کوئی ایسی

بات مروی نہین جو اس آخری زمانے کے بعضے اُمتی کہتے ہیں اور اس توہین کو توحید کا تکملہ قرار دیکر تمام اُمت میں اپنے آپ کو ممتاز سمجھتے ہیں ادنیٰ تامل سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے کہ اگر توحید اسی کا نام ہے تو صحابہ سے اس قسم کے اقوال اور حرکات ضرور مروی ہوتے کیونکہ ہمارے دین کا مدار تعلیم نبویؐ پر ہے اور بلا واسطہ تعلیم یافتہ جماعت پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اُن حضرات کے افعال و اقوال حرکات سکنات اس قسم کے پیش نظر ہو جاتے ہیں کہ اس آخری زمانے کے اہل توحید سے ان کو کوئی مناسبت نہیں بلکہ بالکل تضاد اور مخالفت ہے۔ تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس قسم کی توحید بدعت ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانے میں نہ تھی۔ اہل ایمان کو صحابہ کے اعتقاد سے سبق حاصل کرنا چاہیے کہ اپنے آپ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تو کہاں آپکے بول و براز کے ساتھ بھی ہمسری کا دعویٰ نکریں اور انصاف سے دیکھا جائے تو اُس بول و براز سے ہمسری کا دعویٰ ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ شفا میں قاضی عیاض رحؒ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حاجت بشری سے فارغ ہوتے تو بول و براز کو زمین فوراً نگل جاتی اور وہاں خوشبو مہکتی رہتی۔ اب یہ کہئے کہ کون یہ دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس کے جسم سے خوشبو مہکتی ہے۔ اس کا تجربہ آسان ہے کہ جو صاحب دعویٰ کریں انکو گرمی میں گرم لباس پہنا کر کسی گرم مقام میں بٹھلا دیجئے اور کوئی اجنبی آدمی کو اُن کے

پاس لاکر چھوڑ دیجئے اگر وہ لاحول پڑھتا ہوا وہاں سے نہ بھاگ جائے تو ہم سے پوچھئے اس سے ظاہر ہو جائیگا کہ وہ بو انہی کے جسم کی تھی ایسے گندہ جسم والوں کیا اُس معطر بول و براز کی ہمسری کا دعویٰ قابل قبول ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ حضرت کے جسمانی فضلات کا حال ہے کہ وہ بدرجہا اوروں کے جسم سے افضل تھے۔

پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک بلکہ لباس پر بھی نہیں مکھی بیٹھتی تھی۔ چنانچہ خصائص کبریٰ میں کتب معتبرہ سے یہ روایت نقل کیا ہے اسکے مقابلہ میں اپنا حال دیکھ لیا جائے کہ مکھیاں کس قدر ناک میں دم کردیا کرتی ہیں اور یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ مکھیوں کو کونسی چیز مرغوب بالطبع ہے بہرحال آدمی کو چاہئے کہ اپنی حد سے تجاوز نکرے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے " ایاز حد خود بشناس"

اس تقریر سے بفضلہ تعالیٰ یہ ثابت ہو گیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم کے ساتھ کوئی ہمسری نہیں کرسکتا اور کیونکر کرسکے حضرت کا جسم مبارک ظاہر اجسم تھا اور درحقیقت نور تھا۔ جس پر روشن دلیل یہ روایت ہے جو خصائص کبریٰ میں ذکوانؓ سے ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جب دھوپ میں یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا سایہ نظر نہیں آتا تھا۔ اور اس حدیث سے بھی ثابت ہے جو جو کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ قریش نے عروہ بن مسعودؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت

کرنے کے لئے بھیجا وہ کہتے ہیں کہ جب میں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ جب حضرتؐ وضو فرماتے ہیں تو صحابہ کا وہاں ہجوم ہو جاتا ہے۔ وضو کا پانی جسم مبارک سے جدا ہوتے ہی قبل اس کے کہ زمین پر گرے ہاتھوں ہاتھ اُسے لے لیتے ہیں اور آپ تھوکتے ہیں تو تھوک اور بلغم کے لئے لوگ ہاتھ پھیلا پھیلا کر بہت جلدی سے اُسے لیکر اپنے مُنہ اور جسم پر ملتے ہیں اور جب کوئی موئے مبارک زمین پر گرتا ہے تو فوراً اُسے اُٹھا لیتے ہیں اور اُن کی حالت اِن تبرکات کے حاصل کرنے کے وقت ایسی ہوتی ہے کہ باہم مقابلے پر آمادہ رہتے ہیں۔ وہ جب یہ حالت دیکھکر واپس گئے تو قریش سے کہا کہ یامعشرِ قریش میں کسریٰ بادشاہ فارس کے دربار میں گیا اور قیصر روم کے دربار میں گیا نجاشی بادشاہ حبش کے دربار میں گیا مگر کسی قوم کو ایسی نہ دیکھا کہ اپنے بادشاہ کی تعظیم اسطرح کرتے ہوں۔ جیسے محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اُن کی تعظیم کرتے ہیں یاد رکھو کہ وہ لوگ ایسے نہیں ہیں کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے حوالے کردیں انتہی ملخصاً۔

اب یہاں چند امور قابل توجہ ہیں (۱) جو مستعمل پانی قطع نظر اسکے کہ اسکی نجاست میں اختلاف ہے وہ عقلاً و عادۃً اس قابل نہیں سمجھا جاتا کہ اسکو آدمی رغبت سے لیکر اپنے جسم پر ملے چہ جائیکہ تھوک بلغم اور رینٹ ان کی نسبت تو یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی سلیم الطبع ان کو اپنے

[illegible]

منہ پر ملے ۔

(۲) وضو فرمانا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ایسا نہ تھا کہ اسکو تخلیہ کی ضرورت ہو بلکہ مجمع عام میں ہوا کرتا تھا جیسا کہ روایت موصوفہ سے ثابت ہے پھر وہ امور اتفاقیہ میں بھی نہ تھا بلکہ روزانہ چند بار فرمایا کرتے تھے ۔

(۳) ۔ وضو اکثر نماز کے وقت ہوا کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ جتنے صحابہؓ مدینہ طیبہ میں حاضر رہتے تھے وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے کو ضروری سمجھتے تھے ۔ یہانتک کہ فجر اور عشا کی نمازیں جو اتفاقاً حاضر ہو سکتے تھے ان کو زجر و توبیخ ہوا کرتی تھی جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے ۔ غرضکہ صدہا صحابہ کا مجمع وضو کے وقت ہونا روایۃً اور درایۃً ثابت ہے ۔

(۴) ۔ وضو کے وقت وہ تمام حرکات جو حدیث میں مذکور ہیں ہر وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو وقوع میں آتے اور آپ انکو خود مشاہدہ فرماتے تھے مگر کبھی یہ نہ فرمایا کہ تم لوگ یہ کیسے ناشائستہ اور خلاف طبع سلیم حرکات کرتے ہو ۔

(۵) صحابہؓ باوجودیکہ نہایت مؤدب و مہذب تھے مگر روزانہ وضو کے پانی اور تھوک وغیرہ پر اسقدر بھیڑ بھاڑ اور گھس پیٹ حضرت کے روبرو کرتے کہ دیکھنے والے سمجھتے تھے کہ قریب ہے کہ آپسمیں جنگ و جدال ہو جائے اور حضرت انکو منع نہ فرماتے اسکی وجہ بادی الرائے میں کبھی سمجھ میں نہ آئیگی

اسلئے کہ حضرت ہر قسم کے ہمیشہ آداب کی تعلیم فرماتے تھے اور صحابہ اُسی تعلیم کے اثر سے ایسے مؤدّب تھے کہ دنیا میں ان کا نظیر نہیں۔

بخاری شریف وغیرہ میں ہے کہ صحابہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روبرو بیٹھتے تو ایسے سر جھکائے ہوئے بیٹھتے تھے جیسے کسی کے سر پر پرندہ بیٹھا ہے اور وہ شخص اس خیال سے کہ کہیں وہ اُڑ نجائے سر جھکائے ہوئے بیٹھتا ہے۔ اور کوئی شخص حضرت کے چہرہ مبارک کو آنکھ بھر کے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ایسے مؤدّب حضرات کے وہ خلاف شان اور گستاخانہ حرکات قابل تعجب ہیں اور اسپر سکوت اور رضامندی حضرت کی اس سے زیادہ حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے، مگر بات یہ ہے کہ صحابہ کے پیش نظر اُس وقت یہ امر ہوتا تھا کہ اس پانی سے جو جسم مبارک تک پہنچ کر سراپا برکت ہوگیا تھا برکت حاصل کریں۔ اور وہ فضلات جس کو حضرت کے جسم مبارک سے متصل ہونے کی فضیلت حاصل ہوگئی تھی اپنے چہروں پر مل کر دارین میں سُرخ روئی حاصل کریں اور اُن اشیائے فاضلہ کے استعمال کی بدولت اپنے جسم میں یہ صلاحیت پیدا ہو کہ روح پر جو جسم سے متصل یا متعلق ہے اثر ڈالے اور اسکی ترقی کا باعث بنے چونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقصود اصلی یہی تھا کہ اہل ایمان کو ترقی روحانی حاصل ہو اسلئے آپ اُس ظاہری بے ادبی کو نظر انداز فرما دیتے تھے اور یہ سکوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اُن کو جرأت دلاتا تھا کہ دل کھولکر یہ کام کیا جائے۔

ورنہ کس کی مجال تھی کہ حضور نبوی میں ایسے بے ادبانہ حرکات کرسکتا۔ غرضکہ وہ فضلات بلاشبہ باعث ترقی روحانی سمجھے جاتے تھے۔ اب اہل انصاف غور فرمائیں کہ صحابہ اُن فضلات کو اپنے سے افضل بلکہ باعث حصول فضیلت سمجھتے تھے اور صحابہ کے مقابلے میں اپنے آپ کو لاکر دیکھ لیا جائے کہ عقلاً و شرعاً وہ ہم سے افضل تھے یا نہیں؟ اسکے بعد خود فیصلہ ہو جائیگا کہ ہم تو کیا ہم سے افضل لوگوں سے وہ فضلات افضل تھے اب جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کے ساتھ ہمسریکا دعویٰ رکھتے ہیں ان روایتوں کو پیش نظر رکھیں تو سمجھ جائیں گے کہ حضرت تو کہاں حضرت کا بول و براز بھی ہم سے بدرجہا افضل تھا۔

تقسیم موئے مبارک

(۶) موئے مبارک کا حال حدیث موصوف سے معلوم ہوگیا کہ روزانہ جو وضو کے وقت گرتے وہ دست بدست تقسیم ہو جاتے تھے۔

مسلم شریف میں روایت ہے کہ انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اصلاح بنوا رہے تھے اور صحابہ گرداگرد بیٹھے نوبت بنوبت اپنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر موئے مبارک کو حاصل کرتے تھے۔

المواہب اللدنیہ میں بخاری و مسلم سے منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اصلاح بنوائی تو سر مبارک کے بال ایک ایک دو دو لوگوں میں تقسیم کرنیکا حکم دے دیا۔ انتہی۔ ملخصاً۔

شارح زرقانی رحؒ نے لکھا ہے کہ ایک ایک دو دو بال تقسیم کرنا اس بات پر

دلالت کرتا ہے کہ حاضرین کثرت سے تھے اور اُس سے غرض یہ تھی کہ ہمیشہ اُنکے پاس وہ برکت باقی رہے اور آئندہ کے لئے یادگار ہو۔

ان احادیث سے ثابت ہے کہ صحابہ موئے مبارک اس غرض سے حاصل کیا کرتے تھے کہ بطور تبرک انکو اپنے پاس رکھیں اور اپنے احباب میں تقسیم کریں وہ تبرکات کچھ تو اپنے ورثہ میں تقسیم کئے اور کچھ اُنہوں نے اپنے احباب کو دئے ہونگے اور خود صحابہ جب انکی قدر کرتے تھے تو وہ جن کے پاس گئے وہاں بھی بطور تبرکات رکھے جاتے تھے جیسا کہ ابتک باوجود تیرا سو سال منقضی ہونیکے تبرکات ہی کے حیثیت سے رکھے جاتے ہیں اس سے ظاہر ہے کہ اُس موقع میں جہاں اس تعظیم و توقیر کا منشا قائم ہوا تھا حضرت کا سکوت فرمانا اسی غرض سے تھا کہ اہل اسلام دل کھولکر ان تبرکات سے برکت حاصل کیا کریں اور بڑی غرض اس سے یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ جو عشاق نبی صلے اللہ علیہ وسلم دیدار جہاں آرا سے محروم ہیں وہ اس متبرک جزو کو سر اور آنکھوں پر رکھکر آنکھیں ٹھنڈی کریں اور سرفراز ہوں۔

اب رہی یہ بات کہ بعض جعل سازوں نے بھی بغرض دنیوی کارسازیاں کی ہونگی جس سے ہر ایک میں اشتباہ واقع ہوگیا تو وہ اصل مقصود کے منافی نہیں اسلئے کہ تعظیم کرنیوالا اسکو موئے مبارک سمجھتا ہے اسکے اعتقاد کے مطابق خدا تعالیٰ اس کو برکت عطا فرمائیگا۔ جیسا کہ اس حدیث شریف سے بھی واضح ہوسکتا ہے۔ انما الاعمال بالنیات

کنز العمال کے کتاب المواعظ والحکم میں یہ حدیث شریف ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے کسیکو فضیلت کی کوئی بات پہنچے اور اس کو ایمان کی راہ سے قبول کرلیا اور اُس میں ثواب کی اُمید رکھی تو حق تعالیٰ اُنکو وہی ثواب عطا فرمائیگا جو اس کو معلوم ہوا ہے۔ اگرچہ وہ خلاف واقع ہو۔ انتہی ملخصًا مقصود یہ کہ کسی روایت سے یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں کام میں فضیلت ہے گو اس کا ثبوت باضابطہ نہوا ہو مگر عمل کرنے والا اعتقاد سے اس پر عمل کرے تو وہی ثواب پائیگا جو اس میں مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی بزرگ کے پاس موئے مبارک کی زیارت ہوتی ہو اور انہوں نے کہدیا کہ یہ موئے مبارک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ہے تو اگر فی الواقع وہ حضرتؐ کا موئے مبارک نہ بھی ہو تو جو برکت اصلی موئے مبارک کی زیارت میں حاصل ہونے والی ہو وہی برکت اس موئے مبارک کی زیارت میں بھی حاصل ہوگی۔ یہ خدائے تعالیٰ کا ایک فضل ہے جو بطفیل حبیب کریم صلے اللہ علیہ وسلم آپ کی اُمت پر ہے واہی تباہی شبہات کی وجہ سے ایسی فضیلت سے محروم رہنا مقتضائے عقل نہیں شیطان آدمی کا دشمن ہے وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ کوئی فضیلت اور برکت کسی کو حاصل ہو۔ اس وجہ سے وہ ایسے شبہات پیش کرتا ہے جس کو عقل بھی مان لیتی ہے مگر ایمان آدمی کا مستحکم ہو تو دونوں کو جواب دیکر آدمی سعادت دارین حاصل کرسکتا ہے۔ جب ہمیں معلوم ہوگیا کہ دنیا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہزارہا بلکہ لکھوکھا موئے مبارک موجود ہیں تو اب یہ خیال کرنے کی ضرورت ہی کیا کہ وہ کسی اور کا بال ہے ۔ اگر صرف سو پچاس بال کا وجود احادیث سے ثابت ہوتا تو یہ کہنے کی گنجائش ہوتی کہ ہزارہا موئے مبارک کہاں سے آگئے ۔ جسکی زیارتیں ہورہی ہیں ۔ میری دانست میں اس وقت موئے مبارک کی اسقدر کثرت نہیں جسقدر صحابہ کے زمانہ میں احادیث سے معلوم ہوتی ہے ۔ بہرحال موئے مبارک کی زیارت نہ کرکے اُس برکت سے محروم رہنا جو صحابہ کے مدنظر تھی قرین مصلحت نہیں بعض حضرات اس کو پرستش قرار دیکر لوگوں کو زیارت سے روکتے ہیں اگر ایسے امور پرستش قرار دیے جائیں تو ہندوؤں کا قول صادق آجائیگا ۔ کہ مسلمان بھی شل دیول کے کعبے کے اطراف پھرتے ہیں اور اس کی پرستش کیا کرتے ہیں مگر ہندوؤں کے قول سے ہم ان امور کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتے جو بتعلیم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ثابت ہوئے اور صحابہ اُن پر عامل رہے ہیں ۔

تاریخ واقدی وغیرہ میں مروی ہے کہ جب شام میں خالد بن الولید رضی اللہ عنہ جبلہ بن ایہم کی قوم کے ساتھ مقابلہ کررہے تھے ایک روز تھوڑی فوج کے ساتھ مقابل ہوئے اور رومیوں کے بڑے افسر کو مار لیا اس وقت جبلہ نے تمام رومی اور عرب متنصرہ کو یکبارگی حملہ کرنیکا حکم دیا صحابہ کی حالت نہایت نازک ہوگئی رافع ابن عمر طائی نے خالد رضہ سے کہا آج معلوم ہوتا ہے کہ ہماری قضا آگئی خالد رضہ نے کہا سچ کہتے ہو اسکی وجہ یہ ہے کہ میں نے اپنی ٹوپی بھول آیا

جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں۔ ادھر یہ حالت تھی اور اُدھر رات ہی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو عبیدۃ بن الجراح رضؓ کو جو افسر فوج تھے خواب میں زجر فرمایا کہ تم اسوقت سوتے پڑے ہو اُٹھو اور فوراً خالد بن الولید کی مدد کو پہنچو کفار نے ان کو گھیر لیا ہے۔ اگر تم اسوقت جاؤگے تو وقت پر پہنچ جاؤگے۔ ابو عبیدہ رضؓ اسیوقت لشکر میں پکار دئے کہ جلد تیار ہو جاؤ چنانچہ وہاں سے وہ مع فوج یلغار روانہ ہوئے راستے میں دیکھا کہ فوج کے آگے آگے نہایت سرعت سے ایک سوار گھوڑا دوڑائے ہوئے چلا جارہا ہے اسطرح کہ کوئی اسکو پہنچ نہیں سکتا انہوں نے خیال کیا کہ شاید کوئی فرشتہ ہے جو مدد کے لئے جارہا ہے مگر احتیاطاً چند تیز رفتار سواروں کو حکم کیا کہ اُس سوار کا حال دریافت کریں جب قریب پہنچے تو پکار کر کہا کہ اے جواں مرد سوار ذرا توقف کر یہ سنتے ہی وہ ٹھہر گیا دیکھا تو خالد بن ولید رضؓ کی بی بی تھیں اُن سے حال دریافت کیا کہا کہ اے امیر جب رات میں میں نے سنا کہ آپ نے نہایت بے تابی سے لوگوں سے فرمایا کہ خالد بن الولید کو دشمن نے گھیر لیا تو میں نے خیال کیا کہ وہ ناکام کبھی نہ ہونگے کیونکہ ان کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک ہیں مگر جب اُدھر دیکھا تو اُن کی ٹوپی پر نظر پڑی جسمیں موئے مبارک تھے۔ نہایت افسوس سے میں نے ٹوپی لی اور اب چاہتی ہوں کہ کسیطرح اس کو اُن تک پہنچادوں۔ ابو عبیدہ نے فرمایا جلدی سے جاؤ خدا

تمہیں برکت دے ۔ چنانچہ انہوں نے گھوڑے کو ایڑ کیا اور آگے بڑھ گئیں رافع بن عمر جو خالدؓ کے ساتھ تھے وہ کہتے ہیں کہ ہماری جب یہ حالت ہوئی کہ اپنی زندگی سے مایوس ہوگئے تھے یکبارگی تہلیل وتکبیر کی آواز آئی خالدؓ دیکھ رہے تھے کہ یہ آواز کدھر سے آرہی ہے کہ یکبارگی روم کے سوار دنٌ نظر پڑی کہ بدحواس بھاگے چلے آرہے ہیں اور ایک سوار اُن کا پیچھا کئے ہوئے ہے خالدرضؓ گھوڑا دوڑا کر اس سوار کے قریب پہنچے اور پوچھا کہ اے جوانمرد سوار تو کون ہے ۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ میں تمہاری بی بی ام تمیم ہوں تمہاری مبارک ٹوپی لائی ہوں جس سے دشمن پر فتح پایا کرتے تھے تم نے اس کو اسی وجہ سے بھولا تھا کہ یہ مصیبت تم پر آنیوالی تھی ۔ الغرض وہ ٹوپی اُنہوں نے اُن کو دی اس سے برق خاطف کی طرح نور نمایاں ہوا ۔ راوی حدیث قسم کھا کر کہتے ہیں کہ خالدرضؓ نے جب ٹوپی پہنکر کفار پر حملہ کیا تو لشکر کفار کے پیر اُکھڑ گئے اور لشکر اسلام کی فتح ہوگئی ۔ انتہیٰ ملخصاً ۔

صحابہؓ موئے مبارک میں جو برکت سمجھتے تھے سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ وہ کیا چیز ہے حسی ہے یا معنوی اور بالوں کے اندر رہتی ہے یا سطح بالائی پر کتنی ہی موشگافیاں کیا کیجے اس کا سمجھنا مشکل تھا ۔ اس روایت سے سب مشکلات حل ہوگئے ۔ اور معلوم ہوگیا کہ مشکل سے مشکل کاموں میں آسانی اور جان گزا واقعات میں امداد غیبی اُس برکت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے ۔

شمس التواریخ میں لکھا ہے کہ حضرت خالد رضؓ کا بیان ہے کہ میرے سارے فتوحات کے باعث یہی موئے مبارک ہوتے تھے۔

صاحب اصابہ فی احوال الصحابہ تحریر فرماتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں یہ ٹوپی سر پر نہ تھی جب تک نہیں ملی حضرت خالد رضی اللہ عنہ نہایت الجھن میں رہے ملنے کے بعد اطمینان ہوا۔ اُس وقت آپ نے یہ ماجرا بیان فرمایا کہ کل فتوحات کا مدار ان موئے مبارک پر تھا۔ انتہی۔

غرضکہ یہ تبرکات وہ ہیں جو بڑی جاں فشانیوں سے صحابہ رضؓ نے حاصل کئے اور اس کی حفاظت کی۔ صحابہؓ ایسے لوگ نہ تھے کہ فضول کام میں وہ اہتمام کرتے کہ دینی ضروریات سے بھی زیادہ ہو کیونکہ اس کے حاصل کرنے میں نوبت بجدال وقتال پہنچنے کو ہوتی جیسا کہ لفظ حدیث کادوا یقتلون سے ظاہر ہے بخلاف اس کے اور کسی دوسرے کام میں یہانتک نوبت نہیں پہنچتی تھی۔ دیکھئے صف اول کی فضیلت ثابت ہے مگر جب یہاں تک نوبت پہنچی تو صاف ارشاد ہوگیا کہ صف ثانی میں بھی وہی فضیلت ہے اور اس جھگڑے کو یوں طے فرمادیا۔ بخلاف اس کے یہ حالت روزانہ ملاحظہ فرماتے اور خاموش رہ جاتے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس اہتمام کو برا نہیں سمجھتے تھے کیونکہ حضرت جانتے تھے کہ وہ برکات الٰہی کے دارین کی صلاح و فلاح کے باعث ہیں ایسی چیز سے ان کو روکنا گویا ان کو سخت ضرر

پہنچاتا ہے اور مقتضائے رحمت نبوی یہ تھا کہ اپنے جان نثاروں کو کسی قسم کا ضرر پہنچا نہیں
اہل انصاف غور فرما سکتے ہیں کہ صحابہ کا ہم پر کیسا احسان ہے کہ کس مصیبت سے انہوں نے
وہ تبرکات حاصل کئے اور اُن کی حفاظت نسلاً بعد نسلٍ کر کے ہم تک پہنچایا مگر افسوس ہے
کہ ہمارے زمانے میں ان کی کچھ قدر نہ ہوئی کیونکہ باپ دادا کی کمائی کی آدمی کو وہ قدر نہیں
ہوتی جو اپنی کمائی کی ہوتی ہے۔

تاریخ واقدی میں لکھا ہے کہ جنگ یرموک میں ایک روز خالد ابن ولید رضؓ اپنی شجاعت
بیان کرتے ہوئے لشکر کفار کی طرف بڑھے اُدھر سے ایک پہلوان نکلا جس کا نام
نسطور تھا اور دونوں کا دیر تک سخت مقابلہ ہو رہا تھا کہ خالد رضؓ کا گھوڑا اٹھو کر کھا کر
گرا اور خالد اس کے سر پر آ گئے اور ٹوپی زمین پر گر گئی نسطور موقع پا کر آپ کی پیٹھ پر
آ گیا اس حالت میں خالد رضؓ نے پکار کر اپنے رفقا سے کہا کہ میری ٹوپی مجھے دو خدا
تم پر رحم کرے۔ ایک شخص آپ کی قوم بنی مخزوم سے تھا دوڑ کر ٹوپی دیدیا آپ نے
اُسے پہن کر باندھ لیا اور نسطور پر حملہ کر کے اُس کا کام تمام کر دیا۔ لوگوں نے اس
واقعے کے بعد پوچھا کہ یہ آپ نے کیسی حرکت کی کہ دشمن قوی پیٹھ پر آ پہنچا اور کوئی حالت
منتظرہ باقی نہیں رہی سوقت آپ اپنی ٹوپی کی فکر میں تھے جو شاید دو چار آنہ کی ہوگی
آپ نے کہا وہ معمولی ٹوپی نہیں تھی اس میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے
موئے مبارک تھے۔

اب غور کیجئے کہ اس ٹوپی کا خیال اُسوقت کہ جب دشمن کے ایسے قابو میں

ہیں کس غرض سے ہوگا ۔ لوگوں کو جو تعجب تھا کہ ایسی کیا قیمت اس کی ہو گی جو ایسی حالت میں اُس کا خیال آیا وہ پہلے ہی آپ نے دفع فرمادیا کہ کوئی قیمتی چیز نہ تھی لیکن اُس میں موئے مبارک تھے ۔ غرضکہ اس وقت توجہ موئے مبارک کی طرف تھی اور اس کی طرف توجہ کرنے کا سبب سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اُس ٹوپی سے صرف استعانت مقصود تھی کہ دشمن پر مدد حاصل ہو ۔

اب غور کیجئے کہ ایسے جلیل القدر صحابی جن کی تعریف خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور سیف من سیوف اللہ فرمایا اُن کی یہ حالت ہے کہ ایسے وقت میں کہ دشمن پورا قابو پا چکا ہے اور جاں بری کی کچھ توقع نہیں اور دشمن خنجر بکف ہے موئے مبارک سے استمداد کر رہے ہیں اور یہ استمداد زبانی نہ تھی جیسا کہ اکثر شاعری میں استمدادی الفاظ کہدئے جاتے ہیں جن میں بندش مضمون زیادہ مقصود ہوتی ہے ۔ بلکہ یہ مدد طلب کرنا عملی طور پر تھا اور زبان حال پکار پکار کر کہتی تھی کہ اے حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے موئے مبارک یہی وقت مدد ہے دشمن قوی سے بچا لیجئے ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ اس نازک حالت میں آپ ہی کو غلبہ ہوا اس میں شک نہیں کہ وہ خدا سے ضرور مدد مانگ رہے ہوں گے مگر ظاہراً انہوں نے کوئی دعا کی نہ ایسے الفاظ کہے جس سے معلوم ہو کہ وہ بال کوئی قابل توجہ نہیں بلکہ برخلاف اس کے صاف کہدیا کہ میرے سارے فتوحات کے باعث یہی موئے مبارک ہیں ۔ اہل انصاف اگر ادنیٰ توجہ فرمادیں تو مسئلہ استعانت بغیر

جو آج کل معرکۃ الآرا بنا ہوا ہے اسی ایک واقعہ سے حل ہو سکتا ہے۔

جلیل القدر صحابہ کے عمل سے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ موے مبارک نہایت واجب التعظیم ہیں تو اس کے مقابلے میں آخری زمانے کے مسلمانوں کا یہ کہنا کہ ان کی تعظیم بدعت اور بت پرستی ہے ہرگز قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔ بڑی خرابی اس میں یہ ہے کہ موئے مبارک کی اس میں سخت توہین ہے کیونکہ اسے بت کے ساتھ تشبیہ دی جارہی ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ چیز کی توہین باعث عذاب و لعنت ہے کیونکہ اس سے آنحضرت صلے اللہ کی اذیت متصور ہے جو باعث لعنت وشقاوت ابدی ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یؤذون اللہ و رسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ ولھم عذاب عظیم۔ یعنے جو لوگ اللہ اور رسول کو ایذا دیتے ہیں اُن پر دنیا او آخرت میں خدا کی لعنت ہے اور ان پر بڑا عذاب ہوگا۔

اور کنز العمال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس نے میرے ایک بال کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے خدا کو ایذا دی اور اُس میں یہ روایت بھی ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک بال ہاتھ میں لیکر فرمایا کہ جس نے میرے بال کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اُس نے خدا کو ایذا دی اور جس نے خدا کو ایذا دی اُس پر تمام آسمان

موئے مبارک کی ایذا کا وبال

اور زمین کے فرشتوں کی لعنت ہے اور نہ اس کے نوافل قبول ہوں گے اور نہ فرائض۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اُس پر جنت حرام ہے۔ ظاہر ابال ایک ایسی چیز ہے کہ اس کو کاٹتے ہیں کترتے ہیں مگر اس کو ایذا نہیں ہوتی پھر کیا وجہ ہوگی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے موئے مبارک کو ہاتھ میں لیکر اس کی ایذا کی تصریح فرمائی یوں تو آسان ہے کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے کہہ سکتے ہیں کہ وہ مجاز یا مبالغہ ہے مگر نکتہ رس طبائع کا خلجان ایسی توجیہات سے دفع نہیں ہوسکتا۔ میری دانست میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد خاص حقیقت شناسوں کے لحاظ سے فرمایا جو صحابہ تھے کیونکہ فیضان صحبت سے وہ سب حضرات حقیقت شناس ہوگئے تھے وہ جانتے تھے کہ عالم میں ہر چیز زندہ اور ذی فہم ہے کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقہون تسبیحہم یعنے کوئی چیز ایسی نہیں جو خدا تعالیٰ کی تسبیح نہیں کرتی لیکن ان کی تسبیح کو تم نہیں سمجھتے۔ یہ ظاہر ہے کہ تسبیح اور تنزیہ کرنے والے کو جب تک اس امر کا ادراک نہ ہو کہ اس کا ایک خالق ہے اور اس کے جس قدر اوصاف ہیں سب کمالات ہیں اور سب عیبوں سے وہ منزہ ہے تسبیح کرنا صادق نہیں آتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ تمام عالم کے اشیا اچھی چیز کو اچھی اور بُری چیز کو بُری سمجھتے ہیں جو تنزیہ کا منشا ہے۔ اگرچہ اس آیہ شریفہ میں بھی یہ احتمال تھا کہ اُن کا تسبیح کرنا بزبان حال ہوگا مگر چونکہ صحابہؓ کو اس امر کا مشاہدہ تھا کہ جیسے انسان کے ادراک ہیں ان کے بھی ادراکات ہیں اسوجہ سے وہ اس آیہ شریفہ میں

تاویل کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ہمیشہ وہ دیکھا کرتے تھے کہ درخت وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام کیا کرتے تھے۔

کنزالعمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ایک بار میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مکان سے نکلا دیکھا کہ حضرت کا جس درخت اور پتھر پر گذر ہوتا وہ حضرت پر سلام کرتا تھا۔ اور مجمع عام میں ستون کا رونا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کی گفت و شنود اور کنکروں کا بآواز بلند کلمۂ شہادت پڑھنا وغیرہ صدہا امور جو خصائص کبریٰ وغیرہ کتب حدیث میں مذکور ہیں ہمیشہ پیش نظر تھے غرضکہ کثرت مشاہدات سے ان کو جمادات وغیرہ کے ادراکات میں ذرا بھی شک نہ تھا اس وجہ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے موئے مبارک کو ہاتھ میں لیکر فرمایا کہ میرے بال کو جو ایذا دے اس کو یہ سزائیں ہیں اور انہوں نے یقین کرلیا کہ بیشک موئے مبارک کو بعض امور سے اذیت ہوا کرتی ہے اس لئے انہوں نے اسکی تعظیم و توقیر کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ اس کے روبرو مؤدب ہو جاتے اور اس کی نہایت تعظیم و توقیر کرتے۔ بہرحال جب موئے مبارک کی نسبت کسی قسم کی گستاخی کی جائے تو ان کو اس سے اذیت ہوتی ہے اب رہی یہ بات کہ ان کو کان بھی نہیں پھر سننے کی کیا صورت تو اہل ایمان کے نزدیک یہ اعتراض قابل توجہ نہیں اس لئے کہ سماعت کو کان سے کوئی ذاتی تعلق نہیں بلکہ عطائی تعلق ہے چنانچہ ہم نے مقاصد الاسلام کے کسی حصہ میں اس سے متعلق بحث کی ہے کہ خداتعالےٰ

جس طرح کان سے سماعت کو متعلق فرمایا جس چیز سے چاہے متعلق فرما دیسکتا ہے۔
مشکوٰۃ شریف کے باب الاذان میں یہ روایت ہے جو کتب صحاح سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب مؤذن اذان کہتا ہے تو جہانتک اس کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کل اشیار خواہ وہ خشک ہوں یا تر سب قیامت میں اس کے حق میں گواہی دیں گے کہ اس شخص نے اذان کہی تھی۔ دیکھئے درخت پتھر ڈھیلے وغیرہ اگر مؤذن کی آواز سنتے نہوں تو گواہی دینے کی کیا صورت اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ اُن کو اس کا علم و ادراک بھی ہے۔

کنز العمال کی کتاب الحج میں ترمذی اور ابن ماجہ وغیرہ سے یہ حدیث منقول ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص تلبیہ کہتا ہے یعنی لبیک اللھم لبیک الخ تو جتنے پتھر ڈھیلے اور درخت اس کے داہنے اور بائیں بازو ہیں سب تلبیہ کہتے ہیں اس سے سماعت اُن اشیار کی ثابت ہے۔

اس کے سوا کثرت سے احادیث موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ سوائے انسان اور حیوانات کے نباتات اور جمادات بھی سنتے اور سمجھتے ہیں غرضکہ موئے مبارک کا سننا اور اُن کے علمی ادراکات ثابت ہیں تو توہین سے ان کو ضرور اذیت ہوتی ہوگی اور یہ ایذا رسانی اُن سزاؤں کا باعث ہوتی ہے جس کی تصریح حضرتؐ نے فرمادی جو ابھی مذکور ہوئیں۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ حدیث شریف ہے کہ اسیم رضی اللہ عنہ

کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کو جارہے تھے ایک مقام میں مجھ سے فرمایا کہ دیکھو کوئی جگہ ایسی ہے جہاں حاجت بشری سے فراغت حاصل کیجائے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بہت دور نکل گیا مگر جدھر دیکھا آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے کوئی جگہ ایسی نہیں دیکھی جہاں تخلیہ ہوسکے جب میں نے یہ حال عرض کیا فرمایا کہ کہیں کھجور کے چھوٹے چھوٹے درخت بھی نظر آتے ہیں جن کے بازو میں پتھروں کا ڈھیر ہو میں نے عرض کیا جی ہاں یہ تو دیکھا ہے۔ فرمایا جاؤ اور اُن درختوں سے کہدو کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) تم کو حکم کرتے ہیں کہ ایک دوسرے سے ملجاؤ اور یہی بات پتھروں سے بھی کہدو۔ وہ کہتے ہیں خدا کی قسم میں نے جب درختوں کو حضرت کا حکم پہنچایا دیکھا کہ اُن کی جڑیں اور مٹی حرکت کرنے لگی اور وہ تھوڑے عرصہ میں ایسے مل گئے کہ ان میں بالکل فاصلہ نہ رہا اور جب پتھروں کو حکم پہنچایا تو پتھروں کو دیکھا کہ ایک کے اوپر ایک چڑھنے لگے یہاں تک کہ ایک دیوار بن گئی میں نے حضرت کو اس کی خبر دی فرمایا ڈولچی میں پانی بھرلو میں پانی لیکر حضرت کے ساتھ ہوگیا اور اُس پائخانہ میں پانی رکھکر میں دور ہٹ گیا۔ حضرت جب حاجت سے فارغ ہوئے اور خیمہ مبارک میں تشریف لائے فرمایا کہ اُن درختوں اور پتھروں سے کہدو کہ اپنی اپنی جگہ چلے جائیں چنانچہ بمجرد حکم پہنچانے کے ہر درخت اور پتھر اپنے اپنے مقام سابق پر آگیا انتہی۔ ملخصًا۔

اس سے ظاہر ہے کہ نباتات جمادات بات سنتے اور سمجھتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ یہ معجزہ تھا اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ کل نباتات و جمادات سنتے اور سمجھتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اس لحاظ سے اس کو معجزہ کہہ سکتے ہیں کہ دوسرے سے یہ کام نہیں ہو سکتا مگر معجزے کی تعریف اس پر پوری طور سے صادق نہیں آتی اسلئے کہ معجزہ کی ضرورت تو وہاں ہوتی جہاں کفار کے ساتھ مقابلہ ہو اور بر سر مقابلہ دعوئے نبوت کیا جائے اور دلیل میں ایسا امر پیش کیا جائے کہ کفار میں سے کوئی وہ کام نہ کر سکے تاکہ حجت قائم ہو جائے اور یہاں ایسی کوئی بات نہ تھی حضرت کو قضائے حاجت کی ضرورت تھی اور کوئی مقام ایسا نہ تھا کہ وہاں اس سے فارغ ہوں پائخانہ تیار کرنیکے لئے پتھروں اور درختوں پر حکم صادر فرمادیا کہ فوراً تیار کر دیں اور انہوں نے بطیب خاطر فرمانبرداری کی نہ وہاں کوئی کافر تھا نہ کسی کو یہ حکومت بتلانے کی ضرورت تھی اگر ایسا ہوتا تو اعلان دیا جاتا کہ دیکھو ہم درختوں اور پتھروں سے یوں کام لیتے ہیں اور وہاں کُل رفقائے سفر کا جو ہزارہا تھے اژدہام ہو جاتا دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ امر منکشف تھا کہ تمام ذرات عالم سمجھدار ہیں اگرچہ ہر کس و ناکس کی بات پر وہ توجہ نہیں کرتے مگر جس کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اس کا حکم نافذ ہے ممکن نہیں کہ اس کے حکم سے انحراف کریں اسلئے آپ نے ایک غیر معروف شخص کی زبانی حکم بھیجدیا اور اس کی تعمیل فوراً انہوں نے کردی اس حکمرانی کو نبوت سے تعلق نہیں بلکہ

اس کا اشارہ وہ ہے جو آیۂ شریفہ میں ہے وسخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعا الخ۔ یعنے جو چیز زمین اور آسمان میں ہے ان سب کو تمہارے لئے مسخر کر دیا۔

چنانچہ اولیاء اللہ سے بھی اس قسم کے خوارق عادات صادر ہوتے ہیں اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ من کان للہ کان اللہ لہ یعنے جو اللہ کا ہوگیا اللہ اس کا ہوگیا اور من کہ المولی فلہ الکل اور اللہ جس کا ہوگیا تو تمام عالم اس کا ہے۔ **شعر**

تو گردن ز فرمانِ داور مپیچ ۔ ؛ نہ پیچد گردن ز حکم تو ہیچ

یہ امر مشاہد ہے کہ جو لوگ سلاطین کے مقرب ہوتے ہیں ان کو سب مانتے ہیں اور ہر جگہ ان کی آؤبھگت ہوتی ہے پھر جس قدر تقرب زائد ہوگا اسی قدر آؤبھگت زیادہ ہوگی یہ تو عام بات تھی۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات پر نظر ڈالئے حضرت صلعم اللہ تعالے کے نور سے پیدا ہوئے اور تمام عالم حضرت کے نور سے پیدا ہوا اور حق تعالے فرماتا ہے اگر آپ نہ ہوتے تو افلاک کو بھی پیدا نہ کرتا اور اس کے سوا بہت سارے خصوصیات ہیں جن کا حال کسی قدر ہم نے انوار احمدی میں لکھا ہے۔ اب کہئے کہ کون چیز ایسی ہوسکتی ہے کہ حضرت کے حال سے واقف ہونے کے بعد سر تابی کرسکے؟ ایسے امور کا علم صرف جن و انس کو نہیں دیا گیا اس لئے کہ بہ غرض امتحان میں عقل اور شہوت ان کو دی گئیں اور غیبی امور پر اطلاع بھی دی گئی تاکہ عقل کی رہبری سے پہلی منزل طے کرلیں یعنے توحید اور نبوت کی ضرورت ثابت کرلیں بخلاف دوسری اشیاء کے کہ ان سے کوئی امتحان متعلق نہیں اسلئے ابتداہی میں ان کو ان امور کا علم دیا گیا جو الوہیت اور عبودیت سے متعلق ہے غرضکہ کل عالم کی اشیاء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

سیادت کو تسلیم کئے ہوئے ہیں چنانچہ اس پر قرینہ یہ روایت ہے جس کو ہم نے انوار احمدی میں نقل کی ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس عالم میں تشریف فرما ہوئے بمجرد ولادت مبارک ایک ابر نمودار ہوا اور آپ کو لیکر تمام بر و بحر میں اور خدا جانے کہاں کہاں لیگیا جس سے مقصود صاف ظاہر ہے کہ جو اشیا اپنے مقام سے حرکت کر کے حاضر خدمت نہیں ہو سکتے تھے وہ اپنے آقائے نامدار کے جمال جہاں آرا سے مشرف ہو جائیں اور معلوم ہو جائے کہ ایک زمانہ سے جن کی آمد آمد کا شہرہ اور انتظار تھا وہ تشریف فرما ہو چکے جس سے ظاہر ہے کہ تمام ذرات عالم کو اس عالم میں انکی تشریف فرمائی کا حال معلوم ہو گیا تھا۔ جب اُن درختوں اور پتھروں کو یہ خبر پہنچائی گئی کہ بنفس نفیس وہاں تشریف فرما ہوں گے تو اس نعمت غیر مترقبہ کے حصول پر ان کی کیا حالت ہوئی ہوگی مارے خوشی کے اپنے میں پھولے نہ سماتے ہوں گے۔ ابھی آپنے دیکھ لیا کہ حضرت کی مفارقت سے ستون مسجد کو کس قدر غم کا صدمہ تھا۔ اسی طرح حضرت کی وصال کی مسرت کا اثر اُن پر نمایاں ہوا کہ اس مژدۂ جاں فزا کے سنتے ہی فوراً حرکت کر کے تعمیل حکم میں مشغول ہو گئے۔ الحاصل جمادات کا ادراک اور ان کا غم و شادی ان روایات سے ثابت ہے اسی طرح ان کو ایذا پہنچنی بھی ثابت ہے چنانچہ کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب کوئی بندہ مسجد میں تھوکنے کا ارادہ کرتا ہے تو مسجد کے ستون مضطرب ہو جاتے ہیں اور مسجد ایسی سکڑ جاتی ہے جیسے چمڑا آگ میں سکڑتا ہے۔ انتہیٰ ملخصاً۔

یہ امر شاہد ہے کہ کوئی مکروہ چیز کسی پر ڈالی جائے تو وہ اس سے بچنے کی غرض سے سمٹ جاتا ہے منشا اس کا یہ ہے کہ اس مکروہ چیز کے جسم پر لگنے سے روحانی اذیت ہوتی ہے اور اس میں ایک دوسری روایت ہے کہ ریٹ کی وجہ سے کبھی مسجد کا یہی حال ہوتا ہے۔ یہ بات ظاہر بینوں کی سمجھ میں آنے کے قابل نہیں ہے کہ مسجد کے ستونوں کا اضطراب اور اس کا سمٹنا کیونکر ہوگا فی الحقیقت یہ امور محسوسات سے خارج ہیں مگر ایمانی دنیا میں ان امور کا وجود گو محسوس نہ ہو مگر قابل تصدیق ہے۔

جس طرح فلسفی دنیا میں تمام عالم کا اجزائے دیمقراطیسیہ سے مرکب ہونا مسلم ہے اور اس قابل سمجھا گیا ہے کہ اس میں کلام کرنے کی ضرورت ہی نہیں حالانکہ ابتک کسی نے نہ اجزائے دیمقراطیسیہ کو دیکھا نہ اُن کے نظر آنے کی اُمید ہے نہ اس کی صلاحیت کیونکہ پتھر پانی ہوا اور روشنی انہی اجزا سے مرکب ہیں پتھر کے کتنے ہی باریک اجزا نکالے جائیں ہر جزو پتھر کی ماہیت میں شریک ہوگا اور پانی کے کتنے باریک اجزا کیے جائیں ہر جزو پر پانی کا اطلاق ہوگا روشنی کا کوئی جزو ایسا نہ ہوگا کہ روشنی کی ماہیت اس میں نہ پائی جائے۔ اجزائے دیمقراطیسیہ تو ایسے سخت ہیں کہ ٹوٹ پھوٹ نہیں سکتے چاہیے کہ ان کے مجموعے میں بھی یہی بات ہو مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہوا کو ہاونمیں کوٹیں تو ذرا بھی سختی نہیں معلوم ہوتی حالانکہ کروڑہا سخت اجزا اس میں موجود رہتے ہیں جب فلسفی دنیا میں اُن غیر محسوس اجزا کو بغیر اس کے کہ کوئی قرینہ اُن کے وجود پر قائم ہو مان لیا گیا تو ایمانی دنیا میں جمادات کی

غیر محسوس حرکت مان لینے میں کون چیز مانع ہے فرق ہے تو اسی قدر ہے کہ وہاں فلاسفہ کا قول ہے اور یہاں خدا اور رسول کا اگر اہل اسلام فلاسفہ کے قول کے برابر بھی خدا و رسول کے قول کی وقعت نہ کریں تو پھر دعوے اسلام سے فائدہ ہی کیا شعر

آں کس کہ ز قرآن و خبر زو نرہی ؎ آنست جوابش کہ جوابش ندہی

ان تمام روایات اور پھر دوسری روایت سے ثابت ہے کہ جمادات اور نباتات کو ادراک ہے اور اُن کو اذیت بھی ہوا کرتی ہے اسی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میرے بال کو ایذا دی اُس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی خدا تعالے کو ایذا دی۔

مشکواۃ شریف کے باب الطب والرقی میں بخاری شریف سے ایک روایت منقول ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ عثمان بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ میری زوجہ نے مجکو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پیالہ پانی کا دیکر بھیجا اور ان کی عادت تھی کہ جب کسیکو نظر لگتی یا کوئی مرض ہوتا تو ایک بڑے برتن میں پانی دیکر حضرت ام سلمہؓ کے پاس بھیجدیتیں کیونکہ اُن کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا موے مبارک ایک چاندی کی نلی میں رکھا ہوا تھا وقتِ ضرورت اس کو نکال کر پانی میں ہلا دیتیں اور مریض وہ پانی پی لیتا۔ انتہیٰ۔

بخاری شریف کی روایت سے بھی ثابت ہوگیا کہ صحابہ موے مبارک تبرکاً اپنے مکان میں رکھتے اور عموماً لوگ اس کی برکت حاصل کرتے اور امراض سے شفا

تبرکات از موے مبارک

پاتے تھے ۔

خصائص کبریٰ میں سنان بن طلق یمانی سے روایت ہے کہ وہ وفد بنی حنیفہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اسوقت حضرت سر مبارک دھو رہے تھے فرمایا تم بھی اپنا سر دھولو۔ چنانچہ حضرت کے بچے ہوئے پانی سے میں نے اپنا سر دھویا اور اسلام لایا ۔ پھر حضرت نے مجھے کچھ لکھدیا۔ جاتے وقت میں نے عرض کی کہ قمیص مبارک کا اگر ایک ٹکڑا عنایت ہو تو میں اُس سے انست حاصل کرونگا۔ حضرتؐ نے مجھے عنایت فرمایا ۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ کپڑا اُن کے پاس تھا جب کوئی بیمار بغرض شفا آتا تو اُسے دھوکر اُس کو پانی پلایا کرتے تھے ۔ انتہی

موئے مبارک کی زیارت سے ہر کس و ناکس مستفید نہیں ہوسکتا اس کے اہل وہ لوگ ہیں جن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوری عقیدت اور محبت ہو پھر جس قدر عقیدت ہوگی اُسیقدر فوائد ہوں گے ۔

مولانا شاہ سید محمد عمر صاحب نے رسالہ استشفاع و التوسل میں کتاب انفاس العارفین مولفہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کی عبارت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرے والد یعنے شاہ عبدالرحیم صاحب رحہ نے مجھ سے کہا کہ میں ایکبار ایسا سخت بیمار ہوا کہ زندگی کی امید نہ تھی شیخ عبدالعزیزؒ میرے خواب میں آئے اور کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمہاری عیادت کیلئے

تشریف لاتے ہیں شاید اس دروازہ سے تشریف لائیں جدھر تمہارے پاؤں ہیں۔
میں اشارہ کرکے لوگوں سے کہا کہ پلنگ کا رخ پھیردیں چنانچہ پھیر دیا گیا۔ آنحضرت
صلے اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے لڑکے تمہارا کیا حال ہے
اس کلام دلفزا کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ وجد کی سی حالت طاری ہوئی اور اتنا رویا کہ
قمیص مبارک حضرت کا میرے اشکوں سے تر ہوگیا کیونکہ حضرت مجھے اپنے گود میں
لئے ہوئے تشریف رکھتے تھے اس طرح پر کہ ریش مبارک میرے سر پر تھی جب
وہ حالت فرو ہوئی تو میرے خیال میں آیا کہ ایک مدت سے مجھے موئے مبارک
کی آرزو ہے اگر اسوقت عطا ہو جائے تو کیا اچھا ہوگا اس خیال کے ساتھ ہی
ریش مبارک کے دو بال مجھے عطا فرمائے مجھے اسوقت یہ فکر ہوئی کہ یہ موئے مبارک
عالم شہادت میں بھی میرے پاس رہیں گے یا نہیں اس خیال کے ساتھ ہی ارشاد ہوا
اس عالم میں بھی رہیں گے چنانچہ میں جب بیدار ہوا وہ دونوں موئے مبارک
موجود تھے میں نے اُن کو محفوظ رکھا اور اسی روز مجھے صحت ہوگئی۔ شاہ صاحب
فرماتے ہیں کہ والد نے آخر عمر میں جب تبرکات تقسیم فرمائے مجھے بھی اُس میں سے
ایک موئے مبارک عطا فرمایا۔ انتہیٰ۔

شاہ صاحب کے والد بزرگوار کس پایہ کے بزرگ ہونگے اور کس درجے کا اُن کو
عشق موئے مبارک سے ہوگا کہ اس حالت میں بھی اُن کو موئے مبارک کا خیال
لگا ہوا تھا جس کے طفیل میں اس دولت عظمیٰ سے مشرف ہوئے۔

یہاں ایک بہت بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ بھی حل ہوگیا وہ یہ کہ خواب میں فقط خیالی صورتیں نظر آتی ہیں جو جسم نہیں ہوسکتیں کیونکہ خیال کا خزانہ دماغ کا ایک حصہ ہے اس میں اجسام کو کہاں گنجائش مگر موئے مبارک جو عطا ہوئے وہ جسم تھے۔ اور شاہ عبد الرحیم صاحب نے بچشم خود دیکھا کہ ریش مبارک سے علیحدہ کرکے وہ دیے گئے جس سے ثابت ہے کہ ریش مبارک بھی خیالی نہ تھی بلکہ مجسم تھی پھر ریش مبارک کا حسی تعلق حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے تھا جس سے ظاہر ہے کہ اُسوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت خیالی محسوس نہیں ہوئی بلکہ جسم مقدس کے ساتھ وہاں تشریف فرما ہوئے تھے گو دوسروں نے نہیں دیکھا جس طرح جبرئیل علیہ السلام مجلس اقدس میں بذات خود آتے تھے اور سوائے حضرتؐ کے اُن کو کوئی نہیں دیکھتا تھا۔ اب اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بنفس نفیس وہاں تشریف فرما ہونا تسلیم نہ کیا جائے تو شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے والد بزرگوار کی تکذیب ہوئی جاتی ہے ہمارا دل تو اس کو گوارا نہیں کرسکتا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تکذیب کیجائے کیونکہ ایک عالم نے ان کے علم و فضل اور تقدس کو مان لیا ہے اور ان کو جھوٹ کہنے کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ اس واقعہ سے کوئی اُن کا فائدہ متصور نہیں اب ان قرائن اور اسباب سے اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بنفس نفیس مع جسم تشریف لانا ثابت کیا جائے تو معمولی عقلیں گو اس کو نہیں مان سکتیں مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ معمولی عقلیں اکثر

غلطی کرتی ہیں جیسا کہ ہم نے کتاب العقل میں ثابت کردیا ہے تو اب ہمارا فرض ہے کہ ایمانی راہ سے اپنی عقلوں کو مجبور کریں جس سے بڑا فائدہ یہ بھی ہوگا کہ حدیث شریف میں جو وارد ہے من راٰنی فی المنام فقد راٰنی فان الشیطان لا یتمثل بی یعنے جس نے خواب میں مجھے دیکھا وہ مجھی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہوسکتا اس حدیث پر پورا ایمان آجائیگا اور کوئی خلجان باقی نہ رہیگا ۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ رضؓ جو علی کرم اللہ وجہ کی والدہ تھیں اُن کو میں نے اپنا قمیص دیا تاکہ جنت کا لباس اُن کو پہنایا جائے انتہی ملخصاً ۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت کے لباس مبارک میں یہ برکت تھی کہ اُس عالم میں اس کا اثر ظاہر ہو حالانکہ لباس مبارک کو کوئی ذاتی تعلق حضرت سے نہ تھا پھر موئے مبارک جو جزو بدن تھا اس کے برکات کس قدر ہوں گے بہرحال جب شارع علیہ السلام نے تبرک کی علت اور وجہ کی تصریح فرمادی تو اب کسی دوسرے کو کیا حق کہ اس میں کلام کرسکے

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ابو صالح سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس مشک تھا آپ نے وصیت کی کہ اپنے کفن میں وہ لگایا جائے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کفن کو وہ لگایا گیا تھا اس کا وہ بقیہ ہے ۔ انتہی ۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل کسی پر مخفی نہیں باوجود اس کے آپنے وہ تبرک

اُٹھا رکھا تھا کہ قبر میں اس کو اپنے ساتھ لیجائیں پھر اُس تبرک کی یہ کیفیت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دستِ مبارک اُسے لگا تھا نہ کفن مبارک کو لگنے کا اُسے شرف حاصل ہوا تھا صرف اس خیال سے وہ تبرک بنایا گیا کہ جو مشک حضرت کے لئے لایا گیا تھا اس کا وہ بقیہ ہے اگر کہیں کہ کفن مبارک کو تو نہیں لگا مگر ایک نسبت اس میں لگ گئی تھی تو وہ بھی صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اگر نسبت تھی تو اس میں جو استعمال میں آیا تھا۔ البتہ نسبت ہے تو اس قسم کی کہ بقیہ مشک مستعمل یعنے منسوب کی طرف منسوب تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اتنی ہی نسبت کو تبرک بنانیکے لئے کافی سمجھا آپ خلفائے راشدین سے ہیں جن کے ارشاد پر عمل کرنا اہل ایمان کے لئے ضروری ہے جب آپ کو اس قسم کے تبرکات میں اسقدر اہتمام تھا تو معلوم ہوا کہ دین میں تبرکات کی کیسی وقعت ہے ایسی چیز کو جو لوگ بت پرستی وغیرہ کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں کسقدر ان کی زیادتی ہے خدائتعالیٰ ایسے عقیدوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے ۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں نافع رح سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ابن عمر رضہ کی عادت تھی کہ جہاں جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اُن مواقع کو تلاش کرتے یہاں تک کہ ایک درخت کے نیچے حضرت صلعم نے نماز پڑھی تھی اُس درخت کی نگہداشت کرتے اور اس کو پانی دیتے تاکہ وہ سوکھ نجائے ۔ انتہی ۔

اس سے ظاہر ہے کہ اُن کا کامل اعتقاد تھا کہ اُن مقامات میں ضرور برکت آگئی ہے اور تلاش کر کے اُن مقامات کی زیارت کیا کرتے تھے اور یہ بھی خیال تھا

آیندہ نسلوں کے لئے وہ مقامات حتی الامکان باقی رکھنے کی کوشش کیجائے جیسا کہ درخت کو پانی دینے سے معلوم ہوتا ہے۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں روایت ہے کہ ابو اسما کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہوا اور حضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور حضرتؐ نے مجھ سے مصافحہ فرمایا اسوقت میں نے قسم کھالی کہ اب میں کسی سے مصافحہ نکرونگا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ صحابہ مصافحے کو مسنون سمجھتے تھے اور ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے تھے مگر ان بزرگوار نے قسم کھالی کہ حضرت کے مصافحے کی دولت جب نصیب ہوگئی تو اب کسی سے مصافحہ نہ کریں گے معلوم نہیں انہوں نے کیا سونچا تھا کیا یہ خیال کیا تھا کہ دوسرے کا ہاتھ لگ جائے تو حضرت کے ہاتھ کی برکت جاتی رہیگی یا دوسرے کے ہاتھ کے اثر سے اُس برکت کا اثر کم ہوجائیگا حالانکہ عقلاً کوئی بات اس قابل نہیں معلوم ہوتی کہ اس کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے ایک سنت ترک کردی جائے اُس قسم نے اُن پر کیسی مصیبتیں ڈالی ہونگی جب کسی سے ملاقات ہوتی ہوگی اور وہ اپنا ہاتھ کھینچ لیتے ہوں گے لوگوں میں کیسی بدنامی ہوتی ہوگی خود ان کا دل اس کو کیونکر قبول کرتا ہوگا۔ مگر وہ حضرات اپنے دھن کے پکے تھے وہاں نیکنامی اور بدنامی کے خیال کو کیا دخل۔ اُن کے حسب حال یہ شعر ہے

گرچہ بدنامیست نزد عاقلاں ؎ مانیخواہیم ننگ و نام را

اصل یہ ہے کہ یہ سارے کرشمے عشق کے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ ان حضرات کو عشق تھا ہر وقت ایک نئی شکل میں ظہور کرتا تھا۔

یک قصہ بیش نیست غم عشق وایں عجب ؛ از ہر کسیکہ می شنوم نامکرر است

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ بحیریہ کہتی ہیں کہ میرے چچا خداش نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے وہ پیالہ مانگ لیا جس میں حضرت صلعم کو کھاتے دیکھا تھا۔ وہ پیالہ ہمارے یہاں تھا۔ عمر رض اکثر ہمارے یہاں آتے اور اس کو نکلواتے ہم اُس میں زمزم بھر کے اُن کو دیتے اور وہ پانی پیکر تھوڑا پانی اپنے چہرے اور سر پر ڈال لیتے تھے۔ انتہی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ اس قسم کے امور میں بہت کچھ احتیاط کرتے تھے مگر اُس پیالے کی برکت کے وہ بھی قائل تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ پیالہ کئی بار دھویا گیا اگر دست مبارک اُس کو لگا بھی تھا تو کئی بار کے دھونے اور استعمال کرنے سے وہ اثر باقی نہیں رہ سکتا مگر اُن کے اعتقاد میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ ایک بار دست مبارک لگ جانا ہمیشہ کی برکت کا باعث ہے۔ اور مقام متبرک پر جو پانی لگ جائے اس سے سر اور چہرہ کو مشرف کرنا باعث سرفرازی اور سرخروئی ہے اسی خیال سے عمر رض خداش کے گھر جا کر یہ برکت حاصل کیا کرتے تھے۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ ایک بار سخت امساک باران ہوا تھا عمر رضی اللہ عنہ لوگوں کے ساتھ استسقار کے لئے عیدگاہ کی طرف روانہ ہوئے اور چادر مبارک آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی آپ پر تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ

ابتاع آثار تبرکی

چادر مبارک کو آپ نے نزولِ رحمت الٰہی کا ذریعہ قرار دیا۔ اب غور کیا جائے کہ چادر مبارک اگر اس قابل سمجھی نہیں جاتی کہ باعثِ نزولِ رحمت ہو تو اس موقع خاص میں خاص طور پر اُس کو لیجانا فضول ہوتا پھر وہاں صحابہ کا مجمع تھا اگر وہ کوئی خلاف شرع بات ہوتی تو راست گو صحابہ صاف کر دیتے کہ یہ بدعت آپ نے کیوں ایجاد کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ تبرکات کو باعثِ رحمت الٰہی سمجھنا باجماع صحابہ ثابت ہے۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ محمد بن سیرین رح فرماتے ہیں کہ انس رض کے پاس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک چھڑی تھی جب اُن کا انتقال ہوا تو وہ چھڑی اُن کے کفن میں رکھدی گئی اس طرح کہ قمیص اور جسم کے درمیان میں تھی۔ دیکھئے انس رض جیسے جلیل القدر صحابی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی چھڑی جس کو دست مبارک میں رکھنے کا شرف حاصل ہوا تھا اس کی عمر بھر حفاظت کی اور تبرک بنا کر رکھا اور اس تبرک کو ہمراہ لے گئے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ اگرچہ وہ چھڑی عالم جسمانی ہے مگر جو برکت اسکو حاصل ہے وہ جسم ہی تک محدود نہیں بلکہ عالم روحانی میں بھی اسکی تاثیر ہونے والی ہے اگر اس زمانے کے موحدین سے فتوے لیا جائے تو وہ صاف لکھدیں گے کہ لکڑی پتھر کفن میں رکھنا بدعت ہے۔ کل بدعۃ فی النار۔

مگر صحابہ ایک لکڑی سے ہانکنے والے نہ تھے وہ ہر چیز کا مرتبہ جانتے تھے اُن کو یقین کامل تھا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تبرک جس قسم کا ہو اس کی برکت جو کچھ خیال کیجائے وہ کم ہے۔ انس رض کے جنازے میں کیسے کیسے کبار تابعین یک

ہوئے ہوں گے مگر کسی نے اس فعل میں کلام نہیں کیا اور ابتک یہ روایت کتابوں میں منقول ہوتے ہوئے ہم تک پہنچی کسی محدث نے اس فعل کو برا نہ کہا اس سے ظاہر ہے کہ سلف نے ایسے امور کو مان لیا ہے۔ اب مسلمانوں کو کیا ضرورت ہے کہ آخری زمانے کے ملاؤں کی بات سنکر تبرکات کے برکات سے محروم رہیں۔

کنز العمال کی کتاب الشمائل میں یہ روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا فرماتے تو اہل مدینہ کے خادم ظروف میں پانی لاتے اور حضرت دست مبارک انمیں ڈباتے۔ انتہی۔

عقل کی راہ سے تو یہ سمجھ میں نہیں آسکتا کہ وہ پانی جس میں کوئی دوا شریک نہ تھی صرف ہاتھ لگ جانے سے کسی بیماری کی دوا ہوسکے مگر جمیع امراض کے لئے وہ ایک مجرب نسخہ تھا کہ صبح ہوتے ہی جوق جوق طالبینِ شفائے امراض جسمانی و روحانی اس آب حیات کے لینے کو درِ دولت پر حاضر ہو جاتے اور حضرت بھی تکلیف گوارا فرماتے تھے خصوصاً سردی کے موسم میں صبح کے وقت پانی میں ہاتھ ڈبونا کوئی آسان بات نہیں ہے مگر شان رحمۃ للعالمین تھی کہ کسیکو محروم نہ فرماتے اس فعل سے ثابت ہے کہ حضرت تاثیر تبرکات کے اعتقاد کو جائز رکھتے بلکہ عملی طریقے سے اس کی ترغیب فرماتے تھے اور حق تعالی بھی لوگوں کے اعتقاد بڑھانے کے لئے اس سے شفاء عنایت فرماتا تھا۔ اب یہ خیال کرنا کہ تبرکات پر اعتقاد رکھنا بودا اعتقاد ہے یا دین میں اس کی کوئی اصل نہیں خلاف طریقۂ ایمان ہے۔

کنز العمال کی کتاب الشمائل میں ہے کہ ایک فقیر اعرابی آنحضرت صلے اللہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا آپ نے اس کو ایک چھوہارا عطا فرمایا اُس نے کہا کہ یہ عطا ایک نبی کی ہے جب تک میں زندہ رہوں کبھی اس کو اپنے سے جدا نہ کرونگا اور ہمیشہ اس کی برکت کا امیدوار رہونگا۔ راوی کہتے ہیں کہ تھوڑے روز نہیں گذرے تھے کہ وہ شخص غنی ہو گیا۔ انتہی۔

حضرت کے روبرو اس بزرگوار کا یہ کہنا کہ وہ تبرک ہے اور اُس کی برکت کا اُمیدوار رہنا صراحتہً اس بات پر دلیل ہے کہ شریعت میں تبرک کو خاص قسم کی وقعت حاصل ہے اور اس کا حسی اثر ہونا بھی ثابت ہے مگر اعتقاد کو بھی دخل ہے کیونکہ برکت دینے والا خدا تعالیٰ ہے جب کوئی اس کی برکت کا قائل ہی نہ ہو تو خدائے تعالیٰ کو کیا غرض کہ خواہ مخواہ اس کے برکات ظاہر فرمائے۔ اس لئے اُس کے برکات سے وہ محروم کر دیا جاتا ہے۔

کنز العمال کی کتاب الشمائل میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کفن کے واسطے ایک حلہ خرید اگیا تھا مگر بعد یہ تجویز قرار پائی کہ تین سفید کپڑے لئے جائیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اُس حلے کو لیا کہا کہ اسے میں اپنے کفن کے لئے رکھتا ہوں مگر اس کے بعد اُن کی رائے بدل گئی اور کہا کہ اگر یہ حلہ خدائے تعالیٰ کو پسند ہوتا تو اسی کا کفن شریف ہوتا اس خیال سے اس کو بیچ کر اس کی قیمت خیرات کر دی۔ انتہی ملخصاً۔

اس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیالات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ کیسے کیسے لطیف اجتہاد کرتے تھے۔ پہلے یہ خیال متمکن ہوا کہ وہ حلہ متبرک ہونے کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ کفن مبارک کے لئے خریدا گیا اپنی نسبت بھی لگ جانا غنیمت ہے، گو اس کا وقوع نہ ہوا ہو کیونکہ نسبت سے بڑے بڑے عقدے حل ہو جاتے ہیں جن کا بیان موجب تطویل ہے اسی کو دیکھ لیجئے کہ صحابیت ایک نسبت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے حاصل ہوئی تھی پھر اُس کا کس قدر اثر ہے کہ قیامت تک وہ تمام اہل اسلام بلکہ تمام اولیاء اللہ سے ان کو مکرم و معزز بنا دی اور قیامت میں بھی ان کو وہی افتخار حاصل رہیگا جو باعث ترقی مدارج ہے۔ غرض کہ اس نسبت نے ان کو اس کے لینے پر مجبور کیا۔ پھر اس کے بعد جب غور کیا کہ وہ حلہ کفن مبارک کے لئے خریدا تو گیا تھا مگر اس برکت کو اس نے حاصل نہ کر سکا اگر اس میں صلاحیت ہوتی تو ضرور جسم اقدس سے تقرب کا اعزاز حاصل کرتا اور محروم و مردود نہ ہوتا ایسی مردود چیز اس قابل نہیں کہ اس سے برکت حاصل ہو سکے۔ غرضکہ یہ خیال متمکن ہوا کہ جو چیز بارگاہ احمدی سے مردود ہو وہ کسی کام کی نہیں۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ایسے خیالات سے بچائے جو کہ بارگاہ نبوی سے مردود بنا دیتے ہیں۔

کنز العمال کی کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ ابو محذورہ کہتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حنین کو تشریف لیجا رہے تھے ہم دس شخص جوان جوان بھی ہمراہ ہو گئے ایک مقام میں موذن اذان کہا ہم لوگ تمسخر کی راہ سے موذن کی طرح پکارنے لگے تو حضرت نے

تمہاری آواز سنکر ہمیں بلوایا اور دریافت فرمایا کہ جس کی آواز میں نے سنی وہ تم میں کون ہے چونکہ میں بلند آواز تھا سب نے مجھے بتلا دیا حضرتؐ نے سب کو چھوڑ دیا مجھ سے فرمایا کہ اٹھو اذان کہو۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اٹھا تو سہی لیکن اس وقت میری یہ حالت تھی کہ دنیا میں حضرتؐ سے زیادہ کوئی مکروہ اور اذان سے زیادہ کوئی چیز بُری میرے خیال میں نہ تھی۔ حضرتؐ ایک ایک کلمہ اذان کا مجھے سکھاتے اور میں کہتا جاتا تھا اس کے بعد مجھے ایک تھیلی عنایت فرمائی جس میں تھوڑی چاندی تھی اور دست مبارک میرے سر اور منہ اور جگر پر پھیرا اور دعا دی اس کے ساتھ ہی جتنی کدورت اور کراہت میرے دل میں تھی وہ محبت سے بدل ہوگئی اور خود میں نے خواہش کی کہ یا رسول اللہ مجھے حکم دیجئے کہ میں مکے میں اذان کہا کروں حضرتؐ نے قبول فرمایا چنانچہ وہاں کے موذن قرار پائے۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ سر کے اگلے حصے کے بال جن پر دست مبارک پہنچا تھا نہ اُن کو کبھی کٹوایا اور نہ ان میں مانگ نکالی۔ یہ دست مبارک کی تاثیر تھی کہ ادھر کافر کے سینے پر دست مبارک پہنچا اُدھر تمام کفر و نفاق کی کثافتیں محو ہوگئیں اور دل آئینے کی طرح نور ایمان سے چمکنے لگا۔ صحابہ اسی اثر کے دلدادہ تھے وہ جانتے تھے کہ جس چیز کو دست مبارک یا جسم شریف لگ گیا اس میں برکت ضرور آگئی پھر کوئی اس برکت کو اپنے ساتھ قبر میں لیجاتا اور کوئی مسلمانوں کی خیر خواہی کے لحاظ سے اس عالم میں چھوڑ جاتا اگر ابو محذورہ وہ متبرک بال

کٹواتے تو دست بدست تقسیم ہو جاتے اور وہ تبرک اُن کے پاس نہ رہتا اس لئے انہوں نے کٹوانا تو درکنار مانگ بھی کبھی نہ نکالی کہ کہیں اُس حالت میں جو دست مبارک کے لگنے کے وقت تھی فرق نہ آئے۔ سبحان اللہ کیا احتیاط تھی اور کیسی عقیدت جس کے سننے سے عقل حیران ہوتی ہے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وقال لھم نبیھم ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک اٰل موسیٰ واٰل ھٰرون تحملہ الملٰئکۃ ان فی ذٰلک لاٰیۃ لکم ان کنتم مومنین۔ ترجمہ اُن کے نبی نے اُن سے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائیگا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تسکین اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں کہ جن کو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے ہیں۔ اُس کو فرشتے اُٹھا لائیں گے۔ بے شک اس میں تو تمہارے لئے پوری نشانی ہے۔ اگر تم ایماندار ہو۔

تفسیر ابن جریر اور در منثور وغیرہ میں ہے کہ تابوت سکینہ میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کی لکڑی اور کچھ کپڑے اور نعلین اور ہارون علیہ السلام کے ہاتھ کی لکڑی اور عمامہ اور الواح کے چند ٹکڑے تھے۔ انتہی۔

یہی تبرکات تھے کہ جس کی وجہ سے طالوت کی فتح ہوئی۔ کیونکہ روایات سے ثابت ہے کہ طالوت کے ساتھ بہت کم لوگ تھے جیسا کہ قرآن شریف

میں بھی اس طرف اشارہ ہے ۔ کم من فیئۃٍ قلیلۃٍ غلبت فئۃ کثیرۃً باذن اللّٰہ ۔

تفسیر ابن جریر و کبیر میں ہے کہ تابوت سکینہ قدیم سے معزز و متبرک سمجھا جاتا تھا اور لڑائیوں میں اس سے مدد ملتی تھی جب بنی اسرائیل کی حالت خراب ہوئی کفار عمالقہ اُن پر غالب ہوئے اور تابوت سکینہ لے گئے اور اس سے بے ادبی کرتے تھے ۔ چنانچہ مزبلہ میں اُسے ڈال دیا تھا ۔ مگر جو شخص اُس پر بول و براز کرتا بواسیر میں مبتلا ہو جاتا ۔

تفسیر ابن جریر میں لکھا ہے کہ جب اُس قوم میں بیماری پھیلی اُس وقت کے نبی نے اُسے کہا کہ اگر تم عافیت چاہتے ہو تو اس صندوق کو اپنے یہاں سے نکالو انہوں نے کہا اس کی کیا نشانی ہے ۔ کہا کہ تم دو بیل ایسے لاؤ کہ نہایت تیز رو ہوں اور کبھی جوتے نہ گئے ہوں ۔ اگر وہ اس صندوق کو دیکھ کر گردن جھکا دیں تو تم اُس کو ایک گاڑی پر رکھ کر اُن کو جوت کر چھوڑ دو ۔ جدھر چاہیں وہ چلے جائیں ۔ لوگ راضی ہوئے اور ایسا ہی کیا ۔ وہ بیل سیدھے بیت المقدس پہنچے اور وہاں رسیاں تڑا کر بھاگ گئے ۔ داؤد علیہ السلام نے جب تابوت کو دیکھا نہایت خوشی سے ناچتے ہوئے اس کی طرف گئے ۔ اُن کی بیوی نے کہا تم نے یہ کیسی حرکت کی ۔ لوگ کیا کہیں گے ۔ آپ نے فرمایا تو مجھے میرے رب کی طاعت سے روکنا چاہتی ہے ۔ میں تجھے اب اپنے نکاح میں رکھنا نہیں چاہتا ۔ چنانچہ

اُس کو طلاق دیدی ۔ انتہی ۔

یہی طریقہ رقص بزرگان دین میں بھی جاری ہے کہ سماع کے وقت جب آثار فیضان پاتے ہیں تو مارے خوشی کے ناچنے لگتے ہیں۔ اگر ان کی حالت صحیح اور تصنع سے خالی ہے تو وہ رقص داؤد علیہ السلام کے رقص کے جیسا ہوگا ورنہ نقالی ہے جسے دین سے کوئی تعلق نہیں ۔ آپ نے دیکھ لیا کہ تابوت سکینہ جس کی وہ عظمت تھی اور من جانب اللہ اس سے وہ آثار صادر ہوتے تھے کہ لوگ خود اُس کی عظمت کریں ۔ اُس میں کیا تھا ۔ وہی موسیٰ اور ہارون علیہ السلام کے نعلین ولباس وغیرہ تھے دیکھنے کو یہ چیزیں معمولی ہیں ۔ مگر جب اُن کو اُن حضرات کے ساتھ نسبت لگ گئی تو خدائے تعالیٰ کے نزدیک وہ اشیاء باوقعت ہو گئیں اس لئے اس کی توہین کرنیوالے مردود بے دین ٹھہرے ۔ اور تعظیم کرنے والے دیندار اور کامیاب ہوئے ۔

اب ذرا غور کیا جائے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے جوتے وغیرہ تبرکات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک وغیرہ سے کیا نسبت ۔ خود موسیٰ علیہ السلام کو آرزو تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں داخل ہوں جیسا احادیث سے ثابت ہے اگر وہ آرزو پوری ہوتی تو حضرت کے تبرکات کی خود وہ اس قدر تعظیم کرتے اور باوقعت سمجھتے جیسے اُن کی امت اُن کے تبرکات کی تعظیم کرتی اور باوقعت سمجھتی تھی ۔ پھر جب اُن کے تبرکات کو خدائے تعالیٰ نے وہ وقعت دی کہ جس کا ذکر قرآن شریف میں اس تصریح سے فرمایا کہ بقیۃ مما ترک آل

موسیٰ وآل ھرون تحملہ الملئکۃ ان فی ذلک لاٰیۃ لکم ان کنتم مومنین
یعنے اُن تبرکات کو فرشتے اُٹھاتے تھے تواب کہئے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم
کے تبرکات کس درجہ خدائے تعالےٰ کے نزدیک قابل وقعت ہوں گے اگر
ایسے تبرکات کی بے وقعتی کی جائے توکیا تعجب کہ عمالقہ کا بے وقعتی کرنے سے
جو حال ہوا تھا وہی حال ان کا بھی ہو ۔

صحابہ قرآن شریف میں روزانہ یہ مضامین پڑھتے ہونگے اور یہ روایات
ایک دوسرے سے سنتے ہوں گے تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے
میں کس قدر اُن کے حوصلے بڑھتے ہوں گے خصوصًا جب خود حضرت اُن کو
تبرکات عطا فرماتے تھے اور اُس کے آثار بھی نمایاں ہوتے تھے تو کہئے کہ کون
چیز اُن کو تبرکات کی تعظیم و توقیر اور اُن کے برکات حاصل کرنے سے مانع ہوتی
ہوگی منع کرنے والوں کا اثر تو اس آخری زمانے کے جاہل مسلمانوں پر پڑتا ہے کہ
جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ وہ بدعت بلکہ ایک قسم کی بت پرستی ہے تو بیچارے
ڈرجاتے ہیں اگر اسلامی دنیا کو دیکھتے اور اسرار شریعت پر واقف ہوتے اور
اسباب ترقی روحانی پر نظر ڈالتے تو ایسے خیالی اور وہمی باتوں کا اُن پر اثر
نہ ہوتا اور نہایت قوی دل اور قوی ایمان رہتے ۔

شفا میں یہ روایت ہے کہ ابن عمرؓ باوجود کمال تورع کے منبر شریف
کے اُس مقام پر جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے ہاتھ پھیر کر

اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر لیتے تھے۔ گویا اس مقام متبرک کی برکت کو اپنے ہاتھ کے ذریعے سے چہرے تک پہنچاتے تھے۔ اس حرکت سے وہ ثابت کرتے تھے کہ جو برکت اس مقام پر تشریف رکھنے کے وقت تھی وہی اب بھی موجود ہے۔ انقضائے مدت سے اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں پیدا ہوا۔

شفا اور اس کی شرح میں لکھا ہے کہ ابو عبد الرحمن اسلمی یعنے امام قشیری نے لکھا ہے کہ احمد بن فضلویہ جو زاہد تھے اور اکثر جہاد کیا کرتے تھے اور بڑے تیر انداز تھے وہ کہتے ہیں جب سے میں نے سنا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک میں کمان لی تھی میں نے کبھی کمان کو بے وضو ہاتھ نہیں لگایا انتہی۔

اب غور کیجئے کہ اگر تبرک ہو سکتی ہے تو وہ کمان ہوگی۔ جسے دست مبارک لگا تھا۔ عموماً کمانوں کو یہ شرف کیونکر حاصل ہو سکیگا کہ بغیر طہارت کے چھونا جائز نہ سمجھا جائے۔ مگر بات یہ ہے کہ ادب کے احکام ٹھیرانیکا کوئی قاعدہ نہیں ان غازی صاحب کو تیر اندازی میں کمال تھا۔ یہ امر پیش نظر تھا کہ تیر اندازی سے دین کی پوری تائید کریں۔ اس کے لئے باطنی امداد کی ضرورت تھی۔ خدا یتعالے کو خوش کرنے کا یہ طریقہ نکالا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے کمان کو ہاتھ میں لیا تھا۔ اس لئے میں اس کی یہ تعظیم کرتا ہوں کہ بے وضو کبھی اسے ہاتھ نہ لگاؤنگا اس کے صلے میں الٰہی بہ طفیل نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تائید فرماکر تیر اندازی میں

کمال حاصل ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس فن میں وہ سرآوردہ مشہور تھے۔ اور یہ
اُسی ادب کا نتیجہ تھا جو اُنہوں نے التزام کیا تھا کہ کمان کو بھی بغیر طہارت کے
ہاتھ نہ لگائیں گے۔ اگر اس زمانہ کے موحدین اُس وقت ہوتے تو اُن کو کافر
بنانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھتے اور اُس کی وجہ یہ بیان کرتے کہ اُنہوں نے
ایک معمولی لکڑی کی اتنی تعظیم کی کہ قرآن شریف کے برابر اُس کو بنا دیا۔ لا یمسہٗ
الا المطھرون قرآن شریف کی شان میں نازل ہے۔ انہوں نے اُس کو
کمان کی شان میں قرار دیا اور عملاً بھی ثابت کیا کہ کبھی بغیر طہارت کے کمان کو چھونا
بھی نہیں۔ ایک بدعت سیئہ کو واجب بنانا ضرور حد کفر کو پہنچا دیتا ہے غرضکہ
معلوم نہیں کتنی سنگا فیاں کر کرکے کس کس طریقہ سے اُن کو کافر بناتے۔ مگر اُس زمانہ خیر القرون
والے علما نے اُن کے اس فعل کی وہ قدر کی کہ اُس سے بڑھ کر ممکن نہیں بلا انکار بلکہ
بطور تحسین جس طرح حدیثوں کی روایت کرتے ہیں حدیثوں کی کتابوں میں داخل کر دیا
تاکہ آیندہ آنے والی نسلیں اُن کی قدر کریں اور اُن سے طریقہ ادب سیکھیں
شفا میں لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا عصا ے مبارک تھا جہجاہ نے غصہ سے لیکر اُسے گھٹنے پر رکھا۔ تاکہ زور
کر کے توڑ دے۔ ہر طرف سے شور ہوا کہ ارے یہ کیا کرتا ہے۔ مگر اُس نے نہ سنا
اور توڑ ہی ڈالا۔ اُس کے ساتھ ہی گھٹنے میں اُس کے ایک پھوڑا پیدا ہوا
جس کو آکلہ کہتے ہیں جو جسم میں سرایت کرتا جاتا ہے تھوڑے عرصے میں پاؤں کاٹنے کی

ضرورت ہوئی اور ایک سال بھی نہیں گذرا کہ اُسی بیماری سے وہ مرگیا۔ انتہی۔

یہاں یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ عصا میں کوئی سمی مادہ تھا جس کا اثر اُس کے پاؤں میں ہوا۔ بلکہ یہ اس بے ادبی کا اثر تھا جو اُس متبرک عصا کے ساتھ کی گئی اور اصل سبب پوچھئے تو یہ ہے کہ خدائے تعالے اپنے دوستوں کا حامی ہے اگر اُن سے کوئی شخص بے ادبی کرے تو باطن میں تو اُس کی تباہی ضرور ہوجاتی ہے یعنے قساوت قلبی پیدا ہوجاتی ہے اور کبھی عبرت کے لئے ظاہر ابھی وہ تباہ کیا جاتا ہے۔ پھر اُن حضرات کی حمایت اس درجہ ہوتی ہے کہ اُن کی طرف کوئی چیز منسوب ہو اُس کے ساتھ بے ادبی کرنے والا بھی مردود اور مورد عتاب ہوتا ہے۔

اگرچہ یہ مضامین بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں مگر بہ نظر اختصار اِن چند روایات پر اکتفا کیا گیا۔ اہل ایمان کو خدائے تعالے توفیق دے تو یہی کافی ہوسکتے ہیں فقط

تمت

غلط نامہ مقاصد الاسلام حصہ نہم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱	سیرۃ النبویہ	السیرۃ النبویہ	۳۷	۷	میں بھی	میں نے بھی
۱۰	۷	اپنے لڑکے	اپنا لڑکا	۳۹	۱۶	توقیر	توفیر
〃	۱۵	حضرتہ	حضرت	۴۱	۱۱	بشیر بن عمرقبہ	بشیر بن عمرقبد
۱۶	۱۷	نہ ہوتی ہوتو	نہ ہوتی تو	〃	۱۷	کہل	کھل گئی
۱۸	۲	دعا ہی	دعا ہی	۴۲	۱۰	انکو	اسکو
۲۳	۱۲	نے	سکے	۴۴	۸	ام سعید عاتکہ	ام معبد عاتکہ
۲۶	۴	وہ چاہتے	وہ چھوتے	〃	۱۵	ام سعید	+
۲۷	۱۱	ان وقائع	وقائع	〃	۱۲	آپ	اب
۳۱	۲	نے	+	۴۵	۲	لیجئے	دودھ لیجئے
۳۲	۱۱	ہاتھ میں	ہاتھ کو	۴۶	۸	اور رہتے	اور وہ رہتے
〃	۱۱	جس کی	جس چیز کی	۴۷	۱۱	پڑھی	پڑی
۳۴	۸	میں حاضر کیا	میں نے حاضر کیا	۴۹	۲	کئے	کئے گئے
۳۵	۱	میں نے کھایا اور کھلایا	میں نے کھائیں اور کھلائیں	۶۱	۱۰	پہلے تھے	پہلے ہوئے تھے
〃	۲	کھجور	کھجوریں	۶۷	۵	کے	کی
۳۶	۲	گرہی	گری	۷۵	۱۴	نقل کی ہے	نقل کی گئی

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۷	۱۵	ما	+	۱۴۶	۲	عبداللہ ابن عمرو	عبداللہ بن عمر
۸۱	۱۳	کفار	کفارسے	۱۴۷	۱۱	وحدانیات	یا وحدانیات
۸۲	۳	لائیگی	لائیں گیں	۱۴۹	۶	ام ملام	ام ملدم
۸۵	۱۴	ہو	تو	۱۵۴	۴	خبنیہ	ختبلیہ
۸۶	۱۶	برتن اسی	برتن میں اسی	۱۵۶	۹	قتینہ	فتنہ
۸۹	۶	مت کرادر	مت کرااور	۱۵۷	۸	امور میں	امور میں بھی
۹۶	۸	صدیق	جو صدیق	۱۵۹	۱۷	اسکی اس کی حالت	اسکی حالت
۹۷	۱	سیرۃ النبویہ	السیرۃ النبویہ	۱۶۱	۱۰	حضرت اسکو	حضرت نے اسکو
۹۸	۱۴	کہیں	کہی			صحابہ نے وہ	صحابہ نے اسکو
۹۹	۷	پھینکدئیے	پھینکدیا	″	۱۲	تناول فرمائے	تناول فرمایا
۱۰۳	۱	تمام اہل اسلام نشانۂ ملامت بنیگی	تمام اہل اسلام نشانۂ ملامت ہیں	″	۱۶	یاں	یہاں
۱۱۴	۱۳	لتعداد	تعدد	۱۶۲	۱	روٹی نہ ملی	روٹی نہ ملے
۱۲۳	۱۷	پہنچگئے ہیں	پہنچ گئی ہیں	۱۶۴	۱۵	جو نوکر	جونہ نوکر
۱۲۶	۴	میرے	میری	۱۶۵	۱۲	کہ قیامت تک	کہ آپ قیامت تک کے
″	۴	میں	میں نے	۱۶۸	۲	بہی	یہی
۱۳۷	۵	کرکر	کرکے	۱۷۱	۲	براۂ	برابر رض
۱۳۹	۱۳	نہیں کو	انہیں کو	۱۷۲	۴	نام	تمام

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۷۲	۱۶	جنت یں	جنت میں	۲۰۷	۹	پانے	پانی
۱۷۳	۱	حضرت	حضرات	۲۰۸	۴	دس	دس بار
۱۷۵	۶	سیرۃ النبویہ	السیرۃ النبویہ	۲۰۹	۱۲	وغیرہ کی ترغیب	وغیرہ کی زکوٰۃ
۱۸۵	۶	اس	اسی				کی ترغیب
״	۱۵	معین ہو پہنچا وے	معین تک پہنچا دے			دی جاتی ہے	دی جاتی ہے
۱۸۶	۴	طبعی	اور طبعی	۲۱۰	۱	بھٹیاری ہوں	کیا ہیں
۱۸۸	۱۶	فرمادیا ہے	فرمادیتا ہے				بھٹیاری ہوں
۱۹۱	۱۶	گنگی	گنگھی	״	۱۷	مسیح میں	مسیح سے
۱۹۳	۱۲	بہی	یہی	۲۲۱	۱۳	ساتھ یہی	ساتھ ہی
۱۹۴	۲	دلیر	دلبر	۲۲۹	۱۱	ﷺ	صلعم
۱۹۵	۹	جس	جیسے	۲۳۰	۱۰	استنہ	اسنۃ
۱۹۸	۹	ختیوں	جنتیوں	۲۳۶	۱۷	واقف ہونگے	واقف نہ ہونگے
۱۹۹	۱۴	سیراب	سیر	۲۴۱	۳	ملاعب الاستنہ	ملاعب الاسنۃ
۲۰۳	۱۱	گگئے	آئے	۲۴۷	۴	واقعے	واقعہ
۲۰۵	۱۰	حاصل حاصل	حاصل	۲۵۸	۱۵	حضرت ستے	حضرت نے
۲۰۶	۱۱	بیوی	بیبیاں	۲۷۷	۱	پہنچتا ہے	پہنچاتا ہے
״	۱۲	ماں	مائیں	۲۷۷	۱۷	سے	پورے

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۷۹	۳	واجب النعظم	واجب التعظیم
۲۸۸	۱۴	لیسن کو	اُس کو
۲۸۹	۶	غرض	عرض
۲۹۸	۸	حسنی	حسّی
۳۰۲	۱	کم من قلیلۃٍ	کم من فئۃٍ قلیلۃ
۳۰۷	۸	کرسے والا	کرنے والا

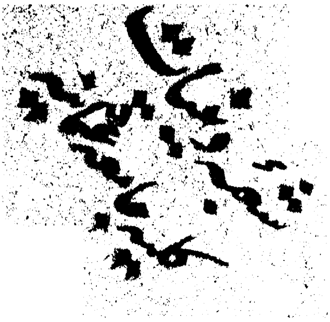

فہرست مضامین مقاصد الاسلام حصہ دہم

نمبر شمار	مضمون	نمبر صفحہ
۱	روانگی لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ	۲
۲	مخالفت صدیق رضی اللہ عنہ از ہمہ صحابہ	۴
۳	معجزہ قتل درخت کافرا	۵
۴	کمال ایمان و پیروی صدیق رضی اللہ عنہ و تلقین مسائل تصوف	۶
۵	جہاد صدیق رضی اللہ عنہ با مانعین زکوٰۃ	۱۱
۶	مسئلہ اتباع پیر	۱۴
۷	حکم روانگی افواج بر ملک کسریٰ و قیصر	۱۵
۸	در جہادِ نفس مخالفت بعضی امور مشروعہ معفو عنہ است	۱۷
۹	کثرتِ فوج مخالفین در جنگ فلسطین	″
۱۰	جواب صدیق رضی اللہ عنہ کہ یک یک مسلمان برابر ہزار مشرک است	۱۸
۱۱	عموماً خوارق عادات اہل اسلام در جنگہا	۱۹
۱۲	مقابلۂ روبلیس افسر یک لک سوار با فوج قلیل	۲۰
۱۳	مقابلۂ ابن عمر رضی اللہ عنہ از روبلیس	″
۱۴	واقعہ تعمیر مکان سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ و حکم عمر رضی اللہ عنہ لسوختن آن	۲۳

نمبر	مضمون	صفحہ
۱۹	حال سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	۲۳
۲۱	کیفیت مکانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۲۷
۲۲	طلب نمودن عمر رضی اللہ عنہ ایاز ابن غنم حاکم مصر را بجرم خفیف و سزائے آں	۲۹
۲۳	سزا دادن عمر رضی اللہ عنہ فرزند خود را بہ پوشیدنِ لباس فاخرہ	۳۰
۲۴	داخل بیت المال نمودن عمر رضی اللہ عنہ ہدیہ کہ بزوجہ شاں از نزد پادشاہ آمدہ بود	۳۱
۲۵	سزا دادن عمر رضی اللہ عنہ فرزند حاکم مصر را بفریاد شخصے	۳۲
۲۶	اجازت دادن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفاء رضوان اللہ علیہم در گرفتن قصاص از خود	۳۳
۲۷	قصاص گرفتن عمر رضی اللہ عنہ از ابو موسیٰ حاکم بصرہ	۳۶
۲۸	جاری نمودن حد حاکم مصر بر فرزند عمر رضی اللہ عنہ	۳۹
۲۹	سختی نمودن عمر رضی اللہ عنہ بر فرزند خود	"
۳۰	وجہ تشدد نمودنِ عمر رضی اللہ عنہ	۴۰
۳۱	نرمی نمودن عمر رضی اللہ عنہ در بعضے مواقع	۴۲
۳۲	سزا دادن عمر خالد ابن ولید را بجرم دادنِ زر کثیر بہ شاعرے	۴۳

نمبر	مضمون	صفحہ
۳۳	حال صبر واستقلال خالد رضی اللہ عنہ و وجہ آن۔ . .	۴۳
۳۴	سبب تحمل خالد رضی اللہ عنہ۔	۴۸
۳۵	ثبوت مراقبہ	〃
۳۶	معنی مراقبہ	۴۹
۳۷	مسئلہ بیعت	〃
۳۸	وجہ حدوث بیعت در مشائخین۔	۵۶
۳۹	واقعہ متعلق آیۃ ان اللہ اشتریٰ	۵۷
۴۰	معنی آیت وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔	۶۱
۴۱	گرفتن عمر رضی اللہ عنہ نصف مال از عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ	۶۲
۴۲	نگرفتن عمر رضی اللہ عنہ جواہر گنج بحیرجان و تقسیم نمودنش بہ لشکر۔	۶۴
۴۳	واپس گرفتن نشان اخترے از سعید ابن خالد و خوشنودی شان از او	۶۶
۴۴	پریشانی مسلمانان از توقنا قلعہ دار حلب۔ . . .	۶۷
۴۵	نفوس قدسیہ صحابہ رضی اللہ عنہم	〃
۴۶	افسر نمودن ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دامس را کہ غلام بود بر سی کس۔	〃
۴۷	فتح قلعۂ حلب	۶۸
۴۸	تجلی الٰہی وقت جنگ	۷۳

نمبر	مضمون	صفحہ
۴۹	حسرت بر عدم شہادت	۷۵
۵۰	شوق ضرار رضی اللہ عنہ بجنگ و شہادت	۷۷
۵۱	ہمچنیں در دیگر واقعات تمنائے شہادت	۷۸
۵۲	نکاح زید ابن سعید و شہادت و استقلال عروس	۸۰
۵۳	واقعہ آراستہ کردن معاذ رضی اللہ عنہ فرزند نو بالغ را برائے مقابلہ شخص قوی	۸۲
۵۴	واقعۂ حلب و حالات یوقنا و یوحنا	۸۴
۵۵	مسئلہ ندا یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم	۸۵
۵۶	اسلام یوقنا رضی اللہ عنہ	۸۷
۵۷	معجزۂ نبی صلی اللہ علیہ وسلم در خواب کہ یوقنا بزبان عربی قادر شد	۸۸
۵۸	قوت تصرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دراں عالم	〃
۵۹	معجزۂ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در خواب کہ قیسے مسلمان شد	〃
۶۰	اسلام روماس و زوجۂ او	۹۰
۶۱	ندائے وا محمداہ در جنگ مسیلمہ کذاب	۹۴
۶۲	در واقعۂ یرموک بر زبان صحابہ رضی اللہ عنہ یا محمد یا منصور امتک جاری بود	۹۶
۶۳	شبیخون زدن کفار و گفتن خالد رضی اللہ عنہ وا غوثاہ وا محمداہ	〃

نمبرشمار	مضمون	نمبر صفحہ
۶۴	در واقعۂ بجنسا گفتنِ صحابہ رضی اللہ عنہ بحالت اضطراب یا محمد یا محمد	۹۶
۶۵	در واقعۂ مرج القبائل ہمہ لشکر یا محمد یا محمد گویان حملہ می کردند۔	؍؍
۶۶	در جنگ سوردان تخویف نمودن ضرار رضی اللہ عنہ اسپ خود را کہ شکایت تو پیش حضرت صلعم خواہم کرد و چالاک شدنِ اسپ۔	۱۰۲
۶۷	در واقعۂ قنصرین محصور شدن خالد رضی اللہ عنہ و رسیدن امداد بدین طور کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در خواب ابو عبیدہؓ فرمودند کہ ہمیں وقت روانہ شو	۱۰۳
۶۸	واقعۂ مرج القبائل و ابوالہول	۱۰۶
۶۹	حالاتِ فتح دمشق	۱۰۸
۷۰	واقعۂ غزوہ یرموک کہ بشارتِ فتح آں از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بخواب رسید	۱۰۹
۷۱	واقعاتِ فتح انطاکیہ۔	۱۲۰
۷۲	واقعۂ ہرقل کہ اسبابِ زوالِ سلطنت خود بخواب مشاہدہ کرد۔	۱۲۱
۷۳	وفاداری صحابہ رضی اللہ عنہ۔	۱۲۳
۷۴	واقعۂ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ وقتے کہ با لشکر شام تنہا مقابلہ کردند	۱۲۷
۷۵	ندا آمدن از غیب برائے امداد خالد رضی اللہ عنہ۔	۱۲۸
۷۶	خلوص و برکت آں	۱۳۰
۷۷	حالاتِ صحابہ رضوان اللہ علیہم کہ حمایت دین بخلوص میکردند۔	۱۳۲
۷۸	محبت انصاریہ از آنحضرت صلعم بمقابلہ پدر و شوہر و برادر۔	؍؍

نمبر	مضمون	صفحہ
۷۹	معنی حدیث لایؤمن احدکم	۱۳۴
۸۰	شرافت نسبی وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۵
۸۱	شجاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۶
۸۲	قوت ومروت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	〃
۸۳	تواضع وفصاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۷
۸۴	کمال عقل وصدق راست بازی وحلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۸
۸۵	عفو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۱۳۹
۸۶	سخاوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۱۴۰
۸۷	آداب صحابہ رضوان اللہ علیہم	۱۴۴
۸۸	تعلیم ادب وامتحان آں	۱۴۸
۸۹	اخلاص وتوکل صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین	۱۵۰
۹۰	تفسیر انتم اعلم بامور دنیاکم	۱۵۲
۹۱	مراعات ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بہ اہل حمص	۱۵۷
۹۲	نفوس قدسیہ صحابہ رضوان اللہ علیہم	۱۶۱
۹۳	اثر خط عمر رضی اللہ عنہ	۱۶۶
۹۴	واقعۂ اسلام آوردن جارج قاصد باہان سپہ سالار لشکر کفار بہ حرب یرموک	۱۶۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْن

امابعد۔ اس سے سابق کے حصہ میں خلفائے راشدین کے کچھ حالات لکھے گئے تھے جن سے اون حضرات کا زہد و ورع وغیرہ معلوم ہوا تھا جو مدارِ تصوف ہے اب اجمالی طور پر عموماً صحابہؓ کے حالات لکھے جاتے ہیں۔ یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے کلام مجید میں باربار ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور کلام الٰہی کو سچ جانتے ہیں اور خدائے تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرتے ہیں وہ جنت کے مستحق ہوں گے۔ جہاں ہر قسم کے عیش و عشرت کے سامان مہیا ہیں۔ اور جو لوگ دنیا کے عیش و عشرت میں مشغول ہو کر خدائے تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں

وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ جہاں اقسام کے عذاب ہیں۔ چونکہ صحابہؓ کو خدا و رسول کے ارشاد پر کامل یقین اور عشق کامل تھا۔ اس لئے وہ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ ایسے کام کریں کہ دوزخ سے محفوظ رہکر جنت کے مستحق ہو جائیں جہاں اپنے معشوق حقیقی کا دیدار اور وصال ہوگا۔

یوں تو ہر مسلمان کا دعویٰ ہے کہ میں جو کام کرتا ہوں وہ اچھا ہی اور اپنے آپ کو اچھا ظاہر کرتا ہے ؎

ہر کسے خود را نماید بایزید		نیک چوں بینی بماند بایزید	

مگر صحابہؓ کے حالات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ہمارے اور اونکے کاموں میں کیا نسبت ہے۔ اور اون کو خدا و رسول کے ساتھ کس درجے کا عشق تھا۔ ہم چند حالات اون حضرات کے لکھے ہیں جس سے فرق مراتب معلوم ہو جائے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسامہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں ایک لشکر شام کی طرف روانہ فرمایا۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت بیماری کی وجہ سے پہلی ہی منزل میں وہ ٹھیرے رہے۔ چنانچہ اس عرصہ میں حضرت کا انتقال ہو گیا۔ اور اون کی روانگی میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ جس کا حال ناسخ التواریخ صہ ۱۰۰ جلد دوم میں لکھا ہے کہ وفات شریف کے تیسرے روز ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اوس لشکر کو

روانگی کا حکم دیا۔ صحابہؓ آپ کے پاس جمع ہوئے اور کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اس لشکر کا یہاں سے جانا ہرگز مناسب نہیں اس لئے کہ آپ جانتے ہو کہ اعراب یعنی جنگل میں رہنے والے عرب دین سے منحرف ہو گئے ہیں۔ بعضوں نے طلحہ کو پیغمبر مان لیا ہے۔ اور یمامہ میں مسیلمہ کذاب نے پیغمبری کا دعویٰ کر کے لشکر کثیر فراہم کر لیا ہے۔ بنی فزارہ میں عیینہ ابن حصین کی پیغمبری کا سکہ جم گیا ہے۔ بنی تمیم نے مالک ابن نویرہ کی اطاعت قبول کر لی ہے۔ ایک بڑی جماعت نے سجاح بنت منذر کی پیغمبری کا اقرار کر لیا ہے۔ وہ جیسے چاہتی ہے ان کو نچاتی ہے بحرین کے لوگ حطم بن زید سے جا ملے ہیں۔ آپ مدینہ میں رہتے ہو۔ اور یہی تھوڑے مسلمان ہیں جو آپ کے پاس ہیں۔ اگر یہ بھی اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ چلے جائیں تو آپ تنہا ایک مختصر جماعت کے ساتھ رہ جاؤ گے پھر اگر مخالفین سے کوئی چڑھائی کرے تو آپ کیا کر سکو گے۔ آپ نے فرمایا میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہرگز نہ کرونگا۔ رہی میری حفاظت سو خدائے تعالیٰ میرا حافظ ہے۔ صحابہؓ نے دیکھا کہ ہماری بات پر توجہ نہیں فرماتے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور یہ سب امور بیان کر کے کہا آپ انہیں سمجھائیے ممکن ہے کہ آپ کی مان لیں۔ اور اگر نہ مانیں تو اتنا تو کریں کہ اسامہ کی جگہ مہاجرین یا انصار میں سے کسی کو

امیر مقرر کریں کیونکہ اسامہ ایک غلام زادہ شخص ہیں ہمیں انکی ماتحتی سے عار آتی ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جب یہ بیان کیا تو آپ نے کہا اے عمر تم دیوانوں کی سی باتیں کرتے ہو۔ جس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند کیا۔ کیا میں اوس کو پست کرسکتا ہوں عمر رضی اللہ عنہ نے مایوس ہوکر سب سے کہدیا کہ خلیفہ وقت کوئی بات قبول نہیں کرتے اب بغیر روانگی کے گزیر نہیں۔ چنانچہ وہ لشکر روانہ ہوا اور چالیس روز کے بعد مظفر و منصور واپس آگئے۔ انتہیٰ

دیکھئے یہ وقت وہ ہے جو تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ عرب مرتد ہوگئے تھے۔ یہود و نصاریٰ نے سرکشی شروع کردی تھی۔ نفاق پھیل گیا تھا۔ غرضکہ اسلامی دنیا میں ایک تہلکہ برپا تھا۔ جدھر دیکھئے مخالفوں کا ہجوم باپ بیٹے سے شوہر بی بی سے ترساں کسی کو کسی پر بھروسہ نہیں۔ ایسی حالت میں کل صحابہ ایک طرف ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ایک طرف۔ اور صحابہ جو رائے دیرہے ہیں کوئی عقل سلیم اوس کا انکار نہیں کرسکتی اول تو صحابہ مدینہ منورہ میں تھے ہی کتنے۔ اگر تمام ملک عرب کی نسبت دیکھے جائیں تو ہزاروں حصہ بھی نہیں۔ پھر مخالفین کی یہ کیفیت کہ عمر بھر اسلام کی وجہ سے حیران و پریشان۔ اور اس تاک میں لگے ہوئے کہ جب موقع ملے انتقام لے لیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

تائیدات غیبیہ کے مقابلہ میں کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ یہانتک تو ہوا کہ کسی سفر میں آپ آرام فرمارہے تھے۔ کہ ایک شخص نزدیک آپہونچا اور چاہتا تھا کہ قتل کرے کہ درخت کی ٹھنی نے اوسے قتل کرڈالا۔ اس قسم کے اکثر واقعات پیش آتے تھے جیسا کہ خصائص کبریٰ میں مذکور ہیں۔

حضرت کے وفات کے ساتھ ہی اون تائیدات غیبیہ کا رعب جو اُن کے دلوں پر مسلط تھا وہ بھی جاتا رہا۔ اور یہ خبر تمام ملک عرب میں چند گھنٹوں میں مشتہر ہوگئی۔

اور قاعدہ کی بات ہے کہ مخالفوں کی نظر دارالسلطنت پر لگی رہتی ہے جب تمام مخالفوں کو معلوم ہوجائے کہ بادشاہ تن تنہا صرف سو پچاس مصاحبین کے ساتھ دارالسلطنت میں ہے۔ اور فوج بہت دور یعنے ملک شام کے اطراف روانہ کردیگئی تو کہئے کہ اون کے حوصلے کیسے بڑھ گئے ہونگے۔ ہر عقلمند اس واقعہ پر غور کرنیکے بعد یہ رائے قائم کرے گا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جانشین ہوتے ہی پہلے دہلے میں اسلام کا خاتمہ ہی کردیا تھا۔ مگر وہ ایک تجربہ کار بزرگ تھے۔ ابتدائے نبوت سے وفات شریف تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے۔ جانتے تھے کہ دین کے کام میں عقل کو کوئی دخل نہیں۔

دین کی کامیابی عقل کو تباہ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

پیروی کرنے میں رکھی ہے۔

عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ		پیرو او باش تا یابی ہدیٰ	

انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب حالت مرض میں جب اس لشکر کو روانہ فرمایا تو اسمیں کوئی مصلحت ضرور ہے۔ اور کم سے کم خلیفہ وقت کا تو امتحان ضرور مقصود ہے۔ کہ عقل کو ترجیح دیتے ہیں یا امر نبوی کو۔ اگر عقل کو ترجیح دی تو ہمیشہ کے لئے عتاب الٰہی میں آگئے اور امر نبوی کو ترجیح دی تو خدائے تعالیٰ کو راضی کر لیا۔ پھر جس سے خدا راضی ہو کون اوس کا مقابلہ کر سکے۔

لشکر فرعون و سحر سامری		روز و شب کردند با موسیٰ مری	
چو بکے دادش عجب آں حی فرد		تا کہ یک یک را شکست و غرق کرد	

غرضکہ انہوں نے عزم کر لیا کہ صحابہ تو کیا اگر تمام عالم ایک طرف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کئے ہوئے کام میں دست اندازی کرنا چاہے تو تن تنہا سب کا مقابلہ کر لوں گا اور باوجود اس تنہائی کے نصرت اپنے ہی کو ہوگی۔

نصرت حق تمایم و آنگاہ		نصرت حق مراست پشت و پناہ	

اسی وجہ سے ایک معمولی درخواست بھی اون کی جو اسامہ رضی اللہ عنہ کو بدلنے سے متعلق تھی منظور نہ کی۔ حالانکہ جانتے تھے کہ بیدل فوج امیر کی اطاعت

ہرگز نہ کرے گی۔ بلکہ بے دل آدمی دشمن سمجھا جاتا ہے۔ مگر آپ نے اوس کا بھی خیال نہ کیا۔ اور گویا اجازت دیدی کہ جس طرح تم اونکی سالاری کے مخالف ہو اون کی مخالفت بھی کر کے دیکھ لو کہ اوسکا کیا انجام ہوتا ہے مگر سبحان اللہ اس صداقت اور دینی عقل کا یہ اثر ہوا کہ نہ کہیں ہنگامہ برپا ہوا نہ کوئی سر اوٹھا سکا۔ اور بالاتفاق چالیس روز میں ہر ایک قبیلہ پر گذرتے۔ اور اونکی سرکوبی کرتے۔ اور رعب بٹھلاتے ہوئے مظفر و منصور واپس آ گئے۔ ھ

کاروانے کہ بُود بدرقہ اش لطف خدا		بتجمل بنشیند بجلالت برود

اور سب جعلی نبی اور دشمنان اسلام منہ دیکھتے رہ گئے۔ ھ

کارہا کار اچنیں انجام ہاست		کج نماید لیک سرتاپا ست راست

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ آپ نے امارت اسامہ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں جو کل صحابہ کی دل شکنی کی عقل کے بالکل خلاف تھا۔ اس لئے کہ آپ جانتے تھے کہ نہ اصول عرب کے لحاظ سے آپ کو کوئی خلافت کا استحقاق حاصل ہے نہ اور کسی قسم کی حکومت ہے کہ جس کے رعب سے لوگ مجبور رہیں اور نہ ایسا مال و زر ہے کہ خوشامد سے لوگ آپ کے طرف مائل ہوں بلکہ انہی لوگوں نے اپنی خوشی سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ باوجود اس کے پہلے ہی پہل ایسے لوگوں سے بگاڑ لینا

جن کے ہاتھ حل عقد حکومت ہے خلاف عقل نہیں تو کیا ہے؟ خصوص ایسے موقع میں کہ بحسب اصول عرب علی کرم اللہ وجہہ مستحق خلافت موجود تھے اور بقول حضرات شیعہ آپ مدعی خلافت بھی تھے۔ پھر سب سے مخالفت کی بھی تو مسئلہ امارت میں کہ عزت دار لوگ ہر کس و ناکس کی امارت گوارا نہیں کرتے۔ دیکھئے یہی مسئلہ امارت تھا۔ کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا باعث ہوا۔ آپ نے اسکا ذرا بھی خیال نہیں کیا۔ کہ علی کرم اللہ وجہہ کے ادنیٰ اشارے پر شکستہ خاطر لوگ علیحدہ ہو جائیں گے اور اون کو یہ کہنے کا موقع مل جائیگا۔ کہ ہم نے تجربہ کار سمجھ کر اون کو خلیفہ بنایا تھا۔ اب اون کے پہلے ہی حکم سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مصالح ملکی و تدابیر ملک رانی سے ناواقف محض ہیں۔ اور انجام کار سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں اس لئے وہ قابل عزل ہیں۔ ؎

شہے کہ مصالح ندارد خبر		مصالح بعزلش بود سربسر	

اسمیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ یہ کارروائی معمولی عقلوں کے بالکل خلاف تھی۔ مگر اونکی دینی عقل اور عشق نبوی نے یہی فتویٰ دیا کہ چاہے خلافت رہے یا جائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدول حکمی نہ ہونے پائے۔ ؎

برغم مدعیانے کہ منع عشق کنند		جمال چہرۂ تو حجت موجہ ما است

آخر اس عشق اور مردانہ جرأت کی یہ برکت ہوئی کہ کسی نے دم نہ مارا اور

خلافت کا استحکام روز افزوں بڑھتا گیا۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت خدمت امامت جو ذات مبارک سے وابستہ تھی۔ آپ کے تفویض فرمایا۔ اور اپنا خاص مصلیٰ یعنے سجادہ آپ کے حوالے کر کے صحابہ رضی کے مجمع عام میں آپ کو اپنا سجادہ نشین قرار دیا۔ تو آپکو ضرور تھا کہ جو لُبِ لباب شریعت ہے اوس کے اصول اہل اسلام کے ذہن نشین کردیں۔ اس لئے عملی طور پر آپ نے مجمع عام میں وہ ارشادات کئے۔ جو حضرات صوفیہ خاص طور پر اپنے مریدین کو تخلیہ میں تلقین کرتے ہیں مثلاً خلق سے انقطاع اور رجوع الی اللہ کا طریقہ بتلادیا۔ کہ خدا و رسول کے مقابلہ میں خواہ دشمن ہو یا دوست کوئی قابل التفات نہیں نہ کسی سے خوف ہو نہ رجا ہو۔ ؎

تا روئے تو بود است بہ پیش نظر من	نے خوف عدو ماند نہ از دوست رجائے

استقامت کا حال معلوم کرادیا کہ کوئی کچھ بھی کہے اپنا مشرب نہ چھوڑا جائے ؎

بسرت گر ہمہ عالم بہ سرم جمع شوند	نتواں برد ہوائے تو برد ل از سرما

باتوں باتوں میں خلوت در انجمن کی تعلیم کردی کہ ہر کام میں خدا تعالیٰ ہی سے قلبی تعلق لگا رہے

درخلوت وکثرت ز تو گفتیم و شنیدیم	خالی نہ بود از تو دمے انجمن ما

توحید افعالی کو یوں ذہن نشین کیا کہ موافق و مخالف جو کچھ کرتے ہیں وہ خدائے تعالیٰ کے ہی کام ہیں بغیر اوسکے مشیت و ارادے کے کوئی کام نہیں ہو سکتا ؎

از خدا داں خلافِ دشمن و دوست	کہ دلِ ہر دو در تصرفِ اوست
گرچہ تیر از کماں ہمیں گزرد	از کماندار بیند اہل خرد

نفس اور شیطان وسوسے ڈالتے ہیں کہ لوگونکی مخالفت کا برا اثر پڑتا ہی آپ نے دکھلادیا کہ صدق ہو تو کچھ اثر نہیں پڑسکتا۔ ے

چو باشی پیشِ حق در منزلِ صدق	نیارد ہیچکس قصدِ گزندت
یادگیر ایں سلوکت را زعصا	راستی پیش می رود ہمہ جا

یہ مشاہدہ کرادیا کہ صدق و خلوص سے جو کام کیا جائے خدائے تعالیٰ کی طرف سے اوسمیں تائید ہوتی ہے۔ ے

گل ز کجی خار در آغوش یافت	نیشکر از راستی ایں نوش یافت

یہ امر منکشف کردیا کہ انسان کامل سے بطور خرق عادت خدائے تعالیٰ وہ کام کراتا ہے کہ عقلیں اوسمیں متحیر ہوتی ہیں۔ اسی طرح آپ نے اور دوسرے خلفانے وقتاً فوقتاً عملی طریقہ سے ارشادات کئے۔ اسی وجہ سے ان حضرات کو خلفائے راشدین کہتے ہیں جن کا کوئی کام رشد وارشاد سے خالی نہیں۔ اگرچہ ظاہر بینوں کی نظروں میں ان حضرات کے بعضے کام نفسانی اور بدنما معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جو لوگ بالغ النظر ہیں وہ جانتے ہیں کہ اعلیٰ درجے کے اسرار اونمیں مضمر ہوتے ہیں ع

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

تاریخ خمیس اور تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب عرب مرتد ہو گئے۔ اور اکثر نے کہا کہ ہم نماز تو پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہ دیں گے۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اون سے جہاد کرنے کا ارادہ کرلیا تو عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہؓ نے کہا کہ یا خلیفۂ رسول اللہ اعراب وحشی جانوروں کی طرح ہیں بہتر یہ ہوگا کہ اونکی تالیف قلوب اور اون کے ساتھ نرمی کیجئے۔ فرمایا اے عمر! میں نے یہ امید کی تھی کہ تم میری مدد کروگے۔ مگر معلوم ہوا کہ تم مدد کرنا نہیں چاہتے۔ جاہلیت میں تو تم بڑے ہی جبار تھے۔ مگر اسلام میں ڈھیلے ہو گئے اونکی تالیف قلوب کے لئے کیا میں شعر بنا کر پڑھوں۔ یا عبارتوں میں جھوٹی سحر کاریاں کروں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے ساتھ ہی وحی موقوف ہو گئی اب کوئی نیا حکم نہیں آسکتا۔ خدا کی قسم رسی کا ایک ٹکڑا یا بکری کا بچہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیتے تھے اگر مجھے نہ دیں تو میں اپنی ذات سے اوس وقت تک اون سے لڑونگا کہ تلوار اپنے ہاتھ میں تھام سکوں۔ اگر کوئی میری مدد نہ کرے تو مجھے کچھ پرواہ نہیں۔ ہر چند عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ کلمہ پڑھتے ہیں۔ اونکا قتل کس طرح جائز ہوگا مگر آپ نے نہ مانا۔ اور کہا کہ جو کوئی نماز اور زکوٰۃ میں فرق کرے گا میں بیشک اوس کو قتل کرونگا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ایک قبیلہ مرتد ہوتا تو

ہم اون سے جہاد کرنے کی رائے دیتے۔ اِس وقت تمام ملک عرب میں تہلکہ مچا ہوا ہے۔ بہت سے قبیلے تو مرتد ہی ہو گئے۔ اور بہت سے زکوٰۃ دینا نہیں چاہتے۔ وہ بھی مرتدوں کے ساتھ ہیں۔ اور بہت سے منتظر ہیں کہ دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے۔ بہرحال تمام ملک عرب نے اسوقت مخالفت پر اتفاق کرلیا ہے۔ اگر اس سال کا صدقہ آپ عرب کو معاف کردیں تو کوئی نقصان کی بات نہیں۔

کل صحابہ کو بھی عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے ساتھ اتفاق تھا۔ اور کہتے تھے کہ یہ لوگ اہل قبلہ ہیں قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ انسے لڑنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ کوئی اپنی رفاقت نہیں دیتا۔ آپ اوٹھے اور مسلح ہو کر تن تنہا اون سے جہاد کرنے کو نکلے اوسوقت طوعاً وکرہاً ایک سو صحابی مہاجرین وانصار آپکے ساتھ ہو لئے۔ اور مرتدوں سے مقابلہ کیا۔ اور اون کو ہزیمت دی۔ اور کئی روز مقام بقعا میں آپ رہے۔ اوسوقت علی کرم اللہ وجہہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے مدینہ کو واپس آنیکے لئے اصرار کیا۔ چنانچہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اون سے جہاد کرنیکے لئے روانہ کرکے آپ واپس آگئے انتہیٰ

یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دوسرا حکم تھا۔ جو خلاف عقل ہونے میں پہلے حکم سے کچھ کم نہیں۔

ہرچند کل صحابہ کی دلیلیں نہایت زوردار اور عقل کے مطابق تھیں۔ مگر صحابہ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دلیل اور دعوے الہامی ہی پرعمل کیا اور آخر یہی ثابت ہوا کہ اس باب میں اونکو شرح صدر ہوا تھا۔ اسی مقام کی بات ہے جو کسی بزرگ نے کہا ہے۔ ؎

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید	کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

تاریخ خمیس میں عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ اہل ردّت سے جہاد کرنیکے معاملہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان تمام مسلمانوں کے ایمان سے بڑھ گیا۔ انتہٰی۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ تمام صحابہ عقل کی بات کہ رہے تھے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان اور یقین کامل تھا کہ دین اسلام کامل ہوگیا ہے۔ قیامت تک باقی رہے گا۔ گو ملک عرب مرتد ہوگیا ہو۔ مگر وہ عارضی طور پر ہے اون کا غلبہ مسلمانوں پر ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ جب اس دین کا خود حافظ و حامی ہے تو عرب تو کیا کل روئے زمین کے لوگ مخالف ہوجائیں تو بھی فتح ہماری ہی رہے گی۔ اسی وجہ سے آپ تن تنہا جہاد کو نکل کھڑے ہوئے۔ کیونکہ جس کا حامی خدا ہو اوسکو کسی کا کیا خوف۔ جب عقلی اسباب کو چھوڑ کر خدائے تعالیٰ پر اتنا بھروسہ اور توکل ہو تو اوس وقت خدائے تعالیٰ مدد فرماتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے

وکان حقا علینا نصر المومنین یعنے ایمانداروں کی مدد کرنے کا ہم پر حق ہے جب ایسا کامل ایمان ہو تو ممکن نہیں کہ امداد الٰہی نہ ہو۔ اور اگر امداد نہ ہو تو سمجھنا چاہئے اوس میں قصور ہمارا ہی ہے کہ ہمیں پورا یقین نہیں ہے یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس اعلائے کلمۃ اللہ کا ارادہ فرمایا تھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی اوسی سنت پر عمل کیا۔ کہ بغیر کسی کے بھروسہ کے اشاعت دین کا عزم بالجزم کر لیا۔ اور عملی طریقہ سے یہ تعلیم کر دی کہ مرید صادق الاعتقاد کو چاہیئے کہ اپنے مرشد کے قدم بقدم اوراس طرح پیروی کرے۔ ؏

پیچ بے باید درین رہ کش نباشد ہیچ سرا	در رود سر بایدش افتد بپائے راہبر

کہ خدا کی راہ میں سب سے بے تعلق ہو جائے۔ اور خیر خواہ ہزار عقلی اور نقلی دلیلیں پیش کریں ایک نہ مانے اور جانبازی پر مستعد ہو جائے۔ ؏

جناب عشق را درگہ بسے بالاتر از عقلست	کسے ایں آستاں بوسد کہ جاں در آستیں دارد

ہر چند نفس لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا اور لا رہبانیۃ فی الاسلام اور اسی قسم کے آیات اور احادیث پیش کرے مگر اپنی ہمت اور عزم میں فرق نہ آنے دے۔ ؏

وقفۂ یک گام نا جائز بود در راہ عشق	گر دو صد روباہ بازی عقل در پیش آورد

جس قسم کی اتباع صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کیا ممکن نہیں کہ ہر شخص اپنے پیر کی

اتباع کرے - ہزاروں بلکہ لاکھوں میں چند ہی افراد ہوتے ہیں جو اس قسم کی اتباع کرکے درجۂ ولایت اور صدیقیت کو پہونچتے ہیں -

نہ ہر قطرہ شود گوہر بہ دریا	نہ ہر گوہر برآید دُرِّ شہوار

ناسخ التواریخ سے ظاہر ہے کہ تخمیناً دو سال ملک عرب میں یہ معرکہ کارزار گرم رہا - اور طرفین سے ہزاروں بلکہ لاکھوں نذر قتال و جدال ہوئے پھر بہ مجرد اس کے کہ ملک عرب پر تسلط ہوا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اب ملک کسریٰ و قیصر پر چڑھائی کیجائے انتہی - حالانکہ چند اہل اسلام جن کو اہل عرب کے ساتھ عشر عشیر کی نسبت بھی نہیں کل عرب کے ساتھ مقابلہ کرکے تھکے ہوئے تھے - ہنوز ان کے زخم تک چنگے نہیں ہوئے تھے کہ دو بڑے بڑے خونخوار سلطنتوں کے مقابلہ کا حکم دیدیا جن کا یہ حال کہ تمام ملک عرب آبادی کے لحاظ سے انکا دسواں حصہ بھی نہیں اون کے افواج قاہرہ کے مقابلہ میں لشکر اسلام دیکھا جائے تو ہزارواں حصہ بھی نہیں یہ سامان جنگ پر نظر ڈالی جائے تو دونوں میں کوئی نسبت نہیں - انکے تیروں کو وہاں کے لوگ تکلے کہا کرتے تھے - غرضکہ تھوڑی سی شکستہ فوج کو ایسی بڑی سلطنتوں کے مقابلہ میں اس غرض سے بھیجنا کہ اونکو فتح کرلیں کیا کوئی عقل کی بات تھی - اوس زمانہ کے عقلا اس خیال پر کس قدر ہنسی اڑاتے ہونگے - مگر یہاں اسکی کچھ پرواہ نہیں -

طعن وتشنیع عوام الناس بشیرِ عاشقاں	یک صدائے پشہ تے کوآمد و برباد رفت

بہرحال چاہے کوئی ہنسے یا روئے۔ راہ خدا میں بڑھتا قدم پیچھے ہٹ نہیں سکتا استقلال کی یہ کیفیت کہ کتنی ہی کثیر التعداد مخالفت کی فوج ہو آنکھ نہیں جھپکتی

مژگان بہم نمی زنم از شور رستخیز	غوغائے حشر خواب پریشان عاشق است

صحابہ نے جب دیکھا کہ آپ کی رائے ظاہراً نرالی اور سراپا خلافِ عقل تو ہوتی ہے۔ مگر قوت ایمان کی وجہ سے اسمیں کامیابی بھی ہوجاتی ہے۔ اس لئے بغیر چون وچرا کے اس دفعہ قبول کرلیا۔ اور کسی نے یہ بھی نہ کہا کہ حضرت ہر قوم کے مقابلہ کے لئے اوس کے مناسب سامان کرنا شرط عقل ہے اور حق تعالیٰ کا جو ارشاد ہے واعدّوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم اس سے بھی اتنی قوت بہم پہنچانے کی ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ دشمنوں کو ہیبت ہو۔ بخلاف اس کے ہماری حالت موجودہ کو دیکھ کر وہ ہنسیں گے۔ اور کہیں گے کہ یہ لوگ بھیک مانگنے کو آرہے ہیں۔ اس بے سروسامانی میں ان دو سلطنتوں کا مقابلہ کرنا اپنے ہاتھ سے اپنے کو تہلکہ میں ڈالنا ہے جس سے خدا تعالیٰ منع فرماتا ہے۔ قولہ تعالیٰ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ پھر حق تعالیٰ نے ہم لوگوں پر رحم فرما کر یہ آسانی کی ہے کہ دو کے مقابلہ میں ایک جائے چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے الئٰن خفف اللہ عنکم وعلم ان فیکم ضعفا

فلن یکن منکم مائۃ صابرۃ یغلبوا مائتین آپ سو سے زائد کے مقابلہ میں ایک کو بھیجنا چاہتے تھے۔ یہ نہ شرعاً جائز ہے نہ عقلاً۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک کسریٰ وقیصر کے مفتوح ہونے کا وعدہ جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے ضرور اس کا ظہور ہوگا۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ جو خلیفہ اول ہو وہی اوپر چڑھائی کرے۔ خواہ ان کے مقابلہ کے قابل قوت ہو یا نہ ہو۔ غرضکہ صدیق اکبرؓ کی ہی بات چل گئی۔ گو خلاف عقل اور معترضوں کے نظروں میں خلاف شرع بھی تھی۔ آپ کے اس عملی ارشاد سے اولیاء اللہ نے یہ سبق حاصل کیا کہ جہاد نفس میں بھی گو بعضے امور خلاف ظواہر نصوص پیش آتے ہیں اور لا رھبانیۃ فی الاسلام کے مخالف معلوم ہوتے ہیں۔ مگر چونکہ نیت خاص معرفت اور تقرب الی اللہ کی ہوتی ہے اس لئے امید ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادے۔

ناسخ التواریخ میں جنگ فلسطین کے واقعہ میں لکھا ہے کہ عمرو بن العاصؓ کے ساتھ صرف نو ہزار آدمی تھے۔ اور رو بلیس جو ہرقل کی طرف سے اس جنگ پر مامور تھا اوس کے ساتھ نود ہزار کی جرار فوج تھی۔ سخت لڑائی کے بعد روبلیس کی فوج کی شکست ہوئی۔ اور دس ہزار سپاہی مارے گئے۔ جب یہ خبر ہرقل کو پہونچی تو نہایت غصہ سے اپنے تمام ملک میں احکام بھیجدیے کہ ہر صوبہ اور علاقہ کے لوگ فوجیں لیکر اجنادین میں جمع ہوں۔ اور جنگ کا

سامان اعلیٰ پیمانہ پر کریں۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جو سپہ سالار لشکر اسلام تھے انہوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ کیفیت مفصل لکھ کر مدد طلب کی۔ آپ نے جواب میں لکھا کہ تمھارے لشکر کا ایک ایک شخص ہزار مشرکوں کے برابر ہے تم ہرگز خوف نہ کرو۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے اس ملک کی فتح کرانیکا وعدہ کیا ہے اوس کے بعد پانچ ہزار کا لشکر اون کے کمک کو روانہ کیا۔

عموماً ایک ایک شخص ہزار کے برابر ہونا ہرگز قرین قیاس ہو نہیں سکتا البتہ ہزاروں میں ایک آدھ شخص ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ ہزار کا مقابلہ تنہا کر کے کامیاب ہو۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو ہر ایک کی نسبت یہ حسن ظن کیا اوس کا منشا وہی یقین تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا ہے کہ وہ ملک ضرور فتح ہو کر رہے گا۔ اس زمانہ کے لوگ خوارق عادات کا انکار کرتے ہیں ان تاریخی واقعات پر گہری نظر ڈالیں تو یہ کہنا پڑیگا ان معرکوں میں ہر مسلمان سے روزانہ خوارق عادات ظاہر ہوتے تھے۔ بشرطیکہ عقل سلیم سے کام لیا جائے۔ ؎

نظر باز آنکہ عالم راز جائے خویش می بیند		دگر نہ چشم اعمیٰ ہم پس پردہ نظر دارد

ناسخ التواریخ کی جلد دویم ص ۱۶۶ میں لکھا ہے کہ جب ہرقل کو خبر پہونچی کہ تبوک پر آٹھ ہزار آدمی مارے گئے۔ اور اہل اسلام عورتیں بچے لئے ہوئے ملک میں دراتے چلے آرہے ہیں۔ جیسے کوئی گھر کو جاتا ہے یا اپنے گھر میں پھرتا

اوس نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں اون پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ وہ ان ملکوں پر ضرور قابض ہو جائیں گے۔ مگر کسی نے نہ مانا سب پر نفریں کر کے رو بلیس کو بلایا جو نہایت قوی ہیکل اور جوان مرد شخص تھا۔ اوس کو لشکر کثیر دیکر اجنادین پر روانہ کیا! ادہر عمرو بن العاص اپنا لشکر لیکر فلسطین پر پہونچے۔ اور یہ شوری ہو رہا تھا کہ کس طریقہ سے جنگ کی جائے۔ اتنے میں عامر بن عدی جو مسلمان تھے اور اوس سرزمین میں رہتے تھے آئے۔ اور کہا کہ لشکر روم سیلاب کی طرح چلا آرہا ہے۔ میں نے بلندی پر سے دیکھا تو میرے اندازہ میں وہ لاکھ سے کم نہیں۔ اوس وقت بعضے اہل اسلام کی رائے ہوئی کہ پیچھے ہٹ کر اون سے جنگل میں لڑنا چاہیے کیونکہ اون کو قلعوں میں لڑنے کی عادت ہے۔ عبد اللہ بن عمر اور عکرمہ اور سہیل رضی اللہ عنہم نے کہا کہ خدا کی قسم ہم تو یہاں سے کبھی نہ ہٹیں گے۔ ہم بارہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں کفار سے جنگ کر چکے ہیں۔ بڑی بڑی فوجوں کے مقابلہ میں ہماری ہی فتح ہوئی۔ جس کو منظور ہو واپس چلا جائے۔ اور جس کا جی چاہے ہماری رفاقت دے۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طرف خطاب کر کے کہا "یا ابن الفاروق احسنت"۔ یعنے آپ کی رائے نہایت مناسب ہے اور میرے دل میں بھی یہی بات تھی۔ پھر ہزار سوار اون کی ماتحتی میں دیکر طلیعہ کا کام اون سے متعلق کیا

چنانچہ وہ روانہ ہوئے ایک منزل گئے تھے کہ ایک لشکر عظیم الشان نمودار ہوا
دریافت سے معلوم ہوا کہ روبلیس جو شجاعت میں مشہور بطریق ہے دس ہزار
مرد آزمودہ کار لئے ہوئے بطور طلیعہ لشکر کے آگے آگے آرہا ہے۔ ابن عمرؓ
نے بآواز بلند یہ حدیث پڑھی۔ ان الجنۃ تحت ظلال السیوف
یعنے جنت تلواروں کے سایہ کے تلے ہے۔ پھر ایک ہزار آدمیوں نے
ہم زباں ہوکر لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا نعرہ بلند کیا۔ اور سب نے
یکبارگی حملہ کردیا۔ ابن عمرؓ نے دیکھا کہ ایک شخص بڑا ہی قوی ہیکل جس کی
غیر معمولی جسامت دیکھنے سے حیرت ہوتی تھی۔ فولاد میں غرق۔ ہر طرف
گھوڑا دوڑا کر حملے کر رہا ہے۔ یہ بطریق سردار لشکر تھا۔ نہایت جواں مردی
سے کسی کو جنگ میں اپنا مقابل نہیں سمجھتا تھا۔ ابن عمرؓ نے کہا کہ پہلے اسی کو
لینا چاہیئے۔ چنانچہ نیزہ کو جنبش دیکر اوس کا قصد کیا۔ اور وہ بھی مقابل ہو گیا
دیر تک نیزہ بازی ہوتی رہی بطریق نے موقع پاکر نیزہ مارا تھا۔ کہ آپ نے
جلدی سے تلوار نکال نیزہ کو دو ٹکڑے کر دیئے۔ اور ساتھ ہی تلوار کا وار کیا
اگرچہ وہ زخمی نہ ہوا۔ اس وجہ سے کہ فولاد میں غرق تھا۔ مگر تلوار اس زور
سے پڑی کہ سنبھل نہ سکا۔ اور گھوڑے سے گر پڑا۔ اوس کے ساتھ ہی آپ
بھی اپنے گھوڑے سے اترے۔ اور دوسری ضرب لگائی اور سر کاٹ لیا
رومیوں نے جب دیکھا کہ اپنا بہادر سردار مارا گیا ہراساں و پریشاں ہو گئے

اور مسلمانوں نے اون کا پیچھا کیا۔ چنانچہ بہتوں کو تہ تیغ کر کے چھ سو کو زندہ گرفتار کر لیا۔ اور فتح ہوگئی انتہیٰ۔ یہ تھا مقتضائے عشق جہاں عقل کے پر جلتے ہیں

ثابت قدم براہ طلب عشق میکند	عاشق نباشد آنکہ پس و پیش بنگرد

دیکھئے عمرو بن العاص اور ابن عمر وغیرہما رضی اللہ عنہم کو یقیناً معلوم تھا کہ اتنی فوج آگئی کہ اپنے لشکر سے دس حصے زیادہ ہے۔ مگر ذرا بھی خوف نہیں کیا۔ بلکہ صرف اتنی بات پر کہ پیچھے ہٹ کر میدان میں مقابلہ کیا جائے ایسے برہم ہوئے کہ اس خیال کے لوگوں کا لشکر میں رہنا ناگوار ہوگیا۔ اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی۔ کہ اگر وہ رنجیدہ ہو کر چلے جائیں تو اپنا ہی نقصان ہے کیونکہ وہ لوگ نوکر تو تھے ہی نہیں جو لڑائی پر مجبور کئے جاتے۔ صرف بات یہ تھی کہ اونکا اعتماد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوس سچے وعدہ پر تھا کہ مسلمانوں کی فتح ہوگی۔ چاہے کوئی رفاقت دے یا نہ دے۔ اسی وجہ سے نہایت سختی سے کام لیا۔ ؎

بر وعدۂ کریم نظر ہر کرا بود	کے چشم او بہر کس و ناکس نظر کند

ورنہ مقتضائے عقل یہ تھا کہ اس موقع میں نہایت نرمی سے اونکی تفہیم کرتے تاکہ وہ لوگ بیدل نہ ہوں۔ مگر سبحان اللہ وہ حضرات بھی کامل الایمان تھے جانتے تھے کہ اس دینی خدمت سے خدا اور رسول کی رضامندی حاصل کرنی ہے ورنہ علیحدہ ہونے کو یہ سخت کلامی اور چلے جانیکی اجازت کافی حیلہ تھا۔ شعر

تا روئے تو بود است بہ پیش نظر من	از دوست برہی ہم و پیزار ز سر دشمن
دیار عشق را نازم کہ طفلان ہوسناکش	چو پستاں می مکند از ذوق زہر آلود پیکاں را

ابن عمر اور ابن عاص وغیرہ صحابہ کے نام جب حدیث کی کتابوں میں دیکھے جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اپنے گھروں میں یا مسجدوں میں بیٹھ کر لوگوں کی تعلیم یا تلقین کیا کرتے ہونگے۔ جس سے احادیث کی حفاظت اور اشاعت ہوئی۔ مگر ان حالات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف ملا ہی نہ تھے۔ بلکہ اعلی درجہ کے بہادر سپاہی بھی تھے اور جس طرح علم کی حفاظت و اشاعت اون سے متعلق تھی دین کی حفاظت و اشاعت بھی اونہی سے متعلق تھی۔ دینی معاملات میں اگر اسقدر تشدد اون کی طبیعتوں میں نہ ہوتا تو دین کا ہم تک پہونچنا ہی دشوار تھا۔ اگر سچ پوچھئے تو یہی حضرات عشاق ہیں جن کی شان میں یہ صادق ہے شعر

عاشقاں را با مصالح کار نیست	قصد آنہا جز رضائے یار نیست

جس کا ثبوت ان کی سوانح عمری سے بخوبی ہوتا ہے اس صورت میں یہ شعر بھی اون کے حسب حال ہے۔ ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق	ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اگر ہمیں اپنے سچے دین کی قدر ہو تو ہماری انصاف پسند طبیعت ہم کو ان تمام حضرات کی شکر گزاری پر ضرور مجبور کرے گی۔ والدین ہر چند اپنے اقتضائے

طبعی کو پورا کرتے ہیں مگر اولاد پر اون کی حق شناسی اور تعظیم فرض کی گئی ہے کیونکہ وہ ہمارے وجود کے باعث ہوے - اسی طرح صحابہ نے گو اپنا فرض ادا کیا جسکے وہ مامور تھے - مگر ہم پر اونکی حق شناسی اور تعظیم لازم ہے - کیونکہ وہ ہمارے حق میں وجود دین کے باعث ہوئے - اگر وہ جانفشانیاں نہ کرتے تو دین ہم تک نہ پہونچتا - اگر غور کیا جائے تو ماں باپ سے بھی زیادہ اونکا حق ہے کیونکہ ماں باپ سے ہمارا وجود ہوا - اگر یہ وجود بے دینی کے ساتھ فرض کیا جائے تو ابدالآباد کے لئے وہی وجود وبال جاں ہوگا -

اب غور کیجئے کہ اون حضرات کی سعی سے ایک ایسی چیز ہمیں ملی کہ جس سے ابدالآباد کی آسایش حاصل ہوسکتی ہے تو کسقدر اونکا احسان ماننا چاہیے

مقتضائے طبع حیوانست شکر ممناں	ہر کہ ایں خصلت ندارد از حیواں کمتر است

ناسخ التواریخ کے صفحہ ۲۰۵ جلد دوم میں لکھا ہے کہ سعد ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب ایران اور عراق کے شہروں کو فتح کیا تو عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اس علاقہ میں اکثر عرب بیمار رہتے ہیں - عمر رضی اللہ عنہ نے کوفہ کی بنیاد ڈالنے کا حکم دیا چنانچہ نہایت قرینہ سے شہر کی بنیاد ڈالی گئی - اور مکانات بنانے کی عام اجازت ہوگئی - سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بھی ایک بڑا مکان اپنے لئے بنایا - اور محل کسریٰ جو مدائن میں تھا اوس کا دروازہ لاکر اپنے مکان میں نصب کیا - یہ کیفیت جب عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو آپ سخت

ناخوش ہوئے اور اون کے نام خط لکھ کر محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ کو دیا۔
اور فرمایا کہ جس قدر ممکن ہو جلد کوفہ پہونچیں اور پہلا کام یہ کریں کہ سعد کے گھر کو
آگ لگا دیں تاکہ جس قدر سامان اوسمیں ہو سب جل جائے۔ اور سعدؓ کو
صرف خط دیدیں اور کوئی بات نہ کریں۔ محمد بن سلمہؓ بہت جلدی سے کوفہ
پہونچے۔ اور سیدھے سعد بن وقاصؓ کے مکان پر آئے۔ ہرچند ملاقاتی
لوگ بہت تھے۔ مگر کسی سے کچھ بات نہ کی۔ سوائے اس کے کہ اون سے
لکڑیاں منگوائیں اور آگ لگا دی جس سے سارا مکان جل گیا۔ اوسکے بعد
عمر رضی اللہ عنہ کا خط سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ کو دیا اوسمیں لکھا تھا
کہ مجھے یہ خبر پہونچی ہے کہ آپنے ایک عالیشان مکان کسریٰ کے مکان کے جیسا
بنایا ہے جسمیں محل کسریٰ کا دروازہ بھی نصب کیا گیا ہے۔ تاکہ حاجب اور
دربان وہاں رہیں اور حاجتمند اور مظلوموں کی رسائی نہ ہو۔ افسوس ہے
کہ تم نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو چھوڑ کر کسریٰ کا طریقہ اختیار کیا
کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کسریٰ کو اوس عظیم الشان مکان اور بلند دروازہ سے
نکالکر تنگ و تاریک قبر میں جگہ دی گئی۔ میں نے ایسے شخص کو بھیجا ہے
کہ جو تم سے نہ ڈرے۔ اور تمھارا گھر جلا دے۔ تم کو دو حجروں سے زیادہ کی
ضرورت نہیں۔ ایک بیت المال کے لئے اور دوسرا اپنے لئے۔ چنانچہ سعدؓ نے
ایسا ہی کیا کہ ایک چھوٹے سے گھر میں خود رہتے اور ایک کو بیت المال بنایا انتہی

سعد ابن ابی وقاصؓ نے کس شوق سے مکان بنایا ہوگا۔ جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مدائن سے ایوان کسریٰ کا دروازہ لایا گیا ایسا مکان اس بے رحمی سے جلایا گیا کہ اثاث البیت تک نکالنے کی اجازت نہیں۔ خلیفۂ وقت کے پاس سے ایک شخص تنِ تنہا آ کر بغیر اس کے کہ جرم دریافت کریں وہیں کے لوگوں سے جلانے کا سامان مہیا کر رہے ہیں جب اس نادر آتش زدگی کی خبر سُن کر تماشائیوں کا ہجوم بڑھتا جاتا ہوگا اور کبھی گھر کو دیکھتے ہونگے اور کبھی صاحب خانہ کو۔ تو اون کی کیا حالت ہوگی۔ سعد بن ابی وقاصؓ کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ فاتح ملک عجم آپ ہی ہیں۔ جب تک آپ کوفہ کے حاکم رہے یزدگرد بادشاہ عجم آپکے رعب سے دم بخود تھا۔ آپ کے معزول ہوتے ہی خیال کر لیا کہ اب میدان خالی ہے چنانچہ فوج کشی کر کے دھوم مچا دیا۔ جس سے مسلمانوں کو مصیبتیں اٹھانی پڑیں ایسے جلیل القدر سپہ سالار کا گھر ایک شخص جلا رہا ہے۔ اور نہ وہ خود دم مار سکتے ہیں۔ نہ اونکی فوج۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے؟ کہ یہ اونکی بزدلی تھی۔ ہرگز نہیں۔ وجہ اوس کی یہی تھی کہ اون حضرات کے نفوس قدسیہ تھے۔ انہوں نے اپنی حمیت غیرت۔ شجاعت کو اسلام کے نذر کر دیا تھا۔ شعر

من بماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق	چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہرچہ کہ ہست

جب سعد رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اپنے اولوالامر کی اطاعت خدا

ورسول کی اطاعت ہے تو وہ آتش زدگی اون کے آنکھوں میں آتش بازی کا نظارہ دکھانے لگی اور خود بھی تماشائیوں کے ساتھ تماشہ دیکھنے میں شریک ہو گئے۔ اور خدائے تعالی کو اپنے دل کی گرم جوشیاں دکھا کر اوس آگ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے جاتے تھے۔ کہ بضاعت مزجات یعنے ایک حقیر چیز کے معاوضہ میں رضائے الٰہی جو دولت ابدی ہے حاصل ہو رہی ہے اور محبت اغیار جو دل میں گھر بنا رہی تھی اوس آتش کثافت سوز سے فنا ہوتی جاتی ہے۔ ؎

آتش عشق تو تا گشت درون بدنم	آنچہ اندوختہ بودم ہمہ را پاک بسوخت

اور یہ مضمون نصب العین ہو رہا تھا۔ ؎

ہر کرا خوابگہ آخر بدو مشت خاکست	گو چہ حاجت کہ برافلاک کشد ایواں را
ازیں رباط دو در چوں ضرورتست رحیل	رواق طاق معیشت چہ سربلند چہ پست

اگرچہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ وہ صحابی جلیل القدر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں ہیں۔ اور حضرت نے اون کو ایک بار فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ کے خطاب سے مشرف فرمایا تھا۔ اور آپ کے لئے دعا کی تھی کہ خدایا تو انکی دعائیں قبول کر۔ اس وجہ سے اونکی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔ باوجود اس کے اونکا گھر جلانے میں ذرا بھی تامل نہ کیا۔ اس وجہ سے کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

؎ یہ روایات استیعاب ابن عبد البر میں مذکور ہیں ۱۲۔

کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ آپ کو اصلاح امت کی ضرورت تھی۔ دیکھا کہ بمقتضائے بشریت دنیا کی طرف کچھ توجہ ہو چلی ہے۔ فوراً عملی طریقہ سے اوسکی اصلاح کردی اور سمجھا دیا کہ۔ عہ

ازیں رباط دودر چوں ضرورت ست رحیل	رواق طاق معیشت چہ سربلند وچہ پست
کار طفلانست کردن نقش بردیوار و در	تاتوانی زینہار از کار طفلاں زینہار
شاہ باز ہمت خود بر پراں زیں خاکداں	تاکند بر شاخ سدرہ طائر قدسی شکار

اور لکھا کہ تم نے شریعت کو ترک کردیا۔ اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص حجرہ مبارک کی یہ کیفیت تھی کہ جلانیکی چند لکڑیاں گاڑ دی تھیں اور اون سے کنبلوں کو باندھ دیا۔ وفات شریف تک حضرت کا یہی حجرہ خاص تھا اور جو ازواج مطہرات کے حجرے تھے اونمیں چار حجروں کی دیواریں کچی اینٹ کی تھیں۔ اور سقف کھجور کی شاخوں کا جس پر کیچڑ کا گلابہ کر دیا گیا تھا۔ اور پانچ حجروں کو تو دیواریں بھی نہ تھیں صرف کھجور کی شاخیں گاڑ کر اون پر گلاوہ کردیا گیا تھا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اونکی بلندی اتنی تھی کہ میرا سر اون کے چھت کو لگتا تھا۔ اور اون کے دروازوں پر تین ہاتھ طول اور ایک ہاتھ عرض کے پردے کنبل کے پڑے رہتے تھے یہ خاص حضرت کے ازواج مطہرات کے حجروں کا حال تھا۔ اور عمر رضی اللہ عنہ

عہ یہ روایات خلاصۃ الوفا وغیرہ میں مذکور ہیں ۱۲

بھی عمر بھر جھپڑ ہی میں رہے۔

غرضکہ عمر رضی اللہ عنہ جب کسی کو دیکھتے کہ طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف میں کوئی کام کر رہا ہے تو اوس کو خلاف شریعت سمجھ کر نہایت سختی سے پیش آتے۔ اور کسی کی کچھ پرواہ نہ کرتے اس قسم کے آثار غیرت محبت سے صادر ہوتے ہیں۔

روض الریاحین میں امام یافعی رح نے لکھا ہے ذو النون مصری رح کہتے ہیں کہ تیہ بنی اسرائیل میں ایک عجوزہ سے ملاقات ہوئی اوس کا بیت ناک جنگل میں رہنے کا سبب پوچھا۔ کہا میں جس شہر میں گئی وہاں کے لوگ میرے حبیب کی نافرمانی کرتے ہیں۔ مجھ سے اوس کی برداشت نہ ہوسکی آخر آبادی کو ترک کر دیا۔

ازالۃ الخفا میں مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک روز امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ آپ جو عاملوں سے اقرار لیتے ہیں کہ باریک کپڑے نہ پہنیں اور دروازوں پر دربان نہ رکھیں۔ کیا صرف اس سے آپ کی نجات ہو جائے گی۔ آپ کو خبر نہیں کہ ایاز بن غنم جو مصر پر آپ کی طرف سے حاکم ہیں وہ باریک کپڑے بھی پہنتے ہیں اور اونکے یہاں دربان بھی موجود ہے۔ یہ سنتے ہی آپ نے محمد[۵] بن مسلمہ کو بلایا۔ اور کہا کہ تم مصر جاؤ

---

[۵] یہ صاحب حاکموں پر حکم پہنچانے کے کاموں پر مامور تھے ۱۲۔ ازالۃ الخفا

اور جس حال میں وہ ہوں اون کو لے آؤ جب وہ مصر گئے تو دیکھا کہ ونکے دروازہ پر دربان بیٹھا ہے۔ اون کے مکان میں چلے گئے دیکھا کہ باریک کپڑے بھی پہنے ہوئے ہیں۔ ملاقات کے ساتھ ہی کہا کہ چلئے عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو بلایا ہے کہا اتنی مہلت دیجئے کہ دوسرے کپڑے پہن لوں ؟ کہا یہ ممکن نہیں۔ اسی حال پر چلنا ہوگا۔ چنانچہ وہ اوسی وقت مصر سے روانہ ہوئے جب عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوے اور اوس لباس میں آپنے اونھیں دیکھا ایک کمبل کا کرتہ اور ایک لاٹھی اور بکریوں کا ریوڑ منگوایا۔ اور فرمایا کہ اپنا لباس اتار کر یہ کرتا پہنو اور یہ لاٹھی لیکر بکریاں چرایا کرو۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ فرمایا تامل کیا ہے۔ تمھارے باپ بھی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے اونکا نام غانم تھا۔ انہوں نے کہا اس سے تو موت بہتر ہے۔ اوس کے بعد بہت معذرت کی۔ اور قصور معاف کیا گیا۔

دیکھئے یہ تشدد اسی وجہ سے تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں باریک لباس نہیں پہنا جاتا تھا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کمبل ہی کا لباس زیب تن مبارک فرمایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے اپنا بھی لباس آپ نے اسی قسم کا رکھا تھا جس کا حال اوپر معلوم ہوا کہ بارہ بارہ پیوند آپ کے کرتہ پر لگے رہتے تھے۔ ہر چند تمام صحابہ نے باصرار کہا کہ لباس فاخرہ پہنیں۔ اگرچہ مقتضائے عقل وہی تھا۔ مگر اتباعِ نبوی کا یہ اثر تھا کہ دنیا

کے تعلقات سے آپ بالکل بری تھے۔ اسی وجہ سے آپ کا یہی خیال تھا کہ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے فقر و فاقہ اختیار فرمایا۔ آپ اور آپ کے اہل بیت بھی اختیار کریں اور دنیا سے کسی قسم کا تعلق نہ رہے۔ ابتدائے اسلام سے آپکی یہی حالت رہی۔

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق	چار تکبیر زدم یکسرہ بر ہرچہ کہ ہست

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں عکرمہ بن خالدؓ سے روایت ہے کہ ایک روز عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند بالوں میں کنگھی کرکے لباس فاخرہ پہن کر عمر رضی اللہ عنہ کے یہاں آئے آپ نے اون کو اتنے دُرّے مارے کہ وہ رونے لگے۔ حضرت بیوی حفصہ رضی اللہ عنہا نے مارنیکا سبب پوچھا فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اوس کے نفس میں عُجب آگیا ہے اس لئے اوسکو مار کر ذلیل کردیا تاکہ عُجب جاتا رہے۔ انتہٰی

مقصود اس سے یہی تھا کہ یہ خیال نہ پیدا ہو کہ ہم شہزادے ہیں۔ اس لئے اون کے نفس کی اصلاح کردی۔ اور یہ معلوم کرادیا کہ عشاق الٰہی کی زینت ان چیزوں سے نہیں۔ ـــہ

زینت عاشق پلاس و موئے ژولیدہ بود	نے لباس خوب و زلف عنبرین خال و خد

کنز العمال میں یہ روایت بھی ہے کہ ایک بار بادشاہ روم کا برید امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا آپ کی بیوی کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہاں تو کچھ

نہیں ملسکتا سلطنت روم سے کچھ منگوالیں۔ چنانچہ ایک دینار قرض لیکر چند شیشیاں عطر کی بادشاہ روم کی بیگم کو بطور ہدیہ روانہ کیں۔ اوس کو خوشامد کا موقع مل گیا۔ انہیں شیشیوں میں بیش بہا جواہر ڈالکر آدمی کے ساتھ بھیجا۔ جس وقت اوس آدمی نے شیشیاں محل مبارک میں روانہ کیں آپ بھی اتفاقاً وہاں پہونچ گئے۔ اور پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ بی بی صاحبہ نے سب قصہ بیان کیا۔ آپ نے وہ جواہر لے لئے۔ اور اون کو بیچکر قیمت بیت المال میں داخل کردی۔ اور ایک دینار جو عطر کی قیمت تھی بی بی صاحبہ کو دیا انہیں دیکھئے وہ جواہر عطر کی قیمت تھی۔ یا ہدیہ تھے بہرحال شرعاً اوس کے لینے میں ظاہراً کوئی حرمت کی وجہ نہیں۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نے اوسکو بھی جائز نہ رکھا۔ اسی وجہ سے کہ فقر و فاقہ جو سنت نبوی ہے فوت نہ ہوجائے اور مال و زر سنگ راہ مقصود نہ ہوجائیں۔ ؎

رہروان عشق را با دولت دنیا چہ کار	پاک میدارند اینان راہ را از سنگ و خار

اب غور کیجئے کہ ہم لوگوں کی عقلوںمیں اور اون حضرات کی عقلوںمیں کسقدر تفاوت ہے۔ اونکی نقل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ہم لوگوں کی عقلیں دنیاوی ہیں۔ اور دینی عقلیں انہی حضرات کی تھیں اور اس سے ظاہر ہے کہ جس قدر دین کو دنیا پر فضیلت ہے۔ اوسی قدر دینی عقل کو دنیاوی عقل پر واقعی فضیلت ہوگی۔ جس کو دیندار لوگ جانتے ہیں۔ ؎

عقل باید کہ راہبر باشد	نہ کہ از رہ برد بسان غول		

ناسخ التواریخ کی جلد دوم میں لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ جب حج کو گئے تو ایک شخص نے فریاد کی کہ عمرو بن العاص جو فاتح مصر اور وہاں کے صوبہ دار ہیں۔ اون کے بیٹے محمد نے مجھ سے مسابقت میں شرط لگائی جب میرا گھوڑا آگے بڑھ گیا تو اونھوں نے معتبر لوگوں کے مجمع میں غصہ سے مجھے کوڑا مارا۔ میں نے اون کے والد کے پاس فریاد کی۔ انہوں نے مجھے قید کر دیا۔ اب چار مہینے کے بعد میں چھوٹ کر آیا ہوں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عمرو بن العاص اور اون کے بیٹے کو بلوایا اور بعد ثبوت اوس فریادی سے فرمایا کہ اپنا بدلہ لے لے۔ چنانچہ اوس نے محمد بن عمرو بن العاص کو کوڑا مارا پھر عمرو بن العاص کو نزدیک بلایا۔ فریادی نے کہا اے امیر المومنین! یہ معزز شخص ہیں انکو ماریے مت۔ فرمایا جس طرح انہوں نے تجھے قید کیا ہے میں اون کو قید کر دیتا ہوں کہا میں نے اپنا حق معاف کر دیا۔ اوسوقت آپنے اون کو اجازت دی۔ انہوں نے کہا آپ نے مجھے سخت ذلیل کیا۔ اب میں آپ کی حکومت میں خدمت نہ کرونگا۔ آپنے فرمایا تمھیں اختیار ہے۔ جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔ انتہی۔ کنز العمال میں بھی یہ روایت بادنیٰ تفاوت مذکور ہے۔ غور کیجئے کہ کس سمت کے صوبہ دار کو ایک ادنیٰ غیر معروف آدمی کے مقابلہ میں اسقدر ذلیل اور بیدل کرنا ہرگز عقل گوارا نہیں کرتی۔ مگر عمر رضی

کو عقل کی پابندی سے کیا تعلق وہ تو ہر حال میں پابند شرع شریف تھے۔
اور یہ اونہی کی خصوصیت نہیں۔ کل خلفائے راشدین کا یہی حال تھا۔ چنانچہ
کنز العمال کی کتاب القصاص من قسم الافعال میں ابن شہاب سے روایت ہے
کہ ابوبکر عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے اگر کسی قسم کی زیادتی کسی پر ہوجاتی تھی
تو اوس کو کہہ دیتے کہ ہم سے بدلہ لیلو۔ مگر وہ رعایت کرجاتے تھے۔ اوسی میں
یہ روایت ہے کہ طارق کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کسی کو ایک طپانچہ
مارا۔ اوس کے بعد اوس کو بدلہ لینے کو کہا۔ مگر اوس نے معاف کردیا۔
اور اوسی میں یہ روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو کسی اشتباہ
میں بلوایا۔ اتفاقاً وہ عورت حاملہ تھی۔ راستہ میں خوف کے مارے اوسکا
حمل ساقط ہوگیا۔ اور بچہ دو چیخیں مار کر مرگیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ سے
فتویٰ پوچھا۔ اونہوں نے کہا کہ آپ والی ہیں۔ ادب دنیا آپ کا کام ہے
اسمیں آپ کا کوئی قصور نہیں۔ علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ
نے پوچھا۔ آپ اس باب میں کیا کہتے ہو۔ کہا۔ ان صاحبوں نے اگر اپنی رائے
سے کہا ہے تو خطا کی۔ اور اگر آپ کی خاطر سے کہا ہے تو آپ کی خیرخواہی نہیں کی
میری رائے میں آپ اسکی دیت ادا کریں۔ کیونکہ آپ کی وجہ سے اوس کا
حمل ساقط ہوگیا ہے چنانچہ آپ نے دیت ادا کرنے کا حکم دیا۔ انتہیٰ۔
دیکھئے صرف اس خیال سے کہ آپ کے خوف سے حمل ساقط ہوگیا

دیت ادا کردی۔

حالانکہ آپنے نہ اوس کو مارا۔ نہ اوس سے کوئی بات کی۔ جب اپنی ذات پر ایسے احتیاطی احکام شرعی نافذ کرتے تھے۔ تو جہاں صراحتاً ظلم و زیادتی ہو تو اوسکی رعایت کی کیا توقع رہی مصلحت اندیشی کہ کسی جلیل القدر عہدہ دار کی دلشکنی ہو تو انتظام ملکی میں خلل واقع ہوگا سو اوس کی کچھ پرواہ نہ تھی۔

گر صد ہزار خاطر اغیار بشکند	بہتر ازانکہ خاطر آں یار بشکند
راست نامد مصلحت اندیشی اندر راہ عشق	عاشقانرا مصلحت غیر از رضائے دوست نیست
عاشق کہ بود مضطر در راہ طلب ہر دم	رسوائے جہاں باشد در مصلحت اندیشی

وہاں تو ہمیشہ یہی خیال تھا کہ اگر تمام عالم سے انقطاع ہو جائے تو قبول مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا سلسلہ ہاتھ سے جانے نہ پائے۔

علی کرم اللہ وجہہ کی راست گوئی اس واقعہ سے ظاہر ہے۔ کہ سب صحابہؓ ایک طرف ہیں۔ کہ عمر رضی اللہ عنہ پر دیت نہیں آتی۔ اور علی کرم اللہ وجہہ ایک طرف بلا رو و رعایت صاف فرماتے ہیں کہ خلیفۂ وقت پر دیت کی ادائی لازم ہے۔ اب اسی پر غور کیا جائے کہ ایسے راست گو جو اظہار حق کو اپنا فرض منصبی جانتے تھے کیا اپنا حق طلب کرنے میں خاموش رہ سکتے تھے ہرگز نہیں۔ صاف فرما دیتے کہ جناب اوروں کے حقوق تو آپ بہت ادا کرتے ہیں۔ مگر ہمارا اتنا بڑا حق خلافت غصب کر بیٹھے ہو اسکو پہلے ادا کرنیکی ضرورت ہے

کنز العمال میں یہ روایت بھی ہے کہ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ ایک خوش مزاج شخص تھے۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں باتیں کرکے لوگوں کو ہنسا رہے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اونکی کوکھ میں اونگلی ماری۔ اونہوں نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپنے مجھے دُکھ دیا۔ فرمایا تم بدلا لیلو۔ کہا آپ نے جب مجھے انگلی چبھائی میرے جسم پر کپڑا نہیں تھا اور آپ قمیص پہنے ہوے ہیں۔ حضرت نے قمیص ہٹا دیا انہوں نے ساتھ ہی جسم مبارک کے بوسہ لینے شروع کئے۔ اور عرض کی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس درخواست سے میرا مقصود یہی تھا کہ یہ دولت حاصل کروں۔ انتہیٰ۔

اس قسم کے اور کئی واقعات کنز العمال میں مذکور ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اگر بظاہر کسی پر کچھ زیادتی ہوجاتی تو فوراً آپ بدلہ لینے کو فرمادیتے۔ اہل انصاف سمجھ سکتے ہیں کہ جس ملک میں ہر ادنیٰ اپنے اعلیٰ درجہ کے شخص بلکہ خلیفۂ وقت سے زیادتی کا بدلہ لیسکے تو وہاں کس درجہ امن وآسایش ہوگی۔ عمر رضی اللہ عنہ کو منظور تھا کہ ملک میں تمدن شرعی قایم کریں۔ جس سے ملک آسودہ حال رہے۔ اس لئے جو شخص کسی پر کچھ زیادتی کرتا بعد دریافت فوراً انتقام لیتے۔ خصوصاً حکام سے انتقام لینے میں تو بہت ہی اہتمام تھا۔ کیونکہ حکومت کا نشہ اکثر آدمی کو بدمست بنادیتا ہے

عاملاں در زمانِ معزولی	بشر حافی و بایزید شوند
چوں بیایند باز بر مسند	شمر ذی الجوشن و یزید شوند

کنز العمال میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ جہاد میں ایک شخص تھا۔ اونہوں نے اوس کو غنیمت کا حصہ تو دیا مگر کچھ کم۔ اوس نے کہا میں اپنا حصہ پورا لونگا۔ اوپر اونہوں نے اوسے بیس کوڑے مارے اور اوس کا سر منڈوا دیا۔ اوس نے وہ بال اوٹھا لئے اور سیدھا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچا۔ اور روبرو کھڑا ہو کر آپ کے سینہ پر وہ بال پھینک مارے۔ پوچھا قصہ کیا ہے۔ اوس نے پورا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے اوسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام خط لکھا کہ فلاں شخص نے تم پر یہ فریاد کی ہے۔ تمھیں میں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تم نے وہ کام مجمع میں کیا ہے تو مجمع میں بیٹھ کر اپنے سے قصاص لو۔ اور اگر تنہائی میں کیا ہے تو تنہائی میں۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ وہ حکمنامہ پڑھتے ہی قصاص کے لئے بیٹھ گئے۔ جب اوس شخص نے دیکھ لیا کہ حکم کی تعمیل کو مستعد ہو گئے ہیں اوس وقت اوس نے کہا میں نے آپکا قصور معاف کر دیا۔ انتہیٰ

دیکھئے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ صوبہ بصرہ کے حاکم اور وہاں کی فوج کے افسر اعلیٰ تھے۔ ایک ادنیٰ سپاہی کے ساتھ جو معاملہ کیا تھا اوس کا انتقام

یہ ہو رہا ہے کہ وہ سپاہی اون کو بیس کوڑے مارنے اور سر منڈھنے کے لیئے کھڑا ہے۔ اور آپ مجمع عام میں اوسکے روبرو سر دئیے بیٹھے ہیں۔ اور مجال نہیں کہ چوں وچرا کر سکیں۔ آخر اوسی نے منت رکھ کر معاف کر دیا۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی۔ کہ غائبانہ صدہا کوس پر با اقتدار حکام آپکے حکم کے مقابلہ میں دم نہیں مار سکتے تھے۔ ؎

ہیبت حق است ایں از خلق نیست		ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

کیوں نہ ہو یہ آپ کے صدق اور سچی اتباع کا اثر تھا جس نے خویش و بیگانہ کو آپ کی نظر میں ایک بنا دیا تھا۔

کنز العمال صفحہ ۳۵۵ کی کتاب الفضائل میں اسلم رح سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے عمرابن عاص رض سے سنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد کسی کو میں نے نہیں دیکھا جو عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوف خدا رکھتا ہو۔ اون کی یہ حالت تھی کہ حقوق کے معاملہ میں نہ بیٹے کی رعایت کرتے نہ باپ کی۔ پھر عمر بن عاص نے خدا کی قسم کھا کر یہ واقعہ بیان کیا کہ میں جب حاکم مصر تھا ایک روز مجھے ایک شخص نے خبر دی کہ عبداللہ اور عبدالرحمن عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کہاں ٹھیرے ہیں کہا فلاں مقام میں۔ جو مصر کی انتہائی آبادی میں ہے۔ چونکہ اس سے پہلے مجھے عمر رضی اللہ عنہ نے

لکھ دیا تھا۔ کہ اگر وہاں میرے اہلبیت سے کوئی آئیں اور تم اون کے ساتھ کوئی خصوصیت کا برتاؤ کریگے اوروں کے ساتھ نہیں کرتے تو یاد رکھنا کہ میں تمھیں وہ سزا دونگا جس کے تم لائق سمجھے جاؤ گے اسوجہ سے میں اون کے پاس نہ کچھ ہدیہ بھیج سکا نہ ملاقات کی۔ ایک روز میں مکان میں بیٹھا تھا کہ آدمی نے کہا کہ عبد الرحمن بن عمر اور ابو سروعہ دروازہ پر کھڑے ہیں۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ میں نے اجازت دی۔ دیکھا کہ دونوں نہایت شکستہ حال اور پریشاں بال ہیں۔ آتے ہی اون دونوں نے کہا کہ ہم پر حد شرب جاری کیجئے کیونکہ ہم نے رات میں شراب پی جس سے نشہ بھی ہوگیا تھا۔ میں نے دونوں کو جھڑک کر کہا چلو یہاں سے نکل جاؤ۔ عبد الرحمن نے کہا کہ اگر آپ حد جاری نہ کروگے تو میں اپنے والد سے کہہ دونگا۔ میں نے سوچا کہ اگر عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع ہوگئی تو وہ ضرور مجھے معزول کردیں گے۔ ہم اس حیص وبیص میں تھے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آئے میں اونکی تعظیم کے لئے کھڑا ہوا صدر مجلس میں بٹھانا چاہا۔ اونہوں نے کہا کہ والد نے مجھے تقید کی ہے کہ جب تک اشد ضرورت نہو آپ کے پاس نہ جاؤں چونکہ اسوقت مجھے اشد ضرورت پیش آئی ہے۔ اس لئے میں آپ کے پاس آیا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ میرے بھائی عبد الرحمن کو جس طرح چاہیں حد ماریں مگر لوگوں کے روبرو اونکا سر نہ منڈائیں (اوس زمانہ میں حد شرب کے بعد

سیاستہً سر بھی منڈایا جاتا تھا) وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے گھر کے صحن میں
اون پر حد جاری کئے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے دونوں کو ایک حجرہ
میں لیجا کر سر مونڈا۔ بخدا میں نے اس واقعہ کا ایک حرف بھی عمر رضی اللہ عنہ
کو نہیں لکھا مگر اون کا فرمان پہونچا جسمیں لکھا تھا اے ابن العاص مجھے
تم سے تعجب ہے جو تم نے مجھ پر جرأت کی اور خلاف عہد کیا۔ تم جانتے ہو کہ
میں نے تمھارے مقابلہ میں اصحاب بدر جو تم سے بہتر ہیں اون سے مخالفت کی
اور تمھیں وہاں کا حاکم بنایا۔ اس خیال سے کہ تم میرے عہد پر قائم رہو گے
اور میرا حکم جاری کرو گے مگر میں دیکھتا ہوں کہ تم بھی ملوث ہو گئے۔ اب میری
رائے اسی پر قرار پائی ہے کہ تمھیں معزول کر دوں۔ اسوجہ سے کہ تم نے
عبدالرحمن کو اپنے گھر میں لیجا کر حد ماری۔ اور اپنے گھر میں اونکا سر منڈا۔ عبدالرحمن
تمھارے رعایا میں سے ایک شخص تھا۔ تمھیں چاہیے تھا کہ جس طرح تمام مسلمانو
کے ساتھ معاملہ کیا کرتے تھے اوس کے ساتھ بھی کرتے۔ مگر تم نے خیال کیا
کہ وہ امیر المومنین کا لڑکا ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ حقوق اللہ کے معاملہ میں
میں کسی کی رعایت پسند نہیں کرتا۔ اب یہ خط پہونچتے ہی تم عبدالرحمن کو
صرف ایک عبا دیکر اونٹ کی پیٹھ پر اس طرح کہ اوس پر کجاوہ بھی نہ ہو سوار
کر کے میرے پاس روانہ کر دو تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا بھگتے۔ وہ کہتے ہیں کہ
میں نے اونھیں اوسی طرح روانہ کر دیا۔ اور عبداللہ بن عمر کو وہ خط دکھایا۔

اور جواب میں لکھا کہ حدود عام طور پر میں اپنے مکان کے صحن میں ہی مارا کرتا ہوں۔ اسمیں اونکی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ جب عبدالرحمن عمر رضی اللہ عنہ کے روبرو آئے اس حالت میں کہ اون پر صرف ایک عبا تھا اور سواری کی تکلیف کی وجہ سے چل نہیں سکتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے آتے ہی اون کو مارنا شروع کیا۔ ہرچند عبدالرحمن بن عوف نے بہت کچھ کہا کہ امیرالمومنین ایکبار حد اون پر جاری ہو چکی ہے دوبارہ یہ حد مارنا کیسا؟ مگر کچھ التفات نہ کیا اور عبدالرحمن چیخ چیخ کر کہتے تھے کہ حضرت میں بیمار ہوں کیا آپ مجھے قتل ہی کر ڈالو گے۔ مگر آپ نے کچھ توجہ نہ کی۔ اور پوری حد مار کے قید کر دیا۔ اس کے بعد وہ بیمار ہوئے اور انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ تو صحیح ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عبدالرحمن کو دوبارہ حد ماری اور قید کر دیا۔ مگر یہ جو لوگوں کا خیال ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے دُرّوں سے وہ مرے سو وہ غلط ہے۔ کیونکہ قید سے رہائی کے بعد ایک مہینہ تندرست رہے اوس کے بعد دوسری بیماری سے اونکا انتقال ہوا۔ انتہی بہرحال عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند پر ضرورت سے زیادہ سختی ضرور کی مگر یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا اون کو مہربدری نہ تھی؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ دوبارہ حد مارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اگر عقل معاد سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ کمال مہربدری سے یہ کام کیا گیا۔ اسواسطے حق تعالی فرماتا ہے

یا ایّھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا یعنے اے مسلمانو اپنی ذاتوں کو اور اپنی اہل کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ معمولی حد حرکات ناشائستہ سے روک نہیں سکتی۔ اسی وجہ سے رات کو وہ شراب پیکر صبح ہی بطوع و رغبت از خود حد جاری کرانے چلے گئے۔ جب اون کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس قسم کے ناجائز حرکات صادر ہو جائیں تو ایسی سخت سزائیں بھگتنی پڑیں گی تو ممکن نہیں کہ شہوات نفسانیہ اس خوف کے مقابلہ اون پر غلبہ کریں۔ غرض کہ آپنے دیکھا کہ اپنے اہل کو دوزخ سے بچانے کا کوئی طریقہ اس سختی سے بہتر نہیں۔ اس لئے مکرر سخت سزا دی۔ اب کہئے کہ یہ اذیت خیر خواہی تھی یا بدخواہی۔ اس سے یہ بات بھی بشرط تعمق نظر ثابت ہو سکتی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عموماً جو سختی کا اصول اختیار فرمایا تھا۔ اوسمیں سب کی خیر خواہی ملحوظ تھی۔ چنانچہ تمام ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ کہ کوئی کسی پر ظلم و تعدی نہیں کر سکتا تھا جس سے مظلوم دنیوی مصائب سے بچے اور ظالم اخروی عذابوں سے محفوظ رہے۔

بعدل ار بگیرد و داد آوری	دگر نا ید از سروران خود سری
بہ آسائش و امن خلق خدا	کند حاصل از زندگی نفعہا

صرف اس سے ظلم کا انسداد نہ ہوا۔ بلکہ ہر شخص پر آپ کی ایسی ہیبت طاری تھی جو ہر قسم کے ممنوعات کروہات سے بچانے کا اعلیٰ درجہ کا ذریعہ تھا۔ چنانچہ

ناسخ التواریخ صفحہ ۲۱۸ جلد دوم میں لکھا ہے کہ عرب میں یہ ضرب المثل مشہور ہو گئی تھی درۃ عمر اھیب من سیف الحجاج یعنے عمر رضی اللہ عنہ کا درہ حجاج کی تلوار سے بھی زیادہ ہیبت دار ہے۔

ہر چند بعض لوگ عمر رضی اللہ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ وہ فظ غلیظ القلب تھے مگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو یہ الزام اون پر عائد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اگر یہ انکی طبعی صفت ہوتی تو ہر موقع میں اوس کا ظہور برابر ہوتا۔ حالانکہ متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ حق بات کے مقابلہ میں وہ معترف قصور اور نادم ہو جاتے تھے۔ جس سے ظاہر ہے کہ شریعت کا غلبہ آپ پر اسقدر تھا کہ نفسانیت نام کو نہ تھی اور دوست دشمن یکساں تھے۔ نہ بیٹے پر رحم تھا نہ دشمن پر غضب اگر غضب ہے تو خدا کیلئے اور رحم ہے تو خدا کیلئے۔ آپ کی یہ حالت تھی ؎

تا ز فیضش بہ رہ عشق قدم بنہادم	رستم از خویش و ز فرزند و پدر آزادم

یہی وجہ تھی کہ علی کرم اللہ وجہہ آپ کے مداح تھے۔ چنانچہ ناسخ التواریخ صفحہ ۵۱۲ جلد دوم میں لکھا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن عامر کو جو حکومت دی ہے اوس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اس قسم کے لوگوں کو حکومت دی تھی آپ نے کہا عمر رضی اللہ عنہ نے جس کو امارت دی اگر وہ خلاف عدل کوئی کام کرتا تو اوسکو ضرور سزا دیتے۔ اور عذاب عقوبت سے ہرگز معاف نہیں

کرتے تھے اور آپ کا یہ حال ہے کہ اپنے قرابت داروں کی رعایت
کرتے ہو۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے
معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کی حکومت دی تھی۔ علی کرم اللہ وجہہ نے کہا
اے عثمان! میں آپ کو قسم دیکر پوچھتا ہوں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں؟
کہ معاویہ عمر رضی اللہ عنہ سے کیسا ڈرتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا غلام یرفا
اون سے جتنا ڈرتا تھا اوس سے بھی زیادہ معاویہ اون سے ڈرتے تھے
اور اب معاویہ کا یہ حال ہے کہ جس پر چاہتے ہیں ظلم و زیادتی کرتے ہیں
اور یہ کہتے ہیں کہ میں نے عثمان رضؓ کے حکم سے کیا۔
ناسخ التواریخ صفحہ ۳۴ جلد دوم میں لکھا ہے کہ جب ملک شام خالد
بن ولید رضی اللہ عنہ کی جاں بازیوں سے فتح ہوا اور لوگ اون کو مبارکباد
دینے لگے۔ اور ہر طرف اونکی شجاعت کے چرچے ہونے لگے۔ عمر رضی اللہ عنہ
کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں وہ ملک کے مالک نہ بن بیٹھیں۔ اور سابق سے
بھی دلوں میں صفائی نہ تھی۔ اس لئے قابو جو تھے کہ ذرا بھی موقع مل جائے
تو اون کو معزول کر دیں۔ اس اثنا میں ایک شاعر نے اونکی مدح میں ایک
قصیدہ لکھا۔ اور اوہنوں نے اوس کے صلہ میں دس ہزار درہم دیئے
یہ کیفیت معلوم ہوتے ہی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ تم اونکو قنسرین
سے جہاں کے وہ حاکم تھے اپنے پاس حمص میں طلب کرو۔ اور ایک عام

جلسہ کرکے اون کو کھڑے کرکے اظہار لو۔ کہ یہ دس ہزار درہم جو شاعر کو دئیے گئے تم کہاں سے لائے۔ اگر جواب دینے میں تاخیر کریں تو اونکی ٹوپی اُتار لیجائے اور انہی کا عمامہ اون کے گلے میں ڈالکر ایک شخص اونکو پکڑا رہے۔ اوس وقت تک کہ اظہار دیں۔ پھر اگر کہیں کہ وہ مال غنیمت کا تھا تو اون سے دس ہزار درہم وصول کرکے بیت المال میں داخل کردو۔ اور اگر کہیں کہ اپنا ذاتی تھا تو اونکا اسراف اون کے اعتراف سے ثابت ہوجائیگا۔ جس کی نسبت حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ اوس وقت اونکو میرے پاس روانہ کردو کہ انحراف کی سزا اونہیں دی جائے۔ یہ خط ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہونچتے ہی اونہوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو قنسرین سے طلب کیا۔ جب وہ آئے تو تمام لشکر کی صف بندی کرکے اون کو کھڑا کیا۔ اور پہلے عمر رضی اللہ عنہ کا حکمنامہ سنایا۔ اوس کے بعد اون سے پوچھا کہ تمنے دس ہزار درہم جو شاعر کو دئیے وہ کہاں سے لائے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جواب میں تامل کیا۔ فوراً بلال رضی اللہ عنہ نے اٹھکر اون کے سر سے ٹوپی آتاری اور اونہیں کا عمامہ اونکے گلے میں ڈالکر یہ کہتے ہوئے کھینچنے لگے کہ جبتک تم جواب نہ دوگے تمھیں ہرگز نہ چھوڑونگا۔ خالد رضی اللہ عنہ اوسی حالت میں دیر تک ساکت کھڑے رہے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے خالد! کچھ تو کہو خاموشی کبتک۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا وہ درہم میرے ذاتی تھے

اوس وقت بلال رضی اللہ عنہ نے اون کو چھوڑ کر ٹوپی دیدی۔ اور ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اون کو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مدینہ طیبہ کو روانہ کردیا جب وہ دار الخلافت میں پہونچے عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے خالد! تم نے اتنا مال کہاں سے جمع کیا۔ کہ ایک شخص کو ایک قصیدہ کے صلہ میں دس ہزار درہم دیدیے۔ کہا وہ مال حلال تھا جو اپنے قوت بازو اور زور شمشیر سے میں نے حاصل کیا تھا۔ جس طرح دوسرے سپاہیوں نے بھی حاصل کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اونکا کل مال تولا جائے چنانچہ اسی ہزار درہم نکلے فرمایا بیس ہزار درہم بیت المال میں داخل کرلئے جائیں اور باقی مال اون کو دیدیا۔ اس پر لوگ بہت رنجیدہ ہوئے۔ اور کہا کہ یہ کام حسد سے کیا گیا۔ کہ اون کے ہاتھ پر اتنے فتوحات ہوئے۔ عمر رضی اللہ نے ایک روز خطبہ میں کہا۔ اے لوگو! یہ خیال مت کرو کہ میں خالد پر خفا ہوں۔ اصل یہ ہے کہ جب فتوحات اون کے ہاتھ پر ہونے لگے لوگ اون پر شیفتہ ہوگئے اور کہنے لگے کہ یہ فتوحات صرف اونکی جواں مردی اور اون کی تدبیر سے ہوئے اور خدا سے لوگ بالکل غافل ہوگئے۔ اس لئے میں نے خالد کو ذلیل کیا تاکہ لوگ خدائے تعالیٰ کو نہ بھولیں اور نصرت اوسی سے طلب کریں انتہی

یہ واقعہ مولانا شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفا اور علامہ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ کامل میں لکھا ہے۔ مگر فرق اتنا ہے کہ مصنف

ناسخ التواریخ نے اپنے اجتہاد سے اوس کی وجہ قائم کی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے حسد اور بغض سے یہ کام کیا اور عمر رضی اللہ عنہ نے جو وجہ بیان کی اوس کو نظر انداز کر دیا۔ بہرحال اسمیں شک نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے ظاہراً یہ ایسی حرکت کی کہ کوئی عاقل نہیں کر سکتا۔ کیونکہ خالد رضی اللہ عنہ کی شجاعت غیرت حمیت جن کا حال سب جانتے ہیں۔ اور آئندہ اس رسالہ میں بھی کچھ لکھا جائے گا۔ ہرگز اس کے متحمل نہیں ہو سکتی۔ کہ تمام فوج اسلامی میں جو اون کی ماتحتی میں کام کر چکی تھی اسقدر بے عزتی کی جائے وہ تو خالد بن ولید سیف اللہ تھے جن کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا۔ کسی ادنی آدمی کا نفس بھی اس قسم کی ذلت گوارا نہیں کر سکتا۔ عزت دار لوگ اپنی آبرو کے مقابلہ میں جان کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ اور حدیث شریف سے بھی اون کو لڑنے اور جان دینے کی اجازت تھی۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے من قتل دون ماله وعرضه وهو شهيد یعنے جو شخص اپنی آبرو کے لئے مارا جائے وہ شہید ہے۔ اگر وہ بے عزتی قبول نہ کرکے دست بہ شمشیر ہو جاتے تو ابو عبیدہ اور بلال رضی اللہ عنہما کی مجال نہ تھی کہ اون کے مقابلہ میں حرکت کر سکتے۔

پھر بہ فحوائے کلام صاحب ناسخ التواریخ سب مسلمان بھی آپ ہی کے طرفدار تھے۔ جو کہتے تھے کہ یہ کام حسد سے کیا گیا۔ پھر خود لشکر میں اون کے

قبیلہ کے لوگ اور دوست بہت سے موجود تھے۔ جو اون کے ساتھ ایک ایک شخص ہزار ہزار کے مقابلہ میں جاتا تھا۔

غرض کہ یہ کام ایسے فتنہ کا محرک تھا کہ مسلمان اوس سے تہلکہ میں پڑ جاتے مگر سبحان اللہ باوجود اتنے اسباب کے ایک ضعیف القویٰ شخص بلال رضی اللہ عنہ نے سرمجلس ہزارہا کے مجمع میں اونکی ٹوپی اوتار لی۔ اور گلے میں رسی باندھکر سخت توہین کی اور ناشائستہ الفاظ کہے مگر کسی نے دم نہ مارا۔ الفاروق میں مولوی شبلی صاحب نے لکھا ہے کہ اوس وقت خالد رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے مجھکو شام کا افسر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کرلیا تو مجھکو معزول کردیا۔ اس فقرہ پر ایک سپاہی اوٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار! چپ رہو ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں لیکن عمر رضی اللہ عنہ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ کس چیز نے خالد رضی اللہ عنہ کو اس موقع میں کوہ تمکین بنا دیا تھا کیونکہ سیف اللہ کی نسبت جُبن کا تو احتمال ہی نہیں ہو سکتا۔ معمولی عقلیں ہرگز اس کا واقعی سبب نہیں تبلا سکتیں۔ کیونکہ وجدانیات سے وجدان جبتک آشنا نہو نہیں معلوم ہو سکتیں۔ اگر ہیجڑے سے جماع کی لذت پوچھی جائے تو وہ ہرگز نہیں تبلا سکتا۔ بلکہ کہنے کے بعد بھی اوس کی تصدیق نہ کریگا۔

البتہ مرد بالغ اوس کی حقیقت جانتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ بالغ العقل ہیں اور عقل معاد رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ خالد رضی اللہ عنہ کے دل پر اوس وقت کس چیز کا اثر اور استیلا تھا جس نے شجاعت اور حمیت کو حرکت کرنے سے روکدیا۔ سب سے قوی اور بڑا سبب ایمان اور خدا و رسول کے حکم کی اطاعت تھی۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے واطیعوا اللہ ورسولہ ولاتنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا ان اللہ مع الصابرین۔ یعنے خدا و رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا مت کرو ورنہ بُزدل ہوجاؤ گے اور بھاری ہوا جاتی رہے۔ اور صبر کرو یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ انتہیٰ۔ خالد رضی اللہ عنہ اوس وقت اس آیت شریف کے مراقبہ میں مشغول تھے۔ اور خدائے تعالیٰ سے مدد مانگ رہے تھے۔ کہ الٰہی اس موقع میں صبر عطا فرما۔ ایسا نہ ہو کہ بمقتضائے طبیعت و بشریت امیرالمومنین کے حکم کے مقابلہ میں کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہوجائے جس سے منازعت باہمی پیدا ہو۔ اور اوس کا نتیجہ یہ ہو کہ مسلمانوں کی ہوا بگڑ جائے۔ اور یہ کی کرائی محنت اکارت جائے دیر تک جو سکوت تھا وہ آیۃ موصوفہ کا مراقبہ تھا۔ مگر جو لوگ اس کوچے کے نہیں وہ کیا جانیں اونکو تو مراقبہ کے نام سے وحشت ہوگی اور فرماویں گے کہ یہ کیا لکھ دیا۔ خالد اور مراقبہ وہ تو مرد میداں تھے۔ مراقبہ خانقاہوں میں رہنے والے صوفیوں کا کام ہے

فی الحقیقت یہ لفظ صوفیہ کے بول چال میں مستعمل ہے اور انہی کی اصطلاح ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہر قوم اور ہر علم وصنعت وحرفت میں خاص خاص اصطلاحیں ہوا کرتی ہیں۔ صوفیہؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے افعال واقوال واحوال واعمال قلبیہ پر غور کرکے ہر ایک کے مقابلہ میں ایک ایک لفظ کو جو اوس معنی پر دال تھا خاص کر دیا۔ تاکہ بول چال میں سہولت ہو اور فہم معنی میں غور وتامل کی ضرورت نہ ہو۔ خالد رضی اللہ عنہ تو ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ ہر مسلمان جو لکھا پڑھا اور قرآن وحدیث کو سمجھتا ہے خاص خاص موقع میں کسی نہ کسی آیت پر ضرور غور کرتا ہے اسی کا نام مراقبہ ہے۔ غرض کہ کسی خاص مضمون پر آدمی پوری توجہ اور غور کرے تو اوس کو اصطلاح صوفیہ میں مراقبہ کہتے ہیں۔ بشرطیکہ دین سے اوسکو لگاؤ ہو اب کہئے اگر خالد رضی اللہ عنہ نے مراقبہ کیا تو کونسی تعجب کی بات ہوئی اس قسم کے مراقبے تمام صحابہ کیا کرتے تھے۔ جس کا حال ہم نے مقاصد الاسلام کے حصہ دوم میں لکھا ہے۔ اگر تھوڑی تکلیف گوارا کرکے اوس کو مطالعہ فرمالیں تو یہاں کا مضمون آسانی سے سمجھ میں آجائیگا۔ ماحصل اوس کا یہ ہے کہ یہ حضرات ہمیشہ کسی نہ کسی مراقبہ میں رہا کرتے تھے ؎

درخلوت وجلوت زتو گفتیم وشنیدیم	خالی نبود از تو دمے انجمن ما

دوسرا سبب یہ تھا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر انہوں نے روحانی بیعت

کرلی تھی کیونکہ عمر رضی اللہ عنہ جب مسند خلافت پر متمکن ہوئے خالد رضی اللہ عنہ دار الخلافت میں نہ تھے اس لئے انہیں مشافہتہ بیعت کرنیکا موقع نہیں ملا تھا اور جب خلیفۂ وقت کی خلافت تسلیم کرلیگئی تو وہی حکماً بیعت ہوگئی بہرحال معنوی اور روحانی بیعت ہوچکی تھی اور بیعت سے پھر جانا نہایت مذموم ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم فمن نکث فانما ینکث علی نفسہٖ ومن اوفی بما عاھد علیہ اللہ فسیؤتیہ اجرا عظیما۔ یعنے جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ تمھارے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے۔ بلکہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ اللہ کا ہاتھ اون کے ہاتھ پر ہے۔ پھر جو کوئی بیعت توڑ دے اوس نے اپنا ہی نقصان کیا۔ اور جس نے وہ معاہدہ پورا کیا جو خدا کے ساتھ کیا تھا تو ہم اوس کو بڑا ہی اجر عنایت کرینگے۔ انتہی

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص کسی چیز کو کسی کے ہاتھ بیچتا ہے تو پہلے اوس چیز کی قیمت مقرر کی جاتی۔ اوس کے بعد بیچنے والا کہتا ہے کہ میں نے اس قیمت پر اس چیز کو بیچا اور خرید کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے اوسے خرید لیا۔ اوس کے بعد ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے۔ یہ علامت اس بات کی تھی کہ طرفین سے معاہدہ ہوا۔ اور یہ معاہدہ اور وعدہ مکمل ہوگیا۔ اور طرفین سے کوئی وعدہ خلافی نہ کریگا۔ نہ بائع چیز دینے

انکار کرے گا۔ نہ مشتری قیمت ادا کرنے سے۔ یہ عام دستور تھا کہ جس وعدہ کو مستحکم کرنا منظور رہتا تو ہاتھ میں ہاتھ ملا کر وہ وعدہ کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اس حدیث شریف سے ظاہر ہے۔ عدۃ المومن کاخذ الکف یعنے مسلمان کا وعدہ ہاتھ میں ہاتھ ملانے سے کم نہیں۔ اس لئے بیع میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا۔ کہ طرفین سے جو وعدۂ خرید و فروخت ہوا ہے وہ ضرور پورا کیا جائیگا اسی ہاتھ میں ہاتھ ملانے کا نام بیعت ہے۔ چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے البیعۃ الصفقۃ علی ایجاب البیع اور صفقہ کے معنی منتہی الارب میں لکھا ہے یک بار دست زدن در بیع۔ غرضکہ لفظ بیعت عرب میں بیع و شری کے موقع میں مستعمل تھا۔ اوسی بنا پر حق تعالیٰ بیعت اسلامی میں بھی یہی طریقہ اختیار فرمایا۔ اس آیۃ شریف سے صرف اسی قدر معلوم ہوا کہ مسلمان بیعت کیا کرتے تھے۔ یعنے کسی چیز کو بیچتے۔ اور ہاتھ میں ہاتھ ملا کر اوس کو موکد کرتے تھے مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ بائع کون ہے۔ اور مشتری کون اور کس چیز کو بیچتے تھے سو اوس کا ذکر دوسری آیۃ شریف میں ہے۔ جو ارشاد ہے۔ ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ۔ یعنے خدا نے مسلمانوں کی جان و مال کو جنت کے بدلے خرید لیا۔ انتہیٰ

اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان بائع ہیں اور خدائے تعالیٰ مشتری اور اونکی جان و مال مبیع اور جنت قیمت ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احکام الٰہی مسلمانوں کو پہونچا دیئے۔ اور یہ بھی معلوم کرا دیا کہ اگر تم یہ سب کام کروگے تو خدائے تعالیٰ تمھیں جنت دیگا تو مسلمانوں نے بصدق دل اوس کو قبول کر لیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری ذاتوں میں اور مالوں میں جو تصرف خدائے تعالیٰ نے کیا ہے۔ کہ فلاں کام اپنے اعضا سے کرو۔ اور فلاں مت کرو۔ اور مال فلاں امور میں خرچو اور فلاں میں مت خرچو سب ہمیں قبول ہے۔ ہم یہ نہ کہیں گے کہ ہمارے مال میں یہ تصرف کیوں کیا جاتا ہے کہ اوسمیں سے ایک حصہ خدا کی راہ میں دیں۔ یا اسراف نہ کریں۔ اور ہمارے نفوس میں یہ تصرف کیوں کیا جاتا ہے کہ اپنی خواہشوں کو روکیں اور مثلاً حسد و بغض وغیرہ سے احتراز کریں۔ غرضکہ حق تعالیٰ نے جتنے خواہشات و صفات آدمی میں پیدا کئے سب میں اپنا تصرف جاری فرمایا۔ مثلاً فلاں قسم کی بات کرو فلاں قسم کی بات نہ کرو۔ اسی طرح دیکھنے سننے کھانے پینے وغیرہ امور طبعیہ میں ایک ایک حد مقرر کردی۔ اور حکم دیا کہ انہیں امور میں اون کو استعمال کریں۔ جن کی اجازت ہے۔ اسی طرح کل خواہشوں سے متعلق احکام شرعیہ مقرر کئے اور نیز جتنے صفات پیدا کئے مثلاً سخاوت۔ شجاعت۔ دوستی۔ دشمنی وغیرہ سب میں ایک ایک حد مقرر کردی۔ مثلاً دوستی رکھو تو خدا کے واسطے۔ اور دشمنی رکھو تو خدا کے واسطے۔ علیٰ ہذا القیاس کل امور طبعیہ کا حال یہی ہے

کہ مطلق العنانی کے ساتھ مسلمان کوئی کام نہیں کرسکتا۔ ہر کام میں جو طریقہ بتایا گیا اوسی طریقہ پر وہ کام کرنا چاہیئے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اب نہ اونکے نفوس اون کے ہیں نہ اون کے اموال۔ بلکہ وہ سب اون کے پاس امانت ہیں جس طرح امانتی چیزوں کو آدمی خود مختاری سے اپنے خواہشوں میں استعمال نہیں کرسکتا بلکہ انہی کاموں میں استعمال کرسکتا ہے جنکی اجازت مالک نے دی ہو اسی طرح مسلمان ہاتھوں سے مثلاً کام لیں تو وہی جنکی اجازت ہی۔ پاوں سے کام لیکر کہیں جائیں تو وہیں جہاں جانیکی اجازت ہے۔ آنکھوں سے کام لینا چاہیں تو وہی چیزیں دیکھیں جن کے دیکھنے کی اجازت ہے۔ کانوں سے سننا چاہیں تو وہی باتیں سنیں جن کے سننے کی اجازت ہے۔ خیال سے کام لینا چاہیں تو وہی خیال کریں جو منع نہیں۔ جان دینا چاہیں تو اوسی موقع میں جہاں جان دینے کی اجازت ہے۔

الحاصل ان احکامات کے مقرر کرنے سے ثابت ہو گیا کہ جان و مال سب خدا کی ملک ہیں ہمارے اختیار میں صرف بطور امانت دیئے گئے ہیں نہ جان پر ہمارا خود مختارانہ تصرف رہا نہ اعضا پر نہ مال پر۔ جب ان باتوں کو مسلمانوں نے قبول کرلیا تو گویا یہ کہدیا کہ ہم نے اپنا جان و مال جنت کے معاوضہ میں خدا کے ہاتھ بیچ دیا۔ اس کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہی

ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ط

یعنے تمنے اگر جان و مال کو بیچڈالا تو ہمنے بھی بمعاوضہ جنت خرید لیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسلمان بائع ہیں۔ اور خدائے تعالیٰ مشتری۔ اور جان و مال مبیع ہیں اور جنت اونکی قیمت۔ جب یہ قرار طرفین سے ہوچکا تو حسب عادت صفقہ اور بیعت یعنے ہاتھ میں ہاتھ ملانے کی ضرورت ہوئی تاکہ بیع و شرا پوری اور حتمی وعدہ ہو جائے۔ اب مسلمان تو اس صفقہ کے لئے ہاتھ بڑھا سکتے ہیں مگر خدائے تعالیٰ کی شان نہیں کہ اپنا ہاتھ اون کے ہاتھ پر رکھے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو ہمارا ہاتھ سمجھ لو۔ اور اون کی بیعت کو ہماری بیعت چنانچہ ارشاد ہے ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ یعنے اے نبی جو لوگ ظاہراً آپ کے ہاتھ میں ہاتھ ملاتے ہیں وہ آپکا ہاتھ نہیں ہمارا ہاتھ ہے۔ ید اللہ فوق ایدیھم کیونکہ پیشتر ہی سے مبیع اور اوس کی قیمت کا تصفیہ ہوچکا ہے۔ اب اگر کوئی اس بیعت کو توڑ دے اور اپنی جان و مال میں اپنی ذاتی خواہش اور خود مختارانہ تصرف کرنے لگے۔ اور یہ بھول جائے کہ وہ بطور امانت ہمارے پاس ہیں تو اوس کا نقصان اوسی کو ہوگا کہ ہم بھی قیمت یعنے جنت نہ دیں گے۔ کما قال فمن نکث فانما ینکث علی نفسہٖ اور جو شخص اوس وعدہ کو جو ہاتھ میں ہاتھ دیکر کیا تھا جس سے تکمیل بیع ہوچکی تھی پورا کرے تو ہم اوس کو اجر عظیم دیں گے کما قال اللہ تعالیٰ ومن اوفی بما عاھد علیہُ اللہ فسیؤتیہ اجرا عظیما ۔

آیۂ موصوفہ سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے طرف سے بعیت کرنے والوں کے ہاتھ میں ہاتھ ملاتے تھے۔ اور آپ کا ہاتھ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ مقصود تھا کہ خدائے تعالیٰ وعدہ کرتا ہے کہ تم نے اپنے جان و مال کو خدا کے ہاتھ بیچدیا تو خدا تعالیٰ بھی اوسکی قیمت ادا کردیگا یعنے جنت دیگا۔ ظاہراً اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بعیت خاص ہوگی کیونکہ یبایعونك کا خطاب خاص حضرت سے ہے۔ اور یہ تشریف کہ آپکا ہاتھ خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ہے حضرت ہی کے لئے زیبا ہے مگر جب خلفائے راشدین نے بھی بعیت لی۔ اور اوس سے بھی یہی مقصود تھا کہ اہل اسلام معاہدہ پر قائم رہیں۔ اور خدائے تعالیٰ کے طرف سے خلفائے کرام وعدہ کرکے اوس بیع و شراء کو مستحکم کریں تو اس سے معلوم ہوا کہ ید اللہ فوق ایدیھم بھی وہاں صادق ہے اس لئے کہ یہ بیع و شرا کوئی نئی نہیں۔ مبیع وہی جان و مال ہیں۔ اور قیمت وہی جنت۔ کیونکہ ان حضرات کا مقصود اس بعیت سے یہی تھا کہ مسلمان خدا و رسول کی اطاعت کریں۔ پھر جب دنیادار بادشاہ بھی بعیت لینے لگے اور اس سے اونکا مقصود اسی قدر تھا کہ ہمکو مستقل بادشاہ مانو۔ اور ہماری اطاعت کرو۔ خواہ موافق شریعت حکم دیں یا مخالف ورنہ ہم تمھیں قتل کرڈالیں گے تو یہ بعیت وہ نہ رہی۔ جسمیں جان و مال کے معاوضہ میں

جنت تھی - اسوجہ سے یہاں ید اللہ فوق ایدیھم صادق نہیں آسکتا چونکہ وہ بیعت جو سنت نبوی تھی اوس زمانہ میں فوت ہونے لگی تو بزرگان دین نے اوس بیعت کا طریقہ جاری کردیا - اور اپنے مریدوں کو تلقین کی - کہ اپنی جان و مال خدا کے ہاتھ بیچدو - یعنے احکام الہٰی کی تعمیل کرو تو تمہیں خدا تعالےٰ جنت دیگا - جب اونہوں نے قبول کرکے بیعت کی یعنے ہاتھ میں ہاتھ ملایا اور ان حضرات نے بھی خدا کی طرف سے ہاتھ میں ہاتھ ملایا تو وہ اصلی بیعت پوری ہوگئی - اب اگر کوئی بیعت کے وقت ان امور کا لحاظ نہ رکھے اور وہ غرض جس کے لئے بیعت موضوع تھی فوت ہوجائے تو وہ بیعت بھی مثل بیعتِ سلاطین ہوجاے گی جس کو دین سے کوئی تعلق نہیں اس سے ظاہر ہے کہ اگر کوئی پیرجی اپنے مریدوں کو احکام شرع شریف ادا کرنے سے روکیں یا توجہ نہ دلائیں - اور یہ تلقین کریں کہ نماز روزہ حج و زکوٰۃ جو قرآن و حدیث و فقہ میں مذکور ہیں کوئی چیز نہیں بلکہ اونکا مطلب ہی کچھ اور ہے - اور ظاہر شریعت بیکار چیز ہے تو اس بیعت کو ہمارے نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے کوئی علاقہ نہیں اس لئے مسلمانوں کو مشائخین کے ہاتھ پر بیعت کرنیکے وقت یہ خیال کرنا ضرور ہے کہ ہم نے اپنی جان و مال کو خدا تعالےٰ کے ہاتھ بیچدیا ہے - اور پیر صاحب بھی یہی تعلیم و تلقین کریں کہ اب تمہیں ضرور ہے کہ ہر کام میں اپنی خواہشوں کو چھوڑکر خدا و رسول کی مرضی کے مطابق کام کیا کرو -

روض الریاحین میں امام یافعی رح نے لکھا ہے کہ عبدالواحد ابن زید رحم کہتے ہیں کہ ہم ایک روز اپنی مجلس میں بیٹھے ہوے تیاری جہاد میں مشغول تھے ایک شخص نے یہ آیت پڑھی- ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ ایک جوان لڑکا جس کی عمر ۱۵ سال کی ہو گی اوٹھا اور کہا اے عبدالواحد کیا اللہ تعالیٰ نے ہماری جان و مال کو جنت کی عوض میں خرید لیا- میں نے کہا ہاں- کہا میں آپ کو گواہ رکھتا ہوں- کہ میں نے اپنی جان و مال کو جنت کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچ دیا- میں نے کہا تلوار کی دھار بہت سخت ہوتی ہے- اور تم لڑکے ہو شاید صبر نہ کر سکو گے کہا کیا اب میں اس بیع کو چھوڑ سکتا ہوں- یہ ہرگز نہ ہو گا- غرض اوس لڑکے نے تمام مال جو اوسکی میراث میں ملا تھا خیرات کر کے آمادۂ سفر ہو گیا- جس روز ہم لوگ جہاد کے لئے نکلے وہ بھی گھوڑے پر سوار اور مسلح ہو کر ہمارے ساتھ ہو لیا- راستہ میں اوسکی یہ حالت تھی کہ دن کو روزہ رکھتا اور رات کو نماز پڑھتا اور ہماری حفاظت بھی کرتا- جب ہم دارالروم میں پہونچے- اور دشمن کا لشکر نمودار ہوا- اوس لڑکے نے لشکر کفار پر حملہ کر کے نو آدمیوں کو قتل کیا- اور خود بھی شہید ہو گیا- حالت نزع میں جب ہم اوس کے نزدیک پہونچے تو دیکھا کہ مارے خوشی کے اوس کی ہنسی تھم نہیں سکتی تھی- چنانچہ اوسی حالت میں اوس کا

انتقال ہوگیا انا للہ وانا الیہ راجعون سچی بیعت یہ تھی جس طرح صحابہ اپنی جان ومال سے اپنا تصرف اوٹھا لیتے تھے ان بزرگوار نے بھی ایسا ہی کیا بیعت یعنے بک جانا اور اوس کے لوازم پورے کرنا ایک سخت کام ہے اور اگر لوازم پورے نہ کئے جائیں یعنے اپنی خواہشوں کے مطابق کام کرنے لگیں تو بیعت توٹ جائے گی اولیاء اللہ کو درجہ ولایت وتقرب الٰہی اس وجہ سے حاصل ہوا اور ہوتا ہے کہ بیعت کو اونھوں نے پوری کی۔ اور کرتے رہتے ہیں۔ الحاصل خالد رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ پیر کامل یعنے خلیفہ وجانشین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ جب بیعت کی وہ خدا کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی۔ اس کے بعد اگر حمیت اور غیرت شجاعت وغیرہ سے اپنے نفسانی خواہش کے مطابق کام لیا جائے تو وہ بیعت توٹ جاتی ہے اور جب بیعت توٹ گئی تو قیمت یعنے جنت کا استحقاق باقی نہیں رہتا۔ اور عمر بھر کی جانفشانیاں اکارت جاتی ہیں۔ اس لئے اس ذلت پر صبر کرنا ان پر آسان ہوگیا ورنہ ممکن نہیں کہ فاتح عراق وشام ہزاروں ہم چشموں کے مجمع میں کھڑے رہکر اظہار دیں۔ اور ایک ضعیف آدمی ان کے گلے میں رسی ڈالکر کھینچے۔ اور ٹوپی سر سے اتار لے اور وہ دم نہ ماریں یہ صرف اسلام کی برکات ہیں جو نفسانی خواہشوں کو پامال کرکے مہذب بنا دیتا ہے۔

یہاں ایک بات اور معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ نے جو صحابہ کے حالات کی خبر دی ہے

والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم یعنے صحابہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں رحمدل۔ اس سے اس کیفیت کا مشاہدہ بھی ہوگیا عمر رضی اللہ عنہ نے جو اسراف کی سزا دی وہ بھی بجا تھی کیونکہ ان کو یہ کہنے کی مجال ہی نہ تھی کہ ہم اپنے مال کے مختار ہیں اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ وہ اب اپنا مال رہا ہی نہیں۔ وہ تو جنت کے معاوضہ میں بک گیا۔ جس کو خدا کے جانب سے خلیفہ برحق نے مول لے لیا اسی وجہ سے اونھوں نے قبول بھی کرلیا اس سے ظاہر ہے کہ پیر کامل کو اپنے مرید کے مال میں تصرف کرنے کا حق ہے جیسا کہ بعضے اولیاء اللہ سے مروی ہے۔ مگر یہ نہیں کہ خود غرضی سے تصرف کرے اسیو جہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے انکا مال بیت المال میں داخل کردیا جس سے عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی ذاتی فائدہ مقصود نہ تھا۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو اس ذلت کی حالت میں کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔ اس سے عقلا اندازہ کرسکتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کا انتظام پوری سلطنت میں کس قدر ہوگا۔ کیونکہ یہ اس وقت کہہ رہے ہیں کہ فتنہ پیدا ہونے کا ظن غالب ہوگیا تھا۔ کیونکہ ایسے شخص کو ذلیل کرنا جس کو موافق و مخالف نے بڑے بڑے سلطنت کا فاتح تسلیم کرلیا تھا۔ اور اس مقام میں کہہ رہے ہیں جو مدینہ منورہ سے صدہا کوس کے واقع ہے۔ یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ کو کیونکر معلوم ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ

کی خلافت میں فتنہ کا احتمال نہیں۔ حالانکہ ناسخ التواریخ سے معلوم ہوتا ہے
کہ عمر رضی اللہ عنہ کو لوگ فظ غلیظ القلب کہتے تھے اور وہ عام ناراضی کا
سبب ہوتا ہے جس کا ثبوت خود قرآن شریف سے ملتا ہے کہ حق تعالیٰ
نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا ولو کنت فظا غلیظ القلب
لانفضوا من حولک یعنے اگر آپ سخت گو اور سخت دل ہوتے تو لوگ
آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ پھر آپ کے کام بھی ایسے ہوتے تھے
جو دل شکنی کے اسباب ہیں۔ چنانچہ واقعات مذکورہ سے ظاہر ہے۔ پھر خالد
رضی اللہ عنہ نے جو کہا اسی کے موافق ظہور میں بھی آیا۔ اس لئے کہ آپکے
پورے زمانۂ خلافت میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا۔ حالانکہ آپکے زمانہ میں
کل وہ بہادران اسلام موجود تھے۔ جنھوں نے عرب عراق شام مصر وغیرہ
کو فتح کیا۔ اور بعد کی خلافتوں میں انہیں کے اکثر حضرات معرکوں میں شہید
ہوگئے۔ اور بعضے انتقال کر گئے۔ باوجود اس کے ان خلافتوں میں بہت سے
فتنے پیدا ہوئے۔ ان تمام امور پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ
نے یہ خیال کیا کہ اپنا دل جسمیں خوف و ہراس کا گذر ہی نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ
کے نام سے گھبراتا ہے اور ہیبت و رعب اسقدر طاری ہوتا ہے کہ بات کرنی
مشکل ہو جاتی ہے تو اس سے وہ سمجھ گئے کہ اسمیں عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کو
کوئی دخل نہیں۔ یہ صرف ہیبت حق ہے۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست	ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

اس پر انھوں نے قیاس کیا کہ آپ کے خلافت میں ممکن نہیں کہ کوئی فتنہ پرداز سر اوٹھا سکے۔ یہ بات تو قرآن شریف سے بھی ثابت ہے۔ جو حق تعالیٰ فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ یعنے جب اے نبی تم نے بدر کی لڑائی میں ایک مٹھی کنکریاں کفار پر پھینک ماریں وہ تم نے نہیں پھینکا۔ اللہ نے پھینکا۔ ہر چند کنکریوں کو پھینکنا یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا۔ مگر حق تعالیٰ وہ فعل اپنے طرف منسوب فرماتا ہے اور اسکی تصدیق بھی اس طرح ہو گئی کہ ایک مٹھی کنکریاں تمام لشکر کفار کے آنکھوں میں لگیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل برائے نام تھا۔ در اصل وہ فعل الٰہی تھا۔ اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ کے افعال ہی سمجھے جاتے تھے۔ کیونکہ باوجود اس تذلیل و توہین کے شجاعان عرب میں سے کسی نے آنکھ اوٹھا کر نہیں دیکھا۔ کیا وہ تاثیر بندوں کے فعل میں ہو سکتی ہے۔ یہ اللہ کے ہی فعل کی شان ہے۔ کہ سب کو مقہور اور مسخر بنا دے کیوں نہ ہو عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ جانشین اور ظل اللہ تھے۔ اسی وجہ سے انکو اس قسم کے حکم کرنے میں تامل نہیں ہوتا تھا

نائب حق آں عمر بے قال و قیل	کار پیغمبر کند بے جبرئیل

اسوقت وہ مغلوب الحال ہو جاتے تھے۔ چونکہ یہ امور اسرار الٰہی ہیں۔

اولیاء اللہ کی کتابوں میں انکا مفصل حال معلوم ہوسکتا ہے۔ ہمیں یہاں اسی قدر بتلانا منظور ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی وہ ہیبت تمام مسلمان و کفار کے دلوں میں تھی جس کا منشا ایک غیر معمولی قوت تھی۔

ناسخ التواریخ کے جلد دوم صہ ۳۹۱ میں لکھا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کو کسی نے خبر دی کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بے حساب مال جمع کر لیا ہے آپ نے ان کو خط لکھا کہ اتنا مال تمہارے پاس کہاں سے آگیا۔ انھوں نے لکھا کہ ایسے ملکوں میں ہم نے جہاد کیا جہاں بے انتہا نعمتیں تھیں۔ ان کو فتح کرکے غنیمتیں حاصل کیں۔ یہ مال غنیمت ہے مال خیانت نہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان باتوں سے مجھے کوئی کام نہیں۔ محمد بن سلمہ کو میں نے بھیجا ہے جتنا تمھارا مال ہے اس کا آدھا بیت المال میں داخل کردو انھوں نے آدھا مال داخل کردیا انتہیٰ۔ اگرچہ صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے کہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مال داخل تو کردیا مگر عمر رضی اللہ عنہ پر محمد بن سلمہ کے روبرو بہت کچھ لعن وطعن کیا۔

قرائن سے یہ بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔ اس لئے کہ مال جان سے زیادہ عزیز نہیں ہوا کرتا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی کہ عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر ایسے مواقع مہلکہ میں داخل ہوجاتے تھے کہ ان کے خطر جاں ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہوسکتا جیسا کہ شام و مصر

کے معرکوں سے واضح ہے۔ اور اس پر کبھی لعن وطعن نہیں کیا۔ پھر یہ کیونکر
خیال کیا جائے کہ آدھا مال داخل بیت المال کرنے پر انھوں نے لعن
وطعن کیا ہوگا۔ اسمیں شک نہیں کہ مال جانے کا صدمہ آدمی پر ہوتا ہے
مگر جب صدہا نظیریں ہمارے روبرو ہیں کہ صحابہ کی حالت ہی جدا تھی۔
انکی عقلیں ہی دوسری قسم کی ہوگئی تھیں جن کا سمجھنا ہماری عقلوں سے
دشوار ہے تو اب ہم اپنے حالات پر ان کے حالات کو کیونکر قیاس کر سکیں
جس طرح انھوں نے اپنی جان کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا تھا۔ اسیطرح
اگر مال کو بھی ایک قسم کا وقف کر دیا ہو تو کیا تعجب۔ عمرو بن عاص جانتے تھے
کہ عمر رضی اللہ عنہ نے وہ مال خود بھی نہیں لیا بلکہ بیت المال میں داخل کرنیکو کہا
اور بیت المال اسلام کی تائید کے لئے مقرر ہے تو کیا تعجب کہ وہ نہایت
خوشی سے دیئے ہوں۔ کیونکہ تائید اسلام تو ان حضرات کی فطرت میں داخل
ہوگئی تھی۔ اس وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے بھی جرأت سے حکم دیدیا کہ
آدھا مال بیت المال میں داخل کردو۔ ورنہ قاعدہ شرعی یا عقلی کے رو سے
ان پر جبر ہو نہیں سکتا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ ایک صوفی شخص تھے۔ ان کے
نزدیک مال کی کوئی وقعت نہ تھی۔ چنانچہ ناسخ التواریخ جلد دوم ص ۴۰۹
میں لکھا ہے کہ جب نہاوند فتح ہوا تو ایک شخص سائب رضی اللہ عنہ کے پاس
آکر پوچھا۔ کیا آپ بادشاہ عرب کی طرف سے غنیمتوں پر مقرر ہیں۔ کہا ہاں

کہا اگر آپ مجھے اور میرے اہل وعیال اور قبیلے کو امن دیتے ہو تو گنج بحیرجان
آپ کو بتاتا ہوں۔ آپ نے کہا میں کیا جانوں اس خزانہ میں اسقدر روپیہ
ہے یا نہیں۔ کہ اس کے معاوضہ میں ایک قبیلے کو امن دیا جائے اس نے
واقعہ بیان کیا کہ (یزدجرد) بادشاہ عجم (بحیرجان) کی عورت پر عاشق ہوا جو
اس کا وزیر تھا۔ اور نہایت بیش بہا جواہرا اور بہت سا مال اپنی معشوقہ
کے معاوضہ میں دیکر بحیرجان سے اوس کو طلاق دلوائی۔ بحیرجان اس
لڑائی میں مارا گیا۔ اب وہ خزانہ جہاں مخزون ہے میں جانتا ہوں بشرط
امن آپ کو میں دکھلا دیتا ہوں۔ سائب رضی اللہ عنہ اسکو اور اوس کے
لوگوں کو امن دیکر تن تنہا اس کے ہمراہ اس خزانہ پر گئے اور اسکو نکالکر چھپا رکھا
جب غنائم تقسیم ہوئے تو خمس غنیمت لیکر عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے
جب آپنے مسجد میں جاکر کل مال غنیمت تقسیم کردیا۔ اسوقت سائب رضی اللہ عنہ
نے عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں اسکی حقیقت بیان کی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے
اسی وقت جواہر کا صندوق منگوا کر حضرت علی۔ عثمان۔ طلحہ اور زبیر رضی اللہ
عنہم سے فرمایا کہ اپنی مہریں اسپر کردو۔ اور سائب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ
واپس جاؤ۔ اور بصرہ یا کوفہ میں جہاں لشکر ہو یہ جواہر بیچکر اسکی قیمت
اہل لشکر کو تقسیم کردو۔ پھر ان سے کہا کہ اے سائب تمھیں ایسی کیا ضرورت
تھی کہ مجھے دوزخ میں ڈالنے کی فکر کی۔ غرض وہ جواہر بیچکر اسکی قیمت لشکر

میں تقسیم کی گئی۔ باوجودیکہ آدھی قیمت پر وہ بکے۔ جب بھی ہر سوار کے حصہ میں چار ہزار درہم آئے۔ انتہیٰ

دیکھئے ان جواہر کا حال نہ اہل لشکر کو معلوم تھا نہ اور کسی کو۔ سائب رضی اللہ عنہ نے اس رازِ سربستہ کو صرف عمر رضی اللہ عنہ کے کان میں کہا تھا۔ مگر آپنے اسکا خیال تک آنے نہ دیا۔ کہ آیا کسی حیلۂ شرعی سے اپنے تصرف میں ادسے لاسکتے ہیں یا نہیں اور کم سے کم بیت المال یعنی خزانہ شاہی میں داخل کیا جائے تو کیا نقصان ہے کیونکہ مسلمانوں کو وہ غنیمت میں تو ملا ہی نہ تھا بلکہ یہ سنتے ہی فوراً واپس کر دیا۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک مال کی کیا وقعت تھی۔ غرضکہ ان حضرات کی حالت ہی نرالی تھی۔ اسوجہ سے نہ اس حکم کی حقیقت معلوم ہوسکتی ہے جو عمر رضی اللہ عنہ نے آدھا مال دینے کو لکھا۔ اور نہ عمرو بن عاص کے قبول کرنے کی اصلی وجہ معلوم ہوسکتی ہے۔ ایسے موقع میں اپنے طبیعتوں کو انکی طبیعتوں کو قیاس کرنا بے موقع ہوگا۔

شعر

نہ ہر زن زنست و نہ ہر مرد مرد	خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

تاریخ واقدی اور ناسخ التواریخ کی صفحہ (۱۶۵) جلد دوم میں لکھا ہے

کہ جب مکہ معظمہ وغیرہ سے لوگ آمادۂ جہاد ہو کر آئے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سعد بن خالد کی درخواست پر ان کو نشان دیا۔ اور دو ہزار لشکر کی

سپہ سالاری دی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ سے
کہا کہ اے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ سعد کو ایسے لوگوں کا
افسر بناتے ہو جو اُن سے افضل ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ
کے کہنے پر اُن سے نشان واپس منگوا کر عمرو بن عاص کو دیا اور افسر بنایا
سعد نے کہا مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ خدا کی قسم جس جنگ میں میں لڑونگا
ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نشان کے تلے لڑونگا۔ کیونکہ میں نے اپنے نفس کو
خدا کی راہ میں وقف کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ ان کے والد کو بھی ابوبکر
رضی اللہ عنہ نے معزول کر دیا تھا۔ اسکا بھی ان کو رنج تھا۔ مگر باوجودیکہ
رنج پر رنج ان کو ہوتا گیا۔ اور شکستہ خاطر تھے۔ اگر جہاد میں نہ جا کر واپس
ہو جاتے تو ان پر کوئی مواخذہ نہ تھا کیونکہ وہ نوکر نہ تھے اپنی خوشی سے
آئے تھے۔ مگر بات یہ ہے وہ عاشق جاں باز تھے۔ اُن کو ذلتوں کی
کیا پروا **شعر**

اولیں گام است پیش عاشقاں در راہِ عشق	درگزشتن از سر و ناموس و ننگ و جان و مال

ان کو اپنے محبوب حقیقی کے وصال کی غرض سے صرف جان دینے کی
ضرورت تھی نہ سرداری سے مطلب نہ نام آوری سے کام **شعر**

سر باخت کسے کہ در رہِ عشق	سرداری از و عجوبہ کاریست

ناسخ التواریخ و فتوح الشام میں لکھا ہے کہ یوقنا بطریق جو شجاعت میں

بے نظیر تھا قلعہ حلب میں پناہ گزیں تھا۔ رات کو مسلمانوں پر شب خون مارتا اور دن کو قلعہ کا دروازہ بند کر دیتا۔ مسلمان اون کے ہاتھ سے تنگ آگئے تھے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے لشکر سے نامی وگرامی تیس شخص کا انتخاب کیا جن کی شجاعت و تجربہ کاری تمام لشکر اسلام میں مسلم تھی۔ اور اون پر داس رحمۃ اللہ علیہ کو افسر بنایا۔ یہ شخص قبیلۂ بنی کندہ میں کسی کا غلام تھا اس لئے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اون حضرات سے معذرت کی۔ اونھوں نے کہا وہ تو مسلمان ہیں اگر آپ کسی کافر کو ہمارا افسر بنا دیں تو بھی ہمیں کوئی عذر نہیں۔ داس رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قلعہ کے اطراف اس غرض سے چکر لگائے کہ کہیں سے اندر جانے کی راہ ملے۔ مگر نہ ملی۔ ایک مقام میں لوگوں کو غافل پایا۔ فصیل قلعہ باوجودیکہ سات قد آدم اونچی تھی کسی تدبیر سے اوپر چڑھ گئے اور دو شخصوں کو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ کہ طلوع فجر کے وقت ایک ہزار کا لشکر فلاں دروازہ پر روانہ کر دیجئے۔ اور فصیل پر جو سپاہی سو رہے تھے اونکو نیچے پھینک دروازہ کی راہ لی۔ دیکھا کہ دروازہ باہر سے بند ہے اوسکو کھلا دیا اور وہاں کے سپاہیوں کو قتل کرکے دوسرے دروازہ پر آئے اور اوسکو کھولدیا۔ اوس وقت یوقنا کو اطلاع ہوئی کہ مسلمان قلعہ کے دروازہ پر قابض ہو گئے۔ فوراً اوس نے

لشکر کو حکم دیا کہ مسلمانوں کو قتل کر ڈالیں۔ اور ہر طرف سے نعرے بلند ہوئے اور تمام لشکر نے اون پر حملہ کر دیا۔ دامس رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے ساتھ والے اٹھائیس شخصوں کو لیکر مقابل ہو گئے اور تکبیر اور تہلیل کے نعرے بلند کر کے اوس لشکر کثیر پر حملہ کر دیا۔ ادھر اونتیس آدمی اور اودھر چار ہزار کا لشکر دروازہ کے طرف متوجہ ہے کہ کسی طرح اوس پر قبضہ کر لیں۔ مگر یہ حضرات آہنی دیوار کی طرح اڑے ہوئے ہیں کہ ایک قدم اوس لشکر کو آگے بڑھنے نہ دینگے۔ گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ ادھر طرفین سے کشتوں پر کشتے گر رہے تھے کہ اتنے میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک ہزار سوار لیکر پہونچے۔ اور دڑاتے ہوئے قلعہ میں گھسکر تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور اس زور کا حملہ کیا کہ قلعہ والوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ پھر کیا تھا ہر طرف سے الاماں الاماں کی صدا بلند ہونے لگی۔ اس عرصہ میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ اور فرمایا کہ سب کو جمع کر کے اون پر اسلام پیش کیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے سچے دل سے اسلام قبول کیا۔ اور اون کے بعد بہت سے سردار مسلمان ہوئے۔ اسوقت یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار پُر انوار سے خواب میں مشرف ہو چکا ہوں اور قسم کھا کر کہا کہ توریت اور انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت

موجود ہے۔ فی الواقع یہ وہی پیغمبر ہیں۔ جن کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے
دی ہے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلام میں بہت سے کارنمایاں کئے انتہیٰ
اس واقعہ میں بہت سے امور اس قابل ہیں کہ اہل ایمان اون پرگہری
نظر ڈالیں۔ دیکھئے نامی گرامی شجاعان عرب ایک غلام کی ماتحتی میں چلے
جا رہے ہیں۔ اور وہ حضرت جس طرح چاہتے ہیں اون سے کام لیتے ہیں
اگر جان دینے کو کہیں تو کسی کی مجال نہیں کہ دم مار سکے۔ کس چیز نے اونکو
اس حالت تک پہونچا دیا تھا۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ معشوق
حقیقی کا عشق تھا اوس وقت اونکی نظر نہ غلام پر تھی نہ افسر پر۔ بلکہ ہر ایک
کی زبان حال پر یہ شعر جاری تھا۔ **للمولف**

فدائے آنکہ رساند بکوے دوست مرا	بہ بندگیش بنازم کہ خواجہ دوست مرا

رات کا وقت عالم میں سناٹا ہے۔ ہر شخص اپنے آرام گاہ میں خواب نوشیں
کے مزے لے رہا ہے۔ اور یہ حضرات ہیں کہ اپنے مقتل کے گرد ایسے پھر رہے
ہیں جیسے شمع کے گرد پروانہ۔ اور زبان حال پر یہ شعر جاری ہے۔

صبا بلطف بگو آں غزال رعنا را	کہ سر بکوہ و بیاباں تو دادہ ما را

صحرا نوردی کے وقت یہ خیال ہے۔

رشتۂ درگردنم افگندہ دوست	می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کبھی صحرا نوردی سے تھک جاتے ہیں تو سروش غیبی سے ندا آتی ہے

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج	بلی بحکم بلا بستہ اند عہد الست

شوق شہادت دل میں جوش مار رہا ہے کہ اگر موقع ہو تو رات ہی میں یہ معرکہ طے کر دیا جائے۔

بر آں عزمم کہ گر خود میرود سر	کہ سر پوش از طبق بردارم امشب

مگر چونکہ وعدہ صبح کا تھا اس لئے تمام رات اس انتظار میں گذری کہ صبح کب ہوگی اور کب پیام یار آئے گا۔

ہمہ شب دریں امیدم کہ نسیم صبح گاہی	بہ پیام آشنائی بنوازد آشنارا

خدا خدا کر کے رات کا خاتمہ ہوا اور وقت وصل نزدیک پہونچا پھر کیا تھا یہ حضرات علی الصباح بکمال شوق و ذوق سے وعدہ گاہ یعنے دروازہ پر پہونچے جس کا فتح کرنا فتح باب مقصود تھا۔

علی الصباح کہ مردم بکار و بار روند	بلاکشان محبت بہ کوئے یار روند

ہر چند ظاہر بینوں کی نظر میں وہ قلعہ حلب کا دروازہ تھا۔ مگر ان حضرات کی نظروں میں وہ خاص خلوت سرا کا دروازہ تھا۔ وہاں پہونچتے ہی جانبازی شروع کر دی۔

تا سر چو گوے بر سر کوئے تو باختیم	واقف نشد کسیکہ چہ گوہست و ایں چہ کو

مطلب یہ کہ جو لوگ اس کوچہ کے نہیں وہ کیا جانیں کہ معشوق کی گلی کہاں ہے پھر جب معرکہ کارزار گرم ہوا تو جو تیر ادھر سے آتا بہ فحوائے

گرچہ تیر از کمان ہمیں گذرد — از کماں دار بیند اہل خرد

غنیمت سمجھ کر سینہ و دل و جگر اور آنکھوں میں اوسے جگہ دیتے۔

دیار عشق را نازم کہ طفلان ہوسناکش — چو بستاں می کنند از ذوق زہر آلود پیکاں را

اور جب دشمنان خدا کو تہ تیغ کرتے تو مصداق آیۂ شریفہ فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم یعنے تم نے اون کو قتل نہیں کیا۔ اللہ نے قتل کیا۔ آپ بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات جس مقام میں تھے وہ مقام عشق ہے جہاں عقل کی رسائی ممکن نہیں۔ جو چون و چرا کر سکے۔ وہاں نہ تعارض دیکھا جاتا ہے۔ نہ تناقض۔ قلبی حالات کے لذتوں میں ایسے مدہوش رہتے ہیں کہ ان چیزوں کی خبر تک نہیں ہوتی۔

عقل اگر داند کہ دل در بند زلفش چوں خوش است — عاقلاں دیوانہ گردند از پئے زنجیر ما

اگر کوئی عقل کی راہ سے اونہیں کچھ وعظ و نصیحت کرے تو کہتے ہیں۔

برو بکار خود اے واعظ ایں چہ فریاد است — مرا فتادہ دل از کف ترا چہ افتاد است

اور ایسا ہی کسی عاشق نے کہا ہے۔

نمی دانم ز منع گریہ مطلب چیست ناصح را — دل از من سینہ از من آستیں از من کنار از من

الغرض بعضے حضرات نے بڑی بڑی کوششوں اور جاں فشانیوں سے دولت شہادت حاصل کی اور بتلا دیا کہ عشق اسے کہتے ہیں۔

شب از پروانہ شرح انتہائے شوق پرسیدم — کف خاکستری افشاند بر داماں فانوسے

سچا عشق یہ ہے اون حضرات نے نہ کبھی مضامین عشق میں موشگافیاں کیں نہ اپنے کو عاشق مشہور کیا۔ نہ ہائے وہو کے نعرے بلند کئے۔ مگر اوسکی حقیقت دکھلادی۔

تا ابدان بلبل زنو آموزی عشق است	ہرگز نہ شنیدیم ز پروانہ صدائے

ہم نے جو مضامین عاشقانہ لکھے۔ غالباً بعض حضرات اس پر اعتراض کرینگے کہ اسمیں تکلف کیا گیا اور واقعات میں شاعرانہ مضامین درج کئے گئے۔ مگر در اصل ہم نے صحابہ رضی اللہ عنہ کے احوال کی صرف ترجمانی کی اگر شبہ ہو تو اون کے اقوال بھی پیش کئے دیتے ہیں۔ دیکھئے واقدیؒ نے فتوح الشام میں جنگ اجنادین میں لکھا ہے۔ وردان ساٹھ ہزار جنگی فوج کو خاص طور پر آراستہ و پیراستہ کرکے میدان جنگ میں لایا۔ اسلامی فوج کم ہونے کی وجہ سے معاذ رضی اللہ عنہ نے پرجوش اور زوردار تقریریں کرکے یہ آیت پڑھی۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ پھر حملہ کرنے کو کہدیا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے کہا اے معاذ ذرا توقف کیجئے تاکہ میں ان لوگونکو وصیت کرلوں۔ چنانچہ صفوں میں جاکر یہ کہتے تھے کہ دیکھو! کفار تم سے کئی حصے زیادہ ہیں۔ عصر کے وقت تک کسی طرح ٹالے جاؤ۔ کیونکہ اوس ساعت میں مدد ہوتی ہے۔ اس اثنا میں کفار نے تیراندازی

شروع کردی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ مگر لوگ خالد رضی اللہ عنہ کے حکم کے لحاظ سے خاموش کھڑے ہوئے تھے۔ ضرار ابن الازور رضی اللہ عنہ نے کہا مالنا والوقوف والحق سبحانہ تجلی لنا فامرنا بالحملۃ یعنے حق تعالیٰ کی ہم پر تجلی ہوگئی ہے۔ اس موقع میں توقف سے کیا تعلق حملہ کا حکم دیدیجئے۔ دیکھئے ایک جلیل القدر صحابی کھلے لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ حق تعالیٰ کی تجلی ہم لوگوں پر ہو چکی ہے۔ اور بیقرار ہیں کہ تاخیر کیوں ہو رہی ہے کیا اسکی وجہ سوائے اس کے اور کچھ ہو سکتی ہے کہ اس جلوہ گری کے شکریہ میں وہ جلدی سے جان فدا کرنا چاہتے تھے۔ **لمولفہ**

جاناں نہ زرخ نقاب برداشت	وقت است کہ جان نثار سازیم

اور کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔

گر نثار قدم یار گرامی نکنیم	جوہر جان بچہ کار دگرم باز آید

اگر یہی حالت ان حضرات کی گواہی نہ دیتی تو فی الواقع ایسے مواقع میں تجلی الٰہی کا ہونا کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آتا۔ کیونکہ اوروں کو جب عشق ہی نہیں تو تجلی کا راز کیا جانیں۔ **لمولفہ**

ز بلبل شنو زانکہ نشنیدہ	تو آں ہر کہ از گل نیوشیدہ شد
شرح مجموعۂ گل مرغ سحر داند و بس	کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی داشت

اوس تجلی کا یہ اثر تھا کہ اب نہ جان و مال سے تعلق ہے نہ کسی چیز کی آرزو

تا عاشقاں بوے نسیمش دہند جاں | بکشود نافہ و در ہر آرزو ببست

معرکہ کارزار گرم ہے۔ ہنگامہ محشر برپا ہے۔ مگر وہ کچھ ایسے مست نظارہ ہیں کہ آنکھ تک نہیں جھپکتی۔

مژگان بہم مزن زنم از رذر رست خیز | غوغای حشر خواب پریشان عاشقی است

کبھی بکمال مستی طرب انگیز سے کہتے ہیں۔

خلوت خاص است و جای امن نزہتگاہ عیش | اینکہ می بینم بہ بیداریست یا رب یا بخواب

اس قسم کی یہ بات بھی ہے جو کسی بزرگ نے کہی ہے۔

دار را معراج می خوانند سرداران عشق | عشق کے ہر بوالہوس را بر سر دار آورد

اور کبھی رضا و تسلیم کی حالت میں یہ مضمون زبان حال سے ادا ہو رہا ہے

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت | سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

غرض کہ عشق کا معاملہ ایسا عجیب و غریب ہے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

عجب راہیست راہ عشق کانجا | کسے سر بر کند کش سر نباشد

اور سمجھ میں آئے تو کیونکر۔ عشاق اور آسودہ دلوں کی حالتوں میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے۔ **لمؤلفہ**

حال جان سوختگان سوختہ جانان دانند | خام زیں مرحلہ دور است از آتش چہ خبر

بلبل زار بفریاد و فغاں مرد و ہنوز | **ولہ** | گل تر خندہ زناں ناز و تبختر دارد

انہوں نے آسایش و تنعم کو پہلے ہی رخصت کر دیا کہ۔

نازپرورد تنعم نبرد راہ بدوست	عاشقی شیوۂ اصحاب بلاکش باشد
نازکاں را سفر عشق حرامست حرام	کہ بہر گام دریں رہ خطرے نیست کہ نیست
من آں روز طمع بہ بریدم ز عافیت	کایں دل نہاد در کف عشقت زمام را

چونکہ اِن حضرات کا عشق کامل تھا اسلئے اسکے آثار برابر مرتب ہوتے گئے اور کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔

عاشق کہ شد کہ یار بسویش نظر نکرد	اے یار درد نیست وگرنہ طبیب ہست

غرض کہ جن پر اوس خاص تجلی کا پورا اثر ہوا۔ وہ تو واصل حق ہو گئے اور عشق نے اونہیں ٹھکانے لگا دیا۔ **لمؤلفہ**

عشق از جانب معشوق پدید ست کہ او	دل برد اول و جان نیز برد آخر کار

حسرت عدم شہادت

مگر جو لوگ شہادت سے معرکوں میں محروم رہتے تھے۔ اگرچہ اون کو فتح اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خوشی تو ہوتی۔ مگر اسکا غم ضرور رہتا تھا کہ اس دولت عظمیٰ سے محروم واپس جاتے ہیں۔

از در دوست چہ پرسی بچہ عنواں رفتم	ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں رفتم

اون کی زبان حال پر یہ مضمون جاری رہتا تھا۔ **لمؤلفہ**

نازش بہ بیں کہ سر بنہادیم زیر تیغ	برداخت بار قیب و سوِ ما نظر نکرد
طغیان ناز بیں کہ جگر گوشۂ خلیل	در زیر تیغ رفت و شہیدش نمی کنند

آخر یہ کہکر دل کو تسکین دیتے۔

میل من سوے وصال و قصد اوسوئے فراق	ترک کام خود گرفتم تا برآید کام دوست

جب اون کشتگان خنجر تسلیم کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے تو کہتے کہ۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی	بہ یاد آر حریفاں باد پیمارا

ہمارے اس کلام کی تصدیق کئی شہادتوں سے ہو سکتی ہے۔ فتوح الشام صفحہ (۱۷) میں واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے خالد ابن الولید کا قول نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں واللہ اھدیت نفسی مرارا للقتل لعلّی ارزق الشہادۃ یعنے خدا کی قسم بارہا میں نے اپنے نفس کو تلواروں کے روبرو بطور ہدیہ پیش کیا۔ اس امید پر کہ شہادت نصیب ہوگی مگر افسوس کہ نہ ہوئی۔ اور نیز واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۲۳) میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کو فتح پر فتح ہونے لگی تو ہرقل نے کہا کہ اگر عار نہ ہوتی تو میں ملک شام کو چھوڑ کر قسطنطنیہ چلا جاتا۔ مگر اب بغیر اسکے چارہ نہیں کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی ذات سے جاؤں ارا کین دولت نے کہا یہ مناسب نہیں۔ وردان حاکم حمص نہایت جواں مرد شخص ہے اوسکی قوت اور معرکہ آزمائیاں ایسے ہیں کہ ہمارے ملک میں اوسکی نظیر نہیں اوسکو مسلمانوں کے مقابلہ میں روانہ کیجئے۔ ہرقل نے اوسکو بلوایا اور بارہ ہزار سوار دیگر روانہ کیا۔ روانگی کے وقت اوس نے وعدہ کیا کہ

جبتک خالد رضی اللہ عنہ اور اون کے ہمراہیوں کا سر نہ لاؤں۔ اور ملک حجاز میں جاکر اونکی عبادت گاہوں کو منہدم نہ کردوں۔ واپس نہ آؤنگا۔ جب اوس کے آنے کی خبر پہونچی خالد رضی اللہ عنہ نے ضرار ابن الازور سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم پانچ ہزار سوار لیکر اوس کے مقابلہ کو جاؤ۔ یہ سنتے ہی ضرار رضی اللہ عنہ نے نہایت خوشی سے کہا وافرحتاہ اے خالد رضی اللہ عنہ اسوقت جو مجھے مسرت ہوئی ہے۔ کبھی اس سے زیادہ نہیں ہوئی تھی آپ مجھے اجازت دیجئے۔ میں تنہا اوس کے مقابلہ میں جاتا ہوں۔ یہ کہکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہرچند خالد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ فوج کو جمع ہوجانے دو۔ مگر اونہوں نے نہ مانا۔ اور کہا خدا کی قسم میں اب نہیں ٹھیر سکتا۔ جس کو توفیق ہوگی راہ میں مجھ سے آملیگا۔ یہ کہکر فوراً گھوڑے پر سوار ہوکر روانہ ہوگئے پھر فوج پیچھے سے روانہ ہوئی۔ جب مقابلہ کا وقت آیا۔ تو سوائے پانجامہ کے کل لباس اُتار دیا۔ اور ہتیاروں میں سے صرف نیزہ لے لیا۔ اور سخت مقابلہ کرکے بہتوں کو قتل کیا۔ آخر جب نیزہ توٹ گیا تو کفار نے اون کو گرفتار کرلیا۔ یہ خبر جب خالد رضی اللہ عنہ کو پہونچی۔ تو فوراً روانہ ہوئے۔ اور سخت مقابلہ کرکے اون کو چھوڑا لائے۔ انتہی ملخصاً

اب غور کیجئے کہ کس چیز نے اونکو دشمن کے مقابلہ میں جانے پر ایسا

بیقرار کر دیا کہ ہزاروں کے مقابلہ میں برہنہ تن نکل کھڑے ہوے بجز اسکے اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ صرف شوقِ شہادت تھا۔

غوطہ در خونِ خود از فرق زند تا بقدم	بشہید تو نہ زیبد کفنے بہتر ازیں

اس لئے کہ شہادت سے مقصود موت ہے۔ جسکی نسبت کہا جاتا ہے الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب یعنے موت ایک پل ہے کہ اوس کے پار ہوتے ہی اپنے محبوب کی ملاقات ہوتی ہے۔

اب غور کیجئے کہ جو شخص شوق شہادت میں اتنا سامان کرے کہ ہزاروں تیر نیزے شمشیروں کے روبرو اپنا تن برہنہ پیش کرے۔ اور اس پر بھی وہ حاصل نہ ہو تو کس قدر اوسکو حسرت ہونی چاہئے۔

تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب مسیلمہ کذاب کے واقعہ میں زید ابن خطاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بھائی شہید ہوے۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر واپس آگئے تو اپنے والد سے افسوس ناک لہجہ میں کہا کہ چچا صاحب نے شہادت کی دعا کی۔ اور وہ اون کو نصیب ہوئی اور میں نے بہت کوشش کی کہ مجھے بھی نصیب ہو۔ مگر نہوئی۔ انکے سوا اور بہت سے واقعات صحابہ رضی اللہ عنہ کے تصریحات ہیں جن سے ظاہر ہے کہ ہمیشہ اون کو شہادت کی تمنا رہا کی۔ اور معرکوں میں اوسکے حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔

اب کہئے کہ ساتھ والے جب اس دولت سے بہرہ یاب ہوتے ہونگے
تو وہ کس حسرت بھری نگاہوں سے اوس کو دیکھتے ہونگے۔ اور کس قدر
اون کو رشک ہوتا ہوگا۔

ناسخ التواریخ جلد دوم صفحہ (۳۸۱) میں لکھا ہے۔ جب مصر پر
اہل اسلام کی چڑھائی ہوئی سات مہینے کفار کے ساتھ سخت مقابلے رہے
مقوقس بادشاہ مصر نے کچھ مال دیکر صلح کرنا چاہا۔ تو عبادہ ابن صامت
رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم جو تم سے لڑتے ہیں اوس سے ہمارا مقصود
نہ مال ہے۔ نہ جاہ۔ تم یا مسلمان ہوجاؤ۔ یا جزیہ قبول کرلو۔ ورنہ ہم تم سے
ضرور لڑینگے۔ کیونکہ ہمارا مقصود جنگ سے شہادت ہے ہمیشہ ہماری
دعا یہ ہے کہ الٰہی ہمکو یہاں سے اپنے گھر اور اہل وعیال کی طرف واپس
نہ لیجائیو اور شہادت سے محروم نہ کیجیو انتہیٰ۔

یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جو لوگ جنگ پر جاتے ہیں کیسی کیسی منتیں اور
دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ کہ الٰہی خیر و عافیت سے ہمیں اپنے گھر پہونچائیو۔
اور اون حضرات کا یہ حال ہے کہ بجائے صحیح وسالم پہونچنے کے
یہ دعائیں مانگتے ہیں کہ الٰہی جس آرزو اور شوق سے ہم گھر سے نکلے ہیں
وہ مراد ہماری پوری کر ایسا نہ ہو کہ کہیں صحیح اور سالم گھر پہونچ جائیں۔
کیونکہ اس جہاد سے ہمیں نہ ملک گیری مقصود ہے جس سے ہمیں دنیا

میں جاہ و منزلت حاصل ہو نہ مال۔ بلکہ مقصود اصلی صرف تیرا دیدار ہے۔ شعر

مرا بکار جہاں ہرگز التفات نبود		رخ تو در نظر من چنین خوشش آراست

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۴۱) میں لکھا ہے کہ زید بن سعید رضی اللہ عنہ کا نکاح اونکی چچا کی لڑکی سے ہوکر تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ دمشق کی لڑائی میں وہ سخت زخمی ہوئے لوگ اونکو معرکہ جنگ سے لشکر میں لائے انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم جس چیز کی مجھے آرزو تھی وہ نصیب ہوئی اور کلمۂ شریفہ پڑھتے ہوئے انتقال کئے جب یہ کیفیت اونکی دلہن کو معلوم ہوئی وہ دولہ کے دیدار کو اس حالت میں آئیں کہ ہنوز مہندی کا رنگ ہاتھوں سے اوڑا نہ تھا۔ اور خوشبو جو نکاح کے دن سر میں لگائی گئی تھی اوسکی بو تک باقی تھی۔ بے اختیار اون پر گر کر کہا کہ جو دولت تمھیں خدا نے دی ہے تمھیں مبارک ہو۔ تم خدا کے پاس چلے گئے جس نے تمھیں ہمیں ملا کر جدا کر دیا۔ اب میں نے بھی اپنے نفس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ امید ہے کہ تم سے عنقریب ملاقات ہو جائے۔ اوس کے بعد وہ ہر معرکہ جنگ میں برابر شریک ہوتیں۔ چنانچہ بہت سے کفار کو اونہوں نے قتل کیا۔ انتہی ملخصاً۔

ہر شخص جانتا ہے کہ دولہا کی موت پر نئی دلہن کا کیا حال ہوا کرتا ہے مگر اونکو اپنے شوہر سے کمال درجہ کی محبت تھی۔ اونہوں نے دیکھا کہ اپنے

محبوب کو آج وہ دولت نصیب ہوئی کہ اوس سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی یعنے وصال الہٰی۔ جس سے اون کو آج وہ مسرت ہے جو عمر بھر نصیب نہیں ہوئی تھی اوس مسرت کے خیال نے اون کے دل پر وہ اثر ڈالا کہ غم آنے ہی نہ پایا۔ کیونکہ آدمی کو اپنے دوست کی خوشی سے خوشی ہوا کرتی ہے۔ اور جس قدر کسی سے زیادہ محبت ہوگی اوسی قدر اوسکی خوشی کا زیادہ اثر محسوس ہوگا۔ غرضکہ اون بی بی کو شہادت اور وصال الہٰی کی قدر تھی۔ اور کمال درجے کا ایمان تھا۔ جس نے مقتضائے بشری اور طبیعی امور کو بھی آنے نہ دیا۔ شوق شہادت اور عشق کے واقعات اسقدر ہیں کہ اگر بیان کئے جائیں تو ایک کتاب ہو جائیگی

تاریخ واقدی میں واقعہ جنگ یرموک میں لکھا ہے کہ ایک پہلوان نہایت تن آور اور قوی ہیکل مسلمانوں کے مقابلہ میں نکلا۔ ادھر سے ایک نوجوان مقابل ہوئے۔ اس نے انکو شہید کر ڈالا معاذ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ خود اسکا مقابلہ کریں۔ مگر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ دیکر کہا کہ آپ نہ جائیے۔ مجبور ہو کر واپس ہوئے اور پکار کر کہا اے مسلمانوں تم میں کوئی ہے کہ میرے گھوڑے پر سوار ہو کر میرے ہتیاروں سے اوس کا مقابلہ کرے۔

یہ سنتے ہی آپ کے کم عمر فرزند جو ابھی بالغ بھی نہیں ہوئے تھے

پیش ہوئے اور کہا کہ ابا جان گھوڑا مجھے عنایت کیجئے۔ چنانچہ وہ اپنے والد کے ہتیار لگا کر اس گھوڑے پر سوار ہوئے اور پدر بزرگوار سے کہا کہ اگر میں زندہ رہا تو خیر۔ ورنہ آپ پر میرا یہ آخری سلام ہے۔ اگر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ عرض کرنا ہو تو مجھے فرما دیجئے اونہوں نے کہا بیٹا میرے طرف سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پہونچا کر عرض کرنا کہ خدائے تعالیٰ آپ کو امت کے طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ کہکر کہا۔ اے فرزند اب سدھارو۔ خدائے تعالیٰ تمھیں توفیق عطا کرے۔

غرض انہوں نے اس پہلوان پر سخت حملہ کیا۔ اور طرفین سے معرکہ آزمائی ہوئی آخر کار انکو زخم کاری لگا اور شہید ہوگئے۔ انتہیٰ ملخصاً دیکھئے فرشتہ صفت صاحبزادے ہتیاروں سے آراستہ گھوڑے پر سوار ہوکر کس خوشی سے اس دیو کے مقابلہ میں جارہے ہیں جیسے کوئی بن ٹھن کر گھوڑے پر سوار ہوکر اپنی دلہن کے گھر جاتا ہے اور وہ ضعیف پدر بزرگوار اپنے ہونہار فرزند کو ہتیاروں سے سجا کر گھوڑے پر سوار کر رہے ہیں اسوقت اون کے دل کی کیا حالت ہوگی۔ اِدھر دیکھتے ہیں تو ایک خونخوار دیو کے مقابلہ میں ناتجربہ کار نابالغ فرزند جارہے ہیں جن کی کامیابی اور سلامتی سے بالکل یاس ہے۔ اودھر جب اپنے آقائے

نامدار صلی اللہ علیہ وسلم پر نگاہ پڑتی ہے تو بے اختیار دل پکار اوٹھتا ہے
کہ ایک کیا اگر ایسے ہزار لڑکے ہوں تو اون کے حکم پر فدا کرنا چاہیئے۔
اور ہر وقت اشفاق مربیانہ جو پیش نظر تھے اوس حالت میں بھی صاحبزادے
کے زبانی یہی کہلایا۔ کہ آپکے احسانوں کا بدلہ ہم سے کیا ہو سکے بجز اسکے
کہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے طرف سے خدا تعالیٰ آپکو جزائے خیر دے۔ **شعر**

اگر گرجان ہم دہم الحق محقر ہدیہ باشد	ہزاراں بار منت آنچناں برگرد نم داری

غرضکہ عشق الٰہی نے ان حضرات کے دلوں کو شوق شہادت سے لبریز کردیا تھا
جسکی وجہ سے اونکو نہ اپنی حریت کا خیال تھا نہ دامس رحمۃ اللہ علیہ کی غلامی پر نظر

ہست ابجد ایں مدرا از خویش گزشتن	در مدرسۂ عشق ز اب وجد نبود بحث

دامس رحمۃ اللہ علیہ ہرچند غلام تھے۔ مگر چونکہ مقتل اور شہادت گاہ کی
طرف لیجا رہے تھے اون کے نظروں میں بڑے محسن اور قابل شکر اور
واجب الاطاعت تھے **شعر**

بگردش جانم ای جلاد گیر و زودہمت کن	سرت گردم سرم بر پائے جانانم بر اندازی

دوسرا امر اس واقعہ میں قابل غور یہ ہے کہ جس شخص کے مقابلہ میں صاحبزادے
جا رہے ہیں اوسکی کیا حالت تھی اوس وقت نہ اون کو خیال آیا کہ اپنے
نازک ہاتھوں کا اوس ہیل تن جنگ آزمودہ مقابل پر کیا اثر ہوگا۔
اور نہ پدر بزرگوار ہمراہیان تجربکار نے کہا کہ صاحبزادے اسکی مقابلہ میں آپ اپنی

جان کو ہلاکت میں نہ ڈالئے۔

اس سے ظاہر ہے کہ ان حضرات نے معمولی عقل کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ اور مقصود اصلی صرف شہادت اور وصال الٰہی تھا۔

فتوح الشام میں واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے اور ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ حلب ایک مستقل سلطنت تھی۔ اوسمیں دو بھائی تھے۔ ایک کا نام یوقنا تھا اور دوسرے کا یوحنا۔ یوحنا زاہد و عابد شخص تھا۔ اور یوقنا سپاہی اور جوانمرد جب ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے حلب کے جانب رخ کیا۔ اور یوقنا جنگ کو آمادہ ہوا۔ یوحنا نے صلح کی رائے دی اوس نے نہ مانا۔ اور اپنی جوانمردی اور تجربہ کاری کے حالات بیان کرنے لگا۔ یوحنا نے ہنسکر کہا بھائی شاید آپ کی موت قریب آپہونچی ہے۔ جو آپ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہو۔ اس عرصہ میں کعب ابن حمرہ ایک ہزار فوج لیکر حلب کے قریب آپہونچے۔ یوقنا پانچ ہزار فوج کے ساتھ بہ ارادۂ شب خون ایسے وقت پہونچا کہ اہل اسلام نماز صبح کی تیاری میں مشغول تھے۔ اول تو مسلمان ایک ہزار اور کفار پانچ ہزار۔ اوس پر علاوہ یہ کہ مسلمان سنبھلنے بھی نہیں پائے تھے کہ پانچ ہزار لشکر جرار کا اون پر حملہ ہوگیا۔ باوجود اسکے مسلمان نہایت استقلال سے لڑتے رہے کہ دشمن کی اور فوج کثیر کمک کے لئے آپہونچی اور ساتھ ہی حملہ کردیا۔ جب مسلمانوں نے اس فوج کثیر کو دیکھا تو یقین

کرلیا کہ اب جانبری کی امید نہیں۔ کعب بن عمرہ رضی اللہ عنہ کمال اضطرار کی حالت میں یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل کہتے ہوئے مسلمانوں کو تسکین دیتے جاتے تھے۔ کہ اب نصرت آتی ہے۔ ایک دن ایات ات اسی حالت میں معرکہ کارزار گرم رہا۔ اس اثناء میں اہل حلب نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر صلح کرلی۔ جب وہ شہر کو واپس آئے تو یوقنا کو خبر ہوئی کہ اہل حلب مسلمانوں سے صلح کرکے اون کے طرفدار ہوگئے یوقنا کمال غصہ سے فوج کو ہمراہ لے شہر میں گیا۔ اور صلح کرنیکے الزام میں قتل عام شروع کردیا۔ جس سے تمام شہر میں واویلا مچ گیا۔ یوحنا نے پاس آکر خیرخواہانہ صلح کرنیکی گفتگو کی۔ جس سے طرفداری اہل اسلام کی معلوم ہوتی تھی چونکہ یوقنا نہایت غصہ میں تھا۔ یوحنا سے کہا کہ تو پہلے واجب القتل ہے جب اوس نے تلوار کھینچی تو یوحنا رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کے طرف دیکھ کر کہا یا اللہ تو گواہ رہ کہ میں اس قوم کے دین کا مخالف ہوں۔ اور اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھکر اپنے بھائی سے کہا اب جو جی چاہے کرلے۔ چنانچہ یوقنا نے اوسکا سر اڑادیا اور اہل حلب کو قتل کرنا شروع کیا۔ نہ کسی کا عذر سنتا تھا نہ فریاد۔ تین سو آدمی قتل ہوئے تھے۔ کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ وہاں آپہنچے اور اونکا واویلا سن کر شہر میں داخل ہوگئے۔ اور سخت لڑائی ہوئی۔ یوقنا تاب نہ لاکر

بھاگا۔ فوج کے ساتھ قلعہ میں پناہ گزیں ہوا۔ اور چار پانچ مہینہ اہل اسلام نے اوس قلعہ کا محاصرہ کیا۔ اس مدت میں یوقنا نے مسلمانوں کو سخت مصیبت میں ڈال رکھا تھا۔ آخرکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوقنا سے خواب میں تشریف فرما ہوے۔ چنانچہ اوس فیضان دیدار نبوی سے وہ مشرف بہ اسلام ہوے۔ انتہی ملخصاً

دیکھئے ایسا متعصب شخص کہ صرف مسلمانوں سے صلح کرنیکے جرم میں اپنی قوم کے قتل عام کا حکم دیدیا اور چار پانچ مہینہ لشکر اسلام کو سخت پریشانی میں ڈال رکھا تھا۔ ایسے شخص کو صرف ایک نظر میں مسخر کرلینا کیا کوئی معمولی بات ہے۔ اگر اسکو معجزہ نہ کہیں تو پھر معجزہ کس چیز کا نام ہوگا اسمیں شک نہیں کہ وہ ہدایت ازلی کا ظہور تھا۔ مگر عالم اسباب میں جو کام ظہور میں آتے ہیں۔ اسباب ہی سے متعلق سمجھے جاتے ہیں اسی وجہ سے قاتل مستحق قصاص ہوتا ہے۔ حالانکہ بمصداق اِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ مقتول کا مرنا اوسوقت ضروری ہوتا ہے اسی طرح ماں باپ کے احسان ماننے کا حکم ہے حالانکہ بچہ کے موجود کرنے میں اون کو کوئی دخل نہیں۔ اگرچہ مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی سے ثابت ہے وہ رمی خدائے تعالی کی تھی۔ مگر بحسب ظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ سمجھا جاتا ہے اسی طرح

اس خواب میں بھی معجزہ ظاہر ہوا۔

اسلام یوقنا

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب قلعہ فتح ہو گیا۔ اور مال غنیمت تقسیم ہوا تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اہل الرائے سے کہا کہ الحمد للہ اس قلعہ کے بعد یہاں کوئی ایسا مقام باقی نہیں۔ جس سے خوف ہو۔ اب انطاکیہ پر چڑھائی کرنی چاہیئے۔ جو ہرقل کا پایہ تخت ہے۔ یا اور کوئی رائے مناسب ہے۔ یہ سنتے ہی یوقنا رحمۃ اللہ علیہ اٹھ کھڑے ہوئے اور عربی فصیح تقریر شروع کی۔ کہ اے امیر خدائے تعالیٰ نے آپ کو دشمن پر فتح دی ہے اور اوسکی وجہ یہی ہے کہ آپ کا دین سچا ہے۔ اور نبی آپکے وہ ہیں جن کی خبر عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے کہ وہ یتیم ہونگے! اور ان کو اون کے دادا اور چچا پرورش کرینگے۔ کیا یہ بات سچ ہے! ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں سچ ہے مگر میں حیران ہوں کہ کل تم ہمارے سخت دشمن اور ہمارے لشکر کو تباہ کرنے کی فکر میں تھے اور آج خیر خواہ معلوم ہو رہے ہو۔ اور میں نے سنا ہے کہ تمھیں عربی بات نہیں آتی۔ حالانکہ تم اسوقت فصیح عربی بول رہے ہو۔ کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اے امیر کیا میرے ایمان لانے پر آپ کو تعجب ہے۔ کہا ہاں۔ کہا واقعہ یہ ہے کہ کل میں اس امر میں نہایت متفکر تھا۔ کہ آپ لوگ ہمارے قلعہ تک کس طرح پہونچ گئے حالانکہ

ہمارے نزدیک کوئی قوم عرب سے زیادہ ضعیف نہیں سمجھی جاتی اسی فکر میں میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص تشریف فرما ہیں جن کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ روشن ہے اور اونکی خوشبو مشک سے زیادہ بہتر۔ میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ کہا یہی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں نے اون سے عرض کیا کہ اگر آپ نبی برحق ہیں تو دعا کیجئے کہ خدائے تعالی مجھے عربی بات سکھلا دیوے۔ فرمایا اے یوحنا میں محمدؐ ہوں عیسیٰ علیہ السلام نے میری ہی بشارت دی ہے۔ اور میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اگر خواہش ہو تو کہو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ سنتے ہی میں نے حضرت کے دست مبارک پر بوسہ دیا اور اسلام سے مشرف ہو گیا جب بیدار ہوا تو میرے منہ میں مشک سے بہتر بو آ رہی تھی۔ اور مجھے عربی بات بھی آگئی۔ اوس کے بعد میں اپنے بھائی یوحنا کے کتب خانہ میں گیا دیکھا کہ اوسمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات لکھے ہیں چنانچہ وہ حالات بیان کر کے سجدۂ شکر بجالایا۔ اور کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھے اس سچے دین کی طرف ہدایت کی۔ اور میرے دل میں اوسے راسخ اور مستحکم کر دیا۔ میں جس طرح اب تک اطاعت شیطان میں جنگ کرتا تھا۔ اب خدا کی راہ میں کرونگا۔ یہانتک کہ اپنے بھائی یوحنا سے جا ملوں۔ اوسکے بعد یوحنا کی جو بے قدری کی تھی اوس پر بہت رو کر کہا کہ سب مسلمان گواہ رہیں کہ

جس قدر میں مشرکوں کے قتل میں کوشش کرونگا اوس کا ثواب یوحنا کو بخشتا ہوں۔ اور قسم کھا کر کہا کہ اب میرے دل میں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کی محبت باقی نہیں۔ اوس کے بعد رائے دی کہ ابھی انطاکیہ کا ارادہ مناسب نہیں۔ اسوقت قلعۂ اعزاز کا قصد کرنا چاہیے۔ چنانچہ اون ہی کے تدابیر سے وہ قلعہ فتح ہوا۔ اور فتح انطاکیہ وغیرہ میں اون سے بہت کارنمایاں ظہور میں آئے۔ ہر صحیح وجدان والا شخص اپنے وجدان سے اُسوقت کی کیفیت کا مشاہدہ کرسکتا ہے کہ ایک سخت کافر جس نے مسلمانوں کو تنگ کر رکھا تھا زبان عربی سے محض ناواقف فصیح عربی سے تقریر کر رہا ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں تشریف لاکر ایک ایسا کرشمہ دکھلادیا کہ طبیعت کا رنگ ہی بدل گیا۔ اور جتنے منصوبے تھے سب کی کایا پلٹ ہوگئی بمصداق شعر لمولفہ

چو عکس رخت تافت بر جان من	ہمہ دیدہ گوئی کہ نادیدہ شد

اس مژدۂ جاں فزا سے مجمع عشاق نبوی پر عجیب قسم کی کیفیت طاری اور اوس عالم وجد میں ہر ایک کی زبان حال پر یہ شعر جاری ہے ؎

نہ مرا بستۂ گیسوئے پریشاں داری	غمزۂ خاص ہر گبر و مسلماں داری

غرض کہ اوس خواب سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصرفات

اوس عالم میں برابر جاری ہیں۔ بلکہ غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ اوس عالم میں اور بھی زیادہ قوی ہو گئے ہیں۔ اس لئے کہ جبتک آپ اس عالم میں تشریف رکھتے تھے متعصب کفار پر کچھ اثر نہ ہوا بخلاف اوس کے اوس عالم میں ایسے سخت متعصب شخص کو ایک بار کہہ دینا کافی ہو گیا۔ اسی وجہ سے عاشقان جمال نبوی ہمیشہ اس آرزو میں رہتے ہیں کہ دولت دیدار سے مشرف ہوا کریں۔ اور فی الواقع اوسکے آثار و برکات بھی نمایاں ہوتے ہیں۔ جس طرح یوقنا پر اوس عالم میں نظر ڈالنا کافی ہوا۔ اسی طرح اس واقعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے جو واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح حمص میں لکھا ہے کہ ایک قسیس نے جو ہرقل کا معتمد علیہ تھا ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور اوسی کے صبح مشرف بہ اسلام ہوا۔

فتوح الشام اور ناسخ التواریخ میں واقعۂ فتح بصریٰ میں لکھا ہے کہ وہاں کا بادشاہ روماس نامی نے عین میدان جنگ میں چند سوال اسلام سے متعلق خالد رضی اللہ عنہ سے کئے۔ اور جوابات سن کر خفیہ طور پر مسلمان ہو گیا۔ ہر چند اپنے لشکریوں کو مسلمان ہونے کو کہا مگر کسی نے نہ مانا۔ بلکہ اوس کی جگہ پر دیرجان کو مقرر کیا۔ اور کئی روز جنگ ہوتی رہی۔ ایک رات روماس رحمۃ اللہ علیہ نے کسی تدبیر سے مسلمانوں کو

اسلام روماس حاکم بصریٰ

قلعہ میں پہونچا دیا۔ چنانچہ وہاں سخت لڑائی ہوئی اور ردیر جان مارا گیا۔
بعد فتح روماس رحمۃ اللہ علیہ کی بی بی خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں
اور کہا کہ آج کی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص نہایت خوبصورت
نورانی چہرہ تشریف فرما ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ شام و عراق مسلمانوں کے
ہاتھ فتح ہو گئے۔ میں نے پوچھا کہ حضرت آپ کون ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ میں
محمد رسول اللہ ہوں۔ پھر مجھے اسلام لانے کو فرمایا۔ چنانچہ میں مسلمان ہو گئی
اوس کے بعد حضرت نے مجھے دو سورتیں قرآن کی سکھلائیں۔ خالد
رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا وہ سورتیں تم پڑھ سکتی ہو کہا ہاں۔ چنانچہ سورۂ
فاتحہ اور قل ہو اللہ پڑھ کر سنا دیں۔ چونکہ اون کو روماس رحمۃ اللہ علیہ
کے مسلمان ہونیکا حال معلوم نہ تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ سے کہا کہ روماس
یا مسلمان ہو جائے یا مجھے چھوڑ دے۔ تاکہ میں مسلمانوں میں اپنی زندگی
بسر کروں۔ خالد رضی اللہ عنہ نے ہنس کر کہا کہ وہ تو تم سے پہلے ہی مسلمان
ہو چکے ہیں۔ یہ سن کر وہ نہایت خوش ہوئیں۔ انتہی ملخصاً

قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا
کہ روماس رحمۃ اللہ علیہ مسلمان ہونے کی وجہ سے جلاوطن ہو رہے ہیں
آپکی طبع غیور نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ بالکل بے مونس و بے غمخوار ہو جائیں
اس لئے اونکی بی بی کو مسلمان ہونیکے لئے حکم فرمایا۔ چنانچہ صرف اسی

ایک ارشاد پر مسلمان ہوگئیں اور اسلام بھی کیسا کہ اپنا خان و مان اور شوہر کو چھوڑ کر جلاوطن ہونے پر اونکو آمادہ اور مستعد کردیا۔ حکومت اسے کہتے ہیں کہ ادھر حکم ہوا اودھر تعمیل ہوگئی۔ کیا یہ بغیر تصرف کے ممکن ہے۔ بغیر تصرف کے بھی کہاں۔ عالم ارواح میں جہاں دلوں پر تصرف ہوا کرتا ہے کیونکہ در حقیقت دل تابع روح ہے جس کو اصطلاح میں نفس ناطقہ کہتے ہیں۔

غرض کہ کسی طرح سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات اوس عالم میں جاری ہیں۔ جن کا اثر اس عالم میں نمایاں ہوتا ہے اسی وجہ سے کعب ابن ضمرہ رضی اللہ عنہ جن کا حال ابھی معلوم ہوا انھوں نے جب دیکھا کہ کفار کی بے شمار فوج کے مقابلے میں اہل اسلام کا سربر ہونا دشوار ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا کہ جلد مدد فرمائیے۔ اور اوسکا ظہور بھی اس طور پر ہوا کہ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور فتح بھی کیسی کہ خود بادشاہ فریق مخالف اسلامی فوج کا ایک سپاہی خیرخواہ بنگیا۔ یہ ان حضرات کی خوش اعتقادی کا اثر تھا کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کامیابیوں میں وسیلہ بناتے اور مواقع مہلکہ میں باعث نجات سمجھتے تھے۔ اب ایسے مستند وسیلہ کو کوئی کھو بیٹھے تو وہ قسمت کی بات ہے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ صرف کعب ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پکارا۔ بلکہ صحابہ کا عام دستور تھا کہ سختی کے وقت حضرت کو پکارتے

اور مدد طلب کرتے تھے۔ چنانچہ تاریخ کامل میں علامۂ ابن اثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مسیلمہ کذاب کی فوج تقریباً ساٹھ ہزار تھی۔ اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ لوگ بہت کم تھے۔ جب اُن کے سخت حملے ہونے لگے تو مسلمانوں کے پاؤں اوکھڑ گئے۔

لکھا ہے کہ اس جنگ میں مسلمانوں نے ایسی مصیبتیں اور سختیاں اوٹھائیں کہ کسی جنگ میں نہیں اوٹھائیں۔ جب خالد رضی اللہ عنہ اور اون کے رفقا نے جو ثابت قدم تھے دیکھا کہ نہایت نازک حالت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا۔ چنانچہ واحمداہ واحمداہ ہر صحابی کی زبان پر اوسوقت جاری تھا۔ پھر بفضلہ تعالی اوسکا یہ اثر ہوا کہ مسیلمہ کذاب داخل جہنم کیا گیا۔ اور اوسکی فوج کو شکست ہوئی انتہی ملخصاً دیکھئے اس جنگ میں کل صحابہ تھے۔ اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی ساتھ ہی یہ جنگ ہوئی۔ اب کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ یہ حضرات مصیبت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنے اور مدد مانگنے سے معاذاللہ مشرک ہوگئے تھے۔ اگر یہ حضرات مشرک ہوں تو یہ مضمون صادق آئے گا۔ **مصرعہ**

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

صحابہ کے طریقۂ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

اشد ضرورت کے وقت پکارتے تھے۔ ہر وقت اوٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ کہنے کی عادت نہیں کی تھی۔ ناسخ التواریخ میں جنگ یرموک کے حال میں لکھا ہے کہ چار لاکھ آدمیوں کی فوج تھی۔ اور بقول واقدی رحمۃ اللہ علیہ اوس کے دوچند یا سہ چند یعنے بارہ لاکھ تھی۔ اور اسلام کی فوج بہت کم تھی اسوجہ سے بارہا ہزیمت ہوئی اور سنبھل کر پھر حملہ کرتے چنانچہ ایک بار اوس حصہ کی فوج کو ہزیمت ہوئی جسمیں ابوسفیان رضی اللہ عنہ تھے اور اونکا گذر عورتوں پر ہوا۔ ہندہ رضی اللہ عنہا جو ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بی بی تھیں اونھوں نے خیمہ کا ستون لیا اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کے منہ پر مار کر ابوسفیان سے کہا کہ اے صخر حرب کے بیٹے تم کہاں بھاگ رہے ہو۔ یہ وقت جان فدا کرنے کا ہے تا کہ اوسکا بدلہ ہوجائے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں تم کفار کو برانگیختہ کرتے تھے۔ چنانچہ وہ مع فوج شکستہ پھرے اور کفار پر حملہ کیا۔ لکھا ہے کہ خالد رضی اللہ عنہ نے چھ ہزار سوار لے کر فوج کفار کے قلب پر حملہ کیا۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اوسوقت اون سب کی زبان پر یا محمد یا منصور امت امت جاری تھا یعنے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اے فتح مند اپنی امت کی خبر لیجیے۔ خبر لیجیے۔ دیکھئے چھ ہزار صحابہ اور تابعین بارہ لاکھ فوج کفار کے مقابلہ میں جب لڑ رہے ہونگے تو بمقتضائے

بشریت اون کے دلوں کی کیا حالت ہوگی۔

اسمیں شک نہیں کہ شوق شہادت پسپا نہیں ہونے دیتا تھا۔ مگر یہ بھی منظور نہ تھا کہ امت نبوی فنا ہوجائے۔ ہر چند عشق الٰہی کا مقتضی یہ تھا اس عالم سے سفر کرکے وہاں کے مزے حاصل کریں۔ مگر حقوق ولی نعمت جو پیش نظر ہوگئے تو اس لحاظ سے کہ وہ خود غرضی پر کہیں محمول نہ ہوجائے پکار کر کہدیا کہ حضرت اپنی امت کی خبر لیجئے۔ اگر چند روز اس عالم میں ہم سے خدمت لینی منظور ہو تو حاضر ہیں۔ ورنہ وہاں جانا تو عین مقصود ہے غرضکہ اوس سختی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکار کر استمداد کی۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ اس ندا کو عین ثواب سمجھتے تھے۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۷۴) میں لکھا ہے کہ جب اہل اسلام بہنسا کا محاصرہ کئے ہوئے تھے ایک رات وہاں کے بادشاہ نے ایسے وقت شب خون مارا کہ اہل اسلام غفلت میں تھے کوئی سنبھلنے نہیں پایا تھا کہ کفار کی فوج کثیر نے خونریزی شروع کردی۔ صحابہ کا بیان ہے کہ وہ رات ایسی پرآشوب اور مصیبت کی تھی کہ کبھی ہم نے ویسی نہیں دیکھی۔ اوس حالت اضطرار میں سب کی زبان پر یا محمد یا محمد یا نصر اللہ انزل جاری تھا۔ انتہیٰ

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۸۱) میں ایک دوسرا واقعہ بھی

اسی قسم کا نقل کیا ہے کہ ایک رات بطلیموس دس ہزار سوار لے کر قلعہ سے باہر نکلا۔ اور نہایت سرعت سے اہل اسلام پر شب خون مارا جس سے لوگ تاریکی شب میں سخت پریشان ہوئے اور ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے یہ گڑ بڑ سنتے ہی چیخ مار کر کہا کہ واغوثاہ وا محمداہ وا اسلاماہ کِیْدَ قومی و رب الکعبۃ جس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بخدا میری قوم کے ساتھ مکر کیا گیا۔ فریاد رسی کیجئے۔ تاکہ یہ صحیح سالم رہیں۔

ان وقائع سے ظاہر ہے کہ سخت مصیبت کے وقت صحابہ شافع ہر دوسرا صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے اور مدد مانگتے تھے۔

ناسخ التواریخ اور تاریخ واقدی میں واقعہ مرج القبائل میں لکھا ہے کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے میسرہ ابن مسروق کو چار ہزار سپاہیوں کا امیر مقرر کر کے (درو ب) کی طرف روانہ کیا۔ ہرقل نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ادھر کا قصد کیا ہے۔ تیس ہزار کا لشکر مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔ جب وہ قریب پہونچا تو میسرہ متفکر ہوئے۔

عبداللہ ابن حذافہ نے سبب دریافت کیا۔ کہا مجھے اپنی ذات کی کچھ فکر نہیں۔ خوف ہے تو یہ ہے کہ مسلمان کم ہیں۔ اور کفار زیادہ پس کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ کہا۔ اے امیر ہم لوگ کبھی موت سے ڈرتے نہیں۔

ہم نے تو اپنی جانیں خدا کی راہ میں وقف کر دی ہیں ۔ اسی گفتگو میں تھے کہ کفار کا لشکر مقابلہ میں آگیا ۔ اور اونمیں سے ایک شخص نے آگے بڑھکر کہا کہ اے اہل عرب تم جو ہمارے پیچھے پڑھ گئے ہو معلوم ہوتا ہے کہ تمھیں موت یہاں گھیر لائی ہے ۔ بہتر ہے کہ تم اپنے تئیں ہمارے حوالہ کر دو ۔ تاکہ تمھیں قید کرکے ہرقل کے پاس بھیجدیں ۔ ورنہ تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے یہ سنتے ہی ابوالہول دامس رضی اللہ عنہ نے اوس کو قتل کر ڈالا ۔ اور گھسان کی لڑائی ہوئی ۔ اسوقت دامس رضی اللہ عنہ کے ہمراہی میں ایک ہزار اشخاص تھے ۔ جو یا محمد یا محمد کہتے ہوے حملہ پر حملہ کرتے جاتے تھے ۔ انتہی ملخصاً

دیکھئے ندا کے جواز میں اگر ذرا بھی شک ہوتا تو اوس زمانہ میں کوئی تو اسکا انکار کرتا اب انکار کیونکر ہو سکے ۔ صحابہ سے لیکر اسوقت تک کل مسلمان موافق مخالف سب جانتے ہیں کہ ہر مسلمان کو ضرور ہے کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر روز پکارا کرے ۔ دیکھئے نماز جو خاص عبادت ہے جس کی شان میں معراج المومنین وارد ہے ۔ اوسمیں حضرت کو پکارنیکی ضرورت ہے ۔ اگر کوئی نہ پکارے تو وہ عبادت ناقص ہو جائیگی ۔ بلکہ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت ہوگی ۔ کیونکہ کوئی فقیہ یا محدث نہیں جو التحیات فرض یا نفل نماز میں پڑھنے کو ضروری نہ سمجھتا ہو ۔ دیکھئے اوسمیں جملہ ندائیہ یعنی

ایھا النبی موجود ہے۔ یہ ندا اس غرض سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ مشاہدۂ جمال الٰہی میں مستغرق رہتے ہیں۔ اس موقع میں کسکی مجال تھی کہ اپنی طرف توجہ دلاسکے۔ مگر کمال بندہ نوازی سے یہ اجازت ہوگئی۔ کہ جب چاہو ہمیں پکار لو تو ہم متوجہ ہو جائیں گے خصوصاً او سوقت کہ بارگاہ الوہیت میں تمھیں حضوری نصیب ہو۔ متوجہ کرکے ضرور سلام عرض کیا کرو۔ یہ ہے سر التحیات میں سلام عرض کرنیکا۔

اب رہی یہ بات کہ حکیمانہ مذاق میں یہ گوارا نہیں کہ وقت واحد میں تمام مسلمانوں کے طرف حضرت کی توجہ ہو سکے سو یہ بحث دوسری ہے اس قسم کے خیالات سے حکیموں نے خدائے تعالیٰ کو بھی معطل الوجود قرار دیا۔ اور صاف کہ دیا کہ خدائے تعالیٰ کو معاذ اللہ جزئیات کا علم ہی نہیں مگر اہل ایمان ان خیالات کو محض وساوس شیطانی سمجھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ ہر آن میں عالم کے ذرہ ذرہ کی طرف متوجہ اور حاضر و ناظر ہے اور قادر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی قوت عطا فرمائے کہ جب کوئی امتی آپ کو پکارے آپ اوسکی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اور سب کے طرف آن واحد میں متوجہ ہو سکیں۔ اگر یہ محال ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے خدائے تعالیٰ کبھی نہ کہلواتا کہ نماز میں کل مسلمان السلام علیک ایھا النبی کہا کریں۔ کیونکہ حقتعالیٰ جانتا تھا

کہ حضرت کی امت کے کروڑہا آدمی شرقاً و غرباً ہر زمانے میں السلام علیک ایہا النبی کہکر توجہ دلایا کرینگے۔

یہ بحث ہمنے انوار احمدی میں کسی قدر تفصیل سے لکھی ہے اُس مقام میں وہ بحث اور صلوٰۃ الحاجۃ جسمیں یا محمد انی اتوجہ بک الی ربک اور دوسرے مباحث جو ندا سے متعلق ہیں مذکور ہیں۔ اگر انوار احمدی میں دیکھ لئے جائیں تو فائدہ سے خالی نہیں التحیات میں جو ندا کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کیا جاتا ہے اوس سے یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ گویا ہم یہ عرض کر رہے ہیں کہ حسب الارشاد ہم بارگاہ الوہیت میں حاضر ہو گئے ہیں۔ مگر نہ ہم میں صلاحیت حضوری ہے نہ ہماری عبادات شایان بارگاہ کبریائی ہے۔ آپ کی مدد درکار ہے۔ کہ یہ عبادت اور عرض و معروض درجہ اجابت تک پہونچ جائے۔ اسی طرح صحابہ اور تابعین مصیبت کے وقت آپ کو پکار کر مدد مانگتے تھے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ کو اوس عالم میں تصرف دیا گیا ہے۔ جیسا کہ خوابوں اور قرائن سے ثابت ہے۔

فتوح الشام اور ناسخ التواریخ کی جلد دوم واقعۂ جنگ اجنادین میں لکھا ہے کہ جب وردان سپاہ سالار روم نے اپنا لشکر جسکی (۹۰) صفیں تھیں اور ہر صف ہزار سوار کی آراستہ کرکے مسلمانوں کے مقابل ہوا تو

ضرار ابن الازور رضی اللہ عنہ نے زرہ وغیرہ پہن کر اوس لشکر پر حملہ کیا۔
اور ادھر سے اُن پر تیروں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ چونکہ زرہ سخت تھی۔
زخم نہ لگا۔ اور اس حملہ میں اونہوں نے تیس سواروں کو قتل کیا۔ اوس کے
بعد اونہوں نے خود اور زرہ وغیرہ پھینک کر یہ کہتے ہوئے حملہ آور ہوئے
کہ میں ضرار ابن الازور ہوں وردان کے بیٹے حمران کا قاتل اور تم لوگوں پر
بلائے بے درماں کی طرح مسلط ہوں۔ اوس وقت لشکر روم کسی قدر
پیچھے ہٹا۔ مگر وہ حملہ کر کے لشکر میں گھس گئے۔ وردان نے ٹھنڈی سانس
کھینچکر کہا کہ یہ شخص میرے لڑکے کا قاتل ہے۔ اگر کوئی اسکو قتل کرے تو
جو کچھ چاہے گا میں اوسے دونگا۔ ایک بطریق نے میدان میں آکر کہا
میں اوسے قتل کرتا ہوں۔ چنانچہ ایک ساعت تک دونوں میں معرکہ آرائی
ہوتی رہی۔ آخر ضرار رضی اللہ عنہ نے موقع پاکر اوس کے جگر میں نیزہ
مارا جس سے وہ گر گیا۔ وردان نے کہا کیا اور کوئی اسکا مقابلہ کرسکتا ہے
لوگوں نے کہا یہ شخص جن ہے۔ اسکا مقابلہ مشکل ہے۔ وردان نے کہا
خیر میں خود اپنے لڑکے کا بدلہ اس سے لیتا ہوں۔ چنانچہ سامان جنگ
سے آراستہ ہوا۔ اور مقابلہ کو نکلنا چاہا تھا کہ اصطفان نام ایک سردار
نے روبرو آکر کہا کہ اگر حمران کے بہن کا نکاح میرے ساتھ کردیتے ہو تو
میں اوس کو قتل کر ڈالتا ہوں۔ اوس نے قبول کیا وہ مقابلہ کو نکلا۔

اور بہت دیر تک دونوں کا مقابلہ اس طور سے ہوتا رہا کہ دونوں لشکر کے لوگ تعجب کرتے تھے۔ آخر خالد رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا۔ اے ضرار یہ سستی کیسی جنبش کرو اور جوانمردی دکھلاؤ۔ یہ سنتے ہی اونہوں نے غضبناک ہوکر سخت حملہ کیا۔ اصطفان نے ضرار رضی اللہ عنہ سے کہا کہ گھوڑے تھک گئے ہیں۔ مناسب ہے کہ اب پیادہ ہوکر لڑیں انہوں نے قبول کیا۔ چنانچہ اصطفان پیادہ ہوگیا۔ اس کا غلام جب اوس کو پیادہ دیکھا تو اوس کے لئے ایک گھوڑا لیکر لشکر سے نکلا۔ اوسوقت ضرار رضی اللہ عنہ نے اپنے گھوڑے سے کہا اے بطال تھوڑی دیر اپنی تیزی اور چالاکی دکھلا۔ ورنہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری شکایت کرونگا۔ یہ سنتے ہی گھوڑا ہنہنایا۔ اور نہایت چست و چالاک ہوگیا۔ چنانچہ ضرار رضی اللہ عنہ نے اوس غلام کی طرف اوسے دوڑایا جو گھوڑا لا رہا تھا وہ نہایت پھرتی سے دوڑا۔ اونہوں نے اوس کو قتل کر اوس کے گھوڑے پر سوار ہو جنگ میں مشغول ہوگئے۔ اور اوس بطریق کو بھی قتل کر ڈالا۔ انتہی

یہاں قابل توجہ یہ بات ہے کہ بطریق کے گھوڑے نے اتنی دیر کام نہیں کیا تھا جتنی دیر ضرار رضی اللہ عنہ کے گھوڑے نے کیا۔ کیونکہ وہ صبح سے اوسی گھوڑے پر لڑ رہے تھے باوجود اس کے اوسکا

گھوڑا تھک گیا۔ اور اوس کو گھوڑا بدلنے کی ضرورت ہوئی۔ اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ضرار رضی اللہ عنہ کا گھوڑا کس قدر تھکا ہوگا۔ مگر جب اونہوں نے اوسکو دھمکی دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میں تیری شکایت کرونگا تو وہ مستعد ہوگیا اور کارنمایاں کردکھایا گھوڑے کو شکایت کی دھمکی دینی ظاہراً ایک دل لگی کی بات معلوم ہوتی ہے مگر جب ہم اوس حالت اور مقام پر نظر ڈالتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ دل لگی کا اوس مقام میں خیال تک نہیں آسکتا۔ وہ مقام تو ایسا تھا کہ موت آنکھوں میں پھر گئی تھی۔ بکمال اضطرار و اضطراب کی حالت تھی۔ ایسی حالت میں یہ کہنا کہ تو تن آسانی کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری شکایت کرونگا۔ بعینہ ایسا تھا جیسے بادشاہ کسی کی تعیناتی میں فوج دے۔ اور وہ خطرناک حالت میں رفاقت ترک کرنا چاہے تو اوس کو بادشاہ کے پاس شکایت کرنیکی دھمکی دیجاتی ہے جس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ اگر ہم نہ لڑینگے تو بادشاہ ایسی سزا دیگا جس سے مرجانا اچھا ہے چنانچہ اس دھمکی سے وہ جان دینے پر مستعد ہوجاتے ہیں۔

اس دھمکی سے گھوڑے کے دل پر جو اثر پڑا معلوم نہیں کہ وہ کس قسم کی سزا ہوگی۔ جس سے وہ گھبرا گیا۔ مگر اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ

ضرار رضی اللہ عنہ نے کچھ سمجھ کر وہ جملہ کہا تھا جس کو گھوڑا بھی سمجھ گیا۔ اور مقصود حاصل ہو گیا۔ اب اگر ہم نہ سمجھیں تو ہماری عقل کا قصور ہے۔ الغرض اس واقعہ سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات اوس عالم میں ایسے جاری ہیں جن کو جانور بھی سمجھتے ہیں اسوجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہ سختی اور مصیبت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے تھے۔ جیسا کہ ابھی متعدد واقعات سے معلوم ہوا اگر ان حضرات کے نزدیک یہ ثابت ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ ہماری آواز پہونچتی ہے نہ آپ مدد کر سکتے ہیں تو پکارنے کو فضول بلکہ گناہ سمجھتے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وقت مدد کرنا اور امت کے حالات پر ہر وقت مطلع ہونا اون کے ذاتی مشاہدوں سے ثابت ہو گیا تھا۔

واقدی رضی اللہ عنہ نے فتوح الشام کے واقعہ فتح قنسرین میں لکھا ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دس صحابہ کے ساتھ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے لشکر سے دور ہو گئے۔ رات کا وقت تھا کہیں ٹھہر گئے تھے۔ صبح کی نماز پڑھکر جانا چاہا تھا۔ کہ جبلہ ابن ایہم نصرانی کا لشکر کثیر آگیا۔ آپ بھی اوس لشکر کے ہمراہ ہو گئے۔ جب قنسرین کے قریب پہونچے تو وہاں کا بطریق فوج لیکر جبلہ کے استقبال کو آیا۔ پہلے پہل خالد رضی اللہ عنہ سے

ملاقات ہوئی اون کو اپنا ہم مشرب سمجھ کر کہا کہ مسیح تم کو سلامت اور یہ صلیب تمھیں باقی رکھے۔ یہاں یہ سننے کی تاب کہاں۔ فوراً کہا کہ اے کمبخت ہم صلیب کے پوجنے والے نہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں اور کلمہ طیب پڑھکر کہا اے خدا کے دشمن میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ہوں یہ کہکر اوس کو گرفتار کر لیا۔ لشکر کفار نے ساتھ ہی اون کو اور آپکے ہمراہیوں کو گھیر لیا ہر چند ان حضرات نے کشتوں سے اوس سرزمین کو بھر دیا۔ مگر ہزاروں کے مقابلہ میں دس گیارہ شخصوں کی ہستی ہی کیا۔ اول تو لڑتے لڑتے وہ تھک گئے تھے اوس پر تشنگی کا غلبہ سب کو یقین ہو گیا کہ اب خاتمہ بالخیر ہونے کو ہے۔ اسی نفس شماری میں تھے کہ ہاتف نے آواز دی کہ اے حاملین قرآن خوش ہو جاؤ مدد اور نصرت آپہونچی۔ چنانچہ اوسی وقت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ مع لشکر پہونچ گئے۔ اور مسلمانوں کی فتح ہو گئی۔ دیکھئے وہاں تار تھا نہ ڈاک۔ نہ اتنی مہلت ملی کہ ہمراہیوں میں سے کسی کو بھیجکر ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو خبر دیں۔ مگر وہاں تو انتظام ہی دوسرا تھا۔ کل واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہو رہے تھے۔ جس طرح حضرت اس عالم میں حکم و احکام اپنی ذات سے فرماتے تھے اوس عالم میں تشریف لیجانیکے بعد بھی وہی طریقہ جاری رکھا۔ گو عموماً لوگوں کو اوس کی اطلاع نہ تھی۔ مگر بعض مواقع میں اطلاع

بھی فرما دیتے تھے۔ چنانچہ اوسی میں لکھا ہے کہ جس صبح میں یہ واقعہ پیش آیا اوسی رات ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں نہایت سختی سے فرمایا کہ اے ابن جراح ایک بزرگ قوم دشمنوں کے ہاتھ میں پھنسی ہے۔ اور تم سوتے پڑے ہو۔ اوٹھو اور جلدی سے جاؤ انشاء اللہ تعالیٰ وقت پر پہونچ جاؤ گے۔ چنانچہ وہ فوراً اوٹھے اور نہایت اضطراب سے کہا النفیر النفیر یعنے دوڑو دوڑو لوگوں نے کہا حضرت خیر تو ہے کہا کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی ہے کہ موحدین کی جماعت کو کفار نے گھیر لیا۔ چنانچہ اوسی وقت وہ فوج لیکر روانہ ہوئے۔ اور اشد ضرورت کے وقت وہاں پہونچ گئے۔ اب کہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مدد اور نصرت تھی یا نہیں۔ اگر کہا جائے کہ مدد الٰہی تھی تو اسمیں کس کو کلام ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے الیہ یرجع الامر کلہ مگر اس لحاظ سے یہ بھی کہنا پڑے گا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بھی مدد نہیں کی۔ حالانکہ اونہوں نے بموجب آیۂ شریفہ تعاونوا علی البر والتقوی اونکی مدد کرکے اپنا فرض منصبی ادا کیا۔ سچ پوچھئے تو اونہوں نے کیا ہی کیا مدد تو خدائے تعالیٰ کی طرف سے ہوئی ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ قولہ تعالیٰ وما النصر الا من عند اللہ العزیز الحکیم اگر یہ سب وسایط ساقط ہو جائیں اور ہمہ اوست کا مضمون پیش نظر ہو تو وہ بات دوسری ہے

مگر اوسوقت بھی محققین وسائط و اسباب کو پیش نظر رکھے ہیں۔ غرض کہ ایاک نستعین کے لحاظ سے انبیا اور اولیا کی مدد جائز نہ ہو تو ماوشما کی مدد بھی جائز نہوگی۔ اور اگر ماوشما کی مدد جائز ہے تو انبیا اور اولیا کی مدد بطریق اولی جائز ہوگی۔

۲۴۴

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے جنگ مرج القبائل میں لکھا ہے کہ تیس ہزار لشکر روم کے مقابلہ میں ابوالہول رحمۃ اللہ علیہ اور اون کے ہمراہیوں نے جو ایک ہزار تھے وہ جوانمردی دکھائی کہ اہل روم کے حوصلے پست ہو گئے اوسوقت دس ہزار کی فوج نے اونھیں گھیر لیا۔ مگر اون کے استقلال میں فرق نہ آیا۔ چنانچہ نو ہزار آدمیوں کو قتل کرڈالا۔ جب دونوں لشکر جدا ہوئے تو ابوالہول رحمۃ اللہ علیہ نظر نہ آئے انکی تلاش کی فکر ہو رہی تھی۔ کہ ہمراہیوں نے حملہ کیا۔ اور ایک ایک شخص کو دس دس بیس بیس بلکہ پچاس پچاس شخصوں نے گھیر کر شہید کرڈالا۔ یا گرفتار کر کے لیگئے۔

غرض کہ ابوالہول رحمۃ اللہ علیہ کا حال دریافت کرنے کی نوبت نہ آئی۔ راوی کا قول ہے کہ معرکہ کارزار گرم تھا۔ کہ لشکر کفار میں شور مچا۔ اور معلوم ہوا کہ اون کے پیچھے سے لوگ لڑتے ہوے چلے آرہے ہیں۔ اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز بلند ہے۔ ہم نے خیال کیا کہ شاید فرشتوں کی آواز ہوگی۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ابوالہول رحمۃ اللہ علیہ

اور اون کے ساتھ والوں کی آواز ہے۔ چنانچہ وہ لشکر کفار کو پھاڑتے اور جو سامنے آتا اوس کو تہ تیغ کرتے ہوئے لشکر اسلام میں پہونچ گئے۔ جب لڑائی موقوف ہوئی میسرہ رحمۃ اللہ علیہ امیر لشکر نے حال دریافت کیا۔ کہا کہ کفار نے مجھ پر حملہ کرکے میرے گھوڑے کو قتل کر ڈالا۔ جس سے میں گر پڑا۔ اور اونھوں نے قابو پاکر مجھے اور میرے چند ساتھ والوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا۔ جب رات ہوئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں اے (داس) مت ڈرو۔ خدا کے پاس میرا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ یہ کہکر میرے اور میرے رفقا کے زنجیروں پر ہاتھ پھیرا۔ وہ فوراً گر گئیں۔ پھر نصرت اور فتح کی بشارت دیکر فرمایا میں تمھارا نبی محمد رسول اللہ ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور فرمایا کہ میسرہ کو ہمارا اسلام پہونچا کر کہنا کہ خدا تمھیں جزائے خیر دے۔ یہ کہکر غائب ہوگئے۔ جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ زنجیریں گری ہوئی ہیں اور پہرے والے تھک کر خواب غفلت میں بےخود پڑے ہیں۔ ہم نے اونکی تلواریں وغیرہ لے اونکو قتل کر ڈالا۔ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت تھی جو ہمیں وہاں سے نجات ملی۔ انتہی

ابو الہول رحمۃ اللہ علیہ جب گرفتار ہو کر زنجیروں میں جکڑے ہوئے قید میں ہونگے وہ رات اون پر کس مصیبت کی ہوگی۔ پھر جب ایسی بیکسی اور بےبسی کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس تشریف فرما

ہوکر اون کو قید سے ایسے طور پر رہائی دی کہ کسی فرد بشر کو علم ہی نہیں۔
بلکہ ہر کس و ناکس کو اوس کا سمجھنا مشکل ہے تو کہئے کہ اونکا دل اس احسان سے
اور اپنے مربی محسن پر کس درجہ فدا ہوتا ہوگا اگر اون سے کہا جاتا کہ نبی صلی اللہ
علیہ وسلم وفات پا گئے اب اونکو امت سے تعلق ہی کیا۔ اور یہ اعتقاد رکھنا
شرک ہے کہ حضرت کو دور کے حالات بھی معلوم ہوتے ہیں تو کیا اپنے
ذاتی مشاہدہ اور اوس کے آثار ظاہر ہونیکے بعد ویسی باتوں کی طرف اونکی
توجہ ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ غرضکہ اس روایت سے ثابت ہے کہ جو لوگ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے خدمت گزار ہیں اونپر آپکی
خاص قسم کی توجہ مبذول رہتی ہے اور بفضلہ تعالیٰ اونکی مشکل کشائیاں
آپ برابر فرماتے رہتے ہیں۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۴۶) میں فتح دمشق کے حالات میں
تفصیلی واقعات لکھے ہیں جن سے ظاہر ہے کہ اہل اسلام نے اس جنگ میں
بہت سی سختیاں اوٹھائیں جب مسلمانوں کا پورا امتحان ہوگیا اور وہ اس
امتحان میں کامیاب ثابت ہوئے اوسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے خواب میں تشریف لاکر فرمایا کہ آج رات کو انشاء اللہ تعالیٰ
فتح ہو جائیگی۔ یہ کہکر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جانیکا قصد فرمایا۔ ابوعبیدہ
رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ بہت جلد تشریف لیجاتے ہیں۔

فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے جنازہ پر مجھے جانا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اوسی شب فتح ہوئی اور دریافت سے ثابت ہوا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال اوسی شب میں ہوا تھا۔ انتہی ملخصًا

اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اس عالم اور اوس عالم کے واقعات اور حالات برابر پیش نظر ہیں اور قرب وبُعد یکساں ہے۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۴۲) فتوح الشام کے واقعۂ یرموک میں لکھا ہے کہ جب اوس مقام کی فتح میں تاخیر ہوئی اور وحشت ناک خبریں عمر رضی اللہ عنہ کو پہونچیں تو وہ نہایت متفکر تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ کسی باغ میں تشریف رکھتے ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہیں عمر رضی اللہ عنہ نے سلام عرض کر کے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا دل مسلمانوں میں لگا ہوا ہے خدا جانے اونکی کیا حالت ہوگی مجھے خبر پہونچی ہے کہ دس لاکھ ساٹھ ہزار رومی مسلمانوں کے مقابلے کو آ گئے ہیں۔ فرمایا اے عمر رضی اللہ عنہ! خوش ہو جاؤ کہ خدائے تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اور اون کے دشمن کو شکست ہوئی۔ اور کفار کثرت سے مارے گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے صبح کی نماز پڑھتے ہی صحابہ کو یہ خوش خبری سنائی سب نہایت خوش ہوئے اور اس خواب کی تاریخ لکھ رکھے چند ہی روز میں فتح کی

خبر آئی اور معلوم ہوا کہ اوسی رات فتح ہوئی جس رات حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی۔ انتہیٰ

صحابہ رضی اللہ عنہ جب ایسے واقعات بذات خود دیکھتے اور معتمد علیہ لوگوں کی زبانی سنتے ہونگے اور اوس کی تصدیق وقتاً فوقتاً ہوتی ہوگی تو کیا ان تجربوں کے بعد بھی حضرت کے علم غیب ذاتی میں اون کو شک رہتا ہوگا؟ ان ہی اسباب سے وہ ہمیشہ کہا کرتے واللہ و رسولہ اعلم۔

واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے صفحہ (۱۹۳) میں لکھا ہے کہ جب مسلمانوں کو شام میں فتح پر فتح ہونے لگی تو ہرقل نے مدد کے لئے فوجیں جمع کرنی شروع کیں اور ہر طرف سے صوبیدار اور سلاطین آنے لگے۔ فلنطاوس بادشاہ رومیہ نے بھی ارادہ کیا اور چاہا کہ سلاطین سابقہ نے جو خزانہ جمع کیا ہے اوس کو اس کام میں لائے۔ اس غرض سے اوس متقفل مکان کو کھولنے کا ارادہ کیا جو طلسم سے بنایا گیا تھا وہاں کے محافظین نے کہا کہ اے بادشاہ اس گھر کو بند کر سات سو برس ہوئے کسی بادشاہ نے اوسے نہیں کھولا بلکہ ہر ایک نے وصیت کی کہ کوئی نہ کھولے۔ فلنطانوس نے نہ مان کر اوسے کھولا۔ دیکھا کہ ایک تختی پر بہت سی نصیحتیں لکھی ہیں اور اونمیں یہ بھی لکھا ہے کہ جب زمین پر گمراہی پھیل جائیگی تو زمین تہامہ میں ایک چراغ ہدایت روشن نکلے گا۔ جس سے جہل کی تاریکی دور ہو جائیگی

اونکی سواری اونٹ ہوگی وہ توحید کی طرف بلائیں گے اونکا دین سب دینوں پر غالب ہو جائے گا پھر جب وہ عالم روحانی کو جائیں گے تو ایک نحیف شخص والی ملک ہونگے جن کا دل منور بنور صدق ہوگا۔ اون کے بعد ایک شخص جن کا حملہ سخت ہوگا۔ عدل اونکی صفت اور حق اونکی منقبت جبہ اونکا پیوند لگا ہوا ہوگا۔ دُرّہ اونکا تلوار کا کام دیگا۔ اون کے زمانہ میں بہت سی دولتیں جاتی رہیں گی۔ اوس کے ظہور کا وقت وہ ہوگا۔ یہ مکان جو حکمت سے بنایا گیا ہے کھولا جائیگا اوس شخص کی خوش خبری ہے جس کے دل میں حکمت مستحکم ہو۔ اور عقل میں حکمت کے چراغ روشن ہوں اور حق کو سمجھ کر پیروی کرے۔ اور باطل سے دور رہے۔ جب فلنطانوس نے وہ پڑہ لیا تو عطاؤس سے جو اوس مکان کا متولی تھا۔ پوچھا کہ اے پدر مہربان اس حکمت کے بارہ میں آپ کیا کہتے ہو کہا اے بادشاہ کیا کہوں جسکو بڑے بڑے لوگوں نے بنایا ہے اور حکما نے اوسکو معلوم کر لیا ہے مگر اتنا تو کہہ سکتا ہوں کہ ہرقل کی دولت معرض زوال میں ہے اور اوسکا ملک سوریا سے قسطنطنیہ کی جانب منتقل ہو گیا۔ اور یہی خبر جو ہرامیس حکیم نے دی ہے کہ جب ہر صفا کا نور فاران کے پہاڑوں سے ظاہر ہوگا تو ظلمت جہالت دور ہو جائے گی عدل اون کا خیمہ ہوگا لباس اونکا پیوند لگا ہوا اون کے زمانہ میں نجات وہی پائیگا جو اونکی شریعت کی

اتباع کریگا۔ اس تقریر سے فلنطانوس کے دل میں اثر ہوا مگر بظاہر لکھا کہ غرب کے بارہ میں غور کرنے کی ضرورت ہے اسوقت مجھے ہرقل کی مدد کو جانا ضرور ہے کیونکہ ترک کا نامہ میرے نام آچکا کہ دین مسیح کی مدد کروں۔ اگر میں دیر کرونگا تو محروم ہو جاؤنگا۔ چنانچہ وہ تیس ہزار گرجی سپاہیوں کو منتخب کرکے روانہ ہوگیا۔ جب انطاکیہ میں پہونچا تو ہرقل نے نہایت ترک اور شان وشوکت سے استقبال کرکے اپنے سراپردوں کے مقابل اوس کے سراپردے نصب کرائے اور لشکر روم میں بڑی خوشی ہوئی۔ اور فتح ونصرت پر تفاول لیا گیا اور لشکر میں خوشی کے نعرے بلند ہوئے لشکر اسلام کے جاسوسوں نے جب یہ خبر ابو عبیدہؓ کو پہونچائی کہ بادشاہ رومیہ آگیا اور لشکر کفار میں خوشیاں منائی جارہی ہیں۔ تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ دعا کے لئے آسمان کی طرف ہاتھ اوٹھائے اور بارگاہ کبریائی میں عرض کی الٰہی دشمنان اسلام ہمارے مقابلہ کے لئے فوجیں کثرت سے جمع کررہے ہیں اور ہا اون کو کمکی فوجیں پہونچ رہی ہیں۔ تو اس بات پر قادر ہے کہ اون کو پریشان کردے اور اُن کے قدم اوکھاڑ دے۔ الٰہی جس طرح تو نے احزاب کی لڑائی میں اپنے نبی کی مدد فرمائی تھی اب بھی مدد فرما اور ہمیں نصرت دے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ یہ دعا کررہے تھے اور تمام اہل اسلام آمین کہہ رہے تھے۔ کیونکہ مسلمانوں کو ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی قسم کی توقع نہ تھی

اگرچہ وہ سا تھا تصرف خدائے تعالیٰ کی ذات پر۔ اسوجہ سے یہ دعا اضطراری حالت میں نہایت خشوع وخضوع سے کی گئی۔ اس کے بعد ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ معاذ بن جبل کی ہمراہی میں تین ہزار کا لشکر دیگر سواحل کے طرف روانہ کیا اتفاقاً ایک قافلہ ملا۔ جسمیں ایکہزار جانوروں پر غلہ لدا ہوا ہرقل کی فوج کیلئے لیجا رہے تھے۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے اوس پر قبضہ کرلیا۔ اور صحیح وسالم اوسکو لیکر لشکر اسلام پہونچ گئے۔ یہ دعا کا پہلا اثر تھا۔ کہ وہ غلہ جو طرابلس عکا صور صیدا۔ قیساریہ اور قسطنطنیہ سے فراہم کرکے لارہے تھی مگر بیٹھے بٹھائے مسلمانوں کو مل گیا۔ اور کس حالت میں کہ مسلمانوں کو اوسکی سخت حاجت تھی اور کس موقع میں جہاں مسلمانوں کو پانی ملنا مشکل تھا۔ یہ ہیں خدائے تعالیٰ کے کارسازیاں کہ دشمنوں کے ہاتھ سے اپنے دوستوں کی خدمت لی۔ کس شوق ومحبت سے اپنے بادشاہ کے پاس رسوخ حاصل کرنیکے لئے اونہوں نے وہ غلہ فراہم کیا ہوگا۔ اور کس آسانی سے اونسے چھین کر مسلمانوں کو دیدیا گیا الغرض ہرقل نے بہت ہی غضبناک ہوکر جنگ کا حکم دیدیا۔ اور صف آرائی ہوئی۔ قلنطانوس اور دوسرے رئیس اور قلعہ دار ہرقل کے قریب ایک ممتاز مقام میں ٹھیرے۔ اور یوقنا نے صفوں کی ترتیب دینی شروع کی قلنطانوس نے ہرقل کی زمین پر ہاتھ مار کر کہا اے بادشاہ میں دو سو فرسخ سے اپنا ملک چھوڑکر اس غرض سے آیا ہوں کہ آپکے روبرو مسیح کی خدمت کروں آپکے

لشکر نے اسوقت تک بہت جانفشانیاں کیں اب میں چاہتا ہوں اونکو
شکست دیکر آپکا اور اپنا دل ٹھنڈا کروں۔ ہرقل نے اوسکا دل خوش
کرنیکے لئے کہا کہ آپ کی سلطنت میری سلطنت سے قدیم ہے۔ عرب اس
درجہ کے لوگ نہیں ہیں کہ اُن کے مقابلہ کے لئے اپنی ذات سے جائیں
اگر ایسا ہو تو بادشاہوں کی حشمت و عزت میں فرق آجائیگا۔ فلنطانوس
نے کہا کہ اے بادشاہ اب کونسی عزت و حشمت ہماری باقی رہگئی۔ عرب نے
ہماری عزت کو خاک میں ملادیا۔ اور ہماری دین کی عزت کو برباد کردیا
جہاد ہر چھوٹے بڑے پر فرض ہے۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ جو شخص دنیا کو
محبت کی نظر سے دیکھتا ہی اُسکو خواہشیں اپنی طرف کھینچتی ہیں اور تعلق
مزخرفات کے ساتھ بڑھتا ہے۔ جس سے جہل کی کثافت اوسکے سینہ میں
جمتی ہے اور آخرت کی طلب سے اوس کو روک دیتی ہے۔ اور جو اپنی
خواہشوں کو چھوڑکر اپنے خالق کی اطاعت میں جلدی کرتا ہے اوس کو
دارقدس کی طرف ترقی ہوتی ہے۔

میں نے دیکھا کہ تم لوگوں پر غفلت کا پردہ پڑگیا اور ایسی چیزوں کیطرف
طرف مائل ہوئے جو فناپذیر ہیں تو ایسی امت کو مسلط کیا جو سب سے زیادہ
ضعیف تھی۔ اور تم کو تمہارے ملک سے نکالدیا۔ اور وطن سے دور ڈالدیا
اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تم اس خواہشوں کو پورا کرنے پر اڑے ہوئے ہو

اور حکم کرتے ہیں امر حق کا لحاظ نہیں رکھتے۔ اور رعیت سے ایسے حقوق اور ٹکسیں لگاتے ہو جو تمھارا حق نہیں۔ اور ظلم سے مال لیتے ہو اور زنا کا رواج دے رکھا ہے۔ اسی وجہ سے تمھاری مدد نہیں ہوتی اور مصیبت پر مصیبت تم پر آرہی ہے۔

جب فلنطانوس کا کلام کسی قدر سخت ہوا تو حاجب ہرقل نے آواز بلند سختی سے کہا کہ اے سردار ایسے موقع میں بادشاہ پر اس قسم کا حملہ کرنا چاہیے تم سے بڑے بڑے لوگوں نے اونھیں نصیحت کی مگر اونھوں نے اوسکی کچھ پروا نہ کی۔ فلنطانوس اوس کی سخت کلامی سے برہم ہوا۔ اور ظاہر آتو کچھ نہ کہا۔ مگر دل میں مخالفت پیدا ہوگئی۔ جب رات ہوئی تو اپنے خاص خاص عہدہ دار اور مصاحبین کو بلا کر کہا کہ کیا تم لوگ اس بات پر راضی ہو کہ ہرقل کا دربان مجھ سے سخت کلامی کرے اور دوسرے ہم چشم بادشاہوں کے سامنے مجھکو جھڑکی دے۔ تم جانتے ہو میرا گھر ہرقل کے گھر سے بڑا ہے۔ اور اوس کا نسب میرے نسب سے کم ہے۔ اور میری سلطنت اوسکی سلطنت سے قدیم ہے۔ حکما کا قول ہے کہ نفس کی عزت بادشاہوں کے جاہ کے مقابل ہے اوس کو ذلیل نہ کرنا چاہیے اور اونکا قول ہے۔ ان کو نصیحت مت کرو۔ کیونکہ تم اوس کا نفع چاہوگے۔ اور وہ تم کو ایذا دیکر اپنی خواہش پوری کرنا چاہے گا۔ تم جانتے کہ ہم دو سو فرسخ سے یہاں آئے وہ خیال کرتا ہے کہ ہم اوسکی

دولت وافری کی وجہ سے آئے ہیں۔ اور ہم اوس کے زمرۂ خدام میں شریک ہیں میرا نفس ہرگز گوارا نہیں کرتا کہ اس جاہل کی اطاعت کروں۔ میں نے قصد کرلیا ہے کہ ان عربوں کے طرف جاؤں اور اون کا مذہب دریافت کروں و اوس مذہب کا حق ہونا ظاہر ہے۔ صدق اوسکی تائید دیتا ہے۔ جو شخص اوس دین پر ہوگا وہ قیامت میں ہول اکبر سے بیفکر رہیگا۔ اس بات میں تم کیا کہتے ہو اونہوں نے کہا اے بادشاہ آپ کو اپنا دین اور ملک عزت چھوڑکر ایسے لوگوں کے تابع ہونا جنکو نہ کوئی فضیلت ہے اور نہ اون کے پاس حکمت ہے۔ کیونکر گوارا ہوتا ہے۔ فلنطانوس نے کہا کہ حکمت بالغہ کا وطن تو اونہیں کے نفوس میں ہے۔ کیونکہ نور توحید نے اون کے ذہنوں کو مصفا کردیا۔ اور مقناطیس ربانیہ نے اون کے جوہر عقول کو اپنے نبی کی شریعت کی پیروی کے جانب کھینچ لیا جو شخص چاہے کہ عالم علیین سے ملے تو اوس کو یہ نہ چاہئے کہ زمین جہل پر ٹھیرے اونھوں نے کہا اے بادشاہ ہم آپ کو دائمی عزت سے روکنا نہیں چاہتے۔ اگر آپ ہمکو بھی حق کی راہ لیجانا چاہتے ہو تو ہم آپ کے ہیں۔ اور آپ کے آگے رہیں گے۔ فلنطانوس نے کہا کہ اب اپنے خیالات کو بھٹکنے نہ دو۔ کل کی رات ہم اس حیلہ سے سوار ہونگے کہ ہرقل کے گھر کے اطراف حفاظت کے لئے چکر لگا رہے ہیں۔ اور لشکر عرب میں چلے جائیں گے۔ جب دوسری رات فلنطانوس تیار ہوکر

سوار ہونے کا ارادہ کیا تو ہرقل نے یوقنا کی زبانی کچھ کہلایا۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے جب پیام پہونچاکر اوٹھنا چاہا فلنطانوس نے پوچھا کہ تم کون ہو کہاں میں حاکم حلب ہوں۔ کہا اپنا شہر تم نے کیوں چھوڑا۔ کہا عرب ملک پر غالب ہو گئے اور سارے واقعات بیان کئے۔ فلنطانوس نے کہا اچھا یہ تو بتاؤ کہ عربوں کے صفات جو تم پر ظاہر ہوئے ہیں وہ کس قسم کی ہیں۔ کہا اے بادشاہ میں اون کے دین میں داخل ہوا۔ اور اون کے معاملات پر مطلع ہوا۔ اور اسرار سے واقف ہوا۔ دیکھا کہ وہ ایسی قوم ہے کہ باطل بات کو سنتی نہیں اور حق بات سے ٹلتی نہیں۔ عبادت الٰہی میں اونکی یہ کیفیت ہے کہ رات کو سوتے نہیں۔ جب بات کرتے ہیں تو اوسمیں خدا تعالیٰ ہی کا ذکر رہتا ہے ظالم سے مظلوم کا حق دلاتے ہیں۔ اونمیں جو غنی ہیں فقیروں کی امداد کرتے ہیں۔ اون کے امیر فقیروں کے لباس میں ہیں۔ عزت والا اور ذلیل اونکے پاس یکساں ہے۔ فلنطانوس نے کہا کہ جب تم نے اونکے ایسے حالات دیکھے تو کون چیز مانع تھی کہ اون کے دین پر قایم ہو جاتے اور انہیں میں رہتے کہا اپنے دین کی سچائی اور اپنی قوم کی رفاقت۔ فلنطانوس نے کہا جو نفوس پاکیزہ ہوتے ہیں جب حق بات دیکھتے ہیں تو جاذبۂ یقین اون کو اخلاص کی طرف کھینچتا ہے اور وہ اعلیٰ علیین کی طرف ترقی کر جاتے ہیں۔ اس تقریر کے بعد یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اسکی باتیں تو گواہی دیتی ہیں

کہ دین اسلام کی حقانیت اوس کے ذہن نشین ہوگئی اور دن بھر اسی فکر میں رہے۔ جب رات ہوئی تو فلنطانوس کے پاس آئے اوسوقت وہ سوار ہونا چاہتا تھا۔ فلنطانوس نے اون سے کہا کہ خدا تعالیٰ نے تمکو کس حجاب میں ڈال رکھا ہے جو متقین کی راہ کا اتباع نہیں کرتے۔ جو شخص طالب حق ہو اوس کے لئے حق واضح ہے۔ اور جو باطل کا اتباع کرتا ہے وہ اوس سے چھپا ہوا ہے۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اے بادشاہ یہ جو اشارہ آپ کر رہے ہیں اسکے کیا معنی ہیں۔ کہا اگر ہم بصیرت سے دیکھتے تو عرب کی ملت سے کبھی نہ ٹلتے۔ اور نہ اون کے بدلہ میں دوسروں کو اختیار کرتے معلوم ہوتا ہے کہ تم ایسے نعمتیں طلب کرتے ہو جو زائل ہونے والے ہیں۔ اور جس کا انجام عذاب ہے۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر خاموش ہوگئے۔ اور وہاں سے نکل کر اس تلاش میں ہوئے کہ اصلی حالت کیا ہے۔ اور اس راستہ میں جہاں مسلمانوں کا لشکر جانیکو تھا ٹھہر گئے۔ جب فلنطانوس سوار ہوا اور سرا پردہ سے باہر نکلا۔ دیکھا کہ اپنے بنی اعمام مسلح ہوکر چار ہزار سوار اون کے ساتھ تیار کھڑے ہیں۔ یہ سب وہاں سے روانہ ہوئے اور لشکر اسلام کے قریب ہوئے تھے کہ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ پیش ہوکر کہا کہ اے بادشاہ کیا لشکر اسلام پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔ کہا خدا کی قسم یہ ہرگز میرا خیال نہیں بلکہ میں اون کے دین میں داخل ہونیکے لئے جا رہا ہوں۔ اب کہو کہ تمھیں اس دین میں داخل

ہونے سے کون چیز مانع ہے۔ اسوقت یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اے بادشاہ
مجھے بعض حوادث نے اپنے طرف کھینچ لیا ہے۔ اور کل واقعات بیان کر کے
کہا کہ میں روم سے غدر کرنا چاہتا ہوں۔ فلنطانوس بہت خوش ہوا
کہ تم سے یہ کیونکر ہو سکے گا۔ کیونکہ تمھارے ساتھ لوگ تھوڑے ہیں۔ کہا اے
بادشاہ میرے گھر میں اسوقت دو سو اکاہتر صحابہ موجود ہیں۔ جو بیس ہزار
فوج روم کے برابر ہیں میں مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ اسوقت لوٹ جائیں
میں امیر المسلمین کو اس واقعہ کی خبر دیدیتا ہوں۔ کل جب صف آرائی ہوگی تو
آپ اپنے لشکر کے ساتھ ہرقل کے قریب اور اوس کو گھیرے ہوئے رہو
اور میں شہر میں جاکر دو سو صحابہ جو قید ہیں اون کو رہا کر کے ہتیار دیتا ہوں
لشکر اسلام جب حملہ کرے تو آپ مع لشکر ہرقل پر حملہ کر کے اوس کو گرفتار کر لیجئے
اور میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شہر میں داخل ہو کر انشاء اللہ تعالیٰ فتح کر لیتا
ہوں۔ اور اگر آپ ظاہر ہونا نہیں چاہتے تو کسی اعتمادی کے تحت میں لشکر
دیکر تشریف لیجائیے۔ فلنطانوس نے کہا کہ یہ کام جب میں نے اختیار کیا تو
میرا خیال نہ اپنے ملک کے طرف تھا نہ دنیا کے اور کسی ملک کے طرف۔
بلکہ جب یہ کام پورا ہو جائیگا اور میرے ہاتھ سے اسلام کی مدد ہوگی تو میں
مکہ معظمہ کو جاکر حج کرونگا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر شریف کی زیارت
کر کے بیت المقدس میں رہونگا۔ یہاں تک کہ وہیں مرجاؤنگا۔ اوسکے بعد کہا

کہ ہمارے اس ارادہ کا حال امیر عرب کو کون پہونچائیگا۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے
کہا کہ اون کے جاسوس یہاں موجود ہیں۔ جنکو میں پہچانتا ہوں اون کے ذریعہ
سے میں کہلا دیتا ہوں۔ یہی باتیں ہورہی تھیں کہ ایک پیر مرد وہاں موجود ہوے
چونکہ شب تاریک تھی یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے بہت غور و تامل سے اون کو
دیکھا کہ وہ عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ ہیں اونھوں نے سب پر سلام کرکے
یوقنا سے کہا کہ امیر ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے تمھیں دعا دیکر یہ کہلایا ہے کہ
اونھوں نے خواب دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں
کہ اے ابو عبیدہ خدائے تعالیٰ کی رضامندی اور رحمت کی تمھیں بشارت ہے
کہ کل انطاکیہ صلح سے فتح ہوجائیگا۔ اور جو واقعات بادشاہ رومیہ یعنی فلنطاوس
پر اس موقع میں گذرے اور جو پیش آنے والے ہیں سب بیان کئے اور فرمایا
کہ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ اور فلنطاوس تم سے قریب ہیں۔ اونکو اس سے مطلع کردو
فلنطاوس نے جب ان واقعات و بشارات کو سنا ایک ایسی حالت اون پر
طاری ہوئی کہ جس کو وجد کہئے تو بے موقع نہ ہوگا۔ اور ساتھ ہی توحید و رسالت
کی شہادت دیکر کہا کہ یہ دین بیشک حق ہے۔

پھر وہاں سے لوٹکر بادشاہ کے لشکر کے اطراف چکر لگائے۔ یہ معلوم
کرانیکے لئے کہ بادشاہ کے لشکر کی حفاظت کررہے ہیں۔

یوقنا رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر گئے۔ واپس ہوے تو راستہ میں بادشاہ کا

حاجب ملا۔ جو انطاکیہ سے نکلا تھا۔ اور اوس کے ساتھ ضرار ابن ازور اور رفاعہ
اور دو سو قیدی ساتھ تھے۔ اور قصد کر چکا تھا کہ ان کو قتل کر کے اُن کے سر
مسلمانوں کے لشکر میں جب صف آرائی ہو پھینک دے۔ جب یوقنا رحمۃ اللہ علیہ
نے یہ سنا تو کہا اے بڑے حاجب تم جانتے ہو کہ صبح صف آرائی جنگ کی ہوگی
اور تم اُن کے سر انکے روبرو ڈالدوگے تو ضرور وہ لوگ جسکو گرفتار کریں گے
کبھی زندہ نہ چھوڑینگے خدا سے ڈرو اور جلدی مت کرو۔ اور ان کو میرے
پاس چھوڑ دو۔ اور بادشاہ سے عرض کردو کہ ان کے قتل میں توقف کرنا۔
اُسوقت تک بہتر ہے کہ عربوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔ حاجب قیدیوں کو
یوقنا رحمۃ اللہ علیہ کے پاس چھوڑ کر بادشاہ کے پاس گیا اور جو انھوں نے
کہا تھا بیان کیا۔ بادشاہ نے کہا انکو انھیں کے پاس چھوڑ دو۔ حاجب آکر
کہا کہ بادشاہ کا حکم ہے کہ تم انکی حفاظت کرو۔ یوقنا رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو لیکر
اپنے خیمہ میں آئے۔ مگر انکا نکلنا انطاکیہ سے شاق ہوا۔ کیونکہ انھوں نے
قصد کرلیا تھا کہ ان کی مدد سے شہر پر قبضہ کرلیں گے۔ بہرحال جب خیمہ میں
آئے تو ان کے بیڑیں وغیرہ سب کاٹ دیئے۔ اور ہتھیار انکو دیئے اور انکو
اس مشورہ کی خبر دی جو فلنطانوس کے ساتھ ہوا تھا کہ ہرقل پر مسلط ہوجائیں
ضرار رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم کل میں جہاد کر کے خدا تعالیٰ کو راضی کرونگا
واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہرقل نے خواب دیکھا ایک شخص

آسمان سے اترا اور اوس کے تخت سے اوس کو گرادیا۔ اور تاج اوس کے سر سے اُڑ گیا۔ اور ایک شخص کہ رہا ہے جو زمانہ دور تھا۔ آگیا۔ اور سوریہ تیرے ملک سے نکل گیا اور تیری سلطنت سوریہ سے زائل ہوگئی۔ شقاق ونفاق جاکر دولت وفاق قائم ہوگئی۔ اور اوسی شخص نے لشکر میں پھوک ماری۔ جس سے تمام لشکر میں آگ بھڑک اوٹھی۔ جب ہرقل نیند سے بیدار ہوا تو سمجھ گیا کہ اب ملک کا زوال ہے۔ اب تمام اپنے اہل وعیال اور کنبے کے لوگوں کو روانہ کر دیا۔ اور اپنے غلام طالیس ابن ریتوس کو جو اوس سے بہت مشابہ تھا اپنا لباس پہنا کر اپنے قائم مقام کر دیا۔ اور خود روپوش ہوگیا۔ جب طالیس صبح کو میدانِ جنگ میں کھڑا ہوا۔ اور معرکہ کارزار گرم ہوا۔ تو صحابہ نے نہایت جانفشانی کی۔ اور ادھر قلنطانوس نے طالیس کو گرفتار کرلیا۔ یہ دیکھتے ہی لشکر کفار نے سمجھا کہ ہرقل گرفتار ہوگیا۔ اور بھاگ گئے مسلمانوں نے اون کا تعاقب کرکے ہزاروں کو قتل کیا۔ اور تیس ہزار آدمیوں کو قید کرلیا اور تمام متاع اور خزانے وغیرہ لوٹ لئے۔ اور کل اموال غنیمت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے روبرو لائے گئے۔ اونھوں نے سجدۂ شکر بجالایا۔ اور تمام مسلمانوں نے ایک دوسرے پر سلام کیا۔ اور یوقنا رحمۃ اللہ علیہ اور قلنطانوس اور اون کے رفقا جب ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو سب اونکی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اور کبار صحابہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا ہے کہ کسی قوم کا کریم جو تمھارے پاس آجائے تو اوسکی تکریم اور بزرگی کرو۔ فلنطانوس نے مسلمانوں کی تواضع اور حسنِ سیرت دیکھ کر کہا کہ خدا کی قسم یہی وہ قوم ہے جس کی بشارت عیسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اسوقت تمام خاندان کے لوگ اسلام لائے۔ اور کفار کے ساتھ جہاد کیئے یہانتک کہ تمام شہر فتح ہو گئے اوس کے بعد فلنطانوس حج کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر مبارک کی زیارت کے لئے مدینۂ مبارک گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جب اونکو دیکھا تو کھڑے ہو گئے۔ اونھوں نے اور تمام مسلمانوں نے اون سے مصافحہ کیا۔ پھر وہ بیت المقدس میں جا کر عبادت میں مشغول ہوئے یہانتک کہ انتقال ہو گیا۔

تاریخ واقدی میں لکھا ہے کہ جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر پر چڑھائی کی اور قبطیوں سے مقابلہ ہوا تو بہادرانِ اسلام نے دادِ جوانمردی کی اور ایک ہزار سے زیادہ قبطیوں کو قتل اور بہتوں کو قید کر لیا اور باقی سب سامان وغیرہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

اس جنگ میں مسلمانوں کو بہت سامال اور غلام و لونڈیاں ہاتھ آئیں منجملہ ان کے ارمانوسہ بادشاہ مقوقس کی لڑکی بھی غنیمت میں ملی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ آپ لوگ جانتے ہو کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ھل جزآء الاحسان الا الاحسان اور یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارے

بادشاہ مقوقس نے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ روانہ کیا تھا اور حضرت کی عادت تھی کہ ہدیہ قبول کر کے اسکا شکریہ ادا کرتے ہم لوگ زیادہ تر مستحق ہیں کہ مقوقس نے جو ہدیہ بھیجا تھا اسکا معاوضہ کر دیں۔ اس لئے میری رائے ہے کہ شہزادی اوس کے باپ کے پاس روانہ کر دی جائے۔ سب نے بطیب خاطر قبول کیا اور اُن کی رائے کی تحسین کئے اور شہزادی کو اعزاز کے ساتھ روانہ کر دیا۔ انتہی

یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ شہزادی کا ملجانا کوئی معمولی بات نہیں۔ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی جس سے ہر شخص کو اوس وقت یہ خیال ہوگا کہ اوس کے معاوضہ میں بڑے بڑے منافع حاصل کر سکتے ہیں بادشاہ اپنے جگر گوشہ کے معاوضہ میں ہماری کوئی بات رد نہ کر سکے گا ایسی نعمت عظمیٰ سے دست بردار ہو جانا کوئی آسان بات نہیں خصوصاً ایسے وقت میں کہ ایک بڑے ملک کو فتح کرنے جا رہے ہیں جہاں چھوٹے چھوٹے ذرائع کامیابی بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھے جاتے مگر سبحان اللہ کسی بزرگوار نے یہ بھی تو نہ کہا کہ یہ امر خلاف مصلحت ہے۔ ادھر ایک عقیدتمند نے اپنی رائے پیش کی اُدھر تمام لشکر نے فوراً اس کو قبول کر لیا کیوں نہ ہو سب ایک رشتۂ عقیدت میں بندھے ہوئے تھے۔

زلفت ہزار دل بہ یکے تار مو بہ بست	راہ ہزار چارہ گر از چار سو بہ بست

اگر ان حضرات کے معمولی طبائع ہوتے تو ضرور اعتراض پیش کیا جاتا کہ اگر مقوقس نے ہدیہ بھیجا تھا تو وہ ایک معمولی بات تھی جو سلاطین میں ہوا کرتی ہے اور وہ ہدیہ ہی کیا تھا۔ دو چار لونڈیاں ایک غلام۔ ایک گھوڑا۔ ایک گدھا ایک خچر اور کچھ شہد وغیرہ اس کے معاوضہ میں ایسی نعمت غیر مترقبہ کو دیدینا ہرگز مقتضائے عقل نہیں۔ پھر اگر معاوضہ دیا بھی گیا تو کیا فائدہ۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو ممکن تھا کہ خوش ہوتے۔ اب تو۔ مصرعہ

آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

کا مضمون ہے۔ آدمی جب مرا وہ گیا گذرا ہو گیا اس کو خوش کرنا اور اسکا خوش ہونا ممکن نہیں۔ غرض اس قسم کی بیسیوں عقلی دلائل پیش کرتے اور اسپر بہت زور دیا جاتا کہ مُردہ کی خوشی کے واسطے کوئی کام کرنا نہ عقلاً درست ہے نہ شرعاً مگر اُن حضرات تک تو نئے خیالات کا گذر ہی نہ تھا وہاں تو وہ خیالات جمے ہوئے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور فیضان صحبت نے اُن کے دلوں میں کندہ کر دیا تھا اس لئے کسی کو اِن رکیک خیالات کا خطور بھی نہ ہوا اور سب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کو اپنی کامیابی پر مقدم رکھا۔ محبت اسے کہتے ہیں کہ جو وفاداری اور جاں بازی روبرو تھی وہی غائبانہ ہے۔ اس میں ذرا بھی فرق نہیں اور جو امیدیں حضرت کی خوشنودی کے ساتھ پہلے وابستہ تھیں

اب بھی ہیں کیوں نہ ہو صحابہ کی محبت ایسی نہ تھی کہ صرف اشعار میں رونے رولانے کی غرض سے عمدہ مضامین تراشے جائیں بلکہ اِس زمانے میں شعرا جو وجد انگیز عالی مضامین ہیں اشعار لکھکر عشاق کے دلوں کو ہلا دیتے ہیں وہ اُن حضرات کی سچی حالت تھی اور اس اخلاص و عقیدت مندی کے نتائج بھی اون حضرات کو حاصل ہوتے تھے۔ واقدی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جب لوقا اور ہربیس جو لشکر شام کے بڑے سردار تھے دمشق سے بھاگ گے۔ ایک روز بولس جو اسی جنگ میں مسلمان ہو گئے تھے خالد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کا قصد تھا کہ ان دونوں کا تعاقب کریں کیا وجہ ہے کہ اس ارادہ کو آپنے فسخ کر دیا؟ فرمایا کہ ان کو بھاگ کر چار روز ہوئے اور وہ اِس عرصہ مین بہت دور نکل گئے ہونگے کیونکہ بھاگنے والا جان بچانے کی غرض سے بہت تیز رَو ہوتا ہے ہمیں امید نہیں کہ انکو پاسکیں۔ کہا میں اس ملک کے راستہ سے واقف ہوں بہت نزدیک کے راستہ سے آپ کو لیجا سکتا ہوں۔ مگر آپ مع لشکر نصرانیوں کا لباس پہنئے کیونکہ نصرانیوں پر سے گذرنا ہوگا چونکہ مقصود اس بادہ پیمائی سے رضائے الہٰی حاصل کرنا تھا فرمایا مضائقہ نہیں چنانچہ آپنے مع چار ہزار اہلِ اسلام کے نصرانیوں کا لباس زیب بدن فرمایا اور یہ کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔

شعر

از کوچہ اش گذشتن مقصودِ عاشقان است	بر سر کلاہ ترسی باشد و یا کیانی

اور تھوڑے عرصہ میں ان کو پا لیا اور جنگ عظیم ہوئی جس میں توقا جو
ہرقل کا داماد تھا خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا اب تمام
بہادران لشکر شام اس تاک میں ہیں کہ کسی طرح خالد رضی اللہ عنہ کو شہید کر ڈالیں
اور انکی یہ حالت کہ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ میں بہادر سوار ملک عرب ہوں
کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم تم پر قابض نہ ہونگے یہ ہرگز نہ ہوگا یہ وہ وقت تھا کہ لشکر شام
کو ہزیمت ہو چکی تھی اور بہادران اسلام غنیمت لوٹنے میں مشغول تھے ہربیس
جو سپہ سالار لشکر شام تھا بہادر افسروں سے خطاب کر کے کہا کمبختو یہ وہی شخص ہے
جس نے خطۂ شام کو الٹ دیا۔ بصریٰ۔ فاران۔ دمشق اور اجنادین کو فتح کیا
اسوقت یہاں سے اب اسکو جانے نہ دو۔ ہر طرف سے بہادران شام آپ پر
ٹوٹ پڑے۔ اور آپ تنہا ان سے لڑ رہے تھے چونکہ وہ پہاڑی مقام تھا۔
گھوڑے کام نہیں دیتے تھے۔ اس لئے بہادران شام نے پیادہ ہو کر خالد
رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا آپ بھی پیادہ ہو گئے اور داد جواں مردی دے رہے تھے
کہ ہربیس نے پیچھے سے آکر آپ پر اس زور سے وار کیا کہ آپ کا خود کٹ گیا۔
اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اسوقت آپ کو خیال ہوا کہ ہربیس کی طرف
متوجہ ہوں تو جتنے لوگ مقابل ہیں ان کو موقع مل جائیگا اور اسی حالت پر
رہوں تو دشمن قوی کو پورا موقع حاصل ہے کہ دوسرا وار کرے اسوقت آپ کو
سوائے اس کے کچھ نہ سوجھا کہ بآواز بلند تکبیر و تہلیل کہہ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

پر درود پڑھا اس کے بعد تھوڑا عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اہل اسلام کی فوج کلمہ پڑھتی ہوئی پہونچ گئی اور فتح ہو گئی۔

خالد رضی اللہ عنہ نے عبد الرحمٰن ابن ابی بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ جو تائید کے لئے آئے تھے اُن سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں یہاں ہوں انھوں نے کہا ہم اہلِ شام سے لڑ رہے تھے جب انکو ہزیمت ہوئی تو مالِ غنیمت کے لوٹنے میں مشغول ہو گئے اسوقت غیب سے آواز آئی کہ تم غنیمت میں مشغول ہو اور ادھر رُومیوں نے خالد رضی اللہ عنہ کو گھیر لیا ہے یہ سنتے ہی ہم سب چھوڑ کے آپ کی مدد کو نکلے اور ہمیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ آپ کہاں ہیں ایک پہلوان نے ہمیں یہ خبر دی کہ آپ اس پہاڑ میں ہیں جب آپ تنِ تنہا ایک فوج کثیر سے گھر گئے اور ہر طرف جہانتک نظر پڑتی ہے سب خون کے پیاسے نظر آتے ہیں اور ایک قوی پہلوان ایک وار کر کے دوسرا وار کرنے کے لئے مستعد سر پر کھڑا ہے اور اتنی بھی فرصت نہیں کہ اسکو مڑ کر دیکھیں اور اسکا دفعیہ کریں اور رفیقوں کا یہ حال کہ خبر تک نہیں وہ کہاں ہیں کہئے وہ کیسی خطرناک اور مایوسی کی حالت ہو گی اسوقت درود شریف کا یاد آجانا ایک حیرت خیز امر ہے کیونکہ وہ وقت وظیفہ پڑھنے کا نہ تھا وہاں تو یہ ضرورت تھی کہ اس خطرناک تہلکہ سے کسی طرح رستگاری ہو اور دشمن پر فتح پائیں ظاہر درود شریف کو اس سے کوئی مناسبت نہیں مگر وہ حضرات صحبت یافتۂ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے وہ جانتے تھے

کہ بارگاہِ کبریائی میں جو عرض و معروض اپنے آقائے دارین کے توسل سے پیش ہو اسکی پذیرائی فوراً ہو جاتی ہے چنانچہ احادیث سے ثابت ہے کہ ہر دعا کے اول و آخر درود شریف پڑھا جائے اسمیں یہ لم ہے کہ درود شریف ایک خاص قسم کی دعا ہے جو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیجاتی ہے۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ہم بھی حضرت کے دعاگویوں میں ہیں ورنہ خدائے تعالے نے آپ کو وہ مدارج و مراتب عطا فرمائے ہیں کہ کسی کا وہم و خیال بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا یہی دعاگوئی اور خیر خواہی پسند بارگاہ کبریائی ہے جسکا اظہار عرض حاجت کے وقت کیا جاتا ہے غرضکہ اس نازک حالت میں بجائے اسکے کہ کچھ دعا کریں درود پڑھنے لگے اور بارگاہ کبریا میں عرض کی تو یہ کی کہ یا اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیج جس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں اپنے مرنے کا غم نہ جینے کی خوشی ہمارا مقصود اصلی یہ ہے کہ ہمارے آقائے نامدار پر تو ہمیشہ درود و سلام بھیج۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اس سے بہتر حسن طلب کا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جب بارگاہِ کبریائی میں یہ بات باور کرا دیگئی کہ مرتے دم تک ہم تیرے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دم بھرتے ہیں اور ایسی نازک حالت میں دعا بھی ہے تو یہی کہ الٰہی ہر طرح کا فضل احسان و رحمت اپنے حبیب پر فرما تو ایسے عقیدت مند خیر خواہ جان نثار پر کس قدر مہربانی توجہ حضرت کی ہوگی اور قاعدہ ہے کہ جو دوست کا خیر خواہ جان نثار ہو اس سے

ایک خاص قسم کی محبت ہوتی ہے اور اس کی حاجت روائی باعث خوشنودی دوست سمجھی جاتی ہے غرضکہ اُس نازک حالت میں حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو خلوص تھا بارگاہ کبریائی میں پیش کرکے اپنی حاجت کا اظہار کیا کہ اگر اسوقت حاجت ہے تو یہی ہے کہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر پورا فضل واحسان فرما اور اپنے ذاتی حاجت پر اسکو مقدم کرکے اپنی حاجت اور ضرورت کو حق تعالی کی مرضی پر تفویض کردیا۔ اب ایسے مخلص کی حاجت روائی میں کس قدر توجہ ہونی چاہئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یا تو وہ حالت تھی کہ جس کو دم واپسیں کہیں تو بیجا نہ ہوگا یا فوراً انقلاب عظیم ہوگیا۔ اور فوج عظیم پر انکا غلبہ ہوکر فتح ہوگئی یہ سب طفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ثمرہ اوس دعاگوئی کا تھا جو اُس نازک حالت میں کیگئی اگر ہم میں وہ خلوص نہیں تو ان حضرات کی تقلید ہی کرکے انشاء اللہ تعالی فائز المرام ہو سکتے ہیں۔

آکام المرجان میں لکھا ہے کہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ ایک درخت تھا جس کی پرستش لوگ کرتے تھے۔ ایک شخص نے یہ حالت دیکھ کر حمیت اسلام کے جوش میں اوسکو کاٹنا چاہا۔ جب کاٹنے لگا تو شیطان نے آدمی کی شکل میں آکر کہا یہ کیا کرتے ہو۔ کہا کہ لوگ خدائے تعالی کو چھوڑ کر اُس کی عبادت کرتے ہیں۔ اس لئے میں اسے کاٹ ڈالتا ہوں۔ شیطان نے کہا کہ میں ایک بات ایسی بتاتا ہوں کہ آپ کو اس سے زیادہ نفع ہو۔ کہا وہ کیا کہا اسکو

چھوڑ دیجئے اس کے معاوضہ میں ہر روز دو دینار یعنے اشرفیاں آپکو پہونچ جایا کرینگی۔ صبح ہوتے ہی آپ اپنے تکیہ کے نیچے سے لیلیا کیجئے۔ کہا اس کا اطمینان کیونکر ہو سکے۔ کہا میں ضامن ہوں۔ یہ سُن کر مکان کو آگیا صبح ہوتے ہی جب دیکھا تو فی الواقع تکیہ کے نیچے دو دینار رکھے ہوے تھے لیلیا۔ دوسرے روز جب تکیہ کے نیچے دیکھا تو کچھ نہ تھا۔ غصہ میں آکر کہا کہ اب تو اوس درخت کو کاٹ ڈالونگا۔ جب وہاں پہونچا اور کاٹنا چاہا تو پھر ایک شخص آکر پوچھا کہ یہ کیا کرتے ہو۔ کہا لوگ خدائے تعالیٰ کی عبادت کو چھوڑ کر اس درخت کی پرستش کرتے ہیں اس لئے اسکو کاٹ ڈالتا ہوں۔ کہا تو جھوٹا ہے۔ اب ہرگز نہیں کاٹ سکتا۔ اوس نے یہ سُن کر کاٹنے لگا۔ اوس شخص نے اوسکو زمین پر دے مارا اور گلا گھونٹتے ہوے پوچھا کہ تو جانتا ہے میں کون ہوں۔ میں شیطان ہوں۔ اول جب تو نے یہ قصد کیا تھا تو غصہ خدا کے واسطے تھا اس لئے میں کچھ نہ کر سکا۔ اسلئے کہ دو دینار کی چاٹ لگادی۔ آج کا یہ غصہ تیرا دینار نہ ملنے کی وجہ سے تھا اس میں تجھ پر غالب ہو گیا۔ انتہیٰ

دیکھئے دونوں وقت کام ایک تھا۔ یعنے پرستش درخت کو موقوف کرانا مگر خلوص کے وقت کامیابی کی توقع تھی۔ اور غرض ذاتی کے وقت معاملہ بالعکس ہو گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ نہ بت پرستی سے خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان ہے۔ نہ اوس کے موقوف ہونے سے کوئی نفع۔ بلکہ دونوں صورتوں میں بندوں ہی کا

نفع یا نقصان ہے۔

صحابہ خلوص سے دین کی حمایت کرتے تھے اوس سے اونکے مدارج بڑے اور اوس خلوص کا یہ اثر ہوا کہ دور دراز تک اسلام پھیل گیا۔ اور اقوام کے دلوں میں اونکی عزت وہ ہوئی کہ کسی قوم کو نصیب نہیں۔ اوس کے بعد جب خلوص جاتا رہا تو بجائے ترقی تنزل شروع ہوا اور مسلمانوں کی وہ عزت جو اسلام کے زمانہ میں دوسری قوموں کے دلوں میں تھی جاتی رہی۔ غرضکہ جو کام خلوص سے کیا جائے اوسمیں ایمانی فائدہ ہے۔

شفا میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اور اسکی شرح میں خفاجی رحمۃ اللہ علیہ نے بیہقی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ جنگ اُحد میں ایک انصاریہ بیوی کے باپ بھائی اور خاوند شہید ہوگئے جب انھیں یہ خبر پہونچی تو بے اختیار دوڑیں اور ہر طرف پوچھتی پھرتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا حالت ہے لوگوں نے کہا خیریت ہے۔ کہا اس سے میری تسکین نہیں ہوسکتی جب تک کہ جمال جہاں آرا کو میں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔ چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیگئیں۔ جب آپ کو اونھوں نے بسلامت و صحت و عافیت پایا کمال مسرت سے کہا کل مصیبۃ بعدک جلل یعنے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جتنی مصیبتیں آپکے بعد ہیں سب آسان ہیں۔ انتہی

ہر شخص جانتا ہے کہ عورت کو اپنے باپ بھائی سے خصوصاً شوہر سے

عشق نبوی و حالات صحابہ

محبت انصاریہ کا بہ نسبت شوہر و پدر و برادر

کیسی محبت ہوتی ہے اور انکے مرنے سے عورتوں کا کیا حال ہوا کرتا ہے عمر بھر یہ داغ انکے دلوں کو جلاتا رہتا ہے۔ ان قرابتداروں سے ایک ایک کی موت جو آفت ڈھاتی ہے محتاج بیان نہیں پھر جب وقت واحد میں تینوں کی موت کی خبر کا یک پہونچی ہوگی تو دل کا کیا حال ہونا چاہئے مگر سبحان اللہ وہاں تو سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کے کسی کا خیال بھی نہ تھا۔ ؎

نیست بر لوح دلم جز الف قامت یار	چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

اس لئے کسی کی موت کا انکے دل پر کچھ اثر نہ ہوا اور جبتک انھوں نے بچشم خود حضرت کو دیکھ نہ لیا کسی کی طرف توجہ نہ کی اور کس عمدگی سے یہ مضمون ادا کیا۔ کہ جب آپ بسلامت ہیں تو پھر ہمیں کسی کا کیا غم۔

یہ امر پوشیدہ نہیں کہ قرابت قریبہ کا غم آدمی کی فطرت میں داخل ہے باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ان کے دل میں کیسی مستحکم اور راسخ ہوگی کہ یہ فطرتی امر بھی اس کے مقابلہ میں سر نہ اٹھا سکا۔

چونکہ فطرتی اور طبعی امور پر امر عارضی غالب نہیں ہو سکتا اسوجہ سے یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئیگی کہ اُن بیوی کو سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال کے شوہر وغیرہ مقتولوں کا اوسوقت کچھ غم نہ تھا فی الحقیقت آدمی وہی بات سمجھ سکتا ہے جس کا کبھی اوسے وجدان ہوا ہو اور جن امور کا کبھی وجدان ہی نہ ہوا ہو تو سمجھ اس کی اُن سے قاصر رہتی ہے مگر عقل کی رو سے یہ درست نہیں

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ ایک شخص کے کل وجدان دوسرے کے جیسے ہوں۔ دیکھئے جن طبیعتوں کو شعر کا مذاق ہوتا ہے۔ اُن کو بعضے اشعار پر وہ تلذذ ہوتا ہے کہ وجد کی کیفیت ان پر طاری ہو جاتی ہے اور دوسروں کو اس کا احساس تک نہیں ہوتا علیٰ ہذا القیاس عنین کو جماع کے التذاذ کا وجدان ممکن نہیں غرضکہ ان بیوی پر جو وجدانی کیفیت اوسوقت طاری تھی اسکے آثار یہ بتلا رہے ہیں کہ ان کو اسوقت اپنے شوہر وغیرہ کا ذرا بھی غم نہ تھا بلکہ ہمہ تن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی فکر میں مستغرق تھیں بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت عشقیہ ہونا ایک دولت عظمیٰ ہے ہر کسی کو کہاں نصیب ہو سکتی ہے۔ **مصرع** طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست۔

اہل اسلام میں وہی لوگ بڑے درجہ کے سمجھے جاتے ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کمال درجہ کی محبت ہوتی ہے اور کمال درجہ کے ایمان کا مدار بھی اسی پر رکھا گیا ہے جیسا کہ صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ و والدہ والناس اجمعین یعنے کوئی ایمان نہیں لاتا جبتک اس کے دل میں میری محبت اولاد اور باپ اور تمام لوگوں کی محبت سے زیادہ نہیں ہوتی اس ... ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ حالت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و... ن

[illegible]

کوئی شخص کیسا ہی دوست ہو اگر کچھ کہتا تو وہ ہرگز نہ مانتے اور حضرت ہی کی اطاعت کرتے اسکی وجہ یہی تھی کہ محب اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے جیسا کہ مشہور ہے ان المحب لمن یحب یطیع اس حدیث سے جو معلوم ہوتا ہے کہ ایمان سے پہلے صحابہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوجاتی تھی اسکی وجہ یہ تھی کہ جو کفار منصف مزاج تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عادات اور حرکات و سکنات پر غور کیا کرتے تھے پھر جب ان تمام امور میں غیر معمولی کمال کا مشاہدہ کرتے تو بالطبع آپ سے انکو محبت ہوجاتی تھی کیونکہ طبیعت انسانی کمال پسند واقع ہوئی ہے دیکھ لیجئے کہ کسی کمال کا شخص کسی شہر میں آجاتا ہے تو لوگ اس کے گرویدہ ہوجاتے اور اون کو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے ع کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی ۔ جب ایک کمال باعث محبت ہوجائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات تو مجمع کمالات صوری و معنوی تھی سوائے متعصب کے ایسا کون ہوگا جسکو آپ کے ساتھ ذاتی محبت نہ ہوتی ہوگی۔ حضرت کے کمالات تو بے انتہا ہیں مگر اسمیں سے چند یہاں بطور مشتے نمونہ از خروارے لکھے جاتے ہیں۔

آپ کی شرافت نسبی تمام ملک عرب میں مسلم تھی کیونکہ آپ قریشی اور ہاشمی تھے اور قبیلۂ قریش اور اوسمیں سے خاص بنی ہاشم نہایت معظم اور مکرم مانے جاتے تھے کیونکہ کعبہ شریف جو ملک عرب میں واجب التعظیم تھا اسکے

کل خدمات اسی قبیلہ سے متعلق تھے۔ اور علاوہ اس کے اُس قبیلہ کی شجاعت اور سخاوت شہرۂ آفاق تھی۔ آپ کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ اسد اللہ الغالب علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جب کبھی ہنگامہ کارزار گرم ہوتا اور دونوں فوجیں باہم قریب ہو جاتیں تو ہم لوگ حضرت کی پناہ میں آجاتے اور حضرت سب سے آگے دشمن کے قریب رہتے اور یہ بھی آپنے فرمایا ہے کہ میری اور سب اہل لشکر کی حالت جنگ بدر میں یہی تھی کہ حضرت کی پناہ میں ہم لوگ چلتے تھے اور حضرت فوج اعدار کے جانب بڑھے جاتے تھے۔

آپ کی طاقت اور قوت جسمانی کی یہ کیفیت تھی کہ اُبو رکانہ جو تمام عرب میں زبردست پہلوان مانا جاتا تھا جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تھا اُس نے ایام جاہلیت میں یعنے بعثت سے پہلے آپ سے کشتی کی درخواست کی آپ نے قبول فرمایا اور متواتر تین بار اسکو زمین پر دے مارا اور اُسکا فرزند رُکانہ بھی نہایت قوی پہلوان تھا بعد بعثت جب آپنے اُسکو دعوت اسلام کی اُس نے کہا کہ اگر آپ کشتی میں مجھ پر غالب ہو جاؤ گے تو میں مسلمان ہو جاؤنگا چنانچہ کشتی ہوئی اور آپ اس پر غالب ہوگئے اور وہ مشرف باسلام ہوئے کمافی الخصائص وغیرہ۔

آپ صلعم کی مروت کا یہ حال تھا کہ ابو طالب ہر روز صبح لڑکوں کو کھانا کھلایا کرتے انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوتے۔ لڑکے حسب اقتضائے طبع

شجاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

قوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مروت آنحضرت صلعم روایت ابن عباس

دست درازی کر کے ایک دوسرے کے سامنے سے کھانا کھا لیتے چنانچہ حضرت کے روبرو سے لے لیتے اور حضرت خاموش بیٹھے رہتے اور بھوکے رہ جاتے تھے ابو طالب نے یہ دیکھ آپ کا کھانا ہی علیحدہ مقرر کر دیا۔ اب غور کیجئے کہ لڑکپن میں جب یہ حالت ہو تو ایام نبوت میں کیا حال ہوگا۔

تواضع کا یہ حال تھا کہ آپ فرمایا کرتے کہ میں ایک بندہ ہوں جسطرح غلام کھاتے ہیں میں بھی کھاتا ہوں اور جس طرح غلام بیٹھتے ہیں میں بھی بیٹھتا ہوں اور اکثر آپ مسکینوں کی بیمار پرسی فرماتے اور فقرا کے ساتھ تشریف رکھتے اور کسی مجلس میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی وہیں تشریف رکھتے اگر غلام بھی آپ کی دعوت کرتا تو تشریف لیجاتے ایک بار ایک عورت خدمت میں حاضر ہوئی جس کی عقل میں کچھ فتور تھا اور عرض کی کہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے فرمایا مدینہ کے جس راستے میں بیٹھنا منظور ہو بیٹھ جا۔ میں وہیں آجاؤنگا چنانچہ وہ کسی راستہ میں بیٹھی اور آپ بھی اس کے ساتھ وہاں بیٹھ گئے اور جو اسکی التجا تھی وہ پوری فرمادی۔

فصاحت کا یہ حال کہ لوگوں کو آپ کی غیر معمولی فصاحت سے تعجب ہوتا چنانچہ کنز العمال میں روایت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب سے استفسار کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو کبھی ہم لوگوں سے جدا نہیں ہوئے پھر کیا وجہ کہ آپ ہم سب سے فصاحت میں زیادہ ہیں فرمایا جبرئیل علیہ السلام

نے مجھے تعلیم کی اور شفار میں قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمنے ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو فصاحت میں آپ سے زیادہ ہو۔ عرب میں مختلف قبائل ہیں اور ہر ایک کے محاورات علحدہ ہیں آپ جس قبیلہ کے لوگوں سے گفتگو کرتے ہیں اُسی کے محاورات میں کرتے ہیں اور فصحا و بلغار کے جواب خاص طرز پر دیتے جسکو ہر کس و ناکس نہیں سمجھ سکتا تھا چنانچہ شفار میں اکثر مذکور ہے۔

عقل

کمال عقل اس درجہ پر تھا کہ تمام عقلا آپ کے تدابیر سے حیران ہیں جو لوگ آپکی نبوت کے قائل نہیں انھوں نے بھی آپ کو اعلیٰ درجہ کا عقلمند تسلیم کر لیا ہے جیسا کہ اہل یورپ نے بھی اسکی تصریح کی ہے۔

صدق و راست بازی

آپ کی صدق و راست بازی اور امانت کی یہ کیفیت کہ قبل نبوت بھی سب آپکو امین کہا کرتے تھے ایک بار آپنے کفار قریش کو جو کل مخالف اور جانی دشمن تھے جمع کر کے فرمایا کہ اگر میں کہوں کہ ایک لشکر عظیم الشان چلا آرہا ہے تو کیا تم لوگ اس کی تصدیق کرو گے سب نے بالاتفاق کہا کہ بیشک ہم تصدیق کرینگے کیونکہ آپ کبھی جھوٹ نہیں کہتے۔

حلم کی یہ کیفیت کہ کیسی ہی اذیت پہونچے بدلہ لینا جانتے ہی نہیں دیکھیئے جنگ احد میں آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے چہرۂ مبارک پر شدید زخم آیا صحابہ پر یہ امر نہایت شاق ہوا کر سب نے عرض کی یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع میں آپ اُن اشقیا کے حق میں بددعا کیجئے آپنے فرمایا یہ میرا کام نہیں ہے مجھے حق تعالیٰ نے خلق کو دعوت کرنیکے لئے رحمت بناکر بھیجا ہے۔ اس کے بعد آپنے دعا کی یا اللہ میری قوم کو ہدایت فرما وہ جانتے نہیں کہ میں اُنکا کیسا خیرخواہ ہوں۔

عفو کا یہ حال کہ اگر کسی نے قتل پر بھی اقدام کیا تو آپنے معاف فرمادیا چنانچہ شفا میں روایت ہے کہ کسی غزوہ میں آپ ایکبار درخت کے سایہ میں تنہا آرام فرمارہے تھے اور صحابہ دوسرے درختوں کے تلے تھے ایک کافر جس کا نام غورث تھا سب کو غافل پاکر بہ ارادہ قتل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آگیا اور تلوار کھینچکر وار کرنا چاہتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوگئے اور اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی آپ نے وہی تلوار لیکر فرمایا کہ اب تجھے کون بچائیگا کہا کہ مواخذہ میں رعایت فرمائیے آپنے اسکا قصور معاف فرمادیا اس نے اپنے قبیلہ میں جاکر کہا کہ میں ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں جو خیرالناس ہے اور اسی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا حضرت ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے جن کے کنارہ نہایت گندہ اور سخت تھے۔ ایک اعرابی آیا اور اس چادر کو اس زور سے کھینچا کہ حضرت کے گردن مبارک پر اس کا اثر نمایاں ہوا اور کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ دو اونٹ جو میرے ساتھ ہیں ان پر

مال لاد دو جو تمھارے پاس ہے وہ نہ تمھارا مال ہے نہ تمھارے باپ کا بلکہ اللہ کا مال ہے۔ حضرت خاموش ہوگئے اور کچھ وقفہ کے بعد فرمایا کہ ہاں اللہ کا مال ہے اور میں اوسکا بندہ ہوں اسکے بعد فرمایا اے اعرابی کیا تجھ سے اس سختی کا بدلہ لیا جائے جو تونے میرے ساتھ کی اس نے کہا نہیں۔ فرمایا کیا وجہ کہا اسوجہ سے کہ آپ برائی کے بدلہ میں برائی نہیں کیا کرتے آپنے ہنسکر فرمایا کہ اسکے ایک اونٹ پر جو اور ایک اونٹ پر کھجوریں لاد دو۔ انتہی

سخاوت کی یہ کیفیت کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سوال کیا کبھی آپنے لفظ لا کو زبان پر نہیں لایا اسی مضمون کو فرزدق شاعر نے لکھا ہے۔ شعر

ماقال قط لا الا فی تشہدہ	لولا التشہد کانت لاءہ نعم

قاضی عیاض رح از شفا

غور کیجئے کہ اس سے بڑھکر سخاوت میں کوئی رتبہ ہو سکتا ہے کہ کسی سائل کو محروم نہ کیا جائے حیرت تو یہ ہے کہ اگر حضرت کے پاس کچھ نہ ہوتا جب بھی آپ سائل کو محروم نہ فرماتے چنانچہ شفا میں ترمذی شریف سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپنے فرمایا کہ اسوقت میرے پاس کچھ نہیں لیکن تم جس چیز کی درخواست کرتے ہو وہ خرید لو ہم اسکی قیمت ادا کردینگے عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالی نے آپ کو اس امر کی تکلیف نہیں دی کہ جو چیز آپ کے پاس نہ ہو

وہ بھی سائل کو دلا دیں اس کلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر
آثار کراہت نمایاں ہوئے ساتھ ہی ایک صاحب نے عرض کی یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم آپ فراغت سے خرچ فرمائیے اور اوس خدا کی نسبت جو عرش
کا مالک ہے کبھی خیال نہ کیجئے کہ آپ پر تنگی ڈالیگا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
اس کلام پر تبسم فرمایا اور چہرہ مبارک پر آثار بشاشت نمایاں ہو گئے اور فرمایا
مجھے بھی خدائے تعالیٰ نے ایسا ہی امر فرمایا ہے۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے کچھ سوال کیا آپنے اوس کو بکریوں کا ایک اتنا بڑا ریوڑ عطا فرمایا کہ دو پہاڑوں
کے درمیانی میدان کو بھر دیا تھا وہ شخص نہایت خوشی سے اپنے گھر گیا اور قوم
سے کہا کہ لوگو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرماں بردار ہو جاؤ انکی عطا کا یہ حال ہے
کہ ان کو فاقہ کا کچھ خوف نہیں۔ ایک جنگ میں قبیلۂ ہوازن کے چھ ہزار شخص
قید کر لئے گئے تھے قبیلہ کے طرف سے انکی رہائی کے باب میں سفارش ہوئی
آپنے اونکو رہا فرما دیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک ہی بات میں چھ ہزار لونڈی
غلام آزاد فرما دئیے۔ ایک بار نود ہزار درہم کہیں سے آئے آپ نے ان کو
ایک بوریہ پر ڈلوا دیا اور تقسیم شروع کی یہانتک کہ اُسی مجلس میں سب تقسیم کر دئیے
معوذ بن عفرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک طبق میں رطب اور ککڑیاں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیں آپنے اوسکے معاوضہ میں

زیور اور سونا کف بھر کے عطا فرما دیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپنے نصف وسق جو تخمیناً تین من
ہوتے ہیں قرض لیکر اُس کو عنایت فرمایا جب قرضدار تقاضے کو آیا تو آپنے
ایک پورا وسق اسکو عنایت کر کے فرمایا کہ نصف ادائی قرضہ میں لو اور نصف
بخشش یہ چند روایات ہیں جو شفاء قاضی عیاض سے نقل کیگئیں۔ اسی پر
قیاس کر لیجئے کہ روزانہ داد و دہش کا کیا حال ہوگا کیونکہ قاعدہ کی بات ہے
کہ جب کوئی شخص سخی مشہور ہوتا ہے تو اہل حاجت کا وہاں مجمع رہا کرتا ہے
پھر جب ملک عرب جن کی فلاکت وافلاس شہرۂ آفاق ہے وہاں کے فقرا
اس داد و دہش کے حالات خاص و عام سے سنتے ہونگے تو دور دور سے
جوق جوق آتے ہونگے۔

مقاصد الاسلام کے چھٹے حصہ میں بھی چند حالات آپ کی سخاوت کے
لکھے گئے ہیں غرضکہ یہ سخاوت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا حصہ تھا۔ یہ
ایک ہی ایسی صفت ہے کہ آدمی کو محبوب بنا دیتی ہے۔ دیکھئے حاتم کے
نام پر اب تک محبت آتی ہے اور قارون کا نام سُن کر بغض پیدا ہوتا ہے
حالانکہ ان دونوں سے اسوقت کوئی تعلق نہیں بخلاف اس کے جب آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی داد و دہش اور جود و سخا کا مشاہدہ ہوتا ہوگا تو کیسی
کیسی امیدیں آپ سے وابستہ ہوئی ہونگی۔

الحاصل جملہ اخلاق حمیدہ وصفات پسندیدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں کامل طور پر پائے جاتے تھے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ صفات وہ ہیں کہ جنمیں سے کسی میں ایک بھی پائی جائے تو اس کے ساتھ عموماً محبت ہوا کرتی ہے پھر جب یہ تمام صفات علی وجہ الکمال حضرت میں موجود تھے جن کو سب لوگ مشاہدہ کرتے تھے تو ایسا کون ہوگا جس کو بالطبع آپکے ساتھ محبت نہ پیدا ہوتی ہوگی۔ ہاں یہ بات اور ہے کہ عار اور تعصب وغیرہ کی وجہ سے یہ امور نظر انداز کردیئے جاتے تھے مگر اس قسم کے لوگ ایمان بھی لاتے نہ تھے ان کا ذکر ہی کیا کلام اُن لوگوں میں ہے جو تعصب کو دور کر کے نظر انصاف سے ان کمالات کو دیکھا کرتے تھے انکو بمقتضائے طبع حضرت سے کمال درجہ کی محبت ہونے میں کسی قسم کا شک نہیں ہو سکتا کیونکہ حسن واحسان اور کمالات پر نظر پڑنیکے بعد آدمی کے دلمیں خود بخود محبت پیدا ہونا جبلی اور فطرتی امر ہے بہر حال یہ کہنا بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کمالات کو دیکھ کر اہل انصاف کو بالطبع محبت پیدا ہوتی تھی جس کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی کہ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ الخ۔

یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوائے اپنی جان کے میں آپ کو سب سے زیادہ دوست رکھتا ہوں اس پر ارشاد ہوا لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ

یعنے کوئی ایمان نہ لائیگا جبتک میری محبت اس کے دل میں اسکی جان سے زیادہ نہوگی عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی یارسول اللہ آپکی محبت میرے دل میں میری جان سے بھی زیادہ ہے فرمایا (الآن یا عمرؓ) حاصل یہ کہ عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اپنی جان آدمی کو بہت عزیز ہوتی ہے یہ عرض کردی کہ میں اپنی جان کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اسپر جب یہ ارشاد ہوا کہ جبتک کوئی اپنی جان سے بھی زیادہ مجھ کو عزیز اور محبوب رکھے گا ایمان نہ لائیگا تو عمر رضی اللہ عنہ اصل مطلب کو سمجھ گئے کہ فی الواقع ایمان لانے سے پہلے یہی کیفیت ہوا کرتی ہے اسوجہ سے ہر مسلمان حضرت کے حکم پر اپنی جان دینے کو مستعد ہوجاتا ہے یہ اطاعت خبر دیتی ہے کہ مسلمان کو اپنی جان سے بھی زیادہ حضرت کی محبت ہوتی ہے کیونکہ اطاعت محبت پر دلیل ہے اسوقت عرض کی یارسول اللہ یہ محبت تو مجھے بھی حاصل ہے اور قسم کھاکر صاف کہدیا کہ آپکی محبت جان سے بھی زیادہ ہے کما قال وَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیَّ اس کے جواب میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الآن یا عمرؓ یعنے اب تم نے سمجھ کر کہا کیونکہ اسوقت قسم کھاکر اپنے دعوے کو مدلل کیا اور پہلے جو عرض کی تھی وہ سرسری طور پر تھا جیسا کہ ان کے اس قول سے ظاہر ہے لانت احب الی من کل شئ الا نفسی۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں یہ روایت ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں

کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی باغ میں تشریف لیگئے تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص دروازہ پر آکر کھٹ کھٹایا آپنے فرمایا کہ اے انس رضی اللہ عنہ اٹھو اور دروازہ کھولکر ان کو خوش خبری دو کہ تم جنتی ہو اور میرے بعد خلیفہ ہوگے میں نے عرض کی کہ انکو یہ بات معلوم کرادوں فرمایا ہاں معلوم کرادو۔ جب میں دروازہ کھولا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے میں نے انکو وہ خوش خبر دیدی پھر دروازہ پر کسی نے ٹھوکا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس رضی اللہ عنہ اٹھو اور انکو خوش خبری دیدو کہ وہ جنتی ہیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہونگے میں نے عرض کیا۔ کیا انکو یہ بات معلوم کرادوں فرمایا ہاں معلوم کرادو جب میں نے دروازہ کھولا تو عمر رضی اللہ عنہ کھڑے تھے میں نے انکو خوش خبری دی پھر ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھٹ کھٹایا فرمایا اے انس رضی اللہ عنہ اٹھو اور انکو خوش خبری دو کہ وہ جنتی ہیں اور عمر رضی اللہ عنہ کے بعد خلیفہ ہونگے اور شہید ہونگے جب دروازہ کھولا تو عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے تھے میں نے انکو خوش خبری دی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر کہا یا رسول اللہ میں کبھی نہیں گایا اور نہ کبھی تمنا نہیں کی اور جب سے آپ سے بیعت کی اور آپ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اوس ہاتھ سے کبھی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ حضرت نے فرمایا اے عثمان رضی اللہ عنہ یہ وہی بات ہے یعنے تمہارے ادب کا یہ ثمرہ ہے۔ انتہی۔

دیکھئے اس ادب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تعلیم نہیں فرمائی

ورنہ کل صحابہ سے ایسا ہی مروی ہوتا۔ مگر بات یہ ہے کہ کل صحابہ مؤدب تھے
یعنے قلبی کیفیت اونکی تقریباً ایک قسم کی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
عظمت سب کے دلوں میں سرایت کی ہوئی تھی جس کے آثار مختلف طور پر
ظاہر ہوتے تھے۔ ہر صاحب بمقتضائے طبع ایک نئی قسم کا ادب تراش لیتے تھے
جس کو شریعت میں کوئی دخل نہیں بلکہ اونکی طبیعت کا اقتضاء تھا اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بھی اونکو ایسے اختراعوں سے روکتے نہ تھے چنانچہ اس
حدیث میں دیکھ لیجئے کہ جب انھوں نے اپنی حالت کی خبر اوس موقع بشارت
میں دی تو یہ نہیں فرمایا کہ کس نے تم سے کہا تھا کہ ایسی چیز اپنے ذمہ پر لازم کرلو
جس کا شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ بلکہ ایسے سخت التزاموں سے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اکثر منع فرمایا کرتے تھے چنانچہ احادیث میں مصرح ہے کہ کسی
بیوی نے یہ التزام کیا تھا کہ رات بھر جاگیں اور ایک رسی ٹانگ رکھی تھیں
اگر نیند غلبہ کرتی تو وہ اس سے سر کے بالوں کو باندھ لیتی تھیں۔ حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے وہ رسی کھلوادی اور انکو اس سے منع فرمایا اور بعض صحابہ نے
ہمیشہ روزہ رکھنے کا التزام کیا تھا اس سے اونکو منع فرمادیا تھا اس کے سوا
کئی نظائر کتب احادیث میں اسکے موجود ہیں برخلاف اس کے عثمان رضی اللہ عنہ
کے اس التزام کی وقعت کی کہ اوسی کو باعث مدارج قرار دیا۔ وجہ اسکی یہی ہوگی
کہ عبادت الٰہی میں اسقدر غلو کرنا ضرورت سے زیادہ ہے جیسا ارشاد ہوا

اُتنا کر لینا کافی ہے بخلاف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے کہ وہ باعث ترقی مدارج ہے کیونکہ جس قدر حضرت کی عظمت زیادہ ہوگی اسی قدر ادب زیادہ ہوگا چونکہ یہ التزام ادب باعث ترقی مدارج تھا اس لئے حضرت نے اُس سے منع نہیں فرمایا اور اسکی خاص وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوب رب العالمین ہیں جس قدر محبوب کی عظمت زیادہ ہو اور اوس سے زیادہ ادب کیا جائے باعث خوشنودی محب ہوتی ہے۔

اس سے ثابت ہے کہ مشائخین عظام اس قسم کے آداب میں غلو اور التزام کرتے ہیں وہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرضی کے خلاف نہیں بلکہ باعث ترقی مدارج ہے اب ان حضرات کو ان امور کے لحاظ سے بدعتی کہنا بے موقع ہوگا خدائے تعالیٰ ہم لوگوں کو دین میں بصیرت عطا فرمائے جس سے ہم مستحسن و غیر مستحسن امور میں فرق کر سکیں۔

کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ہے کہ ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ پڑھا۔ جب خطبہ سے فارغ ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اٹھو اور خطبہ پڑھو وہ اُٹھے اور خطبہ پڑھے مگر جس قدر کہ حضرت نے پڑھا تھا اُس سے کم۔ جب وہ فارغ ہوئے تو عمر رضی اللہ عنہ کو ارشاد ہوا کہ تم بھی خطبہ پڑھو اونھوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ سے بھی کم پڑھا اسکے بعد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے فرمایا کہ تم بھی پڑھو اونھوں نے

ایک طولانی خطبہ شروع کیا۔ آپ اون پر خفا ہو گئے اور فرمایا بیٹھ جا۔ انتہی ملخصاً

ظاہر اخطبہ پڑھانے سے صرف ادب کا امتحان مقصود تھا جسمیں دونوں

صاحب کامیاب ہوئے اور تیسرے بزرگوار جن کا نام راوی نے مصلحۃً چھپادیا

ناکام رہے۔

اب غور کیجئے کہ ادب کی تعلیم یوں امت کو ہوا کرتی تھی غفلت میں فرمائش

کی گئی وہ موقع تو ایسا تھا کہ دل کھولکر اپنی طبیعت کے جوہر دکھائیں چنانچہ تیسرے

صاحب نے ایسا ہی کیا مگر ان حضرات کی طبیعت نے اسکو گوارا نہیں کیا اور

امتثال امر کے لئے خطبہ تو پڑھا مگر اوس مضمون کو ملحوظ رکھ کر کہ (ایاز حد خود شناس)

اتنا پڑھا کہ اپنا خطبہ حضرت کے خطبہ سے بڑھ نہ جائے۔ اس ادب کے مقابلہ میں

مقتضائے طبیعت کو چھوڑنے کی انھیں ضرورت ہوئی جن لوگوں کی طبیعت میں

ادب نہیں وہ اپنی طبیعت سے مجبور ہیں کیونکہ مقتضائے طبیعت یہی ہے کہ آدمی

کسی کے روبرو اپنے کو ذلیل کرنا نہیں چاہتا۔ اور ادب اسوقت تک ظہور میں

نہیں آتا کہ جس کا ادب کرے اوسکو معزز اور اپنے آپ کو اس کے مقابلہ میں محقر

سمجھے اسی مقتضائے طبیعت نے شیطان کو آدم علیہ السلام سے ادب کرنے نہیں دیا۔

خصائص کبریٰ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ خدا

کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ حضرت کے زمانہ میں بھوک کے مارے اکثر میری یہ حالت ہوتی

کہ کبھی زمین پر اپنے جگر کو لگا دیتا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھتا۔ ایک روز مارے

ادب اصحاب

بھوک کے راستہ پر بیٹھ گیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ادھر سے گزرے اون سے قرآن شریف کی ایک آیت پوچھی۔ اسمیں میری غرض یہ تھی کہ میری حالت دیکھکر اپنے ہمراہ لیجائیں۔ اور کھانا کھلائیں۔ مگر اونھوں نے خیال نہ کیا۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ اون سے بھی اسی غرض سے ایک آیت پوچھی۔ اونھوں نے بھی کچھ توجہ نہ کی۔ پھر حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوے اور میری حالت دیکھکر تبسّم فرماکر مجھے پکارے۔ میں لبیک یارسول اللہ عرض کیا۔ فرمایا میرے ساتھ چلو۔ جب مکان میں تشریف لیگئے تو مجھے داخل ہونے کی اجازت دی۔ میں جب داخل ہوا تو ایک پیالہ دیکھا۔ جسمیں دودھ تھا فرمائے یہ کہاں سے آیا کہا گیا کہ فلاں شخص نے بھیجا ہے۔ مجھے ارشاد فرمایا کہ اہل صفہ کو بلالو۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ اہل صفہ یعنے ڈھالیہ میں رہنے والے لوگ اسلام کے مہمان تھے۔ نہ اونکو جورو بچے تھے نہ مال تھا۔ جو حضرت کے پاس کہیں سے صدقہ آجاتا تو اون کے پاس بھیجدیتے۔ اور اوسمیں سے کوئی چیز نہ لیتے۔ اور اگر ہدیہ آجاتا تو اون کے پاس بھی بھیجتے اور کچھ آپ بھی رکھ لیتے۔ اور اوسمیں بھی اونکو شریک فرمالیتے۔ الغرض جب اوس جماعت کو بلانیکے لئے مجھے فرمایا تو مجھے برا معلوم ہوا۔ اور اپنے دل میں کہا کہ اس تھوڑے سے دودھ میں اہل صفہ کا کیا ہوگا۔ اگر وہ مجھے عنایت ہوتا تو مجھے تو قوت آتی۔ اور میں جب اونکو بلانیکے لئے بھیجا جاؤنگا ہوں تو جب وہ آئیں گے تو اونکو پلانیکے لئے مجھی کو حکم ہوگا۔ اور یہ دودھ اسقدر نہیں ہے

کہ اونکو بلانیکے بعد میرے حصہ میں بھی کچھ آسکے۔ مگر چونکہ خدا و رسول کی اطاعت ضروری تھی اونکو بلالیا۔ اور وہ آکے مکان میں بیٹھ گئے۔ مجھے فرمایا۔ یہ پیالہ اون کو دو۔ میں نے لوگوں کو دینا شروع کیا۔ ہر ایک سیری سے پیکر مجھے دیتا میں دوسرے کو دیتا۔ غرض کہ سب سیراب ہوگئے۔ اور نوبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آئی۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس پیالہ کو دست مبارک پر رکھا۔ اور میری طرف دیکھ کر تبسم کرکے فرمایا۔ اب میں اور تم ہی باقی رہگئے ہیں عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا بیٹھ جاؤ اور پیو۔ چنانچہ میں نے خوب پیا۔ پھر فرمایا اور پیو۔ پھر پیا۔ کئی بار اس طرح سے ارشاد ہوا اور میں پیتا گیا۔ آخر میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب گنجائش نرہی۔ اور قدح حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں دیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بچا ہوا دودہ پی لیا انتہےٰ

صحابہ رضی اللہ عنہ کے اخلاص اور توکل کی حالت اس روایت سے معلوم ہوسکتی ہے کہ دوسرے حوائج اور اسباب تنعم تو کہاں بھوک کے مارے بیتاب ہو کے اقسام کی تدبیریں کرتے کہ اوسکی اذیت کم ہو۔ مثلاً زمین پر جگر کو لگا دینا اور پیٹ کو پتھر باندھنا۔ اس قسم کے امور ہیں کہ جن سے بھوک نہیں جاسکتی۔ مگر خیال کیا جاتا تھا کہ شاید اوس سے اذیت کم ہوجائے۔ باوجود اسقدر ضرورت کے کبھی کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ دیکھئے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے طرف آتے دیکھا ہوگا

توکس قدر اونکو خوشی ہوئی ہوگی کہ یہ دونوں حضرات اسلام میں سر برآوردہ اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں۔ ضرور رحم کرینگے۔ اگر اوسوقت ذرا اون سے اپنے بھوک کا حال بیان کر دیتے تو ضرور وہ اونکو کھانا کھلاتے اگر اپنے پاس کچھ نہ تھا تو کچھ اور تدبیر کرتے پھر بھوکے بھی کون۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر اسلام کے سچے خیر خواہ اون کے لئے تو بہت کچھ سامان کیا جا سکتا مگر سبحان اللہ اونھوں نے بھوک کا نام تک زبان پر نہ لایا۔ اور تدبیر کی تو یہ کی کہ ایک آیت پوچھی۔ جس سے اونکی نظر اسپنے پر پڑے۔ اور وہ خود معلوم کریں مگر معلوم نہیں کہ اسمیں کیا مصلحت الٰہی تھی۔ کہ ایسے جلیل القدر فریس حضرات کی اون پر نظر پڑنے نہ پائی۔ اور اونکو حالت یاس میں چھوڑ کر چلے گئے ایسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں تشریف فرما ہونا اور اونکو دیکھ کر تبسم فرمانا ایک عجیب راز سربستہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس کا وجدان خاص ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو ہوا ہوگا جب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت کے ساتھ جا رہے ہونگے اونکے دل کی حالت جو ہوگی اوسکو نہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کر سکتے تھے نہ کوئی دوسرا بیان کر سکتا ہے۔ اوس کے بعد ایک امتحان کا معاملہ درپیش ہوا تو اوس مخمصہ کی حالت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تھوڑا سا دودھ جو صرف اونہی کے لئے کافی ہو نہ پی کر ایک جماعت کو بلا کر اون کو پلا دیں اس امتحان میں سر بر ہونا اونہی کا کام تھا کیونکہ ضرورت کے وقت ہر چیز مباح ہو جاتی ہے۔ اگر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

پھر عرض کرتے (حضرت صلی اللہ علیہ وسلم) بھوک سے میں مر رہا ہوں۔ اور لوگوں کو بلانے کا حکم ہو رہا ہے اس کا مستحق میں ہوں تو غالباً اس پر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم زجر نہ فرماتے۔ اور اگر بے ادبی بھی تھی تو اونکی بیقراری اور بے صبری کی حالت دیکھکر معاف فرما دیتے۔ مگر سبحان اللہ اون کا ادب اسوقت دیکھنے کے قابل ہے۔ کہ اوس حالت میں بھی کوئی لفظ ایسا زبان پر نہ لایا جو ناگوار خاطر اقدس ہو اور ہر ایک کو برابر بلاتے رہے اور ادب میں ذرا بھی فرق نہ آنے دیا۔

اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ:

عرب میں دستور تھا کہ جب کھجور کے درخت کو پھول آتا تو نر کے پھول مادہ کے پھول پر اس غرض سے ڈالے جاتے کہ بار زیادہ آوے اسکو عرب میں توبیر کہتے ہیں ایکبار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ایک قوم پر ہوا جو توبیر کر رہی تھی۔ آپنے فرمایا کہ اگر توبیر نہ بھی کرتے تو اچھے یعنے بالیدہ ہونے والے ہو ہی جاتے۔ لوگوں نے اوس سال رسم مذکور کو ترک کر دیا اتفاق سے اوس سال کھجوریں خراب ہو گئیں۔ صحابہ نے واقعہ عرض کیا حضرت نے فرمایا تم اپنے دنیا کے کام خوب جانتے ہو مقصود یہ کہ اشیا کی خاصیات اور تاثیرات بیان کرنا نبوت سے متعلق نہیں۔ نبوت کا تو یہ کام ہے کہ خدا تعالے کے تقرب کے طریقہ بتائے جائیں۔ جو کام آدمی کو اس عالم میں مفید یا مضر ہوتے ہیں۔ بیان ہوں۔ جس کے ضمن میں اصلاح اخلاق ہو جو اصلاح تمدن کا باعث قوی ہے۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عدم ضرورت تو بر بیان فرمایا تھا وہ ایک اعتقادی مسئلہ تھا کیونکہ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ بغیر حکم خدا کے کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہزار تو بر کیجائے جبتک حکم الٰہی نہ ہو نہ درخت بارآور ہو سکتا ہے نہ پار عمدہ۔ اب رہا یہ کہ عادت جاری ہے کہ تو بر سے کھجور یا لدار ہوتی ہے تو وہ دنیا سے متعلق ہے۔ جیسے تو فیر کی تدابیر دنیا دار لوگ خوب جانتے ہیں مگر یاد رہے کہ تو بر ہو یا اور اسباب اگر کوئی اون کو مستقل سمجھے اور اس کا اعتقاد نہ رکھے کہ اصل خالق خدا تعالیٰ ہے اور یہ اسباب صرف برائے نام ہیں تو اوس کے بیدین ہونے میں شک نہیں۔ انتم اعلم بامور دنیاکم کے الفاظ سے عتاب نبوی آشکار ہے جسکو لفظ دنیاکم سے ظاہر فرمادیا کہ تم دنیا دار ہو۔ اور اپنی دنیا کے حالات کو ہم سے زیادہ جانتے ہو۔ ہمیں نہ تمھاری دنیا سے تعلق ہے نہ دنیاداروں سے مطلب۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام اور اولیائے عظام دنیا سے بالکل علیحدہ رہتے تھے۔ خلفائے راشدین کے حالات آپنے مقاصد الاسلام کے حصہ پنجم میں دیکھ لیے کہ باوجود خلافت اور سلطنت کے کیسے فقر و فاقہ کی حالت میں اونھوں نے عمر بسر کی۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت کی کیا حالت تھی۔ غرض کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع میں نہایت بلیغ پیرایہ میں عتاب ظاہر فرمادیا۔ اور دنیا داروں نے سمجھا کہ حضرت اون کے علم کی تعریف فرماتے ہیں کہ (تم ہم سے زیادہ جانتے ہو) حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ

ذق انک انت العزیز الکریم۔ یعنے کفار جب دوزخ میں جائیں گے تو
اون سے کہا جائیگا کہ اب چکھو تم تو بڑے عزیز و کریم ہو۔ کیا یہ توصیفی الفاظ
فی الواقع توصیف ہو سکتے ہیں ہرگز نہیں۔ اسی طرح انتم اعلم توصیف نہیں ہوسکتی
شمس العلماء مولوی شبلی صاحب نے الفاروق کے صفحہ (۱۳۰ و ۱۳۸)
میں لکھا ہے کہ رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و حمص وغیرہ سے نکلے تھے
انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا۔ ہرقل نے
انمیں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب
تم سے زور میں فوج میں سروسامان میں کم ہیں۔ پھر تم اونکے مقابلہ میں کیوں نہیں
فتح پا سکتے۔ اس پر سب نے ندامت سے سر جھکا لیا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا۔
لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے
اچھے ہیں وہ رات کو عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزے رکھتے ہیں کسی پر ظلم
نہیں کرتے آپسمیں ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہے ہمارا یہ حال ہے
کہ شراب پیتے ہیں بدکاریاں کرتے ہیں اقرار کی پابندی نہیں کرتے اوروں پر
ظلم کرتے ہیں اسکا یہ اثر ہے کہ انکے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے۔
اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر درحقیقت
شام سے نکل جانیکا ارادہ کر چکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی
فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ

آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلہ میں صرف کر دیا جائے۔ روم قسطنطنیہ جزیرہ۔ آرمینیہ ہر جگہ احکام بھیجے کہ تمام فوجیں پایۂ تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام اضلاع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ جس قدر آدمی جہاں سے مہیا ہو سکیں روانہ کئے جائیں ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان اُمنڈ آیا۔ انطاکیہ کے چاروں طرف جہانتک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ٹڈی دل پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جو مقامات فتح کر لئے تھے وہاں کے اُمرا اور رئیس انکے عدل و انصاف کے اسقدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کیلئے جاسوس مقرر کر رکھے تھے چنانچہ اُن کے ذریعہ سے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ اُنھوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پُر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانو! خدا نے تم کو بار بار جانچا اور تم اُس کی جانچ میں پورے اُترے۔ چنانچہ اسکے صلہ میں خدا نے تم کو ہمیشہ مظفر و منصور رکھا اب تمہارا دشمن اس سر و سامان سے تمہارے مقابلہ کے لئے چلا ہے کہ زمین کانپ اٹھی ہے اب بتاؤ کیا صلاح ہے۔ یزید بن ابی سفیان معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رائے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں اسکے ساتھ خالد رضی اللہ عنہ اور عمرو بن العاص

کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدد کو آئیں شرجبیل بن حسنہ نے کہا
کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیئے یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ
نے جو رائے دی بے شبہہ خیر خواہی سے دی لیکن اس کا میں مخالف ہوں
شہر والے تمام عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصب سے ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر
قیصر کے حوالہ کر دیں یا خود مار ڈالیں حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا
اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکال دیں شرجبیل نے اٹھکر کہا اے امیر
ہم کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ
شہر میں اطمینان سے رہیں اس لئے نقض عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اپنی غلطی تسلیم کی لیکن یہ بحث طے
نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے۔ عام حاضرین نے رائے دی کہ حمص میں ٹھہر کر
امدادی فوج کا انتظار کیا جائے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اتنا وقت کہاں ہے آخر یہ رائے
ٹھہری کہ حمص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں۔ وہاں خالد رضی اللہ عنہ موجود ہیں
اور عرب کی سرحد قریب ہے یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ
نے حبیب بن سلمہ کو جو افسر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج
لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم ان کو انکے دشمنوں سے بچا سکیں لیکن اس وقت
ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم انکی حفاظت کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے اس لئے

جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب ان کو واپس دیدو اور ان سے کہدو کہ ہمکو تمھارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اسوقت تمھاری حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے اس لئے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تم کو واپس کیا جاتا ہے چنانچہ کئی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کردی گئی۔

عیسائیوں پر اس واقعہ سے اسقدر اثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا انھوں نے کہا توریت کی قسم جبتک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کرسکتا یہ کہکر شہر پناہ کے دروازے بند کردیئے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھادیا۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے صرف حمص والوں کے ساتھ یہ برتاؤ نہیں کیا بلکہ جس قدر اضلاع فتح ہوچکے تھے ہر جگہ لکھ بھیجا کہ جزیہ کی جس قدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کردی جاے۔ انتہی

اس سے مسلمانوں کی ایمانداری راست بازی وفاشعاری کا پتہ لگتا ہے کہ کس درجہ کی تھی۔ نماز روزہ بہت آسان چیزیں ہیں روپیہ پیسہ کے معاملہ میں اکثر دشواری ہوتی ہے ہمارے زمانہ کے جہلا تو درکنار بہت سے علما کی حالت دیکھی جاتی ہے کہ جب کسی خدمت پر مامور ہوتے ہیں یا ان کے معاش کا مقدمہ ہوتا ہے تو تدین ٹھکانے نہیں رہتا۔ حالانکہ دین میں اسی کی ضرورت ہے کیونکہ حقوق الناس کو خداے تعالی بھی معاف نہیں فرماتا ایسی اہم چیز کی اگر

کسی کو پروا نہ ہو تو کہ مال کس طریقہ سے حاصل کیا گیا بجز اسکے اور کیا کہا جائے کہ اس کے ایمان ہی میں کچھ کسر ہے۔ غرضکہ صحابہ کے تدین نے عموماً یہ خیال پیدا کر دیا تھا کہ یہ لوگ طالب دنیا نہیں ہیں صرف اعلائے کلمۃ اللہ اور خوشنودی خدا کے واسطے اپنی جانیں لڑا کر اکثر ملک میں تہذیب قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اسی وجہ سے مسلمانوں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ گئی حالانکہ اسلام لانے پر کوئی مجبور نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ صاف کہہ دیا جاتا تھا کہ اگر خوشی سے اسلام نہیں لاتے تو سالانہ (۴) دینار جس کی مقدار بحساب حالیہ (عـــہ) روپیہ ہوتے ہیں دیں۔ یہ ظاہر ہے کہ اتنے روپیہ دیکر مذہبی آزادی حاصل کرنا کوئی بڑی بات نہ تھی چنانچہ بہت سارے متعصب جزیہ ہی قبول کر لیتے تھے مگر انصاف پسند عقلا جو یہ سمجھتے تھے کہ نجات دائمی بغیر اسکے کہ سچے مذہب کی پابندی کیجائے حاصل نہیں ہوسکتی نہایت خوشی سے اسلام لاکر مذہب کی تمام پابندیوں کو قبول کر لیتے تھے حالانکہ یہ بھی جانتے تھے کہ مسلمانوں کے مذہب میں ہے کہ جو اسلام لاکر پھر جائے یعنے مرتد ہو جائے وہ قتل کیا جاتا ہے گویا وہ اسلام لانیکے وقت یقینی طور پر اقرار کر لیتے تھے کہ اگر ہم اسلام سے پھر جائیں تو قتل کر دیئے جائیں انکو اتنی اسخ بنانیوالی کون چیز تھی وہی دین اسلام کی سچائی تھی کہ ان کو ایسے سچے مذہب سے پھرنیکا خیال بھی نہ آتا تھا۔ افسوس ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا کہ مسلمانوں کی حالت دیکھکر لوگ بطیب خاطر مشرف بہ اسلام ہوتے تھے اور ایک زمانہ یہ ہے کہ اکثر مسلمانوں

کی حالت اور طرز عمل دیکھ کر دوسرے مذہب والے نفرت کرتے ہیں اور مرتد ہوتے جاتے ہیں مگر پھر بھی بفضلہ تعالیٰ اسی اسلام کی سچائی کا یہ اثر ہے کہ اہل انصاف مسلمانوں کی حالت سے قطع نظر کرکے نفس ہدایات اسلام پر جب غور کرتے ہیں تو خود انکا دل ان کو ایمان لانے پر مجبور کرتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ باوجودیکہ کسی قسم کا اہتمام نہیں ہے مگر ہزارہا مشرف باسلام ہوتے جاتے ہیں الحمد للہ علیٰ ذالک

تاریخ واقدی میں لکھا ہے کہ جب اہل قنسرین اور وہاں کے بطریق لوقا نے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی اور معاہدہ کیا کہ ایک سال میرے حدود میں اہل اسلام تعدی نہ کریں اور علامت حد یہ قرار دی کہ ایک بلند ستون پر ہرقل کی تصویر رہیگی اوس سے آگے نہ بڑھیں طرفین سے یہ معاہدہ طے ہوگیا ایک روز چند سوار ادھر گذرے اور اُس ستون کے قریب گھوڑوں کی موڑ توڑ کی تعلیم دے رہے تھے کہ ابو جندلہ کا گھوڑا شوخی کرکے اُس ستون کے قریب ہوگیا اور انکے ہاتھ میں دراز بھالا تھا اُس تصویر کو لگ گیا جس سے اُسکی آنکھ پھوٹ گئی حد کی حفاظت کے لئے جو چند آدمی وہاں تھے اونھوں نے لوقا سے کہدیا کہ مسلمانوں نے تصویر کی بے عزتی کی اور اس کی آنکھ پھوڑ دی یہ سنتے ہی یوقنا بطریق غضبناک ہوکر ایک ہزار بہادر جنگ آزمودہ سواروں کو اصطخر کے ہمراہ کرکے یہ پیام کہلایا کہ تم لوگوں نے عہد شکنی کی۔

اب ہم تم سے لڑینگے جب دستہ سواروں کا لشکر اسلام کے قریب پہنچا دیکھا کہ

سب فوج نہایت زرق و برق کے ساتھ چلی آرہی ہے اور ان کے سامنے ایک نشان جس پر صلیب ہے۔ اسکو بلند کئے ہوئے ہیں۔ صحابہ نے حملہ کرکے صلیب کو سرنگوں کردیا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھکر پوچھا تم کون لوگ ہو اصطخر نے کہا میں حاکم قنسرین کی طرف سے پیام لایا ہوں کہ تم لوگوں نے غدر کیا ہمارے بادشاہ کی تصویر کی آنکھ پھوڑ دی اور عہد کو توڑ دیا آپنے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی قسم ہے کہ مجھے اسکی خبر نہیں ابھی دریافت کرتا ہوں اور بہ آواز بلند کہا کہ اے لوگو کسی نے تصویر کی آنکھ پھوڑدی ہے لوگوں نے کہا اے امیر ابوجندلہ اور سہیل بن عمرو کا بھالا لگ گیا اونہوں نے قصداً نہیں پھوڑی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اصطخر سے معذرت کی کہ یہ فعل قصداً نہیں کیا گیا اس پر بھی اس کے معاوضہ میں تم جو کچھ کہو ہم دینے پر راضی ہیں اصطخر وغیرہ نے کہا کہ ہم ہرگز نہ راضی ہونگے۔ جبتک تمھارے بادشاہ کی آنکھ نہ پھوڑیں گے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہی بات ہے تو لو اس تصویر کی آنکھ کے معاوضہ میں میری آنکھ پھوڑ ڈالو کہا یہ اسکا معاوضہ نہیں ہوسکتا تمھارے بڑے بادشاہ جو والی عرب ہیں ان کی آنکھ پھوڑینگے۔ جب اونہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا نام لیا تو تمام اہل اسلام میں جوش پھیل گیا اور لڑنے مرنے پر تیار ہوگئے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فہمائش کی اسپر سب نے بالاتفاق کہا کہ اے امیر ہم اپنے امام یعنے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر فدا ہونے اور انکی آنکھ کے فدیہ میں اپنی

آنکھیں دینے پر راضی ہیں۔

بطلیق نے مسلمانوں کا جوش دیکھا کہ آنکھ کا معاوضہ کچھ اور ہی رنگ لائیگا گھبراکر کہا خیر آنکھیں پھوڑنیکی ضرورت نہیں۔ امیر لشکر یعنے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی تصویر ایک نشان پر بنائی جائے ہم اوسکی آنکھ پھوڑ ڈالیں گے یہ سنکر مسلمانوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا ہمارے جانب سے قصداً تعدی نہیں ہوئی تھی اور تم لوگ قصداً یہ کام کروگے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے قوم زیادہ گفتگو مت کرو میں راضی ہوں کہ میری تصویر کی وہ بیحرمتی کریں اور یہ اس لئے کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ مسلمان عہد کرکے عذر کیا کرتے ہیں بہرحال اس پر فیصلہ ہوا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے تصویر کی آنکھ پھوڑدی گئی۔ انتہی ملخصاً

یہاں قابل قدر یہ امر ہے کہ تمام اہل اسلام نے بالاتفاق یہ کہدیا کہ ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں ان پر سے اپنی جان فدا کرنے اور انکی آنکھ کے فدیہ میں اپنی آنکھ فدا کرنے پر راضی اور مستعد ہیں اس واقعہ میں خالد بن الولید رضی اللہ عنہ بھی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور یہ وہی زمانہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انکو معزول کرکے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحتی میں انھیں دیا تھا مگر سبحان اللہ کیا نفوس قدسیہ تھے اسکا ذرا بھی خیال نہ کیا اور اپنی آنکھ کو عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر فدا کرنیکے لئے مستعد ہوگئے اور مسلمانوں سے ذرا بھی مخالفت نہ کی ورنہ کہہ سکتے تھے کہ انکی آنکھ پھوڑی جائے تو ہمیں کیا ہم تو اسلام کے واسطے لڑتے ہیں جسمیں یا

سب فوج نہایت زرق و برق کے ساتھ چلی آرہی ہے اور ان کے سامنے ایک نشان ہے جس پر صلیب ہے۔ اسکو بلند کئے ہوئے ہیں۔ صحابہ نے حملہ کر کے صلیب سرنگوں کر دیا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھکر پوچھا تم کون لوگ ہو اصطخر نے کہا میں حاکم قنسرین کی طرف سے پیام لایا ہوں کہ تم لوگوں نے غدر کیا ہمارے بادشاہ کی تصویر کی آنکھ پھوڑدی اور عہد کو توڑ دیا آپنے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی قسم ہے کہ مجھے اسکی خبر نہیں۔ ابھی دریافت کرتا ہوں اور یہ آواز بلند کہا کہ اے لوگو کسی نے تصویر کی آنکھ پھوڑدی ہے لوگوں نے کہا اے امیر ابوجندلہ اور سہیل بن عمرو کا بھالا لگ گیا اونھوں نے قصداً نہیں پھوڑی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اصطخر سے معذرت کی کہ یہ فعل قصداً نہیں کیا گیا اس پر بھی اس کے معاوضہ میں تم جو کچھ کہو ہم دینے پر راضی ہیں اصطخر وغیرہ نے کہا کہ ہم ہرگز نہ راضی ہونگے۔ جبتک تمھارے بادشاہ کی آنکھ نہ پھوڑیں گے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب یہی بات ہے تو لو اس تصویر کی آنکھ کے معاوضہ میں میری آنکھ پھوڑ ڈالو کہا یہ اسکا معاوضہ نہیں ہو سکتا تمھارے بڑے بادشاہ جو والی عرب ہیں ان کی آنکھ پھوڑینگے۔ جب اوس نے عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ کا نام لیا تو تمام اہل اسلام میں جوش پھیل گیا اور لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فہمائش کی اسپر سب نے بالاتفاق کہا کہ اے امیر ہم اپنے امام یعنے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر فدا ہونے اور انکی آنکھ کے فدیہ میں اپنی

آنکھیں دینے پر راضی ہیں۔

صطفر نے مسلمانوں کا جوش دیکھا کہ آنکھ کا معاوضہ کچھ اور ہی رنگ لائیگا گھبرا کر کہا خیر آنکھیں پھوڑنے کی ضرورت نہیں۔ امیر لشکر یعنے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی تصویر ایک نشان پر بنائی جائے ہم اوسکی آنکھ پھوڑ ڈالیں گے یہ سنکر مسلمانوں نے کہا یہ نہیں ہوسکتا ہمارے جانب سے قصداً تعدی نہیں ہوئی تھی اور تم لوگ قصداً یہ کام کروگے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا اے قوم زیادہ گفتگو مت کرو میں راضی ہوں کہ میری تصویر کی وہ بیحرمتی کریں اور یہ اس لئے کہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ مسلمان عہد کرکے عذر کیا کرتے ہیں بہرحال اس پر فیصلہ ہوا کہ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے تصویر کی آنکھ پھوڑ دی گئی۔ انتہی ملخصًا

یہاں قابل قدر یہ امر ہے کہ تمام اہل اسلام نے بالاتفاق یہ کہدیا کہ ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں ان پر سے اپنی جان فدا کرنے اور انکی آنکھ کے فدیہ میں اپنی آنکھ فدا کرنے پر راضی اور مستعد ہیں اس واقعہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بھی ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے اور یہ وہی زمانہ ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے انکو معزول کرکے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے ماتحتی میں انھیں دیا تھا مگر سبحان اللہ کیا نفوس قدسیہ تھے اسکا ذرا بھی خیال نہ کیا اور اپنی آنکھ کو عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر فدا کرنیکے لئے مستعد ہوگئے اور مسلمانوں سے ذرا بھی مخالفت نہ کی ورنہ کہہ سکتے تھے کہ انکی آنکھ پھوڑی جائے تو ہمیں کیا ہم تو اسلام کے واسطے لڑتے ہیں جسمیں یا

ہم اور عمر رضی اللہ عنہ دونوں برابر ہیں اور ظاہر یہ بات ایسی تھی کہ شاید اوس کا کوئی انکار نہ کر سکتا۔ مگر یہ حضرات ایسے نہ تھے کہ ایک لکڑی سے سب کو ہانکیں وہ تو فیضانِ صحبت نبوی سے کچھ ایسے مہذب و مؤدّب ہو گئے تھے کہ دنیا میں اون کی نظیر نہیں ملسکتی۔ عمر رضی اللہ عنہ کو وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ قبیلہ بنی عدی میں ایک سرآوردہ شخص ہیں بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور جانشین ہیں۔ یہ عالی نسبت اونکی تمام مسلمانوں کے دلوں پر وہ اثر کرتی تھی کہ انکے زور و سب کی گردنیں جھک جاتی تھیں فی الحقیقت نسبت ایسی ہی چیز ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ وہ کس قدر با اثر اور با وقعت چیز ہے۔ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازواج مطہرات کو زوجیت کی نسبت تھی اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ تمام مسلمانوں کی ماں ہو گئیں اور اگر انکے ماں باپ بھی تھے تو بجائے اسکے کہ اپنی صاحبزادی سمجھیں ماں سمجھ کر وہی تعظیم و توقیر کرتے جو ماں کی کیجاتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جیسا کسی عورت سے نکاح ہو جاتا ہے تو باوجود اجنبیت کے اس نسبت کے ساتھ ہی کیسی خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں یہانتک کہ اگر کوئی اسکو آنکھ اوٹھا کر دیکھے تو اسکے مقابلہ میں جان دینا گوارا کیا جاتا ہے اولیاء اللہ کو خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خاص قسم کی نسبت ہوتی ہے جس کے آثار دنیا اور آخرت میں جو کچھ ہوتے ہیں اگر اونکا بیان کیا جائے تو ایک مستقل کتاب ہو جائے غرضکہ عمر رضی اللہ عنہ کو جو نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھی اسکی وجہ سے

کل اہل اسلام اور خالد بن الولید رضی اللہ عنہ پر یہ آسان ہو گیا تھا کہ انکی آنکھ سے
اپنی آنکھیں فدا کر دیں اس موقع میں ایک حدیث شریف بھی قابل ذکر ہے کہ جب
فتح مکہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں تشریف لیگئے دیکھا کہ انبیا
علیہم السلام کی تصویریں بنا رکھی ہیں۔ چنانچہ بخاری شریف کے کتاب المغازی
میں یہ حدیث مذکور ہے عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم لما قدم مکة ابی ان یدخل البیت وفیه الآلهة
فامر بها فاخرجت۔ فاخرج صورة ابراهیم واسمعیل علیهما السلام
فی ایدیهما من الازلام۔ فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم قاتلهما اللہ
ان استقسما بها قط الخ اور تاریخ کامل ابن اثیر جزء ثانی مطبوعہ مصر صفحہ (۹۶) میں ہے
(و رأی فیها صور الانبیاء فامر بها فمحیت) اور ناسخ التواریخ جلد دوم کے
صفحہ (۱۴۲) میں مذکور ہے پس مقداری زعفران طلب کرد وآں صورت را بزعفران
اندودہ ساخت۔

دیکھئے وہ تصویریں بتوں کی قطار و شمار میں تھیں اور انکی رعایت نہ شرعاً
ضرور تھی نہ عقلاً مگر چونکہ انبیا علیہم السلام کے ساتھ انکو ایک خاص قسم کی نسبت تھی
اور یہ کہا جاتا تھا کہ یہ تصویر فلاں نبی کی ہے اسی نسبت کی وجہ سے حضرت نے
انکی قدر فرمائی کہ اگر مٹایا بھی تو زعفران کے پانی سے اور کسی قسم کی توہین گوارا نہیں فرمائی
اگر اس زمانہ کے متشدد حضرات اس قسم کی تصاویر پاوئیں تو مقتضائے طبع

انکا گواہی دیتا ہے کہ اس کام کے لئے نجاست میں اپنے ہاتھ آلودہ کرنے پر آمادہ ہوجائیں اور اس کو کمال توحید پر دلیل قرار دیں۔ چنانچہ اسپر قرینہ یہ ہے کہ بعضوں نے صراحتاً لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور نماز میں کرنا اس سے بدتر کہ ( ) کا تصور کیا جائے۔

اب غور کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک جو خیال میں آئیگی اوس کو حضرت کی صورت کے ساتھ خاص قسم کی نسبت ہوگی اوسکو بدترین حیوانات سے بدتر کہا گیا کیا کسی ایماندار سے یہ ہو سکتا ہے۔ گو ایسے خیال والے لوگ اپنی ذہن میں اسکی کچھ توجیہات ضرور کرتے ہونگے۔ مگر وہ سب خارج از بحث ہونگی۔ ہمارا کلام اسمیں ہے کہ جس صورت کو نسبت حضرت کی صورت مبارک سے ہوگی اوسکی توہین ضرور ہوئی صحابہ کے آداب پیش نظر رکھ کر یہ صاحب لوگ خود ہی خیال کریں کہ اگر اس قسم کی بات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مجمع میں کہی جاتی تو کہنے والیکی کیا گت بنائی جاتی یہ ضمنی بات تھی تتمہ واقعہ یہ ہے کہ یہ صلح اس خیال کے لئے ہوئی تھی اس لئے جنگ میں توقف رہا اور نئی فتوحات کی خبر عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پہنچیں اس تاخیر کی وجہ سے آپنے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے نام نامہ لکھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ (خدا کا بندہ عمر بن الخطاب امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی طرف سے ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ امین امت پر تمہارا اسلام ہے اور معلوم ہو کہ میں خدا کا شکر کرتا ہوں اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتا ہوں اور تم کو

حکم کرتا ہوں کہ ظاہر و باطن میں خدائے تعالیٰ کا تقویٰ کیا کرو اور خدائے تعالیٰ کی نافرمانی کرنے سے ڈراتا ہوں اور خوف دلاتا ہوں اور منع کرتا ہوں اس بات سے کہ کہیں ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جن کی حالت خدائے تعالیٰ نے اس آیۃ میں بیان فرمایا قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم الآیہ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ کہدو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم کو اپنے باپ اور لڑکے اور بھائی اور بیویاں اور قرابتدار اور وہ مال جن کو تم نے حاصل کیا ہے۔ اور وہ تجارت جس کے بند ہو جانے سے ڈرتے ہو۔ اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو اگر یہ چیزیں خدا اور رسول سے اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے تمھیں زیادہ محبوب اور مرغوب ہیں تو تم انتظار کرو یہاںتک کہ اللہ اپنا عذاب لائے اور اللہ بدکار قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ انتہی۔ اور خدائے تعالیٰ درود بھیجے خاتم النبیین اور امام المرسلین پر والحمد للہ رب العالمین۔

جب یہ خط ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو پہنچا اونھوں نے تمام مسلمانوں کو جمع کرکے سنایا۔ لکھا ہے کہ اس کے سنتے ہی ایک قوی حالت طاری ہوئی کوئی شخص ایسا نہ تھا جس نے نہ رو دیا ہو اور سب نے بالاتفاق کہا کہ اب یہاں رہنا مناسب نہیں بہتر ہے کہ حلب اور انطاکیہ پر چڑھائی کریں۔ انتہی

دیکھئے عمر رضی اللہ عنہ نے اس خط میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی جس سے انکی دل شکنی ہو بلکہ سب معمولی باتیں تھیں کیونکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے

ڈرنا اور تقویٰ کرنا اور گناہوں سے بچنا ضروری ہے اور جو آیہ شریفہ لکھی وہ بھی ہمیشہ قرآن شریف میں پڑھی جاتی ہے اور اوسمیں یہ بھی نہ تھا کہ جنگ نہ کروگے تو برطرف ہوجاؤگے کیونکہ کوئی سرکاری نوکر تو تھا ہی نہیں پھر کس چیز نے اُن کے دل پر ایسا اثر کیا کہ بے اختیار سب رونے لگے چاہے کوئی مانے یا نہ مانے ہم تو یہی کہیں گے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ اور اخلاص کا اثر تھا جس نے وہ تاثیر کی کہ ہزار واعظ گھنٹوں وعظ کہیں تو وہ اثر نہوگا جو چند جملوں نے ایک ہنگامہ برپا کردیا کیوں نہو وہ پیر کامل تھے ادھر کل مرید مستعد راسخ الاعتقاد اور بیعت پہلے ہی ہوچکی تھی جس کا حال اوپر معلوم ہوچکا غرضکہ وہاں سے لشکر اسلام بارادۂ فتح حلب وانطاکیہ کوچ کیا راہ میں جوق جوق نصاریٰ اپنے راہبوں اور علما کو لیکر استقبال کرتے اور ان کے ساتھ انجیل ہوتی اور بکمال عقیدت ظاہر کرکے صلح کی درخواست کرتے اور کہتے کہ ہم آپ لوگوں کو دوست رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپکے ذمہ میں آجائیں۔ انتہیٰ

یہ اثر چند ماہ کی اقامت کا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کے اخلاق راست بازی وفاشعاری دیانت داری شہرۂ آفاق ہوگئی تھی۔ سبحان اللہ مسلمانوں کے وہ اخلاق تھے کہ بیگانے دشمنان اسلام اپنے ہم مشرب بادشاہ سے انقطاع کرکے مسلمانوں کی حمایت میں آتے تھے اور اب بھی مسلمان ہیں کہ باوجود ہم مشربی کے ایک جماعت کو دوسری جماعت کا اعتبار نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے

ہیں اس پر بعض کو دعوے ہے کہ ہم سنت کے متبع ہیں۔

مولوی شبلی صاحب نے الفاروق میں لکھا ہے کہ جنگ یرموک میں جب باہان سپہ سالار لشکر کفار تنگ ہوا تو ایک رات سرداروں کو جمع کرکے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت کا مزہ پڑ چکا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع دلا کر انکو یہاں سے ٹالا جائے سب نے اس رائے سے اتفاق کیا دوسرے دن ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیجدو جو پیغام لیکر آیا اس کا نام جارج تھا جس وقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی ذرا دیر کے بعد مغرب کی نماز شروع ہوئی مسلمان جس شوق و ذوق سے تکبیر کہکر کھڑے ہوئے اور جس محویت و سکون و وقار و ادب و خضوع سے انھوں نے نماز ادا کی قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا یہانتک کہ جب نماز ہو چکی تو اُس نے ابو عبیدہ رضی اللہ سے چند سوالات کئے جنمیں ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے قرآن کی یہ آیتیں پڑھیں یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم لن یستنکف المسیح ان یکون عبد اللہ ولا الملائکۃ المقربون مترجم نے اُن الفاظ میں ترجمہ کیا تو جارج بے اختیار پکارا ٹھا کہ بیشک عیسیٰ علیہ السلام کے یہی اوصاف ہیں اور بیشک تمھارا پیغمبر سچا ہے یہ کہکر اُس نے

کلمۂ توحید پڑھا اور مسلمان ہوگیا۔ وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بدعہدی کا گمان نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائیگا اسکے ساتھ چلے آنا۔ انتہی

دیکھئے ان حضرات کے خلوص اور نماز کے خضوع و خشوع کا یہ اثر ہوا کہ قاصد خود سمجھ گیا کہ خدا کی سچی عبادت ایسی ہوا کرتی ہے اور اس تھوڑی دیر کی صحبت کی یہ برکت ہوئی کہ دارین کی سعادت حاصل کرکے فائز المرام ہوا ان حضرات کے نفوس قدسیہ کا یہ اثر تھا کہ دشمنوں کی طرف کے قاصد جو اہل انصاف ہوتے تھے اونکو فقط دیکھ دیکھ کر مسلمان ہوتے تھے۔ ان حضرات کی ہمسری کا کوئی کیا دعویٰ کرسکے وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

تمت

انتباہ۔ اس حصہ کا مسودہ حین حیات حضرت مولٰنا مولوی محمد انوار اللہ خان بہادر مرحوم و مغفور المخاطب نواب فضیلت جنگ صدر الصدور و معین المہام امور مذہبی تیار ہو چکا تھا لیکن بتاریخ سلخ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ حضرت ممدوح کا انتقال ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ تک اسکی طبع ملتوی رہی بالآخر حسب منظوری عالم ربانی جناب مولٰنا مولوی حبیب الرحمن خانصاحب شروانی معرض التوا میں رہی بالآخر حسب منظوری عالم ربانی جناب مولٰنا مولوی حبیب الرحمن خانصاحب شروانی میر مجلس اشاعۃ العلوم طبع ہو کر شائع ہوا

غلطنامہ مقاصد الاسلام حصّہ دہم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۱۵	ہزاردں	ہزاروں	۶۹	۳	گھیری	گھری
۸	۱۰	نہی	ہی	۱۰۵	۱۶	وسایط	وسائط
۱۸	۱۰	عادات	عادات	۱۱۷	۲	غلک	ملک
۱۹	۸	لندی	بلندی	"	۱۳	قایم	قائم
۲۲	۶	بہوئی	ہوئی	۱۲۰	۲	جسکو	جنکو
۲۴	۹	ہونچی	پہونچی	۱۲۳	۱	نے	سے
۲۵	۱۷	دیکھا	دیکھا	۱۲۹	۹	کبریا	کبریائی
۲۷	۱۳	گلادہ	گلابہ	۱۳۵	۳	خدیث	حدیث
۳۵	۵	قایم	قائم				
۴۷	۸	امیرامومنین	امیرالمومنین				
۵۱	۱۴	اشتری	اشتری				
۵۳	۴	خوابشوں	خواہشوں				
"	۶	یاوں	پاؤں				
"	۱۷	اشتری	اشتری				

سلسلہ اشاعۃ العلوم نمبر ۹۰

جامعہ عثمانیہ

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

از افادات سراپا برکات حقائق آگاہ معارف دستگاہ عارف باللہ مولنا مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ خان مغفور قدس سرہ العزیز المخاطب نواب فضیلت جنگ سابق معین المہام امور مذہبی سرکار عالی

مقاصد الاسلام

حصہ یازدہم

حسب الحکم عالیجناب فضیلت مآب مولنا مولوی محمد حبیب الرحمن خان صاحب شروانی صدر الصدور صدر مجلس اشاعۃ العلوم

باہتمام مولوی حافظ محمد ولی الدین صاحب فاروقی امدادی مہتمم مجلس اشاعۃ العلوم حیدرآباد دکن صانہا اللہ عن الشرور والفتن

شمس الاسلام پریس میں طبع ہوا

طبع اول — ۱۳۳۹ ہجری — تعداد جلد یکہزار

فہرست مضامین مقاصد الاسلام حصہ یازدہم

باب	مضمون	صفحہ	باب	مضمون	صفحہ
۱	اختلاف کے زمانہ میں اپنی فکر کرنا چاہیئے۔	۲	۱۲	ہر جز جانتی ہے کہ حضرت رسول اللہ ہیں۔	۱۶
۲	ضرورت اتباع صحابہ	〃	۱۳	امتثال درختاں بحکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔	۱۷
۳	فضائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	۳	۱۴	فرشتوں کو حضرت کے ملاقات کی آرزو	۱۸
۴	نام مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرش وغیرہ پر مرقوم ہے	〃	۱۵	ہر نبی کا کلمہ پڑھنا۔	۲۰
۵	فرشتے بھی حضرت کا کلمہ پڑھتے ہیں	۶	۱۶	ہوا کا امتثال امر	۲۱
۶	وہابیہ کے خیالات	〃	۱۷	آتش کا انقیاد	۲۲
۷	منشاء غلطی وہابیہ	۸	۱۸	آتش کا رومال میں اثر نکرنا	۲۴
۹	قرآن سے حضرت کی تعظیم کی ضرورت ثابت ہے اسلیے وہ فرض ہے	۹	۱۹	نام مبارک سے دوزخ کا بجھ جانا	۲۵
۱۰	رسالت کی شان سلطنت کی ہے	۱۵	۲۰	زمین کا فضلات کو نگلنا	۲۶
۱۱	سجدہ شتر	〃	۲۱	سب سے پہلے حضرت کا نور پیدا ہوا	۲۷
			۲۲	اللہ نور السموات والارض کی تفسیر	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۳	حضرت کا نور مجہول الکنہ ہے	۲۸
۲۴	آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمد ہونیکی وجہ	۳۰
۲۵	اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو نہ زمین ہوتی نہ آسمان نہ جنت دوزخ وغیرہ	″
۲۶	دنیا حضرت کی کرامت و منزلت معلوم کرانیکے لئے پیدا کی گئی۔	۳۱
۲۷	ایک شبہ اور اوس کا جواب	″
۲۸	ابتدائے نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم	۳۳
۲۹	آدم علیہ السلام کی سیر افلاک	″
۳۰	نام حضرت بر مقام و درختانِ جنت	۳۵
۳۱	[illegible] وغیرہ کا اسمی ہونا۔	″
۳۲	حضرت کا جسم مشابہ جسم عنصری فلک پر گشت کرایا گیا۔	۳۶
۳۳	رسالت حضرت در عالم سفلی و علوی	۳۸
۳۴	اطوار وجود	۳۹
۳۵	تمام خلق اللہ کے آپ وسیل ہیں	۳۹
۳۶	ایک شبہ اور اوس کا جواب	۴۰
۳۷	بی بی حوا علیہا السلام کا مہر درود شریف تھا	۴۱
۳۸	انتقال نور اصلاب وارحام طاہرہ	۴۲
۳۹	ابراہیم علیہ السلام کے نہ جلنے کا سبب	۴۴
۴۰	قصہ ابرہہ۔	۴۵
۴۱	الم ترکیف کے معنی	۴۷
۴۲	حضرت کے نور کو ادراک تھا	″
۴۳	تحقیق مشیمہ و رحم و غذائے طفل	۴۹
۴۴	حضرت کی غذا رحم مادر میں	۵۱
۴۵	حضرت کا جسم نور رہونیکے قرائن و آثار۔	۵۴
۴۶	حضرت کا مثل و نظیر نہیں۔	۵۷
۴۷	حضرت کا پیدا ہوتے ہی سجدہ کرنا	۵۸
۴۸	رویائے عبد المطلب۔	۵۹

نمبر	مضمون	صفحہ
۴۹	حمل شریف کے برکات و خصوصیات	۶۱
۵۰	جنت الفردوس کی حضرت کے ساتھ خصوصیت۔	〃
۵۱	کل عالم سے حضرت کا افضل ہونا	۶۳
۵۲	کل انبیاء کے علم سے حضرت کا علم زیادہ ہونا۔	۶۵
۵۳	تمام زمین اور آسمانوں میں حضرت کو گشت کرانا۔	۶۶
۵۴	وسعت رحمت۔	〃
۵۵	ہر چیز جانتی ہے کہ حضرت رسول اللہ ہیں۔	۶۷
۵۶	تمام عالم میں حضرت سیر کرائے گئے	۶۸
۵۷	نور جسم ہے۔	〃
۵۸	نور کی سرعت رفتار۔	۷۰
۵۹	جواز خلا بر مذہب اہل حکمت جدید	۷۴
۶۰	بحث مادّہ۔	۷۷
۶۱	علم طب۔	۸۱
۶۲	علم تشریح۔	〃
۶۳	علم الفراسة۔	〃
۶۴	علم الشامات والخیلان۔	〃
۶۵	علم الاساریر۔	۸۲
۶۶	علم الاکتاف۔	〃
۶۷	خاصیت جانور عرب اندلس	۸۳
۶۸	علم العیافہ۔	۸۴
۶۹	علم قیافۃ البشر۔	〃
۷۰	علم الریافہ۔	۸۵
۷۱	بارش کا علم۔	〃
۷۲	علم عرافہ۔	۸۶
۷۳	حکایت اسکندر۔	〃
۷۴	حکایت ہارون رشید۔	〃

نمبر	مضمون	صفحہ	نمبر	مضمون	صفحہ
۷۵	حکایت مہدی۔	۸۸	۸۱	ثویبہ کی آزادی۔	۹۹
۷۶	علم احکام النجوم	۹۱	۸۲	تخفیف عذاب ابولہب باظہارِ مسرّت میلاد حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم	”
۷۷	حضرت ملائکہ سے بھی افضل ہیں۔	۹۲	۸۳	ضرورتِ خلوص	۱۰۰
۷۸	حضرت کا علم مغیبات پر	۹۳	۸۴	محفلِ میلاد بدعت ہے	۱۰۱
۷۹	بوقت ولادت باسعادت بی بی مریم وآسیہ وغیرہ کا آنا	۹۴	۸۵	بدعت	”
۸۰	حضرت کے لئے اوس عالم کا پانی لایا گیا۔	۹۶	۸۶	عیدِ میلاد مقرر نہونیکا	۱۰۶
			۸۷	فضیلتِ شبِ میلاد	۱۰۷

(تمت بالخیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وآلہ
واصحابہ اجمعین۔ **بعد** حمد وصلوٰۃ اہل اسلام کی خدمت میں عرض ہے
کہ ہمارے دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے۔ جبتک اہل اسلام میں کامل
طور پر ادب رہا۔ دن دونی رات چوگنی ترقی ہوتی رہی۔ چنانچہ صحیح حدیث شریف
میں وارد ہے جو مشکوٰۃ شریف میں مذکور ہے۔ کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا۔ کہ ایک جماعت جہاد کرے گی۔ پوچھا جائے گا کہ آیا تم میں
کوئی صحابی بھی ہے۔ کہا جائیگا۔ ہاں۔ تو اوسوقت اون کو فتح ہوگی۔ پھر ایک زمانہ
ایسا آئے گا کہ ایک جماعت جہاد کرے گی۔ پوچھا جائے گا کیا تم میں کوئی ایسا شخص
بھی ہے جو صحابہ کے ساتھ رہا ہے۔ کہا جائیگا ہاں۔ تب اونکو فتح ہوگی۔ پھر ایک
زمانہ ایسا آئیگا۔ کہ ایک جماعت جہاد کرے گی۔ تو پوچھا جائیگا کہ تم میں کوئی شخص
ایسا بھی ہے جو اون لوگوں کو دیکھا ہو جنھوں نے صحابہ کو دیکھا۔ کہا جائیگا ہاں
تب اون کو فتح ہوگی۔ اس سے ظاہر ہے کہ صحابہ کی برکت سے لوگ فتحیاب ہوا کرتے تھے

جو کمال درجہ کے آداب داں تھے۔ برخلاف اس کے اس زمانہ میں بے ادبی اکثر لوگوں میں آگئی اسوجہ سے بجائے ترقی تنزل روز افزوں ہے۔ اگر ہم لوگ اپنی حالت کو درست کرلیں تو کیا تعجب کہ ہم پر پھر فیضانِ الٰہی نزول کرنے لگے۔ مگر اس زمانہ میں ممکن نہیں کہ سب یہ طریقہ اختیار کریں۔ ایسے موقع میں بہتر یہی ہے کہ آدمی صرف اپنی ذات سے عمل کرلے۔ اوروں کی فکر نہ کرے۔ چنانچہ اس روایت سے ظاہر ہے جو مشکوٰۃ شریف میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب لوگوں میں اختلاف پڑجائے تو جن چیزوں کو تم جانتے ہو اون پر عمل کرو اور جن چیزوں کو نہیں جانتے اونکو چھوڑ دو۔ اور اپنی ذات کی فکر کرلو۔ عوام کو اون کی حالت پر چھوڑ دو۔ انتہیٰ ملخصاً۔ غرضکہ کوئی کچھ ہی کہے ہمیں اس باب میں صحابۂ کرام سے سبق لینے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارے اسلام کی ابتدا اونھیں سے ہوئی۔ اور قاعدہ کی بات ہے کہ جن امور سے ابتدا ہوتی ہے وہی قابل استناد ہوا کرتے ہیں یہی بات اس صحیح روایت سے جو مشکوٰۃ شریف میں ہے ثابت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بنی اسرائیل کے بہتّر فرقے ہوگئے تھے اور میری امت کے تہتّر فرقے ہوجائیں گے۔ وہ سب دوزخ میں جائیں گے۔ سوائے ایک فرقہ کے صحابہ نے پوچھا وہ فرقہ کون ہے۔ فرمایا وہ لوگ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر ہونگے۔ انتہیٰ اس روایت سے ضرورت اس امر کی ثابت ہوتی ہے

اختلاف زمانہ میں اپنی فکر کرنی چاہیے

ضرورت اتباع صحابہؓ

کہ معاملہ آداب میں صحابہ کا طرزعمل کیسا رہا تلاش کر کے ہم اوس پر عمل پیرا ہوں۔

قبل اس کے کہ صحابہ کے آداب بیان کئے جائیں مناسب سمجھا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چند فضائل بیان کئے جائیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ آدمی اوسی سے ادب کرتا ہے جسکی عظمت اوس کے دل میں ہوتی ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب آدم علیہ السلام جنت سے نکلے دیکھا کہ ساق عرش پر اور جنت میں ہر جگہ نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ عرض کیا یا رب یہ محمدؐ کون ہیں۔ ارشاد ہوا کہ وہ تمھارے فرزند ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ عرض کیا یا رب اوس فرزند کی حرمت سے اس والد پر رحم کر۔ ندا آئی کہ اے آدم اگر تم محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وسیلہ سے کل زمین و آسمان والوں کے حق میں سفارش کرتے تو بھی ہم قبول کر لیتے۔

اور ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آدم علیہ السلام سے گناہ صادر ہوا تو عرش کی طرف سر اوٹھا کر دعا کی کہ الٰہی بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بخش دے۔ اون پر وحی ہوئی کہ محمدؐ کون۔ عرض کیا الٰہی جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش کی طرف سر اوٹھا کر دیکھا تو اوس پر لکھا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس سے میں نے جانا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے اوس سے زیادہ کسی شخص کا مرتبہ تیرے پاس نہ ہوگا

وحی آئی کہ اے آدم تمھاری اولاد میں وہ سب نبیوں کے آخر ہونگے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو میں تم کو بھی نہ پیدا کرتا انتہی۔

یہ روایتیں اور اسی قسم کی دوسری کئی روایتیں جنمیں مذکور ہے کہ حضرت کا نام مُبارک جنت کے ہر مقام میں اور ہر درخت کے پتوں اور حوروں کے سینوں وغیرہ میں مکتوب ہے۔ ہم نے انوار احمدی میں نقل کرکے اون سے متعلق ضروری مباحث بھی کئے ہیں۔

یہاں کئی امور قابل توجہ ہیں منجملہ اون کے ایک یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ساقِ عرش پر اور جنت کے ہر مقام میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مُبارک کو لکھا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ قدیم سے لکھا ہوا ہے کیونکہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی جب سر اوٹھا کر دیکھا تو نام مبارک کو عرش پر لکھا پایا۔ یہاں یہہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ نام مُبارک کو عرش پر اور جنت کے ہر مقام میں لکھنے سے کیا غرض ہوگی۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ معاذ اللہ کسی قسم کی شرکت ملائکہ وغیرہ کو معلوم کرانا ہو جیسا کہ مشترکہ کارخانوں میں شرکا کے نام جگہ جگہ لکھے رہتے ہیں پھر یہ لکھنا اوس زمانہ میں تھا کہ حضرت کا وجود بھی نہ تھا۔ اگر لکھنے کے وقت حضرت موجود ہوتے تو یہ خیال کیا جا سکتا کہ کوئی کام حضرت کا پسند آگیا ہوگا۔ اس لئے خاطر سے یا خوش کرنیکے لئے لکھا گیا۔ ادنیٰ تامل سے یہی ثابت ہوگا کہ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ تمام عالم علوی میں آپ کی عظمت متمکن اور ذہن نشیں ہوجائے کیونکہ

اوس عالم کے رہنے والوں کی نظر جب اوس نام پاک پر ہر وقت پڑتی رہے گی اور
معلوم ہو گا کہ حق تعالیٰ نے اپنے نام مبارک کے ساتھ ہر جگہ آپ کا نام لکھا ہے
تو ضرور ہر شخص کا خیال اس طرف متوجہ ہو گا کہ جب عالم علوی کے موجودہ اعلیٰ طبقہ
کے لوگوں میں سے کسی معزز و مکرم فرشتہ کا نام نہیں لکھا گیا اور جس کا نام مبارک
لکھا گیا وہ موجود بھی نہیں تو وہ ضرور ایسے شخص ہیں کہ تمام اولین و آخرین میں
سب سے افضل اور خدائے تعالیٰ کے نزدیک سب سے معظم و مکرم ہیں اور انکے
قدوم میمنت لزوم کے آمد آمد کی انتظار میں تمام عالم علوی رہے گا۔

اب غور کیجئے کہ اگر کسی ملک کا بادشاہ اپنے نام کے ساتھ کسی معزز شخص کا
نام مختلف مقامات میں لکھ کر لگائے تو تمام ملک میں وہ شخص کیسا معزز سمجھا جائیگا
پھر جب خدائے تعالیٰ نے حضرت کے نام مبارک کو تمام عالم علوی میں ہر جگہ اپنے
نام کے ساتھ لکھا تو ساری خدائی میں آپ کی کس قدر عزت و عظمت سمجھنی چاہئے
مگر بات یہ ہے کہ عالم علوی کے حالات کو سوائے اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے کون
جانے عالم سفلی میں ابوالبشر علیہ السلام کی نظر کا کوئی شخص ہو تو وہ جان سکتا ہے
بادشاہ کے نام کے ساتھ جس کا نام لکھا ہوا وسکی عزت وہی کرے گا جو آدمی ہو
جانوروں کو اوس سے کیا تعلق۔ اسی طرح ناواقف بہائم سیرت۔ حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی عظمت کو کیا جانیں۔

الحاصل حق تعالیٰ نے عرش اور جنتوں میں جو آپ کا نام ہر مقام میں لکھا

اوس سے یہی ثابت کرنا مقصود ہے کہ تمام عالم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا عظمت و عزت والا نہ کوئی فرشتہ ہے نہ آدمی۔

روایات مذکورہ میں جو وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ عرش وغیرہ پر لکھا ہے اوس کا مطلب یہ ہے کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے جیسا کہ دوسری روایت سے ثابت ہے اس سے ظاہر ہے کہ کلمۂ طیبہ جس پر ہمارے دین میں مدار اسلام ہے وہ قدیم ہے۔ کل فرشتے بھی وہی کلمہ پڑھتے تھے۔ اور جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ یہی بات اوس حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔ جو حضرت نے فرمایا کہ میں اوسوقت نبی تھا کہ آدم ہنوز پانی اور کیچڑ میں تھے۔ کیونکہ اوسوقت کوئی فرشتہ نہیں جانتا تھا کہ آدم علیہ السلام یا ونکی اولاد میں کوئی نبی ہونیوالے ہیں بلکہ سب یہی جانتے تھے کہ اگر رسول اللہ ہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جب یہ امر بخوبی مسلمانوں کے ذہن نشین ہو جائے تو اس کے بعد ابن عبدالوہاب نجدی جس کی طرف فرقۂ وہابیہ منسوب ہے اوسکی تقریر پر بھی غور کر لیا جائے کہ اوس نے مسلمانوں کو کیسے دھوکہ میں ڈالدیا۔ اوس کا مقصود تھا کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی عظمت ثابت نہ ہونے پائے اس لئے جتنے آیات و احادیث حضرت کی فضیلت میں وارد ہیں اون میں کلام کر کے اون آیات و احادیث کو پیش کیا جن میں بظاہر کسر شان معلوم ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے اس فرقہ کی تعلیم میں

یہ بات داخل ہے کہ اس قسم کے آیات واحادیث کو از بر کرا دیتے ہیں۔ اور فضائل سے متعلقہ نصوص میں اقسام کے تاویلات اور توجیہات کرتے ہیں۔

چنانچہ رسول کے معنی میں جس قدر عظمت وعلوِشان تھی اوسی قدر لفظ رسول سے اوس نے توہین نکالی۔ لکھا ہے کہ رسول ایسے کم درجے کے نوکر کو کہتے ہیں جو کسی معزز شخص کے پاس پیام پہونچانے کی غرض سے بھیجا جاتا ہے۔ اسوجہ سے معزز و معظم وہی ہوگا جس کے پاس رسول بھیجا جاوے۔ دیکھئے تعصب نے اوسے کہاں سے کہاں لے گیا۔ اور ایک جماعت اوس کے تابع بھی ہوگئی چنانچہ تلاحقِ افکار سے اوسمیں موشگافیاں ہوتے ہوتے اب تو یہ نوبت پہونچی کہ محمد رسول اللہ کو کلمہ ہی سے نکالدیا چنانچہ یہ فرقہ حیدرآباد میں اسوقت موجود ہے اب اون سے پوچھئے تو بھی کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو پیام پہنچا کر چلے گئے۔ اب اون سے تعلق ہی کیا۔ عمل کرنیکے لئے قرآن موجود ہے۔ اس دھوکہ میں بے علم مسلمان آجاتے ہیں۔ اور اوسکی جماعت بڑھتی جاتی ہے یہ لوگ غور کریں کہ جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے اوسوقت فرشتے حضرت کا کلمہ پڑھتے تھے حالانکہ حضرت نے کوئی انھیں پیام نہیں پہونچایا جس سے آپ کو رسول ماننے کی ضرورت ہو۔ بخلاف ہمارے کہ ہم حضرت کی امت میں ہیں۔ معلوم نہیں یہ لوگ کیا حضرت کے امتی ہونے سے بھی انکار کرتے ہیں۔ بخاری مسلم وغیرہ کی روایتوں سے ثابت ہے کہ جب مردہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو

فرشتے اوس سے پوچھتے ہیں کہ تو ان کے (یعنے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے) باب میں کیا کہتا ہے۔ ایماندار تو کہدیگا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اوس کے رسول ہیں فرشتے اوسکے لئے ایک کھڑکی کھول دینگے۔ جس سے جنت کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آتی رہے گی اور وہ اوس کی سیر کرتا رہے گا اور منافق و کافر کہیں گے کہ میں نہیں جانتا۔ لوگ جیسا کہتے تھے میں بھی کہتا تھا۔ فرشتے لوہے کے گرز ول سے اوسے خوب ماریں گے۔ انتہی ملخصاً

اب غور کیجئے کہ جو لوگ کلمہ میں محمد رسول اللہ نہیں پڑھتے قبر میں اون کا کیا حال ہوگا۔ اور جو لوگ پڑھتے ہیں وہ کیسے ناز و نعمت میں رہیں گے۔ یہ لوگ اپنے کو مسلمان سمجھتے ہیں اور نماز و روزہ وغیرہ بھی بڑے اہتمام سے ادا کرتے ہیں اور اکثر اعتقادات میں اہل سنت وجماعت کے موافق بھی ہیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیا و اولیا کی تعظیم کے مسئلہ میں مخالف ہیں اس کا منشا یہ ہوا کہ اونھوں نے خدائے تعالیٰ کی عظمت کو پیش نظر رکھکر یہ خیال کیا کہ اگر کسی اور کی بھی تعظیم کیجائے تو خدائے تعالیٰ کی عظمت میں کمی ہوجائیگی اسوجہ سے ایسے آیات و احادیث تلاش کرنے کی انھیں ضرورت ہوئی کہ جس سے اون مقربانِ بارگاہ الٰہی کی کسر شان ہو اور یہ خیال یہانتک اونھیں پہونچا یا کہ جن نصوص میں اون حضرات کی عظمت وارد ہے اونمیں بھی کلام کرنے لگے اور یہ خیال نہیں کیا کہ اوس سے خدائے تعالیٰ پر الزام عائد ہوتا ہے۔ کہ بجائے اس کے

کہ ہر طرح کی توحید قائم کی جائے۔ معاذ اللہ شرک کی بنیاد قایم کی۔ دیکھئے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ وتسبحوہ بکرۃ واصیلا۔ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم اس آیہ شریفہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے آپ کو شاہد بنا کر بھیجا یعنے اپنی امت پر اور جمیع انبیاء کے کاموں پر گواہی دینے والے۔ اور فرمایا کہ آپ اہل ایمان کو خوش خبری دینے والے اور بے ایمانوں کو ڈرانے والے ہیں۔ یہاں تک تو حضرت کی طرف خطاب تھا اوس کے بعد مسلمانوں کی طرف خطاب کر کے فرمایا کہ ہم نے اون کو اسواسطے بھیجا ہے کہ تم خدا و رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اون کی تعظیم و توقیر کرو اور صبح و شام اون کی پاکی بیان کرتے رہو۔ اے رسول اللہ جو لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے صرف اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ آپ کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے انتہی۔ لیجئے یہاں تو کچھ اور ہی معاملہ ہو رہا ہے کہ غیریت اوٹھادی جارہی ہے۔ اور من تو شدم تو من شدی کا مضمون ارشاد ہو رہا ہے۔ جہاں اس قسم کی خصوصیت بیان کی اوسی موقع میں مسلمانوں کو ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ اون کی تعظیم و توقیر کرو۔ اب اگر کہا جائے کہ یہ تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو بھی صحیح ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ خاص حق تعالیٰ کی وہ تعظیم و توقیر ہے تو بھی صحیح ہے۔ جس طرح بیعت میں کہا جا سکتا ہے

اس کے بعد اگر کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور کسر شان کرتے وہ بھی خدا کی توہین ہوگی۔ چنانچہ یہی بات صاف طور پر حدیث شریف میں وارد ہے من سبنی فقد سب اللہ یعنے جس نے مجھے گالی دی اوس نے خدا کو گالی دی۔ گالی وہی نہیں ہوتی جو عرف میں مشہور ہے۔ بلکہ مقصود گالی سے فقط کسر شان مقصود ہوتا ہے۔ اسوجہ سے جس بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان بیان کی جاے وہی گالی ہوگی۔ دُرِ منثور میں تعزروہ وتوقروہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے اس آیہ شریفہ کا مطلب یہ بیان کیا کہ امر اللہ بتسویدہ وتفخیمہ وتشریفہ وتعظیمہ یعنے خداے تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ حضرت کی سیادت تسلیم کرو۔ اور اون کی تعظیم کرو اور ہر قسم کا شرف آپ کے لئے مسلم رکھو اور نہایت بزرگ سمجھو۔ اب غور کیجئے کہ خداے تعالیٰ تو حضرت کی سیادت اور تعظیم کے لئے ارشاد فرماتا ہے۔ اور آخری زمانہ کے بعض لوگ رسول کے معنی ہرکارہ لیکر توہین کرتے ہیں۔ کس قدر خداے تعالیٰ کی مخالفت کی جارہی ہے مسلمانوں کا فرض ہے کہ اوس کے جوابات دیکر حضرت کی فضیلت ثابت کریں۔ استیعاب میں حافظ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ مشرکین قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتے تھے کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ ہمارے طرف سے آپ جواب دیجئے اور اونکی ہجو کیجئے۔ فرمایا اگر حضرت مجھے اجازت دیں تو

میں یہ کام کرونگا۔لوگوں نے حضرت سے درخواست کی کہ علی کرم اللہ وجہہ کو اجازت دیجائے۔فرمایا کہ علی اس باب میں اوس درجہ میں نہیں ہیں جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتیاروں سے مدد کی۔زبان سے مدد کرنے میں اون کو کون چیز مانع ہے۔یہ سنکر حسان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ آمادہ ہوئے اون سے فرمایا تم اونکی کس طرح ہجو کروگے۔حالانکہ میں بھی انہی لوگوں میں سے ہوں۔ابو سفیان کی تم کس طرح ہجو کروگے۔وہ تو میرے چچا کا بیٹا ہے! اونھوں نے عرض کیا میں اونمیں سے آپ کو ایسے علٰحدہ کرلونگا جیسے خمیر سے بال فرمایا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ۔کیونکہ وہ اون لوگوں کے انساب سے تم سے زیادہ واقف ہیں چنانچہ وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس جاکر انساب سے وقفیت حاصل کیا کرتے تھے۔

مشکوٰۃ میں بخاری شریف سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کے لئے مسجد میں منبر رکھواتے تھے جس پر کھڑے رہکر وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مفاخر و فضائل بیان کرتے۔اور کفار جو حضرت کی ہجو کرتے اوس کا جواب دیا کرتے تھے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جبتک حسان رحمۃ اللہ علیہ کفار کے جواب دینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر بیان کرتے ہیں حق تعالیٰ روح القدس سے اونکو تائید اور مدد دیتا ہے۔انتہیٰ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرنے اور ہجو کے جواب

دینے کا بارگاہ نبوی میں کس قدر اہتمام تھا۔ کہ جس طرح احکام شرعیہ بیان کرنیکے لئے
منبر رکھا جاتا ہے۔ اس کام کے لئے بھی رکھا جاتا تھا اور حسان بن ثابت رحمۃ اللہ
علیہ جو اس کام کے لئے موزوں تھے۔ اوس پر کھڑے ہوتے اور علی رؤس الاشہاد
بطور خطبہ اشعار نعتیہ پڑھتے اور جو لوگ حضرت کی ہجو کرتے اونکا جواب دیکر اونکی
ہجو کرتے اور جبتک وہ اس کام میں مصروف رہتے حق تعالیٰ کی طرف سے
روح القدس اونکی مدد کرتے رہتے۔ ہر چند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
طبیعت میں بکمال درجہ کی تواضع اور حلم اور عفو تھا نشست و برخاست میں کسی
قسم کی تعلی ظہور میں نہ آتی۔ جیسا کہ کتب سیر میں مصرح ہے مگر جب کوئی ہجو کرتا تو آپ
منجانب اللہ مامور ہوتے کہ اوس کا جواب آپ نہ دیں بلکہ کسی مسلمان سے دلوادیں۔
اب اہل اسلام غور کریں کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسر شان کرتے ہیں
اون کا جواب دینا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اون کے مقابلہ
میں بیان کرنا مسلمانوں کا فرض ہے یا نہیں۔ اور یہ امر مسنون سمجھا جائیگا یا نہیں
پھر جو کہا جاتا ہے کہ واعظ لوگ بجائے وعظ و نصیحت اس قسم کے مضامین وعظ
میں بیان کرتے ہیں اوس کے اصلاح کی ضرورت ہے یہ کہاں تک صحیح ہے۔
ان احادیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تک واعظین اور مصنفین اس کام
میں مصروف رہیں۔ منجانب اللہ بذریعہ روح القدس اونکی تائید ہوتی رہیگی۔
آیۂ موصوفہ میں تعزروہ و توقروہ کے ساتھ وتسبحوہ بھی ہے اسمیں

شبہ نہیں کہ تسبیح و تنزیہ خاص خدائے تعالیٰ سے متعلق ہے۔ اسی وجہ سے مفسرین لکھتے ہیں کہ توقروہ پر وقف کرنا ضرور ہے۔ تاکہ تسبحوہ سے دوسرا مضمون شروع ہوجائے کہ خدائے تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرو۔ اگر وقف نہ کیا جائے تو یہ اشتباہ ہوگا کہ جس طرح حضرت کی تعظیم و توقیر کا حکم ہے تنزیہ کا بھی حکم ہے۔ حالانکہ تنزیہ خاص خدائے تعالیٰ کے لئے سزاوار ہے۔ مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ نے توقروہ کے ساتھ تسبحوہ فرمایا۔ اور اسمیں وقف کرنے کا نہ صراحۃً حکم ہے نہ اشارۃً تو نزول آیہ کے وقت تبھی سمجھا گیا ہوگا کہ جس کی تعظیم و توقیر کا حکم ہے اوسی کی تسبیح کا بھی حکم ہے ورنہ انتشار ضمائر لازم آئیگا۔ جو کلام بلیغ کے شایاں نہیں۔ اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ تعزروہ کی ضمیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کے طرف راجع ہے جس کا مطلب یہ ہوگا۔ خدائے تعالیٰ کی تعظیم و توقیر اور تسبیح کرو تو بظاہر معنی تو درست ہوجاتے ہیں مگر لسان عرب کا جو قاعدہ ٹھیرا ہوا ہے کہ ضمیر قریب کی طرف راجع ہوتی ہے یہ اوس کے مخالف ہوگا۔ کیونکہ آیۂ شریفہ میں لتؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزروہ وتوقروہ میں رسولہ ضمیر کے نزدیک ہے۔ اور قطع نظر اس کے سیاق آیت شریفہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے لئے ہے۔ کہ ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بناکر بھیجا ہے۔ اگر اس کے بعد یہ کہا جائے تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی تعظیم و توقیر کرو تو کس قدر سیاق کے خلاف ہوگا یہ سب تکلف اسوجہ سے کرنیکی ضرورت ہوتی ہے کہ تسبیح کے معنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صادق نہیں آتے

اور اگر تسبیح کے معنی بحسب مناسبت مقام لئے جائیں تو پھر کسی قسم کا اشکال باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی تنزیہ الوہیت سے متعلق ہے یعنے اوسمیں کوئی ایسا امر نہیں جو شان الوہیت کے منافی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنزیہ رسالت سے متعلق ہوگی۔ یعنے حضرت میں کوئی بات ایسی نہیں جو شان رسالت کے منافی ہو۔ چنانچہ اس قسم کی تنزیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خود حق تعالیٰ نے فرمائی ہے کما قال تعالیٰ ماھو علی الغیب بضنین۔ ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک عزیز علیہ ماعنتم ما کان محمد ابا احد من رجالکم وغیرہ ذلک یعنے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کے بتانے میں بخل نہیں کرتے سخت گو اور سخت دل نہیں ہیں وہ تمھارے رنج میں پڑنے کو گوارا نہیں کرتے۔ وہ کسی صحابی کے باپ نہیں بلکہ رسول ہیں پھر جس لحاظ سے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا تو اوسی لحاظ سے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تسبیح حق تعالیٰ کی تسبیح ہو جائے تو کیا تعجب ہی بہرحال تسبحوہ کی بھی ضمیر رسول کی طرف پھر سکتی ہے۔ اب غور کیجئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسقدر فضیلت قرآن شریف سے ثابت ہے۔ تو لفظ رسول کے معنی سے توہین مراد لینا کس قدر جرأت کی بات ہے۔ اور اس جرأت کا کیا انجام ہوگا۔

رسالت کی شان بفضلہ تعالیٰ نصوص و احادیث سے ثابت ہو گئی۔ مگر یہ معلوم نہیں ہوا کہ ہمارے عالم کی اصطلاح کے موافق اوس کو کیا سمجھنا چاہئے۔

بیان وزیران سلطنت الٰہی

احادیث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے عالم میں بادشاہ ہوتا ہے عالم روحانی میں رسالت ہے۔ یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہتے۔ بلکہ حدیث شریف سے ہمیں اسکا ثبوت ملتا ہے وہ یہ ہے کہ کنز العمال کی کتاب الفضائل میں ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نبی کے لئے دو وزیر آسمان والوں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں سے۔ میرے آسمانی وزیر جبرئیل و میکائیل ہیں۔ اور زمین کے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما۔ انتہیٰ

یہ روایت ترمذی شریف میں ہے۔ جب ملائکہ میں سے دو فرشتے جبرئیل و میکائیل جیسے جلیل القدر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر آسمانوں میں اور دو وزیر اہل زمین ہیں تو اب حضرت کے بادشاہ عالم سفلی و علوی ہونے میں کیا تامل۔

معجزہ سجدۂ شتر

خصائص کبریٰ میں بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا ایک اونٹ ہے وہ سرکش ہوگیا۔ کوئی اوس کے نزدیک جا نہیں سکتا۔ حضرت صلعم اٹھے اور ہم بھی حضرت کے ہمراہ ہوئے۔ جب وہاں پہونچے اور دروازہ کھولا گیا تو وہ اونٹ آیا۔ اور حضرت کے روبرو سجدہ میں گر کر گردن زمین پر رکھدی پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس کی مہار منگوا کر

اوس کی ناک میں ڈال دی اور اون لوگوں کے حوالہ کردیا ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوس نے پہچان لیا کہ آپ نبی اللہ ہیں۔ فرمایا کوئی چیز ایسی نہیں جو مجھے نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ سوائے کفار جن و انس کے۔ انتہیٰ

ہر چیز کا جاننا کہ حضرت رسول اللہ ہیں

اس سے صاف ظاہر ہے کہ عالم کی ہر ایک چیز سمجھتی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور واجب التعظیم ہیں اور کنز العمال میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لیس شیٔ من السماء والارض الا یعلم انی رسول اللہ رواہ احمد والدارمی۔ وایضاً عن ابی ھریرۃ محدثین کا اتفاق ہے کہ مسند امام احمد بن حنبل و دارمی میں کوئی روایت موضوع نہیں۔ اب دیکھئے ایسی معتبر روایت سے ثابت ہے کہ ہر چیز جانتی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اگر اس کا مطلب یہی سمجھا جائے کہ تھوڑے سے لوگوں کو پیام الٰہی پہونچانے کے لئے آپ آئے تھے۔ تو ہر چیز کو اوسکا علم ہونیکی کیا ضرورت۔ صرف صحابہ کو معلوم ہونا ضروری تھا سو اونھوں نے معجزات وغیرہ قرائن سے معلوم کرلیا کہ آپ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔ جب ہمیں یہ بات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے معلوم ہوگئی کہ عالم کی ایک ایک چیز آپ کو جانتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ رسالت پیام کے پہنچانے کو کہتے ہیں۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے جن و انس

کے بظاہر اور کسی کو پیام نہیں پہونچایا اور نہ انہیں اس کی صلاحیت ہے اسلئے کہ وہ اوامر و نواہی شرعیہ کے کسی طرح مامور نہیں تو یہ کہنا ضرور ہوگا کہ لفظ رسول اللہ کا مطلب یہ نہو گا جو ہم سمجھتے ہیں بلکہ اون کی اصطلاح میں اسکا مطلب کچھ اور ہی ہوگا۔ کیونکہ باوجود احکام شرعیہ کے مامور نہ ہونیکے اطاعت میں سر مو سستی اور تساہل نہیں کرتے تھے۔ جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جو خصائص کبری میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم غزوۂ خندق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ حضرت کو قضائے حاجت کی ضرورت ہوئی مجھ سے فرمایا کیا کوئی درخت نظر آرہا ہے۔ میں نے دیکھا تو دور ایک درخت نظر آیا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اوس کی خبر دی۔ فرمایا کیا کوئی دوسرا درخت بھی کہیں ہے۔ میں نے دیکھا کہ اوس درخت سے بہت فاصلہ پر ایک دوسرا درخت بھی ہے اوسکی بھی خبر دی۔ فرمایا کہ اون دونوں درختوں سے جاکر کہو کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو حکم کرتے ہیں کہ تم دونوں مل جاؤ۔ میں نے جب اون سے کہا تو وہ فوراً مل گئے۔ حضرت وہاں تشریف لیگئے۔ اور جب حاجت سے فارغ ہوکر واپس ہوئے تو وہ دونوں درخت اپنی اپنی جگہ چلے گئے اور خصائص کبریٰ میں دوسری روایت بھی اسی مضمون کی ہے کہ اسامہ بن زید کہتے ہیں کہ جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کو گئے۔ واپسی کے وقت ایک میدان میں حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ کھجور کے درخت اور پتھر بھی

کہیں نظر آتے ہیں میں نے عرض کیا کہ چند درخت قریب اور پتھروں کا ڈھیر ایک جگہ نظر آرہا ہے۔ فرمایا جاؤ۔ اور ان درختوں سے کہو کہ رسول اللہ تمہیں حکم کرتے ہیں کہ نزدیک ہو جاؤ۔ تاکہ حاجت بشری سے فارغ ہوں۔ اور پتھروں سے بھی یہی کہو۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم جوں ہی میں نے درختوں کو حکم پہونچایا وہ زمین کو پھاڑتے ہوئے متصل ہو گئے۔ اور پتھر کودتے ہوئے ایک پر ایک چڑھکر ایک دیوار سی بنالی۔ جب حضرت حاجت سے فارغ ہوکر واپس تشریف لائے تو مجھ سے فرمایا۔ کہ ان درختوں اور پتھروں سے کہدو کہ اپنے اپنے مقامات میں چلے جائیں۔ چنانچہ کہتے ہی وہ چلے گئے۔ انتہیٰ

اس کے سوا مادۂ عالم پر حکومت ہونا اکثر واقعات سے ثابت ہے مثلاً لکڑی کا تلوار ہو جانا۔ اور انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہونا وغیرہ اور جن کو ہم نے مقاصد الاسلام کے کسی حصہ میں بیان کیا ہے۔ اور معجزۂ شق القمر سے ثابت ہے کہ آسمان پر بھی آپ کے تصرفات جاری تھے۔ غرض کہ ملک اور ملکوت کی سلطنت آپ کو حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ کنز العمال کی کتاب الفضائل میں عبد الرحمن بن غنم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے۔ کہ یکایک ابر نمودار ہوا۔ حضرت نے فرمایا ایک فرشتے نے مجھ پر سلام کیا اور کہا کہ میں آپ کی ملاقات کے لئے حاضر ہونے کی اجازت ہمیشہ خدا تعالیٰ

فرشتوں کا حضرت سے ملاقات کو آنا

سے چاہتا تھا۔ اس وقت مجھے اجازت ملی۔ میں آپ کو خوش خبری دیتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک آپ سے زیادہ کوئی مکرم اور بزرگ نہیں۔ انتہیٰ باوجودیکہ فرشتوں کی جبلت میں داخل ہے کہ جس کام کے لئے مامور ہیں ہمیشہ اوس کام میں لگے رہتے ہیں۔ مگر حضرت کی ملاقات کا اونکو کچھ ایسا شوق تھا کہ خدائے تعالیٰ سے ہمیشہ درخواست کرتے تھے۔ آخر وہ اونکا شوق پورا ہوتا اب کہئے کہ کس چیز نے اونھیں مجبور کیا تھا۔ کہ اپنا فرض منصبی چھوڑکر ملاقات کے لئے آسمانوں سے زمین پر اُتریں کیا کسی ایسے آدمی کیلئے اتر آئیں گے جس کا مرتبہ معاذ اللہ کافردں سے بھی کم ہوا۔ کیونکہ کفار مرسل الیہم ہیں۔ اور آخری زمانہ کے بعض مسلمانوں کے خیال میں رسول مرسل الیہ سے کم درجہ ہوتا ہے۔

کتب سیر و احادیث اگر دیکھے جائیں تو ایسی چیزیں پیش نظر ہوجائنگی جن سے صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم ملک و ملکوت کی سلطنت حاصل تھی۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے الخصائص الکبریٰ جو لکھی ہے اوس سے یہی غرض ہے کہ اس قسم کے احادیث کا ذخیرہ بلا زحمت تلاش مسلمانوں کو ایک جگہ مل جائے۔ اور مولوی عبدالجبار خاں صاحب آصفی نے عام فائدہ کی غرض سے اوس کا ترجمہ اردو میں کردیا جس سے عموماً مسلمانوں کو اون کا ممنون ہونا چاہیئے۔ میری دانست میں اس زمانہ کے مسلمانوں کو ضرور ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ کیا کریں۔ تاکہ وہابیوں کا افسوں اونپر چلنے نہ پائے۔

اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ذہن نشین ہو تاکہ تعظیم و توقیر جسکا حکم حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ بہ آسانی بلا تکلف ہوا کرے۔

خصائص کبریٰ میں زید بن ارقم سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ کو جا رہا تھا۔ حضرت کا گزر ایک اعرابی کے خیمہ پر ہوا۔ دیکھا کہ ایک ہرنی بندھی ہوئی ہے۔ اوس نے کہا یا رسول اللہ مجھے یہ اعرابی نے شکار کر کے لایا ہے۔ میرے دو بچے جنگل میں ہیں اور میرے تھنوں میں دودھ جم گیا ہے نہ وہ مجھے ذبح کرتا ہے کہ اس درد سے راحت پاؤں اور نہ چھوڑتا ہے کہ اپنے بچوں کو دودھ پلاؤں۔ حضرت نے اوس سے فرمایا اگر میں تجھے چھوڑ دوں تو کیا تو لوٹ کر آئے گی کہا ضرور آؤں گی اور اگر نہ آؤں تو خدائے تعالیٰ مجھ پر وہ عذاب کرے جو کروڑ گیری کے محصول وصول کرنے والوں پر کرتا ہے۔ حضرت نے اوسے چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر نہیں گزری تھی کہ وہ آگئی۔ اور اعرابی بھی آیا۔ حضرت نے اوس سے فرمایا کیا تم اس ہرنی کو بیچوگے؟ عرض کیا وہ یوں ہی حاضر ہے حضرت نے اوسے چھوڑ دیا۔ زید بن ارقم کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے اوسے دیکھا کہ جنگل میں یہ کہتی ہوئی جا رہی تھی کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ انتہیٰ

اوس نے جو رسول اللہ کہا اوسکا مطلب یہ تو نہیں ہو سکتا کہ حضرت ہرنیوں کو پیام الٰہی کو پہونچانے کو آئے ہیں۔ بلکہ زبان حال سے وہ کہہ رہی تھی

کہ رسول اللہ کے معنی ہی کچھ اور ہیں یعنے اللہ نے آپ کو ایسا رتبہ دیا ہے کہ عالم میں جو چاہتے ہیں کرسکتے ہیں۔

خصائص کبریٰ میں حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ جنگ احزاب میں ایک رات نہایت سردی تھی۔ اور سرد ہوا بھی نہایت زور سے چل رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص ایسا ہے کہ لشکر کفار کی خبر لائے اور قیامت میں میرے ساتھ رہے کسی نے جواب نہ دیا پھر دوسرے بار ایسا ہی فرمایا کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر تیسرے بار ایسا ہی فرمایا جب بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر فرمایا۔ اے حذیفہ۔ میں نے جواب دیا۔ فرمایا کیا تم نے میری آواز نہیں سنی۔ میں نے کہا۔ جی۔ سنی۔ فرمایا پھر جواب کیوں نہیں دیا۔ عرض کیا یا رسول اللہ سردی کی وجہ سے فرمایا تمھیں سردی نہ ہوگی جاؤ۔ اور اون لوگوں کی خبر لاؤ۔ جب میں وہاں سے چلا تو ہوا میں اسقدر گرمی مجھے محسوس ہو رہی تھی جیسے میں حمام میں چل رہا ہوں۔ ہوا کی یہ حالت اوسوقت تک رہی کہ میں وہاں سے جاکر واپس آیا اس کے بعد پھر وہی سردی ہوا میں محسوس ہونے لگی۔ انتہیٰ۔ کفار کا لشکر اسلام سے میل دو میل کے فاصلہ پر ضرور ہوگا۔ اور اس آمد و رفت میں دو چار گھنٹے ضرور صرف ہوئے ہوں گے اتنی مسافت اور وقت میں ہوا جو اون کے جسم سے متصل ہوتی جاتی تھی وہ موسمی سردی کو چھوڑ کر بغیر کسی سبب خارجی کے خود بخود گرم ہوتی جاتی تھی اسکی

مقاصد الاسلام

وجہ کیا تھی وہی ارشاد مبارک تھا کہ تمھیں سردی نہ ہوگی۔ بظاہر یہ ایا ونکو ارشاد تھا
مگر در باطن جہاں جہاں اونکا گزر ہونے والا تھا وہاں کی ہوا پر حکم نافذ ہو گیا تھا
کہ اون کے آتے ہی فوراً اپنی کیفیت اور حالت موجودہ کو ترک کر کے ایسی
کیفیت اختیار کرلے جو خلاف مقتضائے وقت و موسم ہو اور اس فرمان
واجب الاذعان کے امتثال میں ہوا نے سرِ مو سرتابی نہ کی۔ کیا یہ حکومت کسی
بادشاہ کو حاصل ہوسکتی ہے ہرگز نہیں۔ ایسی حکومت صرف سلطنتِ ملکوتی کا لازمہ ہے
افسوس ہے کہ ان امور سے جو اہلِ اسلام واقف نہیں وہ آخری زمانہ کے
فتنہ پردازوں کے دام میں آجاتے ہیں۔

زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مواہب میں یہ روایت نقل کی ہے
کہ اسود عنسی نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو ابو مسلم خولانی رضی اللہ عنہ کو بلوایا
اور پوچھا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں رسول اللہ ہوں۔ کہا میں سنتا نہیں۔
پھر کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد رسول اللہ ہیں کہا ہاں یہ سن کر حکم دیا کہ بہت
سی آگ سلگائی جائے پھر دہکتی آگ میں انھیں ڈالدیا۔ مگر اون کو آگ سے
کچھ ضرر نہ پہونچا۔ انتہیٰ

دیکھئے ایسے مقام میں کہ جہاں جان کا خوف بلکہ قطعی مایوسی تھی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر گواہی دینی ایک مشکل کام تھا۔ مگر
اونھوں نے جان کی کچھ پرواہ نہ کی۔ اور صدق دل سے گواہی دی اوس کا

یہ اثر ہوا کہ آگ نے مادرِ مہرباں کی طرح اپنے گود میں انھیں بٹھلایا۔ اور اپنی فطرتی اثر کو اون کے نزدیک آنے نہ دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ رسالت کیسا عظیم الشان رتبہ ہے کہ اوس کو ماننے والوں کے سب مسخر ہو جاتے ہیں۔ مگر ہر کس و ناکس اوس کو کیا جانے۔ منافق باوجودیکہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ میں مسلمانوں کے ساتھ شریک رہتے تھے۔ اور حضرت کی رسالت کی بھی گواہی دیتے تھے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے۔ اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله مگر رسالت کی اونکو کچھ قدر نہ تھی۔ اسوجہ سے وہ دوزخی ٹھیرے اور اون کے لئے وہاں وہ مقام قرار پایا جو سب سے بدتر ہے۔ یعنے الدرک الاسفل من النار اوس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ کہ وہ حضرت کی صحبت میں رہتے تھے۔ اور حضرت کے فضائل سے بخوبی واقف تھے جن کا مذاکرہ صحابہ میں ہوا کرتا تھا۔ باوجود اس کے اونھوں نے رسالت کی کچھ قدر نہ کی وہابیوں کو خوف کرنا چاہئے کہ باوجودیکہ قرآن و احادیث میں حضرت کے فضائل دیکھتے ہیں اور مسلمانوں سے سنتے ہیں۔ مگر اون کو نظر انداز کر کے ایسے آیات و احادیث کو تلاش کرتے ہیں جن میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بظاہر کسرِ شان ہوتی ہے کیا یہ نماز۔ روزہ اور ایسی شہادت رسالت کام آئیگی۔ جب ہمیں ایک بڑی قوم کی نظیر مل گئی کہ یہ چیزیں کچھ کام نہیں آتیں تو ہم ان حضرات کو خیر خواہانہ ضرور رائے دینگے کہ یہ طرزِ عمل چھوڑ دیں اور صحابہ کا طرزِ عمل

اختیار کریں جس کا حال انشاء اللہ تعالیٰ اسی کتاب میں معلوم ہوگا۔

آگ میں رومال کا نہ جلنا

زرقانی اور خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ عباد بن عبد الصمد کہتے ہیں کہ ایک روز ہم انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں گئے۔ اونھوں نے اپنی لونڈی کو پکار کر کہا کہ دسترخوان لے آنا۔ تاکہ ہم سب کھانا کھائیں۔ وہ لے آئی پھر کہا وہ رومال بھی لے آ۔ وہ ایک میلا رومال لے آئی۔ فرمایا تنور سلگا۔ جب آگ اوسمیں دہکنے لگی تو اوس رمال کو اوسمیں ڈلوادیا۔ جب نکالا گیا تو وہ مثل دودھ کے نہایت سفید تھا۔ ہم نے پوچھا کہ اس رومال کا واقعہ کیا ہی فرمایا اس رومال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منہ پونچتے تھے۔ دیکھئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم میں کیسی عظمت تھی کہ آگ جیسی چیز کہ فولاد کو بھی نہیں چھوڑتی۔ اور ہر چیز میں اپنا پورا اثر کرتی ہے مگر اوس متبرک رومال کے مقابلہ میں پانی بن گئی۔ اور انس رضی اللہ عنہ نے بھی کمال کیا جو کام پانی سے لینے کا تھا وہ آگ سے لیا۔ اونھوں نے دیکھا کہ پانی سے دھونے میں کس قدر مشقت اور صرفہ ہے اور آگ کی مجال نہیں کہ اس متبرک رومال کو جلا سکے اس لئے اونھوں نے بلا تامل آگ میں ڈالدیا۔ اگر اون کو آگ کے جلانیکا ذرا بھی خیال ہوتا تو ہرگز اس کام پر جرأت نہ کرتے۔ کیونکہ وہ تبرک ایسا نہ تھا کہ اوسکا مثل مل سکتا۔ اور اوسوقت اونھوں نے الحزم سوء الظن کے قاعدہ کو ہی ذہن سے نکالدیا اور خیال کیا کہ اس بدگمانی کی ضرورت نہیں۔ کہ شاید آگ جلادے

کیونکہ آگ کے نہ جلانے کا اون کو ایسا یقین تھا جیسے ٹھنڈے پانی کے نہ جلانیکا ہوتا ہے۔ حالانکہ عقل کی رو سے اونکا یہ خیال بالکل غلط تھا اور کہیں قرآن وحدیث میں اس رومال کا ذکر نہیں کہ جس پر ایمان لانے کی ضرورت ہو۔ مگر بات یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اون کے پیش نظر تھی۔ اور متعدد تجربوں سے اون پر ثابت ہو گیا تھا کہ عالم کی ہر چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرتی ہے اس لئے آگ اوس رومال کی تعظیم ضرور کریگی صحابہ کا جو بول بالا عالم میں ہوا وہ اونکے ایسے ہی خیالات کا اثر تھا۔

مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ ایک قوم حاملین قرآن یعنے حفاظ دوزخ میں داخل کی جائے گی۔ اونکو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھلا دیا جائیگا۔ جبرئیل علیہ السلام جاکر اونکو حضرت کا نام مبارک یاد دلائیں گے۔ جب وہ نام مبارک کو ذکر کرینگے تو دوزخ کی آگ بجھ جائیگی۔ اور سمٹ کر اونسے علیحدہ ہو جائیگی انتہیٰ مطلب یہ کہ جس قدر حصہ آگ کا اونکو جلاتا تھا وہ کچھ تو بجھ جائیگا اور کچھ سمٹ کر دور ہو جائیگا۔ اب خیال کیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر عظمت وشوکت ہے۔ کہ صرف آپکے نام مبارک کے ذکر کرنیسے دوزخ کی آگ ہٹ جائیگی بلکہ سرد ہو جائیگی۔ حالانکہ وہ آگ کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتی۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر ایک چنگاری اوسکی زمین پر ڈالی جائے تو تہ تک پہونچ جائے گی۔ تو پھر دور کو جلاتے ہوئے پانی کو چیر پھاڑ کر دوزخ تک پہونچ جائے گی۔

زمین کا فضلہ نگلنا

مواہب لدنیہ میں متعدد طرق سے یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا اور بعض صحابہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت سے فارغ ہوتے تو فضلہ کو زمین نگل جاتی۔ اور اوس مقام میں خوشبو مہکتی رہتی تھی۔ انتہی ملخصاً

زمین کو اوس متبرک فضلہ کی قدر تھی۔ اس لئے حلوائے بے دود کی طرح اوسکو نگل جاتی تھی۔ کیا دنیا میں کوئی ایسی چیز ہے کہ زمین اوسکو اس رغبت سے نگل جائے۔ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و منزلت اور لوگوں کی خیرخواہی کا خیال تھا۔ کہ وہ فضلہ کوئی دیکھنے نہ پائے کیونکہ فضلہ نجس اور مکروہ سمجھا جاتا ہے۔ مبادا کہ کسی کو بمقتضائے طبیعت مکروہ معلوم ہو اور وہ بے ادبی کے حد میں داخل ہو جائے بہرحال کسی غرض سے ہو فضلات کو زمین کا نگل جانا اس بات پر دلیل ہے کہ تمام عالم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عظمت تھی اوس کی نظیر نہیں ملسکتی۔ کیونکہ جو خصوصیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں ممکن نہیں کہ دوسرے میں پائے جاسکیں۔ دیکھئے اس عالم میں جو چیز پہلے پیدا کی گئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک تھا جیسا کہ اس روایت سے ثابت ہے۔ جو مواہب لدنیہ میں مذکور ہے۔

سب سے پہلے حضرت کا نور پیدا ہوا

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں مجھے یہ معلوم کرا دیجئے کہ تمام اشیاء سے پہلے خدائے تعالے

نے کس چیز کو پیدا کیا۔ فرمایا اے جابر۔ خدائے تعالیٰ نے کل اشیا سے پہلے تمھارے نبی کے نور کو اپنے نور سے پیدا کیا وہ نور قدرت سے جہاں چاہتا تھا پھرتا تھا۔ اوسوقت نہ لوح تھی نہ قلم نہ جنت نہ دوزخ۔ نہ فرشتے نہ آسمان نہ زمیں نہ آفتاب نہ ماہتاب نہ جن وانس۔ جب خدائے تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کرنیکا ارادہ کیا تو اوس نور کے چار حصے کئے۔ پہلے حصے سے قلم بنایا۔ دوسرے سے لوح تیسرے سے عرش۔ چوتھے حصہ کے پھر چار حصے کئے۔ پہلے حصہ سے حاملینِ عرش کو پیدا کیا۔ دوسرے سے کرسی کو۔ تیسرے سے باقی فرشتوں کو۔ پھر چوتھے حصہ کے چار حصے کئے۔ پہلے حصہ سے آسمان بنائے۔ دوسرے سے زمین تیسرے سے جنت و دوزخ۔ پھر چوتھے حصہ کے چار حصے کئے۔ پہلے حصہ سے اہل ایمان کی بصیرتوں کا نور بنایا۔ دوسرے سے اون کے دلوں کا نور اور وہ اللہ کی معرفت ہے۔ اور تیسرے سے اونکی انس کا نور۔ اور وہ توحید ہے یعنے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ انتہیٰ۔

یہ شرافت نہ کسی فرشتہ کو حاصل ہے نہ نبی کو۔ اگر آدم علیہ السلام کو **ابو البشر** ہونے کی فضیلت ہے تو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو العالم ہونے کی فضیلت ہے۔ اب یہاں ایک امر قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا نور اس نور کے جنس سے نہیں ہے۔ جس کو ہم دیکھتے ہیں کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اللہ نور السموات والارض یعنے اللہ آسمانوں اور

زمین کا نور ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین اور آسمان کو عارضی نور کی ضرورت نہیں۔ خود اللہ اون کا نور ہے۔ حالانکہ کواکب کا نور نہ ہو تو نہ آسمان محسوس ہوتے ہیں۔ نہ زمین۔ اس سے ظاہر ہے کہ اوس نور کی حقیقت ہی کچھ اور ہے۔ غرضکہ وہ نور بلاکیف ہے پھر اوس نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا ہونا بھی ایک حیرت انگیز بات ہے۔ اگر چراغ کی مثال سمجھیں تو دونوں میں کوئی مناسبت نہیں۔ کیونکہ جس چراغ سے دوسرا چراغ سلگایا جاتا ہے وہاں بتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو چراغ سے جلائے جاتی ہے جس کے لئے آگ کا وجود شرط ہے۔ اگر آگ نہ ہو تو کسی نور سے بتی روشن ہو گی جس سے ثابت ہے کہ نور سے نور نہ ہوا۔ بلکہ بتی کے ذریعہ سے ہوا اب کیا کوئی مسلمان خیال کر سکتا ہے کہ وہاں آگ اور جلانا صادق آسکتا ہے ہرگز نہیں جس مقام میں لیس کمثلہ شیٔ کے یقین کرنے کی ضرورت ہے وہاں ایسے خیالات کو کیا نسبت کہ آگ سے آگ پیدا ہوئی۔ غرضکہ حضرت کا نور اللہ کے نور سے ہونا ایک ایسا امر ہے کہ عقل اسمیں حیران ہے۔ اس صورت میں یہ کہنا ضرور ہوگا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کا نور مجہول الکنہ ہے حضرت کا نور بھی مجہول الکنہ ہے۔

حضرت کا نور مجہول الکنہ ہے

اب اہل انصاف غور فرما دیں کہ عالم میں کیا کوئی شخص ایسا نکل سکتا ہے کہ حضرت کی ہمسری کا دعویٰ کر سکے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ جب

حق تعالیٰ نے حضرت کو یہ شرافت دی کہ اپنے نور سے صرف حضرت کا نور پیدا کیا اور تمام مخلوق آپ کے نور سے پیدا ہوئی تو محال ہے کہ یہ شرافت کسی اور میں پائی جاسکے اس تقریر سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جس طرح خدائے تعالیٰ کا مثل و نظیر پیدا ہونا محال ہے اس لئے کہ اگر اوس کو پیدا کرے تو وہ مخلوق ہوگا جو خدائے تعالیٰ کا مثل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل و نظیر اگر پیدا ہو تو وہ صادر اول نہو گا۔ جو حضرت کا مثل نہیں ہو سکتا اس کے بعد ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ ممتنع بالذات او ممتنع بالغیر کے جھگڑے میں پڑیں۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہو گیا کہ کسی فرضی نظیر میں صلاحیت وجود ہی نہیں تو ایسی چیز سے قدرت بھی متعلق نہ ہوگی۔ اس لئے کہ قدرت کا تعلق صرف ممکن سے ہوا کرتا ہے نہ واجب سے وہ متعلق ہوتی ہے نہ ممتنع سے بہرحال ہم لوگوں کو بڑے فخر کا موقع ہے۔ کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شرافت اور عزت حاصل ہے کہ نہ کسی فرشتہ کو نصیب ہے نہ نبی کو۔ ہم پر اس نعمت کا شکر اور اوس کی قدر کرنا واجب ہے۔

دیکھئے جابر رضی اللہ عنہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ سب سے پہلے خدائے تعالیٰ نے کس چیز کو پیدا کیا۔ اسکا جواب بظاہر یہی تھا کہ میرے نور کو پیدا فرمایا۔ مگر حضرت نے ایسا جواب نہ دیا۔ بلکہ فرمایا تمھارے نبی کے نور کو۔ اس سے ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس جواب سے حضرت

کا کیا مقصود تھا۔

مواہب لدنیہ میں دُرّ نظیم سے نقل کیا ہے کہ روایت کی گئی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو بحسب الہام اونھوں نے کہا کہ الٰہی تو نے میری کنیت ابو محمدؐ کیوں رکھی اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اے آدم سر اوٹھا کر دیکھو۔ جب دیکھا تو سرادقِ عرش میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہے عرض کیا یا رب یہ کس کا نور ہے۔ ارشاد ہوا کہ یہ نور ایک نبی کا ہے جو تمھاری اولاد میں ہونگے۔ اونکا نام آسمان میں احمدؐ ہے۔ اور زمین میں محمدؐ۔ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ میں تمکو پیدا کرتا نہ کسی آسمان کو نہ زمین کو۔ انتہیٰ

آدم علیہ السلام کی کنیت ابو محمدؐ اور اوس کی وجہ

اور شارح زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ابو الشیخ اور حاکم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ خدائے تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اپنی امت کو حکم کرو کہ وہ بھی اون پر ایمان لائے کیونکہ اگر محمدؐ نہ ہوتے تو میں آدم کو پیدا کرتا نہ جنت کو نہ دوزخ کو۔ میں نے جب عرش کو پانی پر پیدا کیا تو وہ ہلنے لگا اوس پر میں نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا۔ جس سے وہ ساکن ہوگیا۔ انتہیٰ

اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو نہ زمین ہوتی نہ آسمان نہ جنت نہ دوزخ وغیرہ

اور اوسیمیں دیلمی سے نقل کیا ہے۔ کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس جبرئیل

آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لولاک ما خلقت الجنۃ ولولاک ما خلقت النار یعنے اگر آپ نہ ہوتے تو میں جنت کو نہ پیدا کرتا اگر آپ نہ ہوتے تو دوزخ کو نہ پیدا کرتا۔ انتہی

اور مواہب میں لکھا ہے کہ ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں نے دنیا اور اوس کے لوگوں کو اسواسطے پیدا کیا کہ آپ کی کرامت اور منزلت جو میرے نزدیک ہے اون کو معلوم کراؤں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ انتہی

ہمارے بعض مہربان جب حدیث لولاک لما خلقت الافلاک سنتے ہیں تو بطور طعن و تعصب کہتے ہیں کہ یہ تو محدثین کے نزدیک بے اصل ہے وہ اسی کو بڑی بات سمجھ رہے ہیں کہ حضرت کی وجہ سے افلاک پیدا ہوئے۔ حالانکہ وہاں تو یہ ثابت کیا جارہا ہے کہ اگر آپ نہوتے تو جنت ہوتی نہ دوزخ۔ نہ آدم نہ دنیا۔ یہ سب آپکے طفیلی ہیں مقصود بالذات اس آفرینش سے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور آپکی کرامت و منزلت کا اظہار ہے۔ اسکی تائید اون احادیث سے ہوتی ہے کہ قبل تخلیق ملائک وغیرہ حضرت کا نام عرش وغیرہ مقامات میں لکھا گیا۔ غالباً یہاں اسپر زور دیا جائیگا کہ قرآن شریف میں وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون یعنے جن وانس کو حقتعالیٰ نے صرف عبادت کیلئے پیدا کیا ہے اسلئے یہ کل حدیثیں موضوع ہیں۔ مگر ایسی بات ذرا سمجھکر کہنا چاہئے دیکھئے یہ بات اگر ہم مان لیں تو یہ کہنا پڑیگا کہ اکابر محدثین

جنھوں نے ان حدیثوں کو نقل کیا ہے اونھوں نے آیۂ شریفہ وما خلقت الجن کو کبھی پڑھا ہی نہیں۔ یا پڑھا تو اوس کا مطلب سمجھا ہی نہیں۔ اگر وہ ایسے اَن پڑھ تھے تو ہر فریق کے علماء اونکی دوسری روایتوں کو اپنے استدلالوں میں کیوں پیش کرتے ہیں حالانکہ جاہل کی کوئی بات اعتبار کے قابل نہیں ہو سکتی۔ کیا کوئی سمجھدار آدمی کہہ سکتا ہے کہ جس کو قرآن سمجھنے کا وقوف نہو وہ محدّث مانا جائے اور اوس کی کوئی بات دین میں مقبول ہو۔ غرضکہ یہ ماننا پڑے گا کہ اون حضرات نے سمجھ لیا تھا کہ آیۂ شریفہ اور ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں ادنیٰ تامل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے جس چیز کو پیدا کیا اوس سے متعلق کئی اغراض و مصالح رکھے گئے۔ دیکھئے موجودات عالم میں جو لوگ غور و فکر کرتے ہیں ایک ایک چیز سے کتنے منافع و فوائد حاصل کرتے ہیں۔ جوں جوں سائنس ترقی کرتی جاتی ہے عجائب قدرت الٰہی منکشف ہوتے جاتے ہیں۔ اور معلوم ہوتا جاتا ہے کہ ہر چیز کے پیدا کرنے سے متعدد مصالح اور اغراض متعلق ہیں۔ جن سے ابتک تمام دنیا کے لوگ غافل تھے۔ اب اگر دنیا کے پیدا کرنے میں دو مقصود پیش نظر ہوں۔ یعنے معرفت و عبادتِ الٰہی و معرفتِ رسالت پناہی تو اس سے کونسی قباحت لازم آجائے گی۔

مواہب لدنیہ میں متعدد کتب حدیث سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میسرۃ الضبی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

کہ آپ نبی کب تھے فرمایا کہ اوسوقت آدم روح وجسد کے درمیان میں تھے یہ روایت مختلف الفاظ میں وارد ہے۔ سب کا مطلب یہی ہے کہ حضرت اوسوقت نبی تھے کہ آدم علیہ السلام کا وجود نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی نبوت و رسالت فقط جن وانس کے ساتھ مختص نہ تھی بلکہ ملائکہ اور ملکوت کے بھی آپ نبی تھے اسلئے کہ احادیث میں مصرح ہے جو خصائص کبریٰ اور مواہب لدنیہ اور زرقانی وغیرہ میں موجود ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک ساق عرش اور آسمانوں پر اور ہر مقام میں لکھا ہوا ہے چنانچہ آدم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آسمانوں پر جب میں چکر لگایا تو دیکھا کہ وہاں کوئی مقام ایسا نہیں جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ ہو۔ اس چکر لگانیکی کیفیت مواہب اور زرقانی میں لکھا ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جب حق تعالے نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اونکے پیٹھ میں رکھا وہ نور اسقدر چمکدار تھا کہ اون کے تمام انوار پر غالب آگیا تھا۔ یہانتک کہ پیشانی میں چمکنے لگا۔ پھر خدا تعالیٰ نے اون کو تخت شاہی پر بٹھایا جو اونکے لئے مختص تھا جس کو فرشتوں نے اپنی بازوؤں پر اوٹھایا اور اون کو حکم فرمایا کہ تمام آسمانوں کی سیر انھیں کرادیں تاکہ عجائب ملکوت کو دیکھیں۔ کعب احبار سے پوچھا گیا کہ آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے کتنے بار آسمانوں کی سیر کرائی کہا تین بار۔ ایک بار سریر کرم پر دوسرے بار اپنی بازوؤں پر تیسرے بار فرش میمون پر جو مشک اذفر سے پیدا کیا گیا ہے اور اوس کے بازو موتی

اور مرجان کے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام اوس کی لگام تھامے ہوئے تھے اور میکائیل داہنے طرف اور اسرافیل بائیں طرف تمام آسمانوں میں اونکو لیگئے وہ اپنے داہنے اور بائیں طرف فرشتوں پر جو جگہ جگہ کھڑے تھے اس طرح سلام کرتے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور وہ اوس کا جواب دیتے۔ پھر اون سے کہا گیا کہ یہ تمھاری اولاد کی تحیت قیامت تک ہے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو آدم علیہ السلام کا جو تجمل اور شان وشوکت تھی وہ بطفیل اوسی نور مبارک کے تھی۔ جو اون کی پیشانی میں چمکتا تھا۔

ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کو جو فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا وہ اوس نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے تھا جو اونکی پیشانی میں تھا۔ انتہیٰ

اس کی تصدیق اُن تمام روایتوں سے بھی ہوتی ہے جن سے ثابت ہے کہ حیوانات نباتات جمادات آپ کو سجدہ کیا کرتے تھے۔ اور کسی روایت میں دیکھا نہیں گیا کہ آدم علیہ السلام کو بھی حیوانات وغیرہ سجدہ کیا کرتے تھے

الغرض ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسجود خلائق تھے مگر آدمیوں کو سجدہ کرنے سے منع فرمادیا تھا۔

خصائص کبریٰ میں روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت کے درختوں کے ہر پتے پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے

مواہب لدنیہ میں کعب احبار سے مروی ہے کہ آدم علیہ السلام نے

اپنے فرزند شیث علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے فرزند تم میرے بعد میرے خلیفہ ہو۔ پس خلافت کو عمارت تقویٰ اور دستگاہ محکم کے ساتھ لو اور جب یاد کرو تم اللہ تعالیٰ کو تو اوس کے متصل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ذکر کیا کرو۔ میں نے اون کا نام ساق عرش پر لکھا دیکھا ہے جب میں روح اور کیچڑ میں تھا پھر تمام آسمانوں پر پھر کر دیکھا تو کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا نہ ہو۔ اور میرے رب نے مجھے جنت میں رکھا تو وہاں کوئی محل اور کوئی بالاخانہ اور برآمدہ ایسا نہیں دیکھا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لکھا ہو۔ اور تمام حوروں کے سینوں پر اور جنت کے درختوں کے اور شجر طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر اور پردوں کے اطراف اور فرشتوں کے آنکھوں کے بیچ میں نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھا ہوا ہے۔ اس لئے اکثر اونکا ذکر کیا کرو۔ فرشتے قدیم سے ہر وقت اونکا ذکر کیا کرتے ہیں انتہیٰ

جہاں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھا ہے۔ وہ خدائے تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ لکھا ہے۔ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے اور فرشتوں کا حضرت کو ذکر کرنا بھی اسی کلمۂ شہادت کا ذکر کرنا ہوگا۔ غرض کہ جس طرح ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر اپنے مومن ہونے کا ثبوت دیتے ہیں اسی طرح ملائکہ اور حوریں وغیرہ بھی اس کلمۂ طیبہ کو پڑھکے

اپنے ایمان کا ثبوت دیتے ہیں پھر اون کے امتی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اون کے نبی اور رسول ہونے میں کیا کلام اگر یہ کہا جائے کہ فرشتے محمد رسول اللہ کہتے وقت یہ خیال کرتے ہونگے کہ حضرت جب زمین پر جائیں گے اوس وقت رسول اللہ ہونگے تو ہم کہیں گے کہ اسمیں رسول اللہ کہنا باعتبار مائول ہوگا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اوسوقت نبی تھا اب گر یہ اخبار بھی مجازی طور پر سمجھا جائے تو اس کلام سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ ایسی نبوت تو اوس وقت کل انبیا کو خصوصاً آدم علیہ السلام کو بقوۂ قریبہ حاصل تھی۔ پھر حدیث شریف میں جو وارد ہے کہ جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام حضرت کے وزیر آسمانوں میں ہیں۔ جیسے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما زمین پر ہیں۔ اوس سے تو صاف ظاہر ہے کہ آسمانی سلطنت بھی حضرت کی جداگانہ قائم تھی۔ غرضکہ اس آسمانی سلطنت و نبوت کو اس وجود عنصری کے ساتھ مقید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں وہاں حضرت کا نور پیشتر سے موجود تھا اور ملائک بھی نورانی ہیں۔ اس لئے بحسب صلاحیت و استعداد افادہ واستفادہ میں کون امر مانع ہے۔

مواہب لدنیہ میں ابن جوزی و ابن سبع وغیرہ محدثین کے کتب سے نقل کیا ہے کہ کعب احبار سے مروی ہے کہ جب خدائے تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرے تو جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ زمین کے

ایسے مقام سے مٹی لائیں جو اوس کا قلب اور نورانی ہو۔ جبرئیل فردوس اور
ملأ اعلیٰ کے فرشتوں کو لیکر اترے اور اوس مقام کی مٹی لی جو مقام قبر شریف ہے
وہ نہایت سفید اور روشن تھی پھر وہ آب تسنیم وانہار جنت سے خمیر کی گئی یہانتک
کہ مثل موتی کے چمکدار اور نہایت روشن ہوگئی اور اوس کو فرشتوں نے عرش
وکرسی کے اطراف اور تمام آسمانوں اور زمین اور جبال وبحار میں گشت کرائی
یہانتک کہ کل فرشتے اور تمام خلق اللہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم
کو پہچان لئے۔ قبل اس کے کہ آدم علیہ السلام کو پہچانیں۔ انتہیٰ

اس روایت سے ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے
جسم عنصری کے مشابہ حضرت کی صورت بنائی گئی۔ تاکہ تمام ملائک اور کل مخلوق
حضرت کو پہچان لیں اگر حضرت کی نبوت وشہادت اس جسم عنصری کے ہی ساتھ
مختص ہوتی تو تمام عالم کو ان کی معرفت کرانے کی کیا ضرورت تھی۔ اگرچہ یہ روایت
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں۔ مگر کعب احبار کتب سابقہ کے
عالم تھے جس کا کوئی انکار کر نہیں سکتا اس لحاظ سے یہ روایت زیادہ تر قابل
تسلیم ہے کیونکہ دوسری آسمانی کتابوں سے حضرت کی فضیلت کی تصدیق
ہو رہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عوالم میں گشت کرا کے معرفت
دلانے سے ظاہر ہے کہ تمام اشیاء کے ساتھ خاص قسم کا تعلق حضرت کا ثابت
کرنا مقصود تھا۔ ہر چند ایک قسم کا تعلق پہلے سے تھا کہ سب حضرت کے نور سے

پیدا ہوئے مگر وہ تکوین سے متعلق تھا۔ اوس کے لئے معرفت کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ اوسمیں کوئی جدید استفادہ نہیں جو معرفت سے مطلوب ہو۔ البتہ رسول کی معرفت کی ضرورت ہے۔ جس سے ہدایت متعلق ہوتی ہے۔ چونکہ قدیم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت مسلم تھی۔ کہ ہر جگہ آپ کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھا ہوا تھا اسی لئے ضرورت ہوئی کہ ظاہری صورت کے ساتھ بھی آپ کو دیکھ لیں اور چہرۂ مبارک کو اپنے تصور میں رکھیں۔ اگر حضرت کی رسالت عام نہ ہوتی تو تمام عالم علوی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کی کیا ضرورت تھی اور یہ بات تو ابھی معلوم ہوئی

رسالت حضرت در عالم سفلی و علوی

کہ خود حضور نے فرمایا کہ سوائے جن و انس کے ہر چیز جانتی ہے کہ میں رسول اللہ ہوں۔ اس سے ثابت ہے کہ تمام عالم علوی اور سفلی میں آپ کی رسالت مسلم تھی اور ہر ایک کو اوس کے حسب حال حضرت ہدایت بھی فرماتے ہونگے کیونکہ وہ لازمۂ رسالت ہے۔ اگر کہا جائے کہ حضرت تو مثلاً مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ پھر تو تمام عالم علوی و سفلی کی ہدایت حضرت سے کیونکر متعلق ہو سکتی تو اسکا جواب یہ ہے کہ حکما نے تسلیم کرلیا ہے کہ اشراقین مشرق میں رہکر مغرب میں تعلیم کرتے تھے اور عقل عاشر سے تمام عالم کے کام متعلق ہیں تو اول موجودات جس کو ایک اعتبار سے عقل اول کہنا سزاوار ہے۔ اگر یہ کام کریں تو کیوں مستبعد سمجھا جائے۔ اشارات کا ترجمہ جو ہم نے مقاصد الاسلام

کے حصہ ہفتم میں لکھا ہے اگر دیکھ لیا جائے تو عقلی پریشانی بہت کچھ رفع ہو جائیگی
اس کے بعد یہ بات باقی رہ جائے گی کہ قبل وجود عنصری رسالت وہدایت
کی کیا صورت۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہر موطن کی صورت اور لوازم مختلف
ہوتے ہیں۔ دیکھئے روز میثاق میں ہم ہی تھے کہ الست بربکم کے جواب میں
بلی کہا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہاں ہماری غذا اور طرز معیشت کیا تھی۔ مگر یہ تو
یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ نہ وہاں یہ غذا تھی نہ بدل ما تحلل کی ضرورت تھی۔ پھر والدین
کے صلب و رحم میں بھی ہم ہی تھے مگر یہ نہیں تبلا سکتے کہ ہماری اوسوقت
کیا حالت تھی اور ہمارے وجدانیات کس قسم کے تھے۔ پھر اس عالم میں
آنیکے بعد ہماری حالت ہی کچھ اور ہو گئی۔ اس کے بعد عالم برزخ میں بھی ہم ہی
ہونگے۔ اور ہمارے حالات وہاں اس عالم کے حالات سے بالکل مغائر ہونگے
پھر قیامت میں معلوم نہیں ہمارا حشر کیا ہو گا اسی پر قیاس کر لیجئے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر موطن کے حالات مختلف تھے ابتدائے تکوین میں
ابوالعالم ہوئے اوس کے بعد رسول اللہ کھلائے۔ اور تمام خلق کی ہدایت
کے لئے مبعوث ہوئے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے۔ کہ

مسلم شریف میں روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ
بُعِثْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً یعنی تمام خلق کی طرف مبعوث ہوا ہوں۔ اب اگر
اسکا یہ مطلب سمجھا جائے کہ چالیس سال کی عمر میں جو میں مبعوث ہوا تو فقط انسانوں

١٢٥٧/٢/٤ ١٢٦٨
[illegible]

ہی کی طرف مبعوث نہیں ہوا بلکہ کل خلق اللہ کی طرف مبعوث ہوا ورنہ کافۃً کے
کا لفظ بیکار رہوا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مجموع خلق اللہ تو وہی ہوگی جو حضرت
نور سے پیدا ہوئی اگر کہا جائے کہ اس تقدیر پر بعثت کے معنی صادق نہیں آتے
اس لئے کہ اوس کے معنی بھیجنے کے ہیں۔ تو ہم کہیں گے کہ بعثت کے لئے
اس کی کیا ضرورت کہ عالم جسمانی کے ساتھ مختص ہو۔ اگر ملائکہ کے لئے کوئی
نبی مقرر ہو تو اوس کے لئے بھی یہی لفظ موضوع ہے۔ حضرت چالیس سال تک
کفار میں رہے۔ اوس کے بعد آپ مبعوث ہوئے یعنی نبی مقرر کئے گئے
اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اوس عالم میں آپ ایک مدت تک ذکر الٰہی میں
مصروف رہے۔ پھر جب آفرینش عالم کی بنیاد قائم ہوئی تو آپ کل مخلوق کیلئے
مبعوث ہوئے یعنی جتنی چیزیں پیدا ہوئیں اور پیدا ہونگی سب کے لئے
آپ ہی مبعوث و مقرر ہوئے۔ یہاں یہ شبہ وارد ہوتا تھا کہ آدم علیہ السلام
سے لیکر عیسیٰ علیہ السلام تک ایک لاکھ کئی ہزار نبی گذرے۔ پھر تمام مخلوق
کے نبی حضرت کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اسکا جواب قرآن شریف سے یہ ملتا ہے
کہ کل انبیاء علیہم السلام بھی حضرت کے امتی ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ فرماتا ہے
واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ
ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ
قال ءاقررتم واخذتم علیٰ ذٰلکم اصری قالوا اقررنا قال

اعتراض اور اوس کا جواب

فاشهدوا وانا معكم من الشاهدين یعنے جب اللہ تعالی نے نبیوں سے اقرار لیا کہ اگر آئے تمھارے پاس رسول جو تصدیق کرنیوالا ہو اوس چیز کا جو تمھارے پاس ہے تو تم اوس پر ایمان لاؤ اور اوسکو مدد دو کہا کیا تم نے اقرار کیا کہا اُنھوں نے اقرار کیا۔ پس تو گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

مواہب میں لکھا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور انبیاء کے انوار پیدا ہوئے تو حضرت کے نور کو حکم فرمایا کہ انبیاء کے نوروں کو دیکھو حضرت کے نور نے اون کے نور کو ڈھانپ لیا اونھوں نے کہا اے رب کس کے نور نے ہمارے نوروں کو ڈھانپ لیا۔ فرمایا یہ نور محمدؐ بن عبد اللہ کا ہے اگر تم اون پر ایمان لاتے ہو تو میں تمھیں انبیا بناؤں اُنھوں نے کہا ہم اون پر اور اونکی نبوت پر ایمان لائے فرمایا کیا میں اوس پر گواہ رہوں ہاں کہا یہ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین کی کیفیت ہے۔ اسکے بعد مواہب میں شیخ تقی الدین سُبکی کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے ثابت ہی کہ کل انبیا اور اونکی امتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ الغرض نہ کوئی نبی حضرت کے امتی ہونیسے خارج ہوتے ہیں نہ کوئی امتی۔

مواہب لدنیہ میں ہے کہ ابن جوزی رح نے سلوۃ الاحزان میں لکھا کہ جب حوا علیہا السلام پیدا ہوئیں تو آدم علیہ السلام نے اونکے نزدیک جانا چاہا اونھوں نے مہر طلب کیا آدم علیہا السلام نے بارگاہ کبریا میں عرض کی کہ الہٰی کیا چیز ہیں اون کو دوں ارشاد ہوا کہ میرے حبیب محمدؐ بن عبد اللہ پر

بیس۲۰ بار درود پڑھ لو چنانچہ اونھوں نے ایسا ہی کیا۔ انتہی

حوا علیہا السلام کا مہر کی درخواست کرنا ایک الہامی امر تھا۔ اس الہام سے مقصود یہی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت اور احسان آدم علیہ السلام اور اون کی اولاد پر ہو وہ لوگ بڑے ناخلف ہیں جن کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وقعت نہیں ہے۔

ہر چند مہر از قسم مال ہوتا ہے۔ مگر اوسوقت مال کی ضرورت ہی کیا تھی جنت میں ہر قسم کا عیش و فراغت حاصل تھی۔ اوسوقت حضرت بی بی کے پیش نظر یہی تھا کہ اولاد میں برکت ہو چنانچہ اوس کا اثر ظاہر ہوا۔

انتقال نور نبوی از اصلاب و ارحام طاہرہ

جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے اور توالد و تناسل کی بنیاد پڑی تو وہ نور نبوی منتقل ہونے لگا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی تک پہونچا۔ چونکہ آدم علیہ السلام اوس نور مبارک کی عظمت و شان دیکھ چکے تھے اس لئے اپنے فرزند جانشین شیث علیہ السلام کو وصیت کی کہ تمھاری پیشانی میں جو نور ہے وہ منتقل ہوتا جائیگا۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قسم کی بے احتیاطی ہو اپنی اولاد کو وصیت کر دینا کہ وہ ایسی عورتوں میں ودیعت رکھا کریں کہ وہ مطہرات ہوں یعنے لوث زنا سے مبرا ہوں۔ چنانچہ یہ وصیت برابر خاندان میں جاری رہی۔ مگر مشکل یہ تھی کہ جن جن حضرات کی پیشانی میں وہ نور منتقل ہوتا اون کا حسن دوبالا ہو جاتا۔ اور عورتیں عاشق ہوتی تھیں۔ اور یہ ظاہر ہے

کہ جوان عورت جوان مرد پر عاشق ہو تو بچنا کیسا مشکل ہے۔ جاہلیت کے اشعار سے ظاہر ہے کہ عرب عورتوں پر کیسے مرتے تھے۔ ایسی حالت میں فقط وصیت کے لحاظ سے بچنا قرین قیاس نہیں ہو سکتا۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ خود خدا تعالی نے جو وصیتیں کی ہیں مثلاً ارشاد ہے ووصینا الانسان بوالدیہ احسانًا وغیرہ اس پر کیا عمل ہو رہا ہے جب اسلامی روشنی کے زمانہ میں خدا و رسول کی وصیتوں کا یہ حال ہو تو زمانۂ جاہلیت کے تاریکی میں آدم علیہ السلام یا شیث علیہ السلام کی وصیت کا کیا اثر ہو سکتا ہے مگر بات یہ ہے کہ خدا تعالی کو منظور تھا کہ حبیب پاک کے دامن کو کسی قسم کے عیب کا دھبا نہ لگنے پائے۔ اس لئے اون حضرات کے دلوں میں یہ صلاحیت ہی نہیں رکھی کہ کسی ناشائستہ حرکت کے طرف توجہ ہو۔ چنانچہ جب قبیلۂ بنی اسد کی ایک عورت جس کا نام قتیلہ تھا حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب پر عاشق ہوئی۔ بہت کچھ چاپلوسی کی یہاں تک کہ سو اونٹ دینا قبول کیا مگر آپ نے اوس کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور صاف جواب دیدیا کہ اس کام کو میں اپنی عزت ریزی سمجھتا ہوں۔

مواہب لدنیہ میں متعدد روایتیں نقل کی ہیں کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آدم علیہ السلام سے لیکر میرے والدین تک کوئی اہل جاہلیت کے نکاح سے پیدا نہیں ہوا۔ انتہی

اہل جاہلیت کے نکاح اقسام کے تھے۔ اس معمولی نکاح کے سوا دوسرے

قسم کے نکاح بھی تھے منجملہ اون کے ایک یہ ہے کہ عورت دش سے کم آدمیوں کو بلاتی۔ اور وہ سب اوس کے ساتھ وطی کرتے اور جب اوس کو حمل ہوتا تو بعد وضع حمل اون سب کو بلاتی۔ اور اونمیں سے ایک شخص سے کہتی کہ یہ لڑکا تیرا ہے اور وہ انکار نہ کر سکتا۔

غرض کہ کل خاندان نبوی اس قسم کے نکاحوں سے منزّہ تھا اوس نور مبارک سے جیسے آدم علیہ السلام کو فضیلت حاصل ہوئی جہاں جہاں وہ نور منتقل ہوتا گیا اون کو فضیلت حاصل ہوتی گئی چنانچہ آیۂ شریفہ وتقلبك فی الساجدین کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ساجدین سے مراد حضرت کے آبا و اجداد ہیں جس سے ثابت ہے حضرت کے کل سلسلۂ نسبی میں اتقیا تھے۔

اس نور مبارک کی عظمت کو آپ نے معلوم کر لیا کہ مبدء ایجاد عالم ہے اور جب آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا گیا تو وہ مسجود ملائک بنائے گئے اسی طرح جن اصلاب طاہرہ میں منتقل ہوتا گیا وہاں اقسام کے برکات و عجائبات ظاہر ہوتے گئے۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ایک قصیدہ حضرت کو سنایا۔ اور حضرت نے اون کو دعا دی۔ منجملہ اور اشعار کے ایک شعر یہ ہے۔

وردت نار الخلیل مکتتما	فی صلبه انت کیف تحترق

یعنے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب آگ میں ڈالے گئے اوسوقت آپ اونکی پیٹھ میں تھے تو وہ کیونکر جل سکتے تھے۔ انتہی

دیکھئے عباس رضی اللہ عنہ نے صاف کہدیا کہ آپ کی برکت سے وہ نہیں جلے۔ اور حضرت نے اون کے کلام کی کچھ اصلاح نہیں فرمائی۔ اس سے اس کلام میں شاعرانہ حیثیت باقی نہ رہی۔ بلکہ شرعی حیثیت آگئی۔ کیونکہ شارع علیہ السلام کا سکوت کسی مسئلہ میں جو اعتقاد سے متعلق ہو اوس کو شرعی مسئلہ بنا دیتا ہے۔

مواہب میں لکھا ہے کہ جب عبد المطلبؓ تک وہ نور منتقل ہوا تو اونکی پیشانی چمکتی تھی۔ جب کبھی سخت قحط ہوتا تو قریش اونکے پاس آتے اور اونکو جبل ثبیر پر لیجاتے اور اون سے دعا کرواتے تو بہت پانی برستا۔ ابرہہ نے جب کعبہ شریف پر چڑھائی کی تو اوس نور مبارک سے بہت سے آثار و برکات ظاہر ہوئے۔ اسکا قصہ یہ ہے کہ ابرہہ نجاشی کی طرف سے لشکر کشی کر کے یمن پر قابض ہو گیا۔ دیکھا کہ لوگ تیاری کر کے حج کے لئے جا رہے ہیں۔ پوچھا یہ سب کہاں جاتے ہیں کہا گیا مکہ کو جہاں بیت اللہ ہے۔ کہا وہ کس چیز سے بنایا گیا۔ کہا گیا پتھروں سے۔ کہا میں تمھارے لئے ایک گھر اوس سے بہتر بناتا ہوں۔ چنانچہ صنعا میں سنگ مرمر اور زرد سُرخ اور سیاہ پتھر قصر بلقیس سے منگوا کر ایک کنیسہ بنایا اور سونے چاندی اور جواہر سے اُسکو مرصع کیا۔

اور سونے چاندی کی صلیبیں اوسمیں نصب کئے اور ہاتھی دانت اور آبنوس وغیرہ کے منبر رکھے۔ یہ تمام سامان کرکے لوگوں کو حج کے جانے سے منع کرنے لگا جب یہ خبر عرب میں مشہور ہوئی تو ایک شخص قبیلۂ کنانہ سے وہاں گیا۔ اور موقع پاکر اوس کنیسہ میں پاخانہ پھر دیا۔ ابرہہ کمال غضب سے ساٹھ ہزار فوج اور ہاتھیوں کو لیکر بارادۂ ہدم کعبہ نکلا جب قریب پہونچا تو عبدالمطلب رضی اللہ عنہ قریش کو لیکر جبل ثبیر پر چڑھ گئے اوسوقت وہ نور مبارک جو اونکی پیشانی میں تھا پھیل کر ہلال بن گیا۔ اور ایسا روشن ہوا کہ اوس کی روشنی بیت اللہ پر پڑتی تھی۔ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر قریش سے کہا کہ اب ہماری فتح ہی اپنے گھر کو چلو۔ ابرہہ نے ایک شخص کو مکہ میں اس غرض سے بھیجا کہ لوگوں پر اپنا رعب قائم کرے جب وہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے روبرو آیا اور اون کے چہرۂ مبارک کو دیکھا تو اوس پر اسقدر آپ کا رعب چھایا کہ بات کرنا مشکل ہوگئی۔ اور بے ہوش ہوکر گر پڑا۔ پھر جب ہوش میں آیا تو اون کو سجدہ کرکے کہا کہ بیشک آپ سردار قریش ہیں۔ پھر جب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ابرہہ کے پاس گئے تو اوس نے بڑا ہاتھی اون کو خوف دلانے کی غرض سے منگوایا اوسکا بھی وہی حال ہوا کہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا چہرہ دیکھتے ہی سربسجود ہوا ابرہہ نے کاہنوں وغیرہ سے اسکا سبب دریافت کیا اونھوں نے کہا کہ یہ سجدہ عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو نہ تھا بلکہ اوس نور کو تھا جو اونکی

پیشانی میں چمک رہا ہے۔ اس واقعہ کو دیکھ کر بھی وہ متنبہ نہ ہوا۔ اور ہاتھیوں
اور لشکر کو کعبہ شریف کی طرف بڑھانیکا حکم دیا۔ اوسوقت چھوٹے چھوٹے پرندے
بکثرت نمودار ہوئے۔ اور مسور کی دال کی برابر کنکریاں اونپر پھینکنے لگے
جس کو وہ کنکری لگتی وہ ہلاک ہو جاتا۔ اسی قصہ کو حق تعالیٰ نے قرآن شریف
میں ذکر فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيْلِ یعنے کیا
آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کا کیا حال کیا۔ چونکہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف اس واقعہ کے بعد ہوئی۔
اس لئے مفسرین نے الم تر کے معنی الم تعلم لکھا ہے مگر اس کی ضرورت
معلوم نہیں ہوتی اس لئے کہ حضرت اپنی نورانیت کے ساتھ اوسوقت موجود
تھے اور دیکھ رہے تھے کہ ہاتھی آپ کو سجدہ کر رہا ہے۔ اور تمام لشکر کو پرندے
ہلاک کر رہے ہیں اور سب بھاگے جا رہے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ اوس نور کو
ادراک نہ تھا۔ کیونکہ ادراک کا زمانہ بعد وجود عنصری ہے تو ہم کہیں گے
کہ اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی۔ دیکھئے کل ملائک نورانی ہیں اور
اونکا ادراک جسمانی ادراک سے بڑھا ہوا ہے۔ اسی طرح روح کا ادراک
پھر یہ بھی بے ادبی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت کے حالات کو ہم اپنے حالات
پر قیاس کریں۔ دیکھئے عالم جسمانی میں آنیکے بعد بھی حضرت کی حالت نرالی تھی
چنانچہ مواہب لدنیہ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ حضور اقدس

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کامل نو مہینے شکم مادر میں رہے۔ مگر اس مدت میں کبھی نہ اون کے سر میں درد ہوا اور نہ اعضا و مفاصل میں استرخا۔ اور نہ شکم کی کوئی شکایت اور نہ کسی چیز پر رغبت ہوئی جیسا کہ ہر حاملہ کو ہوتی ہے حضرت کے والدۂ ماجدہ فرماتی ہیں کہ مجھے اتنا تو خواب میں معلوم ہوا کہ کوئی کہ رہا ہے کہ تمھیں سردار امت کا حمل ہوا ہے اوس کے بعد نہ مجھے پیٹ میں کچھ ثقل معلوم ہوا نہ کسی چیز پر رغبت ہوئی۔ جیسے حمل والی عورتوں کو ہوا کرتی ہے۔ نئی بات یہ ہوئی کہ حیض موقوف ہوگیا۔ انتہی

عادتاً ثابت ہے کہ یہ تمام امور حمل کا لازمہ ہیں۔ یہ تو کھلی بات ہے کہ بچہ روز بڑھتا جاتا ہے۔ اور اوس کے ساتھ پیٹ بھی بڑھتا جاتا ہی یہاں تک کہ عورت حمل کو چھپا نہیں سکتی۔ رسالۂ جنین میں حکیم محمد مہدی صاحب نے لکھا ہی کہ نو مہینے کا پورا جنین سولہ سے اٹھارا انچ تک لنبا اور وزن میں اوسط تین سیر ہوتا ہے اور رحم کے حال میں لکھا ہے کہ وہ تین انچ لنبا اور دو انچ چوڑا اور ایک انچ دبیز اور اوسط تین تولہ وزنی ہوتا ہے۔ رحم کی اتنی تھوڑی وسعت میں تین سیر وزنی اور اٹھارا انچ طولانی جسم آجائے اور نہ ثقل کا احساس ہو نہ اذیت وغیرہ کا۔ ہرگز عقل میں نہیں آسکتا مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمامی حالات اسی قسم کے ہیں اس لئے اوس کے ماننے پر ہم مجبور ہوتے ہیں۔ اور یہ کہکر عقل کو تسکین دیتے ہیں

کہ خدائے تعالیٰ نے حضرت کو بے نظیر اور بے مثل پیدا فرمایا۔ اور خالق جب کسی چیز کو کسی خاص وضع و ترکیب پر پیدا کرنا چاہے تو اوس کا وجود ضروری ہو جاتا ہے۔

اب اور سنئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پیدا ہوئے تو آپکا نال کٹا ہوا تھا۔ چنانچہ مواہب میں لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت آپکا نال کٹا ہوا تھا۔ اس روایت کو طبرانی اور ابن عساکر اور ابن اسحٰق نے تخریج کی ہے۔ انتہی ملخصاً

یہ بات باتفاق اطبائے یونانی و ڈاکٹری ثابت ہے کہ رحم میں بچہ کی غذا خون حیض ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ نے شفا اور قانون میں لکھا ہے۔ کہ حاملہ میں خون حیض کے تین حصہ ہوتے ہیں۔ ایک حصہ بچہ کی غذا میں صرف ہوتا ہے۔ ایک حصہ پستان کی طرف چڑھتا ہے اور ایک حصہ باقی رہتا ہے جو نفاس میں خارج ہوتا ہے اور لکھا ہے کہ جنین کو تین جھلیاں گھیری رہتی ہیں۔ ایک مشیمہ یعنے آنول مشیمہ سب پر محیط ہے۔ یہی جنین کو غذا پہونچانیکا واسطہ ہے۔ کیونکہ ورید جس کے ذریعہ سے خون تمام بدن میں پہونچتا ہے جنین کے جگر سے ناف تک آتی ہے۔ پھر ناف سے نکل کر دو وریدیں ہو جاتی ہیں۔ اور یہ دونوں وریدیں آنول میں پہنچتی ہیں۔ اوران کی انتہا

اون رگوں کے منہ پر ہوتی ہے۔ جو رحم میں ہیں اور شریان بھی ناف ہی کے ذریعہ سے جنین میں جاتی ہے یہ قانون کا ماحصل ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ رحم کی رگوں میں جو خون آتا ہے وہ بذریعۂ آورِدہ بچہ کے جگر میں پہونچتا ہے وہی اوس کی غذا اور باعث حیات ہے۔ اگر یہ خون وہاں نہ پہونچ سکے تو جنین ہلاک ہو جائے۔ رسالۂ جنین میں لکھا ہے کہ آنول کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک زچہ کے ساتھ علاقہ رکھتا ہے اور دوسرا جنین کے ساتھ جو حصہ زچہ کے ساتھ علاقہ رکھتا ہے وہ اسفنج کی طرح خانہ دار بناوٹ کا ہے اور اسمیں آورِدہ اور شرائین بھرے ہوئے ہیں اور جو حصہ جنین سے متعلق ہے وہ ناف کی رگوں اور شریانوں کی شاخوں سے بن گیا ہے۔ نال ایک رسی کی سی چیز ہے۔ چونکہ جنین اور آنول کے درمیان پھیلنے والی رگ اور شریانوں سے بنی ہے۔ اور یہ اکثر آنول کے بیچوں بیچ سے اوگکر شروع ہو کر جنین کے ناف پر جا کر تمام ہوتی ہے۔ اور اس کی ساخت میں ناف کی دو شریان اور ایک رگ ہے۔ انھیں دو شریان کے وسیلے جنین کے اوس ورید میں جو پیرون کے جانب اوتری ہے آنتوں کے حصوں میں خون پہونچتا ہے۔ اور اسی رگ کے ذریعہ وہ خون پھر لوٹ کر جنین کے بدن میں جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ خون حیض آنول کے ذریعہ سے جنین کو پہونچتا ہے اور

اوس کی وہ غذا ہوتی ہے ۔

چونکہ حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ حضرت کی نشو نما بھی خاص طور پر ہوا ور یہ احتمال بھی نہ رہے کہ خون غذا بنایا گیا اس لئے آنول ہی قطع کر دی گئی ۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ حمل میں حضرت کی وہی معمولی غذا تھی ۔ جو لوگ پابند عقل و حواس ہیں وہ تو یہی کہیں گے کہ بغیر غذائے معمولی کے زندگی محال ہے ۔ مگر جو لوگ حقائق سے واقف ہیں اون کے نزدیک اوس کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اون کے پیش نظر وہ صحیح حدیث ہے جو مشکوٰۃ شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا ۔ ایک شخص نے کہا کہ آپ تو وصال فرمایا کرتے ہیں حضرت نے فرمایا وایکم مثلی انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی یعنے مجھ جیسا تم میں کون ہے مجھے رات کو میرا رب کھانا کھلاتا ہے ۔ اور پانی پلاتا ہے ۔ یہ روایت بخاری اور مسلم میں ہے ۔ انتہیٰ ۔

وصال اوس کو کہتے ہیں کہ بغیر افطار کے روزہ پر روزہ رکھیں ۔ دیکھئے اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت کے حالات ہی نرالے تھے اور کوئی حضرت کا مثل نہیں ہو سکتا ۔ اس حدیث متفق علیہ سے ثابت ہو سکتا ہے کہ ولادت باسعادت میں جو خصوصیات مروی ہیں وہ سب صحیح ہیں

آنول سے جو خون کہ ناف کی رگ کے وسیلے سے دوڑتا ہے اسمیں سے

ایک حصہ تو شریان کے نالیون کے وسیلہ فوراً اوپر کو جانے والی ورید میں جا پہونچتا ہے اور دوسرا حصہ اوس ورید کے ذریعہ سے جو خون قلب میں پہونچاتی ہے پہلے کلیجہ میں جاتا ہے۔ بعد اسکے کلیجہ کی رگ کے وسیلے سے پھر اوپر جانیوالی ورید میں جا داخل ہوتا ہے۔ نال کے مقطوع ہونے سے یہ بھی ثابت ہے کہ شریان بھی قطع کی گئی تھی تاکہ ہوا بھی اوس غلاظت میں سے ہوکر اندر نہ پہونچے اور کسی قسم کی نجاست سے آپ ملوث نہوں۔ چنانچہ مواہب میں لکھا ہے کہ:۔

ابن سعد رضی اللہ عنہ نے ہمام بن یحیی سے روایت کیا ہے کہ اسحق ابن عبد اللہ نے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لطیف پیدا ہوے۔ کسی قسم کی نجاست آپکے جسم مبارک پر نہ تھی۔

ہرچند ہم اعتقاد کی راہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب تک آپ نے رحم میں تشریف رکھا خداے تعالی نے آپ کے والدہ میں تولید خون فاسد کیا ہی نہیں۔ کیونکہ تولید خون سے جنین کو غذا پہونچانا مقصود ہوتا ہے۔ اور وہاں غذا کی ضرورت ہی نتھی۔ مگر اس کی بھی ضرورت نہیں اس لئے کہ شیخ نے قانون میں لکھا ہے کہ تیسری جھلی جو جنین سے متصل رہتی ہے اوسمیں کسی قسم کی نجاست نہیں رہتی۔ خون کا تعلق مشیمہ سے ہے۔ اوس کے نیچے

جو جھلی رہتی ہے اوسمیں جنین کا پیشاب جمع ہوتا ہے۔ اور اس تیسری جھلی میں
کوئی چیز اس قسم کی نہیں رہتی اس جھلی کا نام انفس لکھا ہے۔ اگرچہ دوسری
کتابوں میں اسکا نام کچھ اور ہے مگر قانون میں جو نام لکھا ہے وہی صحیح معلوم
ہوتا ہے اس لئے کہ اس جھلی میں نفاست اور لطافت ہے جو کسی قسم کی
نجاست کا اوسمیں گذر نہیں جھلیاں قدرتی دیواریں ہیں جو کسی نہ کسی چیز
کی حفاظت کے لئے بنائی جاتی ہے اسی وجہ سے جھلیوں کا جسم ایک خاص
قسم کا ہوتا ہے جو صلابت اور استحکام میں ممتاز ہوتا ہے۔ غرض کہ جنین اس
غشاء انفس کے مستحکم قلعہ میں رہتا ہے۔ نہ وہاں خون حیض کا گزر ہے
نہ بول کا اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہاں کسی خاص
اہتمام و انتظام کی ضرورت نہ ہوئی۔ البتہ اس کی ضرورت تھی کہ اس عالم میں
برآمد ہونے وقت لطیف رہیں کسی قسم کی آلائش جسم مبارک تک نہ پہونچے
تو اس کی تدبیر یہ ہوئی ہو گی کہ جتنا خون تھا سب دودہ میں صرف کردیا جاتا تھا
کیونکہ شیخ کی تقریر سے ابھی معلوم ہوا کہ حاملہ کے خون حیض کے تین حصے ہوتے
ہیں۔ ایک حصہ غذائے جنین میں صرف ہوتا ہے اور ایک حصہ پستانوں
کی طرف چڑھتا ہے۔ جس سے دودہ بنتا ہے۔ اور ایک حصہ نفاس کے لئے
باقی رہتا ہے۔ جب یہ بات ہمیں معلوم ہوگئی کہ حضرت ولادت باسعادت کے
وقت نظیف تھے تو اس سے ثابت ہوا کہ مشیمہ میں اوس وقت خون نہ تھا۔

ورنہ اوس کے پھاڑنے سے جسم مبارک پر خون لگا رہتا۔ اس صورت میں یہ بات بہ آسانی معلوم ہوسکتی ہے کہ خون سے دودھ ہی بنتا تھا اور مشیمہ خون سے پاک وصاف تھا۔ اور جب حضرت اوس پاکیزہ مشیمہ سے برآمد ہوئے تو لطیف وطاہر تھے۔ اس لئے بغیر غسل کے عبادت میں مشغول ہو گئے چنانچہ پہلے آپنے ہی سجدہ کیا۔ پھر تسبیح وتکبیر کی۔ اور کلمہ شہادت اس طرح پڑھا کہ لآ الٰہ الا اللہ انی رسول اللہ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

روایت مذکورہ بالا میں مصرح ہے کہ حضرت کے زمانہ حمل میں نہ اعضا میں استرخا ہوا نہ کسی قسم کا درد نہ کسی چیز پر رغبت تھی جیسے حاملہ عورتوں کو ہوا کرتی ہے۔ سہولت ولادت کے لئے فطرتی طور پر استرخائے اعضا کی بھی ضرورت ہے جس کا عادتاً وعقلاً انکار نہیں ہوسکتا۔ اور کسی نہ کسی چیز پر رغبت ہونا بھی ایک فطرتی امر ہے اسی وجہ سے ہمارے ملک میں ستوا سا کیا جاتا ہے جسمیں ہر قسم کی غذائیں پکا کر حاملہ کی ضیافت کیجاتی ہے غرض کہ عورت کے جسم میں غیر معمولی چیز کا تکون ہوتا ہے تو طبیعت میں تغیر ہونا ضروری ہے مگر یہاں کچھ تغیر نہ ہوا اس کی وجہ سوائے اسکے اور کیا ہوسکتی ہے کہ حضرت کا جسم مبارک دیکھنے کو جسم تھا مگر حقیقت میں وہ ایک قسم کا نور تھا۔ چنانچہ مواہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان امی رأت فی منامها ان الذی فی

بطنها نورا یعنے میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ اون کے پیٹ میں جو
حمل ہے وہ نور ہے اس سے ثابت ہوا کہ حضرت کا جسم مبارک نور تھا۔ اسی وجہ
سے نہ دھوپ میں آپ کا سایہ پڑتا تھا نہ چاندنی میں جیسا کہ مواہب میں لکھا ہے
کہ ابن مبارک اور ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے
روایت کی ہے کہ حضرت کا سایہ نہیں پڑتا تھا۔ اور حکیم ترمذی کی روایت میں
تصریح ہے کہ نہ دھوپ میں سایہ پڑھتا تھا نہ چاندنی میں۔ یہ بات سمجھ میں آگئی
کہ حضرت کا جسم مبارک شفاف نہ تھا۔ کیونکہ نگاہ پار نہیں ہوتی تھی پھر سایہ
نہ پڑھنے کی کیا صورت۔ فی الحقیقت ایسا جسم کوئی دیکھا اور سنا نہیں گیا۔
مگر جب ہم غور کرتے ہیں تو اقسام کے جسم پیش نظر ہو جاتے ہیں۔ پتھر وغیرہ
ایسے اجسام ہیں کہ کثافت اون پر غالب ہے۔ اور بعض جسم ایسے ہیں کہ
اون میں نورانیت بھی ہوتی ہے۔ مثلاً موتی۔ الماس اور لعل وغیرہ۔ اگر اون کو
توڑ بھی ڈالیں تو اون کے ہر ٹکڑے میں نورانیت رہے گی اور بعض جسم ایسے
ہیں کہ ظاہرا تو کثیف ہیں۔ کسی قسم کی نورانیت نہیں۔ مگر کسی سبب سے
وہ خود نور بن جاتے ہیں۔ جیسے زیتون وغیرہ کا تیل۔ اور بعض ایسے ہیں
کہ نہ خود لطیف و نورانی ہیں نہ کسی تدبیر سے وہ نور بنتے ہیں۔ مگر اون سے
نور نکلتا رہتا ہے جیسے آفتاب وغیرہ۔ اگر ہم ان اجسام کو نہ دیکھتے تو ہرگز ہماری
عقل قبول نہ کرتی۔ کہ پتھر جو نگاہ کو روکنے والا ہے اوس سے نگاہ پار ہو اور

صرف اتنا ہی نہیں۔ بلکہ جہانتک نگاہ جاتی ہے اوس سے سو چند بلکہ اوس سے بھی زیادہ مسافت پر کی چیزوں کو ایسے طور پر دکھائے جیسے کوئی نزدیک کی چیز کو دیکھتا ہے اور نہ عقل یہ قبول کرتی کہ جسم کثیف سے تمام عالم روشن ہو سکے ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ کوئی فیلسوف اس کی وجہ نہیں بتلا سکتا کہ آفتاب روشن کیوں ہے اور پتھر روشن کیوں نہیں۔ پھر نور بھی ایک قسم کا نہیں برق کے نور اور چراغ کے نور میں ہر شخص فرق کر سکتا ہے۔ اور سب سے بالاتر اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ جو اس آیۂ شریفہ سے ثابت ہے اللّٰہ نور السموات والارض مگر اس نور کی حقیقت معلوم ہی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ زمین میں بظاہر نور نہیں ہے۔ اگر آفتاب وغیرہ کا نور نہ ہو تو بالکل تاریکی ہی تاریکی نظر آئیگی حالانکہ اوسمیں اللہ تعالیٰ کا نور موجود ہے جو نص قطعی سے ثابت ہے۔ یہ بات اور ہے کہ سمجھ میں نہ آنے کی وجہ سے نور سے مراد منور لی جائے مگر ایمانی طریقہ سے وہ درست نہیں ہو سکتا۔ غرض کہ حق تعالیٰ کا وجود عقل سے سمجھ میں نہیں آسکتا عقل کا کام اسی قدر ہے کہ چند جزئیات کو دیکھ کر ایک کلی بنا لیتی ہے جس کے مفہوم میں وہ جزئیات داخل ہوتے ہیں۔ اور جو چیز ایسی ہو کہ دوسری جزئی اوس کے مثل نہ ہو تو وہ حیران ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اوس کو دوسری جزئی کا سہارا نہیں مل سکتا کہ یہ کہ سکے کہ یہ فلاں چیز کے جیسی ہے اسی وجہ سے خدا تعالیٰ کی ذات کا ادراک نہیں کر سکتی۔ کیونکہ اوس کا مثل نہیں چونکہ حق تعالیٰ نے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ایسا ہی پیدا کیا کہ عالم میں کوئی آپ کا مثل نہیں اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ادراک سے بھی عقل عاجز ہے مگر چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خالق اور مخلوق کے بیچ میں واسطہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور سے آپ کا نور پیدا ہوا۔ اور آپ کے نور سے تمام عالم اسوجہ سے آپ میں دو جہتیں ثابت ہیں۔ تحتانی جہت سے آپ محسوس اور مدرک ہیں اور فوقانی جہت سے آپ کا ادراک ممکن نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وتریٰھم ینظرون الیک وھم لایبصرون یعنے آپ اون کو دیکھتے ہو کہ وہ آپ کو دیکھتے ہیں مگر وہ آپ کو دیکھتے نہیں۔ یعنے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو دیکھتے ہیں مگر درحقیقت دیکھتے نہیں حاصل یہ کہ من جمیع الوجوہ آپ کا ادراک ممکن نہیں کیونکہ کوئی ملک یا بشر اس برزخیت میں آپ کا مثل نہیں ہو سکتا۔ اسمیں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے مثل نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ خالق ہے اور آپ مخلوق مگر یہ کہنا بھی بے موقع نہ ہوگا کہ جس طرح حق تعالیٰ کا کوئی مثل نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مثل نہیں۔ اس صورت میں بعض حضرات صوفیہ نے لیس کمثلہٖ شیءٌ کی تفسیر میں جو لکھا ہے کہ ایک اعتبار سے اوس میں کاف تشبیہ ہے۔ اس تقریر سے اوس توجیہ کا بھی یہ محل ہوسکتا ہے۔ اس تقریر کے بعد اہل انصاف کو یہ سمجھنا آسان ہو سکتا ہے کہ جس طرح حق تعالیٰ نے اقسام

کے اجسام اور اقسام کے نور بنائے اگر ایسا ایک جسم پیدا کرے کہ اوسمیں جسمانیت کے بھی لوازم و آثار ہوں اور نور کے بھی تو کیا تعجب ہے۔ بلکہ ایک جسم ایسا نرالا پیدا کرنے کی ضرورت تھی۔

مواہب میں لکھا ہے کہ صحیح حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتے ہی عالم روشن ہو گیا۔ یہانتک کہ شام کے مکانات مجھے نظر آنے لگے۔ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے جو قصیدہ نعتیہ حضرت کے روبرو پڑھا اس واقعہ کے طرف اسمیں اشارہ ہے وانت لما ولدت اشرقت الارض وضاءت بنورك الافق یعنے جب آپ پیدا ہوئے زمین افق تک آپ کے نور سے روشن ہو گئی۔ اب کہئے کہ عالم میں کوئی ذات ایسی گذری کہ اوسمیں اس قسم کی کوئی بات پائی گئی ہو۔ پھر حضرت کو اپنے پر قیاس کرکے یہ کہنا کیونکر درست ہوگا۔ کہ جس طرح عموماً آدمیوں کو قبل ولادت علم نہیں ہوتا حضرت کو بھی نہ تھا۔ اب اگر ہم کہیں کہ ابرہہ کے واقعہ کا ادراک آپ کو اوسوقت ہو رہا تھا تو بہ نسبت آپ کے اون خصوصیات کے جو ازل سے ابد تک مسلم ہیں یہ کونسی بڑی بات ہو جائے گی۔

حضرت کا پیدا ہوتے ہی سجدہ فرمانا

مواہب میں لکھا ہے کہ ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو میں نے دیکھا کہ آپ سجدہ میں ہیں۔ اور آپ کی انگلی آسمان

کی طرف اوٹھی ہوئی ہے اور :-

طبرانی میں روایت ہے کہ جب آپ زمین پر رونق افروز ہوئے تو سب انگلیاں بند کرکے سبابہ سے اشارہ کررہے تھے جیسے کوئی تسبیح کرتا ہے اور روایت کی گئی ہے کہ آپ پیدا ہوتے ہی بہ لسان فصیح فرمایا۔ لا الٰہ الا اللہ وانی رسول اللہ۔ اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا۔ انتہی ملخصاً

اب کہئے کہ کیا کوئی لڑکا پیدا ہوتے ہی اس قسم کی تہلیل وتکبیر وتسبیح اور تحمید کرتا ہے اس سے ظاہر ہے کہ بے شعوری کے زمانہ میں حضرت کو اعلےٰ درجہ کا شعور اور علم تھا یہانتک کہ اوسی زمانہ میں آپنے رسالت کا دعوےٰ کیا یہ لوازم اوس نور کے تھے جو ہر کمال میں یگانہ روزگار تھا جسکو جسمانیت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابرہہ کے واقعات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ رہے تھے جس طرح حق تعالیٰ فرماتا ہے الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل۔

مواہب میں حلیہ ابو نعیم سے نقل کیا ہے کہ ابو خثیم کہتے ہیں کہ میں نے ابو طالب سے سنا ہے کہ عبد المطلب نے اون سے بیان کیا کہ ایک روز میں حطیم میں سو رہا تھا خواب میں دیکھا کہ ایک درخت اوگا جس کا سر آسمان تک پہونچ گیا اور ڈالیاں مشرق و مغرب میں ہیں۔ اور وہ ایسا منور تھا کہ کبھی

اس قسم کا نور میں نے نہیں دیکھا۔ آفتاب کے نور سے ستر حصہ سے بھی زیادہ روشن تھا دیکھا کہ عرب و عجم اوس کو سجدہ کر رہے ہیں۔ اور ایک جماعت قریش کی اوس کی شاخوں سے لٹک رہی ہے۔ اور ایک جماعت اوسکے کاٹنے کی فکر میں ہے۔ جب وہ اوس کے نزدیک جاتے ہیں تو ایک خوبصورت جوان جو حسن و جمال میں بےنظیر ہے اور ایسی خوشبو اوس کے جسم سے مہک رہی ہے کہ کبھی ایسی نہیں سونگی۔ وہ اون لوگوں کی پیٹھ توڑتا اور آنکھیں اوکھاڑ دیتا ہے میں نے اپنا ہاتھ بلند کیا تاکہ کچھ حصہ اوس سے حاصل کروں۔ مگر نہ پہونچ سکا۔ میں نے کہا یہ کس کے نصیب میں ہوگا۔ اوس جوان نے کہا کہ اون لوگوں کے جو اوس سے لٹکے ہوئے ہیں۔ میں اس خواب سے پریشان اوٹھا اور ایک کاہنہ سے اوس کی تعبیر پوچھی۔ اوس نے کہا کہ تمھاری اولاد میں ایک شخص ہوگا۔ جو مشرق و مغرب کا مالک ہوگا اور لوگ اوس کے فرماں بردار ہو جائیں گے۔ انتہی ملخصاً

عبدالمطلب کو حضرت کی جو صورت بتلائی گئی وہ کس شان و شوکت کی تھی کہ اوس کا احاطہ مشرق و مغرب تک تھا۔ اور روشنی اس درجے کی کہ آفتاب کی روشنی اوس کا سترھواں حصہ بھی نہیں۔ نور نبوی اگر محسوس ہوتا تو اوس کے مقابلہ میں آفتاب کی کبھی وقعت نہ ہوتی۔ اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عالم مثال میں مسجود خلائق ہیں باوجودیکہ حضرت نے آدمیوں کو

سجدہ سے منع فرمایا مگر اوس عالم میں بلا تکلف عرب و عجم نے اون کو سجدہ کیا
بہرحال آپ کا مسجود خلائق ہونا کئی طرح سے ثابت ہے مگر جب حضرت نے
ہمیں منع فرمادیا تو اب جرأت کرنے کی ضرورت نہیں۔

مواہب میں لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے روایت کی ہے کہ
جب اللہ تعالی نے ارادہ فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا
کے پیٹ میں پیدا کرے تو جنت کے دار وغہ رضوان کو حکم دیا کہ فردوس
کھول دیں اور آسمان و زمین میں منادی کرادی گئی کہ وہ نور مخزون و
مکنون جس سے نبی ہادی ہونگے آج کی رات آمنہ رضی اللہ عنہا کے پیٹ
میں قرار پایا ہے۔ وہاں اونکی خلقت تمام ہونیکے بعد لوگوں کی طرف بشیر و نذیر
ہو کر نکلیں گے۔ اور اسی کے قریب قریب کعب احبار سے بھی روایت ہے
اور اوسی رات تمام روے زمین کے بت اوندھے گر گئے۔ اون دنوں
وہاں قحط سالی تھی۔ مگر ولادت باسعادت کے ساتھ ہی زمین سرسبز اور درخت
بارآور ہو گئے اور ہر طرف سے خیر و برکت کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ چنانچہ اوس
سال کا نام اہل عرب نے سنة الفتح والابتهاج رکھا۔ انتہی۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت الفردوس کے دروازے
اوسوقت تک بند تھے۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالم میں
تشریف لاتے ہی کھولدیے گئے۔

جنت الفردوس کا حضرت سے خاص تعلق

مواہب میں لکھا ہے کہ جنت الفردوس تمام جنتوں میں اعلیٰ درجہ کی ہے اور اوسمیں مقام وسیلہ ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے سابق کے لئے جنت الفردوس نہیں کھولی گئی تھی۔ چونکہ حضرت کی امت کے برابر کسی نبی کی امت نہیں ہے اس لئے ممکن ہے کہ جنت الفردوس حضرت ہی کے لئے خاص کردیگئی ہو اور اوس پر قرینہ یہی ہے کہ حضرت افضل المرسلین ہیں۔ اور حضرت کی امت خیر الامم ہے تو انکا مقام بھی دوسروں کے مقامات سے ممتاز اور بہتر ہونا چاہئے۔ اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ حضرت کے اس عالم میں تشریف لانیکے وقت اوس کے کھولنے کا حکم ہوا۔ اس لئے کہ حضرت جبتک اوس عالم میں تھے اعلیٰ درجہ کا تقرب الٰہی حاصل تھا۔ اور جب اس عالم جسمانی میں تشریف لائے تو بمقتضائے آثار ولوازم جسمانی بظاہر اوس عالم سے کسی قدر دور ہوگئے۔ اور پہلے سے یہ امر طے ہوچکا ہے کہ جنت و دوزخ جزائے اعمال ہیں۔ اور اعمال کا وجود اسی عالم جسمانی میں ہوتا ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ تلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون جس سے ظاہر ہے کہ عالم آخرت کا تعلق اس عالم جسمانی سے ہے۔ اسی مناسبت سے جب حضرت اس عالم میں تشریف لائے تو فردوس کا دروازہ کھل گیا اور ایک خاص تعلق پیدا ہوگیا۔

مواہب میں لکھا ہے کہ ابو سعید عبد الملک نیشاپوری نے اپنی کتاب
معجم کبیر میں کعب احبار سے اور ابو نعیم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے
روایت کیا ہے کہ آمنہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جب چھ مہینے حمل
پر گذر گئے تو خواب میں کسی نے مجھ سے کہا کہ اے آمنہ تمھارے حمل میں
ایسے شخص ہیں کہ کل عالموں کے لوگوں سے بہتر ہیں۔ جب وہ پیدا ہوں
تو اونکا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھنا اور اوسوقت تک اپنے حال کو
چھپا رکھو چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ دردزہ تک میرے حال کو کوئی جانتا نہ تھا
اوسوقت میں گھر میں اکیلی تھی۔ کیونکہ عبد المطلب طواف کعبہ کو گئے تھے
میں نے ایک سخت آواز سنی جس سے گھبرا گئی۔ پھر کیا دیکھتی ہوں کہ گویا ایک
سفید پرندہ کا بازو میرے دل پر مسح کر رہا ہے اوس کے ساتھ ہی مجھ پر جو
خوف طاری تھا اور دردزہ کی اذیت تھی سب جاتی رہی۔ اور دیکھا کہ
ایک پیالہ نہایت براق شربت کا رکھا ہوا ہے میں نے اوسے پی لیا جس سے
دور تک منور ہو گیا اور دیکھا کہ اونچی اونچی عورتیں جیسے بنات عبد مناف
ہوتی ہیں میرے اطراف کھڑی ہیں۔ میں تعجب کی راہ سے کہہ رہی تھی کہ انکو
میرا حال کیونکر معلوم ہوا۔ اونھوں نے کہا ہم آسیہ اور مریم بنت عمران ہیں
اور یہ جو ہمارے ساتھ ہیں جنت کی حوریں ہیں۔ اور میں ہر گھڑی دھماکے
کی آوازیں سنتی تھی۔ یکایک دیکھا کہ آسمان و زمین کے مابین دیباج درا

کیا گیا ہے اور ایک شخص کہ رہا ہے کہ اون کو لوگوں کی نگاہ سے بچالو۔ اور کئی شخصوں کو دیکھا جو ہوا میں کھڑے ہیں۔ اون کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں۔ پھر پرندے بہت سے آگئے۔ جن سے میرا حجرہ بھر گیا اونکی چونچیں زمرد کی تھیں۔ اور بازو یاقوت کے۔ اوسوقت خدائے تعالیٰ نے میری بصارت کو کھولدیا۔ جس سے میں نے مشارق و مغارب کو دیکھا اور تین جھنڈے دیکھے۔ اونمیں سے ایک مشرق میں نصب کیا گیا ہے اور ایک مغرب میں اور ایک کعبہ کے اوپر۔ پھر یکبارگی درد ہوا۔ جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوگئے۔ جب میں نے آپ کو دیکھا تو سجدہ میں تھے اور دونوں ہاتھ کے سبابہ آسمان کی طرف بلند ہیں اور اونکی حالت ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کوئی تضرع و زاری کر رہا ہے۔ پھر دیکھا کہ ایک سفید ابر اترکر آپ کو ڈھانپ لیا جس سے آپ میری نظروں سے غائب ہوگئے۔ اور ایک منادی کی آواز سنی جو یہ کہ رہا ہے کہ آپ کو زمین کے مشارق و مغارب میں گشت کراؤ۔ اور دریاؤں میں لیجاؤ تاکہ اون کو نام سے اور نعت سے اور صورت سے سب پہچان رکھیں اور خطیب بغدادی کی روایت میں اسقدر زائد ہے کہ جتنے روحانی اور ملائکہ اور طیور و وحوش ہیں اونپر بھی پیش کرو۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ ابر کھل گیا اور حضرت پیش نظر ہوگئے اوسوقت آپ کے ہاتھ میں ایک سبز حریر لپٹا ہوا تھا جسمیں سے پانی جاری تھا۔

اور ایک شخص کہہ رہا تھا کہ واہ واہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اوس وقت رضوان خازن جنت نے حضرت کے کان میں کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو جائیے کہ کسی نبی کا علم ایسا نہیں ہے جو آپ کو نہ دیا گیا ہو۔ آپ سب انبیا سے علم اور شجاعت میں زیادہ ہو۔ انتہی ملخصاً

اس روایت میں جو مذکور ہے کہ ولادت باسعادت تک حمل کا حال کسی کو معلوم ہی نہ ہوا۔ اس سے اوس مضمون کی تائید ہوتی ہے جو اوپر لکھا گیا کہ حضرت کا جسم ہی نرالا تھا۔ دیکھنے کو تو پورا جسم مگر اوسکا سایہ ندارد۔ حمل میں پورا جسم مکمل۔ مگر شکم مادر میں کوئی تغیر نہیں۔ کسی کو خبر تک نہ ہوئی کہ حمل بھی ہے یا نہیں۔ اور خود والدہ صاحبہ کو اوسکا ثقل محسوس ہوا اگر جسم مبارک معمولی جسم ہوتا تو ثقل اور حجامت کا محسوس نہ ہونا اور اوسکا سایہ نہ پڑنا ممکن نہ تھا۔

اس روایت سے جو رضوان کے بشارت دینے کا مضمون ہے اس سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ولادت شریف کے وقت برابر ادراک تھا۔ مثل اور بچوں کے درجہ حیوانات میں نہ تھے ورنہ رضوان کی یہ حرکت کہ صرف بشارت دینے کے لئے آسمانوں سے حضرت کے پاس آنا فضول اور بشارت دینا لغو ثابت ہوگا جو جلیل القدر فرشتہ کی

شان سے بعید ہے۔ اس سے اوس مضمون کی بھی تائید ہوگئی جو الم ترکیف کے معنی میں ہم لکھ آئے ہیں۔ کہ خدائے تعالیٰ نے لفظ الم تر جو استعمال فرمایا وہ اپنے حقیقی معنی پر ہے ورنہ الم تسمع یعنے کیا آپنے نہیں سنا ارشاد ہوتا۔

تمام زمین اور آسمانوں میں حضرت کو سیر کرایا

اس روایت سے ثابت ہے کہ بمجرد اس کے کہ حضرت اس عالم جسمانی میں تشریف لائے تمام زمین اور دریاؤں اور آسمانوں میں اس غرض سے آپ کو سیر کرائی گئی کہ تمام عوالم آپ کو پہچان لیں۔ کیونکہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو اس عالم میں جو بھیجا مقصود اس سے یہ تھا کہ تمام عالموں پر رحمت فرماوے۔ چنانچہ ارشاد ہے وما ارسلناك الا رحمة للعالمين گویا آپ کی ذات رحمت مجسم تھی۔ رحمت کے مضمون پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو کہ وہ کس قدر وسیع چیز ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے رحمتی وسعت کل شئی

وسعت رحمت

کل شئی میں معدومات بھی داخل ہیں۔ اس لئے کہ ارشاد ہے انما قولنا لشئی اذا اردناہ ان نقول له كن فيكون اس آیہ شریفہ میں جو لفظ شئی مذکور ہے اوس سے مراد وہ شئے ہے کہ ہنوز وجود میں نہیں آئی۔ بلکہ اوس کے موجود کرنے کا ارادہ ہوا۔ اوس سے وجود دینا رحمت ہی کا مقتضی ہے اور اوس کے لوازم وصفات اوسے دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے واعطے کل شئی خلقه ثم هدی یعنے ہر چیز کو اوس کی خلق عطا کی جس کی وہ مستحق ہے آگ کی خلق حرارت ہے جو اوسکو دی گئی۔ اور پانی کی خلق برودت یہ سبب

چیزیں دیکر پھر ہدایت کردیتا ہے کہ اس طرح کام کرنا چاہیئے۔ اسی کا نام فطرت ہے
چنانچہ ہر چیز سے بمقتضائے فطرت کام اور آثار وجود میں آتے ہیں۔ جب
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالموں کے لئے رحمت بنائے گئے اور ہر چیز
بالطبع رحمت الہی کی خواہاں ہے۔ اس لئے ہر چیز اوس رحمت کے دیکھنے کی
مشتاق تھی۔ اس لئے تمام عالم کی خواہش پوری کرنیکے لئے حق تعالی نے
حضرت کے دیدار مبارک سے اون کو مشرف فرمایا۔ یہانتک کہ افلاک کے
تمام ملائک اور بر و بحر کی تمام اشیاء نے آپ کو دیکھ لیا۔ جس سے آپ کی
معرفت بخوبی حاصل ہوگئی۔ اور کل عالم نے آپ کی رسالت کی تصدیق کرلی
اس حدیث کی تصدیق اوس صحیح حدیث سے ہوتی ہے جو خصائص کبری
میں نقل کیا ہے۔

امام احمد اور ابن ابی شیبہ اور دارمی اور ابونعیم نے تخریج کی ہے کہ
جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک بار ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ہمراہ بنی نجار کے باغ کو گئے اوسمیں ایک سرکش اونٹ تھا اوس کی
یہ حالت تھی کہ جو کوئی باغ میں جاتا اوس پر حملہ کرتا۔ حضرت نے اندر جاکے
اوسے بلایا۔ وہ فوراً گردن جھکاکے حضرت کے روبرو بیٹھ گیا۔ حضرت نے
نکیل اوس کی ناک میں ڈالکر اوس کے مالک کے حوالہ کردیا پھر ہم لوگوں
سے فرمایا کہ آسمان سے لیکر زمین تک سوائے نافرمان جن و انس کے ہر چیز

[illegible]

جانتی ہے کہ میں رسول اللہ ہوں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ اونٹ نے سجدہ کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر عرض کی کہ یا رسول اللہ اوس نے پہچان لیا کہ آپ نبی اللہ ہیں فرمایا کہ سوائے کافر جن وانس کے ہر چیز کو یہ معرفت حاصل ہے کہ میں رسول اللہ ہوں انتہی۔

ہر چیز کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہونے کا اظہار یہی سبب ہوا کہ مجرد ولادت شریف تمام عالم میں بہ نفس نفیس تشریف فرما ہوکر اپنی دیدار سراپا انوار سے مشرف فرمادیا جس سے نام کے ساتھ صورت شناسی بھی ہوگئی۔ اس معرفت کا یہ اثر تھا کہ جہاں حضرت تشریف لیجاتے جمادات ونباتات سلام کرتے۔ اور جو حکم ہوتا اوس کو فوراً بجا لاتے۔ اگر خصائص کبریٰ دیکھی جاوے تو معلوم ہو کہ حضرت کے ساتھ تمام اشیاء کا کیا حال تھا۔ چند روایتیں اس سے متعلق ہم نے مقاصد الاسلام حصۂ نہم میں بھی ذکر کئے ہیں۔

غالباً یہ بات سمجھ میں نہ آوے گی کہ تھوڑے سے عرصہ میں تمام عالم کی سیر حضرت نے کیونکر کی۔ اگرچہ اس لحاظ سے کہ کسی آدمی کو ہم نظیر میں پیش نہیں کر سکتے۔ اسکا جواب مشکل ہے مگر تعصب کو چھوڑ کر کوئی نیک نیتی سے سمجھنا چاہے تو چنداں مشکل بھی نہیں۔ پہلے یہ امر غور کرنیکے قابل ہے کہ اگر نور سرعت سے حرکت کرے تو کوئی نادر بات نہیں سمجھی جاتی۔ حالانکہ وہ بھی جسم سمجھا گیا ہے۔ آفتاب سے جو جسم نور نکلتا ہے وہ بھی قابل غور ہے کیونکہ

ایک بڑی قوت کشش مرکز نظام شمسی کی اس کام میں لگی ہوئی ہے کہ چھوٹے بڑے جسموں کو آفتاب کی طرف لاوے۔ یہانتک کہ زمین کو اپنے قابو سے نکلنے نہیں دیتی۔ اگر زمین میں قوت تارک المرکز نہ ہوتی تو آفتاب سے ٹکرا کر ٹکرے ٹکرے ہو جاتی۔ ایسی زور دار قوت شمس نے ایک خفیف جسم نور کو کیوں نہیں کھینچا۔ اگر آفتاب نے چاہا بھی کہ زمین کو اپنے نور سے منور کرے تو قوت کششی کو اپنے فطرت کے لحاظ سے اوس نور کو کھینچ لینے پر مجبور ہونا چاہیے کیونکہ مقتضائے فطرت رک نہیں سکتا قواعد سائنس کے لحاظ سے آفتاب وماہتاب وغیرہ نجوم کا نور جسم ہے۔ اگر کہا جائے کہ کشش جو آفتاب یا دوسرے اجسام میں ہے اوس کا کام یہ ہے کہ جسم کو کھینچے۔ اور نور کے جسم ہونے کو ہم تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اگر وہ جسم ہو تو ہم کسی حجرہ میں کسی نور کو مثلاً دھوپ کو روزنوں کے ذریعہ سے لیں اوس کے بعد روزنوں کو بند کردیں تو چاہیے کہ وہ دھوپ اوسی حالت پر باقی رہے۔ کیونکہ اس جسم نور کو باہر نکلنے کا موقع ہی نہ ملا۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ روزنوں کو بند کرتے ہی دھوپ کا وجود باقی نہیں رہتا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نور جسم نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سائنس نے تسلیم کرلیا ہے کہ وہ جسم ہے چنانچہ علوم طبعیہ کی تاریخ میں لکھا ہے کہ نیوٹن صاحب نے نور کی نسبت یہ رائے قائم کی کہ وہ مادہ کے جو خطوط مستقیم ہیں روشن اجسام سے خارج ہوتا ہے وہ نہایت باریک

ذرّوں کا مجموعہ ہے یعنے وہ ایسے ذروں کی حرکت ہے کہ جب وہ ہماری نگاہوں سے دوچار ہوتی ہے تو ایک ایسا احساس یا تاثیر یا جذبہ پیدا کردیتی ہے جسے ہم روشن کہتے ہیں۔ اہل سائیس جانتے ہیں کہ نیوٹن صاحب کی رائے فن سائیس میں بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھی جاتی ہے اون کی اس تقریر سے نور کا جسم ہونا ثابت ہے کیونکہ وہ نور کو ذرّوں کا مجموعہ کہتے ہیں ذرّہ کیسا ہی باریک ہو جوہر بلکہ جسم ہوگا جیسے دیمقراطیسی اجزا بھی نہایت باریک اور چھوٹے ہوتے ہیں۔ مگر اون کی ترکیب سے بڑے بڑے اجسام بنتے ہیں غرض کہ نور جسم ہے۔

اب اس جسم کی رفتار کا حال سنئے اوسی تاریخ میں لکھا ہے کہ روشنی ایک سکنڈ میں انیس لاکھ میل سفر کرتی ہے اس حساب سے نور ایک منٹ میں گیارا کروڑ چالیس لاکھ مسافت طے کرتا ہے اور برق کی رفتار کی نسبت سائنس نے تسلیم کرلیا ہے کہ وہ ایک منٹ میں پانسو مرتبہ زمین کے گرد گھوم سکتی ہے۔ حالانکہ برق ایک جسم کثیف ہے۔

اسقدر سرعت جو ان اشیاء کے حرکت میں ہے اس کی وجہ غور طلب ہے جن لوگوں کی نظر نفس شئی پر ہے وہ سہولت اسمیں دیکھتے ہیں کہ جو چیز نظر آئے اوسمیں دیکھ لیا جائے کہ کیا کیا چیزیں اوسمیں ہیں۔ اوسکے بعد کہ دیا جائے کہ وہ سب اوس کے لوازم اور مقتضائے صورت نوعیہ ہیں اور اس بحث

کی کوئی ضرورت نہیں کہ آیا خود بخود لوازم بن گئے یا کسی نے بنایا۔ اور حادث چیزوں کا خود بخود بنجانا عقلاً صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اونھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اس عالم کے بعد کسی دوسرے عالم میں جانا نہیں ہے۔ اس لئے اونکی ہمت ہمہ تن اسمیں مصروف رہتی ہے کہ ہر چیز سے ہم کیا کیا منافع حاصل کرسکتے ہیں اوسکو دریافت کریں چنانچہ اسمیں بہت کچھ ترقی کی اور کر رہے ہیں۔

دیکھئے انسان ہی کے جسم سے متعلق کتنے علوم ہیں تشریح اعضا منافع عضا طب۔ حالات کا سہ سر۔ قیافہ خطوط۔ مسمریزم وغیرہ۔ پھر اعضا میں ایک ایک کے حالات اسقدر ہیں کہ انکے مباحث میں کتابیں لکھی گئیں۔ اور آئے دن لکھی جاتی ہیں۔ کیا بے شعور مادہ ایسے غوامض اور منافع پیدا کرسکتا ہے عالم میں ایک ایک چیز ایسی ہے کہ تمام عقلا ملکر ویسی بنانا چاہیں تو ممکن نہیں غرضکہ ادنیٰ تامل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سوائے ایک ذات وحدہ لاشریک لہ کے اتنا بڑا عالم جو بے انتہا صنائع و بدائع سے بھرا ہوا ہے کوئی دوسرا بنا نہیں سکتا۔ اوس کی قدرت ایسی ہے کہ اوس سے کوئی چیز سرتابی نہیں کرسکتی۔ اگر ذرات سے عالم کی تخلیق ہوئی ہے تو اوسی نے اونمیں قابلیت اور استعداد دی۔ اور جس طرح چاہا اون کا ایک مجمع بناکر ایک وصف عطا کیا۔ مثلاً چند ذرات کو روشن کرکے آفتاب چاند وغیرہ بنا دئیے۔

اسی پر تمام چیزوں کو قیاس کر لیجئے ۔ جبتک اوسمیں اتنی قدرت تسلیم نہ کیجائے کہ عالم میں جس طرح چاہتا ہے وہ کرسکتا ہے ۔ تو اس کو خالق سمجھنا بیفائدہ ہے بعض حکما نے جب دیکھا کہ خالق عالم میں نظر آتا ہی نہیں ۔ اسلیئے انھوں نے ایک فرضی نقشہ عالم کا جمع کیا کہ تمام کُرے ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں اور اونمیں قوت تارک المرکز ہے حالانکہ یہ دونوں قوتیں ایسی ہیں کہ محسوس نہ ہوسکیں مگر صرف بات بنانیکے لئے یہ دونوں قوتیں تمام کُرات عالم میں فرض کی گئیں ہیں جنپر کوئی عقلی دلیل قائم نہیں ہوسکتی ۔ اس بحث کو ہم نے کسی قدر تفصیل سے کتاب العقل میں لکھا ہے ۔ اگر خالق عالم تسلیم کر لیا جائے تو ایسی بے بنیاد چیزوں پر عالم کا قیام اور مدار رکھنے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی ۔ دیکھئے حق تعالیٰ نے عالم کواکب کا حال ایک مختصر جملہ میں فرمادیا کُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ یعنے جتنے سیارے ہیں ہر ایک ایک فلک میں تیرتے ہیں ۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ اون کی حرکت کو کشش سے کوئی تعلق نہیں ۔ رہی یہ بات کہ فلک پانی نہیں جسمیں وہ تیرتے ہیں اسکا تحقیقی جواب نہیں دیا جاسکتا اور نہ ایسا سوال کرنا درست ہے ۔ کیونکہ فلک ایسی چیز نہیں ہے کہ اوسکا دور سے پورا پورا ادراک کرسکیں جبتک ہم اوسکو نزدیک سے نہ دیکھ لیں ۔ اوسکے حالات پر پورے طور سے مطلع نہ ہوں ہرگز نہ اوس کا حال بیان کرسکتے ہیں نہ اوسمیں تیرنے کی

کیفیت کہہ سکتے ہیں۔

دیکھئے جب سے آدمی پیدا ہوئے ہوا میں اونکی بود و باش ہے۔ اور آدمیوں میں کروڑوں عقلاء و حکماء گزرے مگر کسی نے اوس کی پوری حقیقت بیان نہیں کی۔ اہلِ سائنس نے ہوا کے اجزا آکسیجن وغیرہ اور ہر ایک کے منافع اور مضار بیان کئے۔ مگر اب تک یہ دعوے نہیں ہو سکتا کہ ہوا کے پورے حالات پر واقف ہو گئے۔ جب قریب کی چیز کی نسبت یہ حال ہوا تو لاکھوں کوس پر کی چیز کا حال کیا معلوم ہو سکے بجز اس کے کہ اٹکل سے کچھ بیان کر دیا جائے۔ مگر یہ بیان قابل اطمینان نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ہم اپنے عالم میں دیکھتے ہیں کہ مختلف انواع و اقسام اوس میں ہیں۔ مگر ہر نوع کی خصوصیت اور لوازم جداگانہ ہیں۔ آگ کی جو خصوصیات ہیں وہ نہ پانی میں پائی جاتی ہیں نہ ہوا وغیرہ میں حیوانات کے خصوصیات اگر دیکھے جائیں تو معلوم ہو کہ نباتات اور جمادات میں ہرگز نہیں پائے جاسکتے۔ پھر جمادات کے اصناف میں جو خصوصیات ہیں وہ ہر سمت کو دوسری سمت سے ممتاز کر دیتے ہیں۔ علیٰ ہذالقیاس جس نوع کے اصناف دیکھئے اوس میں باہم امتیاز تام ہے بلکہ اشخاص میں جو خصوصیات ہیں دوسرے سے پورے طور پر ممتاز کر دیتے ہیں۔ اگر زید کے پورے اوصاف اندرونی و بیرونی لکھے جائیں تو عمرو کے مجموعی اوصاف سے بالکل مغائر ہونگے اور ہر ایک کے حالات کا

مجموعہ دوسرے کے مجموعہ سے بالکل مبائن ہوگا۔ چنانچہ اہل حکمت جدیدہ کے نزدیک مادۂ عالم اجزائے دیمقراطیسیہ ہے جو نہایت چھوٹے چھوٹے اجسام ہیں۔

نیوٹن صاحب جن کی رائے اس زمانہ میں نہایت وقعت سے دیکھی جاتی ہے۔ اونکا مذہب ہے کہ وہ اجزا نہایت سخت ہیں جو کسی طرح ٹوٹنا پھوٹنا اونکا ممکن نہیں۔ ابتدائے آفرینش سے وہ قابل حرکت اور ثقیل ہیں اور ہر ایک میں قوت کششی ہے جو علی الاستقامتہ ایک دوسرے کو زور سے کھینچتے ہیں اور وہ جب باہم مل جاتے ہیں تو قطرہائے آب کی طرح فوراً ملکر ایک جسم ہو جاتے ہیں اور ایک بڑا قطرہ اون سے پیدا ہوتا ہے۔ پھر قوّت حافظہ اشکال حادثہ کی حفاظت کرتی ہے اور بحسب مناسب اون اجسام میں قوت کششی بہ نسبت ذرّات کے زیادہ ہوتی ہے۔ اور جس قدر فاصلہ زیادہ ہو اس قوت کا اثر کم ہو جاتا ہے۔ انتہیٰ

یہاں یہ امر معلوم ہونے کی ضرورت ہے کہ وہ ذرّات یعنے اجزائے دیمقراطیسیہ متصل تھے یا دور دور۔ یہ ممکن نہیں کہ دور دور فرض کئے جائیں اس لئے کہ اوس صورت میں خلا لازم آتا ہے جو محال ہے۔ ہر چند اہل حکمت جدیدہ نے خلا کو جائز رکھا ہے۔ اور اوس پر یہ مشاہدہ پیش کرتے ہیں کہ ایرپمپ سے ہوا کسی ظرف کی خالی کر سکتے ہیں۔ اور جب ہوا بالکل اوس

مقام سے نکل جائے تو خلا رہ جائے گا۔ مگر اب یہ مذہب پرانے خیالات میں داخل ہوگیا ہے تحقیق میں یہ ثابت ہوگیا ہے کہ تمام عالم میں اتھر بھرا ہوا ہے جو نہایت لطیف و سیال چیز ہے۔ جس کے ذریعہ کواکب کی روشنی ہم تک پہونچتی ہے۔ جب تمام عالم میں اتھر بھرا ہوا ہے تو اب نہیں کہہ سکتے کہ وہ ذرّات دور دور تھے کیونکہ اگر وہ دور دور فرض کئے جائیں تو اتھر جو تمام عالم میں بھرا ہوا ہے وہ کہاں سے آگیا۔ آخر اتھر بھی جسم ہے جو انہی ذرّات سے مرکب ہے۔

الغرض یہ ہو نہیں سکتا ہے کہ وہ ذرّات متفرق اور دور دور رہے ہوں اس صورت میں بغیر اس کے چارہ نہیں کہ وہ ذرّات باہم متصل پائے جاتے ہیں اور ناگزیر یہ کہنا پڑے گا کہ ابتدائے آفرینش میں کل ذرّات ایک دوسرے کو چمٹے ہوئے تھے۔ اور تمام عالم ایک جسم متصل واحد تھا۔ اور قوت حافظہ اوس شکل کی حفاظت کرتی تھی۔ جس سے کوئی ذرّہ دوسرے ذرّہ سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ ہر ذرّہ کا مقتضیٰ کشش ہے جس نے سب کو متصل بنا دیا۔ اور کسی ذرّہ میں قوتِ منافرت نہیں جو اوسکو دوسرے سے علیحدہ کرسکے۔

ذرّات میں کسی چیز کے بننے کی صلاحیت نہیں۔ کیونکہ وہ نہایت صلب اور سخت ہیں جو اپنی صورت کو چھوڑتے نہیں۔ اگر وہ اتفاق سے کسی مقام

میں جمع ہوں اور ایک شکل وہاں بن جائے تو سوائے اس کے کہ اونکا نام
تہ رکھا جائے کوئی چیز ایسی نہیں بن سکتی جسمیں اون کے ذاتی اوصاف
یعنے صلابت وحدت کی کوئی بات پیدا ہو۔ دیکھئے پہاڑ جب سے پیدا ہوئے
ہیں ایک حالت پر ہیں۔ تمادی ایام سے یہ نہیں ہوا کہ دوسری صورت
قبول کریں کیونکہ اون کے اجزا میں دوسری صورت کو قبول کرنے کی صلاحیت
ہی نہیں۔ بخلاف اس کے کہ جن چیزوں میں رطوبت ہوتی ہے وہ اپنی
صورت کو چھوڑ کر دوسری صورت کو قبول کرسکتے ہیں جیسے انڈے وغیرہ۔
کہ اونمیں حیوانی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔

حدائق النجوم میں نیوٹن صاحب کا قول نقل کیا ہے کہ ہر ذرہ جس طرح
ازل میں پیدا ہوا ہمیشہ اوسی حالت پر ہے اور رہے گا۔ قدرت بشری
اوسمیں کسی قسم کا تغیر نہیں پیدا کرسکتی اب کہئے کہ ایسی چیز سے جسمیں کسی قسم
کی صلاحیت ہی نہیں بے انتہا مخلوق کیونکر بن سکتی ہے۔ ان ذرات کو
نہ حس ہے نہ ادراک۔ اگر اون سے آدمی بنا ہو تو اوسمیں ادراک کہاں سے آگیا
اگر وہ جمع ہوکر آدمی کا پتلا ہوگئے تو اس سے زیادہ اوسمیں کوئی بات نہوگی
کہ پتھر سے جو بت بنایا جاتا ہے اوس کے مثل ہوجائیگا۔ پھر اس سے بمرور
زماں کیا وہ بت بالکل آدمی بن سکتا ہے ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ اوسکے
اجزا میں رطوبت ہوتی ہی نہیں کہ دماغ دل جگر وغیرہ وغیرہ اعضا بن سکیں جو

خاص کاموں کے لئے موضوع ہیں۔

غرض کہ اگر مادہ عالم ذرّات یعنے اجزائے دمیقراطیسیہ ہوں تو لازم آتا ہے کہ عالم ایک مُصمّت کرہ ہو۔ اور پورے کرہ کی ایک شکل بنی ہو نہ اوس میں نجوم ہوں نہ عناصر نہ مولدات وغیرہ۔ کیونکہ جسم جن اجزا سے مرکب ہوگا وہ انہی اجزا کی جنس سے ہوگا۔ اگر اجزا کثیف ہیں تو وہ کثیف ہوگا اور لطیف ہیں تو لطیف۔

الغرض وہ ذرّات اگر لطیف ہیں تو عالم کو لطیف ہونا چاہئے اور کثیف ہیں تو کثیف۔ حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم میں کوئی کثیف ہے اور کوئی لطیف اور کوئی روشن ہے تو کوئی تاریک اور کوئی سرد ہے تو کوئی گرم اور کوئی خفیف ہے تو کوئی ثقیل اور کوئی سفید ہے تو کوئی سیاہ اور کوئی خوشبودار ہے تو کوئی گندہ علیٰ ہذا القیاس متضادّہ اوصاف اشیاء میں پائے جاتے ہیں حالانکہ اونکا کوئی منشا نہیں اس لئے کہ باہمی کشش کا مقتضیٰ یہ ہے کہ کل کی مجموعی شکل ایک ہے کیونکہ اون ذرّات کو اسقدر مہلت ہی نہ مل سکی کہ صور نوعیہ وغیرہ کو بناتیں جو منشاء آثار مختلفہ ہوسکیں امور مذکورہ بالا پر غور کرنے سے منکشف ہوسکتا ہے کہ ہمارا یہ عالم تو صرف ذرّات سے ہرگز نہیں بن سکتا۔ ہاں اگر خدا تعالیٰ خالق ذرّات مان لیا جائے تو عقلی طور پر ذرّات کے ماننے اور اوس سے عالم کے بننے میں چنداں دشواری نہ ہوگی۔

اب ہم ان دلائل سے قطع نظر کر کے کہتے ہیں کہ اگر اون ذرات سے آفتاب وغیرہ کروں کا بننا تجویز کیا جائے تو اس پر کوئی دلیل قائم نہیں ہو سکتی کہ کل کرے وقت واحد میں بن گئے۔ بلکہ اگر اوس کے خلاف میں دعویٰ کیا جائے تو چنداں بے موقع نہ ہوگا اس لئے کہ تمام کروں کی مقداریں متفاوت ہیں آفتاب زمین سے ۱۳۹۹۲۳ حصے بڑا ہے علیٰ ہذا القیاس دوسرے کرے بھی چھوٹے بڑے ہیں تو جس زمانہ میں کہ پوری بنگی ممکن نہیں کہ آفتاب مکمل بن گیا ہو کیونکہ اتنے ذرّات جو زمین سے ۱۳۹۹۲۳ حصے زیادہ ہوں تھوڑی مدت میں جمع نہیں ہو سکتے۔ بظاہر قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ آفتاب چونکہ تمام کرات نظام شمسی کا مرکز ہے سب سے پہلے بنا ہوگا پھر اوس کے توابع یعنے دوسرے سیّارے جو نظام شمسی سے متعلق ہیں۔ کیونکہ اون تمام کا مدار شمس ہی پر ہے۔ پھر اون کرات کے بننے کا یہ طریقہ بیان کیا گیا ہے کہ ذرّات ایک جگہ جمع ہوتے ہیں جس سے ایک صورت خاص شخصی بنتی ہے اور سخت اختلافات ترکیبات و تالیفات کے بعد وہ اشخاص مزاجیں وغیرہ پاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ سیارات وغیرہ کا بننا تدریجی ہے دفعتاً کوئی چیز نہیں بنتی اور یہ امر قابل تسلیم بلکہ بدیہی ہے کہ تھوڑے اجزا میں جو قوت ہوگی وہ بہ نسبت زیادہ اجزا کے کم ہوگی۔ دیکھئے دس پندرہ بالوں کی رسی بنائی جائے تو اوس میں ایک قسم کی قوت ہوگی۔ پھر اوسی پر

ہزار ہا بال مثلاً بڑھا کر ایک رسی بنائی جائے تو وہ ایسی مستحکم اور قوی ہوگی کہ
ہاتھی کی قوت پر بھی اوس کی قوت غالب ہوگی اور یہ مقدمہ مسلمہ ہے کہ
آفتاب کا بہت بڑا جسم ہے جس کا قطر ۲۶۹۳۰ میل ۱۱۱ حصہ اور زمین کا قطر
۷۹۶۴ میل کا ہے۔ اب یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ جس زمانہ میں ذرات
جمع ہو کر زمین کو بنا رہے ہونگے وہ نظام شمسی کے حدود سے خارج نہ ہونگے
بلکہ آفتاب کے احاطہ کشش کے اندر ہونگے اور مقتضائے قوت کششی یہ ہے
کہ جو چیز اوس کے احاطہ میں ہو بشرط عدم مانع فوراً وہ کھنچکر اوس جسم تک
پہونچ جاتی ہے جسمیں قوت کششی ہے۔ دیکھ لیجئے مقناطیس کے حدود کششی میں
اگر سوئی مثلاً رکھ دی جائے تو وہ اوڑکر مقناطیس سے چمٹ جاتی ہے
اس صورت میں یہ ضرور کہنا پڑے گا کہ زمین کے مقام پر جتنے اجزا جمع ہوتے
گئے اون کو آفتاب فوراً کھینچ لیتا گیا اور زمین کی جانب سے کوئی مدافعت
ممکن نہیں کیونکہ قوت تارک المرکز جو اسوقت زمین میں خیال کیجاتی ہے۔
وہ اس مقدار خاص کے بننے کے بعد ہے۔ جسمیں آفتاب کی قوت کے ساتھ
مقاومت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے اور در اصل قوت تارک المرکز
پیدا ہونے کا یہاں کوئی سبب ہی نہیں اس لئے کہ تسلیم کیا گیا ہے کہ
آفتاب اور زمین ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں اور اسوقت کوئی چیز ایسی
مفروض نہیں ہے کہ زمین کو کھینچے جس سے زمین کشاکشی میں پڑکر کچھ آفتاب

کی طرف مائل ہو اور کچھ اوس تیسرے جسم کی طرف۔ بہر حال خواہ زمین اپنے جسمانی
معین مقدار تک پہونچے یا نہ پہونچے صورت مفروضہ میں ممکن نہیں کہ زمین کو
آفتاب کی جانب جانے سے کوئی چیز روک سکے علیٰ ہذا القیاس تیسرا کرہ بنا
شروع ہوا تو اوسمیں بھی اوسیوقت قوت تارک المرکز پیدا ہو سکتی ہے کہ دونوں
کروں کے بیچ میں وہ جسم تحمیل ہو کر معلق رہے۔ اسی طرح کل کرات نظام شمسی
کی حرکت تارک المرکز کا ابطال ہو سکتا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کل کرات
کو آفتاب کھینچ کر سب کو آفتاب بنادے اور کشش سے جو غرض ہے یعنے اتصال
پوری ہو جائے اور اس عالم میں سب فنا ہو کر صرف آفتاب ہی آفتاب رہجائے
اگر اہل انصاف ذرا غور کریں تو صاف طور پر منکشف ہو سکتا ہے کہ مادہ
کسی طرح خالق نہیں ہو سکتا اگر ایسا ہو تو تمام کاموں میں بڑی سہولت ہو جائے
اگر مکان مثلاً بنانا ہو تو صرف اوسکا مادہ یعنے لکڑی پتھر چونا وغیرہ فراہم کر دینا
کافی ہو جائے حالانکہ کوئی نظیر دنیا میں نہیں ملسکتی کہ مادہ نے کسی چیز کو بنا دیا
ہو۔ حکما نے تسلیم کر لیا ہے کہ ہر چیز کی پیدائش میں چار علتوں کو دخل ہے
علت ۱ مادی جیسے تخت کے لئے لکڑی وغیرہ۔ علت ۲ فاعلی جیسے نجار۔ علت ۳ صوری
جو اجتماع مادہ سے صورت مشکل ہو جاتی ہے۔ علت ۴ غائی جو فاعل اس کے
بنانیکے وقت کوئی غرض اپنے ذہن میں رکھتا ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں عالم
میں انسان ہو یا حیوان جو چیز بناتا ہے اسمیں چاروں علتیں ضرور پائی جاتی ہیں

تو اتنا بڑا عالم تیار ہونا اور اوس کے لئے صرف ایک مادہ کافی ہو جانا کیا ممکن ہے حالانکہ اسمیں کیسی کیسی صنعتیں رکھی ہوئی ہیں۔ جن کا سمجھنا مشکل ہے دیکھئے ہزارہا گذشتہ سالوں میں کروڑہا عقلا اور حکما گزرے مگر ابتک ہر چیز میں نئی نئی صنعتیں اور مصلحتیں نکلتی جارہی ہیں اور کوئی دعویٰ نہیں کرسکتا کہ انکی پوری تحقیق ہوگئی۔ جس فلاسفر سے پوچھئے کہ تم نے جو جو نئے معلومات حاصل کئے کیا اب انکا خاتمہ ہوگیا وہ ہرگز نہیں کہہ سکتا بلکہ یہی کہے گا کہ ہنوز دلّی دور ہے اس مقام میں عالم سے متعلق چند علوم کا ذکر مفتاح السعادت وغیرہ سے کیا جانا مناسب سمجھا گیا جس سے معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے عجائب وغرائب اسمیں ودیعت رکھے گئے ہیں۔

علم طب جسمیں بدن انسان کا حال ذکر کیا جاتا ہے۔ بقراط نے اس فن کو مدوّن کیا اس فن کے کئی شعبے ہیں۔

علم تشریح جسمیں اجزائے بدن اور اس کی ترکیب سے بحث ہوتی ہے اس فن کے دیکھنے سے قدرتِ خدا معلوم ہوتی ہے کہ کیسی کیسی حکمتیں اسمیں رکھی ہیں۔ اگر ایک عضو کے حالات لکھے جائیں تو ایک ضخیم کتاب ہوجائے اور ہنوز ناتمام رہے۔

علم الفراستہ۔ اس علم کے بھی بہت سے شعبے ہیں۔

علم الشامات والخیلان اس علم میں خالوں سے متعلق بحث ہوتی ہے

کہ کس مقام پر ہوں تو انسان کے اخلاق موجودہ بحسب فطرت کس قسم کے ہونگے دیکھیئے خال کا وجود جسم انسان پر ایک اتفاقی امر معلوم ہوتا ہے۔ مگر خالق عزوجل نے اونکو بھی عبث نہیں پیدا کیا۔ بلکہ انمیں اور فطرتی اخلاق وغیرہ میں ایک ربط اور تعلق خاص عطا فرمایا ورنہ کجا نقطۂ سیاہ اور کجا سعادت وشقاوت۔

علم الاساریر۔ اس فن میں اون خطوط کے متعلق بحث ہوتی ہے۔ جو ہتیلیوں اور قدموں اور پیشانی پر ہوتے ہیں کہ کس قسم کا خط ہو تو انسان سعید یا شقی اور غنی یا فقیر ہوگا۔ ہتیلیوں وغیرہ کے خطوط کے دیکھنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یوں ہی اتفاقاً بن گئے ہیں مگر وہ بھی بیکار نہیں۔ اس فن سے جو لوگ واقف ہیں وہ ان خطوط کو دیکھ کر احکام لگا دیتے ہیں کہ اوسکے سعادت وشقاوت کی کیا حالت ہے اور عمر کی کمی زیادتی بھی تبلا دیتے ہیں اور بیماریوں کی حالت سے خبر دیتے ہیں گویا یہ خطوط کارنامۂ تقدیر ہیں جو ہر انسان کے ہاتھ میں دیدیا گیا ہے۔

علم الاکتاف۔ اس علم میں اون خطوط اور اشکال سے بحث کیجاتی ہے جو بکری کے شانوں کی ہڈی میں رہتے ہیں۔ اس فن کا واقف شخص جب ہڈی کو آفتاب کے مقابل کر کے دیکھتا ہے تو تمام عالم میں جو واقعات ہونیوالے ہیں مثلاً قحط۔ ارزانی اور جنگ وغیرہ آنیوالے حالات کو بیان کردیتا ہے یہ علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے۔ مدینۂ طیبہ میں میرے ایک

دوست نے جن کے صدق بیان میں مجھے کوئی شک نہیں او نھوں نے مجھ سے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا کہ ایک شخص یہاں اس فن کا واقف آیا تھا اوس نے کتف دیکھ کر بہت سے آئندہ کے حالات دوسرے شہروں کے بیان کئے اوس کی تصدیق کے لئے امتحاناً پوچھا گیا کہ کل یہاں کوئی نیا واقعہ ہونیوالا ہو تو اوس کی خبر دیجائے۔ اوس نے کہا کہ کل فلاں وقت یہاں ایک سخت ہوا چلے گی۔ جس سے پریشانی پیدا ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب غور کیجئے بھیڑ بکری کے شانہ کی ہڈی میں خدائے تعالیٰ نے وہ صفت رکھی جو جام جم میں کہی جاتی ہے۔ جب ایسے معمولی جانوروں میں ایسے علوم ودیعت رکھے گئے ہیں تو انسان جو اشرف المخلوقات ہے اوسمیں کیا کیا نہونگے۔ مگر یہ سربستہ راز قدرت ہیں ہر شخص ان پر مطلع نہیں ہوسکتا۔ حق تعالیٰ جسکو چاہتا ہے اون کو عطا فرماتا ہے۔ اب غور کیجئے کیا بغیر خالقِ عالم کے ارادہ کے کیا ممکن ہے کہ مادہ سڑ گل کر ایسے علوم کو اپنے میں ایجاد کرسکے۔

مفتاح السعادت کے علم حیوان میں لکھا ہے کہ عرب اندلس میں ایک جانور ہوتا ہے کہ اگر اوس کے اوپر کا حصہ کوئی کھائے تو اوسکی خاصیت یہ ہے کہ علم نجوم اوسکو حاصل ہوتا ہے اور اگر درمیانی حصہ کھائے تو علم نباتات اور اس کے دُم کے پاس کا گوشت کھائے تو پانی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ کہ کس زمین میں کتنی دور پانی ہے زمین کو دیکھتے ہی کہدیگا۔ انتہی

دیکھئے گوشت میں یہ تاثیر کیونکر آسکتی ہے کہ اس کے کھاتے ہی افلاک اور زمین کے پوشیدہ حالات معلوم ہوں۔

علم العیافہ انسان کے قدم اور اونٹ گھوڑوں کے سموں سے جو نشان راستوں میں پڑتے ہیں اونکا حال اس علم میں بیان کیا جاتا ہے۔ یہانتک کہ اس علم کا واقف عورت اور مرد اور بچے اور بوڑھے کے نقش قدم میں فرق کرلیتا ہے اور اون پر احکام لگا سکتا ہے۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ نقش قدم پر کس طرح احکام لگائے جاسکتے ہیں مگر جب یہ ایک فن ہی ہوگیا ہے جس کے واقف کار موجود ہیں تو اس کا انکار بھی نہیں ہوسکتا۔ ایسے امور سے خدائے تعالیٰ کی قدرت کی توسیع معلوم ہوتی ہے کہ کیسے کیسے راز سربستہ ادنیٰ ادنیٰ چیز میں رکھے ہیں۔ آدمی ان تمام امور میں کہانتک غور کرسکے۔

قابل افسوس یہ امر ہے کہ ان تمام امور کو نظر انداز کرکے ایک موٹی بات کہہ دیجاتی ہے کہ صلاحیت مادہ ان امور کے ظہور کا سبب ہوتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی شان میں حق تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ۔

علم قیافۃ البشر دو شخصوں میں نسبی تعلق۔ ہیئت اعضا اخلاق و احوال سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ اس علم میں بیان کئے جاتے ہیں۔ اس علم کے ساتھ عرب کو خاص طور پر طبعی مناسبت ہے۔ چنانچہ مباحث طبیہ میں ثابت ہوچکا ہے،

کہ اولاد میں ماں باپ کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔ خواہ امور ظاہرہ ہوں یا پوشیدہ۔ اس مناسبت کو پہچاننا ہر شخص کا کام نہیں۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے۔ اور وہاں اسامہ رضی اللہ عنہ اور اون کے باپ زید رضی اللہ عنہ چادر اوڑھے ہوئے سو رہے تھے۔ صرف اون کے پاؤں کھلے ہوئے تھے۔ ایک قیافہ داں آیا جب اوس کی نظر اون کے قدموں پر پڑی تو کہا کہ ھذہ الاقدام بعضہا من بعض یہ سن کر حضرت نہایت خوش ہوئے اس لئے کہ مشرکین اسامہ رضی اللہ عنہ کے نسب میں طعن کرتے تھے۔

علم الریافہ۔ اس سے پانی کا حال معلوم ہوتا ہے کہ زمین میں کتنے دور پر پانی ہے اور پانی زیادہ ہے یا کم۔ ملک دکن میں بعض مقامات پر اس علم کے جاننے والے موجود ہیں۔ جہاں کنواں کھدوانے کی ضرورت ہوتی ہے وہ بلوائے جاتے ہیں۔ اور پورے پورے حالات بتلا دیتے ہیں اور جب وہاں پانی ان کے کہنے کے مطابق نکلتا ہے تو ان کو کچھ دیدیا جاتا ہے۔ جو حالات ان لوگوں سے سنے گئے ہیں وہ نہایت حیرت انگیز ہیں۔

بارش کا علم۔ اس علم میں برق اور ابر اور ہواؤں سے استدلال کیا جاتا ہے کہ پانی کب برسے گا۔ اور کتنا برسے گا۔

ترک میں اس علم کے واقف کار لوگ ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہے کہ

جہاں چاہیں پانی برسائیں۔ اور جب چاہیں پھیر دیں۔ یہ بات انکو کسی منتر کی وجہ سے حاصل ہے یا اور کسی اسباب سے۔ اب اس قسم کے لوگ ہمارے ملک میں بھی سُنے جاتے ہیں جن کو گاربکار کہتے ہیں۔

علم عرافہ۔ اس علم میں حوادثِ موجودہ سے حوادثِ آئندہ پر استدلال کیا جاتا ہے۔ دونوں امور میں پوشیدہ مناسبت ہوتی ہے جس پر ہر شخص مطلع نہیں ہوسکتا۔

حکایت ہے اسکندر بلادعراق میں داخل ہوا تو اس کا گزر ایک عورت پر ہوا جو کپڑا بُن رہی تھی بادشاہ سے اوس نے کہا اے بادشاہ بڑا طویل وعریض ملک تجھ کو دیا گیا۔ اس کے بعد پہلے بادشاہ کا بھی اس عورت پر گزر ہوا۔ اس سے اوس عورت نے کہا تمھارے ملک پر اسکندر غالب ہو جائیگا بادشاہ اس پر غضبناک ہوا۔ اس سے کہا کہ غصہ نہ کیجئے۔ بعضے نفوس ایسے ہیں کہ آئندہ ہونیوالے کاموں کو پیشتر دیکھ لیتے ہیں۔ جب سکندر کا گزر مجھ پر ہوا تو میں ایک طویل وعریض کپڑا بننے کی تدبیر کر رہی تھی۔ اور جب آپ آئے تو میں اوس کے بننے سے فارغ ہوکر اس کو کاٹنے کا ارادہ کرلی تھی۔ غرض جس طرح اوس نے کہا ایسا ہی ہوا۔

حکایت ہے کہ ہارون رشید کے زمانہ میں ایک نابینا فن رجم وفال میں جو علم عرافہ سے متعلق ہے مشہور تھا اس کی عادت تھی جو سوال اس سے

کیا جاتا اس کا جواب اس بات سے نکالتا جو سوال کے بعد کہی جاتی۔ ہارون رشید کے خزانہ سے بہت سی چیزوں کا سرقہ ہوا۔ بادشاہ نے اس نابینا کو بلوایا اور سب لوگوں کو حکم کیا۔ کہ سوال کے بعد کوئی بات نہ کہے چنانچہ سوال کے بعد سب ساکت تھے۔ اور نابینا منتظر تھا کہ کوئی بات کرے مگر جب وہ ناامید ہوا اور ہاتھ دراز کرکے ٹٹولنا شروع کیا۔ کھجور کے گٹھلیوں پر اوس کا ہاتھ پڑا اور ساتھ ہی کہہ دیا کہ جو چیز چرائی گئی وہ موتی اور یاقوت زمرد تھے۔ ہارون نے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں۔ کہا کنویں میں جب تلاش کی گئی تو فی الواقع کنویں سے موتی وغیرہ برآمد ہوئے ہارون متحیر ہوا۔ اور دریافت کیا کہ کس طرح پہچانا۔ کہا کھجور کی جب گٹھلیاں ملیں تو میں نے خیال کیا کہ اس سے پہلے سفید طلاع نکلتا ہے۔ جو موتی کے جیسا ہوتا ہے۔ پھر وہ بُسر ہوتا ہے اُسکا رنگ سبز ہوجاتا ہے جو زمرد کے جیسا ہوتا ہے۔ پھر رطب سُرخ ہوتی ہے جس کا رنگ یاقوت کے جیسا ہوتا ہے پھر جب تم نے سوال کیا کہ مسروق کہاں ہے تو اوسوقت ایک ڈول کی آواز آئی میں سمجھا کہ کنویں میں ہے۔ اور اوس کی فراست سے خوش ہوکر بہت سا مال اوس کو عطا کیا۔ اور اسی قسم کے حکایات ابومعشر سے کئے گئے ہیں کہ وہ اور اوس کا رفیق ایک قیدی کو چھڑانیکے لئے جارہے تھے راستہ میں اس فن کے جاننے والے کے پاس جاکر کھڑے ہوگئے اوس نے کہا کہ تم ایک قیدی کو چھڑانیکے لئے جارہے ہو۔ اس سے اُن کو تعجب ہوا

ابومعشر نے کہا یہ تو بتاؤ وہ چھوٹے گا یا نہیں کہا تم جب جاؤگے تو اس سے ملاقات ہوگی۔ اس حالت میں کہ چھوٹ گیا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابومعشر نے اس شخص کے پاس آکر حال دریافت کیا۔ کہا کہ ہم لوگ آنکھ اور نظر سے فال لیا کرتے ہیں اس طرح سے کہ زمین کی طرف دیکھتے ہیں پھر سر اوٹھا کر دیکھتے ہیں۔ پہلی نظر جس چیز پر پڑتی ہے اس پر حکم لگاتے ہیں۔ چنانچہ تم لوگ جب میرے پاس آئے میری نظر مشک پر پڑی جسمیں پانی تھا۔ میں نے کہا کہ وہ محصور ہے۔ پھر تم نے دوسرا سوال کیا تو دیکھا کہ پانی مشک سے نکل گیا تھا میں نے خیال کیا کہ وہ چھوٹ جائے گا۔

حکایت ہے مہدی نے ایک روز خواب دیکھا اور وہ یاد نہ رہنے کی وجہ سے غمگین تھا۔ کسی نے کہا کہ ایک شخص جس کا نام خویلد ہے علم زجر اور فال میں نہایت کمال رکھتا ہے بادشاہ نے اوسکو بلا کر مقصود بیان کیا اوس نے کہا اے امیرالمومنین صاحب زجر و فال لوگوں کی حرکات کے طرف دیکھتا ہے۔ مہدی غصہ میں آکر کہا سبحان اللہ تم لوگوں کی عجب حالت ہے ایک علم ذکر کرتے ہیں اور نہیں جانتے وہ کیا ہے۔ اس گفتگو میں بادشاہ نے اپنے سر اور منہ پر ہاتھ پھیر کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔ یہ دیکھتے ہی اوس نے کہا کہ اے امیرالمومنین اب میں آپ کا خواب بیان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپ پہاڑ پر چڑھے تھے مہدی نے کہا اے جادوگر تو نے سچ کہا۔ اس نے کہا

اے امیرالمومنین میں جادوگر نہیں ہوں۔ مگر بات یہ ہے کہ آپ نے جب ہاتھ
سر پر رکھا تو میں نے اوس سے یہ بات نکالی کہ سر جسم میں سب سے اوپر ہے
میں اوس سے سمجھا کہ آپ پہاڑ پر چڑھے تھے۔ جب آپ نے پیشانی پر ہاتھ
اُتارا تو میں نے اوس سے یہ مراد لی کہ آپ ایسی زمین پر اترے کہ جہاں دو
کھارے چشمے تھے پھر جب آپ نے اپنی رانوں پر ہاتھ مارا تو میں سمجھا کہ
آپ سے ایسا شخص ملا تھا جو قبیلۂ قریش سے تھا۔ بادشاہ نے اوس کی
تصدیق کرکے بہت سا مال دیا اور اسے اپنے پاس رکھا۔ انتہیٰ

اس علم کے نہ کوئی مبادی ہیں نہ مقاطع۔ قواعد ہیں تو ایسے مہمل کہ ان سے
ممکن نہیں کہ کوئی علم حاصل ہو سکے۔ دیکھئے کہاں سر پر ہاتھ رکھنا اور پہاڑ پر چڑھنا
اور کہاں ران پر ہاتھ مارنا اور قریش سے ملاقات ہونا ممکن نہیں کہ اوستاد
کی تعلیم سے یہ علم حاصل ہو سکے۔ مگر جب اس کے ماہروں کے نزدیک اسکا
وجود ثابت ہو چکا تو یہی کہنا پڑے گا کہ مناسبت طبعی پر اسکا مدار ہے کہ
کسی چیز کو دیکھنے سے ذہن واقعات کے طرف منتقل ہو جاتا ہے در اصل
یہ ایک عطیۂ الٰہی ہے جس کو چاہتا ہے اوس کو ہدایت کر دیتا ہے۔ اور
اوس کا ذہن کسی دوسری چیز کی طرف منتقل ہوتا ہی نہیں۔ اب کہئے کیا مادہ
میں ایسے امور کی صلاحیت ہو سکتی ہے۔ عقل کی رو سے تو اجزائے طبیہ اور مفردات
جو اجسام ہیں انہیں ان غوامض امور معنویہ تک رسائی ممکن ہی نہیں معلوم ہوتی

علم اختلاج مفتاح السعادۃ میں لکھا ہے کہ اس علم میں اعضا کے پھڑکنے کے وہ احوال بیان کئے جاتے ہیں کہ کسی عضو کے پھڑکنے سے آئندہ کن امور کا وقوع ہو گا۔ سر سے پاؤں تک حتی کہ اعضا میں ہر ایک کے پھڑکنے سے خاص خاص وقائع آئندہ کا حال معلوم ہوتا ہے۔ یہ گویا وقائع آئندہ پر مطلع کرنے کا ذریعہ ہے۔ بظاہر کوئی مناسبت دونوں میں نہیں مگر چونکہ وہ غیر معمولی اور غیر اختیاری حرکت ہے اوس سے کوئی غرض و غایت ضرور ہوگی۔ اس سے عقلا کو توجہ ہوئی اور اپنے اپنے تجربوں سے یہ حکم لگا دیا کہ فلاں عضو کی حرکت فلاں قسم کے وقائع آئندہ پر دلالت کرتی ہی یہ تو میرا بھی تجربہ ہے کہ جب کوئی غیر معمولی طور پر روپیہ ملتا ہے تو ایک دو روز پیشتر ہتیلی کھجلاتی ہے اگر زور سے کھجلائے تو زیادہ روپیہ جلد ملتا ہے میں حیران ہوتا ہوں کہ خود مجھے اسکا علم غیب نہیں ہتیلی کو کہاں سے آگیا مگر تسکین اس امر سے ہوتی ہے کہ ہتیلی بے شعور محض ہے۔ خدائے تعالیٰ کو جب اطلاع دینا منظور ہوتا ہے تو ہتیلی میں کوئی مادہ ایسا پیدا کر دیتا ہے کہ اوس سے خراش ہو جو باعث توجہ نفس ہے۔ اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اب ہمیں کچھ عنایت ہونیوالا ہے۔ ایک بزرگ کے حال میں دیکھا گیا کہ جب کبھی کھانا ناجائز یا مشتبہ پیش ہوتا تو ان کی انگلی کی رگ حرکت کرنے لگتی جس سے وہ متنبہ ہو کر اوس کھانے سے احتراز کرتے غرض کہ جن

چیزوں کی اطلاع ہونا ضروری ہے اونکو مختلف طریقوں سے اطلاع دیدیتا ہے اور جس ذریعہ سے اطلاع دیجاتی ہے ہرچند عقلی طور پر وہ قابل اعتماد نہیں سمجھا بلکہ عقل اوسمیں بہت کچھ کلام کرتی ہے کہ غیر معمولی احساس اعضائے جسم میں رہنے والی چیزوں سے متعلق ہے مثلاً ہوا یا اور کوئی مادہ اوسکو غیبات اور آئندہ کے واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔

علم احکام النجوم۔ اسمیں افلاک اور کواکب کے تشکلات اور اوضاع باہمی سے استدلال کیا جاتا ہے کہ آئندہ دنیا میں کیا کیا واقعات پیش آنے والے ہیں۔ اس فن میں بہت سی کتابیں ہیں۔ اور یورپ و آشیا میں اس کے ماہر اکثر ہیں ہرچند یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نجومی واقعات آئندہ کی نسبت جو حکم لگاتا ہے وہ یقیناً صحیح ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ کل احکام غلط ہوتے ہیں۔ اسمیں شبہ نہیں کہ بلحاظ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ مگر اہل یورپ کے بعض فلاسفروں نے اس طرف بھی توجہ کی کہ روح کیا چیز ہے اور وہ بعد موت باقی رہتی ہے یا نہیں ایک مدت کی تحقیق میں اون پر یہ ثابت ہوگیا کہ انسانی روح باقی رہتی ہے۔ چنانچہ لاکھوں اہل یورپ اسکے قائل ہوگئے اور ہوتے جاتے ہیں جس کا حال ہم نے مقاصد الاسلام کے کسی حصہ میں لکھا ہے۔

جب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ عالم کو پیدا کرنیوالا بھی کوئی ہے تو یہ تسلیم کرنا

پڑیگا کہ ہر چیز کو اوس کے لوازم و اسباب و آثار کے ساتھ پیدا کرنیوالا بھی ہی ہے اس صورت میں برق یا نور کی حرکت میں سرعت دینا بھی اوسی کا کام ہے اگر وہ چاہے تو نور اور برق کی حرکت کو سلب بھی کر سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تھوڑے عرصہ میں تمام عالم کی سیر کرائی اگرچہ عادت کے لحاظ سے محال معلوم ہوتا ہے مگر عقل کی روسے کوئی قابل تعجب بات نہیں ہے اگر نور ایک منٹ میں گیارہ کروڑ چالیس لاکھ میل کی مسافت طے کرتا ہے تو حضرت تو ان تمام معمولی نوروں کے بھی اصل ہیں اگر اوس سے زیادہ تر مسافت طے فرما دیں تو کیا تعجب ہے خلاف عادت کو خلاف عقل سمجھنا فہم کی غلطی ہے اس غلطی پر روایتوں کو غلط سمجھنا وہ تمام مستند علما جن کی تمام لکھی ہوئی باتیں مسلمانوں کا سرمایۂ علم و ایمان ہے اون کو بے وقوف یا جھوٹے قرار دینا مسلمان کی شان سے بعید ہے۔

اس روایت میں جو مذکور ہے کہ حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا نے ایام حمل میں جو خواب میں سنا کہ تمھارے حمل میں ایسے شخص ہیں کہ کل عالم سے بہتر ہیں یہی اعتقاد اہل سنت کا ہے کہ حضرت ملائکہ سے بھی افضل ہیں چنانچہ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات کبریٰ میں حضرت ابوالمواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کے حال میں لکھا ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ جامع ازہر میں مباحثہ اس شعر میں ہوا جو قصیدۂ بردہ میں ہے ؎

حضرت ملائکہ سے بھی افضل ہیں

فبلغ العلم فیہ انہ بشر		وانہ خیر خلق اللہ کلہم

ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اس مضمون پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوسکتی میں نے
کہا اس پر تو اجماع ہوچکا ہے مگر اوس نے نہ مانا اور اپنی ہی بات پر اڑا رہا
اوس رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ جامع ازہر کے
منبر کے پاس تشریف رکھتے ہیں اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی آپکے
ساتھ ہیں جب میں روبرو حاضر ہوا تو حضرت نے فرمایا مرحبا بحبنا پھر صحابہ
سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ آج کیا واقعہ ہوا اونھوں نے کہا نہیں یا رسول اللہ
فرمایا کہ فلاں تعس (ہلاک شدہ) اس بات کا اعتقاد رکھتا ہے کہ ملائکہ مجھ سے
افضل ہیں سب صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بات ہرگز نہیں زمین کے
اوپر کوئی چیز آپ سے افضل نہیں ہے فرمایا کہ وہ تعیس زندہ نہ رہے گا اور
اگر رہے گا تو ذلت اور گوشہ نشینی اور تنگی کی حالت میں رہے گا اوسکا کیا
حال ہے جو اعتقاد رکھتا ہے کہ میری تفضیل پر اجماع نہیں ہوا۔ کیا اوسے معلوم
نہیں کہ معتزلہ کی مخالفت اہل سنت کے ساتھ اجماع میں خلل انداز نہیں ہوسکتی انتہے
اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز افضل
نہیں ہوسکتی اس واقعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علمی کا حال
بھی معلوم ہوا کہاں مدینہ طیبہ اور کہاں مصر مگر جو کچھ وہاں ہو رہا تھا سب
پیش نظر تھا۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اوس نے یقیناً مجھ ہی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں متمثل نہیں ہوتا اسو جہ سے مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت کو خواب میں دیکھنے کے بعد شک نہیں کرنا چاہئے کہ فی الواقع حضرت ہی تھے یا اور کوئی شخص تھا پھر اس واقعہ میں جب حضرت نے خود اس مباحثہ کی خبر دی تو اسمیں بھی شک نہیں ہوسکتا کہ وہ خبر صحیح تھی یا نہیں کیونکہ حضرت نے جس چیز کی خبر دی وہ یقیناً صحیح ہے اور یہ واقعہ بیان کرنیوالے ایک ولی کامل ہیں جن کی ولایت کی تصدیق ایک جم غفیر علما اور اولیاء اللہ نے کی اسی وجہ سے امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ولی کامل اور عالم متبحر ہیں اون کو طبقات اولیاء اللہ میں ذکر کیا ہے غرض کہ کوئی شخص اہل سنت وجماعت سے اس واقعہ کا انکار نہیں کرسکتا اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اعمال پر علاوہ اس طریقہ سے جو ہر ہفتہ میں پیش ہوتے ہیں وقت عمل بھی مطلع ہیں اس لئے ہمکو چاہئے کہ جہاں تک ہوسکے برے کاموں سے احتراز کیا کریں تاکہ کوئی کام ہم سے ایسا نہ ہو جو حضرت کے عتاب کا باعث ہو حق تعالیٰ ہماری غفلت کو دور کرے اور ہمیں شرم عطا فرماوے۔ روایت مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت کی ولادت باسعادت کے وقت بی بی آسیہ اور بی بی مریم مع حوران بہشتی حاضر ہوئیں اس سے کس قدر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت ہوتی ہے۔ ان بیبیوں سے

تمام عورتوں سے کامل اور افضل ہیں حضرت کی دائیگی کا کام متعلق ہوا۔
اور اس کام کے لئے بہشت سے زمین پر اتاری گئیں حالانکہ مقتضائے عقل
عالم جسمانی کا کام اہل اجسام سے متعلق ہوا کرتا ہے۔ مگر چونکہ حضرت نور مجسم تھے
اس لئے اس کام کے اہل روحانیات ہی تھے۔

عالم خاکی میں نئی نئی صورتیں دیکھنے اور نئے نئے واقعات پیش آنے سے
خوف ہونا لازمۂ بشریت ہے اوس خوف کے دفع ہونیکے لئے منجانب اللہ
یہ تدبیر ہوئی کہ کسی فرشتہ نے حضرت بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا کے دل پر اپنے
بازو مل دیئے جس سے وہ قوی دل ہوگئیں۔ اور درد زہ کی اذیت جاتی رہی
ہر چند کسی کے دل کو قوی کر دینا اور درد کو دفع کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔
ممکن تھا کہ حق تعالیٰ حضرت بی بی کے دل میں خوف کو اور شکم میں درد کو پیدا
ہی نہ کرتا۔ مگر یہ عالم اسباب ہے۔ اسمیں ہر کام کے لئے ایک سبب مقرر کیا جاتا ہے
اسی واسطے خدا تعالیٰ کو مسبب الاسباب کہتے ہیں۔ چونکہ مسبب وہی ہے
اس لئے اسباب سے جو کام نکلتے ہیں اونکا بھی خالق خدائے تعالیٰ ہی ہے
مگر اسباب مقرر کرنے میں بہت سی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اسی کو دیکھ لیجئے کہ اگر
حضرت بی بی کے دل میں خوف اور شکم میں اذیت نہ ہوتی تو خیال بھی نہ آتا
کہ حق تعالیٰ نے ان دونوں چیزوں کو نہیں پیدا کیا۔ بخلاف اسکے کہ خوف
و درد کے بعد جب خلاف عادت ایک سبب قائم کیا گیا تو اس طرف توجہ ہوگی

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز کی غرض سے ایک فرشتہ اس کام کیلئے
متعین ہوا۔ اور حضرت کے خیر خواہ اور امتیوں کو فخر کرنے کا موقع ملا کہ حق تعالیٰ
کے نزدیک ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی وقعت و عزت ہے۔ اور
مخالفین کے دلوں پر اسکا صدمہ ہوا کیونکہ جب اس قسم کی روایت بیان
کیجاتی ہے تو اون پر نہایت شاق ہوتا ہے اور اقسام کے اعتراض شروع
کردیتے ہیں غرض کہ اسباب کا قائم کرنا خالی از مصالح نہیں مگر بعض اسباب کی
مصلحتوں کو ہم سمجھ سکتے ہیں اور بعض سمجھ نہیں سکتے چنانچہ روایت مذکورہ میں
جو بیان کیا گیا ہے کہ دیباج کا پردہ آسمان و زمین کے درمیان میں لگایا گیا تھا
اور ایک شخص نے پکار کر کہا کہ اون کو لوگوں کی نگاہ سے بچالو معلوم نہیں کہ
اسمیں کیا مصلحت تھی کیونکہ یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ لوگوں سے کون لوگ مراد ہیں
مگر اس پردہ کے منکشف کرنے سے اتنا تو یقین ہوتا ہے کہ ولادت شریف کے
وقت خدائے تعالیٰ کی جانب سے خاص قسم کا اہتمام تھا جو کسی کے واسطے نہوا۔
اور ہوا میں جو لوگ چاندی کے آفتابے لیکر کھڑے تھے بظاہر کوئی
بات یقینی طور پر سمجھ میں نہیں آتی مگر اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت تمام آلائش
جسمانی سے پاک ہیں جس کا حال ابھی معلوم ہوا اس لئے جسمانی پانی سے
غسل کرنے کی آپ کو ضرورت نہ تھی ممکن ہے کہ کسی دوسری قسم کا غسل ہو
مگر چونکہ حضرت کا جسم اس عالم کی غذاؤں سے بنا نہ تھا اس لئے اوس ملکوتی

جسم کے غسل کے لئے پانی بھی اوسی عالم کا ہونا چاہئے تھا اسی وجہ سے فرشتے
آفتابوں میں اوس عالم کا پانی لئے کھڑے تھے پھر جب حسب عادت آپ اس عالم
کی غذا نوش جاں فرمانے لگے اور بدل ما یتحلل جسم مبارک میں اوس سے
پیدا ہونے لگا اوسوقت اس عالم کے پانی کے استعمال کی ضرورت ہوئی
کیونکہ ہر موطن کے احکام و لوازم جدا ہوتے ہیں اسی کو دیکھ لیجئے کہ جب آپ
اوس عالم میں ہوتے تھے اور بمصداق لِی مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ کے اس عالم سے
آپ کو بے تعلقی ہوجاتی تھی تو اس عالم کے کھانے پانی کی طرف بالکل توجہ نفرماتے
اور متواتر بلا افطار روزہ پر روزہ رکھتے اور فرماتے کہ خدا مجھے کہلاتا ہے
اور پلاتا ہے حالانکہ نہ کھانا ہوتا تھا نہ یہ پانی ورنہ صوم وصال کہنا اوس پر
صادق ہی نہ آتا چونکہ وہ دوسرے موطن کا کھانا پانی تھا اس لئے اوس موطن کی
مناسبت سے اوس کی حقیقت ہی کچھ اور ہوگی کسی بزرگ نے کہا ہے ع

ذوق این می نہ شناسی بخدا تا نہ چشی

مواہب میں ابونعیم کی دلائل النبوہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت
کو نقل کیا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نزولِ اجلال حمل شریف میں
ہوا تو آسمانوں اور زمین میں حضرت کی آمد آمد کی بشارتیں بہم ہونے لگیں اور
مارے خوشی کے وحوش کی یہ حالت تھی کہ مشرق والے مغرب کی طرف اور
مغرب والے مشرق کی طرف اس بشارت کے پہونچانے کے لئے دوڑے

(جیسے عید کے روز مبارکباد دینے کے لئے بکمال مسرت سے لوگ ادھر و ادھر
پھرتے ہیں) اور اسی طرح دریا کے جانور بھی خوشی سے ہر طرف بشارتیں
پہونچاتے پھرتے تھے۔ انتہی الملخصاً اور مواہب ہی میں لکھا ہے کہ اوس
رات ملکوت اور عالم جبروت میں ندا دی گئی کہ جوامع قدس معطر کئے جائیں
اور مکلّل فرش بچھائے جائیں کیونکہ آج وہ نور مکنوں آمنہ رضی اللہ عنہا
کے شکم میں منتقل ہوا اور کعب احبار سے روایت ہے کہ تمام آسمان اور
زمین کے تمام مقامات پر ندا دیگئی کہ آج وہ نور مکنوں شکم آمنہ میں منتقل ہوا
انکو خوش خبری پر خوش خبری ہے اور اسکے ساتھ ہی عرب میں جو خشک سالی
اور قحط تھا دفع ہو گیا اور تمام زمین سرسبز ہو گئی اور درخت بار آور ہوئے اسوجہ سے
اوس سال کا نام سنۃ الفتح والابتہاج رکھا گیا۔ انتہی ملخصاً جب حمل میں تشریف
لانے کا اسقدر تمام عالم میں مسرت وابتہاج تھا تو قیاس کیجئے کہ خاص ولادت
باسعادت کے روز کس قدر عالم میں خوشیاں منائی گئی ہونگی اس خوشی
میں حصہ لینے والے وہی لوگ تھے جن پر حضرت کے حالات کا انکشاف
کر دیا گیا تھا یہ فضیلت صرف ملائکہ اور حیوانات ہی کے حصہ میں تھی جن و انس
اس سے محروم تھے کیونکہ ان پر اگر ایسے امور کا انکشاف ہوا کرے تو ایمان
بالغیب کی فضیلت سے محروم رہ جائیں گے حالانکہ یہ فضیلت ایسی ہے
کہ کسی کو حاصل نہیں مگر ابولہب نے بھی کسی قدر اس خوشی سے حصہ لیا تھا

تخفیف عذاب ابولہب بسبب سرور ولادت نبی ۔ ثویبہ را آزاد کردن

چنانچہ مواہب میں لکھا ہے کہ ثویبہ رضی اللہ عنہا نے جو ابولہب کی لونڈی تھی ابولہب سے کہا کیا تمھیں خبر پہونچی کہ تمھارے بھائی عبداللہ رضی اللہ عنہ کو آمنہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا یہ سنتے ہی کمال مسرت سے اوسے آزاد کردیا بخاری شریف وغیرہ میں روایت ہے کہ ابولہب کے مرنیکے بعد اوس کے کسی قرابت دار نے اوسے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا حالت ہے کہا کیا پوچھتے ہو جب سے تم لوگوں سے علیحدہ ہوا آگ میں جل رہا ہوں صرف پیر کی رات عذاب میں تخفیف ہوجاتی ہے اور انگوٹھے اور سبابہ کے بیچ میں اشارہ کرکے کہا کہ اوس رات اس مقام سے پانی جاری ہوتا ہے جسکو میں چوستا ہوں یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ثویبہ رضی اللہ عنہا نے جب مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری سنائی میں نے اوسے آزاد کردیا اور دودھ پلانے کو کہا تھا۔ حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جب کافر کو جس کی مذمت میں ایک سورۃ قرآن کی نازل ہوئی ہے۔ میلاد شریف کی رات خوشی کرنے کا ایسا بدلہ دوزخ میں دیا جاتا ہے تو حضرت کا جو امتی اور موحد ہو اور میلاد کی رات خوشی کرکے حسب مقدور حضرت کی محبت میں کچھ خرچ کرے اوسکو کیسی جزا ملے گی قسم ہے اس کی جزا یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُسے جنت میں داخل کریگا۔ اسی وجہ سے اہل اسلام ماہ میلاد شریف میں نہایت اہتمام کرتے ہیں کھانے کھلاتے ہیں اور اظہار سرور

کرتے ہیں اور مولود شریف پڑھواتے ہیں جس کی وجہ سے اون پر فضل الٰہی ظاہر ہوتا ہے منجملہ اور خاصیتوں کے اسکا تجربہ ہوچکا ہے کہ اوس سال امن رہتا ہے اور مرادات حاصل ہوتے ہیں۔ خدائے تعالیٰ اُس شخص پر رحم کرے۔ جو میلاد مبارک کی راتوں کو عید قرار دے جس کے سبب سے جو لوگ اس کام کو بُرا سمجھتے ہیں وہ خوب جلیں۔ انتہیٰ ملخصاً۔

ظہور آثار

صدق دل سے جو کار خیر کیا جائے اوسکا کچھ نہ کچھ بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے تو میلاد شریف پر اظہار مسرت کرنیکے آثار دنیا میں بھی ظاہر ہوسکتے ہیں۔ مگر یہ یاد رہے کہ بغیر صدق کے کسی کار خیر کا فائدہ نہ دنیا میں حاصل ہوتا ہے نہ آخرت میں۔ اگر کوئی وہابی مثلاً تقیہ کی راہ سے اعلیٰ پیمانہ پر محفل میلاد مرتب کرے یا کوئی اس خیال سے کہ لوگ اپنے کو کمال درجہ کا خوش اعتقاد خیال کریں اظہار مسرت کرے کچھ فائدہ نہ ہوگا اس کا سر یہ ہے کہ مدار ثواب وعقاب کا دل کی کیفیات پر ہے اچھا کام بدنیتی سے کیا جائے تو برا ہوجاتا ہے جیسے ریا کی عبادت اور برا کام نیک نیتی سے کیا جائے تو اچھا ہوجاتا ہے۔ جیسے اصلاح بین الناس کے خیال سے جھوٹ کہنا۔ غرضکہ مولود شریف کے عمدہ آثار اگر ظاہر نہ ہوں تو اپنا قصور سمجھنا چاہئے۔ اگر خلوص اور صدق کے ساتھ اظہار مسرت کیا جائے تو حق تعالیٰ کی طرف سے دارین میں اسکا بدلہ ضرور عنایت ہوگا

کیونکہ یہ امر مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اور محبوب کے وجود پر جس قدر خوشی کیجائے باعث خوشنودی حبیب ہوگی اور جس سے خدائے تعالیٰ خوش ہو اوسے کس چیز کی کمی ہے۔

زرقانی شارح مواہب نے لکھا ہے کہ میلاد کی محفلیں منعقد کرنا قرون ثلثہ میں نہ تھا اس لئے وہ بدعت ہے۔ مگر بدعت حسنہ جس کو امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے ثابت کیا ہے اور تاج فاکہانی نے اس کو بدعت سیئہ قرار دیا مگر امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اون کی تحریر کو حرفاً حرفاً رد کر دیا ہے۔

مسئلہ بدعت ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ اس لئے تھوڑا سا اسکا حال ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کل بدعۃ ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار اس لحاظ سے ایک فرقہ اس کا قائل ہوگیا کہ جو بدعت ہے وہ ضلالت ہے مگر چونکہ ہر زمانہ میں نئی نئی ضرورتیں پیش ہوتی ہیں جن کا رفع کرنا ضروری ہے۔ اگر نیا طریقہ ایجاد کرنا بالکل مذموم ہو تو بہت سی ضرورتیں پوری نہ ہونگی۔ پہلی ضرورت اسلام میں یہ پیش آئی کہ جب حفاظ صحابہ شہید ہونے لگے تو اندیشہ ہوا کہ کہیں قرآن شریف ہاتھ سے جاتا نہ رہے عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رائے دی کہ ہر ایک صحابی کو جس قدر قرآن شریف یاد ہے وہ کمال اہتمام سے ایک جگہ کر دیا جائے۔

ورنہ اس کے تلف ہونے کا اندیشہ ہے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا بلحاظ حدیث کل بدعۃ ضلالۃ یہ نیا کام ہے۔ میں ہرگز نہ کرونگا۔ مگر آخر آئی فیصلہ ہوا کہ اس کام کے کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ ایک صحابی اس کام مقرر کئے گئے اس کے سوائے وقتاً فوقتاً بحسب ضرورت نئے نئے کام ایجاد ہوتے گئے۔ اب اگر یہ کام ضلالت سمجھا جائے تو دین کے بہت سے کام غیر مکمل رہ جائیں گے۔ حالانکہ حق تعالی فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی اس تکمیل کا اثر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت فرمادیا کہ جو شخص کوئی اچھا طریقہ ایجاد کرے تو اسکو علاوہ اس کے ذاتی ثواب کے اون لوگوں کا بھی ثواب ملے گا جنھوں نے اس پر عمل کیا اور اس کی وجہ سے ان کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی چونکہ صحابہ خصوصاً خلفائے راشدین عمدہ عمدہ طریقہ برابر ایجاد کیا کرتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کل بدعۃ ضلالۃ کی کلیت ان کے نزدیک منسوخ تھی اسی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کی نسبت فرمایا کہ نعم البدعۃ یعنے اچھی بدعت ہے اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس بارہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی ثنا وصفت کی یہیں سے بدعت کے دو حصے ہوگئے ایک کا نام بدعت حسنہ اور دوسرے کا نام بدعت سئیہ۔ وہابی لوگ بیس رکعت تراویح اس وجہ سے نہیں پڑھتے کہ بدعت ہے اور عمر رضی اللہ عنہ

پر بہت خفا ہیں اور صاف کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو دین میں مداخلت کرنیکا
کیا حق تھا۔ اہل انصاف ذرا غور کریں کہ عمر رضی اللہ عنہ کا ورع و تقویٰ اور
دین کی خیر خواہی بڑھی ہوئی تھی یا اس آخری زمانہ کے وہابیوں کی جن کی آنکھوں
پر تعصب کا پردہ پڑا رہتا ہے کبھی ان کو اسکا خیال بھی نہیں آتا کہ عمر رضی اللہ عنہ
کی کیسی شان ہے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اون کی کیسی کیسی فضیلتیں بیان
کیں یہاں تک تو فرمادیا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتے
پھر عمر رضی اللہ عنہ نے دین کی ترقی میں کیسی کیسی کوششیں کیں اور اس کو
کہاں سے کہاں تک پہونچا دیا یہ لوگ ایسے جلیل القدر صحابی کو کہتے ہیں کہ وہ
جاہل تھے یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ دین میں کسی امر کی زیادتی یا کمی کرنا باعث
عتاب الٰہی ہے۔ خدائے تعالیٰ اس تعصب کے پردہ کو ان کی آنکھوں پر
سے نکالدے۔ تاکہ ہر چیز کا حسن و قبح ان کو نظر آجائے۔

اگر یہ لوگ تعصب کو دور کر کے مسئلہ میلاد پر غور کریں تو یقین ہے کہ
اس پر اظہار مسرت کو ہرگز برا نہ سمجھیں گے۔

دیکھئے کسی کا باپ کسی شہر میں مقتدا مانا جائے تو اوس کی اولاد کو اس
نسبت کا کس قدر افتخار ہوتا ہے اور لوگ بھی عزت کرتے ہیں اور صاحبزادے
کہتے ہیں جب باپ کے سر برآوردہ ہونے پر اولاد کو افتخار ہوتا ہے تو
نبی کے سر برآوردہ بین الانبیاء ہونے سے امتیوں کو کس قدر افتخار ہونا چاہئے

کیونکہ باپ کے ساتھ صرف جسمانی تعلق ہے اور نبی کے ساتھ روحانی تعلق ہے
اور ظاہر ہے کہ باپ صرف جسم کے وجود کا سبب ہوتا ہے جو چند سال میں
فنا ہو جاتا ہے۔ اور جو روحانیت کہ نبی کے وجود سے امتیوں میں پیدا
ہوتی ہے کبھی فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ ابدالآباد کے لئے انکو سعید بنا دیتی ہے
اگر بالفرض حضرت کی امت حضرت کی ولادت شریف کے وقت ہوتی اور
انکے وہ سب فوائد و منافع جو حضرت کی ذات سے متعلق و وابستہ ہیں
سب پیش نظر ہوتے اور حضرت کے فضائل ذاتی جو صف انبیا علیہم السلام
میں آپ کو ممتاز کرنے والے ہیں سب ذہن نشین رہتے تو کہئے کہ اسوقت
مارے خوشی کے انکا کیا حال ہوتا۔ اسمیں ذرا بھی شک نہیں کہ حیوانات
و ملائکہ کو حضرت کی ولادت سے جو خوشی ہوئی تھی اس سے بدرجہا زیادہ
ہوتی کیونکہ حضرت کو جو امت کے ساتھ خصوصیت ہے وہ انکے ساتھ نہیں ہے
اگر ہم مرتے دم تک حضرت کی امت میں رہیں اور خدا کرے کہ رہیں تو
حضرت کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے دربار عام میں قیامت کے روز حاضر
ہونگے۔ یہ شرف عالم میں نہ ملائکہ کو حاصل ہوگا نہ حیوانات کو۔ غرضکہ
امتیوں کو حضرت کے میلاد شریف کی خوشی ہونا ایک ضروری اور مقتضائے
فطرت ہے جس کا کوئی منصف مزاج امتی انکار نہیں کرسکتا۔ چونکہ اس
خوشی سے زیادہ کوئی خوشی نہیں ہوسکتی اس لئے اسکا مقتضیٰ یہ تھا کہ ہر وقت

اس خوشی کا اثر دل میں لگا رہتا مگر مقتضائے طبیعت ہے کہ کیسی ہی نعمت ملے
چند روز میں اس کی عادت ہوجاتی ہے اسی کو دیکھ لیجئے کہ ساعت بصارت
وغیرہ کیسی نعمتیں ہیں مگر کبھی خیال بھی نہیں آتا کہ ایسی نعمتیں ہیں جو دیگئیں
اور دینے والے کا شکر ہم پر واجب ہے۔ ایسی نعمت کی تجدید مسرت کیلئے
کسی یاد دلانیوالی چیز کی ضرورت ہے اور وہ یاد دلانے والی چیز زمانہ کی
معاودت ہے کیونکہ عام اصطلاح کے موافق ہر ہفتہ میں ہر دن اور ہر سال
میں ہر مہینہ لوٹ کر آتا ہے اور حق تعالیٰ نے بھی اسکا اعتبار فرمایا دیکھئے
عید قربانی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کل واقعات کو پیش نظر
رکھنے بلکہ اس کی حکایت کرنے کو فرض کر دیا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام
کی دوبارہ زندگی ہونے کی عید مسلمانوں میں قرار دیگئی۔ ادنیٰ تامل سے
معلوم ہوسکتا ہے کہ حج اور عید ذی الحجہ کی حقیقت بظاہر سوائے اوس
ایک واقعہ کی حکایت کے اور کچھ بھی نہیں جب اسمٰعیل علیہ السلام کی
دوبارہ زندگی پر مسلمانوں کو ہر سال عید منانے کا حکم ہوا تو حضرت ابوالعالم
فخر انبیا و رسل مسجود خلائق صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر مومنوں
کو کس قدر خوشی ہونی چاہئے۔

اگر کہا جائے کہ بجائے عید ذی الحجہ کے اس م میں ربیع الاول کی
عید کیوں مقرر نہیں ہوئی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام ایک لاکھ

سے زیادہ ہیں اور ہر ایک نبی کا کوئی نہ کوئی واقعہ ایسا ضرور ہو گا کہ باعث مسرت ہو
مثلاً آدم علیہ السلام کی پیدائش موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ہاتھ سے نجات پانا
ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود سرد ہو جانا وغیرہ ان تمام سے صرف اسمٰعیل
علیہ السلام جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جد تھے انکا واقعہ عید بنایا گیا
اس سے مقصود یہی معلوم ہوتا ہے کہ امتیوں کو نظیر ہاتھ آجائے تاکہ اگر اپنے
نبی کی ولادت کے روز کو عید ٹھہرادیں تو خودسری کا الزام ان پر عائد نہ ہو
اور تعجب نہیں کہ امتیوں کے ایمان کا موازنہ بھی اس سے مقصود ہو۔
کیونکہ یہ صاف بیان کر دیا گیا ہے کہ جس کو حضرت کے ساتھ اپنی جان و مال سے
زیادہ محبت نہو اسکو ایمان ہی نہیں۔ پھر محبت کا لازمہ یہ ہے کہ اسکے
محبوب کے وجود اور فضائل سے خوشی ہو اور جو خوش نہیں ہوتا اوس
محبت سے کوئی تعلق نہیں۔ عید میلاد مقرر نہ کرنے میں یہ سر معلوم ہوتا ہے کہ اگر
وہ روز عید مقرر کیا جاتا تو ہر شخص ادائے فرض کے لحاظ سے مراسم عید بجالاتا
جس طرح حج طوعاً و کرہاً کیا جاتا ہے اور محب غیر محب میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے
اب اگر کوئی کہے کہ محبت میرے دل میں ہے تو ہم کہیں گے کہ اس کے ظاہر کرنے میں
کون چیز مانع ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ تعین وقت بدعت ہے تو ہم کہیں گے کہ
بدعت وہ ہے جسکی نظیر شرع میں نہ ملے اور یہاں نظیر موجود ہے یعنے عید قربانی
بہر حال اگر باتیں بنانا چاہیں تو اسمیں بڑی گنجائش ہے اور ہمیں ضرور نہیں کہ

عید میلاد مقرر نہ ہونیکی وجہ

ہربات کا جواب دیں صرف اصول شرعیہ پیش کردینے کی ضرورت تھی تاکہ محبین صادق کے لئے کوئی احتمال اور مانع نہو۔

مواہب میں لکھا ہے کہ حضرت کی ولادت شریف میں اختلاف ہے بعض رات میں کہتے ہیں بعض دن میں اگر رات میں ہوئی ہو تو وہ رات لیلۃ القدر سے افضل سمجھی جائے گی اس لئے کہ لیلۃ القدر میں ملائکہ نازل ہوتے ہیں اور شب میلاد میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور لیلۃ القدر حضرت کو دیگئی اور یہ رات خود حضرت کے ظہور کی ہے۔ اور لیلۃ القدر کی خصوصیت حضرت کی امت کے ساتھ ہے اور اس رات کا فضل تمام عالم کیلئے اس لئے کہ رحمۃ للعالمین نے اسمیں تشریف لاکر تمام عالم کو مستحق رحمت بنایا انتہی ملخصاً

شارح زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس بحث میں جانیکی ضرورت نہیں اس لئے کہ شب میلاد گذر گئی اور اوس زمانہ میں لیلۃ القدر کا وجود بھی نہ تھا رہے شب میلاد کے امثال جو ہرسال مکرر ہوتے ہیں تو انکی فضیلت میں کوئی حدیث وارد نہیں ہوئی بخلاف شب قدر کے کہ اس کی فضیلت نصوص قطعیہ سے ثابت ہے۔ اور اگر ہم شب میلاد کی فضیلت کو تسلیم بھی کرلیں تو اس سے چنداں فائدہ نہیں اسلئے کہ زمانہ کی فضیلت اسوجہ سے ہوتی ہے کہ اسمیں جو کام کیا جائے وہ افضل ہو نفس زمانہ کی فضیلت چنداں مفید نہیں ہوسکتی انتہی ملخصاً

یہ درست ہے کہ امثال شب میلاد جو مکرر ہوتے ہیں انکی فضیلت میں

کوئی حدیث وارد نہیں مگر جب ہمیں مسلم شریف کی روایت سے معلوم ہوگیا کہ
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر دوشنبہ کو روزہ رکھتے تھے جب اس کا سبب
دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ وہ میری ولادت کا روز ہے تو ہمیں امثال کی فضیلت
ماننے میں کچھ تامل نہ ہوگا کیونکہ امثال روز ولادت کو حضرت نے لیے تعدت شی کہ
ہمیشہ بنفس نفیس روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس سے اوس روز کی فضیلت ثابت
ہوگئی اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس روز کا عمل بھی افضل ہے جب خود شارع علیہ السلام
نے امثال یوم ولادت کو افضل ترین عبادات یعنے روزہ کے ساتھ مخصوص فرماکر
اوسے وقعت دی تو ہمیں بھی ضرور ہے کہ اس کی وقعت کو مسلم رکھیں قال تعالیٰ
لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور بخاری شریف کی روایت سے
ثابت ہے کہ اظہار مسرت میلاد کے صلہ میں ہر دوشنبہ کے روز ابولہب کے
عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور عین دوزخ میں ٹھنڈا پانی ملتا ہے تو معلوم ہوا
کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک امثال روز ولادت بھی قابل قدر اور مفید ہیں
الحاصل فضیلت امثال یوم ولادت کی بحث بے فائدہ نہیں ہے بلکہ اسمیں
اظہار مسرت کرنا دوسرے عالم میں علیٰ حسب مراتب دفع آفات و رفع درجات
کا باعث ہے۔ یوں تو ہر دوشنبہ کو شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ حضرت
روزہ رکھ کر شکریہ ادا کرتے تھے مگر ہم امتیوں کو اتنا تو ضرور ہے کہ سال میں
ایک بار اظہار مسرت کیا کریں۔ وَمَا تَوْفِيقُنَا اِلَّا بِاللّٰہِ۔

صحت نامہ مقاصد الاسلام حصہ یازدہم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۹	۱	قایم	قائم
۱۰	۸	تبسوید ہ	بتسوید ہ
۱۳	۷	تھی	بہی
۱۷	۱۵	خصہ ئص	خصائص
[illegible]	۳	پتھروں	پتھروں سے
۱۹	۸	ہوا	ہو
۲۰	۱۷	الہی کو	الہی
۲۴	۶	دکہنی	دیکہنے
۲۵	۹	اون کو	اون سے
۲۶	۳	نکل جاتی	نکل جاتی
۳۴	۳	حگھہ	جگھہ
۳۹	۴	ٹوُل	مایوُل
۴۷	۹	بتائی گئی	بنائی گئی
۴۹	۱	ہوجائیگی	ہوجائیگی
۵۰	۱۴	اوتری	اُتری
۶۲	〃	التیٓ	التی
۸۷	۱۵	جہرا	جھڑا
۱۰۶	۲	انا	اتا

اعلان

اہل اسلام کو بشارت دیجاتی ہے کہ حضرت مولانا مولوی حاجی حافظ محمد انوار اللہ صاحب فضیلت المخاطب نواب فضیلت جنگ بہادر علیہ الرحمہ کے تصانیف جن کی بسبب اقتضائے زمانہ نہایت سخت ضرورت ہے مندرجہ ذیل پتہ سے شائقین کی طلب پر روانہ کی جاسکتی ہیں۔

مقاصد الاسلام از حصہ اول تا حصہ یازدہم جس میں اخلاق۔ تمدن۔ فقہ۔ کلام۔ فلسفہ اسلام۔ تصوف وغیرہ مضامین پر نہایت محققانہ اور دلکش طرز پر بحث کی گئی ہے۔ کاغذ۔ لکھائی۔ چھپائی۔ درجہ اعلیٰ قیمت ہر حصہ علیحدہ علیحدہ

(حسب ذیل ہے):

مقاصد الاسلام حصہ اول	ایضاً حصہ دوم	ایضاً حصہ سوم	ایضاً حصہ چہارم	ایضاً حصہ پنجم	ایضاً حصہ ششم
۱۴/	۱۲/	۱۰/	۱۲/	۱۴/	عال
ایضاً حصہ ہفتم	ایضاً حصہ ہشتم	ایضاً حصہ نہم	ایضاً حصہ دہم	ایضاً حصہ یازدہم	ایضاً حصہ دوازدہم
عمر/	۱۴/	سعہ	۱۲/	۱۰/	زیر طبع

کتاب العقل۔ اس کتاب میں عقل کی حقیقت کھولدی گئی ہے کہ دینی ابواب میں اسکی کہانتک رسائی ہوسکتی ہے جن مسائل پر فلسفہ جدیدہ و حکمت قدیمہ کا اثر پڑتا تھا اون کے جوابات عقلی نہایت محققانہ انداز سے دیے گئے ہیں رنگین ٹیٹل لکھائی۔ چھپائی۔ کاغذ اعلیٰ۔ قیمت ... عمر/

حقیقۃ الفقہ ہر دو حصہ۔ اسمیں محققین و محدثین کے فرائض منصبی اون کے کارنامے اور حدیث و فقہ و اجتہاد کی ضرورت نہایت مدلل طور سے ثابت کیگئی ہے۔ بالخصوص حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی جانفشانیاں اور فضائل جو اکابر محدثین کے اقوال سے ثابت ہیں نہایت شرح و بسط کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ رنگین ٹیٹل لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ قیمت سعہ

افادۃ الافہام ہر دو حصہ۔ یہ کتاب مرزا غلام احمد قادیانی کے ازالۃ الاوہام کا جواب ہے۔ ابتک اس مذہب کی تردید میں ایسی جامع کتاب شائع نہیں ہوئی۔ اس کے مطالعے سے مذہب قادیانی کے مقاصد سے بخوبی آگاہی ہوجاتی ہے جوابات کے ضمن میں کئی دینی ضروری مسائل کی تحقیق و نیز بہت سارے تاریخی حالات درج ہیں۔ لکھائی چھپائی و کاغذ اعلیٰ جو دیکھنے سے تعلق ہے۔ قیمت ... عال

المعلن

حافظ محمد ولی الدین فاروقی امدادی مہتمم دفتر مجلس اشاعۃ العلوم موقوعہ مدرسہ نظامیہ شبلی گنج حیدرآباد دکن